یااللہ جل جلالہ

یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ وَسلَّم

علمِ تصوف وطریقت پر مشتمل کتاب مستطاب

مفتاح السلوک

گنجینۂ ادبیات، آداب المریدین گواہرات
جلدہفتم

ازرشحات فیض قلم
قدوۃ العارفین العالم النبیل فقید المثیل
الشیخ الاستاذ المفتی
سیداحمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ
فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: مفتاح السلوک

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: اپریل ۲۰۱۵ء بمطابق جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ

طباعت ثانی:

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

شریعت و طریقت کے 50 سے زائد مختلف مسائل و حقائق کا بیان

فصل در بیان
تئیس رمضان المبارک کی شب میں سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم پڑھنا

دور حاضر کے علماء تئیس رمضان المبارک کی شب میں سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم پڑھنے کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں حالانکہ قرآن کے پڑھنے سے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں:

کقولہ علیہ السلام وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ و الحسنۃ بعشر امثالھا لا اقول آلم حرف الف و لام حرف و میم حرف۔[1]

حاشیہ مشکوٰۃ پر تفصیل یوں ذکر کی ہے کہ:

"الف حرف ای مسمی الف حرف و الاسم ثلثۃ احرف ففی سورۃ البقرۃ یکون عدد الحسنات تسعین الخ"[2]

خاص کر سورۂ عنکبوت و سورۂ روم پڑھنا کیونکہ یہ جنت میں جانے اور دوزخ سے بچنے کا سبب ہے۔

عن النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم من قرأ سورۃ العنکبوت کان لہ من الاجر عشر حسنات بعدد کل المؤمنین و المنافقین۔اھ۔[3]

1(رواہ الترمذی و الدارمی مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۱۸۶)

2(لمعات حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ نمبر ۱۸۶)

3(تفسیر ابی السعود آخر سورۃ عنکبوت صفحہ نمبر ۲۶۴/۷، الکشف و البیان عن تفسیر القرآن سورۃ العنکبوت (29): الآیات 1 الی 11 ص ۳۶۹ ج۷، الوسيط في تفسير القرآن المجيد سُورَةَ الْعَنْكَبُوتِ ج۳ ص ۴۱۲، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل سورة العنكبوت ج۳ ص ۴۶۵، أنوار التنزيل وأسرار التأويل سورة العنكبوت : آية 69 ج٤ ص۲۰۰، اللباب في علوم الكتاب ج۱۵ ص ۳۸۰ دار الكتب العلمية - بيروت / لبنان، السراج المنير في الإعانة على معرفة بعض معاني كلام ربنا الحكيم الخبير ج۳ ص ۱۵۵ مطبعة بولاق (الأميرية) - القاهرة، تفسير أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم سورةَ العنكبوتِ ج۷ ص ۴۸ دار إحياء التراث العربي - بيروت، دَرْجُ الدُّرر في تَفِسيِر الآيِ والسُّوَر سورة العنكبوت ج۳ ص ۱۳۷۳ مجلة الحكمة، بريطانيا، دَرْجُ الدُّرر في تَفِسيِر الآيِ والسُّوَر سورة العنكبوت ج۲ ص ۴۳۴ دار الفكر - عمان، الأردن، فتوح الغيب في الكشف عن قناع الريب (حاشية الطيبي على

وعن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم من قرأ سورۃ الروم کان لہ من الاجر عشر حسنات بعدد کل ملک اللہ تعالی بین السماء و الارض و ادرک ما ضیع فی یوم ولیلۃ۔اھ۔[4]

کتاب جنت الفردوس جو نظم کی کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ جسے جنت چاہئے اور اس کا امیدوار ہو تو جب رمضان کی تئیسویں رات آ جائے تو تراویح کے بعد سورہ عنکبوت وروم کو پڑھے یا سنے تو یہ شخص اہل جنت سے ہو کر حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے دوستوں میں سے ہو جائے گا۔[5]

در بیان شب کہ در آن شب گناہان ہمہ بخشیدہ میشوند وآن شب بیست وسوئم ماہ رمضان است واگر در شب بیست وسوئم ماہ رمضان سورۂ عنکبوت وروم بخواند خوانندہ وشنوانندہ را بآتش دوزخ کار نباشد۔[6]

رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلمؐ گفت:

من قرأ سورۃ العنکبوت وسورۃ روم فی لیلۃ الثالثۃ و العشرین من رمضان فھو من اھل الجنۃ۔[7]

سننے کا ثواب پڑھنے سے زیادہ ہے۔ پڑھنے والے کیلئے ایک اجر ہے اور سننے والے کے لئے دو اجر ہیں اس لئے قاری سورۃ عنکبوت وروم کی تلاوت کرتے ہیں اور باقی لوگ سنتے ہیں۔ اسی طرح سننے اور

الکشاف)سورۃالعنکبوت ج۲ ا ص ۲۰۶ جائزۃدبي الدولیۃللقرآن الکریم،فضائل القرآن سورۃالعنکبوت ج۲ص ۱۸۷دار ابن حزم، تخریج الأحادیث والآثار الواقعۃفي تفسیر الکشاف للزمخشري سُورَۃالعنکبوت ج۳ص ۵۰دار ابن خزیمۃ-الریاض)

4(تفسیر ابی السعود آخر سورۃالروم ص ۲۸۸/۷)

5(جنت الفردوس صفحہ نمبر ۶۵ تا۶۷)

6(ارشاد الطالبین صفحہ نمبر ۲۲۳)

7(انیس الواعظین صفحہ نمبر ۳۰)

سنانے کا معمول حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی تھا:

کقولہ وقد کان رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم یامر من قرأ القرآن فی المسجد ان یسمع قرأتہ و کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یامر من یقرأ علیہ و علی اصحابہ وھم یستمعون و لانہ اکثر عملاً و ابلغ فی اللہ بر او نفعہ متعد لایقاظ قلوب الغافلین۔[8]

و کان اصحاب النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم اذا اجتمعوا امروا احدھم ان یقرأ سورۃ من القرآن و ھکذا فی (تفسیر روح البیان صفحہ ۴/۵۰۰)

اور جو شخص سلف صالحین کے معمولات پر طعن کرتے ہیں تو وہ مردود الشہادۃ ہے: قال فی التکملۃ ص ۱/۱۴۵۔ من طعن فی علماء الامۃ لا یلو من الا امہ کما فی الکرمانی۔

حجۃ الاسلام السید محمد تقی المقدم خزانۃ الاسرار میں لکھتے ہیں:

سورۃ العنکبوت:

روی عن رسول اللہ الاعظم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم قولہ۔ من قرأ سورۃ العنکبوت کان لہ من الأجر عشر حسنات بعدد کل المؤمنین و المنافقین۔"[9]

و روی عن الامام الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قولہ۔ "من قرأ سورۃ العنکبوت و الروم فی لیلۃ ثلاث و عشرین من شھر رمضان فھو و اللہ من اھل الجنۃ لا استثنٰی فیہ ابداً، و لا اخاف أن یکتب اللہ علیّ فی یمینی إثماً و ان لھاتین السورتین من اللہ مکاناً۔"[10]

---

8 (طحاوی صفحہ ۱۷۴ و فی احیاء العلوم ص ۱۵۸)

9 (خزانۃ الاسرار ص ۲۳۰ ج ۱، مجمع البیان ج ۸ مقدمۃ السورۃ)

10 ((خزانۃ الاسرار ص ۲۳۰ ج ۱)، اعلام الدین فضائل سور القرآن ص ۳۷۳، الشیخ الحسن بن ابی الحسن الدیلمی من اعلام القرآن ثامن الھجری، ثواب الاعمال ج ۱ ص ۱۰۹ ثواب من قرأ سورۃ العنکبوت و الروم، مؤلف الشیخ الصدوق المتوفیٰ ۳۸۱ھ)

سورۃ الروم:

روی عن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم قولہ: ومن قرأھا کان لہ من الأجر عشر حسنات بعدد کل ملک سبح للہ مابین السماء و الارض، وأدرک ماضیع فی یومہ ولیلتہ۔[11]

فصل دربیان
شبِ جمعہ میں سورۃ الملک پڑھنا

بعض علماء شبِ جمعہ میں سورۃ الملک پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مبارک نے فرمایا:

من قرأفی کل لیلۃ الجمعۃ بعد العشاء الاخیرۃ تبارک الذی بیدہ الملک اذامات ینزل بہ منکر ونکیر قال من ربک فقال نکیر لمنکر لا تسألہ من ربک فانہ کان یقرأ تبارک الذی بیدہ الملک۔[12]

یعنی جو شخص ہر شب جمعہ کو بعد نماز عشاء "تبارک الّذی بیدہ الملک" پڑھے گا تو جب اس کا انتقال ہوتا ہے اور اس کے پاس منکر و نکیر آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے، تو نکیر منکر سے کہتا ہے اس سے من ربک کے بارے میں مت پوچھو کیونکہ یہ تبارک الذی بیدہ الملک پڑھتا تھا۔

وفی خزانۃ الروایات من دستور القضاۃ قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم من قرأفی کل لیلۃ الجمعۃ بعد العشاء الاخیرۃ تبرک الذی بیدہ الملک اذامات ینزل

---

11 (خزانۃ الاسرار ص ۲۳۰ ج ۱، مجمع البیان ج ۸ مقدمۃ السورۃ)

12 (جواھر النفیس فصل احوال المیت ص ۲۰۴، دستور القضاۃ ص ۴۸، لصدر بن رشید الترمذی)

به منكر و نكير قال من ربک فقال نكير لمنكر لا تسئله من ربک فانه كان يقرأ تبرک الذی بيده الملک اه۔[13]

فصل در بیان
محفل میلاد شریف منعقد کرنا

بعض علماء محفل میلاد شریف منعقد کرنے کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ میلادِ مصطفی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم منانا مستحب اور مستحسن اور عاشقوں کا کام ہے۔

اقامۃ القیامۃ میں حضرت علامہ مولانا محمد صالح لکھتے ہیں:

امّة النّبیّ صَلی اللّٰه تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَ سلَّم من العرب و المصر و الشّام و الرّوم و الاندلس و جمیع بلاد الاسلام مجتمعٌ و متّفقٌ علیٰ استحبابه و استحسانه۔

یعنی نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی امت، عرب، مصر، شام، روم، اندلس اور اسلامی ممالک سب کا اجماع اور اتفاق ہے کہ میلاد مصطفی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مستحب اور مستحسن ہے۔

آگے لکھتے ہیں: حضرت علی شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الّف فی ذالک العلماء و حثوا علی فعله فقالو ا لا ینکرها الّا مبتدع فعلیٰ حاکم الشّریعة ان یّعزره۔

یعنی نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے میلاد پاک پر علمائے کرام نے کتابیں لکھیں اور اس میلاد شریف کرنے پر رغبت دلائی اور فرمایا میلاد مصطفی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا انکار کرنے والا بد مذہب ہے حاکم شریعت پر لازم ہے کہ ایسے منکر کو سزا دے۔[14]

13(جواھر النفیس فصل احوال المیت ص ۲۰۴ و دستور القضاۃ ص ۴۸ لعون بن رشید الترمذی)
14(اقامۃ القیامۃ ص ۱۹)

فصل در بیان
حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کے ایمان کا بیان

بعض علماء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ کافر تھے اور کفر پر فوت ہوئے (العیاذ باللہ)۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تمام آبا و اجداد، صاحبانِ ایمان و توحید تھے، سب مؤمن مسلمان تھے۔

جیساکہ تفسیر مظہری میں لکھاہے:

المراد منہ تقلبک من اصلاب الطّاھرین السّاجدین للہ الیٰ ارحام الطّاھرات السّاجدات و من ارحام السّاجدات الیٰ اصلاب الطّاھرین ای الموحّدین و الموحّدات حتّٰی یدلّ علیٰ انّ آباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلّھم کانو امؤمنین۔

یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پاکیزہ اور اللہ کو سجدہ کرنے والے مردوں کی پشت سے ان عورتوں کے رحم کی طرف منتقل ہوئے جو طاہر اور سجدہ کرنے والی تھیں اور پھر ان طاہرات وساجدات کے رحم سے ایسے پاکیزہ افراد کی طرف منتقل ہوئے جو سبھی اللہ تعالیٰ کی توحید پر قائم تھے۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے تمام آباؤاجداد صاحبانِ ایمان وتوحید تھے۔[15]

حدیث پاک میں ہے:

عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ و اصحابہ وَسلِّم سال ربہ ان یحیی ابویہ فاحیاھما لہ فامنا بہ ثم اماتھما۔[16]

---

15 (تفسیر مظھری ج۷ ص ۸۹) تحت ھذہ الایت وتقلّبک فی السّاجدین۔ تفسیر روح المعانی ج۷ ص ۱۳۷ تا ۱۳۸ مطبوعہ بیروت

16 (زرقانی علی المواھب صفحہ ۱۶۸ جلد ۱، حجۃ اللہ علی العٰلمین صفحہ ۲۱۴)

ترجمہ: ”حضرت عروۃ بن زبیر، ام المؤمنین عائشۃ صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنے رب کریم سے دعا کی یااللہ میرے والدین کو زندہ کر تو رب ذوالجلال نے اپنے حبیب صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی دعا کو قبول فرمایا، دونوں کو زندہ کیا اور وہ دونوں (والدین کریمین) اپنے لختِ جگر رحمت اللعالمین صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پر ایمان لائے اور پھر اپنی اپنی آرامگاہوں میں آرام فرما ہوگئے۔“

ایک محب نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا قول مبارک: قال بعضھم:

ایقنت ان ابا النبی و امہ احیاھما الرب الکریم الباری

حتی لہ شھدا بصدق رسالۃ سلم فتلک کرامۃ المختار

ھذا الحدیث و من یقول بضعفہٖ فھو الضعیف عن الحقیقۃ عاری۔

”بیشک نبی رحمت صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ ان دونوں کو ان کے رب کریم نے زندہ کیا حتیٰ کہ دونوں نے رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے سچے رسول ہونے کی گواہی دی۔“

اے عزیز اس بات کو مان لے کہ یہ مختار نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی کرامت ہے (عزت افزائی کے لئے ہے) اور دوبارہ زندہ ہو کر ایمان قبول کرنا یہ حدیث سے ثابت ہے اور جو کوئی اس حدیث پاک کو ضعیف کہے وہ خود ضعیف ہے (اس کا ایمان ضعیف ہے) ایسا شخص حقیقت سے عاری ہے۔[17]

17 (حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۹۸)

محب الرسول علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد مبارک

ان اللہ احیاھما لہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلّم حتی آمنا بہٖ وھذا السبیل مال الیہ طائفة "کثیرة" من الائمة الحفاظ ھم الحافظ ابو بکر الخطیب البغدادی و الحافظ ابو القاسم ابن عساکر و الحافظ ابو حفص بن شاھین و الحافظ ابو القاسم السھیلی و الامام القرطبی و الحافظ محب الدین الطبری و العلامة ناصر الدین بن المنیر و الحافظ فتح الدین بن سیدالناس۔[18]

اس بات میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلّم کے اعزاز واکرام کے لئے آپ کے والدین کو زندہ فرمایااور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلّم پر ایمان لائے۔اس امر کی (زندہ ہو کر ایمان لانے کی) حدیث پاک کو بہت سارے اماموں اور حافظ حدیث نے اپنایا ہے، مثلاً: (۱) حافظ الحدیث ابو بکر خطیب بغدادی، (۲) حافظ الحدیث ابو القاسم ابن عساکر، (۳) حافظ الحدیث ابو حفص بن شاہین، (۴) حافظ الحدیث ابو القاسم سہیلی، (۵) امام قرطبی، (۶) حافظ الحدیث محب الدین طبری، (۷) علامہ ناصر الدین بن منیر، (۸) حافظ الحدیث فتح الدین بن سید الناس۔

الحافظ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ و جزاہ عن الاسلام و المسلمین خیر الجزاء فانہ الف فی ذلک جملة مولفات اثبت فیھا نجاتھما ببراھین کثیرة و اقام النکیر علی من زعم خلاف ذلک من اھل الجمود و الجحود۔

اللہ تعالیٰ حافظ الحدیث امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کو تمام مسلمانوں کی طرف سے بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے کئی کتابیں اس موضوع پر لکھی ہیں اور دلائل قاہرہ سے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلّم کے والدین کریمین کا نجات یافتہ ہونا ثابت کیا ہے اور

---

18 (زرقانی علی المواھب ص ۱۲۹ ج ۱، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۱۳)

جن لوگوں نے اپنی ضد تعصب اور جمود کی وجہ سے اس کے خلاف باتیں کی ہیں ان کی خوب خبر لی ہے۔[19]

علامہ سید محمود آلوسی صاحب روح المعانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

آیت پاک سے سید العٰلمین ا کے والدین کریمین کے مؤمن ہونے پر استدلال کیا گیا ہے جیسے کہ اہلسنت کے بہت سارے جلیل القدر علماء اور ائمہ کرام کا مسلک ہے۔ نیز فرمایا: واخشیٰ الکفر علیٰ من یقول فیھما رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔ یعنی جن علماء نے رحمتِ کائنات صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق اس کے خلاف کہا ہے مجھے تو ان کے متعلق خوف ہے کہ ان کا اپنا ایمان ضائع نہ ہو جائے۔[20]

فصل دربیان کراماتِ اولیاءاللہ
اولیاءاللہ کی کرامات کے بیان میں

بعض علماء اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر جسم کے ساتھ ظاہر نہیں ہوسکتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کو جو کرامات عطا فرمائی ہیں ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر متعدد اجساد کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس کرامت کو تعددِ اجساد کہا جاتا ہے۔

جیسا تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:

ذَکَرَ اِبْنُ السَّبکِی فِی الطَّبَقَاتِ اَنَّ الْکَرَامَاتَ اَنْوَاعٌ وَعَدَّ مِنْہَا اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَجْسَادٌ مُتَعَدِّدَۃٌ۔

---

19 (حجۃاللہ علی العلمین ص ۲۹۸)

20 (تفسیر روح المعانی ص ۱۳۸ ج ۱۹ مطبوعہ ملتان، زیر آیت وتقلبک فی الساجدین)

یعنی علامہ ابن سبکی نے طبقات میں ذکر فرمایا کہ کرامتوں کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ولی کے کئی جسم ہو جاتے ہیں۔[21]

تفسیر مظہری میں ہے:

وَ کَذٰلِکَ یَجْعَلُ لِنُفُوْسِ بَعْضِ اَوْلِیَآئِہٖ فَاِنَّھُمْ یَظْھَرُوْنَ اِنْ شَاءَاللّٰہُ تَعَالیٰ فِی آنٍ وَاحِدٍ فِی اَمْکِنَۃٍ شَتّٰی بِاَجْسَادِھِمِ الْمُکْتَسِبَہ۔[22]

یعنی یوں ہی خدا تعالیٰ اپنے بعض ولیوں کو طاقت عطا فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک آن میں متعدد جگہوں میں اپنے اجساد مبارکہ کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

وَلَا مَانِعَ مِنْ اَنْ یَّتَعَدَّدَ الْجَسَدُ الْمِثَالِیْ اِلیٰ مَالَا یُحْصٰی مِنَ الْاَجْسَادِ۔[23]

یعنی اس سے کوئی مانع نہیں کہ جسد مثالی کا تعدد بے شمار اجساد میں ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَا تباعد مِنَ الْ اولیائی حَیْثُ طُوِیَتْ لَھُمُ الْاَرْضُ وَ حَصَلَ لَھُمْ اَبْدَانٌ مُکْتَسِبَۃٌ مُتَعَدِّدَۃٌ وَجَدُوْھَا فِیْ اَمَاکِنِ مُخْتَلِفَۃٍ فِی آنٍ وَاحِدٍ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر۔[24]

حضرت خواجہ محمد حضرمی قدس سرہ نے پچاس شہروں میں بیک وقت جمعہ پڑھایا۔

قَالَ الشَّعْرَانِی وَاَخْبَرَنِی مِنْ صُحْبِ الشَّیْخِ مُحَمَّد اَلْحَضْرَمِیْ اَنَّہُ خَطَبَ فِی خَمْسِیْنَ بَلْدَۃٍ فِی یَومٍ وَاحِدٍ خُطْبَۃَ الْجُمْعَۃِ وَصَلّٰی بِھِمْ اِمَاماً۔

---

21 (تفسیر روح البیان ص ۲۱۵ ج ۹، الحاوی للفتاویٰ ص ۳۴۲ ج ۱)

22 (تفسیر مظہری ص ۲۷۷ ج ۳)

23 (تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵، الجز ثانی والعشرین تحت ھذا الآیت "وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرِّلَّھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ" ص ۱۵، مطبعہ دار الفکر بیروت)

24 (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۳۱)

یعنی قطبِ وقت سیدنا امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے اس شخص نے بتایا جو کہ شیخ محمد حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رہا کہ حضرت شیخ حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی دن میں ایک ہی وقت میں پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ سبحان اللہ ! یہ تو شانِ ولایت ہے۔ شانِ نبوّت کا کیا کہنا۔[25]

حضرت محمد شربینی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی، اور کچھ اولاد عجم میں تھی، اور کچھ اولاد بلادِ ہند میں تھی، اور کچھ بلادِ تکرور میں تھی، آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنی اہل و عیال کے پاس ہو آتے، اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔ اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان ہی کے پاس قیام رکھتے تھے۔[26]

سیدنا جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَفِیْ الْمُمْکِنِ اَنْ یَّخصَّ اللّٰہُ تَعَالیٰ بَعْضُ عِبَادَہٖ فِی حَالِ الْحَیوٰۃِ بِخَاصِیَۃِ لِنَفْسِہِ الْمَلکِیَّۃِ الْقُدْسِیَّۃِ وَقُوَّۃٌ لَھَا یُقَدِّرُ بِھَا عَلٰی التَّصَرُّفِ فِی بَدَنٍ آخَرَ غَیْرَ بَدَنِھَا اَلْمَعْھُوْدُ مَعَ اِسْتِمْرَارٍ تَعْرِفُھَا فِیْ الْاَوَّلِ۔

”ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی خاص بندے کو بوجہ اس کے نفس ملکیہ قدسیہ اور خداداد قدرت کے ذریعے اپنے بدن حقیقی میں دائمی تصرف کے علاوہ دوسرے بدن میں متصرف و قادر کیا ہو۔“[27]

امام ربانی محبوب سبحانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوبات کے صفحہ ٦٧ میں فرماتے ہیں: جب جنات کو یہ طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلیں اختیار کر کے عجیب و غریب حالتیں ظاہر

25(روح البیان ج ٩، ص ٦ ١ ٢، جمال الاولیاء ص ١٨٨، مطبع تھانہ بھون)
26(جمال الاولیاء ص ٢٠٢، مطبوعہ تھانہ بھون)
27(وَکَذَالِکَ قَالَ الْعَلَّامَہ اِبْنِ حَجَر ھَیْتَمِی مَکِّیْ قَدِّسَ سِرَّہٗ فِی الْفَتَاوٰی حَدِیْثِیَہ، ص ٤٦)

کرتے ہیں تو اگر اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو یہ امور حاصل ہوں تو محل تعجب کیوں؟ ان کا دوسرے جسم میں تصرف کرنا اسی قبیل سے ہے جو منقول ہے کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ ایک گھڑی میں متعدد مقامات میں حاضر ہو کر لطائف وظرائف دکھاتے ہیں اور مختلف شکلوں میں ہوتے ہیں جو اسی تصرف باطنی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے اپنے عزیزوں کے ہاں بھی ہیں اور حرم مکہ میں طواف کرتے ہوئے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ اسی وقت کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم نے اس وقت روم میں دیکھا دوسرے کہتے ہیں اس گھڑی ہم نے انہیں بغداد میں دیکھا۔ یہ انہی بزرگ کی واقعی وہی صورت ہے جو انہوں نے مختلف شکلیں اختیار کر کے تصرف کیا اور متعدد مقامات پر موجود ہوئے۔ یہ شکل کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہے اور کبھی عالم مثال میں۔ چنانچہ ایک رات میں ہزاروں سعادت مند حضور سرور عالم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ یہ صورت مبارکہ کے لطائف سے ہے۔ اسی طرح مریدین اپنے مشائخ کی صورت مثالیہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور حل مشکلات کراتے ہیں۔

شیخ المحققین سیدنا شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اولیاء کرام کا متعدد مقامات پر ہونا بعید نہیں کیونکہ ارواح مقدسہ انبیاء بعد وصال بمنزلہ ملائکہ کے ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی افضل جیسے ملائکہ مختلف شکلوں میں آسکتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام بھی آسکتے ہیں اور عالم دنیا کی حیات میں بھی بعض حضرات کو اس کا تصرف حاصل ہوتا ہے کہ ایک ہی روح متعدد ابدان میں جو معہود بدن کا غیر ہے تصرف کرے۔[28]

---

28 (جذب القلوب، بحوالہ اولیاءاللہ کے تصرفات، ص ۵۴ تا ۵۷)

حضرت علامہ شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا کہ کیا اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہوں پر دعوت قبول کر سکتے ہیں۔[29]

قطب وقت عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

وَمِنْهَا شُهُوْدُ الْجِسْمِ الْوَاحِدِ فِيْ مَكَانَيْنِ فِيْ آنٍ وَاحِدٍ۔

کرامت سے یہ بھی ہے کہ ایک جسم کا آنِ واحد میں دو جگہوں میں ظاہر ہونا یعنی تعددِ اجساد۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تعدد اجساد صرف روح کے ساتھ ہوتا ہے، جسم کے ساتھ محال ہے۔

اس پر امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جلال آگیا، فرماتے ہیں:

فِيْمَا مَنْ يَقُوْلُ اَنَّ الْجِسْمَ الْوَاحِدَ لَا يَكُوْنَ فِيْ مَكَانَيْنِ كَيْفَ يَكُوْنُ اِيْمَانُکَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَاِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا فَقَلِدْ وَاِنْ كُنْتَ عَالِمًا فَلَا تَعْتَرِضْ فَاِنَّ الْعِلْمَ يَمْنَعُکَ۔

یعنی افسوس ہے اس شخص پر جو کہتا ہے کہ ایک جسم دو جگہ نہیں ہو سکتا۔ اے ایسا کہنے والے، کیا تیرا معراج پاک والی حدیث پر ایمان نہیں۔ (جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر مبارک میں بھی دیکھا) ارے ایسا کہنے والے، اگر تو مومن ہے تو تقلید کر، اگر تو عالم ہے تو اعتراض کیوں کرتا ہے (اگر تیرا علم نوری ہے) تو تجھے تیرا علم اعتراض کرنے سے باز رکھے گا۔[30]

حضرت شیخ ابو العباس مرسی قدس سرہ کو ایک نیاز مند نے نمازِ جمعہ کے بعد اپنے گھر تشریف لے جانے کی دعوت دی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس دعوت کو قبول فرمالیا۔ پھر دوسرا عقیدتمند آیا،

29(ملفوظات شریف ج ۱)

30(الیواقیت والجواھر ص ۲)

اس نے بھی اپنے ہاں کے لئے دعوت دی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھی وعدہ فرمالیا۔ پھر تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں آیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب کے ساتھ وعدہ فرمالیا۔

ثُمَّ صَلَّی الشَّیۡخُ مَعَ الۡجَمَاعَةِ وَ جَآءَ فَقَعَدَ بَیۡنَ الۡفقهاءِ وَ لَمۡ یَذۡهَبۡ لِاَحَدٍ مِّنۡهُمۡ وَ اِذَا بِکُلٍّ مِّنَ الۡخَمۡسَةِ جَآءَ یَشۡکُرُ الشَّیۡخَ عَلٰی حُضُوۡرٍ عِنۡدَهٗ۔[31]

یعنی حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ پڑھی تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھ گئے اور کہیں نہیں گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ پانچوں نیاز مند دعوت دینے والے آئے اور حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ان سب کے گھروں میں تشریف لے جانے پر ہر ایک نے شکریہ ادا کیا۔

حضرت ابو العباس مرسی قدس سرہ وہ ہستی ہیں کہ جن کے بارے میں آتا ہے، وہ خود فرماتے ہیں:

لَوۡ حَجَبَ عَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلی اللّٰه تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَ سلَّم طَرۡفَةَ عَیۡنٍ مَا عَدَدۡتُ نَفۡسِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ۔

یعنی اگر رسول اکرم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مجھ سے پلک جھپکنے کی مقدار غائب ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان ہی نہ سمجھوں۔

حضرت سید امام علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ مکان شریف والوں کو ساٹھ آدمیوں نے افطاری کی دعوت دی تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب کے گھر بیک وقت روزہ افطار کیا اور کھانا کھایا۔[32]

حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیک وقت چالیس اشخاص کے گھر جا کر کھانا کھایا۔[33]

---

31 (الحاوی للفتاویٰ للعلامہ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۳۴۰، ج ۱)
32 (بحوالہ سلسبیل بابت ماہ شوال مکرم، ۱۳۸۴ھ، بحوالہ حاضر و ناظر ص ۹۶، ۹۵)
33 (کتاب ذخیرۃ الملوک منقول از خزینہ معرفت ص ۱۸۳)

سیدنا امام ربّانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لاتعداد گھروں میں بیک وقت کھانا کھایا۔ جہانگیر بادشاہ نے سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ رسولِ اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں اور ایک ہی وقت میں مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہو گی اور رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم تو ایک ذات ہیں تو حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ہر مرنے والے کی قبر میں کیسے پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔ سیدنا امام ربّانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بادشاہ! دہلی والوں کو کہو کہ وہ میری دعوت کریں، لیکن دعوت ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں ہو۔ اس فرمائش پر جہانگیر نے اپنے بہت سے احباب کو امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کے متعلق کہہ دیا اور اس دن خود بھی جہانگیر نے امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کی۔ وقتِ مقرر پر سیدنا امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادشاہ کے ہاں دعوت کھائی۔ رات اس کے ہاں قیام فرمارہے۔ صبح بادشاہ نے ان دعوت دینے والوں کو بلا کر پوچھا تو سب نے فرداً فرداً اقرار کیا کہ امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کل رات کا کھانا ہمارے گھر کھایا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ حیران ہوا۔ سیدنا امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بادشاہ! میں تو سیدِ دوعالم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ادنیٰ امتی ہوں اور جب میں سب کے گھر بیک وقت موجود ہو کر کھانا کھا سکتا ہوں تو رسول اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کیوں ہر قبر میں جلوہ فرما نہیں ہو سکتے۔[34]

34(ملخصاًفیوضاتِ مجددیہ ص ۱۱)

خاتمۃ المحدثین علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ قضیب البان رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ نقل فرمایا ہے، اور حضرت قضیب البان وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق حضرت محبوب سبحانی سرکار غوثِ اعظم قدس سرہ سے سوال ہوا تو آپ قدس سرہٗ نے فرمایا:

هُوَ وَلِيٌّ مُقَرَّبٌ ذُوْ حَالٍ مَّعَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَهٗ۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قرب والا ولی ہے۔ وہ صاحب حال ہے اور وہ قضیب البان رحمہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سچائی کے قدم والے ہیں۔

پھر کسی نے عرض کیا کہ حضور وہ تو نماز نہیں پڑھتا۔

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اَنَّهٗ يُصَلِّيْ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهٗ وَاِنِّيْ اَرَاهُ اِذَا صَلّٰى بِالْمُوْصِلِ اَوْ بِغَيْرِهَا مِنْ اٰفَاقِ الْاَرْضِ يَسْجُدُ عِنْدَ بَابِ الْكَعْبَةِ۔

یعنی فرمایا کہ قضیب البان رحمہ اللہ تعالیٰ وہاں نماز پڑھتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں سکتے مگر میں اسے دیکھتا ہوں کہ موصل میں یا کسی اور جگہ زمین کے کسی خطہ میں نماز پڑھے تو سجدہ وہ خانہ کعبہ کے دروازہ کے پاس ہی کرتا ہے۔[35]

تفریح الخاطر میں ہے کہ ایک دفعہ ماہِ رمضان شریف میں ستّر اشخاص نے حضور غوث پاک رحمہ اللہ تعالیٰ کو دعوتِ افطار دی اور ان میں ہر ایک دوسرے سے بے خبر تھا۔ آپ قدس سرہٗ نے ہر ایک کی دعوتِ افطار قبول کی اور ہر ایک کے گھر میں بیک وقت حاضر ہو کر روزہ افطار کیا۔ نیز اسی دن اور اسی وقت اپنی خانقاہ شریف میں بھی حاضر تھے اور روزہ افطار فرمایا تھا۔

35(الحاولی للفتاوی، ۳۴۱، ج ۱)

وشاع ھذا الخبر فی بغداد فخطر فی قلب خادم من الخادمین ان حضرت الغوث ما خرج من التکیة فکیف یتصور رواحه الی بیوتھم واکل طعامھم فی آن واحد منھم وحضرت واکلت طعامھم فی بیوتھم فردا فردا۔ (ص ۳۸)

یعنی یہ خبر بغداد شریف میں شائع ہوئی تو غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادموں میں سے ایک خادم کے دل میں یہ شک پیدا ہوا کہ غوث پاک تو اپنی خانقاہ شریف سے باہر نہیں گئے تو یہ کیسے تصور میں آسکتا ہے کہ ان لوگوں کے گھر میں بیک وقت آن واحد میں تشریف لے گئے اور روزہ افطار کیا۔ اس پر غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ تمام لوگ اپنے اپنے قول میں سچے ہیں۔ میں نے ہر ایک کی دعوت کو قبول کیا۔ آن واحد میں ان کے گھروں میں حاضر ہوا اور ان کے ہمراہ طعام بھی کھایا۔

قارئین کرام! یہ تو مصطفی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے غلاموں اور عاشقوں کی قوتِ خداداد کا حال ہے۔ خود اس آقا و مولیٰ و معشوقِ حقیقی شاہدِ کائنات صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی قوتِ خداداد کا تصور کر لو۔ جب آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے غلام اولیاء اللہ اپنے عقیدتمندوں کے ہاں بیک وقت حاضر و ناظر ہو سکتے ہیں تو سید العالمین صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کیونکر شاہدِ کائنات نہیں ہو سکتے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ قدیم مدّت سے چلا آرہا ہے اور منکر کے لئے زجراً فرماتے ہیں کہ اس میں وہی جھگڑا کرے گا جسے وہم ہے کہ:

اَنَّ وُجُوْدَ شَخْصٍ وَاحِدٍ فِیْ مَکَانَیْنِ فِیْ وَقْتٍ وَاحِدٍ غَیْرَ مُمْکِنٍ بَلْ ھُوَ مُسْتَحِیْلٌ۔

یعنی ایک شخص کا موجود ہونا دو مکانوں میں ایک ہی وقت میں غیر ممکن ہے بلکہ محال ہے۔

وَلَيْسَ كَمَاتَوَهَّمَ هٰذَاالْمُتَوَهِّمُ مِنَ الْاِسْتِحَالَةِ۔

یعنی جس طرح یہ وہمی وہم کر رہاہے یہ بات محالات سے نہیں ہے۔

کیونکہ بڑے ائمہ عظام نے اس قسم کے جواز اور ممکن ہونے پر نص کی ہے۔ غور کیجئے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی شخصیت اس شخص کو وہمی خبطی یعنی مخبوط الحواس، پاگل سے تعبیر کر رہے ہیں جو اس مسئلہ کا منکر ہے۔

کرامت کا منکر، دل کا اندھا

علامہ عبد الوہاب بن تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

لا ینکرہ الا جاھل معاند من انواع الکرامات للعلماء والصالحین۔۔ ولا یعاند فیہ الا من طمس قلبہ والعیاذ باللہ۔

"علماء و صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات کا منکر، معاند جان بوجھ کر مخالفت کرنے والا ہوتا ہے۔ کرامت کی مخالفت کرنے والے کے دل کو اللہ تعالیٰ اندھا کر دیتا ہے۔"[36]

منکرین کرامات کے چہرے بے رونق اور بے نور ہوتے ہیں

علامہ عزالدین بن عبد العزیز بن عبد السلام السلمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مما یدلّ علی صحۃ مذھب الفقراء کثرۃ کراماتھم وما راینا احدًا من الفقھاء وقع علی یدیہ کرامۃ الا من سلک منھاجھم ومن لم یؤمن بکراماتھم حرم برکتھم وقد شاھدنا کل من انکر علی الفقراء من غیر دخول فی طریقھم یصیر علی وجھہ کابۃ وعلامۃ علی الطرد والمقت لا تخفیٰ علی ذی بصیرۃ ولا ینفع اللہ بعلمہٖ احدا بخلاف اھل الاعتقاد فیھم۔

36(طبقات، ص ۲۷، ج ۲)

"طریقۂ فقراء کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ ان سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا ہے، اس کے برعکس ہم نے کسی بھی ظاہری علم والے سے کوئی کرامت کبھی نہیں دیکھی، البتہ جو ظاہری علم والا فقیروں کے طریقہ پر چلے گا، تو اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ جو کرامات فقراء کے منکر ہیں، یہ ان کی برکت سے محروم رہتے ہیں۔ ہم نے ایسے منکرین کو دیکھا ہے جو فقراء کے طریقے کو سمجھے بغیر اعتراض کرتے رہتے ہیں، تو ان کے چہرے بے رونق اور بے نور ہوتے ہیں، ان پر غضب خداوندی اور ان پر مردود ہونے کی نشانی لگی ہوتی ہے جو اہل بصیرت سے چھپی نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ ایسے علم والوں سے کسی کو نفع نہیں پہنچاتا۔ مگر فقراء سے عقیدت رکھنے والوں کے علم سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے۔"[37]

کرامات اولیاء حق ہیں

کتب عقائد میں تصریح کی گئی ہے کہ کرامات اولیاء حق ہیں۔[38]

صاحب نبراس نے لکھا ہے کہ کرامات اولیاء کا منکر معتزلی ہے۔ اہل سنت وجماعت سے خارج ہے ملاحظہ ہو۔[39]

علمائے دیوبند کے مشہور شیخ القرآن والحدیث اور مولوی زکریا صاحب کے شاگرد خاص مولوی حمد اللہ مظاہری اپنی کتاب **البصائر لمنکر التوسل باھل المقابر** میں لکھتے ہیں:

چھٹا نکتہ: کرامت کے بیان میں: جاننا چاہیے کہ مطلق کرامت شرافت کے معنی میں غیر ذوی العقول پر ہر انسان کیلئے ہے جیسا کہ ارشادِ خُداوندی ہے **"ولقد کرّمنا بنی اٰدم"** تو یہ کرامت آدمیت

37(انوار قدسیہ، ص ۴۶، ج ۱)
38(شرح عقائد ص ۱۴۴)
39(نبراس ص ۱۴۷)

اور انسانیت کی ہے باقی تمام اشیاء پر۔ اور اصطلاحِ علماء میں کرامت خارقِ عادت اُمور کا ظہور ہے اُس شخص سے جو مسلمان ہو اور دعویٰ نبوّت نہ کرتا ہو اور خلافِ شرع کاموں سے بچتا ہو اور طاعات میں مشغول ہو کیونکہ اگر خارقِ عادت اُمور نبوت کے مُدعی سے قبل از نبوت ظاہر ہو تو اُسے اِرھاص کہتے ہیں اور اس کو تغلیبًا اور تشبیہًا معجزہ کہتے ہیں۔ اگر نبوت کے اعلان کے بعد ظاہر ہو تو مُعجزہ ہے اور اگر غیر مدّعی نبوت جو موٴمن ہو اور خواہشات ولذّات سے بچتا ہو اور اطاعت میں مشغول ہو، سے صادر ہو تو یہ کرامت ہے اور اگر خواہشات سے پرہیز نہ کرتا ہو تو یہ کام اس کے دعوی کے مطابق ہو گا یا مخالف۔ اگر مطابق ہو تو استدراج ہے اور اگر مخالف ہو تو اھانت ہے۔ جیسا کہ مسیلمہ کذّاب نے دعوی کیا کہ میں اندھی آنکھ ٹھیک کرونگا تو صحیح آنکھ کو بھی اندھی کردیا اور اگر عام موٴمن کے دعوے کے مطابق ہو اور دُعا کرے کہ مصیبت دُور ہو جائے تو یہ معونت ہے۔ معلوم ہوا کہ خارقِ عادت کی چھ اقسام ہیں۔ جب آپ نے ان اقسام کو جان لیا تو یہ جاننا چاہیے کہ کراماتِ اولیاء حق ہیں۔ جیسا کہ شرح عقائد میں ہے کہ "کرامات الاولیاء حق خلافا للمعتزلة" اور وہ لوگ جو معتزلہ کے قائم مقام ہیں اور کہتے ہیں کہ کرامت نہیں ہے جیسا کہ قصیدہ امالیہ میں ہے۔ "کرامات الولی بدار دنیا لھا کون فھم اھل النوال" یعنی اولیاء کی کرامات دنیا میں ثابت ہیں اور ولی عطا اور بخشش کے اہل ہیں اور شرح مواقف مقصد نہم میں کرامتِ اولیاء کی بحث میں ذکر ہے کہ کرامات جائز ہیں ہمارے نزدیک۔ اور یہ بات اُن لوگوں کے خلاف ہے جو خارقِ عادت کے جواز اور وقوع کے مخالف ہیں، خلافا للاستاذ ابی اسحاق والحلیمی اور معتزلہ بھی کراماتِ اولیاء کا انکار کرتے ہیں، اور استاذ ابوالحسن معتزلی انکار نہیں کرتے۔

(۱)اگر کسی اور کو علم حاصل ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہوتا ہے (حافظ کفایت اللہ صاحب)۔

امام نے اربعین میں کہاہے کہ معتزلہ کرامت کا انکار کرتے ہیں، اور استاذ ابو اسحاق بھی ان کی موافقت کرتے ہیں جبکہ ہمارے اکثر اصحاب اس کو ثابت کرتے ہیں اور کرامات کا جواز ہمارے اُصول سے ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ ممکنات کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہے جو تمام ممکنات کو شامل ہے پس کوئی ممکن شئ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ناممکن یعنی ممتنع نہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض واجب نہیں اور اس میں شک نہیں کہ کرامت ایک ممکن ہے ذات کے اعتبار سے۔ فرض کے وقوع سے محال لازم نہیں آتا۔

(۱) کرامت کے وقوع کی دلیل حضرت مریم علیہا السلام کا قصّہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بغیر ظاہری سبب کے رزق پہنچتا تھا اور خشک درخت سے تازہ اور پختہ کھجور گری تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی کرامت تھی یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارہاصات میں سے ہے۔

(۲) مگر یہ بات انصاف کے خلاف ہے۔

(۳)اسی طرح حضرت آصف بن برخیار ضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصّہ کہ حضرت بلقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تخت ایک لمحہ یعنی (پلک جھپکنے) میں حاضر کر دیا۔

(۴)اسی طرح اصحابِ کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قصّہ کہ تقریباً تین سو ۳۰۰سال تک سوتے رہے مگر اُن کے جسموں میں کوئی تبدیلی اور تغیّر نہیں آیا بلکہ اُن کے اجسام صحیح وسالم تھے جبکہ اصحابِ کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالاتفاق انبیاء نہ تھے تو یہ کرامت ہوئی اور یہ خارقِ عادت امور جو

مذکور ہوئے ہیں ان میں نبوت کی شرائط بھی نہ تھیں اور نہ ہی معجزے کی شرائط تھیں جو کہ نبوت کا دعویٰ کرنا ہے۔

(۱)تو کرامت بھی واقع ہو سکتی ہے بلکہ واقع ہوئی ہے۔(حافظ کفایت اللہ)

(۲)ارھاصات۔خرق عادت امور کی تقسیم میں وضاحت ہو چکی ہے۔(مترجم ابو الصابر سواتی)

(۳)کیونکہ اگر یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ ہوتا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے پھر یہ کیوں پوچھا کہ انّٰی لک ھٰذا اور حضرت مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ قالت ھو من عند اللہ۔ بلکہ یوں فرماتیں کہ یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام کیا اپنے معجزے سے باخبر نہ تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام سے پوچھا؟ اور دوسرا یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام نے دعویٰ نبوت بھی نہیں کیا تھا تو یہ بات ثابت ہے کہ جو خرقِ عادت کام کسی غیر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے نہ کہ معجزہ۔(حافظ کفایت اللہ)

(۴)پندرہ سو میل کے فاصلے سے تخت حاضر کرنا بھی کرامت ہے نہ کہ معجزہ کیونکہ یہ کام غیر نبی کے ہاتھ سے صادر ہوا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت لانے کا حکم مخاطبین کو فرمایا تھا کقولہ تعالیٰ "قال یایّھا الملأ ایّکم یأتینی بعرشھا۔۔۔الخ"تو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ نہ تھا بلکہ حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت تھی۔(حافظ کفایت اللہ)

محقق بغدادی نے روح المعانی میں آیت "واحاط بما لدیھم واحصٰی کلّ شئ عددًا" کے تحت فرمایا ہے کہ ای فردًا فردًا حال من فاعل یسلک بتقدیر قد۔۔۔الخ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے احاطہ کیا ہے ہر اس چیز کا جو ان کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو فردًا فردًا یعنی ایک ایک کرکے گن

لیاہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے تمام اشیاء پر علم کے مزید اعتناء اور اہتمام کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ منفرد ہے اس علم میں علی الکمال۔ اور اس علم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں مثلاً فرشتے جو وسائط اور ذرائع اس علم کے ہیں۔ گویا ایسا کہا گیا کہ لٰکن من ارتضیٰ جو وہ رسول ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بواسطہ مَلک یعنی فرشتہ کے بعض وہ غیب عطا فرمایا جو رسالت سے متعلق ہے اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے تمام احوال اور وسائط اور تمام اشیاء پر بطریقہ حصر و تفصیل کے احاطہ فرمایا ہے۔ پس واسطے کب اس کے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور یا یہ حال ہے احصیٰ کے فاعل کا اور اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ رصد نے بذاتِ خود اس علم میں جو ان کو دیا گیا ہے زیادتی اور نقصان نہیں کیا گویا کہ اس طرح کہا گیا ہے کہ رسولِ اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اس بات کو جان لیں کہ رصد نے اُمورِ مفوضہ ان کو پہنچائیں ہیں اس حال میں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کو جانتا ہے پس اگر انہوں نے زیادتی یا نقصان کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے رصد مقرر نہیں فرماتا جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں زیادتی یا نقصان کرتے ہیں اور اگر کوئی اس آیت "فلایظھر علی غیبہٖ احدًا۔۔۔الخ" سے استدلال کرے کہ بعض غیب کی باتوں کی اطلاع کراماتِ اولیاء سے نہیں ہے تو یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیت سالبہ جزئیہ کی قوّت میں ہے کیونکہ حیز سلب میں وہ چیز شامل ہے جو عموم کا فائدہ دیتی ہے اور اس کا استعمال اکثر سلبِ عموم کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ صاحبِ شرح مقاصد نے تصریح فرمائی ہے اور عمومِ سلب کیلئے نہیں آتا جو سلبِ کلی ہے بلکہ سلبِ جُزئی کیلئے آتا ہے اور یہ ایجابِ جزئی کے منافی نہیں ہے تو مطلب یہ ہوا کہ بعض غیب ولی کیلئے بھی ثابت ہے جیسا کہ بعض اہلسنت وجماعت نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول "لاتدرکہ الابصار وھو یُدرک الابصار" کی تفسیر میں (۱) اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ استثناء کا تقاضہ یہ ہے کہ مرتضیٰ رسول

مظہر اور مطّلع ہیں اللہ تعالیٰ کے تمام غیوب پر کیونکہ نفی سے استثناء مستثنیٰ کیلئے نفی کی نقیض کے ایجاب کا تقاضا کرتا ہے اور سالبہ جزئیہ کا نقیض موجبہ کلیہ ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کسی پر بھی اپنے تمام غیوب کا ظاہر نہیں فرماتا کیونکہ یہ استثناء منقطع ہے جس پر حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر استثناء متصل ہوتا تو پھر یہ مراد ہوتا جبکہ حقیقتًا یہ استثناء منقطع ہے نہ کہ متصل۔

(ا) کہ یہاں مراد عموم کا سلب ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ عام اوقات میں لوگ دیکھ نہیں سکتے نہ کہ یہ مراد ہے کہ کسی بھی حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ (حافظ کفایت اللہ)

اور یہ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کے اظہار کی نفی ہر کسی کیلئے سوائے رسولوں کے فرمائی ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ فرشتوں کو بھی معلوم نہیں یعنی ان پر بھی اظہار نہیں فرمایا کیونکہ رسول سے مراد بشر ہیں۔ جیسا کہ ”فانّہ یسلک۔۔۔الخ“ سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ رسولِ بشر کے لئے فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ رسول کے بغیر جو صرف نبی ہو اور رسول نہ ہو اُن پر بھی غیب کا اظہار نہ ہوا ہو کیونکہ یہاں خاص معنٰی مراد ہے جو کہ رسالت اور اس کے ساتھ نبوت ہے اور یہ اعتراض اس لیے وارد نہیں ہو سکتا کہ ہم پہلے اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

اور اسی طرح یہ لازم بھی نہیں آتا کہ وہ علم جو رسالت سے متعلق نہ ہو وہ رسول پر ظاہر نہ ہو اور وہ علم حکمتِ شرعی میں مُخل نہ ہو اگر اس کا اظہار کیا جائے کیونکہ بعض مظہر کا اس علم کے ساتھ جو رسالت سے متعلق ہے حصر نہیں ہے اور اگر اس کی طرف روح المعانی نے اشارہ کیا ہے تو یہ مقام کے تقاضے کی وجہ سے ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہر وہ غیب جو ظاہر ہو جائے رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ

واصحابہ وَسلَّم پر تو وہ رسالت کے ساتھ متعلق ہے اور رسالت کے متعلقات سے ہو گا تو بات محلّ توقف ہے یعنی اس بارے میں تصریح نہیں ہوئی ہے اور مفسرین نے اس مقام پر کلام مع مالہ وما علیہ علی حسب الامکان فرمایا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جب اہلِ سنت وجماعت کا مذھب یہ ہے کہ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات ثابت ہیں وہ غیب پر مطلع ہیں اور ظاہر آیت سے نفی معلوم ہو رہی ہے۔"فلایظهر علی غیبه احدًا۔۔الخ"کیونکہ اس میں صرف رسول اور نبی علیہ السلام کا استثناء ہوا ہے نہ کہ ولی کا۔تو زمخشری نے کہا کہ اس میں فی الجملہ کرامات کی نفی اور ابطال ہے نہ کہ سلب کلّی کے ساتھ کیونکہ مراد اس سے غیب کا اظہار ہے نہ کہ مطلق کرامت کیونکہ اظہارِ غیب کے بغیر مطلق کرامت کی نفی اس آیت سے معلوم نہیں ہوتی اور یہ کیوں کرامت کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔زمخشری کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو کرامت کی اضافت حاصل ہوتی ہے

(ا) میں نہیں جانتا کہ مصنّف کی یہ بات ماذکرنا یعنی ہم نے پہلے ذکر کیا ہے،سے کیا مراد ہے۔(واللہ اعلم) اور یہ کس چیز کا حوالہ ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ تفصیلی علم جو اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی ہے تو یہ حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر بہ نسبت تمام مخلوقات کے ہو تو پھر حاصل ہو سکتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ رسولِ ملائکہ کو عطا فرمائے تو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ علم اگر فرشتوں کے واسطے سے ہو تو جو فرشتے اس علم کو لاتے ہیں تو ان کو بھی یہ معلوم ہو گا کیونکہ اگر انہیں معلوم نہ ہو تو وہ رسول تک کیسے پہنچائیں گے اور اگر یہ علم بغیر واسطے کے ہو تو ہو سکتا ہے کہ رسولِ بشری کو حاصل ہو اور فرشتوں کو اس کی خبر نہ ہو اور جب رسول کو یہ علم عطا کیا گیا جو رسالت سے متعلق ہے تو پھر یہ علم نبی کو بھی عطا کیا جا سکتا ہے کیونکہ نبی کے بھیجنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ رسالت اور نبوت کے متعلقات لوگوں تک

پہنچائیں جائیں اور عام سے خاص کا ارادہ کرنا یہ مجازاً ہے اور یہاں پر مجازی معنی پر رسول سے خاص معنی مراد لیا جائے تو وہ بعثت کے منافی ہے جو اللہ کے احکام کی تبلیغ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ (حافظ کفایت اللہ)

اولیاءہیں اور مرتضین بھی ہیں لیکن انبیاءاور رُسل نہیں ہیں اور جبکہ اس آیت میں رسولوں کی تخصیص اطلاع علی الغیب کے ساتھ ہے اور کہانت اور علمِ نجوم کا ابطال ہے کیونکہ یہ لوگ ارتضاء سے بہت دُور ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غصّہ اور ناراضگی میں داخل ہیں اور انہوں نے آیتِ کریمہ کی تفسیر اپنے مذھب کے موافق کی ہے اور معتزلی کا استدلال اپنے مذھب پر تام یعنی مکمل نہیں ہوتا کیونکہ امام نے فرمایاہے کہ اس آیت میں عموم کا صیغہ نہیں ہے پس کافی ہے اس آیت پر عمل کرنے میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب کو کسی پر بھی ظاہر نہیں فرماتا پس اس آیت میں اس بات کی دلیل نہیں رہی کہ اللہ تعالیٰ غیب میں سے کوئی چیز ظاہر نہیں فرماتا کیونکہ اس سے مراد قیامت کا وقوع ہے کہ قیامت کب ہوگی نہ کہ اس سے مراد عام غیب ہے۔ پھر کہا کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ آیت کو خاص غیب پر محمول کرتے ہیں جو قیامت کا واقع ہوناہے اور یہ خاص غیب ہے تو پھر یہ کیوں فرمایاگیا کہ "الّا من ارتضی من رسول۔۔۔الخ" اور یہ (قیامت کا علم) رسولوں پر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے بلکہ قیامت کے وقوع کا علم قُربِ قیامت میں ظاہر ہوگا اور کیوں نہ ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ویوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملائکۃ" اور اس میں شک نہیں کہ اس وقت فرشتوں کو وقوع قیامت کا علم حاصل ہوگا اور یہ بھی احتمال ہو سکتاہے کہ اس سے مراد استثناء منقطع ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے پس ظاہر نہیں فرماتا کسی پر بھی خاص غیب کو جو وقوعِ قیامت کا علم ہے اس کے بعد کہا گیاہے "الّا من ارتضی من رسول" یعنی "یسلک

من بین یدیه و من خلفه حفظة یحفظو نه من شرّ مر دة الانس و الجن انتهٰی" یعنی آگے پیچھے نگہبان فرشتے حفاظت کرتے ہیں سرکش انسان اور جنّات سے۔

اس پر اعتراض ہے کہ علی غیبه میں عموم پر دلالت ہے اور سیاق بھی عموم کے منافی نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں طعن کیا جائے اس کا ظاہر اول جواب یہ ہے کہ قیل کے قول سے مراد رسول سے ملک یعنی فرشتہ ہے اس آیتِ کریمہ میں۔ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یسلک۔۔۔الخ اس سے موافقت نہیں ہے جیسے کہ پہلے یہ بحث گزر چکی ہے کیونکہ فرشتوں کا سلک رسولِ بشری سے ہوتا ہے نہ کہ رسولِ ملکی سے تو رسولِ بشری ہے نہ کہ رسولِ ملکی۔ اس کے علاوہ یہ کہ فرشتوں کا علم "یوم تشقق السماء" کے دن اظہارِ غیب نہیں بلکہ شہادت کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ جیسا کہ بارش کا اظہار بارش کے نزول کے وقت اور مافی الارحام کا اظہار وضعِ حمل کے وقت، یہ شہادت کا اظہار ہے۔ اسی طرح اس وجہ سے انقطاع جس کا ذکر ہو چکا بہت بعید ہے کیونکہ اس میں سابق اور لاحق کے درمیان مناسبت نہیں ہے مگر یہ کہ اگر یہ کہا جائے کہ مناسبت کا قطع ہونا منقطع میں ضرر یعنی نقصان نہیں دیتا اور کہا گیا ہے کہ غیب کا اطلاع کے معنیٰ میں ظاہر ہونا مکمل وجوہ کے ساتھ اس شان سے کہ اس سے اعلیٰ درجہ کا علم حاصل ہو جائے اور مراد عموم السلب ہے اور ضرر نہیں دیتا اس میں اس چیز کا دخول جو نفی کے حیّز میں عموم کا فائدہ دیتا ہو کیونکہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کہ قاعدہ کلیہ اس آیتِ مبارکہ کی وجہ سے کہ "وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿٢٣﴾" یا یہ آیتِ کریمہ "وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیمٍ ﴿بقرة ٢٧٦﴾ (١)۔ ان آیتوں میں عموم السلب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور فخر کرنے والے سے محبت نہیں فرماتا اور ہر کافر اثیم کے ساتھ محبت نہیں فرماتا۔ یعنی عدمِ محبت ہر کافر، متکبّر اور فخور کو شامل ہے اور عموم کا سلب مراد نہیں ہے کہ گویا ہر ایک کو پسند

نہیں فرماتا اور بعض کے ساتھ محبت فرماتا ہے اور علّامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر تصریح فرمائی ہے۔ اس بناء پر آیت کا معنیٰ یہ ہوا "فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿جن ۲۷﴾ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب میں سے بعض اشیاء کو اس شان سے ظاہر فرماتا ہے کہ آگے پیچھے چلتا ہو، الخ اور وارد نہیں ہوتا ولی کی کرامت کیونکہ اس کو اظہار مذکور نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان کو علم کے اعلیٰ مراتب حاصل نہیں ہوتے اس غیب سے جس سے خبر دی جاتی ہے اور ظنونِ صادقہ یا اس کی مثل حاصل ہوتے ہیں اسی طرح اور لوگ بھی ہیں جیسے کافروں کے اربابِ ریاضت یعنی کافروں کو بھی ریاضت کی وجہ سے ظنون حاصل ہوتے ہیں۔ پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بعض صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں مثلاً محی الدین قدس سرہ کہ اولیاء پر بھی فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور کبھی کبھی ان اولیاء کو غیب کی خبر دیتے ہیں اور اس بات پر یہ آیت "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾" دلیل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ظن ہے اور اس علم کی طرح نہیں ہے جو رسول کو حاصل ہوتا ہے۔ تو یہ بات بحث سے خالی نہیں بلکہ کبھی ولی کو بواسطہ الہام حاصل ہوتا ہے جس طرح رسول کو حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح یہ لازم آتا ہے کہ فرشتے کیلئے غیب ظاہر ہو جائے کیونکہ رسول مستثنیٰ رسولِ بشری ہیں۔ جیسا کہ سابقہ بحث سے ظاہر ہوا اور اگر یہ التزام کیا جائے کہ معنیٰ سابقہ کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا بلکہ واسطے سے ظاہر ہوتا ہے تو اس کے لیے کوئی وجہ نہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ کرامات کا اثبات جمہور اہلِ سنت وجماعت کا قول ہے بخلاف معتزلہ کے۔ اور ان کی دلیل غیر تام یعنی نامکمل ہے جیسا کہ آپ نے جوابات سے سمجھ لیا ہے۔

اسی طرح کراماتِ اولیاء کے ثبوت میں احادیث وارد ہیں اور کتبِ احادیث میں باب الکرامات ذکر کیا جاتا ہے۔ جس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ جیسے بغیر باپ کے بیٹا پیدا کرنا اور بغیر سبب کے رزق دینا اور حضرت بلقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تخت حاضر کرنا اور اصحابِ کہف کا واقعہ یہ سب کرامات ہیں۔

(۱)یعنی یہ قاعدہ ہے کہ جب عام نفی کے حیزّ میں آجائے تو سلب العموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔(حافظ کفایت اللہ)

ساتواں نکتہ: اس بحث میں ہے کہ کرامت بعد الوفات ثابت ہے اس معنیٰ میں کہ جو شخص اس دنیا میں صاحبِ کرامت ہے آیا مرنے کے بعد بھی ان کی کرامت باقی ہے یا نہیں؟ اہلِ حق کا مذھب یہ ہے کہ کرامت بعد الوفات ثابت ہے۔ جس طرح موت سے نبوت منقطع نہیں ہوتی اور مؤمن کا ایمان منقطع نہیں ہوتا اسی طرح موت سے کرامات کا انقطاع بھی نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اپنی سُنن میں ایک باب "باب مایری من النور عندقبر الشهيد" باب باندھا ہے اور حدیث ذکر فرمائی ہے کہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک پر نور دیکھا جاتا تھا اور یہ بعد الوفات کرامت ہے۔ طریقہ محمدیہ اور اس کے حاشیہ حدیقہ الندیہ میں مذکور ہے کہ "كرامة الولي لاتنقطع بالموت كما ان رسالة الرسول لاتنقطع بالموت"۔

(۱)اسی طرح علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روح المعانی میں "فالمدبرات امرًا" کی تفسیر میں فرمایاہے:

کہا گیاہے کہ یہ نفوسِ فاضلہ پر قسم ہے موت کے وقت ابدان سے مفارقت کے وقت کیونکہ نفوس اجسام سے بڑی سختی سے خارج ہوتے ہیں "الخ" پھر فرمایا کہ یہ نفوس شرافت اور قوت کی وجہ

سے مدبرات میں سے ہو جاتے ہیں۔یعنی فرشتوں کے ساتھ مل جاتے ہیں اور تدبیر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ نفوس ابدان سے جدا ہونے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے لیے دنیا میں اثرات اور احوال ہوتے ہیں جس طرح ایک شخص وفات کے بعد اپنے شیخ کو دیکھتا ہے اور وہ شیخ اس کو وہ بات بتاتا ہے جس نے اسے پریشان کر رکھا ہوتا ہے اور غم میں ڈالا ہوتا ہے۔ جیسا کہ جالینوس سے یہ بات منقول ہے کہ جب وہ بیمار ہوا اور حکماء اور اطبّاء اس کے علاج سے عاجز آگئے تو خواب میں اسے علاج بتایا گیا پھر جب وہ نیند سے بیدار ہوا اور وہی عمل کیا تو شفا یاب ہو گیا اور اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ (جبکہ یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے)"اذاتحیرتم فی الامور فاستعینوا من اصحاب القبور ای من اصحاب النفوس الفاضلۃ المؤمنین"یعنی جب تم لوگ حیران ہو جاؤ کسی کام میں تو پاکیزہ اہل النفوس سے مدد مانگو اور اس میں شک نہیں کہ زیارت کرنے والے کو روحانی مدد ان کی برکت سے حاصل ہوتی ہے اور سخت اُمور حل ہو جاتے ہیں اور گرہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے توسل کی انگلیوں سے کھول دی جاتی ہیں اور النازعات کی تفسیر میں حضرت سدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے "نفوس"روایت ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس بات میں شک نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے جن کو چاہے اکرام عطا فرماتا ہے مرنے کے بعد جس طرح کہ موت سے قبل عطا فرماتا (۱)اسی طرح بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ میں مذکور ہے "ولاینکر الکرامۃ بعد الموت الّا رافضی۔۔۔الخ"جیسا کہ یہ بات جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم صاحب مرحوم نے اپنے رسالے زیارۃ القبور میں ذکر کی ہے۔(حافظ کفایت اللہ)

پس اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرمائے اس کو اس کرامت کے ذریعے ظاہر کر دیتا ہے مثلاً مریض کا صحت مند ہو جانا، غرق ہونے سے بچ جانا، دشمن پر غلبہ حاصل ہونا اور بارش کا ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ولی کی شکل میں صورتِ مثالی پیدا فرما دیتا ہے جو وہ کام کر دیتا ہے جس کا سائل نے سوال کیا ہوتا ہے اور یہ کام وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور ولی کے وسیلے اور حُرمت سے کرتا ہے وہ کام میں جس میں اثم اور گناہ نہ ہو سائل کی اجابت کیلئے۔ اور سائل کے استدراج کیلئے جس کام میں گناہ ہو اور ناجائز ہو اسے بھی اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ظاہر فرما دیتا ہے۔

(۱) یہ روح المعانی پارہ تیس ۳۰ کی عبارت ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کیلئے بعد الوفات روحانی مدد بھی ثابت ہے اور یہ کرامت بعد الوفات ہے اور صاحب روح المعانی علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان مخالفین کے بھی معتمد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان (مخالفوں) نے اس مقام کا مطالعہ نہ کیا ہو ورنہ پھر یہ (مخالفین) ان (علّامہ آلوسی) پر اعتقاد نہ رکھتے کیونکہ یہ ان (مخالفین) کا طریقہ ہے۔

(۲) اور یہ مخالفین ہر اس شیخ، عالم، مرشد اور مفسّر کی بے ادبی کرتے ہیں جو ان کے عقیدے کے مخالف ہو۔ یا اللہ ہم مشائخِ عظام کی بے ادبی سے پناہ مانگتے ہیں کیونکہ بے ادبی فیضانِ ربّ سے محرومی کا سبب ہے۔

جیسا کہ مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

از خُدا خواہیم توفیقِ ادب   بے ادب محروم بود از فضلِ رب

تفسیر مظہری جلد:۲ میں آیت ”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِینَ قُتِلُوا فِی سَبِیلِ اللہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَاۤءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿ال عمران ۱۶۹﴾ کی تفسیر میں مذکور ہے:

صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں:

”ان ارواحنا اجسادنا و اجسادنا ارواحنا“۔

ہماری ارواح ہمارے اجساد ہیں اور ہمارے اجساد ہماری ارواح ہیں۔

اور تواتر کے ساتھ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ بات منقول ہے کہ ”ینصرون اولیاء ھم ویدمرون اعدائھم“ کہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ (شھداء) اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور بقول مفسرین یہ نسبت مجازی ہے۔ جیسا کہ ”انبت الربیع البقل و شفی المریض الطبیب“ یعنی موسمِ بہار نے سبزہ اُگایا اور طبیب نے مریض کو شفا دی حالانکہ حقیقت میں شافی اور سبزہ اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور موحد کا یہ عقیدہ ہے اور یہ مجاز کی دلیل ہے جیسا کہ علمِ معانی میں یہ ذکر ہے مثلاً مختصر المعانی اور مطول وغیرہ۔

(۱) تا کہ سائل یہ گمان کرے کہ میں حق پر ہوں۔ (حافظ کفایت اللہ)

(۲) یعنی اگر یہ مخالفین اپنے عقیدے کے خلاف کوئی بات دیکھیں اگرچہ کہ معتمد شخص نے فرمایا ہو مگر یہ مخالفین پھر بھی اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ (حافظ کفایت اللہ)

ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقات شرح مشکوٰۃ ج:۱ ص:۳۳۵ میں فرماتے ہیں کہ:

”مؤمن کی روح آسمان اور زمین کے ملکوت میں سیر کرتی ہے اور جنت میں جہاں چاہے جاتی رہتی ہے اور پھر عرش کے نیچے قنادیل یعنی (شمعوں) کی طرف آتی ہیں اور روحوں کا جسم سے تعلق اس شان سے ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن کرتی ہیں اور نماز بھی پڑھتی ہیں۔“

پھر فرمایا کہ کسی آیت سے بھی اس چیز میں اشکال وارد نہیں ہوتا۔

پھر اسی جلد: ص:۳۴۲ میں فرماتے ہیں اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید نہیں ہے کیونکہ زمین ان کے لیے سمیٹ دی جاتی ہے جسے طیٔ الارض کہتے ہیں اور انہیں مختلف اور متعدد مکتسب ابدان حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی کام کرنے والے مختلف اجسام حاصل ہوتے ہیں اور ایک آن میں مختلف مقامات پر موجود ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن میں شہید کا اپنی قبر میں سورۃ الملک کا پڑھنا اور صحابیٔ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا اسے سننا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضورِ اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو سارا قصّہ بیان کرنا اور حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا اس پر انکار نہ فرمانا اس بات پر روشن دلیل ہے کہ کرامت بعد الوفات ثابت ہے اور روح کا اپنے جسم سے تعلق ہے کیونکہ تلاوت کر رہی تھی یا جسم تلاوت کر رہا تھا۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے کتاب بزم جمشید میں ذکر کیا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر عادتًا حاضری دیتے تھے۔ ایک دن ان کے دل میں یہ بات آئی کہ صاحبِ مزار (بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ) کو میری حاضری کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ تو اچانک قبرِ مبارک سے ایک شعر سُنا کہ "احسبنی حیا مثل نفسک ان کنت جئت بجسدک فانّی جئت بالروح" یعنی مجھے زندہ سمجھو اپنی طرح اگر تم جسمانی طور پر حاضری دیتے ہو تو میں روحانی طور پر حاضر ہوتا ہوں۔ پھر تفصیلی قصّہ ذکر کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر تفصیل سے ذکر کروں گا۔

ان دلائل سے کرامت بعد الموت واضح طور پر ثابت ہوئی جبکہ ان کے علاوہ بھی کثیر دلائل ہیں جن سے میں نے مشتِ نمونہ خروار کے طور پر چند ذکر کئے ہیں کیونکہ عقل مند کیلئے اشارہ کافی ہے اور چلّو پانی دریا پر دلالت کرتا ہے اور یہاں جن مفسرین اور محدثین کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں وہ سب حنفی ہیں۔ مثلاً صاحبِ روح المعانی، صاحبِ تفسیر مظہری، صاحبِ مرقات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور مولانا اشرف علی تھانوی۔ پس متقدمین اور متاخرین علماء سے کرامات بعد الوفات کا تسلیم کرنا ثابت ہوا۔ الحمدللہ علیٰ ذٰلک۔

فصل دربیان
اذان میں رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں پر رکھنا

بعض علماء اذان میں رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کو بدعت کہتے ہیں، حالانکہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ صلی اللہ علیک یارسول اللہ وعند الثانیۃ منھا قرّۃ عینی بک یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَسلَّم ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدًا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد قھستانی ونحوہ فی الفتاویٰ الصوفیہ وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابھامیہ عند سماع اشھد ان محمدًا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم فی الاذان انا قائدہ ومدخلہ فی صفوف الجنۃ وتمامہ فی حواشی البحر للرملی۔

یعنی مستحب یہ ہے کہ پہلی بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سنتے وقت صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سنتے وقت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہے پھر دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھ کر اللّٰھمّ متّعنی بالسّمع و البصر کہے تو حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے ایسا ہی کنز العباد للامام قہستانی میں اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اذان میں اشھد ان محمدًا رسول اللہ سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے (اس کے متعلق حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ارشاد ہے کہ) میں اس کا قائد بنوں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری تشریح اور بحث البحر الرائق کے حواشی رملی میں موجود ہے۔[40]

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں:

مسح العینین بباطن أنملتی السبابتین بعد تقبیلھما ثم سماع قول المؤذن : أشھدُ أن محمداً رسولُ اللہ، مع قولہ: أشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ، رضیت باللہ ربّاً، و بالاسلام دیناً، و بمحمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ و اصحابہ وَسلَّم نبیاً۔

رواہ الدیلمی عن أبی بکر : لما سمع قول المؤذن ((أشھد أن محمداً رسول اللہ)) قالہ وقبل باطن الانملتین السبابتین و مسح عینیہ فقال صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ و اصحابہ وَسلَّم من فعل فعل خلیلی فقد حلّت لہ شفاعتی قال فی المقاصد ولا یصح۔ وقال القاری واذا ثبت رفعہ الی الصدیق فیکفی العمل بہ لقولہ علیہ الصلوۃ و السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی وقیل لا یفعل و لا ینھی و کذا لا یصح۔

40 (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ترجمہ: یعنی مؤذن سے اشھد ان محمداً رسول اللہ سن کر انگشتان شہادت کے باطن کو چوم کر آنکھوں پر مَلنا اور یہ دعا پڑھنا اشھد انّ محمداً عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا و با لاسلام دینا و بمحمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ الہ و اصحابہ وَ سلّم نبیا۔

اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب انہوں نے مؤذن کو اشھد انّ محمداً رسول اللہ کہتے سنا تو یہ دعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا کہ میرے پیارے نے کیا، اس کیلئے میری شفاعت حلال ہو گئی۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی، جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت کا نام رکھتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ تم پر لازم ہے میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت۔

اور کہا گیا کہ نہ یہ عمل کریں نہ اس سے منع کریں اسی طرح یہ صحیح نہیں۔[41]

اسی طرح حضرت ابوالعباس احمد بن ابی بکر الرداد الیمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ" میں روایت کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان محمداً رسول اللہ، مرحبا بحبیبی و قرۃ عینی محمد بن عبداللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم، ثم یقبل ابھا میہ ویجعلھما علی عینیہ لم یعم لم یر مدابدا۔

41 (کشف الخفاء ومنزیل الالباس ج ۲ ص ۲۶۹۔۲۷۰ رقم الحدیث ۲۲۹۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

ترجمہ: جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشھدان محمدا رسول اللہ تو کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کہے پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔[42]

پھر ایک سند کے ساتھ فقیہ محمد بن الباب سے روایت کیا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے آنکھ میں کنکری جاپڑی اور نکل نہ سکی۔ سخت درد تھا اور وہ باوجود کوشش کے اس کو اپنی آنکھ سے نہ نکال سکے۔

وانہ لما سمع المؤذن یقول اشھدان محمدا رسول اللہ قال ذلک فخرجت الحصاۃ من فورہ۔قال الرداد ھذا یسیر فی جنب فضائل رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم۔

ترجمہ: جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا اشھدان محمدا رسول اللہ تو انہوں نے بھی ایساہی کہاہو فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔ الرداد نے کہا: یہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے فضائل میں سے ہے۔[43]

فقیہ ابوالحسن علی بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا اور طاؤسی فرماتے ہیں انہوں نے محمد بن ابی نصر بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ حدیث سنی کہ:

من قبل عند سماعہ من المؤذن کلمۃ الشھادۃ ظفری ابھامیہ ومسحھما علی عینیہ وقال عند المس اللھم احفظ حدقتی ونورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ونورھما لم یعم۔

ترجمہ: جو شخص مؤذن سے کلمہ شہادت سن کر انگوٹھوں کے ناخن چومے اور آنکھوں پر پھیرے اور یہ پڑھے: اللھم احفظ حدقتی ونورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صَلی اللہ

42(کشف الخفاء ومنزیل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)
43(کشف الخفاء ومنزیل الالباس ج ۲ ص ۲۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

تعالیٰ علیہ وَ آلہ و اصحابہ وَ سلّم و نورھما لم یعم۔ (یااللہ محمد رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ واصحابہ وَ سلَّم کی چشمان مبارک اوران کے نور کی برکت سے میری آنکھوں کی حفاظت فرمااوران کوروشن فرما)وہ کبھی اندھانہ ہو گا۔[44]

حضرت محدث محمد طاہر بن علی ہندی پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

و حکی عن البعض من صلی علی النبی صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ و اصحابہ وَ سلَّم اذا سمع ذکرہ فی الاذان و جمع اصبعیہ المسبحۃ و الابہام و مسح بہما عینیہ لم یرمد ابدا و قال ابن صالح و سمعت بعض الشیوخ انہ یقول عند ما یمسح عینیہ صلی اللّٰہ علیک یا سیدی یا رسول اللّٰہ یا حبیب قلبی و یا نور بصری و یا قرۃ عینی قال و منذ فعلتہ لم ترمد عینی و قد جرب کل منہم ذالک و روی الحسن مثل ماروی عن الخضر علیہ السلام بعینہ انتہی۔

بعض علماء محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جو شخص آنحضرت صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ واصحابہ وَ سلَّم کا اسم گرامی اذان میں سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں مسبحہ (شہادت والی) انگلیوں کو ملا کر انہیں چوم کر آنکھوں پر ملے اس کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی اورامام ابن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے سنا ہے کہ وہ انگوٹھے آنکھوں پر ملتے وقت یوں کہتے ہیں: صلی اللہ علیک یا سیدی یا رسول اللہ یا حبیب قلبی و یانور بصری و یا قرۃ عینی۔

یہ عمل کرنے والے بزرگ فرماتے ہیں کہ جب سے میں یہ کرنے لگا ہوں میری آنکھیں کبھی نہیں دکھیں اور سارے بزرگوں نے اس کا تجربہ کیا اور حضرت خضر علیہ السلام (بھی اسی طرح مروی ہے اور) جیسے مروی ہے ایسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی۔[45]

44(کشف الخفاء و منزیل الالباس ج ۲ ص ۲۷۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

45(تذکرۃ الموضوعات ص ۳۴ مطبوعہ ملتان)

علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمٰعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ آیت نمبر ۵۶ کے تحت لکھتے ہیں:

قال القهستاني في شرحه الكبير نقلا عن كنز العباد اعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة الثانية (صلى الله عليك يا رسول الله) وعند سماع الثانية (قرة عينى بك يا رسول الله) ثم يقال (اللهم متعنى بالسمع و البصر) بعد وضع ظفر الابهامين على العينين فانه صلى الله عليه و سلم يكون قائدا له الى الجنة انتهى۔

ترجمہ: علامہ امام قہستانی شرح الکبیر میں کنزالعباد سے نقل کر کے فرماتے ہیں: جان لو بلاشبہ اذان کی پہلی شہادت کے وقت سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع و البصر تو حضور صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔[46]

یہی علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

در محیط آوردہ کہ پیغمبر صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بمسجد درآمد و نزدیک ستون بنشست و صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ در برابر آنحضرت نشستہ بود بلال رضی اللہ عنہ برخاست و باذان اشتغال فرمود چوں گفت اشھدان محمداً رّسول اللہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہر دو ناخن ابہامین خود را بر ہر دو چشم خود نہادہ گفت قرۃ عینی بک یارسول اللہ چوں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارغ شد حضرت

46 (تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلم فرمودہ کہ یا ابا بکر ہر کہ بکند ایں چنیں کہ تو کردی خدائے بیامرزد گناہان جدید او را قدیم۔ اگر بعمد بودہ باشد اگر بخطا۔

ترجمہ: محیط میں ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ حضور صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے قریب بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللّٰہ عنہ اٹھے اور اذان دینا شروع کی۔ جب کہا اشھدان محمدا رسول اللّٰہ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ کر کہا۔ قرۃ عینی بک یا رسول اللّٰہ۔ جب حضرت بلال رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا:

اے ابو بکر! میرا نام سن کر جو کوئی تمھاری طرح انگوٹھے چومے گا اور آنکھوں سے لگائے گا اللّٰہ تعالیٰ اس کے نئے اور پرانے تمام گناہ بخش دے گا اگرچہ عمداً کیا ہو یا خطاً"[47]

یہی علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللّٰہ علیہ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی کتاب قوت القلوب سے نقل کرتے ہیں کہ:

حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رفع اللّٰہ درجات در قوت القلوب روایت کردہ از ابن عینیہ رحمۃ اللّٰہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام بمسجد درآمد در دہ محرم وبعد ازانکہ نماز جمعہ ادا فرمودہ بود نزدیک اسطوانہ قرار گفت وابو بکر رضی اللّٰہ عنہ، بظہر ابہامین چشم خود را مسح کرد و گفت

47(تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قرۃ عینی بک یا رسول اللہ وچوں بلال رضی اللہ عنہ، از اذان فراغتی روئے نمود حضرت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم فرمودہ کہ اے ابا بکر ہر کہ بگوید آنچہ تو گفتی از روئے شوق بلقائے من وبکند آنچہ تو کردی خدائے در گزار دگناہاں ویرا آنچہ باشد نو د کہنہ خونہاں وآشکارا۔

ترجمہ: حضرت شیخ امام ابو طالب محمد بن علی مکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ان کے درجات کو بلند فرمائے اپنی کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ ابن عینیہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے دس محرم کو مسجد میں تشریف فرما ہوئے اور ایک ستون کے نزدیک جلوہ افروز ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا اور قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہا۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا۔ اے ابو بکر جو شخص تمہاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پھر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام نئے اور پرانے ظاہر وباطن سب گناہوں سے در گزر فرمائے گا۔[48]

یہی علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وفی قصص الأنبياء وغيرها ان آدم عليه السلام اشتاق الى لقاء محمد صلى الله عليه وسلم حين كان فى الجنة فاوحى الله تعالى اليه هو من صلبک ويظهر فى آخر الزمان فسأل لقاء محمد صلى الله عليه وسلم حين كان فى الجنة فاوحى الله تعالى اليه فجعل الله النور المحمدي فى إصبعه المسبحة من يده اليمنى فسبح ذلک النور فلذلک سميت تلک الإصبع مسبحة كما فى الروض الفائق۔ او اظهر الله تعالى جمال حبيبه فى صفاء ظفرى ابهاميه مثل المرآة فقبل آدم ظفرى ابهاميه ومسح على عينيه فصار أصلا لذريته فلما اخبر جبرائيل

48(تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

النبي صلى الله عليه و سلم بهذه القصة قال عليه السلام (من سمع اسمى فى الاذان فقبل ظفرى ابهاميه و مسح على عينيه لم يعم ابدا)۔

ترجمہ: قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کہ جنت میں حضرت محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اللہ تعالی نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمھارے صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم علیہ السلام نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ملاقات کا سوال کیا تو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں نور محمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم چمکایا تو اس نور نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھی اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا۔ جیسا کہ روض الفائق میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے جمالِ محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثلِ آئینہ کے ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی پھر جبریل علیہ السلام نے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے۔ تو وہ کبھی اندھا نہ ہو گا۔[49]

یہی علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ حم السجدۃ پارہ ۲۴ آیت نمبر ۳۳ کے تحت لکھتے ہیں:

ويستحب ان يقول عند سماع الاولى من الشهادة الثانية صلى الله تعالى عليك يارسول الله وعند سماع الثانية قرة عينى بک يا رسول الله ثم يقول اللهم متعنى بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الابهامين على العينين كمافى شرح القهستاني۔

49(تفسیر روح البیان ج۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: پہلی شہادت کے وقت سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع و البصر۔[50]

امام شمس الدین محمد الخراسانی القھستانی متوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

واعلم انه یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ الثانیۃ "صلی اللہ علیک یارسول اللہ" وعند الثانیۃ منھا "قرۃ عینی بک یارسول اللہ" ثم یقال اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانه صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَاٰله واصحابه وَسلّم یکون قائدا له الی الجنۃ کذا فی کنز العباد۔

ترجمہ: جان لو بلاشبہ اذان کی پہلی شہادت کے وقت سننے پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہنا مستحب ہے پھر انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع و البصر تو حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد میں ہے۔[51]

علامہ محمد تجریم مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَاٰله واصحابه وَسلّم من مسح بیده اسم محمد ثم قبل یده بشفتیه ثم مسح علی عینیه یری ربه بما یراہ الصالحون وینال وشفاعتی ولو کان عاصیاً۔

50(تفسیر روح البیان ج۸ ص ۳۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

51(جامع الرموز ج ۱ ص ۱۲۵ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ترجمہ: رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جس نے اپنے ہاتھ سے اسم محمد کو چھوا پھر اپنے ہونٹوں سے اپنے ہاتھ کو چوما پھر اپنی آنکھوں پر ملا تو اللہ تعالیٰ کی زیارت کرے گا۔ جیسے صالحین کی زیارت کرتا ہے اور میری شفاعت اس کے قریب ہوگی اگرچہ وہ گنہگار ہو۔[52]

شیخ المشائخ، رئیس محققین مولانا جمال الدین عبد اللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

سئلت عن تقبيل الابهامين و وضعهما على العينين عندذكر اسمه صلى الله تعالٰى عليه وسلم في الاذان، هل هو جائز ام لا، اجبت بمانصه نعم تقبيل الابهامين و وضعهما على العينين عندذكر اسمه صلى الله تعالٰى عليه وسلم في الاذان جائز، بل هو مستحب صرح به مشايخنا في غير ما كتاب۔

ترجمہ: یعنی مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ذکر شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں، میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا آنکھوں پر رکھنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے ہمارے مشائخ نے متعدد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی۔[53]

پیر شریعت پیر طریقت شیخ الاسلام عبد اللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری متوفی ۱۰۴۸ھ لکھتے ہیں:

"وچوں اشهدان محمداً رسول الله گوید سامع ہر دو انگشت ابہام را بر ہر دو چشم بنہد یعنی ناخن ایشان دیدہ بروار دوبدان ناخن نظر کند حق تعالی چہار ہزار گناہ کبیرہ اورا عفو کند۔

52(النوافح العطریہ ص ۱۵ مطب)
53(فتاوی جمال بن عبداللہ عمر مکی بحوالہ فتاوی رضویہ جدید ج ۵ ص ۴۳۶ مطبوعہ لاہور)

ترجمہ: جب اشھدان محمدا رسول اللہ کہا جائے تو سننے والا اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھے یعنی ناخنوں کو دیکھے اللہ تعالی چار ہزار گناہ کبیرہ اس کا معاف فرمائے گا"[54]

یہی شیخ الاسلام عبداللہ المعروف اخون درویزہ ننگرہاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ودر قران خوانی مسطور است کہ این انگشت نہادن سنت است ترک نمی توان کرد و ہر کہ بجائے آرد در عرصات حضرت رسالت پناہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلم اورا چنان طلب کند کہ کسی گم شدہ خود را بطلبد و بگوید قرۃ عینی بک سیدی و مولائی ویاایں گوید صدق رسول اللہ"۔

ترجمہ: قرآن خوانی میں لکھا ہے کہ یہ انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر رکھنا نہیں چھوڑنا چاہیئے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اس کو قیامت کے دن اس طرح طلب فرمائیں گے کہ جس طرح کسی سے کوئی گم ہو جائے اور اس کو تلاش کرتا ہے اور کہے اے میرے آنکھوں کی ٹھنڈک یا یہ کہے صدق رسول اللہ۔[55]

مزید لکھتے ہیں:

"وبعضی گفتہ اند کہ سنت باباآدم است کہ روزے آرزوے کرد کہ اگر جمال محمد آخرالزمان صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلم میدید مے چہ خوش بودے فرمان حضرت عزت شد کہ برہر دو ناخن نظر کن چوں نظر نمود جمال جہاں آرائے حضرت دران دید ناخن را بر چشم نہاد و گفت صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی و مولائی"۔

54(ارشادالطالبین ص ۲۸ ۳مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

55(ارشادالطالبین ص ۲۸ ۳مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

ترجمہ: اور بعض نے کہا ہے کہ یہ سنتِ بابا آدم علیہ السلام ہے کہ ایک دن انہوں نے تمنا کی کہ اگر جمالِ محمد آخرِ زمان صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم دیکھ لیتا کیا اچھا ہو تا اللہ تعالی کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اپنے دونوں ناخنوں کو دیکھو جب حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا جمال مبارک اس میں دیکھا تو ان ناخنوں کو آنکھوں پر رکھا اور کہا **صدق رسول اللہ قرۃ عینی بک سیدی و مولائی**۔[56]

اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو شیخ الاسلام والمسلمین اعلی حضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط کتاب **منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین** کا مطالعہ فرمائیں۔ مخالفین کے تمام شکوک ختم ہو جائیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

واخرج ابونعیم فی (الحلیۃ) عن وھب قال: کان فی بنی اسرائیل رجل عصی اللہ مائتی سنۃ ثم مات فاخذوہ فالقوہ علی مزبلۃ، فأوحی اللہ الی موسی ان اخرج فصل علیہ، قال یارب: بنو اسرائیل شھدوا انہ عصاک مائتی سنۃ، فأوحی اللہ الیہ: ھکذا کان الا انہ کان کلما نشر التوراۃ ونظر الی اسم محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم قبلہ ووضعہ علی عینیہ وصلی علیہ، فشکرت لہ ذلک وغفرت ذنوبہ وزوجتہ سبعین حوراء۔

ترجمہ: ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے دوسو سال تک خدا کی نافرمانی کی۔ پھر وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے گھر پر ڈال دیا۔ اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں

---

56 (ارشاد الطالبین ص ۳۲۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

کہ اس نے دو سو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔ حق تعالی نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتاً وہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پر نظر پڑتی تو" وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اپنی آنکھوں سے لگاتا اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پر درود بھیجتا تھا" تومیں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس مشہور نافرمان کا نکاح کر دیا۔[57]

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

ما رواہ ابو نعیم فی الحلیة عن وھب بن منبہ رحمہ اللہ تعالی قال: کان فی بنی اسرائیل رجل عصی اللہ تعالی مائة سنة ثم مات فاخذوہ فألقوہ علی مزبلة فاوحی اللہ تعالی الی موسی علیہ الصلوۃ والسلام: ان اخرج فصل علیہ، قال: یارب ان بنی اسرائیل یشھدون انہ عصاک مائة سنة، فاوحی اللہ تعالی الیہ: ھکذا کان الا انہ کان کلما نشر التوراۃ ونظر الی اسم محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم قبلہ ووضعہ علی عینیہ فشکرت لہ ذلک وغفرت لہ وزوجتہ سبعین حوراء۔

ترجمہ: امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں وھب رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے سو سال تک خدا کی نافرمانی کی۔ پھر وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اسے کوڑے گھر پر ڈال دیا۔ اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ جاؤ وہاں سے اٹھا کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے رب! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے سو سال تک تیری نافرمانی کی ہے۔ حق تعالی نے دوبارہ وحی فرمائی واقعتاً وہ ایسا ہی شخص تھا لیکن وہ جب بھی توریت کو تلاوت کے لئے کھولتا اور اسم گرامی احمد مجتبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پر نظر پڑتی تو" وہ اسے بوسہ دیتا اور اسے اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگاتا اور آپ صَلی

57 (خصائص الکبری ج ۱ ص ۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم پر درود بھیجتا تھا" تو میں نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ میں نے اس کے گناہوں کو بخش دیا اور ستر حوروں سے اس مشہور نافرمان کا نکاح کر دیا۔[58]

فصل در بیان
اوجھڑی کھانے کا جواز

بعض علماء اوجھڑی کھانے کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں حالانکہ اوجھڑی کھانا جائز ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت ہے۔

جیسا کہ حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

روی أن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کان فی أیام خلافتہ دخل السوق فاشتری کرشا وحملہ بنفسہ فراہ علی رضی اللہ تعالی عنہ من بعید فتنکب علی عن الطریق فاستقبلہ عمر رضی اللہ تعالی عنہ وقال لہ لم تنکبت عن الطریق؟ فقال علی رضی اللہ تعالی عنہ: حتیٰ لا تستحی، فقال: وکیف أستحی من حمل ما ھو غذائی۔

ترجمہ: مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے ایام میں بازار میں داخل ہوئے اور اوجھڑی خریدی اور اس کو خود اٹھایا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دور سے دیکھا تو راستے سے ہٹ گئے (گویا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں دیکھا) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سامنے آئے اور پوچھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستے سے ایک طرف کیوں ہٹ گئے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے راستے سے ہٹ گیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرم نہ آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس چیز کو اٹھانے میں کیسے شرما سکتا ہوں جو میری غذا ہے۔[59]

---

58 (سبل الهدی والرشاد ج ۱ ص ۴۱۱۔۴۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)
59 (التفسیر الکبیر ج ۳۲، ص ۱۴۳، دار الفکر)

او جھڑی کی حلت پر امام طبرانی علیہ الرحمۃ المعجم الکبیر میں روایت فرماتے ہیں:

حدثنا محمد بن عبداللہ الحضرمی ثنا عبداللہ بن الحکم بن أبی زیاد القطوانی ثنا عبیداللہ بن موسیٰ عن ابراھیم بن اسماعیل عن حبیبۃ بنت سمعان عن نسیکۃ أم عمرو بن جلاس قالت: انی لعند عائشۃ وقد ذبحت شاۃ لھا، فدخل رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم فی یدہ عصیۃ، فألقاھا ثم ھوی الی المسجد فصلی فیہ رکعتین، ثم ھوی الی فراشہ فاضطجع علیہ ثم قال: ھل من غداء؟ فاتیناہ بصحفۃ فیھا خبز شعیر، وفیھا کسرۃ وقطعۃ من الکرش وانھا لتنھشھا اذا قالت: ذبحنا شاۃ الیوم فما أمسکنا غیر ھذا قالت: یقول رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم: لا بل کلھا أمسکت الا ھذا۔ [60]

ترجمہ: نسیکہ ام عمرو بن جلاس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر تھی اور آپ کے لئے ایک بکری ذبح کی گئی تھی۔ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم داخل ہوئے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے دست مبارک میں ایک چھوٹا عصا تھا۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اسے رکھ دیا پھر مسجد تشریف لے گئے اور اس میں دو رکعت ادا فرمائی پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اپنے بستر پر لیٹ گئے اور فرمایا: کیا دوپہر کے کھانے میں سے کچھ ہے؟ پس ہم آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس ایک پیالہ لے کر آئے اس میں جو کی روٹی تھی اور اس میں گوشت سمیت ہڈی اور اوجھڑی کا ٹکڑا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اوجھڑی میں سے ایک ٹکڑا لیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسے اپنے دانتوں سے نوچتی تھیں۔ نسیکہ نے کہا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے عرض کیا کہ آج ہم نے ایک بکری ذبح کی تھی اور پھر ہم نے اس کے علاوہ کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا تو رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم

---

60 (المعجم الکبیر: ج ۲۵، ص ۴۴، رقم الحدیث ۸۳)

فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ تم نے اس کے سوا سب کچھ بچا لیا ہے۔ اس حدیث کو مجمع الزوائد میں امام نورالدین ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی **باب ماجاء فی اللحم** میں روایت کیا ہے۔

حضرت امام ابو جعفر طحاوی علیہ الرحمۃ، ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں:

حدثنا ابن خزیمة قال ثنا حجاج قال ثنا عمارة ابن زاذان عن محمد بن المنکدر قال: دخلت علی فلانة بعض ازواج النبی صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلّم قد سماها و نسیت قالت: دخل علی رسول اللّٰہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلّم و عندی بطن معلق فقال لو طبخت لنا من هذا البطن کذا و کذا قالت فصنعناه فأکل و لم یتوضا۔

یعنی ”حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن میں سے کسی کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نام ذکر کیا تھا لیکن میں بھول گیا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم میرے پاس تشریف لائے، میرے پاس بکری کا لٹکا ہوا پیٹ تھا۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ آپ اس بطن میں سے یہ اور یہ پکا دیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے ایسا ہی کیا اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس کو کھایا اور پھر وضو نہیں کیا۔

حدثنا ابن مرزوق و ربیع الجیزی و صالح بن عبدالرحمن قالوا ثنا القعنبی قال ثنا فائد مولی عبیداللّٰہ بن علی عن عبیداللّٰہ عن جدہ قال طبخت لرسول اللّٰہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلّم بطن شاة فأکل منها ثم صلی العشاء و لم یتوضأ۔[61]

حضرت عبید اللہ اپنے دادا (ابو رافع القبطی مولی رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے لئے بکری کا بطن

61 (شرح معانی الآثار: ج ۱، ص ۵۳)

پکایااور آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس میں سے تناول فرمایا پھر عشاء کی نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں کیا۔ تفکر و لاتکن من الممترین۔

فصل در بیان دعاء بعد از نماز جنازہ
جنازہ کی نماز کے بعد دعا کے بیان میں

بعض علماء جنازہ کی نماز کے بعد دعا کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ جنازہ کے بعد دعا کرنا قرآن، احادیث اور مذہب کی کتب سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ ﴿۶۰ المؤمن﴾

ترجمہ: "اور تمہارے رب نے فرمایا تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت (دعا) سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"

دعا عبادت ہے

حدیث شریف میں ہے:

الدعاء ھو العبادۃ۔ (یعنی دعاء عبادت ہے)[62]

---

62 (أخرجه الترمذی فی جامعه، کتاب التفسیر عن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم، باب: ومن سورۃ البقرۃ، ۵/۲۱۱، الرقم: ۲۹۶۹، وفی کتاب: الدعوات عن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم، باب: ماجاء فی فضل الدعاء، ۵/۴۵۶، الرقم: ۳۳۷۲، وأبو داؤد فی السنن، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، ۲/۷۶، الرقم: ۱۴۷۹، وابن ماجۃ فی السنن، کتاب: الدعاء باب فضل الدعاء، ۲/۱۲۵۸، الرقم: ۳۸۲۸، والنسائی فی السنن الکبری، سورۃ المؤمن ۶۰، ۶/۴۵۰، الرقم: ۱۱۴۶۴، وابن حبان فی الصحیح، ۳/۱۷۲، الرقم: ۸۹۰، والحاکم فی المستدرک، ۱/۶۶۷، الرقم: ۱۸۰۲، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴/۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۶، ومسند أبو یعلی، ۱/۲۶۲، الرقم: ۳۲۷، والمسند الطیالسی، ۱/۱۰۸، الرقم: ۸۰۱)

دوسری جگہ ہے:

الدعاء مخ العبادۃ۔ (دعاء عبادت کا مغز ہے)۔[63]

آیت اور حدیث کو ملایا جائے نتیجہ نکلتا ہے ''جو لوگ عبادت سے روکتے ہیں وہ دوزخی ہیں'' (العیاذ باللہ)

اس کا صغریٰ اور کبریٰ اس طرح بنے گا

صغریٰ: مانع الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ مستکبر۔

کبریٰ: و کل مستکبر سیدخل جھنم داخرینُ۔

نتیجہ: مانع الدعاء بعد الصلوۃ الجنازۃ سیدخل جھنم داخرین۔

صغریٰ: نمازِ جنازہ کے بعد دعا سے روکنے والا متکبر ہے۔

کبریٰ: ہر متکبر دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہو گا۔

نتیجہ: نمازِ جنازہ کے بعد دعا سے روکنے والا عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہو گا۔

لٰہذا منکرینِ دعا بعد جنازہ کو ان آیات کی روشنی میں غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ منکرین دعا بعد جنازہ کو ہدایت عطا فرمائے۔ وہی ہدایت دینے والا ہے۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے:

فالوعید اِنما ھو فی حق من ترک الدعاء استکبارا او من فعل ذلک کفر۔[64]

63 (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: الدعاء عن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله و اصحابه وَسلَّم، باب: ماجاء فی فضل الدعاء، ۴۵۶/۵، الرقم: ۳۳۷۱، والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۲/۲۲۴، الرقم: ۳۰۸۷، والحکیم الترمذی فی نوادر الأصول، ۱۱۳/۲، وابن رجب فی جامع العلوم والحاکم، ۱/۱۹۱، والمنذری فی الترغیب والترھیب، ۲/۳۱۷، الرقم: ۲۵۳۴)

64 (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۴)

ترجمہ: تو وعید ان لوگوں کے حق میں ہے جس نے تکبر کی وجہ سے دعا چھوڑ دی اور جس نے یہ کام کیا تو وہ کافر ہوا۔

جب دوزخی کو دوزخ میں ڈالا جائے تو وہ یہ دعاء کریں گے:

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـٔـوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (المؤمنون ۱۱۱)

ترجمہ: "اے رب ہمارے ہم کو دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم ویسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں۔ رب فرمائے گا دھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔ بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے تو تم نے انہیں ٹھٹھا بنالیا، یہاں تک کہ انہیں بنانے کے شغل میں میری یاد بھول گئے اور تم ان سے ہنسا کرتے، بے شک آج میں نے ان کے صبر کا انہیں یہ بدلا دیا کہ وہی کامیاب ہیں۔"

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر کبیر میں دعاء کی وضاحت پر قرآنی آیات اور احادیث نبوی صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بیان کی ہیں تو آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ ما يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلا دُعاؤُكُمْ وَالْآيَاتُ كَثِيرَةٌ فِي هَذَا الْبَابِ فَمَنْ أَبْطَلَ الدُّعَاءَ فَقَدْ أَنْكَرَ الْقُرْآنَ اه۔[65]

ترجمہ: تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو۔ اس بارے میں بہت سی آیات ہیں تو جس نے دعا باطل کی تو یقیناً اس نے قرآن پاک سے انکار کیا۔

65 (تفسیر کبیر ج۴ ص ۱۰۹)

مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ دعا سے استکبار (تکبر) کرنے والا کافر ہے۔

استکبار کا معنی ہے "خود را بزرگ مرتبہ پنداشتن و گردن کشے کردن (غیاث اللغات بحوالہ موید و منتخب) یعنی اپنے آپ کو بزرگ سمجھنا اور بڑا سمجھ کر کسی کام سے پہلو تہی کرنا۔ اور دعا کرنے والوں کو برا بھلا کہنے والا خود دوزخی ہے۔

ہر نیک عمل کے بعد اس کے قبول ہونے کے لئے دعاء بھی قرآن کریم سے ثابت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں یہ دعا کرتے:

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّاۤ إِنَّکَ أَنۡتَ السَّمِیعُ الۡعَلِیمُ (البقرة ۱۲۷)

ترجمہ: "اے ہمارے رب، ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی بہت سننے خوب جاننے والا۔"

اس آیت کے ذیل میں صاحب تفسیر روح البیان اور شیخ زادہ البیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر مامور بالعبادت والقربت جب اس کو امر ہی کے موافق ادا کریں تو اللہ تعالیٰ سے اس کی قبول ہونے کے لئے لازمی طور پر دعا کریں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔[66]

خاتمۃ الفقہاء والمحدثین، الشیخ احمد شہاب الدین بن حجر الہیتمی المکی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ حدیثیہ میں لکھتے ہیں:

لا ینکر الدعاء الا کافر مکذب بالقرآن۔[67]

66 (شیخ زادہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ دار الکتب علمیہ بیروت، روح البیان ج ۱، تفسیر منار ج ۱ ص ۴۶۲، اور تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۴۔ (المسئلۃ الثانیہ)

67 (الفتاویٰ الحدیثیۃ، ص ۱۲۶)

اس طرح دعاء بالجمع کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا ترغیبات دی ہیں اس کے لئے ملاحظہ ہو۔ سورۃ فاتحہ آیت ۴، ۵ کی تفسیر کے لئے تفسیر بیضاوی اور اس کی شروح اور سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۶، اور اس کی تفسیر کے لئے تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۶۰، السوال الثالث وجوابہ ملاحظہ فرمائیں۔

اور حبیب بن سلمہ کی حدیث مرویہ میں ہے کہ:

لا یجتمع ملأ فیدعو بعضھم، ویؤمن بعضھم، إلا أجابھم اللہ"[68]

وھو دلیل للدعاء بھیئۃ اجتماعیۃ و مظنۃ قبولہ أکثر من دعاء الوحدان۔[69]

ترجمہ: جب ایک جماعت مل کر بعض دعا کرتے ہیں اور بعض اس پر آمین کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرماتا ہے۔

شیخ سید محمد یوسف بنوری معارف السنن میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ بہیئۃ اجتماعی دعا کرنے کے لئے دلیل ہے، اور اکیلے دعا کی نسبت اور قبولیت بہت زیادہ ہے اور اس طرح صاحب ھدایہ نے مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ہدایہ ج ۱ کتاب الحج ص ۲۴۴ پر ذکر کی ہیں اور نفائس مطلوبہ ص ۳۹ پر بھی اس طرح مذکور ہیں اور تفسیر کبیر میں ہے کہ اجتماعی دعا بہت کامل ہے، ص ۳۵ ثم نفائس مطلوبہ ص ۳۹ پر ہے۔

امام حافظ ابی نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے "وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب چالیس آدمی جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر سوال کرتے ہیں، ظلم کا سوال اور صلہ رحمی ختم ہونے کا سوال نہیں کرتے، تو جو وہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرما دیتا ہے۔[70]

68(کنز العمال ج ۱ ص ۱۷۷)
69(معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۲)(ایچ ایم سعید، کراچی)
70(حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۴۱۴، رقم الحدیث ۷۸۶۱)

مندرجہ بالاعبارات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا اور ہر ذی شعور آدمی جان گیا ہو گا کہ سنتوں اور نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء ممنوع یا غیر مشروع نہیں ہے۔ جو لوگ اس کو بدعت اور نامشروع کہتے ہیں وہ قرآن وحدیث کے رموز کو نہیں جانتے۔

آمدم بر سر مطلب

نماز جنازہ فرضِ کفایہ ہے۔[71]

اور عنایہ بر فتح القدیر ص ۸۰، و کفایہ نیچے فتح القدیر کے، اور بدائع الصنائع لکاسانی الحنفی ج ا ص ۳۱۱، ۳۱۰ (مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)، شرح الوقایہ و حاشہ عمدۃ الرعایہ ص ۲۵۲، ہدایہ ص ۱۸۰، فتاوی تاتارخانیہ (ادارۃ القرآن کراچی) ج ۲ ص ۱۵۳، بنایہ شرح ہدایہ (دارالفکر بیروت) ص ۲۵٦، درمختار علی الشامی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے بالاجماع اور اس کا منکر کافر ہے۔ ج ۳ ص ۱۲۱، ۱۲۰ (رشیدیہ کوئٹہ) ایضاً شامی۔ اور الموسوعۃ الفقہیہ المقارنۃ التجرید والاحلام (دارالسلام بیروت) لصاحب القدوری، ج ۲ ص ۱۱۰۳ وغیرہ۔

فرض نماز کے بعد دعائیں مقبول ہوتی ہیں

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

”عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرِ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ“۔[72]

71 (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)
72 (رواہ الترمذی ثم مشکوۃ ص ۸۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، فرمایا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کون سی دعاء زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا آخری رات کے بیچ میں اور فرض کے بعد۔

جبکہ نماز جنازہ فرض نماز ہی ہے اور آنحضرت صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: فرض نماز کے بعد دعا سنی جاتی ہے، تو جس دعا کو حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم دعائے مقبول فرماتے ہیں اور بعض متعصب علماء اس کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں تو آپ ان کا حکم خود سوچیں۔

علمائے دیوبند کے علامہ رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور مولانا محمد زکریا نے الکوکب الدری علی جامع الترمذی ج۲ ص۲۹۱ میں ہے:

ترجمہ: نماز میں ضمنی دعاؤں پر ہمیں اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مستقل دعا نمازوں کے بعد ضروری ہے تو دعا نہ کرنے والوں کو تعزیر دیا جائے گا اور معذور تصور نہ کیا جائے گا۔

ملا علی قاری صاحب کا یہ فرمانا ہے:

”وَلَا یَدْعُو لِلْمَیِّتِ بَعْدَ صَلَاۃِ الْجَنَازَۃِ لِأَنَّہُ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِي صَلَاۃِ الْجَنَازَۃِ۔“[73]

اس کو فقہاء نے اس طرح ذکر فرمایا ہے:

”لا یقوم بالدعاء فی قراءۃ القراٰن لاجل المیت بعد صلاۃ الجنازۃ“۔[74] وغیرہ۔

یعنی: کہ مردے کے جنازہ کے بعد (سلام سے پہلے) دعا نہ کریں اس لئے کہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنے سے مشابہ ہو جاتی ہے۔“ لمبی چوڑی دعا نہ کریں، قرآن پاک پڑھنے میں مردے کے

---

73 (مرقاۃ ج۴ ص ۶۴)
74 (خلاصۃ الفتاوی ص ۲۲۵)

لئے" اس سے بعض کم علم لوگ نماز جنازہ کے سلام پھیرنے کے بعد دعا کو ممنوع قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ تو نماز جنازہ کی تعریف سے ناواقف ہیں۔ نماز جنازہ کی تعریف تمام فقہاء کرام یہ کرتے ہیں:

تعریف نماز جنازہ:

"هی أربع تكبيرات" کنز و بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳، اور النہر الفائق شرح کنز ج ۱ ص ۳۹۳ ورد المحتار مع الدر مختار ج ۱ ص ۵۸۵ میں اس طرح ہے۔ اور ایک محاورہ ہے کہ "كلام الملوک ملوک الكلام" یعنی بادشاہوں کی باتیں، باتوں کی بادشاہ ہوتی ہیں۔ جس کی وجہ سے کم علم علماء ان کی باتوں کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

اس لئے فقہاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے لمبی چوڑی دعاء نہ مانگے۔

فتح الباری میں ہے: من قام على الشيء اذا داوم عليه۔ اس طرح قرآن کریم کی سورہ توبہ آیت ۲۱ میں ہے: نعیم مقیم اور آیت ۲۶ میں ہے ذلک دين القيم اور آیت ۶۸ میں ہے ۔ ولهم عذاب مقيم اور سورہ روم آیت ۳۰ میں ہے الدين القيم اور سورہ شوریٰ آیت ۴۵ میں ہے في عذاب مقيم اور سورہ زمر آیت ۴۰ میں ہے عذاب مقيم۔

جیسا کہ یہاں مذکورہ آیتوں میں دائمی ثواب اور دائمی عذاب کا ذکر ہے۔

مذکورہ دلائل کی بناء پر فقہاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد لمبی چوڑی دعائیں نہ مانگیں تاکہ پانچویں تکبیر کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے۔

اس لئے کہ ملا علی قاری حصین بن وحوح کی روایت پر طلحہ بن البراء کی تشریح میں فرماتے ہیں مرقاۃ ج۴ ص۱۷ پر ہے:

هو الانصار الذی قال النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم لما مات وصلی علیہ اللھم الق طلحۃ و أنت تضحک الیہ ویضحک الیک۔

اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری شرح صحیح البخاری ج۳ صفحہ ۱۹۲ پر ہے:

ثم رفع یدیہ فقال: اللھم الق۔۔الخ۔

اور "الاصابۃ" میں ہے:

"أوردہ أبو داؤد مختصراً کعادتہ فی الاقتصار علی مایحتاج الیہ فی بابہ أوردہ ابن الأثیر من طریقہ و أخرجہ الطبرانی فی الأوسط و ابن السکن وعلی بن عبد العزیز فی مسندہ و أبو نعیم۔"[75] میں پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

ترجمہ: ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ وہ انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں کہ جب وہ فوت ہوئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز جنازہ پڑھی گئی تو ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا مانگی کہ "(اے اللہ) تو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس طرح ملاقات فرما کہ وہ تجھ سے راضی ہو اور تو اس سے راضی ہو" اس کے باوجود ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نمازِ جنازہ کے سلام کے بعد دعا کو نماز میں زیادتی کیسے قرار دے سکتے ہیں؟

نیز نماز سے سلام پھیرنے پر مکمل فصل ہوتا ہے۔ سلام کے بعد کسی بھی نماز کے بعد اوراد پڑھنے سے نماز میں زیادتی کا شبہ نہیں ہو سکتا تو نماز جنازہ میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ مسکینان علم

75(الاصابۃ ج۳ ص۴۲۷، ۴۲۶) (دار الکتب العلمیہ بیروت)

نہیں جانتے کہ سلام پھیرنے پر مکمل فصل اور جدائی آتی ہے، دوسرا ایسا کوئی عمل فصل کیلئے نہیں۔ خواہ صفیں منتشر کرنا ہو یا بیٹھنا ہو۔

۱۔ موطا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، أَخْبَرَنَا نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ رَأَى رَجُلا رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَا شَأْنُهُ؟ فَقَالَ نَافِعٌ: فَقُلْتُ: يَفْصِلُ بَيْنَ صلاته، قال ابن عمر وَأَيُّ فَصْلٍ أَفْضَلُ مِنَ السَّلامِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وبقولِ ابنِ عمرَ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حنيفة رحمه الله. ص ۱۴۵، ۱۴۶۔

۲۔ اس طرح کتاب الآثار میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال السلام يقطع ما بين الصلاتين قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وبه نأخذ، وهو قول أبی حنيفة رحمه الله تعالیٰ۔ (ص ۴۲-۴۳)

ترجمہ: پہلی حدیث میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہمیں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نافع نے خبر دی اور وہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صبح کی سنتیں پڑھ کر لیٹ گیا تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پوچھا کہ اس شخص نے یہ کام کیوں کیا؟ تو نافع نے فرمایا کہ میں نے جواباً کہا کہ یہ اپنے نمازوں میں فصل (جدائی) کرتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سلام سے زیادہ بہتر فصل اور کیا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر ہم عمل کرتے ہیں اور وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہمیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی وہ حضرت حماد رحمہ اللہ تعالیٰ سے اور وہ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دو نمازوں کے درمیان فصل (جدائی) سلام ہے۔

لہٰذا نماز جنازہ سے سلام پھیر کر نہ صفوں کی انتشار کی ضرورت ہے اور نہ بیٹھنے کی۔ بلکہ اسی حالت میں کھڑے کھڑے ہو کر دعا مانگنے سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ نہیں ہوتا۔ بلکہ دعا کھڑے ہو کر بیٹھنے اور لیٹنے کی تینوں حالتوں میں جائز ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ اٰل عمران کی آیت ۱۹۱، اور سورہ نساء کی آیت ۱۰۳، اور سورہ یونس آیت ۱۲۔

ملاحظہ ہو صاحبِ در مختار کا قول:

ویسلم بلا دعاء بعد الرابعة تسلمتین: در مختار علی بیاض۔[76]

عالمگیری میں بحوالہ شرح جامع الصغیر لقاضی خان نقل ہے:

وَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ هَكَذَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِقَاضِي خَانْ۔اہ۔

(ج ا ص ۱۶۴: بالکل واضح اور بے غبار ہے۔)

یعنی چہارم تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے (ظاہر مذہب کی بنا پر) دعاء نہیں بلکہ چہارم تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

صاحبِ بحر العلوم، علامہ سید علی ملیح آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر، مواہب الرحمان میں رقمطراز ہیں: شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ

---

76 (شامی ج ا ص ۵۸۵: الجوهرة النيرة شرح قدوری ج ا ص ۱۲۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

تعالیٰ سے روایت ہے کہ جب نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وفات پائی تو حضور نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے واسطے استغفار پڑھو یعنی اس کے لئے مغفرت مانگو (یعنی بعد نماز پڑھنے کے جیسا کہ مذکور ہوا)۔[77]

شرح وقایہ ج ۱ ص ۲۲۹ علی ھامش شرح الوقایہ لمفتی عبد الرحیم عفی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من صلی صلوۃالجنازۃ ولم یقرء الدعاء لا یجوز جنازتہ لان الدعاء شرط بعد الصلوۃ وقال المعتزلۃ لا یفید الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ لان الصلوۃ دعاء من وجہ قلت امر رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَسلَّم بدعاء بمکۃ حین سئل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَسلَّم ای فائدۃ بدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ فقال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَسلَّم ھذا امر منھی فی حق الکافرین کذا فی الدرر۔

ترجمہ: جس نے نماز جنازہ ادا کی اور اس کے بعد دعا نہ کی تو اس کا نماز جنازہ درست نہیں اس لئے کہ دعا بعد نماز جنازہ شرط ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کوئی فائدہ نہیں دیتی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ بھی ایک وجہ سے دعاء ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے امر فرمایا مکہ مکرمہ میں دعاء کے ساتھ جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کوئی فائدہ دیتی ہے کہ نہیں تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ یہ امر ممنوع ہے کفار کے حق میں (یعنی کافروں کے لئے دعا کرنا منع ہے، نہ کہ مسلمانوں کے لئے)۔

اور حاشیہ شرح الوقایہ لمفتی محمد داؤد پشاوری ج ۱ ص ۲۲۴ پر بھی اس طرح ہے۔

---

77 (مواہب الرحمان ج ۲ پارہ ۴ ص ۱۴۴)

مذکورہ بالا عبارت میں منهيّ في حقّ الکافرين پر اگر غور کیا جائے تو اس سے پوری وضاحت سامنے آجائے گی۔ ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے لفظِ حقّ مصدر مضاف ہے اور الکافرين مضاف اليه ہے۔ اب اگر یہ حقّ مصدر بمعنی فاعل کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نمازِ جنازہ کے بعد کی دعا کو کافر ممنوع قرار دیتے ہیں اور اگر حقّ مصدر بمعنی مفعول کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نماز کے بعد کی دعا کافروں کے لئے ممنوع ہے۔ تو بنابر تقدیرِ اوّل مانعین کافر ہو جاتے ہیں اور بنابر تقدیرِ ثانی مردے کافر ہو جاتے ہیں تو مانعینِ دعا یا تو خود کافر ہیں اور یا مردوں کو کافر سمجھتے ہیں اس لئے دعا نہیں کرتے۔

ضروری وضاحت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵ التوبه﴾

ترجمہ: ”اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کرکے گمراہ فرمائے جب تک انہیں صاف نہ بتادے کہ کس چیز سے انہیں بچنا چاہئے بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔“

اس کی تفسیر میں علامہ الوسی بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(وَما كانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْماً أي ما يستقيم من لطف الله تعالى وأفضاله أن يصف قوما بالضلال عن طريق الحق ويذمهم ويجري عليهم أحكامه بَعْدَ إِذْ هَداهُمْ للإسلام حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ بالوحي صريحا أو دلالة ما يَتَّقُونَ أي ما يجب اتقاؤه من محذورات الدين فلا ينزجروا عما نهوا عنه، اهـ[78]

78 (تفسیر روح المعانی ج ۶ ص ۴۹ مکتبہ حقانیہ ملتان)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو گمراہ کرے، اللہ تعالیٰ کے فضل ومہربانی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک قوم کو حق کے راستے سے گمراہی پر موصوف کرے اور ان کی مذمت کرے اور ان پر گمراہی کے احکام جاری کرے (ان کو ہدایت دینے کے بعد) اسلام کو (حتیٰ کہ ان کیلئے یہ بیان کردے) صریحی یا دلالتی وحی کے ذریعے (کہ انہیں کس چیز سے بچنا چاہیئے) دین کے وہ ممنوعات جن سے بچنا واجب ہو تو جس چیز سے وہ منع کئے گئے ہوں، منع نہ ہوں (یعنی ممنوعاتِ شرعیہ پر عمل کریں)۔ (روح المعانی)

اور علامہ ابن کثیر دمشقی اپنے شہرۂ آفاق تفسیر ج۲ ص۳۹۶ پر رقمطراز ہیں:

فَأَمَّا قبل أن يبين لكم كراهة ذلك بالنهي عنه فلم تضيعوا نهيه إلى ما نهاكم منه فإنه لا يحكم عليه بالضَّلَالِ، فَإِنَّ الطَّاعَةَ وَالْمَعْصِيَةَ إِنَّمَا يَكُونَانِ مِنَ الْمَأْمُورِ وَالْمَنْهِيِّ، وَأَمَّا مَنْ لَمْ يُؤْمَرْ وَلَمْ يُنْهَ فَغَيْرُ كَائِنٍ مُطِيعًا أَوْ عَاصِيًا فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ وَلَمْ يُنْهَ عَنْهُ۔اھ۔

ترجمہ: تو اس سے پہلے کہ منع کرنے سے ان کو کراہیت بیان نہ کریں تو انہوں نے منع کی ہوئی چیز کو ضائع نہیں کیا۔ اس لئے ان پر گمراہی کا حکم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عبادت اور معصیت دونوں صرف امر اور نہی سے ہوتے ہیں اور جس کو امر و نہی نہیں کی گئی تو وہ مامور بہ اور منہی عنہ میں اطاعت کرنے والا اور گنہگار نہیں ہوتا۔ (ابن کثیر)

اور عصام علی البیضاوی پھر نفائس مطلوبہ ص ۲۲ پر ہے:

استقباح المستحب كفر۔

یعنی مستحب کا استقباح (قبیح جاننا یا کہنا) کفر ہے۔

حق کسی کی خواہش کا تابع نہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَوِ اتَّبَعَ الۡحَقُّ اَهۡوَآءَهُمۡ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ ؕ بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِذِكۡرِهِمۡ فَهُمۡ عَنۡ ذِكۡرِهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ (المؤمنون ۷۱)

خلاصہ تفسیر: اور (بفرض محال) اگر ایسا امر واقع ہو جاتا اور دین حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو (تمام عالم میں کفر و شرک پھیل جاتا اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ حق تعالیٰ کا غضب تمام عالم پر متوجہ ہو جاتا اور اس کا مقتضا یہ تھا کہ تمام آسمان اور زمین اور جو اُن میں (آباد) ہیں سب تباہ ہو جاتے۔ بلکہ (اس سے بڑھ کر دوسرے عباد بھی ہیں کہ حق کا اتباع جو انہی کے نفع کا سامان ہے اس سے دور بھاگتے ہیں الخ۔[79]

ثابت ہوا کہ نماز جنازہ سے سلام پھیرنے کے بعد انفرادی یا اجتماعی دعا کرنے والوں کو اور دعا کو برا بھلا کہنے والا گمراہ ہے اور جو بھی ان لوگوں (یعنی دعا سے منع کرنے والوں) کی بات مانیں تو وہ بھی گمراہ ہیں۔

سوال: دعا کرنے والوں کو جو بعد از سلام نماز جنازہ دعا کرتے ہیں خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی ان کو بُرا بھلا کہنے والے کیوں کر گمراہ ہوتے ہیں؟ اور دعا کرنے کو بدعت کہنے کا بیان۔

جواب: ایک تو یہ لوگ نصوصِ مطلقہ کو اپنی ہی رائے سے مقید کرتے ہیں جو کہ نسخ کے مترادف ہے۔

دوسرا یہ کہ نصوص کو اپنے ہوا پرستی سے منسوخ کرتے ہیں۔

---

79 (معارف القرآن ج ۶ ص ۳۲۱، ۳۲۰)

تیسرا یہ کہ اپنی عقل کی تابعداری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے اپنے آپ کو (العیاذ باللہ) زیادہ راست باز اور ہوشیار سمجھتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَرَئَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّھْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ؕ (الجاثیہ ۲۳)

ترجمہ: سو کیا (توحید و آخرت کے ان واضح بیانات کے بعد) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہشِ نفسانی کو بنا رکھا ہے؟ (کہ جو دل میں آتا ہے اسی کے پیچھے چلتا رہتا ہے)۔ اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود (اس شخص کی) سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے (کہ حق کو سُنا اور سمجھا بھی مگر نفسانی خواہش کی پیروی سے گمراہ ہو گیا) اور (خدا تعالیٰ نے) اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے (یعنی نفس پرستی کی بدولت قبولِ حق کی صلاحیت نہایت کمزور ہو گئی) سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (اسے گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے (اس میں تسلی بھی ہے، آگے ان منکرین کو زجر کے طور پر خطاب ہے کہ) کیا تم (ان بیانات کو سن کر) پھر بھی نہیں سمجھتے (یعنی ایسا سمجھنا جو نافع ہو) اگرچہ عام معانی کے اعتبار سے سمجھتے تھے۔ انتھی۔[80]

(۲) قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ؕ (اٰل عمران ۳۲)

ترجمہ: آپ یہ فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول (صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم) کی پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں سو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔[81]

---

80 (خلاصہ تفسیر معارف القرآن، جلد ۷، ص ۷۸۶)

81 (بیان القرآن ص ۱۰۹)

سوال: ان کی تابعداری کرنے والے اور ان کی بات ماننے والے کیوں مشرک بنتے ہیں؟

الجواب: وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیٰئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ ج وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّکُمْ لَمُشْرِکُوْنَ (الانعام ۱۲۱)

ترجمہ: اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہوئے۔[82]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَھْوَآئَکُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ (الانعام ۵۶)

خلاصۂ تفسیر: آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم فرمادیجئے کہ میں تمہارے (باطل) خیالات کی اتباع نہیں کروں گا کیونکہ (اگر نعوذباللہ) اس حالت میں میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ (راست) پر چلنے والوں میں سے نہ رہوں گا۔[83]

اللہ تعالیٰ جل جلالہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللہِ (التوبۃ ۳۱)

ترجمہ: انہوں نے (یعنی یہود و نصاریٰ نے) خدا (کی توحید فی الطاعۃ) کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کو (باعتبار طاعت) رب بنا رکھا ہے (کہ ان کی اطاعت تحلیل اور تحریم میں مثل اطاعتِ خدا کے کرتے ہیں کہ نص کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے پس اس حساب سے وہ ان کی عبادت کرتے ہیں)۔[84]

82 (معارف القرآن ج۳ ص ۴۳۲)
83 (معارف القرآن ج۳ ص ۳۴۱)
84 (معارف القرآن ج۴ ص ۳۶۴)

حضرت علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے شہرۂ آفاق تفسیر بغوی میں ج ۲ صفحہ ۳۴۰ پر رقمطراز ہیں:

رُوِيَ عَنْ عُدَيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي عُنُقِي صليب من ذَهَبٍ فَقَالَ لِي: يَا عُدَيُّ اطْرَحْ هَذَا الْوَثَنَ مِنْ عُنُقِكَ، فَطَرَحْتُهُ ثُمَّ انْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقْرَأُ, اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللّٰہِ، حَتَّى فَرَغ منها، قلت إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ، فَقَالَ أَلَيْسَ يُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللّٰہُ فَتُحَرِّمُونَهُ، وَيَحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَتَسْتَحِلُّونَهُ؟ قال: فقلت: بَلَى، قَالَ: فَتِلْكَ عِبَادَتُهُمْ۔ اھ۔

ترجمہ: امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں اس کا ذکر فرمایا: ابن عدی نے فرمایا کہ میں آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے پاس آیا اور میرے گلے میں سونے کا صلیب تھا تو آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اے عدی اپنے گلے سے اس بت کو گرادو، تو عدی کہتے ہیں کہ میں نے گرادیا۔ پھر میں آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے قریب ہوا اور آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم قراٰن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ (کہ انہوں نے اپنے علماو مشائخ کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا تھا) یہاں تک کہ آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم تلاوت سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے، تو آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا آیا ایسا نہیں ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے ان کو انہیں لوگوں نے حرام کردیا ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادی ہے

ان کو انہیں لوگوں نے حلال کر دیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ جی، ایسا ہی ہے۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ یہی تو ان کی عبادت ہے۔[85]

امام بخاری نماز جنازہ کو نماز ثابت کرنے کے لئے دلائل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وفیھا تکبیر و تسلیم۔اھ۔صحیح بخاری ص ١٧٦ باب سنة الصلوٰة علی الجنازة۔

یعنی دیگر نمازوں کی طرح اس میں بھی تکبیر تحریمہ اور تحلیل کے لئے نمازِ جنازہ سے سلام پھیرنا ہے۔

حدیثِ نبوی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ: مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجة عنه وعن ابی سعید مشکوة ص ٤٠ باب ما یوجب الوضوء الفصل الثانی حدیث نمبر ٣۔ابو داؤد ج ١ ص ٩ باب فرض الوضوء حدیث ٣ اور جلد ١ ص ٩١ باب تحریم الصلوة وتحتلیلها حدیث نمبر ١ اور ترمذی ج ١ ص ٣ باب ماجاء ان مفتاح الصلوة الطهور: حدیث ١ قال ابو عیسیٰ هذا الحدیث اصح شیء فی هذا الباب واحسن وفی الباب عن جابر وابی سعید۔ اور ج ١ ص ٣٢ باب ماجاء فی تحریم الصلوٰة وتحلیلها عن ابی سعید حدیث ١ وفی الباب عن علی وعائشة اھ اور ج ١ ص ٥٤ وقال احمد۔۔۔وتحلیلها التسلیم۔اھ۔ اور ابن ماجة ج ١ ص ٢٤ باب مفتاح الصلوة الطهور حدیث ١ عن محمد بن الحنفیة عن ابیه اور حدیث ٢ عن ابی سعید الخدری اھ وسنن دارمی ج ١ ص ١٤١، ١٤٠ باب مفتاح الصلاة الطهور۔ وغیرہ وغیرہ۔

85(تفسیر مظهری ص ١٩٤ ج ٤)

اسی لئے مقام حیرت ہی ہے کہ جب تکبیر تحریمہ نہ ہوئی مگر پھر بھی بہیئت اجتماع بحالت قیام دعاء منع نہ ہوئی، مگر سنت ٹھہرا اور جب تحلیل کے لئے سلام پھیرا اور نماز میں نماز کی وجہ سے جو امور ممنوع ہوئے تھے وہ حلال اور رواء ہوئے تو جو چیز نماز میں سنت تھی وہ کس طرح اور کیوں ممنوع ہوئی اور بدعت ٹھہری، ایسے عقل پر مناسب ہے رونا۔

قالوا (ای الاکثرون) ان السماء قبلة الدعاء کما ان الکعبة قبلة الصلوة۔۔۔قال اللہ تعالیٰ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾

نووی علی المسلم ج ۱ ص ۱۸۱، باب النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰة۔

مکتبہ فکر دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا قول

فتحصل من ھذا کله ان الدعاء دبر الصلوٰت مسنون و مشروع فی المذاھب الاربعة لم ینکر الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل ھواہ و وسوس له الشیطان فاغواہ۔[86]

ترجمہ: پس ان تمام احادیث اور عبارات مذاہب سے یہ حاصل ہوا کہ تمام نمازوں کے بعد دعاء کرنا چاروں مذہبوں میں مسنون و مشروع ہے۔اس کا انکار سوا اس جاہل، مجنون کے کسی نے نہیں کیا جو اپنی ہوائے نفسانی کے راستہ میں گمراہ ہو گیا اور شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس کو بہکایا۔

نیز مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھاہے:

بعد نماز عیدین کے دعاء مانگنا گو نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں مگر چونکہ عموماً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اسلئے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوا۔[87]

---

86 (امداد الفتاوٰی ج ۱ ص ۱۵۷ اشرف علی تھانوی دیوبندی)
87 (بھشتی زیور۔ص ۱۸ جلد ۱۱)

قابل غور بات ہے کہ نماز عیدین کے بعد خیر القرون میں دعاء مانگنا ثابت نہیں تو پھر بھی دعاء مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مسنون قرار پایا تو نماز جنازہ کے بعد تو خیر القرون میں دعاء مانگی جاتی رہی جیسے اوپر مذکور ہوا پھر کیوں انکار کیا جاتا ہے مگر ضد کا علاج نہیں۔

بد مذہب لوگ نماز جنازہ کو دعاء بولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نماز نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر اپنی صحیح میں مستقل باب باندھا ہے۔ جس کا نام ہے "باب سنة الصلوٰة على الجنازة"۔

اس باب کے عنوان کے تحت امام بدرالدین عینی حنفی المتوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

أَي: هَذَا بَاب فِي بَيَان سنة الصَّلَاة على الْجِنَازَة، وَالْمرَاد من السّنة مَا شَرعه النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي صَلَاة الْجِنَازَة من الشَّرَائِط، والأركان. وَمن الشَّرَائِط أَنَّهَا لَا تجوز بِغَيْر الطَّهَارَة، وَلَا تجوز عُريَانا، وَلَا تجوز بِغَيْر اسْتِقْبَال الْقبْلَة. وَمن الْأَركان: التَّكْبِيرَات. وَقَالَ الْكرْمَانِي: غَرَض البُخَارِيّ بَيَان جَوَاز إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة، وَكَونهَا مَشْرُوعَة، وَإِن لم تكن ذَات الرُّكُوع وَالسُّجُود۔

یعنی یہ باب جنازہ پر "نماز" کے سنت ہونے کے بیان میں ہے (دعا کے نہیں) اور سنت سے مراد یہ ہے کہ جسے نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے نماز جنازہ میں شرائط وارکان کے ساتھ مشروع فرمایا ہے۔ اس (نماز جنازہ) کی شرائط میں سے یہ ہے کہ یہ بغیر طہارت اور عریان (برہنہ) حالت میں جائز نہیں اور نہ ہی قبلہ کی طرف رخ کئے بغیر جائز ہے اور اس کے ارکان میں سے تکبیرات ہیں اور کرمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی (باب کا عنوان سنة الصلوٰة على الجنازة) سے غرض صلوٰۃ جنازہ پر نماز کے اطلاق کے جواز کا بیان ہے اور اس کا مشروع ہونا ہے اگرچہ اس میں رکوع و سجود نہیں۔[88]

88 (عمدۃ القاری للعینی، ج۷، ص ۱۲۲، مطبوعۃ احیاء التراث بیروت)

اس مقام پر اس سے ملتا جلتا کلام علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے۔
آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال الزین بن منیر المراد بالسنة ماشرعه النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابه وَ سلَّم فھی اھم من الواجب و المندوب۔ الی قوله، و لیست بمجرد الدعاء فلاتجزی بغیر الطھارة۔

زین بن منیر نے کہا سنت سے مراد یہ ہے کہ جسے نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے مشروع فرمایا اور یہ واجب اور مندوب سے اہم ہے الی قوله، اور یہ صرف دعاء نہیں (اور اسکی دلیل یہ ہے کہ یہ) بغیر طہارت جائز نہیں۔[89]

اس باب کے تحت امام بخاری جو پہلی حدیث لائے ہیں اس کا بعض حصہ ملاحظہ ہو تاکہ بات مزید واضح ہو جائے۔

قال النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابه وَ سلَّم من صلی علی الجنازة و قال صلوا علی صاحبکم و قال صلوا علی النجاشی سماھا صلاة لیس فیھا رکوع و لا سجود و لا یتکلم فیھا تکبیر و تسلیم و کان ابن عمر لا یصلی عند طلوع الشمس و لا غروبھا و فیھا۔

نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ارشاد فرمایا جس نے جنازہ پر نماز پڑھی اور فرمایا اپنے صاحب (ساتھی) پر نماز پڑھو اور فرمایا نجاشی پر نماز پڑھو، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اسے نماز کا نام دیا اگرچہ اس میں رکوع و سجود نہیں۔ (لیکن) اس میں کلام نہیں کیا جاتا اور اس میں تکبیر و سلام بھی ہے اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف طاہر (باوضو) حالت میں نماز پڑھتے اور طلوع شمس اور اس کے غروب کے وقت نماز جنازہ نہ پڑھتے۔ اور اس میں۔[90]

---

89 (فتح الباری علی البخاری للعسقلانی، ج۳، ص ۱۴۸)
90 (صحیح البخاری، سنة الصلوٰة علی الجنازة)

قارئین کرام! ذرا غور فرمائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً جنازہ پر "نماز" کے سنت (مشروع) ہونے پر باب باندھا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف فرامین اس بات پر نقل کیے کہ صلوٰۃ الجنازہ میں لفظ "صلوٰۃ" سے مراد اس کا لغوی اور حقیقی معنیٰ "دعا" نہیں بلکہ اس سے مراد ارکانِ مخصوصہ کی ادائیگی ہے اور وہ نماز ہے (جو کہ منقول شرعی ہے) پھر اس صلوٰۃ کو نماز ثابت کرنے کیلئے بطور دلیل یہ ذکر کیا کہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اسکا نام صلاۃ رکھا ہے اگرچہ اس میں رکوع و سجود نہیں لیکن اس میں کلام نہیں کیا جاتا (جس طرح دیگر نمازوں میں کلام نہیں کیا جاتا) اور دوسری نمازوں کی طرح اس میں تکبیر (افتتاح جو کہ دوسری نمازوں میں رکن ہے اس میں بھی رکن ہے) اور سلام بھی ہے اور (جس طرح دیگر نمازیں طلوعِ شمس اور اس کے غروب کے وقت ادا نہیں کی جاتیں) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (نماز جنازہ کو بھی) ان اوقات منہیہ میں ادا نہ فرماتے۔

اب ذرا حدیث کے الفاظ پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ ملاحظہ فرما کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وَقَالَ النبيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَنْ صَلَّى عَلَى الجَنَازَةِ، هَذَا اسْتدلَّ بِهِ البُخَارِيّ على جَوَاز إطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة، فَإِنَّهُ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: من صلى على الْجِنَازَة ... فَأطلق بِلَفْظ (صلى على الْجِنَازَة)، وَلم يقل: من دَعَا للجنازة۔ الی قولہ۔

یعنی (حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ فرمان کہ جس نے جنازہ پر صلوٰۃ (نماز) پڑھی) اس سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صلاۃ الجنازہ پر نماز کے اطلاق پر استدلال کیا ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا یہ فرمان کہ جس نے جنازہ پر نماز پڑھی۔ پس آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے صلى على الجنازة کے لفظ سے اطلاق فرمایا اور یہ نہ فرمایا کہ جس نے جنازہ کیلئے دعا کی۔

پھر حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم کے اس قول صلوا علی صاحبکم کے تحت فرماتے ہیں۔

هَذَا اسْتدلّ بِهِ على مَا ذهب إِلَيْهِ من إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة بِالْأَمر بِالصَّلَاةِ عَلَيْهَا حَيْثُ قَالَ: (صلوا)۔

کہ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صلاۃ جنازہ پر نماز کے اطلاق پر استدلال کیا ہے جو کہ نماز کے امر (حکم) کے ساتھ ہے جیسا کہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا "صلوا" یعنی تم نماز پڑھو۔

پھر حدیث کے الفاظ "سَمَّاهَا صَلاَةً لَيْسَ فِيهَا رُكُوعٌ وَلاَ سُجُودٌ" کے تحت فرماتے ہیں:

أَي: سمى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الْهَيْئَة الْخَاصَّة الَّتِي يدعى فِيهَا للْمَيت: صَلَاة، وَالْحَال أَنه لَيْسَ فِيهَا رُكُوع وَلَا سُجُود۔

یعنی حضور رحمت عالم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم نے ہیئت مخصوصہ جس میں میت کیلئے دعا کی جاتی ہے کو نماز کا نام دیا اور حال یہ ہے کہ اس میں نہ رکوع ہے اور نہ سجود۔

وَلاَ يُتَكَلَّمُ فِيهَا وَفِيهَا تَكْبِيرٌ وَتَسْلِيمٌ کے تحت فرماتے ہیں:

أَي: وَلَا يتَكَلَّم فِي صَلَاة الْجِنَازَة، وَهَذَا أَيْضا من جملَة جَوَاز إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجنَازَة بِإِثْبَات مَا هُوَ من خَصَائِص الصَّلَاة، وَهُوَ عدم التَّكَلُّم فِي صَلَاة الْجنَازَة كَالصَّلَاةِ۔

یعنی نماز جنازہ میں گفتگو نہ کی جائے۔ یہ بھی نماز جنازہ پر نماز کے اطلاق کے جواز کے جملہ سے ہے نماز کے خصائص کو ثابت کرنے کیلئے اور وہ نماز جنازہ میں عدم تکلم ہے (دوسری) نماز کی طرح۔

قَوْله: (وفيهَا) أَي: وَفِي صَلَاة الْجنَازَة (تَكْبِير وَتَسْلِيم) كَمَا فِي الصَّلَاة۔

یعنی حدیث کے الفاظ "فیھا" یعنی نماز جنازہ میں تکبیر بھی ہے اور تسلیم بھی ہے جیسے دوسری نماز میں ہیں۔

وكانَ ابنُ عُمَرَ لاَ يُصَلِّي إلاّ طاهِرا وَلاَ تُصَلّى عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلاَ غُرُوبِهَا وَيَرْفَعُ يَدَيْه کے تحت علامہ عینی لکھتے ہیں:

هَذَا أَيْضا مِمَّا اسْتدلّ بِهِ البُخَارِيّ على إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة۔

هَذِه ثَلَاث مسَائِل۔

الأولى: أَن عبد الله ابْن عمر كَانَ لَا يُصَلِّي على الْجِنَازَة إلاَّ بِطَهَارَة, وَقَالَ ابْن بطال: كَانَ غَرَض البُخَارِيّ بِهَذَا الرَّد على الشّعبِيّ, فَإِنَّهُ أجَاز الصَّلَاة على الْجِنَازَة بِغَيْر طَهَارَة, قَالَ: لِأَنَّهُ دُعَاء لَيْسَ فِيهَا رُكُوع وَلَا سُجُود. قَالَ: وَالْفُقَهَاء مجمعون من السّلف وَالْخلف على خلاف قَوْله۔ انْتهى۔

یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صلاة على الجنازة پر نماز کے اطلاق پر استدلال فرمایاہے اور یہ تین مسائل ہیں۔پہلا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما صرف طہارت کی حالت میں نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ابن بطال نے کہا کہ امام بخاری کا اس سے مقصود شعبی کا رد ہے جس نے نماز جنازہ کو بغیر طہارت جائز قرار دیا(اوراسکی دلیل یہ دی کہ)چونکہ اس میں رکوع و سجود نہیں اسلئے کہ یہ دعاہے جب کہ سلف و خلف میں سے فقہاء کا شعبی کے اس قول کے خلاف پر اجماع ہے (یعنی شعبی کے اس قول کے خلاف کہ صلاۃ الجنازہ دعاہے نماز نہیں)ابن بطال کا قول ختم ہوا۔

قلت: وَقَالَ بِهِ أَيْضا مُحَمَّد بن جرير الطَّبَرِيّ والشيعة, وَقَالَ أَبُو عمر: قَالَ ابْن علية: الصَّلَاة على الْمَيِّت اسْتِغْفَار, وَالِاسْتِغْفَار يجوز بِغَيْر وضوء۔

(علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہی قول ابن جریر طبری اور شیعہ کا ہے اورابو عمر نے کہا کہ ابن علیۃ کا قول ہے کہ صلاۃ علی المیت استغفار ہے اوراستغفار بغیر وضو جائز ہے۔[91]

(نوٹ: علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حوالے سے مزید سیر حاصل بحث کی ہے جسے ہم عمداً بخوف طوالت ترک کر رہے ہیں۔ نیز امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس روایت کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ اور شرح بھی ہمارے پیش نظر ہے لیکن چونکہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ شافعی المسلک ہیں اس لئے اس موضوع پر لے دے سے بچتے ہوئے سوائے ایک مقام کے ہم نے علامہ عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تبصرہ نقل نہیں کیا۔)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی صحیح بخاری میں مذکورہ روایت کو امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطا کے اندر معمولی تغیر کے ساتھ روایت فرمایا ہے یہ بھی ملاحظہ ہو۔

موطا امام محمد میں آپ نے "باب الرجل تدرکہ الصلاۃ علی الجنازۃ وھو علی غیر وضوء" کے نام سے باب باندھا ہے اوراس میں آپ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث کو ان الفاظ سے روایت فرماتے ہیں:

اخبرنا مالک اخبرنا نافع عن ابن عمر انہ کان یقول لا یصلی الرجل علی جنازۃ الا وھو طاھر۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کسی جنازہ پر نماز نہ پڑھے مگر اس حال میں کہ وہ طاہر (باوضو) ہو۔

91(عمدۃ القاری علی البخاری، للعینی، ج۷، ص ۲۴۔ ۱۲۲)

قال محمد و بھذا ناخذ لا ینبغی ان یصلی علی الجنازۃ الا و ھو طاھر۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ہم یہ اخذ کرتے ہیں کہ جنازہ پر نماز صرف حالت طہارت میں (باوضو ہو کر) ہی پڑھی جائے۔

مؤطا کی اس روایت پر امام عبد الحی لکھنوی کے حاشیہ، مسماۃ التعلیق الممجد، کی عبارت بھی ملاحظہ ہو:

قولہ الا و ھو طاھر لحدیث لا یقبل اللہ الصلاۃ بغیر طھور و سمی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلّم الصلاۃ علی الجنازۃ صلوۃ فی نحو قولہ صلوا علی صاحبکم و قولہ فی النجاشی فصلوا علیہ۔

حدیث کے الفاظ الا و ھو طاھر۔ یہ اس حدیث کی وجہ سے ہے کہ "اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز کو قبول نہیں فرماتا اور حضور سرور دو عالم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم نے صلاۃ علی الجنازۃ کو نماز سے موسوم فرمایا جس طرح آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم کا ارشاد ہے تم اپنے صاحب پر نماز پڑھو اور نجاشی کے (جنازہ کے متعلق) آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم کا ارشاد ہے پس تم اس پر نماز پڑھو۔[92]

قارئین کرام! مذکورالصدر حدیث (من البخاری و الموطا) پر بحث و نظر کے بعد درج ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

---

92 (موطا امام محمد مع التعلیق الممجد، ص ۱۷۰)

فوائد:

۱) امام بخاری کا اس بات پر مستقل باب باندھنا کہ جنازہ پر ”نماز“ سنت (مشروع) ہے نہ کہ دعا اور اس کی تائید میں امام بدرالدین عینی حنفی اور علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی تصریحات کہ باب کے عنوان کا معنی نماز ہے نہ کہ دعا۔

۲) صحیح بخاری کے متن کے اندر ہی اس بات کی صراحت کا پایا جانا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد کہ ”جس نے نماز جنازہ پڑھی۔“

۳) تم اپنے صاحب پر نماز پڑھو۔

۴) تم نجاشی پر نماز پڑھو۔

۵) شارع علیہ السلام نے صلاۃ علی الجنازۃ کو نماز سے موسوم فرمایا۔ اگرچہ اس میں رکوع و سجود نہیں لیکن اس میں دوسری نمازوں کی طرح گفتگو نہیں کی جاتی۔ اور اس میں سلام پھیرنا بھی ہے اور تکبیر بھی۔ جو کہ دوسری نمازوں میں شرائط ہیں اور اس میں بھی۔

۶) ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا صرف طہارت میں نماز جنازہ ادا فرمانا اور اسے دیگر نمازوں کی طرح اوقات منہیہ میں ادا نہ فرمانا۔

۷) ان سب نکات پر علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تبصرہ کہ امام بخاری کا مقصود اس متن سے ان تمام وجوہ میں صلوٰۃ علی الجنازۃ کو دعا نہیں بلکہ نماز ثابت کرنا ہے۔

۸) آخر میں امام عینی کا فرمان کہ صلوٰۃ علی الجنازۃ کے نماز ہونے پر تمام سلف و خلف فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اجماع قائم کیا ہے اور اس کی مخالفت یا ابن جریر طبری نے کی یا شیعہ نے۔

۹) ابن علیہ کا قول جو کہ سلف وخلف فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجماع کے خلاف ہے نقل کیا کہ اس کے نزدیک صلاۃ علی الجنازۃ فقط استغفار ہے اور استغفار بغیر وضو کے جائز ہے۔

۱۰) امام بخاری شافعی، امام ابن حجر عسقلانی شافعی، امام بدرالدین عینی حنفی رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح سرخیل احناف امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنی موطا میں اسی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما والی حدیث کو لانا اور امام عبدالحی لکھنوی کا مؤطا کے حاشیہ پر اس حدیث مذکور کی غرض بیان کرتے ہوئے صلوۃ علی الجنازۃ کو نماز ثابت فرمانا۔ (تلک عشرۃ کاملۃ)

تنبیہ: (ان نکات کی روشنی میں نجدی فکر کے حامل علماء کو چاہیئے کہ وہ بغیر وضو، بغیر استقبال قبلہ، بغیر ستر عورت وغیرہ کے نماز جنازہ کے جواز کا فتویٰ دیں)

اگرچہ اس موضوع پر ذخیرۂ احادیث کی روسے مزید علی التفصیل بحث و نظر کی گنجائش موجود ہے لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور "خیر الکلام ماقل ودل ولم یمل" اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس قول کہ "اگر درخانہ کس است یک حرف بس است" کے مصداق ہم اقوال فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فنقول وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

لیکن اس سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ مانعین دعا بعد جنازہ ان مبتدعین کی طرف سے ہمارے (اہل سنت کے) اوپر یہ اتہام کہ صلاۃ علی جنازۃ سے مراد دعا ہے اور نماز کے بعد دعا کی فضیلت میں مذکور احادیث وآثار کو جنازہ کے بعد دعا پر محمول کرنا خلط مبحث ہے، باطل ہو گیا۔ فللہ الحمد۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ صلوٰۃ علی الجنازۃ سے مراد دعا لیںانہ تو حدیث کی منشاء کے مطابق ہے اور نہ شارحینِ حدیث کے نظریہ کے موافق، بلکہ صحیح بات وہی ہے جس کو ہم نے دلائل وبراہین کی روشنی میں ذکر کر دیا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

اب ملاحظہ ہوں اقوالِ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ بالاختصار:

۱)امام محمد۔الجامع الصغیر (جو کہ احناف کی کتب ظاہر الروایہ میں سے ہے)میں "باب فی حمل الجنازۃ والصلوٰۃ علیھا" میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

قوم صلوا علی الجنازۃ رکبانا اجزاھم فی القیاس ولا یجزیھم فی الاستحسان۔

یعنی قوم اگر سوار ہو کر نماز جنازہ پڑھے تو انہیں قیاس میں یہ بات کفایت کرتی ہے لیکن استحسان میں یہ بات جائز نہیں۔

۲)امام عبد الحی لکھنوی استحسان کے تحت فرماتے ہیں:

"قولہ فی الاستحسان ، لانہ صلاۃ من وجہ لوجود التحریمۃ ولھذا یشترط فیہ الطھارۃ واستقبال القبلۃ فلایجوز راکبا من غیر عذر استحساناً"۔

یعنی سوار ہو کر نماز جنازہ جائز نہیں کیونکہ تحریمہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی ایک طرح سے نماز ہی ہے اس لئے اسمیں تحریمہ اوراستقبال قبلہ شرط ہے،پس یہ بلا عذر استحساناً سوار ہو کر جائز نہیں۔[93]

۳)اسی بات کو شرح الوقایہ جو کہ فقہ حنفی کی معروف کتاب ہے اور درسیات میں شامل ہے میں بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے:

ولم تجز راکبا استحساناً۔الاستحسان ھو الدلیل الذی فی مقابلۃ القیاس الجلی الذی یسبق الیہ الافھام والقیاس ھھنا ان یجوز راکباً لانہ لیس بصلاۃ لعدم الارکان بل ھو دعاء والاستحسان انھا صلاۃ من وجہ لوجود التحریمۃ فلا یترک القیام من غیر عذر احتیاطاً۔

نمازِ جنازہ استحساناً سوار ہو کر جائز نہیں۔استحسان اس قیاس جلی کے مقابلے میں ہے کہ جس کی طرف ذہن سبقت کرتے ہیں اور قیاس یہ ہے کہ یہ نمازِ جنازہ سوار ہو کر پڑھنا میں جائز ہو کیونکہ یہ

93(الجامع الصغیر للامام محمد وشرحہ النافع الکبیر للام عبد الحی لکھنوی، ص ۹۰)

عدم ارکان (رکوع و سجود وغیرہ) کی وجہ سے نماز نہیں بلکہ دعا ہے لیکن استحسان یہ ہے کہ یہ من وجہ وجود تحریمہ کے سبب سے نماز ہی ہے لہذا احتیاطاً بغیر عذر قیام کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

۴) اور ساتھ ہی اس کے حاشیہ مسماۃ "عمدۃ الرعایۃ" پر اسکی وضاحت بایں الفاظ مذکور ہے:

قولہ لوجود التحریمۃ۔ولوجود السلام واشتراط الطھارۃ واستقبال القبلۃ ونحوھما ممایشترط للصلوت ولذااطلق علیھالفظ الصلوٰۃ اطلاقاشائعاً۔[94]

نماز جنازہ تحریمہ، سلام، طہارت اوراستقبال قبلہ کی شرائط کے سبب جو کہ دوسری نمازوں میں شرائط ہیں، نماز ہی ہے اس لئے اس پر لفظ صلوٰۃ (نماز) کا اطلاق بطور اطلاق شائع کیا گیا ہے۔

۵) اس کے ساتھ ہی فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ شریف کی عبارت بھی ملاحظہ ہو:

فان صلوا رکبانااجزاھم فی القیاس۔لانھادعاءوفی الاستحسان لاتجزیھم لانھاصلوۃ من وجہ لوجود التحریمۃفلایجوز ترکہ من غیر عذر احتیاطاً۔[95]

پس اگر لوگ سوار ہو کر نماز جنازہ پڑھیں تو قیاس کے مطابق انہیں کفایت کرے گا کیونکہ (قیاس کی روسے) یہ دعا ہے۔اوراستحسان (دلیل خفی) میں اس کو سوار ہو کر پڑھنا انہیں کفایت نہ کریگا۔کیونکہ یہ بھی ایک طرح سے نماز ہی ہے (اوراسکی دلیل یہ ہے کہ) اس میں تکبیر تحریمہ ہے لہذا بغیر عذر قیام کو ترک کرنا احتیاطاً درست نہیں۔

۶) حاشیہ طحطاوی علی المراقی میں مذکور ہے:

(قولہ فرض کفایۃ) بالاجماع فیکفر منکرھالانکارالاجماع کذافی البدائع والقنیۃوالاصل فیہ قولہ تعالیٰ (وصل علیھم) التوبۃ: ۱۰۳ وقولہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ

---

94 (شرح الوقایہ اولین مع عمدۃ الرعایہ، ص ۲۵۴، ۵۵)

95 (ھدایہ اولین، فصل فی الصلاۃ علی المیت، ص ۱۹۳)

واصحابه وَسلَّم صلوا على كل بر و فاجر (رواه الدار القطنی فی سننه ، ج۲ ص ۵۷) الی قوله۔ ویصح النذر بها لانها قربة مقصودة۔ الخ۔

(نماز جنازہ فرض کفایہ ہے) کے تحت امام طحطاوی فرماتے ہیں کہ یہ بالاجماع (فرض کفایہ) ہے اوراس کا منکر اجماع کے انکار کی وجہ سے کافر ہے۔ جیسا کہ بدائع اور قنیہ میں ہے اوراس میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ان پر نماز پڑھیں" اور حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ "ہر نیک اور بد پر نماز جنازہ پڑھو۔" الی قوله۔ اور نماز جنازہ کی نذر ماننا جائز ہے کیونکہ یہ قربت (عبادت) مقصودہ ہے۔[96]

عبارات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز جنازہ بھی دوسری نمازوں کی طرح نماز ہے کیونکہ اس میں بھی دیگر نمازوں کی طرح شرائط مثلاً طہارت، تحریمہ اورارکان قیام اور سلام ہیں اگرچہ اسمیں رکوع و سجود نہیں۔

اور نماز جنازہ کی یہ شرائط معترض کے نزدیک بھی مسلم ہیں۔ اگر اس کے متعلق دعاواستغفار کا قول کیا جائے تو اول تو یہ اہل سنت (احناف) کا مختار ہی نہیں بلکہ ابن جریر طبری، شیعہ اور ابن علیہ کا مختار ہے۔ (کمامر)

اگر یہ فقط دعاواستغفار ہو تو اس میں طہارت اور دیگر شرائط وارکان ملحوظ نہ ہوں کیونکہ یہ چیزیں دعاوغیرہ میں شرط نہیں۔

اب فرمایئے کہ نماز جنازہ کو دعا کہنے والا دلائل مذکورہ کی روشنی میں احناف کا وکیل ہے۔۔۔؟ یا ۔۔۔۔۔شیعہ کا۔۔۔؟ اوروہ درپردہ کس کے مذہب کو تقویت پہنچانے میں مشغول ہے۔۔۔؟ اگر اس طرح کا وکیل ہو تو۔۔۔الحذر۔۔۔الحذر۔۔۔الحذر

96(طحطاوی علی المراقی، ج۲، ص ۲۴۰)

ہمارے ان جملوں کے متعلق غیر مقلدین حضرات بھی غور کریں گو کہ وہ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات کو حجت تسلیم نہیں کرتے لیکن بخاری، جس کو وہ بھی کتاب اللہ کے بعد سب سے معتبر کتاب گردانتے ہیں۔اس میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر باب ہی اس غرض سے باندھا ہے تاکہ نماز جنازہ کا ''نماز'' ہونا ثابت ہو سکے۔

آخر میں منکرین دعا بعد نماز جنازہ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ طحطاوی کی مذکورہ عبارت کو بار بار غور سے پڑھیں اوراپنے ایمان کی فکر کریں۔توبہ کا دروازہ کھلا ہے لیکن اگر توبہ کی توفیق نہ ہو تو دوسروں کو اپنے ساتھ گمراہ کرنے کا آپ کو کوئی اختیار نہیں۔ واللہ الموفق للھدایۃ۔

(۱)عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَسلَّم اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا الہ الدعاء۔(ابو داود جلد ۲۔جنائز (۴۵۲) وابن ماجہ جنائز (۱۰۹) ثم مشکوٰۃ صلوٰۃ الجنائز فصل ۲۔(۱۳۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا جب تم میت پر نماز پڑھو تو خلوص سے اس کیلئے دعا کرو اس حدیث سے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت ہوا جو لوگ اس دعا سے وہ دعا مراد لیتے ہیں جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے ان کو اس حدیث کے اس جملہ (فاخلصوا الہ الدعاء) میں غور کرنا چاہیئے۔

کیونکہ وہ دعاء جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے وہ خالصتاً میت کیلئے کہاں ہوتی ہے،وہ تمام زندوں، مردوں، غائب، حاضر، مردوں، عورتوں، سب کیلئے ہوتی ہے، جبکہ حدیث کے الفاظ ہیں، کہ جب تم نماز جنازپڑھ لو تو مرحوم کیلئے خلوص سے دعا مانگو، سو معلوم ہوا کہ اس دعا سے مراد جنازہ پڑھنے کے بعد کی دعا ہے (کہ جب تم نماز جنازہ پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ میت کیلئے دعا مانگو)

(۲) نیز (اذا صلیتم علی المیت) شرط ہے اور (فاخلصوا له الدعاء) اس کی جزا ہے۔ شرط اور جزا میں تغیر ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا بأس بتکرار الدعاء: دعا میں تکرار کرنا جائز ہے اور احناف کا مذہب بھی ہے۔ ان التنفل بالدعاء والاستغفار مشروع، یعنی نماز جنازہ میں فرض دعا کے بعد نفلی دعا اور استغفار جائز ہے۔[97]

(۳) حدیث مبارک میں (صلیتم) ماضی کا صیغہ ہے، اور (فاخلصوا) امر کا صیغہ ہے، اور یہاں (فا) برائے تعقیب مع الوصل ہے۔ ثابت ہوا کہ نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد فوراً دعا مانگنے کا حکم ہے۔

(۴) عن ابن عمر قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ فلا تسبقونی بالدعاء له۔[98]

(ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک جنازہ میں شرکت کیلئے اس وقت پہنچے جب کہ نماز جنازہ پڑھا جا چکا تھا) تو فرمایا اگر تم نے نماز جنازہ پڑھنے میں سبقت کی تو (میت کیلئے دعا کرنے میں) سبقت نہ کرو (بلکہ آؤ مل کر دعا کریں)۔

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قولاً فعلاً ثابت ہوا نیز (فلا تسبقونی) مجھ سے آگے نہ بڑھو یہ جملہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل رہا، پھر (فلا تسبقونی) میں بھی (ف) برائے تعقیب مع الوصل ہے، جو بتا رہا ہے کہ دعا بعد نماز جنازہ عمل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔

---

97 (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۷-۴۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

98 مبسوط السرخسی جلد ۲، باب غسل المیت (۶۷)

(۵)وترفع الایدی فی دعاء الاستسقاء ونحوہ لان رفع الیدفی الدعاء سنۃ وکذلک عنددعائہ بعدفراغۃ من التسبیح و التہلیل و التکبیر وعقیب الصلوٰت کماعلیہ المسلمون فی سائر البلدان۔[99]

”دعاء استسقاء میں اوراس کے مثل (جیسے نمازجنازہ کے بعد کی دعا)میں ہاتھ اٹھائے جائینگے۔ کیونکہ دعاؤں میں ہاتھ کابلند کرناسنت ہے۔ اسی طرح جب تسبیح و تہلیل و تکبیر سے فارغ ہوں اور نمازوں سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعائیں مانگنا سنت ہے۔تمام مسلمانوں کا تمام شہروں میں یہی معمول ہے۔“

دیکھئے اصل مسئلہ کا عموم اور لفظ (صلوات) کا عموم اس دعاکو بھی شامل ہے جو نمازجنازہ کے بعد صفیں توڑکر بھیئیۃاجتماعیہ کی جاتی ہے۔اور جمیع مسلمانوں کا معمول ہے۔

(۶)وتحقق ماذکروا ان کون الدعاء غیر جائز لم یقل بہ احد کمانقل عن حمقۃ زماننا ممن لاشعور لھم فی علم الدین بوجہ من اھل البدعۃ المستحدثۃ طھر اللہ الارض منھم بمنہ تتمہ مجمع البحار (۶۵)

(اقوال مذکورہ سے)یہ بات محقق ہوگئی (تحقیق تک پہنچ گئی) کہ (بعد نمازجنازہ)دعاکرنا جائز ہے (دعابعد نمازجنازہ کاانکارکسی نے نہیں کیاسوائے)ہمارے زمانے کے ان احمقوں نے جو علم دین سے نابلد ہیں جودین کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔(یہ احمق)اہل بدعت ہیں (انہوں نے دعابعدالجنازہ سے انکارکرکے دین میں)ایک نئی بدعت ایجاد کی۔اللہ تعالیٰ اپنے خاص کرم کے ساتھ ان (پلیدوں سے)زمین کوپاک فرمادے۔

نمازکے بعد دعامانگنے کاخود اللہ تعالیٰ نے حکم دیاہے:

فَاِذَافَرَغْتَ فَانْصَبْ﴿۷﴾وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ﴿الانشراح ۸﴾

99(نورالایضاح المراقی والطحطاوی قبیل الامامۃ(۱۷۰)

توجب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں آئمہ کے کیا اقوال ہیں تا کہ اس کا معنیٰ سمجھ میں آسان ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (م ۶۸ھ) فرماتے ہیں۔

ویقال اذا فرغت من الصلاۃ المکتوبۃ فانصب فی الدعاء۔[100]

اور کہا گیا ہے کہ جب تم اپنی فرض نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں مشغول ہو جاؤ۔

امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فاذا فرغت قال۔ من الصلوٰۃ المکتوبۃ و الیٰ ربک فارغب فی المسألۃ و الدعاء۔ و قال ایضاً فاذا فرغت من الصلاۃ المکتوبۃ فانصب الیٰ ربک فی الدعاء و ارغب فی المسألۃ یعطیک۔

پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سوال اور دعا کیلئے رجوع کرو اور اسی طرح فرمایا پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب سے دعا کیلئے کھڑے رہو اور اسی کی طرف سوال کیلئے رجوع کرو وہ تم کو عطا فرمائے گا۔[101]

امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فاذا فرغت فانصب اذا فرغت من صلاتک فانصب الی ربک فی الدعاء و ارغب۔

جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا کیلئے کھڑے رہو اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔[102]

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عن معمر عن قتادۃ فی قولہ تعالیٰ فاذا فرغت فانصب۔ قال اذا فرغت من صلاتک فانصب فی الدعاء۔

---

100 (تنویر المقیاس علی درمنثور جلد ۲ ص ۳۲۱)
101 (تفسیر ضحاک جلد ۲ ص ۹۷۷ برقم ۲۹۷۱: دار السلام قاھرہ)
102 (تفسیر معانی القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۰: دار السرور)

اللہ تعالیٰ کے قول {فاذافرغت فانصب} کے تحت حضرت قتادۃ نے فرمایا کہ جب آپ اپنی نماز سے فارغ ہوں تو دعا کیلئے کھڑے رہیں۔[103]

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حدثنی علی قال ثنا ابو صالح قال حدثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین فی قولہ۔ (فاذافرغت فانصب) یقول فی الدعاء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان "فاذافرغت فانصب" کی تفسیر میں مروی ہے کہ جب تم (نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا کیلئے اپنے رب کی طرف رجوع کرو)۔[104]

نمبر (۲): حدثنی محمد بن سعد قال ثنا ابی حدثنی عمی قال ثنا ابی عن ابیہ عن ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین (فاذافرغت فانصب) یقول فرغت مما فرض علیک من الصلاۃ فسئل اللہ و ارغب الیہ و انصب لہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ، جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کی ہے، تو اللہ سے سوال کرو اور اسی کی طرف رغبت کرو اور اسی کیلئے کھڑے رہو۔[105]

نمبر (۳): حدثنا بشر قال ثنا یزید قال ثنا سعید عن قتادۃ قولہ۔ (فاذافرغت فانصب و الیٰ ربک فارغب) قال امرہ اذافرغ من صلاتہ ان یبالغ فی دعائہ۔

حضرت قتادہ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اقدس {فاذافرغت فانصب والی ربک فرغب} کی تفسیر میں مروی ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ

103 (تفسیر عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۳۹ برقم ۳۶۴۵: دار الکتب العلمیۃ)
104 (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۱ مکۃ المکرمۃ)
105 (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۱)

واصحابہ وَسلَّم کو حکم دیا کہ جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم اپنی نماز سے فارغ ہو جائیں تو اپنی دعا میں مبالغہ کریں۔[106]

نمبر(۴):حدثنا ابن عبدالاعلی قال ابو ثور عن معمر عن قتادة فی قولہ فاذا فرغت من صلاتک فانصب فی الدعاء۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو۔[107]

ابوالحسن علی بن محمد بن محمد حبیب الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

{فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب}فیہ اربعة تاویلات احدھا فاذا فرغت من الفرائض فانصب من قیام اللیل قالہ ابن مسعود الثانی فاذا فرغت من صلاتک فانصب فی دعائک قالہ الضحاک{والی ربک فارغب} فیہ ثلاثة اوجہ،احدھا:فارغب الیہ فی دعائک قالہ ابن مسعود۔۔۔۔

{فاذا فرغت فانصب}اس میں چار تاویلات ہیں ان میں سے پہلی:جب تم فرائض سے فارغ ہو جاؤ تورات کے قیام کیلئے کھڑے ہو جاؤ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا،دوسری جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنی دعا کرنے کیلئے کھڑے ہو جاؤ یہ امام ضحاک نے کہا۔{والی ربک فرغب}اس میں تین وجہ ہیں پہلی تو اپنی دعا میں رغبت کرو یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔[108]

106(جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۲ ا جز ۳۰ صفحہ ۱۵۲)
107(جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۲ ا جز ۳۰ صفحہ ۱۵۲)
108(النکت والعیون تفسیر الماوردی ج ۶ ص ۲۹۸-۲۹۹ دار الکتب العلمیہ)

ابو قاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فاذافرغت من الصلاۃ المفروضۃ علیک فانصب فی الدعاء۔

یعنی جب تم نماز جو تم پر فرض کی گئی ہے سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو۔[109]

عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ابی زید الثعالبی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

عن ابن مسعود وعن مجاھد۔فاذافرغت من العبادۃ فانصب فی الدعاء۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب تم عبادت سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو۔

(اوراس کے محقق نے اس کے ذیل میں اس کی تخریج کرتے ہوئے لکھا ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۸۲۶ برقم ۳۷۵۴۱ عن ابن عباس و ذکرہ البغوی جلد صفحہ ۵۰۳ وابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۵۳۶)

حافظ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیر فرماتے ہیں:

وقال ابن عباس (فاذافرغت فانصب) یعنی فی الدعاء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب تم (نماز) سے فارغ ہو جاؤ تو دعا مانگنے میں کوشش کرو۔[110]

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اخرج ابن حمیدوابن جریروابن المنذروابن ابی حاتم وابن مردویہ عن طریق ابن عباس فی قولہ{فاذافرغت فانصب}قال اذافرغت من الصلاۃ فانصب فی الدعاء واسال اللہ وارغب الیہ۔[111]

---

109 (تفسیر القشیری المسمی لطائف الاشارات جلد ۳ صفحہ ۴۳۳، دار الکتب العلمیۃ)
110 (مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۶۵۳)
111 (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگو اور اللہ کریم سے سوال کرو اور اس کی طرف راغب ہو جاؤ۔

نمبر (۲): واخرج ابن ابی الدنیا فی الذکر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاذا فرغت من الصلاۃ فانصب الی الدعاء والی ربک فارغب فی المسئلۃ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگو اور اپنے رب کی طرف سوال کرنے کیلئے راغب ہو جاؤ۔

نمبر (۳): واخرج عبدالرزاق وعبد بن حمید وابن جریر وابن منذر عن قتادۃ فاذا فرغت فانصب قال اذا فرغت من صلاتک فانصب فی الدعاء۔[112]

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگو۔

نمبر (۴): واخرج عبدبن حمید وابن نصر من الضحاک فاذا فرغت قال من الصلاۃ المکتوبۃ والی ربک فارغب فی المسئلۃ والدعاء۔[113]

حضرت ضحاک نے فرمایا کہ جب تم فرض نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا اور سوال کیلئے اپنے رب کی طرف راغب ہو جاؤ۔

---

112 (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۶۳ وقیام اللیل للمروزی صفحہ ۳۰)

113 (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۵۶۳ وقیام اللیل للمروزی صفحہ ۳۰)

قارئین کرام! اس آیت اور صحابی رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم حضرت ابن عباس اورابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور تابعین وآئمہ وغیرہ سے نقل کی گئی تفسیر سے دعامانگنا ہر نماز کے بعد نہ صرف جائز بلکہ حکم ربانی سے ثابت ہوا۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ:

فاذاقضیتم الصلاۃفاذ کر و اللہ قیاماو قعودا۔(النساء ۱۰۲)

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے۔یعنی دائماً اس سے ثابت ہو چکا دعابعد از نماز جنازہ کیونکہ مفسرین و محدثین کے نزدیک ذکر بھی عین دعاہے۔[114]

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ ۘ يَامُرُوْنَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ اَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿التوبۃ ٦٧﴾

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں برائی کا حکم دیں اور بھلائی سے منع کریں اوراپنی مٹھی بند رکھیں اوروہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا بے شک منافق وہی پکے بے حکم ہیں۔" اس سے معلوم ہو گیا کہ (ویقبضون ایدیھم) کا ترجمہ تفسیر ایضاح القرآن باالقرآن میں اس طرز پر ہے کہ (ای عن الانفاق فی سبیل اللہ او عن رفعھمافی الدعاء الی اللہ تعالیٰ) یعنی منافقین روکتے ہیں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے یا دعامیں ہاتھ اٹھانے سے۔[115]

والسنۃفی الادعیۃتاخیر ھاعن الصلاۃ۔[116]

---

114 (تنویر الایمان فی اتباع مذہب نعمان صفحہ ۲۴۰)
115 (جلداول صفحہ ۵۴۸ رکوع ۸ جز ۱۰ ومثلہ فی تفسیر حسینی)
116 (ہدایۃ ۲۲۵)

دعاؤں میں سنت طریقہ یہ ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو تو دعائیں مانگی جائیں۔(ادعیہ میں تاخیر از تکمیل نماز سنت طریقہ ہے) نماز جنازہ بھی نماز ہے۔

وفی البحر ان السنۃ تأخیر الدعاء عن الصلٰوۃ لانہ ھو السنۃ فی الادعیۃ۔[117]

اس میں کوئی شک نہیں کہ صلوٰۃ جنازہ یقینی نماز ہے۔

ارفع یدیک عقیب الصلاۃ عند الدعاء۔[118]

ترجمہ: نماز کے بعد دعا میں دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قیل لرسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم أی الدعاء اسمع؟ قال: جوف اللیل الآخر، و دبر الصلوات المکتوبات۔[119]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کس وقت کی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا رات کے آخری حصے میں (کی گئی دعا) اور فرض نمازوں کے بعد (کی گئی دعا جلد مقبول ہوتی ہے۔)[120]

عمدۃ المفسرین زبدۃ العارفین محمد یعقوب بن عثمان بن محمود بن محمد الغزنوی ثم چرخی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر یعقوب چرخی میں لکھتے ہیں کہ بندہ جب نماز پڑھ لیتا ہے اور دعا نہیں مانگتا تو اس کی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے۔

117(بحر جلد دوم صفحہ ۱۶۱ ۷)

118(تفسیر روح المعانی تفسیر قولہ تعالیٰ فصل لربک وانحر صفحہ ۲۱۶ ۳جز ۳۰جلد ۱۰)

119(رواہ الترمذی والنسائی، وقال الترمذی ھذا الحدیث حسن۔)

120(اخرجہ الترمذی فی السنن کتاب: الدعوات عن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم باب: (۷۹) ، ۵۲۶/۵، الرقم: ۳۴۹۹، والنسائی فی السنن الکبریٰ، ۳۲/۶، الرقم: ۹۹۳۶، وعبدالرزاق فی المصنف، ۴۲۴/۲، الرقم: ۳۹۴۴، والنسائی فی عمل الیوم واللیلۃ، ۱۸۶/۱، الرقم: ۳۴۲۸، وفی مسند الشامیین، ۴۰۴/۱، الرقم: ۸۰۳، والبیھقی فی السنن الصغریٰ، ۴۷۷/۱، الرقم: ۸۳۹۔۸۴۰، وابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۲۷۳/۱، والمنذری فی الترغیب والترھیب، ۳۲۱/۲، الرقم: ۲۵۵۰، والعسقلانی فی فتح الباری، ۱۳۴/۱۱، والمبارکفوری فی تحفۃ الأحوذی، ۱۷۲/۲)

فصل در بیان
دعا میں ہاتھ اٹھانا

قال ابو موسی الاشعری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ: دعا النبی صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم ثم رفع یدیه، ورأیت بیاض اِبطیه۔[121]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، یہاں تک کہ میں نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھی۔

عن انس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم: رفع یدیه حتی رأیت بیاض ابطیه۔ رواه البخاری (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ)۔[122]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے (دعاکیلئے) ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھی۔

قال ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما: رفع النبی صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم یدیه وقال: اللهم إنی أبرأ الیک مما صنع خالد۔

---

121 (اخرجه البخاری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: رفع الایدی فی الدعاء، ۵/۲۳۳۵، وفی کتاب: المغازی، باب: غزوة اوطاس، ۴/۱۵۷۱، الرقم: ۴۰۶۸)

122 (اخرجه البخاری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: رفع الایدی فی الدعاء، ۵/۲۳۳۵، وفی کتاب: الاستسقاء، باب: رفع الامام یده فی الاستسقاء، ۱/۳۴۹، الرقم: ۹۸۴، وفی کتاب: المناقب، باب: صفة النبی صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وَ اٰله واصحابه وَسلَّم، ۳/۱۳۰۷، الرقم: ۳۳۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنے ہاتھ اٹھائے عرض کیا: اے اللہ !جو خالد نے کیا میں تیری بارگاہ میں اس سے بری ہوں۔[123]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کان رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ أله واصحابہ وَسلَّم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔ رواہ الترمذی والحاکم والبزار۔ وقال ابو عیسیٰ: ھذا حدیث صحیح۔[124]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو اپنے چہرہ اقدس پر پھیرنے سے پہلے (ہاتھ) نیچے نہ کرتے تھے۔

عن السائب بن یزید عن ابیہ ان النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ أله واصحابہ وَسلَّم کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح وجھہ بیدیہ۔ رواہ ابو داود واحمد والطبرانی۔

123 اخرجہ البخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: رفع الایدی فی الدعاء، ۲۳۳۵/۵، وفی باب: بعث النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ أله واصحابہ وَسلَّم خالد بن الولید الی بنی جذیمۃ، ۱۵۷۷/۴، الرقم: ۸۰۸۹، وفی کتاب: الأحکام، باب: إذا قضیٰ الحاکم بجور، أو خلاف أھل العلم فھو رد، ۲۶۲۸/۶، الرقم: ۶۷۶۶، والنسائی فی السنن، کتاب: آداب القضاۃ، باب: الرد علی الحاکم اذا قضی بغیر الحق، ۲۳۶/۸، الرقم: ۵۴۰۵، وابن حبان فی الصحیح، ۵۳/۱۱، الرقم: ۴۷۴۹، والبیھقی فی السنن الکبریٰ، ۱۱۵/۹، وعبدالرزاق فی المصنف، ۲۲۱/۵، الرقم: ۹۴۳۴، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۱۵۰/۲، الرقم: ۶۳۸۲۔

124 (أخرجہ الترمذی فی السنن کتاب: الدعوات عن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ أله واصحابہ وَسلَّم، باب: ماجاء فی رفع الأیدی عند الدعاء، ۴۶۳/۵، الرقم: ۳۳۸۶، وعبدالرزاق فی المصنف، ۲۴۷/۲، الرقم: ۳۲۳۴، والحاکم فی المستدرک، ۷۱۹/۱، الرقم: ۱۹۶۷، والبزار فی المسند، ۲۴۳/۱، الرقم: ۱۲۹، والطبرانی فی المعجم الأوسط، ۱۲۴/۷، الرقم: ۷۰۵۳، وعبد بن حمید فی المسند، ۴۴/۱، الرقم: ۳۹، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱۵۶/۱، الرقم: ۲۳۶، والمناوی فی فیض القدیر، ۱۳۸/۵)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم جب دعا فرماتے تو (اس کیلئے) اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھاتے (پھر دعا کے بعد) اپنے چہرہ انور پر ہاتھ پھیرتے۔[125]

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ و اصحابہ وَسلَّم : مامن عبد یرفع یدیه حتی یبدو ابطه یسأل اللّٰہ مسألة الا آتاھااِیاہ مالم یعجل۔ قالوا :یارسول اللّٰہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ و اصحابہ وَسلَّم، و کیف عجلته؟ قال: یقول: قدسألت و سألت و لم أعط شیئاً۔ رواہ الترمذی۔[126]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتا ہے یہاں تک کہ اس کی بغل ظاہر ہو جاتی ہے پھر وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! جلدی سے کیا مراد ہے؟ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہٖ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم نے فرمایا: اس طرح کہے: میں نے مانگا، میں نے مانگا لیکن مجھے کچھ نہ دیا گیا۔

عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال: قال رسول اللّٰہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ و اصحابہ وَسلَّم: ان ربکم حیی کریم، یستحی أن یرفع العبد یدیه، فیردھما صفراً لاخیر فیھما، فاذا رفع أحدکم یدیه فلیقل: {یاحی لا الٰه الا انت یاارحم الراحمین} ثلاث مرات ثم اذا ردیدیه فلیفرغ ذلک الخیر علی وجھه۔ رواہ ابن حبان و ابو یعلی و البزار و الطبرانی و اللفظ له۔

---

125 (أخرجه أبوداودفی السنن، کتاب: الصلاۃ، باب: الدعاء، ۷۹/۲، الرقم: ۱۴۹۲، واحمدبن حنبل فی المسند، ۲۲۱/۴، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۴۱/۲۲، الرقم: ۶۳۱، والبیھقی فی شعب الایمان، ۴۵/۲، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱۴۵/۱، الرقم: ۲۱۶، والمقریزی فی مختصر کتاب الوتر، ۱۵۲/۱)

126 (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: الدعوات عن رسول اللّٰہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وَاٰله واصحابه وَسلَّم باب: (۱۳۸)، الرقم: ۳۶۰۸/۳۹۶۹)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: بیشک تمہارا رب بڑا حیادار اور کریم ہے وہ اس بات سے حیا محسوس کرتا ہے کہ اس کا کوئی بندہ (دعا کیلئے) ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی لوٹا دے پس جب بھی تم میں سے کوئی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو یوں کہے: {یاحی لا الہ الا انت یاارحم الراحمین} یہ کلمات تین بار دہرائے پھر جب وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے تو وہ انہیں اپنے چہرہ پر پھیر لے۔[127]

عن الزهری قال: كان رسول الله صَلى الله تعالىٰ عليه وَاٰله واصحابه وَسلَّم يرفع يديه عندصدره فی الدعاء، ثم يمسح بهما وجهه۔ رواه عبدالرزاق وقال: وربما رأيت معمراً يفعله وانا افعله۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم دعا میں اپنے ہاتھ مبارک سینہ اقدس تک بلند فرماتے اور پھر دعا کے بعد ان کو اپنے چہرہ انور پر پھیر لیتے۔

اس حدیث کو امام عبد الرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معمر رحمہ اللہ تعالیٰ کو اکثر (دعا میں) ایسے کرتے دیکھا اور میرا اپنا معمول بھی یہی ہے۔[128]

عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما قال: كان رسول الله صَلى الله تعالىٰ عليه وَاٰله واصحابه وَسلَّم اذا دعا جعل باطن كفه الى وجهه۔ رواه الطبرانی۔[129]

---

127 (أخرجه ابن حبان فی الصحيح، ۱۰۶/۳، الرقم۸۷۶، وأبويعلى فی المسند، ۳۹۱/۳، الرقم۱۸٦۷، والهندى فی كنزالعمال، ۸۷/۲، الرقم: ۳۲٦۸، ۳۲٦٦، والبزارعن سلمان رضى الله تعالىٰ عنه فی المسند، ۴۷۸/٦، الرقم ۲۵۱۱، والطبرانی فی المعجم الكبير، ۴۲۳/۱۲، الرقم: ۱۳۵۵۷، والديلمی فی الفردوس بماثورالخطاب، ۲۲۱/۱، الرقم۸۴۷، وابن راشدفی الجامع، ۴۴۳/۱۰، والقضاعی فی مسندالشهاب، ۱٦۵/۲، الرقم۱۱۱۱، والمنذرى فی الترغيب والترهيب، ۳۱۵/۲، الرقم۲۵۲۷، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۱٦۹/۱۰، والعجلونی فی كشف الخفاء، ۲۷۱/۲، الرقم۲۲۹۷)

128 (أخرجه عبدالرزاق فی المصنف، ۲۴۷/۲، الرقم: ۳، ۳۲۳۵، ۳۲۳۴، ۱۲۳/۳، الرقم: ۵۰۰۳)

129 (أخرجه الطبرانی فی المعجم الكبير، ۴۳۵/۱۱، الرقم: ۱۲۲۳۴، وفی المعجم الأوسط، ۲۵۰/۵، الرقم: ۵۲۲٦، والسيوطی فی الجامع الصغير، ۱۴۵/۱، الرقم: ۲۱۷، والمناوى فی فيض القدير، ۱۳۳/۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم جب دعا فرماتے تو اپنی مبارک ہتھیلیوں کو اپنے رخِ زیبا کی طرف فرما لیتے۔

عن خلاد بن السائب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کان اذا دعا جعل باطن کفیہ الی وجھہ۔ رواہ احمد۔[130]

حضرت خلاد بن سائب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم جب دعا فرماتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ انور کے سامنے کر لیتے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأیت رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم یدعو ھکذا بباطن کفیہ وظاھرھما۔ رواہ ابو داود واحمد نحوہ۔[131]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو دعا کرتے ہوئے دیکھا اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اپنی ہتھیلیوں کے باطن اور (نماز استسقاء میں) ظاہر کو یوں کیا ہوا تھا۔

عن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم قال: ان اللہ عزوجل لیستحی اذا رفع العبد یدیہ ان یردھما صفر الاشیء فیھما رواہ الطبرانی۔[132]

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل کو اس بات

---

130 (أخرجه أحمدبن حنبل فی المسند، ۵۶/۴، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱۴۶/۱، الرقم: ۲۴۷، ۲۱۷، والمزی فی تهذیب الکمال، ۷۷/۷، الرقم: ۱۴۱۸، والعسقلانی فی تلخیص الحبیر، ۱۰۰/۲، الرقم: ۷۲۳، والشوکانی فی نیل الأوطار، ۳۵/۴)

131 (أخرجه ابوداؤدفی السنن، کتاب الصلاة، باب الدعاء، ۷۸/۲، الرقم: ۱۴۸۷ واحمدبن حنبل فی المسند، ۲۷/۵، الرقم: ۲۳۶۷۰، والشیبانی فی المبسوط، ۱۰۲/۱، والقرطبی فی الجامع الاحکام القرآن، ۳۳۷/۱۱، وابن عدی فی الکامل، ۳۲/۵، الرقم: ۱۲۰۲)

132 (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۵۶/۶، الرقم: ۶۱۴۸، وفی کتاب الدعاء، ۸۴/۱، الرقم: ۲۰۳، ۲۰۵، والهندی فی الکنزالعمال، ۸۷/۲، الرقم: ۳۲۶۷)

سے حیا آتی ہے کہ جب اس کا بندہ دعا کیلئے (اس کے سامنے) ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی (بغیر کچھ ڈالے) لوٹا دے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه قال:قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ أله واصحابه وَسلّم اذا دعاالعبدفرفع یدیه فسأل, قال اللہ عزوجل:انی لأستحیی من عبدی ان اردہ۔رواہ الطبرانی فی الدعاء۔[133]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: جب کوئی بندہ دعا کرتا ہے اور اپنے ہاتھ کو اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بیشک میں اپنے اس بندے سے حیا کرتا ہوں کہ میں اس کی دعا کو رد کر دوں۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال:قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ أله واصحابه وَسلّم: ان ربکم حیی کریم, یستحی اذارفع العبد یدیه ان یردھماصفرالاخیرفیھما۔رواہ الدارقطنی فی الافراد کماقال الھندی۔[134]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: بیشک تمہارا رب بڑا حیادار اور سخی ہے۔ اسے اس بات سے حیا آتی ہے کہ کوئی بندہ (دعا کیلئے اس کے سامنے) اپنے ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی، ان میں خیرات ڈالے بغیر واپس لوٹا دے۔

---

133 (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۵۶/۶، الرقم:۶۱۴۸، وفی کتاب الدعاء، ۸۴/۱، الرقم:۲۰۳، ۲۰۵، والھندی فی الکنز العمال، ۸۷/۲، الرقم:۳۲۶۷)

134 (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۵۶/۶، الرقم:۶۱۴۸، وفی کتاب الدعاء، ۸۴/۱، الرقم:۲۰۳، ۲۰۵، والھندی فی الکنز العمال، ۸۷/۲، الرقم:۳۲۶۷)

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہماان رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَسلَّم قال:لاتستروا الجدرمن نظرفی کتاب اخیہ بغیراذنہ فانماینظرفی النارسلوا اللہ ببطون أکفکم ولاتسألوہ بظھورھمافاذافرغتم فامسحوا بھاوجوھکم۔[135]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: دیواروں کو (پردوں سے) نہ چھپایا کرو اور جو شخص اپنے بھائی کے خط میں بغیر اس کی اجازت کے دیکھتا ہے بیشک وہ جہنم کی آگ میں دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہتھیلیاں اوپر کر کے سوال کیا کرو اور ہاتھوں کی پشت اوپر نہ رکھا کرو اور جب فارغ ہو جاؤ تو انہیں چہروں پر مل لیا کرو۔

الْأَسْوَدِ الْعَامِرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الفجر فما سَلَّمَ انْحَرَفَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَدَعَا۔[136]

اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی معیت میں نماز فجر ادا کی پس جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے سلام پھیرا تو ایک طرف ہو کر اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔

عن محمد بن ابی یحی قال:رأیت عبداللہ الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہماورأی رجلاً رافعایدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلمافرغ منھاقال،ان رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ

---

135 (اخرجہ ابوداؤدفی السنن، کتاب:الصلوٰۃ، باب:الدعا، ۲/۷۸، الرقم:۱۴۸۵،والحاکم فی المستدرک، ۱/۱۹۷، الرقم:۱۹۶۸،وابن ابی شیبۃفی المصنف، ۶/۵۲،الرقم:۲۹۴۰۵،والبیھقی فی السنن الکبری، ۲/۲۱۲،الرقم:۲۹۶۹،والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۰/۳۱۹، الرقم:۱۰۷۷۹، وفی مسندالشامیین، ۲/۴۳۲،الرقم:۱۶۳۹، والشیبانی فی الأحادوالمثانی، ۴/۴۱۰، الرقم:۲۴۵۹،والدیلمی فی الفردوس بماثورالخطاب، ۲/۳۰۶،الرقم:۳۳۸۳، والمقریزی فی مختصرکتاب الوتر، ۱/۱۵۲،والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/۱۶۹،وقال:رجالہ ثقات،والقرطبی فی الجامع الاحکام، ۱۱/۳۳۷)

136 (تحفۃالأحوذي بشرح جامع الترمذي،باب مایقول اذاسلم من الصلاۃ،ج۲ص ۱۷۱ دار الکتب العلمیۃ - بیروت) (اخرجہ ابن ابی شیبہ فی المصنف، ۱/۲۶۹،الرقم:۳۰۹۳،والمبارکفوری فی تحفۃ الأحوذی، ۲/۱۷۱،وقال:رواہ ابن أبی شیبۃ فی مصنفۃ،وابن القدامۃ فی المغنی، ۱/۳۲۸)

واصحابہ وَسلَّم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلاتہ رواہ المقدسی، والطبرانی کماقال الھیثمی۔ وقال: ورجالہ ثقات۔[137]

محمد بن ابی یحییٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا اورانہوں نے ایک آدمی کو ہاتھ اٹھائے دعا مانگتے ہوئے دیکھا قبل اس کے کہ وہ نماز سے فارغ ہو تاپس جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: بیشک حضور نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم (دعاکیلئے) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ نہ ہو جائیں۔

عن انس عن النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم انہ قال مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلاۃ ثم یقول اللھم الھی واله ابراھیم واسحق ویعقوب واله جبریل ومیکائیل واسرافیل علیھم السلام أسألک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر، وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب، وتنفی عنی الفقر، فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لایردیدیہ خائبتین۔ رواہ ابن عساکر وابن السنی واللفظ لہ والدیلمی والھندی۔[138]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے روایت کیا کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: کوئی بندہ مومن ایسا نہیں جو ہر نماز کے بعد اپنی ہتھیلیاں پھیلاتا ہے پھر یہ کہتا ہے: اے میرے اللہ! اے میرے اورابراہیم

---

137 (أخرجه فی المقدسی المختارة، ٩/٣٣٦، الرقم: ٣٠٣، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ١٠/١٦٩، وقال: رواہ الطبرانی وترجمه فقال محمد بن یحییٰ الأسلمی عن عبداللہ بن زبیرورجاله ثقات، والمبارکفوری فی تحفة الأحوذی، ٢/١٠٠، وقال: رواه الطبرانی ورجاله ثقات۔)

138 (أخرجه ابن عساکر، ١٦/٣٨٣، وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة، ١/٥٢، الرقم: ١٣٩: والدیلمی فی الفردوس بماثورالخطاب، ١/٤٨١، الرقم: ١٩٧٠، والھندی فی کنزفی کنزالعمال، ٢/١٣٤، الرقم: ٣٤٧٥، والمبارکفوری فی تحفة الاحوذی، ٢/١٧١)

اور اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کے معبود اور جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے معبود! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری دعا قبول فرما کیونکہ میں مجبور ہوں اور تم مجھے میرے دین میں مجھے مضبوط رکھ کیونکہ میں ابتلاء میں ہوں اور تم مجھے اپنی رحمت سے حصہ وافر عطا فرما کیونکہ میں گناہگار ہوں اور مجھ سے فکر کو دور فرما کیونکہ میں ایک مسکین ہوں پھر اللہ اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے اور اس کے ہاتھوں کو ناکام واپس نہیں لوٹاتا۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: خرجت مع رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلّم من البیت الی المسجد، وقوم فی المسجد رافعی ایدیھم یدعون اللہ عزوجل فقال لی رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلّم: ھل تری ماأری بأیدی القوم؟ فقلت: ماتری فی ایدیھم؟ فقال: نور قلت: ادع اللہ أن یرینیہ، قال: فدعا، فرأیتہ، فقال: یاانس استعجل بناحتی نشرک القوم، فأسرعت مع نبی اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلّم فرفعنا أیدینا۔ رواہ البخاری فی التاریخ و الطبرانی فی الدعاء و اللفظ لہ۔[139]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی معیت میں گھر سے مسجد کی طرف نکلا اور کچھ لوگ مسجد میں اپنے ہاتھوں کو اٹھائے اللہ عزوجل سے دعا مانگ رہے تھے تو مجھے حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جو ان کے ہاتھوں میں ہے؟ تو میں نے عرض کیا: آپ ان کے ہاتھوں میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: (میں ان کے ہاتھوں میں) نور دیکھ رہا ہوں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی یہ نور دکھائے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے دعا فرمائی پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: اے انس جلدی کرو یہاں تک کہ

139 (أخرجه البخاری فی التاریخ الکبیر، ۳/۲۰۲، الرقم: ۶۹۲، و الطبرانی فی الدعاء، ۱/۸۵، الرقم: ۲۰۶)

ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ (دعامیں) شریک ہو سکیں۔ پس میں حضور نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے ساتھ جلدی جلدی ان لوگوں کی طرف گیا پھر ہم نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اٹھالئے۔

عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ واصحابہ وَسلَّم: الصلاۃ مثنی، مثنی تشھدفی کل رکعتین، وتخشع وتضرع، وتمسکن وتقنع یدیک تقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھم وجھک وتقول: یارب یارب، ومن لم یفعل ذلک فھو کذاوکذا۔ رواہ الترمذی والنسائی واحمدو الطبرانی۔[140]

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: نماز (نفل) دو دو رکعتیں ہیں ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے، خشوع و خضوع سکون اور اپنے رب کی طرف ہاتھوں کو اس طرح اٹھانا کہ ان کا اندرونی حصہ منہ کی جانب رہے اور پھر کہنا اے رب! اے رب جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ہے وہ ایسا ہے۔

عن المطلب عن النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ واصحابہ وَسلَّم قال: الصلاۃ مثنی مثنی ان تشھدفی کل رکعتین وتباءس وتمسکن وتقنع بیدیک وتقول: اللھم اللھم فمن لم یفعل ذلک فھی خداج، رواہ ابوداود وابن ماجۃ والنسائی وابن خزیمۃ۔

وقال ابن خزیمۃ بعد تخریج الحدیث المذکور: فی ھذا الخبر زیادۃ شرح ذکر رفع الیدین لیقول: اللھم اللھم، وفی خبر اللیث ترفعھما الی ربک تستقبل بھما وجھک وتقول

---

140 (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: الصلاۃ، عن رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ واصحابہ وَسلَّم باب: ماجاء فی التخشع فی الصلاۃ، (ج ١ ص ٨٧/٢٢٥)، الرقم: ٣٨٥، والنسائی فی السنن الکبریٰ، ١/٤٥٠، ٢١٢، الرقم: ٦١٥، ١٤٤٠، واحمدبن حنبل فی المسند، ١٦٧/٤، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ١٨/٢٩٥، الرقم: ٧٥٧، والمنذری فی الترغیب والترھیب، ١/٢٠٣، الرقم: ٧٧٠، وأبوالمحاسن فی المعتصرالمختصر، ١/٣٨، وابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ١/١٠٦، وابن قتیبه فی تأویل مختلف الحدیث، ١/١٦٨)

:یارب یارب،ورفع الیدین وتشھدقبل التسلیم لیس من سنۃ الصلاۃ،وھذادالّ علی انہ انما أمرہ برفع الیدین والدعاوالمسألۃبعدالتسلیم من المثنی۔[141]

حضرت مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا: نماز کی دو دو رکعتیں ہیں ہر دو رکعت پر تشہد ہے اور عاجزی اور سکون کا حال عرض کرتا ہے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے، یا اللہ یا اللہ! اور جو ایسا نہ کرے اس کی نماز نا مکمل ہے۔

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کے بعد بیان فرماتے ہیں: اس حدیث میں دعا میں ہاتھ اٹھانے کی مزید شرح ہے اور یہ کہ دعا مانگنے والے کو کہنا چاہیئے: اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! اور لیث کی روایت میں ہے کہ دعا مانگنے والا اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی طرف اٹھائے اور ان کو اپنے چہرے کے سامنے رکھے اور یہ کہے: اے میرے رب! اے میرے رب! اور رفع یدین اور سلام سے پہلے تشہد سنت نماز میں سے نہیں ہے اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رفع یدین اور دعا اور سوال کرنا سلام کے بعد ہے یعنی دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد (نماز مکمل کرنے کے بعد) دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہیئے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال: المسألۃ أن ترفع یدیک حذو منکبیک أو نحوھما والاستغفار ان تشیر باصبع واحد والابتھال ان تمد یدیک جمیعا۔

---

141 (أخرجہ أبوداود فی السنن، کتاب: الصلاۃ، باب: فی صلاۃ النھار، ۲/۲۹، الرقم: ۱۲۹۶، وابن ماجۃ فی السنن، کتاب: اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا، باب: ماجاء فی صلاۃ اللیل والنھار مثنی، ۱/۴۱۹، الرقم: ۱۳۲۵، والنسائی فی السنن الکبریٰ، ۱/۲۱۲، ۴۵۱، الرقم: ۱۴۴۱، ۶۱۶، وابن خزیمۃ فی الصحیح، ۲/۲۲۰۔۲۲۱، الرقم: ۱۲۱۲۔۱۲۱۳، واحمد بن حنبل فی المسند، ۴/۱۶۷، والدارقطنی فی السنن، ۱/۴۱۸، الرقم: ۴، والبیھقی فی السنن الکبریٰ، ۲/۴۸۸، الرقم: ۴۳۵۴، والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۲/۴۰۷، الرقم: ۳۸۱۱، والمنذری فی الترغیب والترھیب، ۱/۲۰۳، الرقم: ۷۷۰)

وفی روایة:عن عباس بن عبداللہ بن معبدبن عباس بھذاالحدیث قال فیه والابتھال ھکذاورفعیدیه وجعل ظھورھمامما یلی وجھه۔رواہأبوداودوعبدالرزاق والطبرانی۔[142]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاؤیاان کے برابر اوراستغفارایک انگلی سے اشارہ کرنا ہے اوراظہار عجز دونوں ہاتھوں کااکٹھے پھیلاناہے۔

اورعباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی حدیث کی روایت میں فرماتے ہیں کہ اظہار عجز اس طرح ہے پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اوران کی پشت اپنے چہرے کے سامنے رکھی۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال:قال رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَاٰله واصحابه وَسلَّم :اذادعوت اللہ فادع ببطون کفیک۔ولاتدع بظھورھما۔فاذافرغت فامسح بھماوجھک۔رواہ ابن ماجة۔[143]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے فرمایا:جب اللہ تعالیٰ سے دعا کروتو اپنے ہاتھ کی ہتھیلیوں سے دعا کیا کرو نہ کہ ان کی پشت سے اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤتو اپنے ہاتھوں کو چہرے پر مل لو۔

142(أخرجه أبوداودفی السنن،کتاب:الصلاة،باب:الدعاء،۲/۷۹،الرقم:۱۴۸۹۔۱۴۹۰،وعبدالرزاق فی المصنف، ۲/۲۵۰،الرقم:۳۲۴۷،والطبرانی فی کتاب الدعاء، ۱/۸٦،الرقم:۲۰۸،والمقدسی فی الاحادیث المختارة، ۹/۴۸٦،الرقم: ۴٦۸۔۴٦۹،والعسقلانی فی فتح الباری، ۱۱/۱۴۳،وقال:أخرجه ابوداود والحاکم،وایضافی الدرایة فی تخریج أحادیث الھدایة، ۲/۱۷۷،الرقم:۴۲٦،والزیلعی فی نصب الرایة،۳/۵۱، والصنعانی فی سبل السلام،۴/۲۱۹،والزرقانی فی شرح الموطا، ۲/۵۹،الرقم:۱۲۳،والمناوی فی فیض القدیر، ۱/۱۸۴،والعظیم آبادی فی عون المعبود، ۴/۲۵۳)

143 (أخرجه ابن ماجة فی السنن، کتاب:الدعاء،باب :رفع الیدین فی الدعاء، ۲/۱۲۷۲،الرقم:۳۸٦٦، وفی کتاب:اقامة الصلاة والسنة فیھا، ۱/۳۷۳،الرقم:۱۱۸۱، والکنانی فی مصباح الزجاجة، ۱/۱۴۱،الرقم:۴۲۲،والمقریزی فی مختصرکتاب الوتر، ۱/۱۵۱،الرقم:٦۵،والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۱/۲۷۵،الرقم:۳۸٦٦)

وقال الامام البیھقی فی الشعب وأماآدابه:

فمنها: المحافظة علی الدعاء فی الرخاء دون تخصیص حال الشدة والبلاء۔

ومنها: افتتاح الدعاء وختمه بالصلاۃ علی رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله واصحابه وَسلَّم۔

ومنها: أن یدعو فی دبر صلوته۔

ومنها: أن یرفع الیدین حتی یحاذی بھما المنکبین اذا دعا۔

ومنها: ان یمسح وجهه بیدیه اذا فرغ من الدعاء۔[144]

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شعب الایمان میں فرمایا: آداب دعا میں سے ہے: (انسان کا) ہمیشہ دعا پر استقامت اختیار کرنا اگرچہ وہ خوشحالی میں ہو اور دعا کو صرف سختی اور مصیبت کے ساتھ خاص نہ کرنا۔

اور یہ کہ دعا کے آغاز اور آخر میں حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پر درود بھیجنا۔

اور یہ کہ اپنی نمازوں کے بعد دعا کرنا۔

اور یہ کہ ہاتھوں کو دعا میں اپنے کندھوں کے برابر بلند کرنا۔

اور یہ کہ دعا سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا۔

وقال الامام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی: قال جماعة من اصحابنا وغیرھم السنة فی کل دعاء لرفع بلاء کالقحط ونحوہ أن یرفع یدیه ویجعل ظهر کفیه الی السماء احتجوا بهذا الحدیث قوله عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله واصحابه وَسلَّم کان لایرفع یدیه فی شیء من دعائه الافی الاستسقاء حتی یری بیاض ابطیه، ھذا الحدیث یوھم ظاھرہ انه لم یرفع صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله واصحابه وَسلَّم الا فی الاستسقاء ولیس الامر کذلک بل قد ثبت رفع یدیه صَلی اللہ تعالیٰ علیه وَ اٰله واصحابه وَسلَّم

144 (أخرجه البیهقی فی شعب الایمان، ۲/۴۵)

فی الدعاء فی مواطن غیر الاستسقاء وھی اکثر من أن تحصر وقد جمعت منھا نحوا من ثلاثین حدیثا من الصحیحین او احدھما۔[145]

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی نے فرمایا: ہمارے علمائے کرام اور بعض دیگر نے کہا ہے کہ ہر دعا میں جو کسی مصیبت جیسے قحط وغیرہ کے ٹالنے کیلئے ہو ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور وہ اس طرح کہ اپنی ہتھیلیوں کی پشت آسمان کی طرف کرے۔ اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے بعض لوگوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نمازاستسقاء کے علاوہ دعا میں ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے حتیٰ کہ (جب آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ہاتھ بلند فرماتے تو) آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی بغلوں کی سفیدی مبارک نظر آتی تھی۔ اس حدیث کا ظاہر یہ وہم ڈالتا ہے کہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نمازاستسقاء کے علاوہ ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے اور معاملہ ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے نماز استسقاء کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے اور یہ مواقع بے شمار ہیں اور میں نے صحیحین یا ان دونوں میں کسی ایک میں سے اس طرح کی تیس احادیث جمع کی ہیں۔

قال الامام ابن تیمیہ فی الفتاوی: وَإِنْ أَرَادَ أَنَّ مَنْ دَعَا اللهَ لَا يَرْفَعُ إلَيْهِ يَدَيْهِ، فَهَذَا خِلَافُ مَا تَوَاتَرَتْ بِهِ السُّنَنُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فَطَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ عِبَادَهُ مِنْ رَفْعِ الْأَيْدِي إلَى اللَّهِ فِي الدُّعَاءِ۔[146]

شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا اور اگر اس سے کسی نے یہ مراد لیا ہے کہ دعا کرنے والا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے تو یہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے منقول سنن

145 (أخرجہ النووی فی شرح علی صحیح مسلم، ١٩٠/٦)
146 (أخرجہ ابن تیمیہ فی مجموع فتاوی، ٢٦٥/٥)

متواترہ کے خلاف ہے اور اس (انسانی) فطرت کے بھی خلاف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں (یعنی مانگنے والا ہمیشہ ہاتھ بڑھاتا ہے) اور وہ یہ ہے کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ بلند کیے جائیں۔

واخرج الامام ابن رجب الحنبلی: مدّیدیه الی السمآء وهو من آداب الدعاء التی یرجی بسببها اجابته۔[147]

امام ابن رجب حنبلی نے ایک طویل حدیث میں (حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے ایک صحابی کی کیفیت دعا بیان کرتے ہوئے) بیان کیا: انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور یہ آداب دعا میں سے جس کے سبب امید قبولیت رکھی جاتی ہے۔

وقال الامام جلال الدین السیوطی: احادیث رفع الیدین فی الدعاء فقد ورد عنه صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وَاٰله واصحابه وَسلَّم نحو مائة حدیث فیه رفع یدیه فی الدعاء وقد جمعتها فی جزء (فض الوعافی احادیث رفع الیدین فی الدعاء) لکنها فی قضایا مختلفة فکل قضیة منها لم تتواتر والقدر المشترک فیها وهو الرفع عند الدعاء تواتر باعتبار المجموع۔[148]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دعا کیلئے ہاتھ اٹھانے کے بارے میں حضور نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے تقریباً سو کے قریب احادیث منقول ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے دعا میں ہاتھ بلند فرمائے ان تمام احادیث کو میں نے ایک مستقل کتاب (فض الوعافی احادیث رفع الیدین فی الدعاء) میں جمع کر دیا ہے اگرچہ یہ دعائیں مختلف قضایا سے متعلق ہیں مگر ان میں ہاتھ اٹھانا چونکہ قدرے مشترک ہے اس لئے یہ (ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا) مجموعی اعتبار سے احادیث متواتر (سے ثابت) ہو گیا۔

147 (اخرجه ابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۱/۱۰۵)
148 (أخرجه السیوطی فی تدریب الراوی، ۲/۱۸۰)

فتح الباری صفحہ ۱۴۲ج ۱۱ میں ہے:

ولاسیمامع کثرۃ الاحادیث الواردۃ فی ذلک (ای رفع الایدی فی الدعاء)فان فیہ احادیث کثیرۃ افردھاالمنذری رحمۃ اللہ علیہ فی جزء سردمنھاالنووی رحمۃ اللہ علیہ فی الاذکاروفی شرح المھذجملۃ وعقدلھاالبخاری رحمۃ اللہ علیہ فی الادب المفردصفحہ ۹۰ (طبع التازیہ)باباً۔۔۔الخ۔

ان صریح حوالوں سے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا واضح ثبوت ملتا ہے۔صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔قال فی الاصل وینزل بھا(ای عرفات)مع الناس لان الانتباذتجبر والحال حال تضرع والاجابۃفی الجمع ارجی۔[149]

اصل میں ہے کہ عرفات سے لوگوں کے ساتھ اتریں کیونکہ اکیلا اترنا تکبر ہے اور حال عاجزی کا ہے اوراجتماعی دعامیں مقبولیت کی بہت زیادہ امید ہے۔

واللہ اعلم ورسولہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہٖوَ اٰلہ واصحابہٖوَسلَّم۔

فصل دربیان
سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء

بعض علماء سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

کیونکہ مطلق اجتماعی دعا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

کقولہ تعالیٰ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن ٦٠)

149 (صاحب ھدایہ صفحہ ۲۲۴ ج ۱)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ آیت کریمہ میں غور کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرنے کا امر فرمایا ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں ادعوا اور دو مقام پر کم ضمیر جمع کا ذکر فرمایا ہے۔

اور کبیری ص ۳۸۹، شامی ۳۵۶، مراقی الفلاح ص ۱۸۷، اور فتح القدیر میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ سنت فرض کے مکمل تابع اور لواحق ہیں نہ کہ اس کا غیر اور اجنبی تو دعا بعد السنن جائز ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (المنشرح ۷)

جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش کرو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی تفصیل میں فرمایا:

فاذا فرغت من الصلوۃ فاجتهد فی الدعاء۔[150]

یہ آیت مطلق ہے جو دعا بعد السنن کو بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (المؤمنون ۱۰۹)

بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ (کنز الایمان)

[150] (تفسیر مدارک، خازن ص ۲۲۰، معالم التنزیل)

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ ہر امر کے لحاظ سے تمام صیغے اور خطاب جمع کے ہیں۔ مثلا یقولون اور چار مقامات پر صیغہ متکلم مع الغیر کا استعمال ہوا ہے، جو اجتماعی دعا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح دوسری آیت کریمہ سے بھی اجتماعی دعا کرنے پر دلیل معلوم ہوتی ہے: ک

قوله تعالى: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الخ الآية (سورة الحشر)۔

ان تمام آیتوں سے مطلق اجتماعی دعا کرنے کا جواز اور ثبوت معلوم ہوا۔ اب بغیر کسی تقیید کے مطلق دعا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ الاٰية۔ (البقرة ١٨٦)

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی بغیر کسی قید زمانی و مکانی کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تو سنتوں کے بعد دعا کرنا بھی مطلق دعا کا ایک فرد ہے تو اس کا جواز بھی معلوم ہوا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے جو دعا نہیں کرتے:

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْ لَا دُعَاؤُكُمْ الخ الاٰية۔ (الفرقان ٧٧)

تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے پاس اگر تم اسے نہ پکارو یعنی دعا نہ کرو۔

علماء دیوبند کے استاذ العلماء حضرت مولانا شیخ القرآن عبد الہادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوۃ میں ص ۱۳۴ پر فرماتے ہیں:

فاعلموا ايها الاخوان ان الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب عند العلماء۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

فمن قال ان الدعاء بعد السنة بدعة فھو ضال مضل اجتنبہ ص ۱۵ ۔

مولانا ظاہر شاہ صاحب مبارک فرماتے ہیں:

ان الدعاء بعد السنن و النوافل مستحب صرح بہ فقھائنا و من انکرہ فھو ضال مضل۔[151]

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری معارف السنن ج۳، ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ "لا یجتمع قوم فیدعوا بعضھم و یؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ"۔[152] جب لوگ جمع ہوکر بعض دعا کریں اور بعض کہیں آمین تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔

علامہ شامی نے فرمایا ہے:

اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المسجد۔[153]

متقدمین و متأخرین علماء نے اس پر اجماع فرمایا ہے کہ مسجد میں اجتماعی ذکر کرنا مستحب ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس طرح کوئی دلیل پیش کریں کہ "اجمع العلماء سلفا و خلفا علی عدم استحباب ذکر الجماعة فی المسجد" نور الایضاح اور مراقی الفلاح جو مذہب حنفی کی معتبر کتب ہیں، میں ہے:

"ویستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع و عقب الفرض ان لم تکن بعدہ نافلة الناس ثم یدعون لانفسھم و للمسلمین بالادعیة الماثورة الجامعة رافعی ایدیھم حذاء الصدر و بطونھما مما یلی الوجہ بخشوع و سکون ثم یختمون بقولہ تعالیٰ سبحان ربک رب العزة عما یصفون الاٰیة ثم یمسحون بھا ای بایدیھم وجوھھم فی اٰخرہ و اقرہ الطحطاوی"۔

---

[151] (دعا بعد از سنن و نوافل ص ۳۷)

[152] (کنز العمال ج ۱، ص ۱۷۷)

[153] (ج ۲، ص ۴۸۸، مطلب فی احکام المسجد)

مستحب یہ ہے کہ امام سنتوں کے بعد یا اس فرض کے بعد جس کے بعد سنت نہ ہوں لوگوں کی طرف منہ کرے اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے ایسی دعا کے ساتھ جو جامع اور مسنون ہو اور اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر اونچا کرے اور ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں اور سکون وعاجزی کے ساتھ دعا کرے پھر آیت کریمہ **سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ الخ** کے ساتھ دعا کو ختم کرے اور آخر میں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔

طحطاوی نے اس مسئلے کی تقریر فرمائی ہے:

احناف کی ان تینوں کتابوں سے دعا بعد السنن ثابت ہوئی جو مستحب ہے۔ استاذ المحدثین ولی کامل مولانا نصیر الدین غورغشتوی دیوبندی کا فتویٰ **"دعا بعد السنن بهيئة اجتماعية"** ارشادات نصیری میں موجود ہے۔

دیوبندیوں کے معتبر اور جید عالم علامہ شمس الحق صاحب شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے معدن السرور فتویٰ بہاولپور ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے جیسے کہ نور الایضاح میں ہے۔ مفتی رشید احمد بن مفتی فرید احمد صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ **"مسئلة التوسل والدعاء"** میں لکھتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا افضل ہے اور اس پر کثیر دلائل ذکر کئے اور پھر لکھا ہے کہ دعا پر دوام کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو مثلاً تہجد پر دوام مستحب ہے پس سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے۔ (ص ۶۱)

مولانا عبد الحیؒ لکھنوی نے السعایہ میں لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔[154]

اسی کتاب میں علمائے دیوبند کے بزرگ اور استاذ مولانا عبد الہادی شاہ منصوری لکھتے ہیں:

"الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب" (تسهيل الترمذى)

---

[154] (بحوالہ تسہیل الترمذی، ص ۳۱۵)

وفی الهداية و السنة فی الادعية تاخيرها عن الصلوة الخ۔[155]

یعنی دعا میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد کی جائے۔

دوسری جگہ لکھا ہے:

"الاجابة فی الجمع ارجی" (ج ۲، ص ۱۴۴)

کہ اجتماعی دعا میں قبولیت کی امید ہے۔

حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمين"۔[156]

دعا بعد السنن کا جواز و اثبات یعنی استحباب مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے، جن میں سے بعض کی عبارات نقل کر دی گئیں اور بعض کے صرف حوالے ذکر کئے جاتے ہیں۔[157]

یہ مذکورہ مسئلہ یعنی دعا بعد السنن تقریباً باون کتابوں میں موجود ہے۔ اگر حوالہ جات دیکھنا چاہتے ہیں تو میرا رسالہ "عقائد المسلمین" کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر تحقیق چاہتے ہیں تو "اطفاء الفتن فی مسئلة الدعا بعد السنن" جو میری تصنیف ہے کا مطالعہ کریں۔

فالحاصل الدعا بعد السنن و النوافل بهيئة الاجتماع مستحب و الفاعل ماجور عند الله تعالى و المانع محروم عن الله تعالى من الاجر العظيم۔

---

[155] (هداية كسوف ص ۲۲۵)

[156] (خزينة الاسرار، ص ۱۴۰)

[157] نور الایضاح، ص ۸۰۔ بحر الرائق، ص ۴۳۔ تفسیر ابن عباس ص ۳۵۵۔ طحطاوی، ص ۱۸۷۔ فتاویٰ نور الهدای، ص ۵۴۔ کبیری، ص ۲۳۱۔ مظهر الحق، ص ۹۔ البصائر، ص ۱۲۱، لمولانا حمد الله مردان صوابی۔ تسهیل المشکوٰة، ص ۱۵۔ الذخائر، ص ۲۷، لمولانا حافظ کفایت الله صوابی۔ الحجج البینات لمولانا شائسته گل علیه الرحمه۔ المسائل المنتخبه، ص ۲۸۔ قاضی حبیب الحق پر مولی مردان۔ تنویر الایمان، ص ۱۶۲، لمفتی سید احمد شاه اخون کلی سوات المعروف به قاضی بابا قدس سره۔ الرسائل السته، ص ۶۷۔ بحر العلوم علامه عبد المتین علیه الرحمه شموزی سوات۔

الدعاء فی اللغة حاجت خواستن وفی الاصطلاح ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی علی خضوع وقال الامام الرازی وحقیقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله العنایة واستمداده ایاه المعونة۔[158]

قال العلامة غلام محمد الحقانی فاعلم ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی بالخضوع وهذا هو المراد بقولهم الدعاء حاجت خواستن۔[159]

والدعاء اظهار العبودیة والذلة والانکسار والرجوع الی اللّٰه تعالی۔[160]

وفی روح البیان والمقصود من الدعاء انما هو اظهار العبودیة والافتقار الی رحمتک والاستعجال لنیل ایادیک۔[161]

وفی قسطلانی مع ما فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظهار الافتقار الی اللّٰه تعالی۔[162]

وفی فتح الباری ولما فی ذالک ای فی الدعاء من الانقیاد والاستلام و اظهار الافتقار۔[163]

وفی طحطاوی ویکون فی الدعاء بالاستغفار اظهار الافتقار الی اللّٰه تعالی۔[164]

وفی تفسیر الخازن الدعاء هو السوال وهو نوع من نوع العبادة۔[165]

اللہ تعالیٰ نے دعا کو عبادت فرمایا ہے کقولہ تعالیٰ:

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (غافر ٦٠)

قال الرازی فمن ابطل الدعاء فقد انکر القرآن۔[166]

[158] (تفسیر کبیر، ج۵، ص ۱۰۶)
[159] (منہاج الحقائق، ص ۳)
[160] (کبیر ص ۱۳۶، ج۲)
[161] (روح البیان ص ۴۳، ج۲)
[162] (قسطلانی ص ۱۵۸، ج۹)
[163] (ج ۱۱، ص ۳۴)
[164] (طحطاوی ص ۱۷۳، تنویر الایمان، ص ۱۵۵)
[165] (خازن ج۲، ص ۱۰۳)
[166] (تفسیر کبیر ج۵، ص ۱۰۹)

قال السدی یستکبرون عن عبادتی ای دعائی۔[167]

وقال الصاوی الدعاء فی الاصل السوال و التضرع الی اللہ تعالی فی الحوائج الدنیویة والاخرویة الجلیلة و الحقیرة (صاوی)

وقولہ تعالی عن عبادتی الخ قال علیہ السلام الدعاء ہو العبادة وقرء ہذہ الاٰیة ﷺ (مدارک)

وفی تفسیر کبیر اعلم ان لفظ الدعاء یحتمل وجوھا کثیرة ان یکون المراد من الدعاء العبادة قال علیہ السلام الدعاء ہو العبادة ومما یدل علیہ قولہ تعالی وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون الخ۔[168]

مولوی محمد حسین صدیقی دیوبندی استاذ جامعہ بنوریہ لکھتے ہیں مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ترجمہ میں کہ:

جو لوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر اور بڑائی کرتے ہیں الخ۔[169]

احادیث نبوی پر نظر کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دعا کو عین عبادت فرمایا ہے:

"کقولہ علیہ السلام: عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الدعاء ہو العبادة"۔[170]

قال القرطبی فدل ہذا ان الدعاء ہو العبادة۔[171]

---

[167] (تفسیر ابن جریر، ج ۲۴، ص ۵۲، نزھة المجالس، ج ۱، ص ۶۷، ابن کثیر، ج ۴، ص ۸۶)

[168] (کبیر، ج ۲، ص ۱۳۷)

[169] (روضة الطالبین ص ۳۳)

[170] (تفسیر خازن، ج ۴، ص ۵۶) ترمذی، تفسیر قرطبی، ج ۱۵، ص ۳۲۶، ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۰۸، تفسیر ابن جریر، ج ۲۴، ص ۵۱، ابن کثیر، ج ۴، ص ۸۵، مشکوة، ج ۱، ص ۲۱۱، کتاب الدعوة)

[171] (قرطبی، ج ۱۵، ص ۳۲۶)

وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الدعاء مخ العبادۃ۔[172]

وقال الرازی لا جرم کان الدعاء اعظم انواع العبادۃ۔[173]

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فان السنۃ تابعۃ للفرض ومکملۃ لہا وقت العرض۔[174]

قال عبدالرحمن جزائری ان السنن من لواحق الفرائض فلیست باجنبیۃ عنہا۔[175]

ان مذکورہ اقوال کا استدلال اور ماخذ یہ حدیث ہے:

عن تمیم الداری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلوۃ فان کان اکملہا کتبت لہ کاملۃ وان لم یکن اکملہا قال للملائکۃ انظروا ھل تجدون لعبدی من تطوع فاکملوا بہا ما ضیع من فریضۃ ثم الزکوۃ ثم توخذ الاعمال بحسب ذالک۔[176]

وفی ردالمحتار ان السنن من لواحق الفریضۃ وتوابعہا ومکملاتہا فلم تکن اجنبیۃ عنہا فما یفعل بعدہا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ۔[177]

وھذا ھو السند علی کون الدعاء عبادۃ وھذا النص مطلق من ان یکون بعد الصلوۃ او لا وان یکون بالانفراد او الاجتماع فان المطلق یجری علی اطلاقہ فی الصفات ویراد منہ الفرد الکامل فی الذوات فحصل التوفیق بین الاصلین۔[178]

---

[172] (ترمذی، ج۲، ص۱۹۵، مشکوۃ، ج۱، ص۲۱۱، البصائر، ص۱۲۲، روضۃ الطالبین مع زاد الطالبین، ص۳۳، نفائس مطلوبہ، ص۱۴)

[173] (کبیر، ج۴، ص۲۳۶) (نفائس مطلوبہ لمولانا محمد روشن)

[174] (مرقات، ج۲، ص۱۱۹، طبع ملتان)

[175] (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ج۱، ص۳۳۰)

[176] (مسند احمد، ج۴، ص۱۰۳، مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۱۱، ص۴۱)

[177] (ردالمحتار، ص۳۹۱) وایضا فی الکبیری، ص۳۵۵)

[178] (البصائر، ص۱۲۲ لمولانا احمد اللہ دیوبندی مظاھری)

فان قیل! قال ابن عباس رضی اللہ عنہما فی تفسیرہ فاذا فرغت فانصب من الصلوۃ المکتوبۃ لا من الصلوۃ المطلقۃ قلنا قال ابن عباس فی تفسیرہ بصیغۃ الاطلاق ای قال ابن عباس و قتادۃ فاذا فرغت من صلوتک۔[179]

اگر لفظ فرغت پر نظر فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ فراغت اس کو کہتے ہیں کہ جب تمام کام کو پورا کر لیا جائے۔ لغت کی کتابیں اس پر دال ہیں۔ مثلاً صراح میں فراغ کا معنی پرداختن از کاری، صراح ص ۳۸۸، فرہنگ۔ فراغ، فارغ شدن، کاری را تمام کردن و ازاں آسودہ شدن، ج ۲، ص ۱۵۲۱، فیروز اللغات۔ فرصت، آرام، اطمینان ص ۹۶۳، منجد کام پورا کر کے خالی ہونا، تمام کرنا۔ (ص ۷۴۲)

ان معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب فرض اور سنت سے فراغت حاصل ہو یعنی ان سب کو پڑھ لے۔[180]

مذکورہ دلائل سے نفس دعاء اجتماعی دعا اور اس بات پر ثبوت پیش کیا گیا کہ سنن فرائض کے مکملات اور تابع ہیں۔ اب حدیث شریف سے سنت و نفل کے بعد دعا کرنے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے سنت و نفل کے بعد اجتماعی دعا فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض بے علم اور بعض منکرین مع العلم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے سنت کے بعد اجتماعی دعا نہیں کی لیکن یہ معاندین علم سمیت اس طرف خیال نہیں کرتے کہ ادلہ شرعیہ جو چار ہیں، جس میں سے پہلا قرآن (کتاب اللہ) ہے پھر سنت نبوی، اجماع اور قیاس

---

[179] (تفسیر قرطبی، ج ۲۰، ص ۱۰۸، درمنثور، ج ۶، ص ۳۶۵، مظہری، ج ۱۰، ص ۲۹۴، ابن جریر، ج ۳۰، ص ۱۵۱، روح المعانی، ج ۳۰، ص ۱۹۸، بیضاوی، ج ۲، ص ۵۶۵، جلالین، ص ۵۶۵، مدارک، ص ۳۹۰)

[180] (مخزن الدلائل ص ۷۷)

ہیں اور اسی ترتیب سے کسی مسئلے کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جب آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا **کما لا یخفی علی من یعلم الخ** تو جب کتاب اللہ میں دعا کرنے پر اور مطلق دعا اور اجتماعی دعا کرنے پر دلائل کی کثرت ہے۔ تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن یہ سب سراسر اپنے مذہب سے لاعلمی یا تعصب وعناد وحسد نے اس مخالفت پر مجبور کیا ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری شیخ الحدیث بنوری ٹاؤن کراچی نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی ہے:

قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بهيئة اجتماعية رافعين ايديهم بعد الصلوة المكتوبة ولم يثبت ذالک فی عهده صلى الله عليه وآله وسلم ولا اخص بالمواظبة۔ نعم ثبتت ادعية كثيرة بالتواتر بعد المكتوبة ولكنها من غير رفع الايدى ومن غير هيئة اجتماعية۔ نعم ثبت دعاءه صلى الله عليه وآله وسلم يرفع اليدين باجتماع بعد النافلة فی واقعتين احدهما واقعة بيت ام سليم حين صلى فيه السبحة ودعا لانس رضى الله عنهما۔[181]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ثم ان الدعاء بعد الصلوة بهيئة اجتماعية برفع الايدى لم يثبت الا بعد النافلة فی اللاستسقاء وفی قصة الصلوة فی بيت ام سليم۔[182]

شاہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

اذا لم نفز بالاذكار فينبغی لنا ان لا نحرم من الادعية ونرفع لها الايدى لثبوته عن عقيب النافلة وان لم يثبت بعد المكتوبة فاذا ثبت جنسه لم تكن بدعة اصلا۔[183]

---

[181] (معارف السنن، ج۳، ص ۴۰۹)
[182] (معارف السنن، ج۴، ص ۴۲)
[183] (فیض الباری، ج۲، ص ۴۳۱، طبع بیروت، ج۴، ص ۴۱۷، طبع)

وهذا امر مسلم ان الصلوة لاستسقاء سنة کما فمتی احتاج الناس الی الماء فانه یسن ان یصلوا صلوة الاستسقاء۔[184]

وقال محمد بن الحسن اری ان یصلی الامام فی الاستسقاء۔[185]

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال خرج يوما رسول اللهﷺ یستسقی فصلی بنا رکعتين بلا اذان واقامة ثم خطبنا ودعا۔[186]

مندرجہ بالا حدیث وفقہاء کے قول سے استسقاء کی نماز کی سنیت اور اس کے بعد دعا کرنا ثابت ہوئی اب وہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نوافل کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

"عن انس قال دخل النبیﷺ وماهو الا انا وامی وام حرام خالتی فقال قوموا فاصلی لکم فی غير وقت صلوة فصلی بنا فقال رجل لثابت این جعل انسا منه قال جعله علی يمينه ثم دعا لنا اهل البيت بكل خير من الدنيا والأخرة فقال امی یا رسول اللهﷺ خويدمک ادع الله له قال فدعالی بكل خير وكان فی أخر ما دعالی به اللهم اكثر ماله وولده وبارک له فيه۔[187]

قال العلامة عبد الهادی الشاه منصوری فی کتابه عن عبد الله بن زید قال خرج رسول اللهﷺ بالناس الی المصلی یستسقی فصلی بهم رکعتين وجهر فيهما بالقراءة واستقبل القبلة یدعو ورفع یدیه وحول رداءه حين استقبل القبلة انتهى فثبت ان النبیﷺ دعا بالجمع مع المسلمين وكذا رواه ابن ماجة۔[188]

قال العلامة سبحان الدين كوكاروی فی کتابه فی اثبات الدعاء بعد النوافل من النبیﷺ "وعن سعد ان رسول اللهﷺ مر بمسجد بنی معوية دخل فركع فيه رکعتين وصلينا معه ودعا ربه طويلا الخ"۔[189]

---

[184] (الفقه علی المذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۱ ۳ ٦)

[185] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۴۴۸)

[186] (ابن ماجه، ص ۹۱)

[187] (مسلم، ج ۱، ص ۲۳۴، ج ۲، ص ۲۹۸، دلائل النبوة بيهقی، ج ٦، ص ۱۹۵)

[188] (تسهيل الترمذی، ص ۳۱۴)

[189] (مشکوة، ج ۲، ص ۵۰۴، باب فضائل سيد المرسلين) (نفائس مطلوبه، ص ۳۵)

وقال عبد الرحمن الجزری ویستحب ان یستغفر بعد السنن ثلاثا ویقرأ ایة الکرسی والمعوذتین ویسبح ویحمد ویکبر فی کل ثلاثا وثلاثین ویهلل تمام المأة بان یقول لا الٰه الا اللہ وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یقول اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ویدعوا ویختم بقوله سبحان ربک رب العزة عما یصفون۔[190]

وقال ابن نجیم (صاحب البحر) لا کن عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی هو عقب الفراغ۔[191]

وفی شرح شرعة الاسلام ویختم الدعاء بعد المکتوبة قبل السنة علی ما روی عن البقالی (المعتزلی فی الاصول والحنفی فی الفروع) من انه قال الافضل ان یشتغل بالدعاء ثم بالسنة وبعد السنن والا واراد علی ما روی عن غره وهو المشهور المعمول فی زماننا فانه مستجاب بالحدیث۔[192]

وقال الحسن الشرنبلالی فی کتابه وان یستقبل بعده الناس ویستغفرون اللہ ویقرؤن أیة الکرسی والمعوذتین ویسبحون اللہ ثلاثا وثلاثین ویحمدونه کذالک ویکبرونه کذالک ثم یقولون لا الٰه الا اللہ وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین رافعی ایدیهم ثم یمسحوا وجوههم فی أخره۔[193]

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نور الایضاح کی عبارت میں بعدہ سے مراد فرض نماز کے بعد دعا کرنا مراد ہے نہ کہ سنتوں کے بعد تو جواب یوں ہو گا کہ عبارت بعدہ میں ضمیر مذکر کی ہے جو تطوع کی طرف راجع ہے نہ کہ فریضۃ کی طرف یعنی عبارت یوں ہو گی کہ: بعدہ ای بعد التطوع بعد الفریضۃ۔

---

[190] (الفقه علی مذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۳۳۰، درمختار، ج ۱، ص ۵۱)

[191] (بحر، ج ۱، ص ۳۰۴)

[192] (تعلیق الکوکب الدری، ج ۲، ص ۲۹۱، مقالات مفتی محمد فرید دیوبندی، ص ۲۰، مخزن الدلائل، ص ۹۵)

[193] (نور الایضاح، ص ۸۰)

کیونکہ اگر ضمیر کا مرجع فریضۃ مراد لیا جائے تو راجع و مرجع میں مطابقت نہیں ہو گی کیونکہ ضمیر مذکر کی ہے اور فریضۃ مؤنث ہے۔

اسی کی طرف علامہ طحطاوی نے اشارہ فرمایا:

کقولہ بعدہ ای بعد التطوع و عقیب الفرض اذا لم یکن بعدہ نافلۃ۔[194]

وفی مراقی الفلاح، ص ۱۷۱ ویستحب ان یشتغل بعدہ ای بعد التطوع الخ۔[195]

وفی منیر الایضاح شرح نور الایضاح و یستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع ای بعد السنن الخ۔[196]

وایضا فی ذریعۃ النجاح حاشیۃ نور الایضاح ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع و عقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ الخ۔[197]

وفی سنن الھدی والجمھور علی ان الاولی الاشتغال بالسنۃ ثم بالدعاء و علیہ عمل اھل الحرمین و سائر دیار العرب۔[198]

وقال اشرف علی التھانوی و اما نص الاحناف ففی شرح نور الایضاح للشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی مع المتن یستحب للامام بعدہ ای بعد التطوع و عقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ ان یستقبل الناس الخ۔[199]

وقال ایضا فتحصل من ھذا کلہ ان الدعاء دبر الصلوات مسنون و مشروع فی المذاھب الاربعۃ لم ینکر الاناعق مجنون قد ضل فی سبیل ھواہ و وسوس لہ الشیطان فاغواہ۔[200]

---

[194](طحطاوی، ص ۱۷۱)

[195](البصائر، ص ۱۲۳ مولانا حمد اللہ دیوبندی)

[196](منیر الایضاح، ص ۹۴ پشتو لمولانا قمر الحق دیوبندی)

[197](ص ۹۷ لمولانا عبد الرزاق بتھر الوی)

[198](سنن الھدی، ص ۴۸، بحوالہ دعا بعد السنن و النوافل، ص ۱۶ لمولانا میاں ظاہر شاہ قادری)

[199](امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۰، مسائل المنثورہ لمولوی تھانوی دیوبندی)

[200](امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۱۵۷۱ اشرف علی تھانوی دیوبندی)

قال العلامة حمدالله الدیوبندی السهارنفوری وعلم من الادلة المذکورة ان الدعاء بعد العبادات قاعدة متقررة فی الشرع ونجعلها کبری ونضم معها الصغری سهلة الحصول۔ الصلوة عبادة وکل عبادة فالدعاء بعدها مستحب ینتج بعد اسقاط الاوسط الصلوة فالدعاء بعدها مستحب اما الصغری فظاهر لان الصلوة اهم العبادات واربح البضاعات واما الکبری فلانها من الاصول الموضوعة المسلمة عند الفقهاء المستنبطة من النصوص علا انه ورد الامر بالدعاء بعد الصلوة علی طریق الخصوص قال الله تعالی فاذا فرغت فانصب قال المحقق البغدادی، ج ۳۰، ص ۱۷۲، وغیره من المفسرین ای اذا فرغت من الصلوة فاتعب فی الدعاء روی هذا التفسیر عن قتادة وضحاک وغیرهما وکذا ذکر الامام البخاری باب الدعاء بعد الصلوة، ج ۲، ص ۹۳۷۔[201]

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد الصلوة الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثة بعد الفراغ من السنة الخ۔[202]

علمائے احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر وعصر میں فرض نماز کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنتوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے:

وعن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ما اجتمع ثلاثة بدعوة قط الا کان حقا علی الله ان لا یرد ایدیهم۔[203]

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہ تھا جو اب رائج ہے کہ نماز باجماعت کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ اس بناء پر بعض علماء نے اس طریقے کو بدعت ٹھہرایا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر اس کو لازم نہ سمجھ لیا

---

[201](البصائر، ص ۱۲۲، ۱۲۳)
[202](الرسائل الستہ، ص ۲۹)
[203](حلیۃ الاولیاء، مقالات فریدی، ص ۱۷)

جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے اور اگر کبھی کبھی قصداً اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو پھر اسے بدعت قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ خدا سے دعا مانگنا بجائے خود تو کسی حال میں برا فعل نہیں ہو سکتا۔[204]

فصل دربیان
تین بار دعاء مانگنے کا ثبوت

تکرار الدعاء: مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ تکرار الدعاء یعنی دعا کو بار بار کرنا ہے جیسے کہ ہمارے اہلسنت وجماعت کی مساجد میں بالخصوص صوبہ سرحد میں سنتوں کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ منکرین دعا اس مسئلے پر بھی اختلاف کرتے ہیں اور اسے بدعت بتاتے ہیں۔

حالانکہ امام بخاری نے تکرار دعا کے بارے میں باقاعدہ باب ذکر فرمایا ہے:

کقولہ باب تکریر الدعاء۔[205]

علامہ عینی فرماتے ہیں:

"ھذا باب فی بیان تکریر الدعاء وھو ان یدعو بہ مرۃ بعد اخری لان فی تکررہ اظھار الموضع الفقر والحاجۃ الی اللہ عز وجل والتذلل والخضوع لہ وقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ کان یعجبہ ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا واخرجہ ابن حبان فی صحیحہ۔[206]

اسی طرح اگر کسی چیز کو تین دفعہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے تین دفعہ پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرماتا ہے۔

---

[204] (رسائل و مسائل، ص ۱۷۱، حصہ اول، ترجمان القرآن مارچ جون ۴۵ء)
[205] (بخاری شریف، ج ۲، ص ۹۴۵)
[206] (عینی حاشیہ بخاری، ج ۲، ص ۹۴۵)

کقولہ علیہ السلام ”عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما سأل رجل مسلم عن اللہ عز و جل الجنۃ ثلاثا الا قالت الجنۃ اللھم ادخلہ الجنۃ و لا استجار مستجیر من النار ثلاث مرات الا قالت النار اللھم اجرہ من النار“۔[207]

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا دعا دعا ثلاثا و اذا سأل ثلاثا۔[208]

مولانا یوسف بنوری دیوبندی شارح ترمذی تکرار الدعاء کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

”وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین و من حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا“۔[209]

قال النووی فی شرحہ فیہ استحباب اطالۃ الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین۔[210]

وقال الامام الغزالی الثامن ان یلح فی الدعاء ویکررہ ثلاثا۔[211]

علامہ سبحان الدین کوکاروی فاضل وفاق المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ تکرار الدعاء کا ثبوت آپ ﷺ سے منقول ہے:

عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سأل سأل ثلاثا وقال النووی فیہ استحباب تکریر الدعاء ثلاثا۔[212]

---

[207](مسند احمد، ج۳، ۱۵۵)

[208](التعلیق علی الترغیب الترھیب، ج۲، ص ۴۸۴ لعلامہ مصطفی عمارہ، مخزن الدلائل، ص ۵۵، مشکوٰۃ، ص ۲۲۳)

[209](معارف السنن شرح ترمذی، ج۳، ص ۱۲۲، مسلم، ج ۱، ص ۳۱۳)

[210] (شرح مسلم للنووی، ج۷، ص۴۷ دارالمعرفة بیروت، الفتح الرباني لترتيب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشيباني ج۸ص ۱۷۴ کتاب الجنائز، الکوکب الوهّاج والرّوض البَهّاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج ص ۲۷۵ ج ۱۱ دار المنهاج - دار طوق النجاة)

[211](احیاء العلوم، ج ۱، ص ۲۱۱، مخزن الدلائل ص ۵۷)

[212]مسلم (ج ۲، ص ۱۰۸)

اس کے بعد علمی تحقیق فرماتے ہیں کہ جب کان صدر کلام میں واقع ہو تو اس سے دوام اور استمرار پر دلالت ہوتی ہے عند الجمہور جیسے کہ شیخ دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں حدیث: **کان النبی ﷺ اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنہ۔**[213] کے تحت فرمایا:

"در لفظ کان محدثان را سخن است مقرر و مشہور میان جمہور آن ست کہ افادۂ دوام و استمرار میکند یعنی چون گویند کہ بود آنحضرت ﷺ کہ این کار میکرد مراد آن بود کہ دوام میکرد و عادت شریف این بود الخ"۔[214]

وقال الرازی فی تفسیرہ فقال بعض الجھال الدعاء شیء عدیم الفائدۃ واحتجوا علیہ من وجوہ وقال جمھور من العقلاء ان الدعاء اھم مقامات العبودیۃ ویدل علیہ وجوہ من العقل والنقل الخ۔[215]

وقال العلامۃ الشیخ السید احمد شاہ فی کتابہ ومنھا ای من أداب الدعاء تکرار الدعاء ثلاثا کما فی مسلم شریف فرفع رسول اللہ ﷺ یدیہ ثم قال اللھم اغثنا اللھم اغثنا اللھم اغثنا قال الامام النووی ھکذا ھو مکرر ففیہ استحباب تکرار الدعاء ثلاثا۔[216]

علامہ شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی آداب دعا میں معجم طبرانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تین بار دعا کرے۔[217]

علامہ میاں ظاہر شاہ قادری تین دفعہ دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

وفی کنز العباد وادنی الالحاح ان یکررہ ثلاثا والاوسط خمسا والاکمل سبعا۔[218]

---

[213] (مشکوٰۃ ص ۳۳)

[214] (اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۶۷، نفائس مطلوبہ ص ۴۵)

[215] (کبیر ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹، نفائس مطلوبہ ص ۴۷)

[216] (ج ۱، ص ۲۹۳) (تنویر الایمان ص ۲۱۴)

[217] (شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۴۳۷)

[218] (کنز العباد ص ۲۴، دعا بعد السنن والنوافل، ص ۲۹)

علامہ مفتی اعظم شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ومن آداب الدعاء ان یکررہ ثلاثا۔[219]

شیخ الاسلام حضرت علامہ نقی علی خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

دعامیں تکرار چاہیئے۔[220]

اعلی حضرت مجدد وقت الشاہ احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ شرح میں فرماتے ہیں:

"قال الرضا تکرار سوال صدق طلب پر دلیل ہے اور یہ اس کریم حقیقی کی شان ہے کہ تکرار سوال سے ملال نہیں فرماتا بلکہ نہ مانگنے پر غضب فرماتا ہے: من لم یسئل اللہ یغضب علیہ"۔ بخلاف بنی آدم کہ کیسا ہی کریم ہو کثرت سوال وشدت تکرار وہجوم سائلاں سے کسی نہ کسی وقت دل تنگ ہوتا ہے۔[221]

حضرت علامہ عبد الجلیل دیوبندی سواتی فرماتے ہیں:

وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ بعد اخری ووقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا وقال فی الھدایۃ ومن ضرورۃ التعمیم التکرار۔[222]

مولانا قمر الحق دیوبندی تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال العلامۃ الشیخ احمد طحطاوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرۃ اخری ووقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا۔[223]

وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین من حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا واخرج الطبرانی عن ابی ھبیرۃ عن

---

[219] (حصن حصین ص ۱۴ وشرحہ ص ۲ ثم طحطاوی ص ۱۸۹، خزینۃ الاسرار، ص ۱۴۳، احیاء العلوم) (اثبات الاغراض، ص ۱۴۳)

[220] (احسن الوعاء لآداب الدعاء ص ۲۲)

[221] (ذیل المدعا لاحسن الوعاء ص ۲۳، ۲۲)

[222] (الھدایۃ ج ۲، ص ۲۶۶) (تنبیہ الاخوان، ص ۳)

[223] (طحطاوی، ص ۱۷۳)

حبیب ابن مسلمة الفهری و کان مستجابا انه امر علی جیش فدرب الدروب فلما لقی العدو قال للناس سمعت رسول الله ﷺ یقول لا یجتمع ملأ فیدعو بعضهم ویؤمن بعضهم الا اجابهم الله تعالی و هو دلیل للدعاء بهیئة اجتماعیة۔[224]

شیخ الحدیث غازی محمد الغازی الحنفی لکھتے ہیں:

بعض لوگ تین مرتبہ دعا کرنے کو بدعت بتاتے ہیں اور پھر خاص کر دعا میں رفع الیدین کو حالانکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب ذکر فرمایا ہے:[225]

اور تکرار الدعاء من حیث الالفاظ بھی ثابت ہے اور من حیث رفع الیدین بھی ثابت ہے۔[226]

اس کی شرح میں مولانا عبد الہادی حقانی دیوبندی فاضل دار العلوم حقانیہ لکھتے ہیں:

و ذکر فی الحصین و ان یکرر الدعاء و اقلها التثلیث و لا ینکر من اثبات الدعاء ثلاثا الا الجاهل بالسنة النبویة و التفصیل فی کتاب الشیخ غازی محمد الغازی المسمی به جامع الکمالات و هو المحقق۔[227]

قال العلامة الشیخ سید احمد شاه فی کتابه "وفی قطب الارشاد ویکرر الدعاء و اقله التثلیث ویلح فیه بالمداومة و المواظبة فی الحالات و لا یکفی بمرة ویتحقق الاضطرار و الاحتیاج و الافتقار۔

---

[224] (معارف السنن لبنوری، ج۳، ص ۱۲۲) کنز العمال، ج۲، ص۱۰۷، حیاة الصحابة، ج۳، ص ۳۳۵) الاصابة فی تمییز الصحابة، ص ۳۰۹ بحواله منیر الایضاح شرح نور الایضاح ص ۹۵، لقمر الحق دیوبندی

[225] صحیح البخاری "باب تکریر الدعاء (ج۲، ص ۹۴۵)"

[226] (مقالات غازی ص ۱۶)

[227] (کمالات حقانی علی مقالات غازی ص ۱۶)

تکرار عبارت ہے افعال متماثلہ کو اوقات متعددہ میں واقع کرنے سے جیسے کہ تلویح میں ہے:

"وتکراره ای الفعل وقوعه مرة بعد اخری وذالک بایقاع افعال متماثلة فی اوقات متعددة"۔ [228]

قال العلامة الشیخ حمد الله الدیوبندی السهارنفوری الداجوی "ومن أداب الدعاء تکرار الدعاء لان الامام البخاری ذکر باب تکرار الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵) وفی الحصن الحصین وان یکرر الدعاء واقله التثلیث۔

آگے فرماتے ہیں:

وذکر الامام مسلم (ج ۱، ص ۳۱۳) فی واقعة بقیع الغرقد انه علیه السلام رفع یدیه ثلاثا قال الامام النووی فیه استحباب اطالة الدعاء وتکرر رفع الیدین۔ [229]

قال العلامة عبد الرزاق بتهر الوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرة بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکرر۔ [230]

مفتی محمد فرید شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ دعا کے آداب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

الفاظ دعا کو تین دفعہ مکرر کرنا لحدیث مسلم وابی داؤد:

ان رسول الله ﷺ کان یعجبه ان یدعو ثلاثا۔ [231]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

ویلح الداعی فی الدعاء ویکرره ثلاثا لانه نوع من الالحاح۔ [232]

---

[228] (تلویح ص ۱۵۷ (اعلام المؤمنین، ص ۳۷)

[229] (البصائر ص ۱۲۴)

[230] (ذریعة النجاح حاشیه نور الایضاح ص ۷۹)

[231] (مقالات ص ۱٦)

[232] (امداد الفتاوی مسائل المنثوره ص ۵۷۰، جلد اول)

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی قدس سرہ تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفی کنز العباد ان یلح فی الدعاء و الالحاح ان یکررہ ثلاثا مع تکرار رفع الیدین ثلاثا وھو ادناہ واوسطہ خمسا واکملہ سبعا لما دعی النبی ﷺ فی حق انس عشر مراۃ وفی حق احمس عشر مراۃ رواہ ابو داؤد ص ۸۰۔[233]

مناظر اعظم علامہ محمد عمر اچھروی قدس سرہ فرماتے ہیں:

عن عبد اللہ یعنی ابن مسعود قال کان احب الدعاء الی رسول اللہ ﷺ ان یدعو ثلاثا رواہ الطبرانی فی الاوسط۔[234]

دعا کے آداب:

دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ جس کو مفتی محمد فرید دیوبندی نے ذکر کیا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا:

کمافی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔[235]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

الجزء التاسع فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء ان رفع الیدین فی الدعاء ای دعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیرھا دلت علیہ الاحادیث منھا ما قال سلمان قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل الیہ یدیہ ان یردھما صفرا خائبتین۔ وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ رحیم کریم یستحیی من عبد ان یرفع الیہ یدیہ ثم لا یضع فیھما خیرا۔[236]

---

[233](الرسائل الستہ ص ۷۲)

[234](کتاب الاذکار ص ۱۷۷، للنووی، مجمع الزوائد ص ۱۰) مسند امام احمد حنبل ج ۱، ص ۳۹۷، ج ۱، ص ۳۹۴، ج ۱، ص ۳۹۷، مسلم شریف ج ۱، ص ۳۱۳، ج ۱، ص ۲۹۳، مقیاس الصلوۃ، ص ۳۴۳ تا ۳۴۵)

[235](مقالات فریدی ص ۱۵)

[236](امداد الفتاوی ج ۱، ص ۵۷۲)

حضرت علامہ نقی علی خان افغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

بہ کمال ادب ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر سینے یا شانوں یا چہرے کے مقابل لائے یا پورے اٹھائے۔ یہاں تک کہ بغل کی سپیدی ظاہر ہو۔[237]

شیخ الحدیث غازی محمد الغازی دیوبندی لکھتے ہیں:

دعامیں ہاتھوں کو اٹھانا:

کمافی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔[238]

علامہ حمد اللہ دیوبندی سہارنپوری لکھتے ہیں:

ثم الدعاء لھا آداب رفع الایدی عند الدعاء ولذا ذکر الامام البخاری باب رفع الایدی فی الدعاء (ج ۲، ص ۹۳۸)

وایضا ذکر فی نور الایضاح ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین رافعی ایدیھم وذکر الشارح فی تلک الصفحۃ فی اثباتہ قولہ علیہ السلام اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیک ولا تدع بظھورھما فاذافرغت فامسح بھما وجھک أہ ص ۱۷۳۔[239]

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل صاحب آداب دعا کے بارے میں لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک الخ۔[240]

عن عمر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔[241]

---

[237](احسن الدعاء لأداب الدعاء ص ۱۹)

[238](مقالات غازی ص ۱۴)

[239](البصائر ص ۱۲۴)

[240](ابو داؤد، ص ۲۰۹، مشکوۃ، ج ۱، ص ۲۱۳)

[241](مشکوۃ ج ۱، ص ۲۱۲، ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۶، مستدرک ج ۱، ص ۵۳۶)

عن الاسود العامری عن ابیه قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ الفجر فلما سلم انحرف رفع یدیه و دعا۔[242]

علامہ میاں ظاہر شاہ فرماتے ہیں:

ان مسح الیدین علی الوجه عقیب الدعاء سنة۔[243]

ابن ماجہ نے باب رفع الیدین فی الدعاء لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔[244]

علامہ مولانا سبحان الدین کو کاروی فرماتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے فیض الباری ج ۲، ص ۳۸۰ میں لکھا ہے کہ:

وقد اخرج النووی نحوا من ثلاثین حدیثا علی ثبوت الرفع عند الدعاء۔[245]

علامہ شمس الحق افغانی دیوبندی لکھتے ہیں:

و کذا رفع الیدین و مسح الوجه بعد الفراغ کذا فی منهج العمال و العقائد السنیة کذا فی التحفة المرغوبة۔

آگے لکھتے ہیں کہ جب دعا ثابت ہوئی تو رفع الیدین بھی ثابت ہوئی:

لما فی حصن حصین ان من آداب الدعاء رفع الیدین و لما فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعا المسئلة ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوهما و فی السعایة لما ندب فی مطلق الدعاء استحبه العلماء فی هذا الدعاء ایضا۔[246]

---

[242] (معارف السنن، ج ۱، ص ۱۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ مخزن الدلائل، ص ۱۳ تا ۱۶)
[243] (روح البیان، ج ۳، ص ۴۶۱)
[244] (دعا بعد السنن و النوافل، ص ۳۲)
[245] (نفائس مطلوبہ، ص ۴۲)
[246] (صحیح مسلک ص ۳۱، ۳۰)

فضیلۃ الشیخ علامہ سید احمد شاہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

آداب دعا میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا نہ کہ اس سے زیادہ۔

جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

ان رفعکم ایدیکم بدعة ما زاد رسول اللہ ﷺ علی ھذا یعنی الی الصدر رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۸۸ ، المسئلة ای ادب السؤال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادة فیمن طلب شیئا ان یبسط یدیه ای الاکف الی المدعو له او لا ثم یسئل۔

صاحب نزہۃ المجالس ص ۵۰ پر فرماتے ہیں:

فالمؤمن یرفع یدیه الی ربه خمسین مرة مثلا اترا اه تردهما خائبتین الخ۔[247]

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں:

دعا کے آداب یہ ہیں کہ ہتھیلیوں کے باطن کی جانب سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اس کے بعد دعا کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے۔ (معجم طبرانی)

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

ومنھا ای من آداب الدعاء تقدیم الحمد و الصلٰوۃ علی الدعاء و الصلوۃ و الثناء علی اولا و أخرا۔[248]

---

[247] (اعلام المؤمنین ص ۳۹، تنویر الایمان، ص ۲۱۳)

[248] (البصائر ص ۱۲۴)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

ویبدأ الدعاء بالحمد للہ و الثناء علیہ ویختم بہ ویصلی علی النبی ﷺ اولہ و أخرہ ووسطہ۔[249]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں:

دعا کیلئے اول وآخر حمد الٰہی بجالائے اور اول وآخر نبی ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر درود بھیجے کہ درود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔[250]

اس کی شرح میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

بیہقی وابو الشیخ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی ہیں حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

الدعاء محجوب عن اللہ حتی یصلی علی محمد و اہل بیتہ۔[251]

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

دعا سے پہلے حمد وصلوٰۃ پڑھنا

لحدیث ابی داؤد اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ وصل علی ثم ادعہ۔[252]

علامہ سید احمد شاہ لکھتے ہیں:

---

[249](امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۶۹)
[250](احسن الوعاء ص ۱۵)
[251](ذیل المدعا ص ۱۶)
[252](مقالات ص ۱۶)

منھا ای من آداب الدعاء البداية بالثناء ثم بالصلوة سنة الدعاء ھدایه ص ١٦٣، وقال النبی ﷺ اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ و الثناء علیه ثم لیصل علی النبی ﷺ ثم لیدع بعدماشاءھذاحدیث حسن صحیح ترمذی ص ١٨٦۔[253]

آگے لکھتے ہیں کہ:

ولان الثناء و الصلوة یقدمان علی الدعاء تقریبا الی الاجابة کما فی غیرہ من الدعوات والرفع سنةالدعاءای رفع الایدی طریقة حسنةفی الدعاء۔[254]

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

و من آداب الدعاءالتوسل الی اللہ بعباد اللہ الصٰلحین۔[255]

قطب الارشاد میں ہے:

ویتوسل الیه تعالی بانبیائه و الصالحین من عبادہ من العلماء و الشھداء و الاولیاء۔[256]
وینبغی ان یتوسل الی اللہ تعالی بانبیائه و الاولیاء الصالحین۔[257]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی کتابوں خصوصًا قرآن اور ملائکہ وانبیاء کرام بالخصوص حضور سید انام علیہم السلام اور ان کے اولیاء واصفیاء بالتخصیص حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے توسل اور انہیں اپنے انجاح حاجات کا ذریعہ کرے کہ محبوبانِ خدا کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔[258]

اعلیٰ حضرت مندرجہ بالا عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

---

[253](تنویر الایمان، ص ٢١٢)
[254](ھدایه ص ٢٢٢، ھکذافی المستخلص ص ٢٣٤، اعلام المؤمنین، ص ٤١)
[255](البصائر ص ١٢٤)
[256](قطب الارشاد، ص ٢٤)
[257](روح البیان، ج ١، ص ٢٩٨، دعابعدالسنن والنوافل، ص ٢١)
[258](احسن الوعاء، ص ١٨)

قال اللہ تعالی و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و قال تعالی یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ و ایضا فی الحدیث اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی و ایضا فی البخاری انا نتوسل الیک بعم نبینا ﷺ فاسقنا۔[259]

اللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔

فصل در بیان مسئلہ حیلۂ اسقاط
مسئلہ حیلہ اسقاط کے بیان میں

بعض علماء حیلہ اسقاط مع دورہٗ قرآن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ حیلہ کی مشروعیت شریعت میں ضرورت کے وقت جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ حیلہ ادلہ شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ حیلہ شرعیہ کا ثبوت قرآن کریم و احادیث صحیحہ و اقوال فقہاء کرام سے موجود ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی اہلیہ کو سو کوڑے ماروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے قسم نہ توڑنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی: و خذ بیدک ضغثاً فاضرب بہ و لا تحنث یعنی تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر مارو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بن یامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز بھی ظاہر نہ ہونے پائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حیلہ ارشاد فرمایا جس کا مفصل بیان سورہ یوسف میں موجود ہے۔ ایک بار حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے قسم کھائی تھی کہ اگر قابو پاؤں تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ ان کی آپس میں صلح کرادو۔ تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہوگی، تو حکم ہوا کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا کان چھید دیں۔

---

[259] (ذیل المدعا، ص ۱۸)

وفی فتاویٰ املح جاء الصحابی الی النبی ﷺ فقال ھلکت و اھلکت فقال کیف قال جامعت امرأتی فی نھار رمضان فقال فعلیک اعتاق رقبۃفقال رقبتی ھذہ ولیس لی غیرھا فقال النبی ﷺ صم شھرین متتابعین فقال لیس لی طاقۃ صوم واحد جامعت مع امرأتی فکیف اصوم شھرین متتابعین لیس لی طاقۃفقال فاعط طعام ستین مسکینًا فقال لیس لی طاقۃ انا بنفسہ مسکین فقال اعطنی صاعا من تمر لافک بہ رقبتک فقال و اللہ لیس عندی صاع تمر فقال یاعثمان اعط لذالک الرجل صاعا من تمر ففعل عثمان بن عفان کما امر رسول اللہ ﷺ فاعطی لذالک الرجل فقال لہ النبی ﷺ اعطنی ھذہ الصاع من التمر من فدیۃ صوم واحد ففعل وقبل النبی ثم اعطی لہ فقال اعطنی ثانیا ففعل وقبل النبی ففعل کک ستین مرۃ بالایجاب و القبول فقال علیہ السلام قد فک رقبتک بھذ الحیلۃ الیٰ آخرہٖ۔ و ایضاً جاء فی الدرر للامام الغزالی رحمہ اللہ قال الشارح السمرقندی حدثنا عباس بن سفیان انہ قال عمر ایھا المؤمنون اجعلو القرآن وسیلۃ لنجات الموتی فتحلقوا وقولوا اللھم اغفر لھذا المیت بجزء من القرآن وتناولو ابایدیکم فتناولنابدوران جزء القرآن لحیلۃ الاسقاط۔

یعنی "فتاویٰ املح میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ حاضر ہوا اور فرمانے لگا کہ میں خود بھی ہلاک ہوا اور دوسرے کو بھی ہلاک کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیسے؟ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اپنی بیوی سے ماہ رمضان میں دن کے وقت مجامعت کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم پر غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں سوا اپنی گردن کے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا یکے بعد دیگرے (یعنی متواتر) دوماہ روزے رکھو۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں مجھے ایک روزے کی طاقت رکھنے کی اور میں نے تو بیوی سے جماع کیا تو کیسے لگاتار روزے رکھوں؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ تو کہا صحابی رضی اللہ عنہ نے کہ مجھے کوئی طاقت نہیں میں خود مسکین ہوں پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو مجھے ایک صاع کھجوریں تا کہ میں تمہاری طرف سے غلام کو آزاد کرلوں۔

پس کہا صحابی رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم نہیں ہے میرے پاس کھجور کا صاع۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دیجئے اس آدمی کو ایک صاع کھجور سے پس عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ویسا کیا جیسا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ پس دے دیا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کو کھجوروں کا ایک صاع۔ پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کو، دیجئے مجھے یہ صاع کھجور کا ایک روزے کے فدیہ کی نیت سے، پس اس صحابی رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔ اور نبی ﷺ نے قبول فرمایا۔ اور پھر وہی صاع اس کو دیا پھر فرمایا آپ ﷺ نے، مجھے دوبارہ دیجئے، پس اس نے ایسا ہی کیا اور آپ ﷺ نے قبول فرمایا اسی طرح یہ طریقہ ساٹھ مرتبہ ایجاب و قبول سے ہوتا رہا پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک آپ کا غلام اس حیلہ سے آزاد ہوا۔"

(فائدہ: فتاویٰ املح کی اس روایت سے صاف طور پر دورہ اسقاط مع ایجاب و قبول ثابت ہوا۔)

اسی طرح الدرر تصنیف للامام غزالی رحمہ اللہمیں بسند شارح سمرقندی مذکور ہے کہ حضرت عباس بن سفیان نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو بناؤ قرآن پاک کو وسیلہ نجات موتی کے لئے کہ حلقہ بناؤ اور کہو کہ اے اللہ بخش دیجئے اس میت کو وسیلہ اس قرآن حاضر کے اور لگاؤ اپنے ہاتھ یکے بعد دیگرے قرآن کے دوران سے برائے حیلہ اسقاط۔

(فائدہ: اس سے صاف ثابت ہوا کہ حیلہ اسقاط بذریعہ قرآن درست اور جائز ہے۔)

اذا مات الرجل وعلیه صلوٰت فائتة فاوصیٰ بان یعطی کفارة صلوٰة نصف صاع من بر ولصوم یومٍ نصف صاع من ثلث ماله وان لم یترک مالاً یستقرض ورثته نصف صاع ویرفع الی المسکین ثم یتصدق المسکین علےٰ بعض وارثه ثم وثم وثم حتی یتم لکل صلوٰة انتهی وهکذااو المنصوص علیه فی المذهب ان یجمع الوارث عشر رجال لیس فیهم غنی ولا عبد ولا صبی ولا مجنون لقوله تعالیٰ انّما الصدقات للفقراء والمساکین۔

یعنی ”جب کہ وفات پانے لگے کوئی آدمی اور اس کے ذمے فوت شدہ نمازیں ہوں تو اس کو چاہیئے کہ وصیت کرے کفارہ دینے کے لئے نصف صاع گندم میں سے بعوض ہر نماز اور ہر ایک روزے کے لئے اپنے ثلث مال میں سے، اور اگر اس نے کوئی مال نہ چھوڑا تو اس کے ورثاء نصف صاع قرض لیں گے۔ اور ایک مسکین کو دیں گے۔ پھر یہی مسکین صدقہ کر دے اس کے بعض ورثہ پر، اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ تمام نمازوں کا فدیہ اور روزوں کا ادا ہو جائے۔ اور اسی طرح ظاہر مذہب میں ہے کہ میت کے ورثاء دس آدمیوں کو جمع کریں جس میں کوئی غنی نہ ہو اور نہ غلام اور نہ نابالغ اور نہ دیوانہ ہو۔“[260]

علمائے دیوبند کے شیخ القرآن والحدیث اور شاگرد خاص مولوی زکریا مولانا حمد اللہ جان نے اپنی کتاب **البصائر لمنکری التوسل باھل المقابر** میں مزید وضاحت سے اس مسئلے پر لکھا ہے۔

حیلہ اسقاط کے بیان میں:

اس مسئلے میں شیخِ منکر اور ان کے مقلدین نے بہت شور و شغب کیا ہے۔ اور شیخِ منکر نے اس بارے میں ایک رسالہ بنام ”**النشاط من حیلۃ الاسقاط**“ لکھا ہے۔ حالانکہ یہ رسالہ طعن و تشنیع اور گالی گلوچ سے بھرا پڑا ہے جس سے عقلمندوں کے کان خوش نہیں ہوتے۔ یہ اس قول کے قبیل سے ہے کہ (بر عکس نہند نام زنگی را کافور) یعنی حبشی کو کافور کہا جائے۔ اسی طرح اس رسالے کا نام رکھا گیا ہے کیونکہ یہ حقیقت میں عاقلوں کے لئے غم و پریشانی پیدا کرتا ہے۔ جبکہ شیخِ منکر نے اس کا نام خوشی رکھا ہے۔ لہٰذا ہم بقدرِ ضرورت اس مسئلے کو ذکر کرتے ہیں تاکہ عاقل کو بصیرت حاصل ہو۔

سب سے پہلے ہم نام اور اس کی تشریح کا ذکر کریں گے اس کے بعد مسمی کا ذکر کریں گے۔

---

[260] (شامی ج ۱ ص ۴۸۶، بحر الرائق ص ۹۱ جامع الرموز ص ۱۶۱، عالمگیری فتاوی حمادیه مراقی الفلاح ص ۲۶۳، نور الایضاح ص ۴۴، طحطاوی ص ۳۴۱، والمنہاج الواضح ص ۴۶۴، وخلاصه ص ۱۵۳، وجواهر النفیس ص ۳۰، ملحقات الیسر ص ۲۳)

(ان شاء اللہ تعالیٰ)

جاننا چاہیئے کہ حیلہ ٔاسقاط مرکبِ اضافی ہے۔(حیلۃ الاسقاط) حیلہ کی اضافت الاسقاط کی طرف ہے۔ مرکب کی تشریح اجزاء کی تشریح پر اس طرح موقوف ہے جس طرح مرکب کی معرفت اجزاء کی معرفت پر موقوف ہوتی ہے۔

حیلہ: "مایتوصل بہ الی مقصود بطریق خفی مباح"۔[261]

یعنی حیلہ وہ چیز ہے کہ مقصود تک خفیہ طریقے سے پہنچائے۔ یہ تعریف کتاب الحیل میں مذکور ہے۔ شارح نے فرمایا ہے کہ حِیَل' حیلہ کی جمع ہے جسکے ذریعے مقصود تک خفیہ طریقے سے پہنچا جائے۔ اسقاط باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کا مجرد سقط یسقط باب (ن) ہے۔ معنی یہ ہوا کہ مکلف کے ذمہ سے نماز و روزہ یا باقی عبادتوں کو ساقط کرنا۔

مرکب کا معنی یہ ہوا کہ ان امور کے اسقاط میں حیلہ یا ان امور کے اسقاط کیلئے حیلہ جب آپ نے جان لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے! کہ نفس حیلہ سے کوئی بھی عقل مند انکار نہیں کرتا اور خاص کر جب وہ عالم فاضل ہو۔ کیونکہ قرآن میں ذکر ہے' سورۃ یوسف میں کہ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو روکنے کے لئے پیالہ یا بادشاہ کا صاع (پیمانہ) اپنے کے سامان میں رکھوا دیا پھر اس کے بعد ان کو آواز دی گئی "یا ایتھا العیر انکم لسارقون۔" اس کے بعد ذکر ہے کہ (فرمان خداوندی) "کذالک کدنا لیوسف" یعنی اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کے لیے حیلہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حیلہ کا انکار نہیں فرمایا بلکہ امتنان و احسان کے مقام میں ذکر فرمایا اور اسے اپنی طرف نسبت فرمایا۔

---

[261](بخاری ۲ صفحہ۱۰۲۸)

اسی طرح ابراھیم علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ جب کفار نے آپ سے عید کے میلے میں جانے کے لیے کہا تو آپ نے ستاروں کی طرف دیکھ کر کہا کہ میں بیمار ہوں۔ اس سے آپ نے ان کے ساتھ نہ جانے کا حیلہ فرمایا جس کا اللہ تعالیٰ نے انکار نہ فرمایا بلکہ ذکر فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو تعلیم دی کہ جب آپ نے قسم کھائی تھی کہ اپنی زوجہ محترمہ کو سو ۱۰۰ کوڑے ماروں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (خذ بیدک ضغثا فاضرب به و لا تحنث) یعنی ہاتھ میں گھاس پھوس کا گٹھا لے کر جس میں ۱۰۰ تنکے ہوں اس سے زوجہ کو ماریں کیونکہ ہر تنکہ (تنکا) بدن کو لگ جائے گا تو آپ حانث نہیں ہونگے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس حیلہ خواہ مخارج کے نام سے یا حیل کے نام سے ذکر کیا جائے' اس سے انکار کرنا قرآن سے انکار کرنا ہے۔ امام بخاری نے کتاب الحیل اور فقہاء نے بہت سے حیلے کتاب الشفعہ اور کتاب الطلاق میں ذکر فرمائے ہیں۔ تو مطلق حیلہ سے انکار کس طرح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح روایت میں معاریض بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ اگر کوئی نماز کی حالت میں بے وضو ہو جائے یعنی وضو ٹوٹ جائے تو ہاتھ سے ناک کو پکڑے تاکہ لوگ یہ گمان کریں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے۔ اسے معاریض حیلہ سے گنا جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مطلق حیلہ سے انکار کرنا کتاب وسنت اور اقوال فقھاء کے خلاف ہے۔ اور برابر ہے کہ اسے معاریض کہا جائے یا مخارج یا حیل۔ کیونکہ اعتبار معنٰی کا ہوتا ہے۔ (عبار اتنا شتیٰ و حسنک واحدو کل ذالک الی الجمال یشیر) یعنی ہماری عبارتیں مختلف ہیں مگر آپ کا حسن ایک ہی ہے اور ہر عبارت اسی حسن کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ نفس حیلہ کا بیان تھا۔ اب رہا مسئلہ حیلۂ اسقاط کا جو متنازع فیھا ہے۔ کیونکہ مخالف اس کا انکار کرتا ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ حیلۂ اسقاط مال کی زیادتی کیلئے ہے کیونکہ جب مال کم اور فدیہ زیادہ

ہو تو حیلۂ اسقاط ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔اور نفس فدیہ سے تو کوئی بھی صاحب عقل انکار نہیں کرتا چاہے نماز کا ہو یا روزہ کا۔ اور روزے کا فدیہ قرآن سے ثابت ہے۔وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ یعنی اگر روزہ کی طاقت نہ ہو تو ایک مسکین کو فدیہ دو۔ اور نماز کا فدیہ دلالۃ النص سے ثابت ہے اس لیے کہ نماز روزے سے افضل ہے۔ جس طرح کہ اصول فقہ کی کتب میں تصریح ہے۔ مثلاً نامی، مولوی شرح حسامی وغیرہ۔ کیونکہ دلالت وہ ہے کہ غیر منطوق، منطوق سے فوق (بلند) ہو۔ جیسے کہ آیت کریمہ میں ہے کہ فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ اس سے معلوم ہوا کہ مارنا، پیٹنا اور گالی گلوچ کرنا بدرجۂ اولیٰ منع ہے۔ اور یہ دلالت النص سے ہے۔ کیونکہ مارنے کا نقصان اُف سے زیادہ ہے۔ اور نماز کے فدیے میں روزے کے ساتھ برابری ہے یعنی نماز اور روزہ کا فدیہ مقدار میں برابر ہے اور وتر علیحدہ نماز ہے اور یہ نماز چھٹی ہوئی۔ پس دن رات میں چھ نمازیں ہیں۔ جب چھ کو سال کے دنوں میں ضرب دیا جائے تو دو ہزار ایک سو ساٹھ (۲۱۶۰) ہو گئے۔ ایک فدیہ کی مقدار صدقۂ فطر کے برابر ہے۔ اور صدقۂ فطر کھجور، اور جَو کا ایک صاع اور گندم کا آدھا صاع ہے۔ جو اس زمانے کے محققین نے ثابت کیا ہے۔ اسی طرح مولوی محمد شفیع دیوبندی نے اپنے رسالے "ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل" میں لکھا ہے کہ صاع دو سو اسی تولہ ہے۔ لہٰذا آدھا صاع ایک سو چالیس تولہ ہے۔ پس صاع ہمارے وزن کے مطابق یعنی جب ایک سیر اسّی تولے ہو گا تو صاع تین سیر اور آدھا یعنی ساڑھے تین سیر ہو گا اور اس کا نصف آدھا صاع ہو گا۔ تو جب ہم اس آدھے صاع کو سال بھر کی نمازوں میں ضرب دیں گے تو گندم کے حساب سے فدیہ ایک سال کا ۹۲ من اور ۲۴ سیر گندم ہو گا اور ایک مَن کی قیمت ۲۰ درہم ہو تو مجموعی قیمت ایک ہزار تین سو بہتر روپے (۱۳۷۲) ہو گی۔ اس وجہ سے علماء نے حیلہ دَور کے طریقے سے بیان فرمایا ہے۔

نور الایضاح میں مذکور ہے کہ جس مال کی وصیت کی گئی ہے اگر وہ پورا نہ ہوتا ہو ان حقوق کی ادائیگی کے لئے جو میت کے ذمے ہوں تو پھر یہ کم مال فقیر کو دیں گے تو اس مال جتنا حق میت کے ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔ اس کے بعد فقیر یہ مال ولی کو ھبہ کر دے گا تو ولی مال کو قبضہ کر کے دوبارہ فقیر کو فدیہ دے دیں اور فقیر ولی کو ھبہ کرتا جائے گا یہاں تک کہ میت کے ذمے سے حقوق ساقط ہو جائیں۔

اور نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا جائز ہے۔ بخلاف قَسم کے کفارے کے کہ وہ ایک شخص کو نہیں دے سکتے بلکہ الگ الگ شخص کو دیا جائے گا۔[262]

اور نور الایضاح کی شرح مراقی الفلاح میں مذکور ہے کہ اگر وہ مال جس کی وصیت کی ہو یا ثلث مال یعنی مال کا ایک تہائی حصہ کافی نہ ہوتا ہو اور یا بالکل وصیت نہ کی ہو اور کوئی شخص میت کے ساتھ نیکی کرنا چاہتا ہو لیکن مال اتنا کم ہے کہ میت کے حقوق کے لئے کافی نہ ہوتا ہو تو میت کو صوم وصلوٰۃ وغیرہ حقوق سے بَری کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کم مال جس کا حقوق کے ساتھ اندازہ کیا ہو گا کہ کتنے حقوق اس سے ساقط ہو جائیں گے وہ کسی فقیر کو دیں گے اسقاط کی نیت سے، تو اس مال کی مقدار کے برابر حقوق ساقط ہو جائیں گے پھر قبضہ کرنے کے بعد فقیر ولی کو واپس ہبہ کر دے یا کسی اور کو تو وہ قبضہ کر لے یہاں تک یہ طریقہ چلتا رہے گا جب تک کہ میت کے ذمہ سے سارے حقوق ساقط نہ ہو جائیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ولی کا فقیر کو فدیہ دینا اور فقیر کا ولی کو یا کسی اور اجنبی کو ھبہ کرنا دونوں طریقے جائز ہیں۔

---

[262](نور الایضاح:صفحہ:۱۰۱)

جامع الرموز میں ذکر ہے کہ ہر نماز کا فدیہ چاہے فرض ہو یا واجب مثلاً وتر (سنتوں کے علاوہ) روزے کے فدیے کے برابر ہے۔ اگر سنت قضاء یا فوت ہو جائے تو اس کا فدیہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی دینے کی ضرورت ہے۔ اور قیل سے قول یہ ہے کہ پانچ نمازوں کا فدیہ ایک دن کے روزے کے برابر ہے مگر جب کہ عاجز اور فقیر ہو۔ مگر ظاہر مذھب اس کے خلاف ہے جیسے کہ خزانہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

محمد بن نے فرمایا ہے مگر فقیر و مالدار کی قید نہیں لگائی مگر عام مشائخ پہلے قول کے قائل ہیں کہ چاہے مالدار ہو یا فقیر ایک نماز کا فدیہ ایک روزے کے برابر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے جیسے کہ کرمانی نے ذکر فرمایا ہے۔ بلخی کے قول کے مطابق نماز کا فدیہ ناجائز ہے قیاس کے ذریعے جس طرح کہ قاضی خان نے ذکر فرمایا ہے مگر استحسان یہ چاہتا ہے کہ نماز کا فدیہ بھی جائز ہے۔ اور روزے کا فدیہ تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ رہا نماز کا فدیہ تو وہ فصل کے عموم کی وجہ سے ہے۔ اس وجہ سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کا فتوٰی دیا ہے۔ (ان شاء اللہ)

اس کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص ادا کرنے میں نقصان (کمی) کرے خواہشات نفس یا شیطان کے دھوکے سے اور پھر آخری عمر میں نادم ہو کر فدیے کی وصیت کرے تو جائز نہیں ہے لیکن مستصفیٰ کے دیباچے سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ اگر وصیت نہ کی اور وارث نیکی اور احسان کرے تو جائز ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یجزی ان شآء اللہ یعنی ان شاء اللہ جائز ہے۔

زاھدی نے کہا ہے کہ قیل نے کہا ہے کہ روزے سے جائز نہیں اور تحقیق سے نماز سے جائز نہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ یہ امر مستحسن ہے اور ایصال ثواب ہے۔ اور فدیہ دفن کرنے سے

پہلے دینا چاہیے اور بعد الدفن بھی جائز ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ میت کی عمر میں سے ۱۲ سال کم کر دیئے جائیں اور اگر عورت ہو تو ۹ سال کم کر دیئے جائیں پھر باقی عمر کا فدیہ مسکین کو دیا جائے جبکہ مال پورا (کافی) ہو۔ اور ایک تہائی مال سے فدیہ پورا ہو سکتا ہو اگر ثلث مال سے پورا نہ ہو تو پھر جتنا بھی ہو وہ مسکین کو دیا جائے اور مسکین (فقیر) قبضہ کرنے کے بعد دوبارہ وارث کو دے دیں اس کے بعد پھر وہ فقیر کو دے گا یہاں تک کہ حقوق پورے ہو جائیں۔ اگر میت کسی بھی مال کا مالک نہ تھا تو وارث قرض لیکر مسکین کو دیتے وقت کہے گا کہ میں اتنی نمازوں کا اور روزوں کا فدیہ فلاں بن فلاں کی طرف سے تمہیں دے رہا ہوں۔ مسکین کہے گا کہ میں نے قبول کیا۔ اور اگر ایک فقیر کو مال پورا دیا اور عدد یا مقدار ذکر نہ کی مگر نصف صاع سے کم دیا تو جائز نہیں۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ [263] کی عبارت ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حیلہ جائز ہے چاہے میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر فدیہ پورا ادا نہ ہوا ہو پھر بھی بے فائدہ نہیں بلکہ ثواب ملے گا اور یہ امر مستحسن ہے۔ قرض لینا مستحسن ہے تاکہ متوفیٰ سے اسقاط کیا جا سکے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فدیہ دفن کرنے سے پہلے دینا افضل ہے۔ منکرین کی ناک خاک آلود ہوگئی اس بات سے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے۔ حالانکہ اسقاط کے لیے دفن کرنے میں تاخیر حق' واجب اور ثابت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے قرض کی وجہ سے میت کے جنازے میں تاخیر فرمائی تھی یہاں تک کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ اس قرض کے ذمہ دار اور کفیل بن گئے۔ پھر اس کے بعد جنازہ پڑھایا گیا۔ تو کیا یہ تاخیر نہیں تھی۔ اور جب جنازہ میں تاخیر ہو جائے تو پھر دفن کرنے میں بھی تاخیر ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اسقاط کا مال ایک فقیر کو ہی دیا جائے تو بھی جائز ہے۔ لیکن فدیہ سے کم دینا جائز نہیں۔

---

[263] (جامع الرموز ا صفحہ ۱۶۱)

شیخ ماہر نے انکار، طعن، بہتان اور گالی دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ طریقہ بدعتیوں نے ایجاد کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے آپس میں مال کھائیں اور یہ طریقہ انہوں نے ہندوستان کے برہمنوں سے سیکھا ہے۔ اسی طرح کے کئی غلط الفاظ لکھے ہیں اور افتراء پردازی کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب نفس حیلہ، نصوص، روایات اور فقہاء کرام کے حوالوں سے ثابت ہے اور اسی طرح حیلۂ اسقاط بھی علماء اور فقہاء سے ثابت ہے تو اسکی طرف بدعت کی نسبت کرنا درست نہیں کیونکہ بدعت کی تعریف آپ نے جان لی ہے۔

اسی طرح لوگوں سے مال جمع کرنا، محارم کے اموال اور ان کو تکلیف پہنچانا شیخ منکر کا طریقہ ہے کیونکہ ان کا ناظم فدیہ لیکر بیت المال میں جمع کرتا ہے۔ شیخ منکر کہتا ہے کہ اس کو طلباء (طالب علم) پر خرچ کرو۔ حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ فدیہ کس طرح جائز ہے کیونکہ نہ تملیک ہے اور نہ مسکین ہے۔ کیونکہ ناظم اور شیخ دونوں غنی ہیں اور بیت المال میں کوئی دوسرا مسکین نہیں کہ وہ قبضہ کرے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ اسے طالب علم قبضہ کرتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ قابض مالک ہوا پس مثل سوء صادق ہوا (استعارہ لمستعیر) کہ اپنے فقیر کیلئے طعام (کھانا) مانگتا ہے)۔ کیونکہ یہ خود اسی سے کھاتا ہے۔ ان کے قول کے سچا ہونے کی تقدیر پر جب تک طلباء ترجمہ کیلئے نہیں آتے اس وقت تک کھاتا رہتا ہے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ یہ حیلہ ہم طلباء کے نفع کیلئے کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اب خود تم نے حیلے کا اقرار کیا حالانکہ اس سے پہلے تم حیلے کا انکار کرتے تھے اور تم لوگوں نے فدیہ ضائع کر دیا۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ اس میں طلباء کیلئے فائدہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ حیلہ اسقاط میں مسلمان میت کا فائدہ ہے اور اگر تمھارا کلام صادق ہے تو زندہ مسلمان کا بھی فائدہ ہے۔ حالانکہ میت کو فائدے کی ضرورت وحاجت ہے جیسے کہ صحابی کا دوسرے میت صحابی کا کفیل بننے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے نماز

جنازہ پڑھنے سے انکار فرمایا تھا کیونکہ میت پر قرض تھا۔ اگر تم نہیں سمجھتے تو یہ مصیبت ہے اور اگر سمجھتے ہو تو پھر بڑی مصیبت ہے کہ جانتے ہوئے بھی انکار کرتے ہو۔

رہامیت کی طرف سے کفالہ (کفیل) ہونا تو اس کا حکم فقہ میں مذکور ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ اور جو یہاں مذکور ہوا ہے تو وہ کفالہ نہیں ہے بلکہ میت کی طرف سے قرض دینے کا وعدہ ہے۔ مگر اس سے حقوق ادا کرنے کا اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے نماز جنازہ سے منع فرمایا تھا۔

اگر کوئی یہ گمان کرے کہ یہ تو مدارس کے عام طریقہ سے انکار کرنا ہے۔

جواب یہ ہے کہ ہم اس طریقے سے انکار نہیں کرتے بلکہ یہ شیخ منکر پر الزام ہے کہ وہ حیلہ سے انکار کرتا ہے اور ہم حیلے کے جواز کے قائل ہیں تاکہ زندہ اور مردہ دونوں کو فائدہ پہنچے۔ (لہذا آپ خود سوچیں) اور شیخ منکر اسی طرح اپنے مریدوں سے جو اس کے علاقے کے ہیں۔ زکوٰۃ لیکر بیت المال میں داخل کرتا ہے۔ اور یہ بہتر ہے کہ اس کا نام بیت المال کی بجائے (بیت ضیاع الفدایا) یعنی لوگوں کے فدیے ضائع ہونے کی جگہ رکھ دیا جائے۔ اور یہ مثل مشہور ہے کہ دوسروں کی آنکھ کا تنکہ تو نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ میں شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔ لہذا آپ کو تعصب اور تعسف سے اجتناب کرنا چاہیے۔

شیخ منکر نے کہا ہے کہ علماء نے کھانے کیلئے کیسا طریقہ ایجاد کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ ہم نے کئی بار دیکھا ہے کہ جب وارثوں میں چھوٹا نابالغ بچہ ہوتا ہے اور میت نے وصیت نہ کی ہو تو لوگ دور کرکے مال وارثوں کو واپس کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح بھی ہوا ہے کہ دور کیلئے مال قرض لیکر واپس کر دیا جاتا ہے لیکن جب وصیت کی جائے تو پھر کوئی حرج نہیں اگرچہ وارث صغیر ہو یعنی چھوٹا ہو۔ اس کے علاوہ فقہاء اور علماء نے یہ طریقہ کس سے سیکھا ہے تم کہتے ہو کہ

یہ ہندوؤں سے سیکھا ہے۔ یہ بہت بری بات ہے۔(یہ تمھاری شان کے مناسب ہے کیونکہ تم شیخ ہو)اور اگر ورثاء میں نابالغ بھی ہو لیکن اگر بالغ سارا بوجھ خود برداشت کرلے تو اس میں کیا حرج ہے اور کیا ظلم ہے۔ بلکہ ظلم یہ ہے کہ کوئی اپنے بھائی کا مال دھوکہ سے ہزاروں روپے لے لیے۔

شیخ منکر نے یہ طریقہ کس سے سیکھا اس کا پیشوا اور مقتداء کون ہے۔ بے شک اس کا پیشوا اور مقتداء محمد بن عبدالوھاب نجدی ہے۔ اور وہ خارجیوں میں سے ہے۔ اور خارجی اس شخص کا مال لینا جائز مانتا ہے جو اس کے عقیدے کے خلاف ہو جیسے کہ یہ بات عقائد علماء دیوبند اور شامی کے حوالے سے تفصیل سے گزری ہے۔

شیخ منکر نے حیلۂ اسقاط کو یہودیوں کے ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے کے حیلے پر قیاس کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعسف اور غلط بات ہے۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو اپنے ھبہ کئے ہوئے مال کو واپس لیتا ہے تو اس طرح ہے جیسا کہ اپنی قے کو چاٹتا ہے اس لیے یہ لوگ حیلہ اسقاط کو قئی الکلب کہتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ منکر حدیث اور فقہ سے کئی وجوہات کی بناء پر لاعلم ہے۔

(ا) اول یہ ہے کہ اس طریقے میں ہبہ کرنے والے سے مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اپنی مرضی سے میت کی نفع رسانی کیلئے واپس کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ اس میں ھبہ کرنے والے کو دوبارہ ھبہ نہیں کیا جاتا بلکہ دوسرے شخص کو دیا جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ آخر میں موھوبہ (ھبہ کی ہوئی چیز) واھب ھبہ کرنے والے کو لوٹ کر آتا ہے۔ مگر مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

(۲) دوئم یہ ہے کہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر مانع نہ ہو تو ھبہ میں رجوع کرنا درست ہے سلب کلی کے طریقے سے۔ جس طرح کہ فقہ میں موانع (روکنے والی چیزیں) مذکور ہیں۔ جو(حروف "دمع خزقہ)ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے اس مسئلے میں کوئی مانع نہیں ہے۔

(۳)سوئم یہ ہے کہ حدیث میں ہے "الواھب احق بھبۃ مالم یثب "یعنی جب تک ھبہ کا بدلہ نہ دیا گیا ہو تو ھبہ کرنے والا اپنے ھبہ کا زیادہ حقدار ہے۔ معلوم ہوا کہ جب تک واھب نے بدلہ نہ لیا ہو تو ھبہ واپس لینا جائز ہے۔

(۴) چہارم یہ ہے کہ کتے کے فعل کو حرام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کتا مکلف نہیں اگرچہ کراھت طبعی ہے مگر حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

(۵) پنجم یہ ہے کہ ھبۂ اول ایجاب و قبول کے ساتھ مکمل ہوا۔ دوسرا اور تیرا ھبہ الگ الگ ہے جو الگ الگ ایجاب و قبول کے ساتھ ہے۔ ہاں اس بات کو مانتا ہوں کہ اپنے بھائی کا مال دھوکہ سے کھانا خنزیر کا گوشت کھانا ہے۔ ہم قارئین کی خوش طبعی کیلئے ایک لطیفہ ذکر کرتے ہیں۔

لطیفہ: ایک شخص نے زنا کیا جس سے حمل ٹھہر گیا اور وہ ظاہر بھی ہوگیا۔ جس سے زانی بہت شرمندہ ہوا کسی نے اس سے احسان و مہربانی کرتے ہوئے کہا کہ تم نے عزل کیوں نہ کیا تاکہ شرمندگی سے بچ جاتے تو اس نے جواب دیا کہ عزل مکروہ ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔ تو اس احمق وبے وقوف کی طرف دیکھئے کہ زنا سے نہیں بچتا جو قطعی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور عزل سے بچتا ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ جامع الرموز اور قھستانی کا قول ضعیف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کو دوسرے فقہاء نے بھی ذکر کیا ہے اور اس میں اصول دین کے خلاف کوئی چیز نہیں۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ لوگ حقیر رقم کیلیئے جنازے میں شریک ہوتے ہیں۔ اس لیے فقیر (غریب) کے جنازے میں کوئی حاضر نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسلمانوں پر بدگمانی ہے اور یہ گناہ ہے اور اس شیخ منکر کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ لوگ پیسوں کیلیئے آتے ہیں۔ کیا اس پر کوئی دلیل ہے یا یہ رجم بالغیب ہے۔ یا یہ اپنے اوپر قیاس کرنا ہے۔ کیونکہ ہمارے علاقے میں تو لوگ مالداروں کے مقابلے میں غریبوں فقیروں کی خدمت بڑے خلوص سے کرتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ شیخ منکر کے علاقے میں وہی کام ہوا ہو جو اس نے بیان کیا ہے۔

ع: جس سے لوگوں کو محبت ہوتی ہے اس کیلیئے راستے بھی الگ الگ ہیں۔ حکم خاص لوگوں پر جاری نہیں ہوتا کیونکہ جب حکم عام اور طریقہ نہ ہو تو افراد کی خصوصیات معتبر نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ حکم وھمی ہے اور اس طرح کا وھم باقی احکام میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً جہاد میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جہاد میں لوگ اس لیے جاتے ہیں کہ مال غنیمت حاصل ہو سکے نہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلیئے۔ لہذا جہاد جہاد نہ رہا۔ اسی طرح مدارس وغیرہ بھی۔ مگر ہم کسی پر بدگمانی نہیں کرتے۔

حدیث شریف میں ہے "ھلا شققت قلبه" تم نے اس کا دل کیوں نہ چھیڑا۔ مگر شرع ظاہر کو دیکھتی ہے اس لیے ہم ظاہر پر عمل کرتے ہیں نہ کہ باطن پر کیونکہ باطن سے ہمارا کوئی سروکار نہیں اسے ہم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔ جو قادر و قاھر ہے۔

اگر شیخ منکر یہ کہتا ہے کہ یہودیوں نے حیلہ کیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہودیوں کا حیلہ حرام کو حلال کرنے کیلئے تھا۔

شیخ منکر نے لکھا ہے اگر حیلے جائز ہو جائیں تو شرائع فاسد ہو جائیں گے اور نظام خراب ہو جائیگا۔ حلال حرام اور حرام حلال ہو جائیگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے مطلق حیلہ بند کرنا مقصود ہو تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ صاحب در مختار نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے تین طلاق کو گھر میں جانے سے معلق (مشروط) کیا تو ایک طلاق دے دے' عدت گذرنے کے بعد بیوی گھر میں داخل ہو جائے تو قسم سے تبری (آزاد) ہو جائے گا اور دوبارہ نکاح کرلے (صفحہ ۱۳۰) قاضی خان نے لکھا ہے کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ جب تک تم میرے پاس ہو اور میں نے تم سے جماع کیا تو تجھے تین طلاق۔ اس کے بعد اس نے حیلے کا ارادہ کیا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے طریقہ سکھایا یعنی حیلہ بتایا کہ طلاق بائن دے اور فوراً نکاح کرکے جماع کرلے تو حانث نہیں ہوگا یعنی قسم نہیں ٹوٹے گی۔[264]

اسی طرح بہت سے حیلے کتاب الطلاق میں مذکور ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ ان امور میں اعتبار نیتوں کا ہے اور مسلمان پر حسن ظن اور اچھا گمان رکھنا چاہیے۔ ہم کہیں گے کہ مسلمان کی نیت اچھی ہوگی مگر بدگمانی اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ در مختار میں ہے کہ وہ نذر جو لوگ میت کیلئے کرتے ہیں اور دراھم (یعنی روپے)' شمع یا تیل وغیرہ اولیاء کے مزارات پر لے جاتے ہیں ان کا تقرب حاصل کرنے کیلئے تو یہ اجماعا باطل و حرام ہے جب تک فقیروں میں صرف (تقسیم) کرنے کی نیت نہ کی جائے۔ بہت سے لوگ اس میں گرفتار ہیں۔[265]

---

[264](قاضی خان ۲ صفحہ ۲۲۳)

[265](درمختار ج ۱ صفحہ ۱۵۳)

لہذا آپ شارح کی قید مالم یقصد کی طرف نظر فرمائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیت کا اعتبار ہے اس لیے کہ عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور اگر فقیر کو دینے کی نیت ہو تو پھر حرام نہ ہو گا۔

شیخ منکر نے لکھا ہے حیلہ اسقاط کی قباحت کے عنوان میں آئمہ کے اقوال میں سے علماء دیوبند کے اقوال ذکر کئے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عنوان اور معنوں میں اختلاف ہے دوسری بات یہ ہے کہ اس نے سوال ذکر نہ کیا کہ کونسا حیلہ مراد ہے۔ کیونکہ حیلہ اسقاط تو شامی، نورالایضاح میں مذکور ہے اور یہ دونوں کتابیں علماء دیوبند کا معمول ہیں تو وہ کس طرح عدم جواز کا حکم کریں گے۔

شیخ منکر یہ کہے کہ شارع علیہ السلام نے حیلہ کا حکم نہیں فرمایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ منع بھی نہیں فرمایا تو حرمت کیسے ثابت ہو گی کیونکہ شرعی حکم کے لیے شرعی دلیل چاہیے جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷) یعنی جس کا حکم رسول فرمائیں وہ کرو اور جس سے منع فرمائیں تو منع ہو جاؤ۔ شیخ منکر نے لکھا ہے کہ اس میں مالا یلزم کا الزام ہے۔ اور یہ بدعت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب استحباب ثابت ہو تو پھر دوام میں کون سے نقصانات ہیں۔ جیسا کہ شیخ بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سورۃ الملک کی تفسیر میں فرمایا کہ میں نے کبھی بھی سورہ ملک کو رات میں پڑھنا نہیں چھوڑا حالانکہ اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ اس کے علاوہ جواب یہ ہے کہ التزام کسی شئے کا لازم جاننا ہے اور یہ اعتقادی بات ہے کیونکہ بہترین عمل وہ ہے کہ جس میں دوام ہو جس طرح کہ حدیث میں ذکر ہے۔ یا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جب میں وضو کرتا ہوں تو دو رکعت ضرور پڑھتا ہوں حالانکہ یہ سب مستحبات ہیں۔ مگر پھر بھی ان کا اہتمام کیا گیا ہے۔

شیخ منکر نے لکھاہے کہ قیاس فی الدین سے نہیں آئی ہے۔اسکاجواب یہ ہے کہ اگر مطلق قیاس سے نہی مراد ہے تو یہ باطل ہے۔کیونکہ اس میں اعتبار کو روکناہے جو اس آیت کریمہ میں ماموربہ ہے۔فَاعْتَبِرُوا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر ۲)یعنی اے عقل والوں اعتبار کرو یعنی عبرت حاصل کرو۔یاحضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کہ اے اہل رائے تمہاراکیاخیال ہے۔اور اگر قیاس سے مراد وہ ہے جو نص کے مقابلے میں ہو تو وہ یہاں مراد نہیں ہے اور مدعی کو چاہیے کہ بیان کرے۔

شیخ منکر نے لکھاہے کہ دعا بعد السنن بدعت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ پہلے گذر چکاہے۔اور مردان کے مضافات کے ہوسئ نامی گاؤں میں بحث کے دوران شیخ منکر احناف کی کتب میں سے ایک دلیل بھی پیش نہ کر سکے صرف اس کی طرف سے انکار ہی انکار تھا کہ میں نورالایضاح نہیں مانتاہدایہ نہیں مانتافلاں نہیں مانتا۔

شیخ منکر کے استاذ علامہ غور شتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دعابعدالسنن کے جواز میں فتوٰی دیا تھا کہ میرے اور میرے مشائخ کے نزدیک بعد السنن جائزہے۔جو آجکل معمول ہے اور بعد الفرض سے مراد بعدالسنن ہے کیونکہ سنن فرائض کے مکملات ہیں۔مگر شیخ منکر پر تعجب ہے کہ اپنے استاذ کافتوٰی نہیں مانتا۔اسی طرح باقی اساتذہ بھی دعا کے مستحب ہونے کے قائل تھے مثلاًشاہ منصور بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو شیخ منکر کے استاذ بھی ہیں مگر اس نے اس مسئلے میں اپنے استاذ کی سخت مخالفت کی ہے۔لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی اسے کہے کہ تم اپنے استاذ سے کیوں اختلاف کرتے تو کہتاہے کہ نہ وہ میرا استاذ ہے اور نہ میں اس کا شاگرد ہوں۔حالانکہ منکر کے ہم عمر موجود ہیں جو اس بات کااقرار کرتے ہیں کہ یہ ان کے شاگرد ہیں۔لہٰذا شیخ منکر کاانکار مردود ہے۔اس کے علاوہ شیخ منکر ان

کی شاگردی کے انکار میں ماتم من جہتہ کا نقص کر رہا ہے۔ حالانکہ ماتم من جہتہ کا نقص کرنے والے کی کوشش مردود ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قاضی شریح صاحب نے فرمایا ہے کہ تمہارے خلاف تمہاری خالہ کی بہنیں کے بیٹے نے گواہی دی ہے۔

شیخ منکر نے شاطبی کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے یہ ہمارے مذہب کی کتاب نہیں اور ہم پر حجت نہیں جس طرح کہ علم الاصول میں ذکر ہے۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ سماع موتیٰ کے مسئلے میں شیخ منکر اپنے گمان کے مطابق امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک پر عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ سماع موتیٰ کے اثبات میں کئی احادیث وارد ہیں۔ اب خود اندازہ لگائیں کہ شیخ منکر سماع موتیٰ کے مسئلے میں مذہب احناف پر کتنے سخت عمل پیرا ہیں۔ اور یہاں اپنے مذہب سے انحراف کرتے ہیں جب کہ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں مگر عمل دوسرے مذہب پر کرتے ہیں۔ مثلاً شاطبی کے اعتصام' مدخل وغیرہ اور اپنے مذہب کی کتابوں کا لحاظ نہیں رکھتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ نہیں مانتا وہ نہیں مانتا وغیرہ۔ لہٰذا اپنے شخص کے قول کا اعتبار نہیں بلکہ یہ تلفیق کے قریب ہے اور تلفیق باجماع فقہاء حرام ہے۔

(۱) یعنی تمہاری خالہ کی بہن تمہاری ماں ہے اور اس کے بیٹے تم خود ہو اور تم نے اقرار کر کے انکار کیا ہے تو قاضی صاحب کا مطلب یہ تھا اب اقرار کے بعد انکار قابل قبول نہیں، ۱۲ (حافظ کفایت اللہ)

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ لوگ مجھ پر جھوٹ اور افتراء کا الزام لگاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے آپ پر کوئی جھوٹا الزام نہیں لگایا بلکہ جو کچھ ہم نے کہا ہے وہ تمہاری زبان یا تحریر سے ثابت ہے مثلاً اپنی ماں کو مار مار کر گھر سے بھگانا یہ تم نے خود (شیخ جانا) نامی گاؤں (مردان) میں کہا ہے جب کہ تم

تقریر کررہے تھے اور کہاہے کہ میں سنت کی اتنی اتباع کرتاہوں کہ اپنی ماں کو مار مار کر گھر سے نکال دیتاہوں (نعوذ باللہ من ذٰلک) رہایہ مسئلہ کہ محارم سے مال لینا تو ظاہر ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔اور فدیہ کا ضائع کرنا تو وہ تمہارے گاؤں کے لوگوں کو معلوم ہے۔اور توسل وکرامات کا انکار کرنا تمہاری کتاب البصائر سے معلوم ہورہاہے ۔اور تم نے فقہ کا رد بار بار کیاہے کہ میں لوگوں کو حدیث بیان کرتاہوں اور یہ لوگ مجھے فقہاء کے اقوال دیکھاتے اور بیان کرتے ہیں۔یہ تمام باتیں تم نے تقریر وتحریر میں بیان کی ہیں تو یہ کس کی افتراء پردازی ہے۔بلکہ ان باتوں کی طرف نسبت کرنا افتراءہے تو تمہاری بات تم پر ہی حجت ہوئی نہ کہ ہم پر۔ شیخ منکر کی شخصیت ہی عجیب ہے کیونکہ اس نے اپنے رسالے "النشاط فی حیلة الاسقاط"میں فصحاء اور بلغاء عرب کے ناک کاٹ دیئے ہیں کیونکہ عربی لے لحاظ سے غلط عبارتیں لکھی ہیں۔یاتو یہ شیخ منکر کی غلطی ہے یاکاتب کی یاپھر دونوں کی ۔لیکن پہلی بات ظاہر ہے کہ شیخ منکر کی غلطی ہے مگر میں نے اس طرح اس وجہ سے تعارض نہیں کیاکہ کلام طویل ہوجائے گا۔اور اپنے موضوع سے الگ ہونے کا خدشہ ہو گا۔ شیخ منکر نے بعض حضرات کی تقریظ ذکر کرتے ہوئے لکھاہے کہ ہٰذہ تحقیق انیق۔لہٰذا آپ خود اس عبارت کی طرف نظر فرمایئے کہ مبتداء مؤنث ہے اور خبر مذکر جس سے مبتداء وخبر کی مطابقت نہ ہوئی۔اور قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر یا اسم اشارہ جب مرجع،مشارالیہ اور خبر کے درمیان دائر ہو تو خبر کی رعایت اولیٰ ہے۔تو ہٰذا تحقیق کہنا چاہیے تھایعنی اسم اشارہ کو مذکر ذکر کرتا۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ ایک جملہ صحیح نہیں کرسکتا اور اعتراضات کرتاہے علماء کرام پر اور ان کی شان میں بے ادبی کرتا رہتاہے۔اور کافیہ،نحو میر کے قواعد سے بے خبر ہے اور اپنے علم پر فخر

کرتا ہے جس طرح کہ شعر میں ہے کہ: جب اس کی طرف سے فخر کی باتیں آئیں تو میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے پاکی ہے علقمہ فاخر کے فخر سے۔یعنی میں نے تعجب کیا۔

(ا) مولانا حمد اللہ صاحب نے بہت افسوس کا اظہار کیا کہ شیخ منکر کافیہ کے قواعد کا خیال نہیں رکھتے تو یہ افسوس بے جا ہے کیونکہ شیخ منکر اور اسکی ذریت علم نحو کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ بدعت سے بچا جاتا ہے۔

اور شعبہ کی روایات میں ہے کہ:

"مثل المحدث المفسر الذی لایعرف النحو کمثل الحمار علی رأسہ مخلاۃ لیس فیھا شعیر"۔

یعنی بیہقی شعب الایمان میں مذکور ہے کہ وہ محدث یا مفسر جو علوم عربی سے عاری اور خالی ہو اس گدھے کی طرح ہے جس کے سر کی طرف کنالی رکھی ہو اور اس میں جو نہ ہوں۔یعنی لوگ اس میں علم کا یقین رکھتے ہیں حالانکہ اس میں علم نہیں ہے۔۱۲،(حافظ کفایت اللہ)

اور کہتے ہیں کہ ہم فلاں کتاب کا رد کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں۔ہم آپ اس مقرظ (تقریظ لکھنے والے) کی شان میں ایک عجیب واقعہ سناتے ہیں۔اور وہ یہ ہے کہ بندہ ضعیف کے پاس پچھلے سال ایک طالب علم فنون پڑھتا تھا پھر وہ چار سدہ گیا۔جب واپس آیا تو اس نے کہا کہ میں اس مقرظ کے درس میں بیٹھا ہوا تھا جو اس آیتِ کریمہ "ولا یؤدہ حفظھما" کا ترجمہ کر رہا تھا یعنی اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کی حفاظت کی ڈیوٹی کسی اور کو نہیں سونپتا تو میں نے کہا کہ مولانا صاحب حفظھما تو یؤدہ کا فاعل ہے اور آپ نے مفعول بہ کا معنیٰ کیا۔تو مولانا صاحب نے کہا کہ تم کیسے سمجھے کہ یہ فاعل ہے اور مفعول نہیں تو میں نے کہا کہ یہ مرفوع ہے کیونکہ اس کی طرف فعل کی اسناد قیام کے طریقے سے ہوئی ہے اور یہ فاعل کا حال (صفت) ہے تو اس نے کہا کہ فاعل تب مرفوع ہوتا ہے جب مضاف نہ ہو

اور تم اس طرح کی مثال بتاؤ کہ فاعل مضاف ہو اور مرفوع ہو تو میں نے قرآن شریف سے مثالیں بیان کیں۔ اس کے بعد مولانا نے کہا کہ تم ترجمہ کس طرح کرتے ہو اس آیتِ کریمہ کا تو میں نے کہا کہ ”لا یثقلہ حفظھما“ یعنی اللہ تعالیٰ پر ان دونوں کی حفاظت میں بوجھ نہیں اور نہ تکلیف دہ ہے۔ اس سے طلباء میں انتشار پیدا ہو گیا بعض میری طرف ہو گئے اور بعض اس کی طرف۔ پس تعجب ہے اس دور کے مشائخ پر جو ان مدارس کے علماء و مہتمم ہیں کہ ہر کسی کو سند دے دیتے ہیں لیکن مسلم کے دیباچے میں مذکور اس کی شرائط کی طرف نہیں دیکھتے کہ آیا یہ حقدار ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ تو ان طلباء کو بھی سند دیتے ہیں جو مرفوع، منصوب، مجرور، فاعل اور مفعول کو نہیں جانتے اور نہ کمزور اور طاقتور پہچانتے ہیں اور نہ ہی دایاں اور بایاں جانتے ہیں ایسے واقعات اس زمانے میں بہت ہیں۔

صفحہ: ۴۰: پر استفتاء اور فتویٰ نقل کیا ہے:

سوال: مرنے کے بعد جو طریقۂ اسقاط عوام کرتے ہیں کہ فرائض وواجبات تجویز کر کے اس کے فدیہ میں جَو گندم وغیرہ ہوں ان کے عوض ایک قرآنِ مجید دے کر سب بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ یہ طریقہ مروجہ ثابت اور جائز ہے یا نہیں۔ از عبدالعزیز مراد آبادی۔

جواب: حیلہ اسقاط مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ چند روپے کی خاطر ملاؤں کا مقرر شدہ ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے خوب واقف ہے۔ ہاں حیلہ کارگر نہیں مفلس کے واسطے بشرط صحتِ ورثہ کے۔ کیا عجب ہے کہ مفید ہو۔ ورنہ لغو اور دینا و دینہ۔ فقط واللہ اعلم۔ رشید احمد گنگوہی۔

شیخِ منکر نے اس کو اس حیلہ پر اعتراض کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ سوال میں جو فرائض وواجبات مقرر کئے گئے ہیں اور اس کے لئے گندم وغیرہ معین کر کے اس کے عوض کلام اللہ دے کر اپنا ذمہ فارغ کر لیتے ہیں۔ آپ خود نظرِ انصاف سے دیکھیں کہ ہمارے علاقوں میں حیلۂ

اسقاط جو رائج ہے تو کیا اس کا طریقہ ایسا ہے جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے؟ بالکل نہیں بلکہ یہاں تو حسبِ طاقت مال ہوتا ہے جس کو زیادہ کرنے کے لئے گھمایا جاتا ہے تاکہ میت کو نفع زیادہ حاصل ہو اور اس کی تصریح فقہائے کرام نے فرمائی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ لہٰذا امداد آباد کے حیلے کے بطلان سے ہمارے علاقے کے حیلے کا بطلان کیسے لازم آئے گا۔ یہ قیاس غلط اور فاسد ہے۔

گنگوہی صاحب نے سوال کا مناسب جواب دیا کیونکہ مُفتی سوال کے مطابق جواب دیگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ گنگوھی کے جواب سے جواز معلوم ہورہا ہے کہ یہ علماء نے مفلس کیلئے مقرر کیا ہے۔ یہ لکھا ہے کہ بعید نہیں کہ اگر نیت خالص ہو تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ اور حیلے کا جواز مفلس کیلئے مال کی کمی اور فدیہ کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔ اور یہی ہمارا مدُعیٰ ہے۔ لہذا جب علماء نے وضع کیا اور قبولیت کی اُمید منجانب اللہ ہے۔ اور فقہاء کرام مثلاً جامع الرموز نے جائز کہا ہے۔ اس کے باوجود کہ اگر فدیہ سے جائز نہ ہو پھر بھی امر مستحسن ہے۔ اور میت کے لیے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ ایصال ثواب میں شک نہیں۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ میلاد منانا گاندھی کی تقلید ہے

جواب یہ ہے کہ اس شیخ پر تعجب ہے کہ میلاد میں حضور علیہ السلام کی سیرت واوصاف کا تذکرہ ہوتا ہے اور جب یہ روایات صحیحہ کے ذریعے ہو تو اس کے لیے شرافت ہے۔ اور حضور علیہ السلام کے حالات، معجزات، ریاضات اور معاملات کا بیان کرنا آپ علیہ السلام سے محبت کی دلیل ہے۔ اور محبت واتباع کا سبب بھی ہے۔

آیت کریمہ ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران ۳۱)

سلف صالحین آپس میں اس کا تذکرہ فرماتے ہیں۔رہی تخصیص کی بات کہ جس طرح شیخ منکر ترجمۃ القرآن کے لئے کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ اس بات کی تخصیص ہوئی ہے کہ عورتیں خاص وقت میں خاص مکان میں حضور علیہ السلام کا بیان سننے کیلئے جمع ہوتیں تھیں۔اور جہاں تک منکرات کی بات ہے تو اس کا جواب پہلے گزر چکاہے کہ منکرات کی وجہ سے معروف کو نہیں چھوڑاجاتا۔

اسی طرح خلیل احمد سہارنپوری نے عقائد علمائدیوبند میں لکھاہے کہ مسئلہ میلاد کے بارے میں (ص ۳۱) بعنوان عقیدہ دربارہ میلاد شریف اور ذکر کیاہے کہ حضور علیہ السلام کے درازگوش (گدھا) کے بول (پیشاب) اور حضور علیہ السلام کے بول وبراز کا تذکرہ کرنا ہمارے نزدیک اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔اور اس کتاب میں اس مسئلے کے بارے میں تفصیل سے ذکر کیاگیاہے۔عوام کو منکرات سے منع کرناچاہیئے۔

مولانا عبد الحئی صاحب نے فتاویٰ میں میلاد شریف کا جواز لکھاہے اور شیخ دھلوی سے نقل کرتے ہوئے لکھاہے کہ میلاد شریف کاذکر علاقے میں اس سال امن وامان،خوشی کی بشارت کہ اپنے مقصود کوپالے۔(مجموعۃ الفتاویٰ)

اس صفحہ پر قیام کامسئلہ بھی مذکورہے یعنی جو صاحب وجد شخص اپنے وجد میں صادق ہو اور قیام کرتا ہو مگر بناوٹ اور ریاکاری نہ کرتا ہو تو یہ معذور ہے محبت کے آداب میں سے یہ ہے کہ تمام حاضرین قیام کریں۔آخر میں لکھاہے کہ حرمین شریفین کے علماء کرام بھی قیام کرتے ہیں۔اس کے بعد امام برزنجی کا قول نقل کیاہے میلاد کے رسالے میں کہ اصحاب روایت آئمہ کے نزدیک مولد

شریف کے ذکر کے وقت قیام کرنا مستحسن ہے۔پس اس شخص کیلیئے خوش حالی اور خوش خبری ہے جس کا مقصد حضور علیہ السلام کی تعظیم ہو۔[266]

مولانا مذکور نے ۲ صفحہ ۱۵۰ میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے **"النعمۃ الکبرٰی علی العالم بمولد سید و لد آدم"** کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے کہ میلاد یہ ہے کہ آیت یا حدیث ہو اور اس کی شرح میں اور تفصیل میں حضور علیہ السلام کے فضائل و خصائل 'خوارق و معجزات وارھاصات کا ذکر ہو۔

اسی طرح اسی کتاب میں ہے کہ علم کے نشر کے افراد میں سے ایک فرد میلاد بھی ہے اور ہر علم کے نشر کا ہر فرد مندوب ہے۔لہذا میلاد مندوب ہے۔[267]

آخر میں لکھا ہے کہ ایک فرقہ قلیلہ (تھوڑی تعداد والا) میلاد کا انکار کرتا ہے۔جنکا امام تاج الدین فاکہانی مالکی ہے مگر ان کے پاس مقابلے کی طاقت نہیں۔اور جہاں تک مسئلہ میلاد کے ساتھ خراب امور کا ملانا ہے تو وہ الگ بات ہے اصل مقصد کو ضرر نہیں دیتے۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ گاندھی کی تقلید نہیں بلکہ محقق علماء ذی وقار کی تقلید ہے۔پس آپ خود انھیں دیکھیں کہ علماء کرام کی بے ادبی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرمائے تاکہ علم کے دقائق و معارف انکے دل میں سماجائیں اور بے ادبی سے بچ جائیں۔

---

[266](مجموعہ فتاوٰی صفحہ ۲۹۷ ج ۲)

[267](مجموعہ فتاوٰی ۲ صفحہ ۱۵۱)

مومن کو تکلیف دینا اور علماء پر بہتان باندھنا عظیم جرم ہے

آیت مبارکہ ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا (الاحزاب ۵۸)

یعنی جو لوگ مومن مرد و عورت کو تکلیف دیں تو انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے اوپر ڈال لیا۔

اس وجہ سے یہ لوگ اپنے گاؤں میں میلاد شریف کو اپنے ہاں منع کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ منصف عاقل کیلئے حیلہ کے مسئلے میں اس قدر کافی ہے۔

چند باتیں جو اس سے متعلق ہیں اب ذکر کی جائیں گی۔

نمبر ۱: قرآن شریف کا اسقاط میں گھمانا۔ ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہ قرآن شریف کا رکھنا یہ توسل کیلئے ہے

جبکہ فرقہ نجدیہ توسل کا منکر ہے۔ عمل کے بغیر دوسری چیز سے توسل کو نہیں مانتے قرآن کو وسیلہ بنانا جیسا کہ روایت میں آیا ہے "اللھم ارحمنا بالقرآن العظیم" شاید یہ حیلہ قرآن کی برکت و وسیلے سے قبول ہو۔

فتاویٰ سمرقندی میں ہے دوران قرآن کے اجزاء کے بارے میں۔

اسی طرح واقدی نے فتوح الشام میں لکھا ہے:

"اخبرہ ابو عاصم عن ابن جریج عن ابن شہاب عن ابی سلمة عن ابی موسیٰ قال فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أی دوران الاجزاء للقرآن"۔

(۱) مولانا صاحب نے ان کے لیے دعا کی ہے مگر یہ دعا ان حق میں قبول نہ ہوئی کیونکہ شیخ منکر اپنے غلط عقیدے سمیت دار فانی سے دار باقی چلے گئے ہیں اب ان کے مریدیں اپنے غلط عقیدے پر بہت سخت ہیں اور اب اھل سنت کے قتل کو بھی جائز مانتے ہیں بلکہ قتل بھی کیا ہے۔ **تعوذ باللہ**۔ (حافظ کفایت اللہ)

شیخ منکر نے صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ صاحب مفتاح السعادۃ نے فقیہ البو اللیث سمرمندی کا فتاوٰی ذکر نہیں کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا سمرقندی کے فتاوی کا ذکر نہ کرنا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ قرآن کے اجزاء کا دور صحیح نہیں کیونکہ عدم ذکر' عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ذکر وجود پر دلالت کرے گا جیسے کہ یہ وجوہ فاسدہ سے ظاہر ہے۔ بے شک اگر کوئی معتمد کتاب یہ تصریح کرتی کہ سمرقندی کا فتاوی نہیں اور اسکی طرف فتاوی کی نسبت صحیح نہیں تو پھر ٹھیک ہوتا۔ حالانکہ معتمد کتابوں میں فتاوٰی سمرقندی کا ذکر ہے۔ جس طرح کہ فتاوی ھندیہ وغیرہ۔

شیخ منکر نے حدیث پر تنقید کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام سمرقندی متوفیٰ ۳۷۳ھ ہیں۔ جس طرح الجواھر المضیئۃ صفحہ ۱۹۶ میں ذکر ہے۔ اور فوائد بھی صفحہ ۲۲۰ اور مفتاح السعادہ صفحہ ۱۳۹ ج ۲ میں ذکر ہے۔ اور یہ بات تم نے بھی مان لی کہ امام سمرقندی فلاں سنہ میں وفات پاگئے جیسے کہ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے۔ اور وہ زمانہ اجتھاد کا زمانہ تھا۔ اور جب مجتہد روایت سے استدلال واستنباط فرمائے اور پھر اس کے بعد نقاد اعتراض اور قدح کریں تو کوئی ضرر نہیں دیتا کیونکہ اکثر محشی احادیث وکتب فقہ احناف کے دلائل پر اعتراض

کرتے ہیں۔ بعض کو ضعیف اور بعض کو غریب کہتے ہیں اور بعض کے بارے میں کہتے ہیں کہ لم اجدہ یعنی میں نے اس کو نہیں پایا۔ اور اسی طرح کے کئی اعتراضات کرتے ہیں۔

لہٰذا ہم جواب دیتے ہیں کہ امام کے اختیار کرنے کے بعد یہ کلام استدلال کو ضرر (یعنی نقصان) نہیں دیتا۔ اس کی دلیل علامہ شعرانی کا وہ قول ہے جو میزان کبریٰ صفحہ ۷۲ مطبوعہ مصر میں ہے۔ فرمایا کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل میں ضعف نہیں ہے روایت کی جرح سے سلامتی کیوجہ سے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور حضور علیہ السلام کے درمیان صحابہ و تابعین ہیں۔ یعنی انہوں نے حضور علیہ السلام سے نقل فرمایا ہے۔ حالانکہ بعض حفاظ جرح کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے۔ تو اس کا جواب کیا ہو گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ اس کو ان راویوں پر محمول کریں جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آئے ہیں اور اس حدیث کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے کے علاوہ دوسرے طریقہ سے لائے ہوں کیونکہ پر حدیث ہم نے امام صاحب کی مسانید ثلاثہ میں پائی ہے لہٰذا یہ صحیح ہے کیونکہ اگر صحیح نہیں ہوتی تو امام صاحب اس سے استدلال کیوں فرماتے۔ اگر اس کے بعد کذاب، مہتم بالکذب راوی آیا ہو تو وہ قدح نہیں کہلائے گا اور ہمارے لیے حدیث کی حجیت اتنی کافی ہے کہ مجتہد اس سے استدلال کرے اور ہم پر اس پر عمل کرنا واجب ہے اگرچہ کسی دوسرے نے روایت نہ کی ہو۔ لہٰذا آپ یہ باریک نکتہ یاد کرلیں آپ کو کافی فائدہ ملے گا۔ (ان شآءاللہ) اور یہ بات تم کسی اور محدث کے قول میں نہ پاؤگے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذھب کی طرف ضعف کی نسبت سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس کے بعد کہ تم امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی مسانید ثلاثۃ کا مطالعہ کرو اور یہ حدیث اس میں نہ پاؤ۔ (علامہ شعرانی)

اللہ تعالیٰ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کو خیر عطا فرمائے کہ آپ نے اتنی باریک بات بیان و نقل فرمائی۔ اور یہ بات اس قابل ہے کہ اسے سنہرے حروف سے لکھا جائے کیونکہ بہت سے وہابیوں کی باتیں اس سے رد ہو گئیں کیونکہ وہ لوگ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل کی طرف ضعف کی نسبت کرتے ہیں۔ اور یہ ان کے قواعد دینیہ سے جہالت کی دلیل ہے اور جہالت کا فساد بہت غلہ والا (یعنی بہت بڑا) ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

اسی طرح غیر مشہور کتابوں میں بھی دوران قرآن کا تذکرہ آیا ہے اور یہ بھی تائید کیلئے کافی ہے۔ اور اس مسئلے کو صرف صاحب قنیہ نے ذکر نہیں کیا اور نہ قبول کیا۔

شیخ منکر نے لکھا ہے کہ صاحب قنیہ کا قول ادلہ اربعہ میں سے کسی دلیل کے بغیر قبول نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذہب کی کتابیں مذہب کے نقل کیلئے بنائی گئی ہیں۔ اور فقہاء کرام کا نقل کرنا ہی کافی ہے۔ اور حیلۂ مذکورہ جامع الرموز، شامی، نورالایضاح، مراقی الفلاح، طحطاوی، ھندیہ حمادیہ، بحر الرائق، منحۃ الخالق وغیرہ کتابوں نے ذکر کیا ہے۔ اور نفس حیلہ ثابت ہے جس میں میت کیلئے نفع ہے۔ اس لیے کہ اس میں فدیہ کی کثرت ہے کیونکہ ایک سال کے فدیے کے لیے بہت سامال چاہیے۔ اور یہ ہر کسی کی طاقت نہیں اسی طرح حیلہ مذکورہ درر المنتقیٰ میں ذکر ہے جیسا کہ طحطاوی علی المراقی ص ۲۳۹ نے ذکر کیا ہے۔ جب حیلہ کا ارادہ کرے تو عمر کا حساب گمان غالب سے لگایا جائے۔ لڑکے کے بارہ سال اور لڑکی کی نو ۹ سال کم کر کے یہ طریقہ کئی بار کرے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ نماز میں نقصان کا احتمال ہوتا ہے شرط اور رکن چھوڑنے کی وجہ سے کیونکہ اکثر لوگ لاعلمی کی وجہ سے اس کا خیال نہیں کرتے۔ لہٰذا حیلے کا جواز ثابت ہوا۔ اور جب فقہاء کرام نے اپنی مذہب

کی کتابوں میں تصریح فرمائی ہے اور اس حیلہ میں اصولِ دین کی مخالفت بھی نہیں بلکہ تائید موجود ہے اور میت کو فائدہ بھی ہے تو اس کے جواز سے کون سی چیز مانع ہے؟ اس کے علاوہ صدقہ کرنا تو اس میں فائدہ ہی ہے کیونکہ صدقہ کرنا مستحسن ہے۔ کیونکہ نہی ضیافت کے بارے میں ہے نہ کہ صدقہ کے بارے میں۔ اسی طرح طحطاوی صفحہ: ۳۳۹: میں ہے کہ شارح کے قول وتکرہ الضیافۃ۔۔۔الخ کے بعد یعنی اہلِ میت کی ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ بزازیہ میں ہے کہ پہلے اور تیسرے دن کھانا پکانا، ہفتہ کے بعد، مقبرہ میں طعام کا لے جانا مواسم میں، قرأت قرآن کے موقع پر دعوت، قرّاء، صلحاء کو ختم قرآن کے لئے جمع کرنا، سورۃ الانعام، سورۃ الاخلاص وغیرہ کی تلاوت یہ مکروہ ہے۔ لیکن برہان حلبی نے لکھا ہے کہ یہ بات اعتراض سے خالی نہیں۔ کیونکہ کراہت کی کوئی دلیل نہیں بغیر جریر کی حدیث کے جو پہلے گزر چکی ہے۔ جس میں ہے کہ ہم میت کے لئے جمع ہونا اور کھانا پکانے کو نیاحت کی طرح مکروہ جانتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جاہلیت کا فعل کراہت پر اس وقت دلالت کرتا ہے جب موت کے وقت ہو فقط نہ کہ دفن کے وقت اور مرنے کے بعد ہو۔ اس کے علاوہ اس کے مقابل وہ روایت ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ جنازے کے ساتھ گئے اور جب ہم واپس آئے تو میت کی بیوہ کی طرف سے بلاوا آیا اور کھانا لایا گیا۔۔۔الخ یہ حدیث میت کے اہل کی طرف سے کھانے پر اور دعوت پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ بات بزازیہ میں کتاب الاستحسان سے ذکر کی گئی ہے۔ اور اگر فقراء کے لئے طعام (کھانا) پکایا تو حسن (یعنی اچھا) ہے۔ لیکن اگر ورثاء میں نابالغ ہو تو پھر یہ میراث میں سے نہیں دیا جاسکتا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ دَور میں ایسے لوگ بیٹھتے ہیں جو ایجاب و قبول کا علم نہیں رکھتے تو میت کے اولیا، یا اس عالم یا امام پر لازم ہے کہ یہ تمیز کرے کہ کون اہل و لائق ہے اور کون اہل نہیں ہے۔ لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں اور یہ بات کئی بار مشاہدہ میں آئی ہے۔ ہم نے تو مردہ کے نفع کے لئے پروگرام بنایا ہے تو ایسا کام ہونا چاہئے کہ اس کو نفع پہنچے۔ اور جو کام بھی صحیح طریقے سے ہو اس میں فائدہ ہوتا ہے۔ مگر لوگ غفلت کرتے ہیں اور کھرے کھوٹے میں تمیز نہیں کرتے۔ لہٰذا اس کام میں احتیاط واجب ہے اور صحیح راستہ طلب کرنا چاہئے تاکہ کام بھی صحیح ہو۔[268]

بس کنم خود زیرکان را ایں بس است

فصل در بیان فرضیتِ علم تصوف

مسئلہ علم تصوف کی فرضیت کا بیان

بعض علماء فرضیتِ طلبِ علمِ تصوّف سے انکار کرتے ہیں حالانکہ علمِ باطن اور علم تصوف کا حصول فرض عین ہے۔ تمام بڑے ائمہ کرام اور صوفیاء کرام اس علم کے حصول سے مشرف ہوئے۔ بہت سی احادیث مبارکہ سے بھی علمِ باطن ثابت ہے۔ اور اولیاء کرام نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے۔ علمِ تصوف نصوص قطعیہ سے ثابت ہے لہٰذا اس کا طلب کرنا فرض عین ہے۔

جیسا کہ تفسیر مظہری میں لکھا ہے:

واما لعلم اللدني فی الذي یسمون أهلها بالصوفیة الکرام فهو فرض عین لان ثمراتها تصفیه القلب عن الاشتغال بغیر الله تعالی و اتصافه بدوام الحضور و تزکیة النفس عن رذائل الأخلاق من العجب و الکبر و الحسد و حب الدنیا و الکسل فی الطاعات و إیثار الشهوات و الریاء و السمعة و غیر ذلک و تجلیتها بکرام الأخلاق من التوبة و الرضا بالقضاء و الشکر علی النعماء و الصبر علی البلاء و غیر ذلک و لا شک ان هذه الأمور محرمات و فرایض علی

[268] (البصائر ص ۲۰۲ تا ۲۱۸)

کل بشر أشد تحريما من معاصی الجوارح وأهم افتراضا من فرائضها فالصلوة والصوم وشیءمن العبادات لا یعبأبشیءمنها مالم تقترن بالإخلاص والنیةقال رسول الله صلّی الله علیه وسلم ان الله لا یقبل من العمل الا ما کان له خالصا وابتغی به وجهه رواه النسائي عن ابی امامة وقال علیه السلام ان الله لا ینظر الی صورکم وأموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم- رواه مسلم عن ابی هریرة وکل مایترتب علیه من الفروض الأعیان فهو فرض عین والله اعلم۔

ترجمہ: ”اور علم لدنی جس کے حاملین صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے مسمی ہیں، کا طلب کرنا فرض عین ہے کیونکہ اس علم کا ثمرہ یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ تعالیٰ کے اشتغال سے دل صاف ہو جائے اور دوام حضور سے متصف ہو جائے اور نفس بھی اخلاق رذیلہ سے صاف ہو جائے، مثلاً خود پسندی، تکبر، حسد، محبت دنیا، طاعات میں سستی، شہوات نفسانی کو پسند کرنا، ریاکاری، سمعہ وغیرہا، نیز نفس اخلاق حمیدہ سے متصف ہوجائے مثلاً توبہ کرنا، نعمتوں پر شکر کرنا، مصائب پر صبر کرنا وغیرہ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ اخلاق رذیلہ ہر بشر مکلف پر جوارح کے محرمات سے اشد محرمات ہیں اور مذکورہ فرائض ہر بشر مکلف پر جوارح کے فرائض سے اشد ہیں کیونکہ نماز، روزہ اور دوسری عبادات اس وقت تک معتد بھا اور مقبول نہیں ہیں جب تک کہ اخلاص دل اور صدق نیت ان کے ساتھ شامل نہ ہو۔ حضور اقدس افرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول فرماتا ہے جو کہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ہو اور اس عمل سے مقصود رضائے خداوندی کا طلب کرنا ہو۔ نیز حضور اکرم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔“[269]

[269] (مظھری ج۴سورۃتوبہ، ص ۳۲۴)

فصل دربیان مسئلہ
بعض سنتوں کو بدعت کہنا

بعض علماء، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سُنتوں کو بدعت کہتے ہیں۔ مثلاً کسی نے عمامہ شریف باندھا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بدعتیوں کا شعار ہے۔ افسوس صد افسوس ہے ان لوگوں پر جو عمامہ شریف کو بدعتیوں کا شعار کہتے ہیں۔ حالانکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پگڑی (عمامہ شریف) کے بارے میں ان الفاظ (باب ما جاء فی عمامۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ایک مستقل باب باندھا ہے۔[270]

اور میں حیران اس بات پر ہوں کہ یہ لوگ سنت کسے کہتے ہیں۔ ان اہلِ ھواء کا یہ طریقہ ہے کہ قرآن کریم میں جو آیات مشرکین کے حق میں نازل ہوئی ہیں اُن کو صادق اور صحیح العقیدہ مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ اور جہاں بتوں کا ذکر آتا ہے وہاں وہ اولیائِ کرام پر چسپاں کرتے ہیں جو کہ پہلے خوارج کا طریقہ تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس طرف اپنے اس اثر کے ذریعے اشارہ کیا ہے:

وکان ابن عمر رضی اللہ عنہ یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الیٰ آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین۔[271]

فصل دربیان مسئلہ
یارسول اللہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کہنا

بعض علماء ندائِ انبیائِ کرام علیہم السلام بالخصوص ندائِ یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو شرک کہتے ہیں حالانکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شعار تھا۔

---

[270](شمائل ترمذی ص ۸)

[271](بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۴ باب قتال الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ)

جیسے حافظ ابن کثیر اپنی شہرہ آفاق تصنیف میں صحابہ کرامث کا معمول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثمّ نادیٰ بشعار المسلمین و کان شعارھم یومئذٍ یا محمداہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ و اصحابہ وَ سلّم۔[272]

اس روایت کو علامہ ابن اثیر نے بھی اپنی کتاب "الکامل فی التاریخ" ص۲۴۶ (مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت) میں ذکر کی ہے۔

لکھتے ہیں:

ثم برز خالد و دعا الی البراز و نادیٰ بشعارھم و کان شعارھم یا محمداہ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ و اصحابہ وَ سلّم فلم یبرز الیہ احد الا قتلہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جنگ کے وقت یا محمداہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم کہنے کا معمول تھا۔ کیونکہ ابن کثیر و ابن اثیر نے اس کو شعار المسلمین یعنی مسلمانوں کی علامت فرمایا ہے۔

بنسا کی جنگ میں ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سخت مشکل میں گرفتار ہوگئے۔

و کان شعار المسلمین تلک اللیلة ینادون یا محمد یا محمد ایا نصر اللّٰہ انزل۔ (فتوح الشام)

اس روایت سے ثابت ہوا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شعار یہ تھا کہ یا محمد صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم کے الفاظ سے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم کو پکارتے تھے۔ اور نصر اللہ انزل کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے تھے۔ شعار اس لفظ کو کہتے ہیں جس کو فوج

---

272 (البدایة والنہایة ص ۳۲۹ ج ۶)

اپنے درمیان مقرر کرتی ہے تاکہ دوست اور دشمن کے درمیان فرق ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ جو یا محمداہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کہے اسے مسلمان مانا جائے گا۔ اور جو یہ نہ کہے وہ مرتد اور کافر ہو گا۔[273]

شعار یعنی یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نشانی تھی۔ اسی طرح آج جو بھی لوگ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا محمداہ کہتے ہیں تو وہ صحیح اہلسنت والجماعت ہیں۔ اور مخالفت کرنے والے گمراہ کافر بے دین ہیں۔ اور بعض تو "یارسول اللہ" کہنے کو زنا سے بھی بدتر کہتے ہیں جیسے منیر شاکر زندیق نے کہا ہے۔ حالانکہ نداء خصوصاً فی الجھاد الی الغائب اور نداء الی الرسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَسلَّم لطلب المعونۃ الروحانی باذن اللہ تعالیٰ اور بوجہ عشق و محبت آداب کے دائرہ میں (بمع درود شریف) جائز ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ہم نے نداء "یارسول اللہ" پر ۳۱۳ دلائل پیش کیے ہیں۔

دلیل نمبر ا:

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یا ایھا الرسول، یا ایھا النبی۔ یعنی اے رسول، اے نبی ﷺ کے ذریعے ندا کی گئی ہے اور جو کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے وہ شرک نہیں ہوتا کیونکہ قرآن پاک شرک کی تعلیم نہیں دیتا۔

---

273 (قاموس ص ۲۸، صراح ص ۱۸۷، لغات الحدیث ص ۵۸، لغات عربی مختار الصحاح ص ۳۳۹، المنجد ص ۵۳۰، مفردات ص ۵۴۱)

دلیل نمبر ۲:

پارہ چوبیس (۲۴) سورہ زمر آیت نمبر ۳۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قیامت تک پیدا ہونے والی تمام امت کو آپ ﷺ نے "یا عبادی" کہہ کر مخاطب فرمایا ہے لہٰذا اس کے جواب میں امتی "یا رسول اللہ ﷺ" کہہ سکتے ہیں۔ نہ وہ شرک تھا اور نہ یہ شرک ہے۔

دلیل نمبر ۳:

پارہ نمبر ۱۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنے درمیان اس طرح مخاطب نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کر کے آواز دیتے ہو۔[274]

اس آیت کی تفسیر میں سعید بن جبیر اور مجاہد نے فرمایا:

"قولوا یا رسول اللہ فی رفق و لین و لا تقولوا یا محمّد بتجھم"۔[275]

جس طرح تم لوگ ایک دوسرے کو نام لے کر سخت لہجے میں پکارتے ہو اس طرح حضور ﷺ کو مت پکارا کرو بلکہ آپ ﷺ کی صفات کا ذکر کر کے نہایت ادب و نرمی سے یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر پکارا کرو۔

دلیل نمبر ۴:

ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور مفسر صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ھٰذا فی حیاتہ و کذا بعد وفاتہ فی جمیع مخاطباتہ"۔[276]

---

[274] (سورۃ النور ۲۴، آیت نمبر ۶۳)

[275] (تفسیر قرطبی، ص ۲۲۲، ج ۱۲)

[276] (شرح الشفاء، ص ۳۸۶، ج ۳، تفسیر صاوی، ص ۱۴۹، ج ۳)

یہ حکم آپ ﷺ کی ظاہری زندگی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کا نام مبارک انتہائی ادب سے لینا ضروری ہے۔

دلیل نمبر ۵:

يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ (البقرة ٣٣)

یعنی اے آدم علیہ السّلام انھیں تمام اشیاء کے نام بتادیجئے۔

دلیل نمبر ٦:

يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (البقرة ٣٥)

اے آدم علیہ السّلام آپ اور آپ کی زوجہ جنّت میں رہیئے۔

دلیل نمبر ۷:

يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ (هود ٤٨)

اے نوح علیہ السّلام ہماری طرف سے سلامتی اور برکت کے ساتھ کشتی سے اتر جائیں۔

دلیل نمبر ۸:

يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (القصص ٣٠)

اے موسیٰ علیہ السّلام بے شک میں تمام جہانوں کا پالنے والا ہوں۔

دلیل نمبر ۹:

يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ (هود ٧٦)

اے ابراہیم علیہ السّلام اس سے اعراض فرمایئے۔

دلیل نمبر ۱۰:

يَاعِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيکَ وَرَافِعُکَ إِلَيَّ (آل عمران ۵۵)

اے عیسیٰ علیہ السّلام میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤ نگا اور تجھے اپنی طرف اٹھائونگا۔

دلیل نمبر ۱۱:

پارہ اٹھارہ (۱۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ (الأعراف ۴۶)

یعنی اعراف والے جو مشرک نہ ہونگے بلکہ موحد ہونگے جنّتیوں کو کہیں گے تم پر سلامتی ہو۔

اس سے بڑھ کر "السّلام علیک یا رسول اللہ" کہنا ثابت ہوا۔

دلیل نمبر ۱۲:

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہر زمانے میں ہر نمازی کو اس طرح سلام عرض کرنے کا حکم فرمایا۔ "السَّلام علیک ایّھا النّبی" اے اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپ پر سلامتی ہو۔[277]

دلیل نمبر ۱۳:

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب بھی کسی درخت یا پتھر کے پاس سے گزرتے تو وہ بلند آواز سے "الصَّلوٰۃ والسَّلام علیک یا رسول اللہ" کہتا۔[278]

---

[277] (مشکوٰۃ شریف، ص ۸۵)

[278] (سیرت حلبیہ ص ۲۱۴ ج ۱، مشکوٰۃ ص ۵۴۰)

دلیل نمبر ۱۴:

آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی سواری گم ہو جائے تو وہ بلند آواز سے پکارے "یاعباداللہ احبسوا"۔[279]

دلیل نمبر ۱۵:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی غیر آباد علاقے (اجنبی جگہ) میں کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ وظیفہ پڑھے: "اعینونی یاعباداللہ" اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔[280]

چونکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں اس لیے یا رسول اللہ ﷺ کہہ کر ان سے مدد طلب کرنا بطریق اولیٰ جائز و ثابت ہوا۔

دلیل نمبر ۱۶:

صحابی رسول ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دوسرے صحابی کو وظیفہ "یا محمّد ﷺ" سکھایا جو حاجت مند تھا جب انہوں نے اس وظیفے پر عمل کیا تو خلیفہ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً انکی حاجت پوری کر دی۔[281]

---

[279] (حیاۃ الحیوان ص ۱۹ ۳ ج ۱، البصائر ص ۱۵۱ المولوی حمداللہ دیوبندی، الرسائل الستہ فی المسائل الستّہ ص ۵۲، صواعق الھیہ ص ۳۵)

[280] (نزل الابرار ص ۳۳۵، المولوی وحیدالزمان غیر مقلد، تسکین الصدور ص ۳۳۴، اثبات الاغراض ص ۶۵ (مولوی شیخ القرآن شائستہ گل رحمتہ اللہ علیہ، سماع البعید ص ۱۰۹، روح البیان ص ۱۰۱۷ ج ۲، سُنن الھدٰی ص ۴۶۴)

[281] (انجاح الحاجۃ ص ۱۰۰، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۴۳۸ ج ۲، اثبات الاغراض ص ۷۶)

دلیل نمبر ۱۷:

ابن حنیف رضی اللہ عنہ اور انکے صاحبزادے رضی اللہ عنہ (یعلمون الناس) لوگوں کو وظیفہ یا محمّد ﷺ کی تعلیم دیتے تھے۔[282]

دلیل نمبر ۱۸:

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص روضہء نبوی ﷺ پر حاضر ہو تو وہ یوں سلام عرض کرے:"السلام علیک ایّھا النبی"۔[283]

دلیل نمبر ۱۹:

ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ان الفاظ سے سلام عرض کرتے تھے:

"السلام علیک یا رسول اللہ"۔[284]

دلیل نمبر ۲۰:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"یا اُمّۃ محمّد واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیراً"۔[285]

یعنی اے محمّد ﷺ کی امت خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں اگر تم اسے جانتے تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

282(نسیم الریاض ص ۱۱۴ ج ۳)
283(انوار محمّدیہ ص ۲۰۰)
284(انوار محمّدیہ ص ۲۰۰)
285(مشکوۃ شریف ص ۱۳۰)

اس حدیث مبارکہ میں تمام امت کو خطاب ہوا ہے لہٰذا تمام امتی بھی آپ ﷺ کو "یا رسول اللہ" کے ساتھ خطاب کرسکتے ہیں۔ نہ وہ کفر تھا اور نہ یہ کفر ہے۔

دلیل نمبر ۲۱:

"یا ابا بکر انّ اللہ سماک الصّدیق"۔[286]

اے ابو بکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام صدیق رکھا ہے۔

دلیل نمبر ۲۲:

تبلیغی جماعت کے قائد اور دیوبندی مسلک کے ممتاز عالم مولوی زکریا لکھتے ہیں۔ میرے خیال میں اگر درود اور سلام دونوں یکجا ہو جائیں تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ یعنی "السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا نبی اللہ" وغیرہ کی جگہ اگر "الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ، الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا نبی اللہ" آخر تک پڑھا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔[287]

دلیل نمبر ۲۳:

مجاھد حق گو، فاضل العصر، کامل الدھر، صادق الاحوال عاشق الرحمٰن والرسول حضرت مولانا الحاج محمّد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سبحان ربی الاعلیٰ میں لکھا ہے کہ:

تکیہ دھمہ بے کسانو لاس را کڑہ ولاڑ پہ کمر یا رسول اللہ یم

پہ مخ ستامِ ستا شفاعت شہ نصیب لائق دسقر یا رسول اللہ یم

اسی طرح تمام نعتیہ کلام اس کتاب میں ہے جس میں یا رسول اللہ ﷺ کہا گیا ہے۔

---

[286](کنز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

[287](فضائل درود شریف ص ۲۷)

دلیل نمبر ۲۴:

"لاتتّخذو اھم غرضا من بعدی"۔[288]

میرے بعد میرے صحابہ (کرامؓ) کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنانا اس حدیث شریف میں "الخطاب للحاضرین فی الذھن ممن یجئی بعدہٗ" قیامت تک پیدا ہونے والوں کو ذہن میں حاضر رکھ کر خطاب کیا ہے جو لوگ ابھی تک پیدا نہیں ہوئے ان کو ذہن میں حاضر رکھ کر خطاب کرنا درست ہے۔ لٰہذا دونوں جہانوں کے سردار، شاھد اعظم ﷺ کو روحانی طور پر حاضر ماننا اور انھیں یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا اور نداء کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۲۵:

آپ ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو بینائی کے لئے یہ وظیفہ سکھایا "یا محمّد انّی اتوجّہ بک الی ربّک" اے محمّد ﷺ، میں آپ ﷺ کے وسیلے سے آپ ﷺ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔[289]

دلیل نمبر ۲۶:

بانی دارالعلوم دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ:

کروڑوں جرم کے آگے یہ نام کا سلام — کرے گا یا نبی اللہ میری یہ کیا پکار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا — نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار[290]

---

[288](مشکوۃ ص ۵۵۴)
[289](ابن ماجہ ص ۱۰۰، شفاء ص ۲۱۲ ج ۱)
[290](البصائر ص ۵۰، بحوالہ الشھاب الثاقب) (قصائد قاسمی از مولوی محمد قاسم نانوتوی مکتبہ رشیدیہ دھلی ص ۸)

دلیل نمبر ۲۷:

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یارسول اللہ ﷺ شفاعت از تومیدارم امید　　　باوجود صد ہزاراں جرم درروز جزا[291]

دلیل نمبر ۲۸:

حسن السنجری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کعبۂ دل قبلۂ جان یارسول اللہ توئی　　　سجدہ مسکین حسن ہر لحظہ باداسوئے تو[292]

دلیل نمبر ۲۹:

حضرت محمّد بن سالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی طرف پاپیادہ گیا جب راستے میں کمزوری پیدا ہوئی تو میں نے عرض کی: "انا فی ضیافتک یا رسول اللہ"۔[293]

دلیل نمبر ۳۰:

ایک مرتبہ احمد بن محمّد رحمۃ اللہ علیہ کنویں میں گر گئے انہوں نے "یا حبیبی یا محمّد" کہا تو فوراًباہر نکل آئے۔[294]

دلیل نمبر ۳۱:

"یا ابا بکر هذا جبرئیل یقرئک من اللہ السّلام"۔[295]

---

[291](بحوالہ البصائر ص ۷۷ مولوی حمداللہ دیوبندی)

[292](بحوالہ البصائر ص ۷۷ مولوی حمداللہ دیوبندی)

[293](حجۃ اللہ ص ۱۵)

[294](حجۃ اللہ ص ۱۵۴ ج ۲)

[295](کنوزالحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

اے ابو بکر یہ جبریل علیہ السلام آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام کہتے ہیں۔

دلیل نمبر ۳۲:

"یااباد وس ایاک و مشاورۃ النساء"۔[296]

اے ابو دوس عورتوں کے مشورے سے بچتے رہنا۔

دلیل نمبر ۳۳:

"یااباذر انّہ لایضر من الدنیاما کان للاخرۃ"۔[297]

اے ابوذر رضی اللہ عنہ دنیا کی کوئی چیز بھی آخرت کیلئے مضر (نقصان دہ) نہیں۔

دلیل نمبر ۳۴:

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے مردہ کو دعائیہ صورت میں اس انداز سے پکارنا جائز لکھا ہے:

"ویقول یاسیدی احمد بن علوان ان لم ترد علیَ ضالتی لنزعتک من دیوان الاولیاء فان اللّٰہ یرد علی من قال ذلک ضالۃ ببرکتہ"۔[298]

حاصل عبارت یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی چیز گم ہو جائے اور اس کا ارادہ ہو کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ واپس کر دے تو اسے چاہیئے کہ بلند جگہ پر قبلہ رو کھڑا ہو کر سورۃ فاتحہ پڑھ کر آپ ﷺ کی روح مبارک کو اور پھر سیّد احمد بن علوان کی روح مبارک کو بخش دے اور مذکورہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کی گمشدہ چیز کو واپس فرما دیگا۔ اگر مردے کو آواز دینا یعنی پکارنا منع (ناجائز) ہوتا تو علّامہ شامی یہ کیوں نقل فرماتے۔

---

[296](کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)
[297](کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)
[298](شامی مصری ص ۳۳۴ ج ۳، جاء الحق ص ۱۹۹، اعلام المومنین ص ۵۳ لمولوی سید احمد شاہ دیو بندی)

دلیل نمبر ۳۵:

کثیر بن محمد کسی مرض میں مبتلا تھے۔ حکیم نے کہا کہ اس مرض کی کوئی دوا نہیں ہے۔ انہوں نے "یا محمد انّی اتوجه بک الی ربّک۔" پڑھا تو بالکل تندرست ہو گئے۔[299]

دلیل نمبر ۳۶:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی اذان سنتے اور اس میں حضور پُر نور ﷺ کا اسمِ مبارک سنتے تو دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھتے اور پڑھتے "قرة عینی بک یا رسول اللہ"۔[300]

دلیل نمبر ۳۷:

بہت سے مشائخ کرام کا یہ معمول ہے کی وہ جب بھی آپ ﷺ کا نام پاک سنتے تو:

"صلّی اللہ علیک یا سیّدی یا رسول اللہ" پڑھتے۔[301]

دلیل نمبر ۳۸:

حضرت مجدد الف ثانی امام ربّانی قدس سرّہ دونوں انگوٹھے چوم کر "قرّة عینی بک یا رسول اللہ" پڑھتے۔[302]

---

[299] (حجۃ اللہ ص ۹ ۱ ۴ ج ۲)

[300] (روح البیان ص ۲۲۹ ج ۷، جلالین ص ۳۵۷ بر حاشیہ نمبر ۱۳)

[301] (مقاصد حسنہ ص ۳۸۴، ص ۳۸۵)

[302] (جواھر مجددیہ ص ۵۲)

دلیل نمبر ۳۹:

سیّدنا حمزہ اور سیّدنا جعفر رضی اللہ عنھما فرمایا کرتے تھے کہ "لا الٰہ الاّ اللہ" کے بعد سب سے بہترین وظیفہ "الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ" ہے۔[303]

دلیل نمبر ۴۰:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن کعبہ شریف میرے روضہ مُطہرہ پر حاضر ہو کر السلام علیک یا محمّد ﷺ کہے گا اور میں اس کے جواب میں وعلیک السلام یا بیت اللہ کہوں گا۔[304]

دلیل نمبر ۴۱:

کنز العباد میں ہے کہ آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی یارسول اللہ کہنا مستحب ہے۔[305]

دلیل نمبر ۴۲:

"انا جلیس من ذکرنی"۔

مجھے جہاں بھی یاد کیا جاتا ہے میں وہاں موجود ہوتا ہوں۔[306]

دلیل نمبر ۴۳:

"من قال عشرۃ مرۃ الصلوٰۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ فکانما اعتق رقبۃ"۔

---

[303](افضل الصلوٰۃ للنبھانی ص ۱۱۰)
[304](تفسیر عزیزی فارسی سورۂ بقرہ ص ۴۶۳)
[305](طحطاوی ص ۱۱۱، شامی ص ۲۹۳ ج ۱)
[306](سعادۃ الدارین ص ۴۵۴، مدارج النبوۃ ص ۵۷۰ روح البیان ص ۳۳۵ ج ۲)

یعنی جس نے دس مرتبہ الصّلٰوۃ والسّلام علیک یارسول للہ پڑھا تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔(ان شاء اللہ)[307]

دلیل نمبر ۴۴:

مولوی حسین احمد دیوبندی نے لکھا ہے:

"الصّلٰوۃ والسَّلام علیک یارسول اللہ وجملۃ الصور للصّلٰوۃ ولو بخطاب ونداء عند علمائنا مستحب مستحسن"۔[308]

دلیل نمبر ۴۵:

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

" واحضر فی قلبک النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وشخصہ الکریم و قل السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ولیصدق املک فی انہ یبلغہ ویرد علیک ماھو اوفی منہ"۔

یعنی اپنے دل میں آپ ﷺ کو حاضر رکھو اور انکی سراپا نور شخصیت کا تصور کرو پھر کہو **السلام علیک ایّھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**۔ اور یہ یقین رکھو کہ میرا اسلام آپ ﷺ تک پہنچتا ہے اور آپ ﷺ جواب عنایت فرماتے ہیں۔[309]

دلیل نمبر ۴۶:

حضرت آدم علیہ السلام بروز قیامت بلند آواز سے فرمائیں گے:

"یا احمد یا احمد ھذا رجل منطلق بہ الی النارّ"۔[310]

---

[307](بحوالہ نسیم الریاض ص ۴۹۳ ج۳، المدارج السنیّہ ص ۵)

[308](الشھاب الثاقب ص ۶۵)

[309](احیاء العلوم ص ۱۶۹ ج ۱، عمدۃ القاری ص ۱۱۱ ج ۶، مواھب لدنیہ ص ۳۲ ج۲، سعایہ ص ۲۲۷ ج ۱، حجۃ السّالکین فی ردالمنکرین ص ۹۷)

[310](القول البدیع ص ۱۲۳)

اے احمد اے احمد (ﷺ) اس آدمی کو جہنم کی طرف لے جایا جارہاہے۔

دلیل نمبر ۴۷:

جب آپ ﷺ نے مدینہ منوّرہ کی طرف ہجرت فرمائی تو مدینہ منوّرہ کے لوگ چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے بچیاں گلیوں میں گھوم کر یہ نعرہ "ینادون یامحمّدیا رسول اللہ" بار بار لگاتے۔[311]

دلیل نمبر ۴۸:

صالح بن شوشا فرماتے ہیں کہ ہم کشتی میں سوار تھے کہ دشمن کے جہاز نے ہمارا تعقب (پیچھا) کیا قریب تھا کہ ہماری کشتی ڈوب جاتی کہ میں نے عرض کیا:

"یامحمّد ﷺ نحن فی ضیافتک الیوم یارسول اللہ"۔[312]

یعنی یارسول اللہ ہم آج آپ ﷺ کے مہمان ہیں اچانک دشمن کے جہاز کا بادبان پھٹ گیا اور ہم خیریت سے تیونس پہنچ گئے۔

دلیل نمبر ۴۹:

محمّد بن محمود کو کبھی کبھی بخار آتا تھا انہوں نے ایک دن کتاب الشفاء کو سینے پر رکھا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم نے آپ ﷺ پر تکیہ کیاہے تو فوراً بخار ختم ہو گیا۔[313]

دلیل نمبر ۵۰:

سید العشاق، رئیس مداح سّیدنا محمّد ﷺ حاجی محمّد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

یارسول اللہ ! یۂ غم کبن ڈوب شو یاران تاپسے۔

---

[311](مسلم شریف ص ۴۲۹)
[312](حجۃاللہ ص ۶۱۴ ج ۲)
[313](حجّۃاللہ ص ۶۱۴ ج ۲)

یعنی اے اللہ کے محبوب! آپ کے سارے ساتھی آپ کے غم میں نڈھال ہو گئے ہیں۔

دلیل نمبر ۵۱:

ایک بزرگ سرکار دوعالم ﷺ کے مواجہ شریف میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یارسول للہ انّی جائع۔یعنی اے اللہ کے رسول ﷺ میں بھوکا ہوں ایک سیّد زادے آئے اور ان کو ساتھ لے گئے اور کھانا کھلایا پھر فرمایا کہ "اخی لو طلبت الجنہ او المغفرۃ او الرضاء "یعنی اے بھائی کاش کہ آپ شہنشاہ رسالت سے جنت، مغفرت یا رضا خداوندی مانگتے تو اچھا ہوتا۔[314]

دلیل نمبر ۵۲:

ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص بھی ستر ۷۰ مرتبہ صلّی اللہ علیک یا رسول اللہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بلند آواز سے کہتا ہے کہ تجھ پر بھی درود ہو آج تیری مراد پوری ہو گی۔[315]

دلیل نمبر ۵۳:

حضرت یامین بن محمد فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ سے وادی القراء پہنچے تو بھوک نے بہت ستایا ہمارے ساتھی نے عرض کیا یا رسول اللہ نحن جیا ع و نحن فی ضیا فتک یا رسول اللہ۔ یعنی یا رسول اللہ ﷺ ہم بھوکے ہیں اور آپ ﷺ کے مہمان ہیں تو فوراً مدینہ منوّرہ کی روٹیاں آئیں اور ہم نے تین دن تک تناول کیں۔[316]

---

[314](حجۃاللہ ص ۸۲۸ ج ۲)
[315](حجۃاللہ ص ۴۴ ، انوار محمدیہ ص ۱۰۲)
[316](حجۃاللہ ص ۸۲۹)

دلیل نمبر ۵۴:

حضرت جامع الشریعت والطریقت عالم باعمل مرشد اکمل حاجی محمد امین صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

یا محمدؐ عربی تا پسے بہ مرم تر کومہ	یعنی یا محمدؐ عربی آپ ﷺ پر کب تک مرتا رہوں گا
دَ ښکندن سلګئ بہ تا پسے وھم تر کومہ	یعنی آپ ﷺ کی جدائی میں نزع کی تکلیف کب تک سہتا رہونگا
دوانڑہ جہانہ چہ روخانہ کڑہ رب ستا لہ مخہ	یعنی دونوں جہاں کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے چہرے سے روشن کیا
ستا دھجران تورو تیرو کی بہ راگیر م تر کومہ	یعنی آپ ﷺ کے ہجر کی تاریکی میں کب تک رہوں گا
ما دوصال ساحل تہ ورسوہ للہ محبوبہ	یعنی مجھے للہ وصال کے ساحل تک پہنچاۓ محبوب ﷺ!
تریخ سمندر کی دَ ھجران بہ خکتہ ځم تر کومہ	یعنی ھجر کے ترش سمندر میں کب تک نیچے جاتا رہوں گا
کور دِزڑگی مِ شوروخانہ ستا د مخہ	یعنی میرے دل کا محل آپ کے شمع چہرہٗ سے روشن ہوا
لکہ پتنگ بہ پہ لمبو سر خونہ خورم تر کومہ	مانند یعنی پتنگ شعلوں پر کب تک گھومتا رہونگا

ترحّم اے دَ مدینے منورے مسیحا	یعنی اے مدینہ منورہ کے مسیحا رحم فرمایئے
پٹئ د صبر پہ زخم د زڑہ گدم تر کومہ	یعنی صبر کی پٹی دل کے زخم پر کب تک لگا تا رہوں گا
یو د ھجران بل دَ پاکستان غمونہ، یعنی	ایک ھجر کا غم اور دوسرا پاکستان کا غم
زہ محمد آمین بہ دادواڑہ زغمم تر کومہ	یعنی میں محمد امین ان دونوں کو کب تک برداشت کرتا رہوں گا[317]

دلیل نمبر ۵۵:

ایک پکڑے ہوئے ہرن نے فریاد کی "یا رسول اللہ ان لی اولاداً" اے اللہ کے رسول ﷺ میرے بچے بھوکے ہیں مجھے آزاد کیجئیے تا کہ میں انھیں دودھ پلا آؤں۔[318]

دلیل نمبر ۵۶:

حضرت ابوالخیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ اس حال میں پہنچا کہ میں نے پانچ دن سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کا مہمان ہوں پھر منبر رسول ﷺ کے پاس سو گیا۔ خواب میں زیارت رسول ﷺ ہوئی اور آپ ﷺ نے روٹی عنایت فرمائی میں نے فوراً کھانا شروع کر دی آدھی روٹی کھائی تھی کہ بیدار ہو گیا کیا دیکھتا ہوں کہ آدھی روٹی میرے ہاتھ میں ہے۔[319]

---

[317] (دستور جماعت ناجیہ صالحہ ص ۹)
[318] (القول البدیع ص ۱۴۸)
[319] (حجۃ اللہ ص ۸۲۸ ج ۲)

دلیل نمبر ۵۷:

شیخ بہاء الدین شطاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کشف الارواح کا ایک طریقہ یہ ہے کہ یا احمد دائیں طرف اور یا محمد بائیں طرف پھر دل پر یا رسول اللہ کی ضرب لگائے۔[320]

دلیل نمبر ۵۸:

مذاھبِ اربعہ کے محقق سیدی عبد الوھاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سادات کرام اپنے درمیان اختلاف شروع کرتے ہیں تو میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر یا رسول اللہ ﷺ کہتا ہوں اور ان کی اصلاح کیلیۓ دعا کرتا ہوں۔[321]

دلیل نمبر ۵۹:

سیدی عبد القادر الجزائری رحمۃ اللہ علیہ روضہ ءاقدس پر حاضر ہوۓ اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ کا غلام حاضر ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ کی بارگاہ کا ایک کتّا آپ کے روضے کی چوکھٹ پر کھڑا ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی ایک نظر کرم مجھے مایوسی سے مستغنی کر دیگی۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی مہربانی کی ایک جھلک بھی میرے لیے کافی ہو گی۔ تو روضہ ءانور سے آواز آئی کہ تو میرا بیٹا ہے اور میرے روضہ ءانور کی برکت اور اسکے سبب سے تو میرا منظورِ نظر ہے۔[322]

---

[320](اخبار الاخیار ص ۱۹۹ فارسی)

[321](لطائف المنن ص ۱۵ ج ۲)

[322](جامع کرامات الاولیاء ص ۲۱۸ ج ۲)

دلیل نمبر ۶۰:

بیروت کے ایک پریشان حال شخص کو علامہ یوسف نبہانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس طرح درود شریف سکھایا" اَللّٰھُمّ صلّ علٰی سیّدنا محمّد وعلٰی اٰل سیّدنا محمّد قلت حیلتی ادرکنی یا رسول اللہ"۔[323]

جب انہوں نے یہ درود شریف پڑھا تو مشکل حل ہو گئی۔

دلیل نمبر ۶۱:

سیّدنا علی الخواص رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آئمہ مجتہدین جب مسائل کا استنباط فرماتے تو کتابوں میں انھیں لکھنے سے پہلے بالمشافہ آپ ﷺ سے پوچھتے کہ:"یا رسول اللہ! قد فھمنا کذا من آیات کذا و فھمنا من قولک فی الحدیث الفلان کذا فھل تحبُّ"۔[324]

یعنی یا رسول اللہ ہم نے فلاں آیت یا حدیث سے فلاں مسئلہ مستنبط کیا ہے استنباط صحیح ہے یا غلط ؟ اور آپ کو پسند ہے یا نہیں؟ اس کے بعد جو حکم آپ ﷺ فرماتے اس کے مطابق عمل کرتے۔

دلیل نمبر ۶۲:

مخدوم جہاں سیّد جلال بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے اوراد و وظائف میں یہ درود شریف بھی داخل ہے:"الصّلٰوۃ السّلام علیک یا نبی اللہ"۔[325]

---

[323](جواھر البحار ص ۳۵۴ ج ۲)
[324](المیزان الکبریٰ ص ۴۳)
[325](جواھرِ خمسہ اردو ص ۱۰۲)

دلیل نمبر ۶۳:

طریقہء شطاریہ کے بزرگوں کے اوراد میں یہ بھی داخل ہے:
"نادعلیّا مظہر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب کل ھمّ وغم سینجلی بنبوتک یا محمّد و بولایتک یاعلی یاعلی یاعلی"۔[326]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آواز دو جو مظہر عجائبات ہیں تو تم انکو اپنے تمام غم اور تکالیف میں مددگار پاؤگے۔ آپ ﷺ کی نبوت کے وسیلے سے یارسول اللہ ﷺ اور آپ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولایت کے وسیلے یاعلی یاعلی یاعلی تمام مصائب ختم ہوجائیں گے۔

دلیل نمبر ۶۴:

دونوں جہان کے سردار، محبوبِ کبریا ﷺ نے فرمایا کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو دو فرشتے لوگوں کو یا ایھا النّاس سے مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں "ماقل و کفی خیر ممّا کثیر و الھی" تھوڑا مگر کافی مال (جو کفایت کرے) بہتر ہے اس زیادہ مال سے جو اللہ تعالیٰ سے غافل کردے۔[327]

جب اتنی دور سے "یا ایھا النّاس" کہنا شرک نہیں تو یارسول اللہ کہنا کیسے شرک ہوسکتا ہے۔ پھر اگر تمام انسان یہ آواز نہیں سنتے مگر انسانیت کی روح حضرت محمّد مصطفیٰ ﷺ تو ضرور سنتے ہیں اس لیے کہ آواز سنانے کیلئے اور منادیٰ (جسے پکارا جائے) کو متوجّہ کرنے کیلئے ہوتا ہے۔[328]

---

[326](جواھرِ خمسہ ص ۲۸۲)
[327](حلیۃ الاولیاء ص ۲۲۶ ج ۲)
[328](شرح جامی ص ۹۶)

دلیل نمبر ۶۵:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فرشتے کو ساری مخلوقات کی آواز سننے کی طاقت بخشی گئی ہے۔ وہ قیامت تک درود شریف سنے گا اور عرض کرے گا یا محمدؐ ﷺ فلاں بن فلاں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں نذرانۂ درود شریف پیش کیا ہے۔[329]

جب آپ ﷺ کے نور مبارک سے پیدا شدہ فرشتہ دور و نزدیک سے اگرچہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ سنتا ہے اور درود شریف پڑھنے والے اور اسکے آباء و اجداد کے نام جانتا ہے تو خود آپ ﷺ کیلئے ان اوصاف کو ثابت کرنا اور ماننا کیسے شرک ہو سکتا ہے۔

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان　　　　کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

سوال: اپنی حاجت بیان کیے بغیر صرف یارسول اللہ (ﷺ) کہنا کیسے جائز اور ثابت ہے؟

جواب: یارسول اللہ (ﷺ) اور یا اللہ اور دیگر نعروں میں محاورہ کے ساتھ سوال متضمن (پوشیدہ) ہے۔ اپنا مقصد لفظوں میں بیان کرنا اور نہ کرنا دونوں درست ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی حاجت مند اپنے مخدوم کو یا کریم، یا نفّاع، یا کریم، یا رحمٰن سے مخاطب کرے تو اس کا معنٰی یہ ہے کہ مجھ پر کرم فرما، نفع عطا فرما اور رحم فرما کیونکہ یہ **"ھٰذہ الاذکار جاریۃ مجری السوال"** یعنی یہ الفاظ اور آواز سوال کے قائم مقام ہیں۔[330]

بناء بریں ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مقصد کو بیان کیے بغیر بار بار یارسول اللہ (ﷺ) کہا اور اپنی حاجت روائی کی۔[331]

---

[329] (شفاء السّقام ص ۴۶، القول البدیع ص ۱۲، جلاء الافہام ص ۵۲)
[330] (تفسیر کبیر ص ۱۵۱ ج ۱، طبع جدید)
[331] (بخاری شریف ص ۳۶۶)

اسی طرح ایک دفعہ انصاری رضی اللہ عنہ نے یارسول اللہ کہا تو ان کا مقصد پورا ہو گیا۔[332]

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لوگ اپنی حاجت کا ذکر نہیں کرتے تھے بلکہ صرف "یاامیر المؤمنین" پر اکتفاء کرتے تھے۔[333]

رئیس النحاۃ مولانا عبد النبی فرماتے ہیں کہ یا محمد ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ بیا کہ من مشتاق توام۔ اے محمد ﷺ آیئے کہ میں آپ کے دیدار کا شوق رکھتا ہوں۔[334]

عارف ملا جامی نے شرح جامی ص ۹٦ میں یہ فرمایا ہے: **"فالحمد اللہ علیٰ ذالک"۔**

دلیل نمبر ٦٦:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

" مرّ النبی ﷺ بقبور بالمدینة فاقبل علیهم بو جهه فقال السلام علیکم یا اهل القبور یغفر اللّٰه لنا و لکم انتم سلفُنا و نحن بالأثر "۔[335]

" رفع النداء باعلی الصوت فی اثبات یا رسول اللّٰه بعد الموت " ص ۷ (لمولوی شیخ طریقت علی محمد البلخی رحمته اللّٰه علیه)

آپ ﷺ کا مدینہ منورہ کی قبروں پر سے گزر ہوا تو آپ ﷺ انکی طرف متوجہ ہوئے اور رفرمایا اے اھل قبور تم پر سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمھیں معاف فرمائے۔ آپ ہم سے پہلے گزر گئے ہیں ہم پیچھے (بعد میں) آنے والے ہیں۔

---

[332] (بخاری شریف ص ۲۷۲، ۲۷۳ ج ۱)
[333] (بخاری شریف ص ۴۳۰ ج ۱)
[334] (جامع الغموص ص ۲۲ ج ۱)
[335] (مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

دلیل نمبر ٦٧:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن مختلف لوگ حاضر ہونگے اور "اغثنی یا رسول اللہ" عرض کرینگے۔[336]

دلیل نمبر ٦٨:

مشہور حدیث میں ہے کہ جب لوگ تمام انبیاء علیہم السّلام کے بعد آپ ﷺ کی بارگاہ میں قیامت کے دن حاضر ہونگے تو یا محمّد ﷺ کہہ کر شفاعت کی درخواست کریں گے۔[337]

غلامان احمد مختاریوں پہچانے جائیں گے   کہ محشر میں بھی ہوگا انکا نعرہ یارسول اللہ ﷺ

دلیل نمبر ٦٩:

"وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون"۔[338]

ہم آپ کی جدائی میں اے ابراھیم (ضرور) غمگین ہیں۔

دلیل نمبر ٧٠:

اکابر علماء دیوبند حکیم الامت مولوی تھانوی صاحب لکھتے ہیں۔

دستگیری کیجئے میرے نبی ﷺ   کشمکش میں تم ہی میرے ولی
میں ہوں بس اور آپ کا دیار یار سول اللہ ﷺ   ابر غم گھیرے نہ پھر مجھ کو کبھی[339]

---

[336](مشکوٰۃ شریف ص ۱۴۹)
[337](مسلم شریف ص ۱۱۱ ج ۱)
[338](مشکوٰۃ ص ۱۰۵ ج ۱)
[339](نشر الطیب ص ۱۴۵)

دلیل نمبر ۱ے:

حضرت علامہ شمس العلماء سیدی جمال مکی حنفی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

"سئلت عمن یقول فی حال الشدائد یا رسول اللہ یا علی، یا شیخ عبد القادر جیلانی مثلاً هل هو جائز شرعا ام لا فاجبت نعم الاستغاثه با لاولیاء و نداء هم و التو سل بهم امر مشروع و مرغوب لاینکر الامکابر او معاندو قدحرم بر کة الاولیاء الکرام"۔[340]

یعنی مجھ سے پوچھا گیا اس آدمی کے بارے میں جو تکلیف و مشکل میں یارسول اللہ ، یا علی، یا شیخ عبد القادر جیلانی کہتا ہے۔ آیا یہ از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں ؟ میں نے جواب دیا کہ اولیاء کرام سے بذریعہ توسل امداد طلب کرنا اور انھیں پکارنا (مشروع) جائز اور مستحسن ہے۔اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا سوائے اس کے جو انصاف کا دشمن اور حق سے اندھا ہو اور ایسا شخص اولیاء کرام کی برکت سے محروم ہے۔

دلیل نمبر ۲ے:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ و مرشد حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

یارسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی　　　　برگزیدہ ذوالجلال پاک و بے ہمتا توئی

دلیل نمبر ۳ے:

حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خرابم در غم ہجرت جمالت یارسول اللہ ﷺ　　　　جمال خود نمارحمے بجان راز و شیدا کن

340(المسئلۃ البیضاء ص ۲۲)

بہر صورت کہ باشد یارسول اللہ ﷺ کرم   بہ لطف خود سر وسامان جمع بے سروپا کن[341]

فرما

یارسول اللہ آپ ﷺ کی جدائی کے غم سے میں برباد ہوا اپنا دیدار عطا فرمایئے یارسول اللہ ﷺ بے سروپا قافلے کو سامان عطا فرمایئے۔

دلیل نمبر ۷۴:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ:

"یا محمّد لا أعذب احدا یسمی باسمک النار"۔

یعنی اے محبوب ﷺ میں اس شخص کو دوزخ کا عذاب نہیں دونگا جس کا نام آپ کے نام پر رکھا گیا ہو۔[342]

دلیل نمبر ۷۵:

معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فرمایا: "یا محمّد انھنّ خمس صلوات کل یوم ولیلة لکل صلوٰة عشر فذلک خمسون صلوٰة"۔

یعنی اے محبوب یہ پانچ نمازیں ہیں جنکو میں نے دن رات میں فرض کیا ہے۔ ہر نماز کا ثواب دس 10 / نمازوں کے برابر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ثواب کے لحاظ سے 50 نمازوں کے برابر ہے۔[343]

---

[341] (اخبار الاخیار ص ۳۲۳)
[342] (نداء یا محمّد ص ۲۲)
[343] (مشکوٰة ص ۵۲۸ ج ۲)

دلیل نمبر ۷۶:

"یا ابابکر انت عتیق اللّٰہ من النار"۔[344]

اے ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ دوزخ سے آزاد کر دیئے گئے ہیں۔

دلیل نمبر ۷۷:

"یا ابابکر ماظنک باثنین اللّٰہ ثالثھما"۔[345]

اے ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہو۔

دلیل نمبر ۷۸:

سر خیل دیوبند مولانا گنگوہی لکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل اشعار کی وجہ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور یہ جائز ہے۔

یا رسول ﷺ کبریا فریاد ہے ۔۔۔ یا محمّد مصطفیٰ ﷺ فریاد ہے
مدد کر بہر خدا حضرت محمّد مصطفیٰ ﷺ ۔۔۔ تم سے ہر گھڑی فریاد ہے[346]

دلیل نمبر ۷۹:

"یا اباذر صل صلوٰۃ لوقتھا"۔

یعنی اے ابو ذر اپنے وقت پر نماز ادا کرو۔[347]

---

[344](رواہ احاکم فی المستدرک از کنز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)
[345](رواہ الشیخان کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)
[346](فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹۹)
[347](رواہ احمد از کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲)

دلیل نمبر ۸۰:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا پائوں مبارک سن ہو گیا تو آپ نے "یا محمّداہ" کہا تو پاؤں بالکل ٹھیک ہو گیا۔[348]

یا محمّداہ میں " الف" استغاثہ کیلئے ہے مطلب یہ ہے کہ اے محبوب میری فریاد رسی فرمایئے۔

دلیل نمبر ۸۱:

کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی مسجد میں آتے یا جاتے تو کہتے:

السّلام علیک ایھا النبی۔[349]

دلیل نمبر ۸۲:

آپ ﷺ کی بارگاہ میں کسی نے غربت کے بارے میں شکایت کی آپ ﷺ نے انھیں وظیفہ بتایا کہ جب آپ گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں کو سلام کہیں پھر مجھ پر سلام پڑھیں اور پھر سورۃ الاخلاص پڑھیں۔ انہوں نے اس پر عمل کیا تو چند دن کے اندر غربت ختم ہو گئی اور خوشحالی آگئی۔[350]

---

[348](شفاء ص ۱۸ ج ۲)

[349](شفاء ص ۵۳ ج ۲، نسیم الریاض ص ۴۶۵ ج ۳)

[350](جلاء الافھام ص ۲۵۵، نسیم الریاض ص ۴۶۴ ج ۳)

دلیل نمبر ۸۳:

علامہ علی قاری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"لانّ روحہ علیہ السلام حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام"۔[351]

آپ ﷺ کی روح مبارک ہر مسلمان کے گھر موجود ہوتی ہے۔اس لیے گھر میں داخل ہوتے وقت "السّلام علی النبی" کی طرح "السّلام علیک ایھّا النبی" بھی درست ہے۔

دلیل نمبر ۸۴:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ ءکرام علیہم رضوان آپ ﷺ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوئے اور عرض کی السلام علیک یا رسول اللہ۔[352]

دلیل نمبر ۸۵:

صحابہ ءکرام علیہم رضوان نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جنازہ مبارکہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا اور عرض کیا" السلام علیک یا رسول اللہ" پھر کہا کہ ابو بکر حاضر ہے اور آپ کے پاس دفن کرنے کی اجازت درکار ہے آواز آئی" ادخلو ا الحبیب الی الحبیب "یعنی دوست کو دوست کے ساتھ ملاؤ۔[353]

---

[351](شرح الشفاء ص ۴۶۴ ج ۳)

[352](تنویر الملک ص ۲۳۰ ج ۱)

[353](تفسیر کبیر ص ۸۷ ج ۲۱ ،نزھۃالمجالس ص ۱۷۹ ج ۲)

دلیل نمبر ۸۶:

ابو بکر بن مجاھد نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ نے جناب شبلی رحمتہ اللہ علیہ کو دونوں بھوؤں کے درمیان بوسہ دیا اور اس شفقت کی وجہ یہ بتائی کہ شبلی رحمتہ اللہ علیہ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ "صلّی اللہ علیک یا رسول اللہ" پڑھتے ہیں۔[354]

دلیل نمبر ۸۷:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ان الفاظ سے درود شریف پڑھتے تھے: "یا محمّد صلّی اللہ علیک وسلّم"۔[355]

دلیل نمبر ۸۸:

جب بھی حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوتے تو ان الفاظ سے سلام عرض کرتے:

"السّلام علیک یا رسول اللہ"۔[356]

دلیل نمبر ۸۹:

ایک اعرابی آپ ﷺ کے روضہء انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ ماقلت سمعنا" یارسول اللہ آپ ﷺ نے جو فرمایا ہم نے سن لیا ہے ہم آپ ﷺ سے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ "فنودی من قبرہ قدغفر لک" قبر انور سے آواز آئی کہ تیری مغفرت ہوگئی۔[357]

---

[354] (القول البدیع ص ۱۷۳، جلاء الافهام ص ۲۵۸، فضائل درود شریف از مولوی زکریا)
[355] (القول البدیع ص ۲۲۵)
[356] (القول البدیع ص ۱۸۵)
[357] (مدارک ص ۲۲۴ ج ۱)

دلیل نمبر ۹۰:

"یا ابارافع أقتل کل کلب بالمدینه"۔[358]

اے ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے تمام کتوں کو قتل کردو۔

دلیل نمبر ۹۱:

"یا اباسعید لا یا کل طعامک الاتقی"۔

یعنی اے ابوسعید رضی اللہ عنہ تمھارا کھانا متقی شخص کے علاوہ کوئی نہ کھائے۔[359]

صحابہء کرام علیہم رضوان کا یہ طریقہ تھا کہ دور و نزدیک، حاضر وغائب کو ہر جگہ سے ہر حال میں ایک دوسرے کو "یا" کے ساتھ پکارتے تھے۔اس میں ان کا کوئی اختلاف نہ تھا۔یہی طریقہ تمام مسلمانان اھلِسنت کا ہے۔منکرین و وھابیوں کا اعتراض صرف اہلِسنت وجماعت پر نہیں بلکہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان پر ہے۔

دلیل نمبر ۹۲:

مفتی غلام رسول صاحب دارالعلوم جماعتیہ نے فرمایا کہ اذان سے پہلے اور بعد دونوں اوقات میں "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" جائز ہے۔[360]

دلیل نمبر ۹۳:

"یا ابافاطمه ان اردت تلقائی فاکثر السجود"۔[361]

---

[358](رواہ احمد کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج۲)

[359](رواہ حاکم کنوز، الترمذی فی النوادر الحقائق ص ۲۰۴ جلد ۲)

[360](فتاوی جماعتیه ص ۱۲۵)

[361](کنوز الحقائق ص ۲۰۴)

اے ابو فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر تم میری ملاقات چاہتے ہو تو سجدوں کی کثرت کرو (یعنی سجدے زیادہ کیا کرو مراد نماز پڑھنا ہے۔) واللہ اعلم۔

دلیل نمبر ۹۴:

"یااباهريرة اذاتوضأت فقل بسم الله" یعنی اے ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ جب بھی آپ وضو کریں تو بسم اللہ پڑھا کریں۔

دلیل نمبر ۹۵:

"یااباهريرة جددالاسلام تكثر من الشهادة"۔[362]

اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام کی تجدید کرتے رہو اور کلمہ ء شہادت کثرت سے پڑھا کرو۔

دلیل نمبر ۹۶:

"يااخی عمر لاتنسنا من دعائک"۔[363]

اے بھائی عمر ہمیں اپنی دعاء میں نہ بھولنا۔

دلیل نمبر ۹۷:

"یاابن عباس اذاقرأت فرتل"۔[364]

اے ابن عباس جب آپ تلاوت کریں تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔

---

[362](از کنوز الحقائق ص ۲۰۴)

[363](البصائر از کنوز الحقائق ص ۲۰۴)

[364](کنوز الحقائق)

دلیل نمبر ۹۸:

"یاسعدارم فداک اُمی و أبی" اے سعد رضی اللہ عنہ تیر اندازی کرو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔[365]

دلیل نمبر ۹۹:

"یاعائشہ اعطی ولا تحصی فیحصی اللہ علیک"۔

اے عائشہ رضی اللہ عنہا سخاوت کیا کرو اللہ کی راہ میں اور گنتی نہ کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمھیں گن کر عطا کریگا۔

دلیل نمبر ۱۰۰:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی بارگاہ نبوی میں حاضر ہونا چاہے تو اس کا سنت طریقہ یہ ہے کہ قبر انور کی طرف منہ کرے اور قبلہ شریف کی طرف پشت کرے اور اس طرح عرض کرے:"السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔[366]

دلیل نمبر ۱۰۱:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی سفر سے واپس آتے تو بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کرتے:

"السَّلام علیک یا رسول اللہ"۔[367]

[365](کنوز الحقائق ص ۲۰۵)
[366](مسند امام اعظم ص ۱۲۶)
[367](مسند امام اعظم ص ۱۲۶ حاشیہ نمبر ۴)

دلیل نمبر ۱۰۲:

سیّدنا ابراھیم علیہ السلام جب کعبۃ اللہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آواز دی "ایھّاالنّاس انّ ربکم قداتخذبیتافحجّوہ"۔

یعنی اے لوگو! بیت اللہ شریف کاحج کرو۔ تو قیامت تک جتنے بھی لوگ پیدا ہونے والے ہیں ان سب نے آواز کو سن لیااور جن کی قسمت میں حج تھا انہوں نے لبّیک کہا۔[368]

لبیک کہنے والوں میں آپ ﷺ بھی تھے۔ انھیں بھی آواز دی گئی اور انہوں نے جواب بھی دیا۔[369]

دلیل نمبر ۱۰۳:

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں:

"یا رحمۃ لّلعٰلمین ادرک لزین العابدین محبوس فی ایدی الظالمین فی موکب ومزدحم"۔[370]

اے دونوں جہاں کیلئے رحمت زین العابدین کی مدد فرمایئے کہ وہ (ازدحام) ظالموں کے ہجوم میں پھنس گیاہے۔

---

[368] (تفسیر ابنِ کثیر ص ۲۱۶ ج ۳، بخاری شریف ص ۴۷۶ حاشیہ نمبر ۵)
[369] (حیوٰۃالحیوان ص ۱۱۵ ج ۱)
[370] (البصائر ص ۳۷، احسن المأرب ص ۳۴)

دلیل نمبر ۱۰۴:

جب آپ ﷺ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر تشریف لائے تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں نماز ادا فرمارہے تھے انہوں نے نماز میں پڑھا "**اشھد انک یا رسول اللہ**" اے اللہ کے رسول میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔[371]

دلیل نمبر ۱۰۵:

سیّد نا ابراھیم، سیّدنا موسیٰ، سیّدنا عیسیٰ علیھم السلام بلند آواز سے ان الفاظ کے ساتھ سلام پڑھتے تھے۔

"**السلام علیک یا اول، السلام علیک یا آخر، السلام علیک یا حاشر** ﷺ"۔[372]

دلیل نمبر ۱۰۶:

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حکم سے جب مسیلمہ کذّاب کے ساتھ لڑائی ہوئی تو صحابہ کرام نے میدان جنگ میں مسلمانوں کے شعار کے (مطابق) طور پر بلند آواز سے "**یا محمّداہ**" کہا۔[373]

شعار اس لفظ کو کہتے ہیں جسے فوج اپنے درمیان مقرر کرتی ہے تاکہ دوست اور دشمن کے درمیان فرق ہو جائے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے یہ مقرر فرمایا تھا کہ جو **یا محمداہ** کہے تو اسے مسلمان مانا جائے گا اور جو یہ نہ کہے تو وہ مرتد وکافر ہو گا۔[374]

---

[371] (الانوار المحمدیہ من المواھب اللدنیہ ص ۳۳۴)
[372] (انوار محمدیہ ص ۳۳۴)
[373] (البدایہ والنھایہ ص ۳۳۴ ج ۲)
[374] (قاموس ص ۲۸۱، صراح ص ۱۸۷، لغات الحدیث ص ۵۸، لغات عربی مختار الصحاح ص ۳۳۹، المنجد ص ۵۳۰، مفردات ص ۵۴۱)

شعار یعنی یہ صحابہ ء کرام علیہم الرضوان کی نشانی تھی۔ اسی طرح آج جو بھی لوگ یا رسول اللہ ، یا حبیب اللہ اور یا محمد اہ کہتے ہیں تو وہ صحیح اہل سنت و جماعت ہیں اور مخالفت کرنے والے گمراہ ہیں۔

دلیل نمبر ۱۰۷:

جناب عاشق الرّحمٰن والرسول حاجی محمد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الصلوٰۃ والسلام یارحمۃ للعٰلمین ﷺ
قاب قوسین آپ ﷺ کا مقام
یارحمۃ للعٰلمین ﷺ

خیرات دیدار چاہیئے خوار و بے نوا محمد امین کو
آپ کا مداح عاجز مداح
یارحمۃ للعٰلمین ﷺ [375]

اسی طرح چودہ (۱۴) اشعار ذکر کیے ہیں۔

دلیل نمبر ۱۰۸:

الحاج مولوی احتشام الحق دیوبندی نے بارگاہ نبوی میں اس طرح سلام عرض کیا ہے۔

السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ
السلام علیک یا خیر خلق اللہ ﷺ
السلام علیک یا حبیب اللہ ﷺ
السلام علیک یا سید ولد آدم ﷺ [376]

دلیل نمبر ۱۰۹:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ کے وقت مسلمانوں کا شعار یا محمد ﷺ ، یا منصور امتک تھا۔ اے محبوب اے مدد کیے گئے اپنی امت کی مدد فرمایئے۔ [377]

[375] (کتاب الحمدللہ ص ۱۰۰)
[376] (تجلیات مدینہ ص ۸۱)
[377] (فتوح الشام للواقدی ص ۱۶۰ ج ۲)

دلیل نمبر ۱۱۰:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا:

السلام علیک یا سیدالمرسلین، یا خاتم النبین، ویا شفیع المذنبین، طبتَ حیاو میّتا ورحتَ سعیداًومحموداًوترکتنافی دار الظلام فکیف نعیش فی دار الدنیا بغیرک"۔[378]

اے محبوب آپ زندگی اور موت دونوں میں خوش ہیں۔ آپ ﷺ نیک بخت اور صفت کیے گئے، تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے ہمیں تاریکی کے گھر میں چھوڑ دیا، ہم یہاں (دنیا میں) آپ کے بغیر کیسے زندگی گزاریں گے۔

دلیل نمبر ۱۱۱:

بھنسا کی جنگ میں ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سخت مشکل میں گرفتار ہوگئے۔

" وکان شعار المسلمین تلک اللیلة ینا دون یا محمد یا محمد ﷺ یا نصر اللہ انزل"۔[379]

اس رات صحابۂ کرام علیہم الرضوان کا شعار یہ تھا یعنی یا محمد یا محمد ﷺ کے الفاظ سے آپ ﷺ کو پکارتے تھے اور نصر اللہ انزل کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے تھے۔

---

[378](تذکرۃ الواعظین ص ۲۷۴)

[379](فتوح الشام ص ۲۱۸)

دلیل نمبر ۱۱۲:

حضرت مولانا شیخ المشائخ قدوۃ السّالکین، زبدۃ العارفین اخون حافظ عبد المقتدر رحمۃ اللہ علیہ اپنے دیوان میں فرماتے ہیں:

اے داعی ھادی برھان ﷺ — مجھے دیدار سے مشرف فرما
نورانی ماہِ تابان — مجھے دیدار سے مشرف فرما
یہ دنیاو عقبیٰ سب کچھ — آپ کے نور سے پیدا ہوا ہے... الخ[380]

دلیل نمبر ۱۱۳:

حاجی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

السّلام علیک یا نور الھدیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — مرحبا، مرحبا، مرحبا، مرحبا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[381]

دلیل نمبر ۱۱۴:

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط سالی ہوئی، ایک شخص روضۂ انور پر حاضر ہوا اور عرض کیا "**استسق لامتک یا رسول اللہ**" اے اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کیلئے بارش کی دعا فرمایئے۔ آپ ﷺ نے خواب میں بشارت عطا فرمائی۔[382]

---

380 (دیوان حافظ الپوری ص ۱٦، ولادت حافظ الپوری ۱۱۲۸ھ، وفات ۱۲۱۵ھ، بحوالہ تذکرہ اولیاء پاکستان ص ۸۰۹)
381 (گلزارِ مدینہ ص ۵)
382 (حجۃ اللہ ص ۸۳۰ ج ۲)

دلیل نمبر ۱۱۵:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد عورتوں کی تعزیت کی مجلس میں حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا نے بلند آواز سے درود شریف پڑھا:

"یا خاتم الرسل المبارک ضوئہ صل علیک منزل القرآن"۔[383]

یعنی اے رسولوں کے سردار (خاتم) اے مبارک نور آپ ﷺ پر قرآن نازل کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے درود ہو۔

دلیل نمبر ۱۱۶:

سید نازھیر رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول ﷺ نے عرض کی:

"امنن علینا رسول اللہ فی کرم وانک المراء نرجوہ وننتظر"۔[384]

یارسول اللہ ﷺ مہربانی فرمایئے اور ہم پر احسان فرمایئے ہم آپکے کرم کے امیدوار ہیں۔

دلیل نمبر ۱۱۷:

ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

ولیس لنا الا الیک فرارنا — واین فرار الناس الا الی الرسول ﷺ

یارسول اللہ ﷺ آپ کے علاوہ ہمارا کون ہے کہ ہم اسکی طرف مشکل اور سختی کے وقت دوڑیں رسول ﷺ کے علاوہ لوگوں کے فرار کی جگہ کونسی ہے۔[385]

---

[383] (سیرۃ ابن ھشام ص ۳۸۰ ج ۲)
[384] (سیرۃ ابن ھشام ص ۳۰۶ ج ۲)
[385] (حجۃ اللہ ص ۲۳۷ ج ۲)

دلیل نمبر ۱۱۸:

سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"یابرد نار الخلیل یاسببا لعصمة النار وهی تحرق"۔

اے ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے ذریعے اور ان کو سخت آگ سے بچانے کے سبب۔[386]

دلیل نمبر ۱۱۹:

ایک اعرابی روضہء انور پر حاضر ہوئے اورر عرض کیا السلام علیک یارسول للہ اور پھر عرض کی۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف و فیه الجود و الکرم

قال ثم أنصرف فحملني عيناي فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في النوم فقال يا عتبيّ الحق الأعرابي فبشره بأن الله قد غفر له"۔[387]

میری روح اس قبر (انور) پر قربان ہو جائے جس قبر (انور) میں آپ ﷺ تشریف رکھتے ہیں۔ جس میں عفو، بخشش اور مہربانی ہے نے فرمایا کہ مجھے خواب میں سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ اس اعرابی کو بخشش کی بشارت دے دو۔[388]

---

[386](نسیم لریاض ص ۲۰۵ ج ۲)

[387](خلاصة الوفاء ص ۸۵)

[388](خلاصة الوفاء ص ۸۵)

دلیل نمبر ۱۲۰:

سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا:

یاسیدالسّادات جئتک قاصدا ارجو رضاک واحتمی بحماک

یارسول اللہ ﷺ بندہ آپ کے دربار میں حاضر ہے آپ کی خوشنودی اور حفظ وامان چاہیئے۔[389]

دلیل نمبر ۱۲۱:

شھاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فیاسیّدالرسل یامن تری مواطئہ اثمدللمقل

اے رسولوں کے سردار۔اے وہ (عظیم) شخصیت جنکے قدموں کی مبارک خاک آنکھوں کا سرمہ ہے۔[390]

دلیل نمبر ۱۲۲:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

الا یارسول اللہ کنت رجاءنا وکنت بنابرا ولم تک جافیا

یارسول اللہ آپ ﷺ کی ذات سے ہماری امیدیں قائم ہیں۔آپ ﷺ نے ہمیشہ اچھا سلوک کیاہے۔آپ ﷺ نے کبھی بد سلوکی نہیں کی۔[391]

---

[389](قصیدہ نعمانیہ ص ۱)
[390](نسیم الریاض ص ۵۷۹ ج۴)
[391](حجۃ اللہ ص ۳۳۹ ج ۲)

دلیل نمبر ۱۲۳:

تحریک آزادی کے ایک شہید فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے کالاپانی کے جزیرے میں عرض کیا۔

"یا رحمۃ للعٰلمین ارحم علی من لا لہ فی العالمین وثاء"۔[392]

اے رحمت عالمین ﷺ اس شخص پر رحم فرمایئے جس کیلئے اس زمانے میں کوئی رحم نہیں۔

دلیل نمبر ۱۲۴:

شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

یاصاحب الجمال ویاسید البشر من وّجھک المنیر لقدنور القمر[393]

اے حسن وجمال کے مالک ﷺ، اے انسانوں کے سردار ﷺ، آپ ﷺ کے روشن چہرے سے چاند نے روشنی حاصل کی ہے۔

دلیل نمبر ۱۲۵:

آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا:

" السّلام علیک یا حبیب اللہ ویا نبی اللہ ذھبت الی دار السرور وترکتنا فی دار الغرور فکیف نحیی الی یوم النفور"۔

اے اللہ کے محبوب نبی ﷺ آپ دارالسرور یعنی خوشی کے گھر تشریف لے گئے اور ہمیں دھوکہ کے گھر چھوڑ گئے۔ ہم مرنے تک کیسے زندگی گزاریں گے۔[394]

---

[392](الثورۃ الھندیہ ص ۳۱۳)

[393](تفسیر عزیزی پارہ نمبر ۳۰، اردو ص ۳۷۰، فارسی ص ۲۲۷)

[394](تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۲)

دلیل نمبر ۱۲۶:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حاضرِ بارگاہ رسالت ﷺ ہوئے اور عرض کیا:

"السلام علیک یا افصح العرب و منبع الجود و الکرم و یا صاحب التاج و العلم ذھبت الی دار الرضوان و ترکتنا فی دار الخذلان لان فما ندری کیف نجد الامان"۔

اے عرب کی فصیح ترین شخصیت اور سخاوت اور کرم کے سرچشمے، تاج و علم والے (یارسول اللہ ﷺ) آپ جنت کی طرف گئے اور ہمیں شرمندگی کے گھر چھوڑ دیا۔ ہم نہیں جانتے کہ کیسے امن پائیں گے۔[395]

دلیل نمبر ۱۲۷:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"السّلام علیک یا سیّد السادات و یا خزائن الرحمۃ و السعادۃ اخترت العقبیٰ و ترکتنا فی دار الدنیا"۔

یعنی اے سرداروں کے سردار آپ ﷺ پر سلام ہو۔ اے رحمت و نیک بختی کے خزانے آپ نے آخرت کو ترجیح دی اور ہمیں دنیا میں چھوڑ گئے۔[396]

دلیل نمبر ۱۲۸:

اسی درمیان حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کیا:

"الصلٰوۃ السلام علیک یا نور الھدی و تاج الوریٰ انت ذھبت الی دار الجنان و ترکتنا فی دار البطلان فکیف حالنا"۔

---

[395] (تذکرۃ الواعظین ص ۲۷۴)

[396] (تذکرۃ الواعظین ص ۲۷۴)

اے ھدایت کے نور اور مخلوق کے تاج آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہو۔ آپ جنتوں کی طرف گئے اور ہمیں خرابی کے گھر چھوڑ گئے ہمارا کیا حال ہو گا۔[397]

دلیل نمبر ۱۲۹:

اسی دوران حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے اور عرض کیا:

"الصّلوٰۃ والسلام علیک یا امام المتقین ویا امین رب العٰلمین رحلت الی دار القرار وترکتنا فی الدنیا وفی دار بلا اعتبار فکیف فی یوم البوار"۔

اے پرہیز گاروں کے امام اور رب العالمین کے امین آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہو آپ نے دار قرار کی طرف سفر فرمایا اور ہمیں دنیا اور بے اعتباری کے گھر میں چھوڑ گئے۔ ہمارا قیامت کے دن کیا حال ہو گا۔[398]

دلیل نمبر ۱۳۰:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی عرض کیا:

" الصلوٰۃ والسلام علیک یاسلطان الأنبیاء ویا برھان الأصفیا ء انت سافرت الی دار الامان وترکتنا فی دار الاحزان فکیف حالنا یا نبی آخر الزمان"۔

اے سلطان الانبیاء اور برھان الاصفیاء آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہو۔ آپ نے دارالامان کی طرف سفر کیا اور ہمیں غم کے گھر چھوڑ گئے۔ اے محبوب ﷺ اے نبی آخر الزماں ہمارا کیا حال ہو گا۔[399]

---

[397](تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۲)
[398](تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۳)
[399](تذکرہ الواعظین ص ۴۷۳)

دلیل نمبر ۱۳۱:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف لائیں اور عرض کیا کہ:

" السلام علیک یا رسول الثقلین ویا امام القبلتین ذھبت الی دار النعیم وترکتنا فی دار الغمیم فکیف معیشتنا من الخواص و العمیم"[400]

اے جن وانس کے رسول علیہ السلام، اے دونوں قبلوں کے امام آپ ﷺ پر سلام ہو آپ نعمتوں والے گھر تشریف لے گئے اور ہمیں غموں والے گھر میں چھوڑ گئے ہم خواص وعوام کی زندگی کیسے گزرے گی۔

دلیل نمبر ۱۳۲:

علامہ سمہودی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

انت الشفیع و امالی معلقة　　　　و قدر جو تک یا ذالفضل تشفع لی

اے شفاعت فرمانے والے میری آرزوئیں آپ سے وابستہ ہیں۔اے فضل کے مالک میں آپ کی شفاعت کا امیدوار ہوں۔[401]

دلیل نمبر ۱۳۳:

الشیخ احمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ جب بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو عرض کیا یارسول اللہ ﷺ جب میں دور ہوتا ہوں تو روح کو اپنا نائب مقرر کرکے آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجتا ہوں وہ میری طرف سے اس پاک سرزمین کو بوسہ دیتی ہے۔اب جب مجھے حاضری کی سعادت ملی ہے تو آپ

---

[400](تذکرۃ الواعظین ص ۷۳۴)

[401](خلاصۃ الوفاء ص ۸۵)

ﷺ اپنا دست اقدس ظاہر فرمائیے تاکہ میرے ہونٹ اسے چومنے کی سعادت حاصل کریں تو فوراً آپ ﷺ کا دست اقدس ظاہر ہوا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بوسہ دیا۔[402]

دلیل نمبر ۱۳۴:

امام ابن حجر الھیتمی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"یارسول اللہ یا جد الحسین کن شفیعی یا امام الحرمین"۔

اے رسولِ خدا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے نانا ﷺ میری شفاعت فرمائیے۔[403]

دلیل نمبر ۱۳۵:

امام شرف الدین البوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ سواک عند حلول الحادث العمم

اے مخلوق میں معزز ترین مہربان نبی ﷺ۔عام مصائب کے نزول کے وقت آپ ﷺ کے سوا ہماری کوئی جائے پناہ نہیں کہ (ہم وہاں پناہ لیں)۔[404]

دلیل نمبر ۱۳۶:

حضرت العارف الصرمری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا:

الا یا رسول الالہ الذی ھدانا بہ اللہ من کل تیہ

یارسول اللہ آپ ﷺ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ہمیں بچایا اور ھدایت عطا فرمائی[405]

---

[402] (نسیم الریاض ص ۲۴۴ ج ۳+فضائل حج)
[403] (النعمۃ الکبریٰ ص ۲۶)
[404] (قصیدہ بردہ شریف)
[405] (نسیم الریاض ص ۳۰۵ ج ۱)

دلیل نمبر ۱۳۷:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چہ وصف کند سعدی ناتمام　　　　علیک الصلاۃ اے نبی والسلام

سعدی ناقص آپ ﷺ کی تعریف کیسے کر سکے گا یا نبی اللہ آپ پر درود و سلام ہو۔[406]

دلیل نمبر ۱۳۸:

حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خالہ یا پھوپھی نے عرض کیا کہ "اے ہاشم کے بیٹے میری روح آپ پر قربان ہو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے امین اور ساری مخلوق کیلئے رسول ہیں"۔[407]

دلیل نمبر ۱۳۹:

صحابیٔ رسول حضرت مازن بن عضوبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ ﷺ کی خدمت میں میری سواری دوڑتی ہوئی آئی۔ اس نے عمان سے عرج تک ایسا راستہ طے کیا کہ جس کے دونوں طرف درخت تھے۔[408]

دلیل نمبر ۱۴۰:

مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یا نبی اللہ سلام علیک　　　　انما الفوز و الفلاح لدیک[409]

اے اللہ کے نبی ﷺ آپ پر سلام ہو، کامیابی اور کامرانی آپ کے پاس ہے۔

---

[406] (بوستان سعدی ص ۱۱)

[407] (الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ص ۳۲۸ ج ۴)

[408] (الاصابۃ ص ۳۳۶ ج ۴)

[409] (سلسلۃ الذہب ص ۱۴، روح البیان ص ۱۵۲ ج ۱)

دلیل نمبر ۱۴۱:

ز مہجوری بر آمد جانِ عالم — ترحم یا نبی اللہ ترحم

آپ کی جدائی کی وجہ سے تمام عالم کی روح نکلنے والی ہے۔اے اللہ کے نبی ﷺ رحم فرمایئے رحم فرمایئے۔[410]

دلیل نمبر ۱۴۲:

مولانا احمد تھانسیری لکھتے ہیں **"یا مولائی"**، اے میرے آقا و مولیٰ ﷺ مجھ پر رحم فرمایئے، مدد فرمایئے، کرم فرمایئے کیونکہ آپ کے علاوہ میری کوئی جائے پناہ نہیں۔[411]

دلیل نمبر ۱۴۳:

ھشیم بن جمیل الانطاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی ٹوپی دیکھی جو ایک گز لمبی تھی اس کے اندر **"یا محمّد ﷺ یا منصور ﷺ"** لکھا ہوا تھا۔[412]

دلیل نمبر ۱۴۴:

شیخ المحدثین شاہ عبدالحق دھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خرابم در غم ھجرِ جمالت یا رسول اللہ ﷺ — جمال خود نمارحمے بجان زار شیدا کن

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ ﷺ کرم فرما — بلطف خود سر و سامان جمع اے سر و پا کن

[410](زلیخا ص ۱۵، فضائل درود شریف)

[411](اخبار الاخیار ص ۱۴۶)

[412](میزان الاعتدال ص ۵۷۴ ج ۲)

یارسول اللہ ﷺ آپ کی جدائی کی وجہ سے میرا حال خراب ہے اپنا چہرہ انور دکھایئے اور عاشق زار پر رحم فرمایئے۔ یارسول اللہ ﷺ بہر صورت رحم فرمایئے میرے پراگندہ خراب حال اسباب کو ترتیب دیجیے۔

دلیل نمبر ۱۴۵:

صلی اللہ علیک یارسول اللہ وسلم۔[413]

دلیل نمبر ۱۴۶:

مجددِ چودھویں صدی، مفتی اعظم الشاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رسول اللہ انت بعثت فینا　　کریما رحمۃ حصنا حصینا

تخوفنی العدی کیدا متینا　　اجرنی یا امان الخائفینا

یارسول اللہ آپ ﷺ ہم میں کریم، رحمت، قوی محافظ بنائے گئے ہیں ہمارے دشمن کو مضبوط تدبیر سے ڈرایئے۔ مجھے پناہ دیجئیے۔ اے ڈرے ہوئے کی جائے پناہ۔[414]

دلیل نمبر ۱۴۷:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

امت کا حق نے کر دیا آپ ﷺ کے ہاتھ　　بس اب چاہو تراؤ ڈوباؤ یارسول اللہ ﷺ[415]

---

[413] (مکتوبات برھامش اخبار الاخیار ص ۳۱۶)
[414] (فتاوٰی رضویہ ص ۱۷۳ ج ۱)
[415] (گلزارِ معرفت ص ۷)

دلیل نمبر ۱۴۸:

الصلٰوۃ و السّلام علیک یا رسول اللہ کے جواز میں کوئی شک نہیں۔[416]

دلیل نمبر ۱۴۹:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مرید کو تعلیم دیتے ہیں کہ:

"اکیس (۲۱) مرتبہ استغفر اللہ اور تین مرتبہ "الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ۔" پڑھو۔

دلیل نمبر ۱۵۰:

ہم اھل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا جائز ہے جبکہ وہابی اسے شرک کہتے ہیں ۔یاجو بھی یارسول اللہ ﷺ کو شرک کہتے ہیں وہ اہل سنت سے خارج ہیں۔[417]

دلیل نمبر ۱۵۱:

سیّدنا محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یا رسول اللہ ﷺ انظر حالنا — یا حبیب اللہ ﷺ اسمع قالنا

انّنی فی بحر ھمّ مغرق — خذیدی سھل لنا اشکالنا[418]

یارسول اللہ ﷺ میرے حال پر رحم فرمایئے اور میری فریادرسی فرمایئے، میں مشکلات کے دریا میں غرق ہوں۔ میری دستگیری فرمایئے اور میری مشکلات حل فرمایئے۔

---

[416] (امدادالمشتاق ص ۵۹)

[417] (فتاوٰی خیریہ ص ۱۸۶، عقائدالمسلمین ص ۱۷)

[418] (جاءالحق ص ۲۰۱ ج ۱) (تنویرالایمان بوسیلۃ اولیاء الرحمن ص ۲۱۴)

دلیل نمبر ۱۵۲:

ولی کامل حاجی محمّد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نصیب دِرب کڑہ سرداری اغثنی یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم	اللہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سرداری عطا فرمائے اغثنی یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
شولہ راپیخہ لاچاری اغثنی یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم	قسمت میں میری لاچاری ہے اغثنی یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
خاورے ددرستام پہ سرکہ شی لطف وکرم بہ وی	آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے در کی خاک اگر سر پر ہو تو لطف وکرم ہو گا
لرمہ دا امیدواری اغثنی یارسول للہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم	یہ امید رکھتا ہوں اغثنی یارسول للہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
فقیر گدا محمد امین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم برائے رب العالمین	فقیر گدا محمد امین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم واسطے رب العالمین
وائی پہ شاہِ مختاری اغثنی یارسول للہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم	شاہ مختار کو کہتا ہے اغثنی یارسول للہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

اسی طرح بارہ اشعار ہیں۔[419]

دلیل نمبر ۱۵۳:

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مثالی صورت کا تصور کرکے درود شریف پڑھے۔ دائیں طرف یا احمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، بائیں طرف یا محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، اور دل پر ہزار مرتبہ یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پڑھے ان شاء اللہ خواب میں یا بیداری میں زیارتِ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہو جائیگی۔[420]

---

[419] (دیوان مدح ص ۲۲۲)

[420] (ضیاء القلوب ص ۳۹)

دلیل نمبر ۱۵۴:

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

دلش نالد چرا نالد؟ نداند نگاہے یارسول اللہ نگاہے[421]

دلیل نمبر ۱۵۵:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت سیّدہ زینب رضی اللہ عنہانے میدان کربلا میں عرض کی:

"یامحمداہ یامحمداہ صلی اللہ علیک"۔[422]

دلیل نمبر ۱۵۶:

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ روم کے کفار نے تین غازیوں کو گرفتار کیا تو انہوں بلند آواز سے "یامحمداہ یامحمداہ" کہا۔[423]

دلیل نمبر ۱۵۷:

درود شریف کی مشہور کتاب "دلائل الخیرات" میں ہے: "ھٰذہ الصلوٰۃ تعظیماً لحقک یا سیدنا محمداً" یعنی یہ درود شریف آپ کی تعظیم کیلئے ہے۔[424]

---

[421] (ارمغان حجاز ص ۳۸)
[422] (البدیہ والنھایہ ص ۱۹۳ ج ۸)
[423] (شرح الصدور ص ۹۰)
[424] (ص ۱۳۸، مطالع المسرات ص ۲۸۲)

دلیل نمبر ۱۵۸:

حضرت شیخ عبد القادر البغدادی الصدیقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درج ذیل درود شریف کو ایک ہزار مرتبہ پڑھنے سے تمام مصیبتیں ٹل جاتی ہیں:

"الصلوٰۃ و السلام علیک یا سیّدی یا رسول اللہ قلّت حیلتی ادرکنی"۔[425]

دلیل نمبر ۱۵۹:

جزیرۂ سقر کے ایک مسلمان قیدی نے جیل میں آپ ﷺ سے مدد طلب کی "کان یستغیث ویقول یا رسول اللہ" جب اُس مسلمان قیدی نے یا رسول اللہ ﷺ کہا تو وہاں کسی کافر نے کہا "قل لہٗ یُنقذک" کہ اپنے رسول ﷺ سے کہو کہ تمھیں رہائی دلائے۔ جب رات ہوئی تو کوئی شخص جیل میں آیا اور کہا کہ اذان دو جب اس نے اذان میں اشھد انّ محمد رسول اللہ پڑھا تو فوراً زنجیریں ٹوٹ گئیں اور وہ جیل سے رہا ہو گئے۔[426]

دلیل نمبر ۱۶۰:

ایک مسلمان قیدی نے کہا کہ ایک کافر بادشاہ کا جہاز سمندر میں پھنس گیا۔ تین ہزار افراد نے زور آزمائی کی مگر جہاز کو نہ نکال سکے۔ آخر کار مسلمان قیدیوں سے کہا کہ آپ لوگ جہاز نکالیں "فقلنا باجمعنا یا رسول اللہ" تمام قیدیوں نے ملکر بیک آواز یا رسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگایا اور جہاز کو زور لگا کر نکال لیا حالانکہ ہم صرف چار سو پچاس (۴۵۰) آدمی تھے۔[427]

---

[425](افضل الصلوات ص ۱۵۵)
[426](حجۃ اللہ ص ۲۰۹ ج ۲)
[427](حجۃ اللہ ص ۴۱۰ ج ۲)

دلیل نمبر ۱۶۱:

حضرت ابو یونس رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ امیر شہر نے دوسو (۲۰۰) علماء کو گرفتار کیا۔ ابو یونس رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں آزاد ہونے کیلئے بارگاہ رسالت میں اس طرح فریاد کرنے کیلئے عرض کی "یا احمد، یا محمّد یا ابا القاسم یا خاتم النّبیّین یا سید المرسلین یا من جعلہ رحمۃ للّعٰلمین" خواب میں آپ ﷺ نے بشارت دی کہ "غدا یطلقون ان شآء اللہ" کل ان شآء اللہ آپ آزاد ہو جائیں گے۔ جیسے ہی صبح ہوئی وہ سب آزاد کر دیئے گئے۔[428]

دلیل نمبر ۱۶۲:

حضرت ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرا اونٹ گم ہو گیا تلاش کرنے پر بھی نہ ملا تو پھر مدینہ منورہ کی طرف مُنہ کیا اور ان الفاظ سے فریاد کی "یا سیّدی یا رسول اللہ انا مستغیث بک" فوراً میرا اونٹ واپس مل گیا۔[429]

دلیل نمبر ۱۶۳:

آپ ﷺ نے ابو عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں فرمایا کہ جب بھی آپ کو کوئی تکلیف دے تو مجھے ان الفاظ سے پکار کر فریاد کریں " انا مستجیر ک بک یا رسول اللہ " یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔[430]

---

[428] (حجۃ اللہ ص ۸۱۰ ج ۲)
[429] (حجۃ اللہ ص ۸۱۵)
[430] (حجۃ اللہ ص ۸۱۵)

دلیل نمبر ۱۶۴:

حضرت ابو سالم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے یہ (مذکورہ) واقعہ سنا تو ایک نابینا شخص نے حفظ کرلیا جب وہ مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور (رابغ) مقام تک پہنچے تو پانی کا مشکیزہ سوکھ گیا تھا، نابینا شخص نے پیاس کی حالت میں کہا **انا مستجیر ک بک یا رسول اللہ** تو اچانک ایک شخص آیا اور اس کا مشکیزہ پانی سے بھر دیا۔[431]

دلیل نمبر ۱۶۵:

جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو تمام صحابہ ء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ نعرہ لگایا **"واویلاہُ، واویلاہُ، یا احمد خلق اللہ ھیہات ھیہات الی فراق حبیب اللہ"**۔[432]

دلیل نمبر ۱۶۶:

ایک طویل حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا: **"یا محمّد اسمع یا محمّد انا رب لطیف وانت نبی شریف فانت تنادی فی القیامۃ امتی امتی وانا اقول رحمتی رحمتی"**۔[433]

اے محبوب ﷺ میں رب لطیف (کریم) ہوں اور آپ ﷺ شریف (شرافت والے) نبی ﷺ ہیں آپ ﷺ قیامت کے دن امتی امتی یعنی (میری امت امت) پکاریں گے اور میں رحمتی رحمتی کہونگا۔

---

[431] (حجۃ اللہ ص ۸۱۵)

[432] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۷۴)

[433] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۸۶)

دلیل نمبر ۱۶۷:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جہاد کیلئے ایک لشکر مجاھدین کا روانہ فرمایا اور ان کی کمان حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی۔ ایک دن جمعہ کے خطبہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے "یا سارية الجبل الجبل الجبل" اے ساریہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرف ہو جایئے۔ تین مرتبہ فرمایا، کچھ دن بعد جب لشکر کا قاصد پہنچا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے مجاہدین کے حالات دریافت فرمائے تو انہوں نے بیان کیا کہ اے امیر المومنین ایک دن ہم شکست کھانے والے تھے کہ اچانک ایک آواز آئی کہ اے ساریہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرف ہو جایئے یہ آواز تین دفعہ سنائی دی جب ہم پہاڑ کی طرف ہوئے تو کفار کے لشکر کو شکست ہو گئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے خطبے میں تین مرتبہ "یا سارية الجبل" کہا اور یہ پہاڑ نہاوند میں ہے جو مدینہ منوّرہ سے تقریباً پندرہ (۱۵۰۰) سو میل کے فاصلے پر ہے۔

لطیفہ

زمانہ جاہلیت میں ایک واقف کار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم دونوں ہم عمر ہیں اور میری اتنی نظر باقی نہیں رہی کہ میں ایک میل تک کسی کو دیکھ سکوں اور آپ پندرہ سو /(۱۵۰۰) میل تک دیکھ سکتے ہیں اور حفاظت کرسکتے ہیں۔ کون سی دوائی استعمال کرنے سے آپ کی نظر تیز ہوئی ہے وہ مجھے بھی بتادیں تا کہ میں بھی استعمال کروں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ

دوائی صرف اور صرف ادب اور عشق مصطفٰی ﷺ ہے جسکے ذریعے میری ظاہری اور باطنی قوتوں اور کارخانوں کی تعمیر ہوئی ہے۔[434]

دلیل نمبر ۱۶۸:

شیخ الاسلام شہاب الرملی الانصاری الشافعی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آیا یہ جائز ہے؟ کہ لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ مصیبت کے وقت یافلاں پیر یا دیگر اولیاء، انبیاء اور صالحین سے استغاثہ کرتے ہیں۔

"فاجاب بما نصه الاستغاثه بالانبیاء و المرسلین و الصالحین جائزة بعد موتهم... الخ

"امام مدوح رحمتہ اللہ نے جواب دیا کہ انبیاء، اولیاء علماء، صلحاء کی وفات کے بعد ان سے استعانت اور استمداد جائز ہے۔[435]

دلیل نمبر ۱۶۹:

علامہ امام شہاب الدین خفاجی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والمنقول انهم کانوا یقولون فی تحیة الصلٰوة والسلام علیک یارسول اللہ"۔[436]

صحابہ ءکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منقول ہے کہ وہ دربار رسالت میں ان الفاظ سے سلام عرض کرتے تھے:

الصلوٰة والسلام علیک یارسول اللہ۔

---

[434] (الجهاد ص ۱۲۶، محدث هزاره)

[435] (الصواعق الربانیه فی الرد علی الوهابیه ص ۲۴، فتاویٰ خیریه ص ۲۸۲ تا ص ۲۹۰)

[436] (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ص ۴۵۴ ج۳)

دلیل نمبر ۱۷۰:

علامہ امام محمد بن عبد الباقی المالکی الزرقانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"انهٔ ورد فی عدة طرق جماعة من الصحابة انهم قالو ا یا رسول الله صلی الله علیک"۔[437]

متعدد طرق سے منقول ہے کہ صحابہء کرام علیہم الرضوان کی ایک جماعت ان الفاظ سے درود شریف پڑھتی تھی:"یارسول اللہ صلی اللہ علیک"۔

دلیل نمبر ۱۷۱:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد قحط سالی ہوئی جو عام الرمادہ کے نام سے مشہور ہے۔اس قحط کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو انکی قوم کے لوگوں نے کہا کہ ہم موت کے قریب ہیں کوئی بکری وغیرہ ذبح کریں تو آپ نے کہا کہ بکریوں میں سے کچھ بھی نہیں بچا۔بہر حال ان کے اصرار کی وجہ سے انہوں نے بکری ذبح کر دی اور کھال اتاری دیکھا تو ہڈی کے علاوہ کچھ باقی نہ رہا۔جب یہ حالت دیکھی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آواز دی:فناذی یا محمّداہ فرأی فی المنام ان رسول الله ﷺ اتاہ فقال البشر۔[438]

آپ نے آواز دی کہ یا محمّداہ تو آپ ﷺ نے خواب میں ان کو بشارت فرمائی۔

---

[437](زرقانی علی المواهب ص ۳۳۰ ج ۲)

[438](ابن اثیر ص ۲۳۵ ج ۲، البدایہ والنهایہ ص ۹۱)

دلیل نمبر ۱۷۲:

میدان کربلا میں جب ظالموں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور ان کی بہن حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے جب ان کی لاش خون میں آلود اور خاک آلود دیکھی تو روتے روتے آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس طرح پکارا:

"یا محمّداہ یا محمّداہ صلّی اللہ علیک وملک السماء ھذا حسین بالعراۃ مزمل بالدماءمقطع الاعضاءیامحمّداہ وبناتک سبایاوزریتک فقتلہ تسفی علیہا الصباء یا محمّداہ یامحمّداہ"۔[439]

یعنی یا محمّد صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپ پر اللہ تعالیٰ اور آسمان کے فرشتوں کی طرف سے سلامتی ہو۔ یہ حسین رضی اللہ عنہ بے گور وکفن، خون میں لت پت ہیں۔ ان کے اعضاء کٹ چکے ہیں۔ یا محمّداہ آپ کی بیٹیاں قیدی بنادی گئی ہیں اور آپ کی اولاد قتل کی گئی ہے اور ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے۔

نوٹ: اگر یا محمّد صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کہنا شرک ہوتا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کیوں یا محمّداہ کہتیں ۔ ولکن الوھابیۃ لا یعلمون۔

دلیل نمبر ۱۷۳:

علامہ رملی حنفی رحمۃ اللہ علیہ جو مصنف درِّ مختار کے استاذ ہیں اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

"قولھم یاشیخ عبدالقادر نداءفما الموجب لحرمۃ۔[440]

لوگوں کا یہ قول "یاشیخ عبدالقادر" یہ ایک آواز ہے۔ پھر اسکے حرام ہونے کی کیا وجہ ہے۔

---

[439] (البدایہ والنہایہ ص ۱۹۳ ج ۸)

[440] (فتاویٰ خیریہ ص ۲۸۲ ج ۲، احسن المأرب ص ۲۷)

دلیل نمبر ۱۷۴:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"یاسیدی یا رسول اللہ قد شرفت قصائدی بمدیح فیک قدر صفا"۔[441]

اے آقا و یار سول اللہ ﷺ آپ کی مدح سرائی کی وجہ سے میرے قصیدوں نے خوب عزت وشرافت حاصل کی۔

دلیل نمبر ۱۷۵:

امام الاولیاء سیّدی ابو مدین المغربی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فھو النبی محمّد وھو الذی ترجٰی شفاعتہ عذافی الموقف

یعنی آپ ﷺ وہ شخصیت ہیں جنکی شفاعت کی امید کل بروزِ قیامت کی جائیگی۔[442]

دلیل نمبر ۱۷۶:

دیوبندی جیّد عالم مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

یاشفیع العباد خذبیدی انت فی الاضطرار معتمدی

اے مخلوق کی شفاعت کرنے والے میری دستگیری فرمایئے آپ مشکلات میں میری امید گاہ ہیں[443]

---

[441](المجموعة النبھانیة ص ۵۸ ج ۲، المدائح النبویہ)

[442](المجموعہ النبھانیہ ص ۳۸۰ ج ۲)

[443](نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب)

دلیل نمبر ۱۷۷:

نواب صدیق حسن خان بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں:

یاسیدی یاعروتی و وسیلتی	یاعدتی فی شدۃ و رخاء
یامقصدی یااسوتی و معاضدی	و ذریعتی یامرصدی مولائی
شفعت جاھک ضارعامتزللا	مالی وراءک صارف الضراء
انت المغیث برحمۃ و کرامۃ	فی غمۃ وغوایل وبلاء
انجح مرامی یاکریم کرائم	انت القدیر علی نفاذ رجائی
مالی وراءک مستغاث فارحمنی	یارحمۃ للعٰلمین بکائی

یعنی اے میرے سردار اے میرے وسیلے اور سہارے، اے میرے سختی ونرمی کے سازوسامان، اے میرے مقصود، اے میرے پیشوا اور میرے مددگار، اے میرے ذریعہ اور ٹھکانے اور اے میرے مولا، میں نے انتہائی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے لیے آپ کی جاہ وجلال کو شفیع بنایا، میرے لیے آپ کے علاوہ کوئی اور تکلیف اور مصیبت دور کرنے والا نہیں۔[444]

دلیل نمبر ۱۷۸:

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیہقی کی روایت میں حضرت فاطمہ خزاعیہ فرماتی ہیں:

"وقفنا علی قبرہ فقلنا السلام علیک یاعم رسول اللہ فسمعنا کلاما ردعلینا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔

---

[444] (مائر صدیقی موسوم بہ سیرت والاجاھی ص ۱ ۳+ ۳۰ ج ۲، القصیدۃ العنبریۃ فی مدح الخیر البریۃ، راہ حق)

یعنی ہم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی کہ اے رسول اللہ ﷺ کے چچا مبارک، آپ پر سلامتی ہو تو ہم نے جواب میں وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ سُنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو سلام عرض کیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے سن کر جواب دیا۔[445]

دلیل نمبر ۱۷۹:

امام عبدالوھاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیّدی شمس الدین محمّد حنفی اپنے حجرہ میں وضو فرما رہے تھے کہ اچانک ان کا ایک جوتا (نعل شریف) غائب ہوا حالانکہ حجرہ میں کوئی جانے کا راستہ بھی نہیں تھا۔ اور دوسرا جوتا اپنے خادم کو دیا کہ اپنے پاس رکھو جب تک کہ دوسرا جوتا واپس نہ آئے۔ کچھ دن بعد ملک شام سے ایک شخص نے وہی جوتا واپس لاکر دیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔

"ان اللص لما علی صدری لیذبحنی قلت فی نفسی یا سیّدی محمّد یا حنفی فجاءته فی صدره فانقلب مغمی علیه ونجانی اللہ عزّ وجل ببرکتک"۔

یعنی جب ڈاکو نے میرے سینے پر بیٹھ کر مجھے قتل (ذبح) کرنے کا ارادہ کیا تو میں نے دل میں کہا کہ (یا سیدی یا حنفی) جب میں نے یہ آواز دی تو اسی وقت غیب سے یہ جوتا آیا اور اس ڈاکو کے سینے پر اس زور سے لگا کہ وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر گیا اور میں آپ کی برکت سے بچ گیا۔[446]

---

[445](شرح الصدور ص ۸۷)

[446](طبقات الکبری مصری ص ۹۵ ج ۲)

دلیل نمبر ۱۸۰:

مولوی سید نورالحسن بخاری دیوبندی لکھتے ہیں کہ علماء نجد میں ایک ممتاز عالم علامہ عبدالمجید خطیب، جو پاکستان میں سعودی سفیر کی حیثیت سے بھی رہے ہیں اور سعودی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے، نے آپ ﷺ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا نام "تحیۃ للحبیب" ہے۔ مصر میں طبع ہوا ہے۔اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

و صلی اللہ و الملائکۃ من قدیم	علیہ اللہ فی الرسل الکرام
و قال علیہ صلوا یا عبادی	و زیدوا فی التحیۃ و السلام
لھذا یا رسول اللہ انی	اتیت مقدما کل احترام
و حسبنی ان ترد علی سلامی	بنفسک یا حبیبی بالسلام
علیک سلام اللہ یا سید الوریٰ	و من قدرہ عند الالٰہ عظیم
و فی مسجدی یا قوم صلو و سلموا	علی فانی بالسلام علیکم
ارد علیکم بالسلام فخالقی	یرد الی الروح و ھو حکیم
و کان ابن فاروق یجئی اذاتی	الیہ من الاسفار و ھو بھیم
و لم یعرض یوما علیہ صحابی	و ھذا دلیل للجواز قویم

آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ قدیم (پہلے) سے رسولوں کے درمیان میں رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے میرے بندو میرے رسول ﷺ پر درود پڑھو اور ھدیۂ سلام پیش کرو۔ یارسول اللہ ﷺ اس لئے میں انتہائی ادب اور احترام سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔اے میرے محبوب میرے لئے یہ کافی ہے کہ آپ ﷺ میرے سلام کے جواب میں سلام فرما دیجئے۔اے سردار کائنات آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔بارگاہِ الٰہی میں آپ کی بڑی عزّت وقدر ومنزلت ہے۔اے مسلمانوں میری مسجد میں مجھ پر درود وسلام عرض کیا

کرو کیونکہ میں صلوٰۃ وسلام سنتا ہوں اور میرا خالق میری روح کو میری طرف متوجہ فرماتا ہے تو میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ جب بھی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر سے تشریف لاتے تو بالارادہ آپ کے در پر حاضر ہوتے اور سلام عرض کرتے اور کسی صحابی رضی اللہ نے بھی آپ پر اعتراض نہیں کیا تو اس عمل پر یہ مضبوط دلیل ہے۔[447]

دلیل نمبر ۱۸۱:

دیوبندی مسلک کے حکیم الامت مولوی تھانوی صاحب اپنے ایک خط میں سخت پریشانی کے وقت اپنے مرشد کی بارگاہ میں یوں عرض کرتے ہیں:

یامرشدی یاموئلی یامغزعی — یاملجائی فی مبدئ و معادی
ارحم علی یاغیاث فلیس لی — کھفی سوی حبکم من زاد
فاز الانام بکم و انی ھائم — فانظر الی برحمۃ یاھاد
یاسیّدی اللہ شیئا انّہ — انتم لی المجدی و انی جادی

اے میرے مرشد، میرے مولا۔ اے میرے وحشت کے انیس، اے میری دنیا و آخرت کی جائے پناہ، اے میرے فریادرس مجھ پر رحم فرمایئے کیونکہ میں محبت کے علاوہ کچھ نہیں رکھتا، اے ھادی مجھ پر نظرِ رحمت فرمایئے۔ اے میرے سردار اللہ کیلئے کچھ عطاء کیجئیے کیونکہ آپ دینے والے ہیں اور میں سوالی ہوں۔[448]

---

[447](حیاۃالنبی سیدالکائنات ص ۱۳۲)(رحمت کائنات ص ۲۳۵، ص ۲۳۶ مولوی زاھدالحسینی صاحب)
[448](تذکرہ الرشید ص ۱۱۴ ج ۱)

دلیل نمبر ۱۸۲:

غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من استغاث بی فی کربة کشفت عنهٔ ومن نادی باسمی فی شدة فرجت عنه ومن توسل بی الی اللّٰہ عزّ وجل فی حاجة قضیت لهٔ

یعنی جو بھی تکلیف کے وقت مجھ سے فریاد کرے تو اس کی تکلیف ختم ہو جائے گی اور جو بھی سختی کے وقت میرا نام لے تو سختی دور ہو جائے گی اور جو بھی مجھے حاجت کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ کرے تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔[449]

دلیل نمبر ۱۸۳:

در مختار میں ہے:

"ویقصد بالفاظ التشهد معانیها مرادة لهٔ علی وجه انشاء کانه یحیی اللّٰہ ویسلم علی نبیه وعلی نفسه واولیاءه لا الاخبار عن ذلک ذکره فی المجتبی"۔

تشہد کے الفاظ سے ان کے معنیٰ کو انشاء کے طریقے سے مراد لیا جائے گویا کہ نمازی تحیۃ خداوندی ادا کرتا ہے اور اس کے رسول پر سلام عرض کرتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ پر اور اپنے آپ پر سلام عرض کرتا ہے۔ اس سے مراد اخبار نہ لیا جائے۔[450]

---

[449] (بهجة الاسرار، خلاصة المفاخر، نزهة الخاطر، تحفه قادريه، زبدة الاثار)

[450] (درمختار ص ۳۵۴، البصائر ص ۱۰۵)

دلیل نمبر ۱۸۴:

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی:

" یا رسول اللہ کیف نصلی علیک یعنی فی الصلوۃ قال تقولون اللھم صلّی علی محمّد...الخ"۔

یعنی حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہم آپ پر نماز میں کس طرح درود پڑھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: **اللھم صلّی علی محمّد...الخ۔**[451]

دلیل نمبر ۱۸۵:

علامہ شامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ای لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ ﷺ ومن ربہ سبحانہٗ ومن الملائکۃ علیھم السلام"۔

یعنی التحیات میں "**السلام علیک ایّھا النبی**" سے واقعہ معراج کی حکایت کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔[452]

دلیل نمبر ۱۸۶:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (الاحزاب ۵۶)

---

[451](جلاء الافھام لابن قیم ص ۱۶)

[452](رد المختار ص ۳۵۸)

اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صلوٰۃ و سلام دونوں کا حکم فرمایا ہے۔ اس کی تعمیل میں امّتی الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ کہہ سکتا ہے۔ صلوّا کے حکم سے الصلوٰۃ اور سلموا کے حکم سے السلام اور علیہ کے حکم سے علیک یا رسول للہ کہے۔ گویا "الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ" اس حکم کی تعمیل ہے اگر اس آیت کریمہ کی تعمیل درود ابرا ھیمی سے ہو تو یہ تعمیل پوری نہ ہو گی کیونکہ درود ابرا ھیمی میں صلوٰۃ ہے مگر سلام نہیں ہے اور آیت میں دونوں کا حکم ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ کی مکمل تعمیل "الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ" کے ساتھ ہو گی۔ اور رہی بات درود ابرا ھیمی کی کہ آپ ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے تو یہ درود نماز کے ساتھ خاص ہے جسے تمام مسلمان پڑھتے ہیں۔[453]

دلیل نمبر ۱۸۷:

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا:

"یا محمّد لا یصلی علیک احد الاصلی علیہ الف ملک و من صلت علیہ الملائکۃ کان من اھل الجنّۃ"۔

اے محبوب ﷺ آپ پر جو بھی ایک مرتبہ درود شریف پڑھے اس پر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اور جس پر فرشتے درود شریف پڑھیں وہ جنتی ہے۔[454]

---

[453] (راہ حق ص ۳)

[454] (درۃ الناصحین ص ۲۷)

دلیل نمبر ۱۸۸:

اتوار کے دن جب آپ ﷺ کا مرض شدت اختیار کر گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور پھر دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی "الصَّلٰوۃ و السَّلام علیک یا رسول اللہ"۔[455]

دلیل نمبر ۱۸۹:

"یا عائشۃ الویل ثم الویل لمن لم یرنی یوم القیامۃ" اے عائشہ رضی اللہ عنہا اس شخص پر ہلاکت ہو جو قیامت کے دن بھی مجھے نہ دیکھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے محبوب ﷺ وہ کون بدبخت ہو گا آپ ﷺ نے فرمایا جو بخیل ہو گا۔ پوچھا کہ بخیل کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جو میرا نام مبارک سنے اور مجھ پر درود پاک نہ پڑھے۔[456]

دلیل نمبر ۱۹۰:

حضرت علی رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ سفر پر جا رہا تھا ایک جگہ پہاڑی سلسلہ آیا ابھی ہم زیادہ دور بھی نہیں گئے تھے کہ ایک آواز آئی "الصلٰوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ، الصلٰوۃ و السلام علیک یا حبیب اللہ" حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چاروں طرف دیکھا آواز تو آ رہی ہے مگر کوئی نظر نہیں آ رہا۔ آواز دوبارہ آئی مگر نظر کوئی نہ آیا، میں نے بارگاہِ اقدس میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ اس پہاڑ میں کون آپ کا عاشق ہے جو محبت سے درود پڑھ رہا ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ پہاڑ نظر آ رہا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں: فرمایا

---

[455] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۶۱)
[456] (تذکرۃ الواعظین ص ۱۷۸)

اس کی چوٹی نظر آرہی ہے تو میں نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا کہ اس چوٹی پر ایک پتھر ہے جو مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے۔[457]

دلیل نمبر ۱۹۱:

ویتحول قدر زراع حتی یحاذی رأس الصدیق ایضاً "ویقول السّلام علیک یا خلیفة رسول اللہ، السّلام علیک یا صاحب رسول اللہ فی الغار، السّلام علیک یا رفیقه فی الاسفار، السّلام علیک یا امینه علی الاسرار جزاک اللہ عنّا"۔[458]

پھر ایک گز فاصلے پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سرِ مبارک کے سامنے ہو جائے اور مذکورہ الفاظ سے سلام عرض کرے۔

دلیل نمبر ۱۹۲:

"ثم یرجع قدر نصف ذراع فیقول السلام علیکما یا ضجیعی رسول اللہ ﷺ و رفیقیه و وزیریه و مشیریه و المعاونین له علی القیام فی الدین و القائمین بعده بمصالح المسلمین جزاکما اللہ تعالٰی احسن الجزاء"۔[459]

پھر نصف گز کے فاصلے سے واپس ہو کر مذکورہ الفاظ سے عرض کرے۔

دلیل نمبر ۱۹۳:

مولانا شیخ القرآن والحدیث عبدالمتین دیوبندی شموزئ سواتی لکھتے ہیں کہ: بعض دشمنانِ اسلام یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ جیسے ندائیہ الفاظ سے اور زیارت قبور سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور کہتے

---

[457](شفاشریف، بارہ تقریریں ص ۱۸۰)

[458](سراج الوهاج هندیه، مراقی ص ۴۴۹)

[459](سراج الوهاج، هندیه ص ۲۸۵)

ہیں کہ غیر اللہ کو نداء کرنا (پکارنا) ناجائز ہے۔حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ غائب کو نداء کرنا (پکارنا) جائز ہے۔[460]

دلیل نمبر ۱۹۴:

"ان جسدہ الشریف لایخلو عنہ زمان ولا مکان ولا عرش ولا کرسی ولا قلم ولا بر ولا بحر ولا سھل ولا وعر ولا برزخ ولا قبر"۔

بیشک آپ ﷺ کے جسم مبارک سے نہ کوئی زمانہ خالی ہے نہ مکان، نہ عرش، نہ کرسی، نہ قلم، نہ جنگل، نہ دریا، نہ نرم زمین، نہ سخت زمین نہ برزخ نہ قبر۔[461]

دلیل نمبر ۱۹۵:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِینَ مِنْ اَنفُسِھِمْ (الاحزاب ٦) یعنی آپ ﷺ مومنوں سے انکی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔[462]

دلیل نمبر ۱۹۶:

حضرت مولوی حمد اللہ جان دیوبندی لکھتے ہیں:

"ویقصد بالفاظ التشھد معانیھا مرادۃ لہٗ علی وجہ الانشاء کانّہٗ یحیی اللہ تعالٰی ویسلم علی نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلی نفسہ"۔

---

[460] (الرسائل الستہ فی المسائل السۃ ص ۵۷)

[461] (جواھر البحار ص ۴۸۳)

[462] (تحذیر الناس ص ۱۴، عقائد اھلسنت ص ۹۶)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیھم الرضوان اور تمام امت کے لوگوں نے نداء کی ہے لہٰذا یہ کفر اور شرک نہیں ہے اگر کوئی دور سے پکارنے کو کفر وشرک کہتا ہے تو وہ خود اپنے آپ کو کافر بناتا ہے۔[463]

دلیل نمبر ۱۹۷:

حضرت علامہ پیر طریقت شمع ھدایت شیخ گل صاحب لنڈی کوتل رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں "الصّلوٰۃ و السّلام علیک یا رسول اللہ" درود شریف ہے اور اذان سے پہلے اور بعد میں درود شریف پڑھنے کا بہت ثواب ہے یہ بات کتاب وسنت اور اقوال علماء اہلسنّت سے واضح ہے۔[464]

دلیل نمبر ۱۹۸:

آپ ﷺ نے صحابہ کرام علیھم الرضوان کو اس طرح ندائیہ کلمات کی تعلیم دی ہے۔

"السّلام علیک ایھاالنبی۔۔۔الخ" اس غرض سے کہ یہ نداء قیامت تک ہوگی اور وقت زمین کے اوپر اور اندر دونوں کو شامل ہے تو اس سے نداء بعد الوفات ثابت ہوئی اس پر صحابہ کرام علیھم رضوان، تابعین اور آئمہ اربعہ اور تمام امت نے عمل کیاہے۔[465]

دلیل نمبر ۱۹۹:

قولہٗ تعالیٰ حکایۃ عن شعیب علیہ السلام " وَ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (۹۰)فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ

[463](البصائر ص ۱۰۵ ،مراقی ص ۱۷۰ ،هندیه ص ۹۸ ،اثبات الاغراض ص ۲۵)
[464](اوضح البیان ص ۱۴۰)
[465](اثبات الاغراض ص ۲۵ ،البصائر ص ۱۰۵)

(الاعراف ۹۱) "ای بارکین علی الرکب متین (الی قولہ) وقال یا قوم لقد ابلغتکم رسالٰت ربّی ونصحت لکم فکیف أسٰی علی قوم کافرین۔

اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کا قصّہ یوں سنایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے کافر سردار بولے کہ اگر تم شعیب علیہ السلام کے تابع ہوئے تو تم ضرور نقصان میں رہوگے تو انہیں زلزلے نے آلیا تو صبح اپنے اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ شعیب علیہ السلام کو جھٹلانے والے گویا ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ شعیب علیہ السلام کو جھٹلانے والے ہی تباہی میں پڑے تو شعیب علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم میں تمھیں اپنے رب کی رسالت پہنچاچکا اور تمھارے بھلے کو نصیحت کی تو کیو نکر کافروں کا غم کروں۔

دلیل نمبر ۲۰۰:

دیوبندی مسلک کے ممتاز عالم مولوی حمد اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"یستحب ان یقال عند سماع الاول من الشھادۃ صلّی اللہ علیک یا رسول اللہ، وعند الثانیہ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ"۔

مستحب ہے کہ اذان میں پہلی مرتبہ اشھد انّ محمدرسول اللہ ﷺ پر صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شھادت کے وقت قرّۃ عینی بک یا رسول اللہ کہے۔[466]

دلیل نمبر ۲۰۱:

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال اذا اصاب احد کم جرحۃ بارض فلاۃ فلینا داعینوا یا عباداللہ یرحمکم اللہ"۔

---

[466](البصائر ص ۱۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی کسی جنگل میں گرفتار ہو جائے تو یوں آواز دے کہ اللہ تعالیٰ کے بندو تم پر اللہ کی رحمت ہو میری مدد کرو۔[467]

دلیل نمبر ۲۰۲:

يٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ (ص ۲۶)

اے داؤد (علیہ السلام) ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا۔

دلیل نمبر ۲۰۳:

يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتَ (المائدة ۱۱۰)

اے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام میرے احسانات کو یاد کرو۔

دلیل نمبر ۲۰۴:

يٰزَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ (مریم ۷)

اے زکریا (علیہ السلام) ہم آپ کو خوشخبری سناتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲۰۵:

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ (مریم ۱۲)

اے یحییٰ (علیہ السلام) کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

دلیل نمبر ۲۰۶:

يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (المزمل ۱)

---

467 (تفسیر کبیر ص ۱۶۳، البصائر ص ۱۵ ، اثبات الاعراض ص ۶۵، فدائے یا محمد ص ۱۵۲ ، ضیاء الصدور ص ۱۷ ، جآء الحق ص ۱۹۸ ، سماع البعید ص ۱۰۹، روح البیان ص ۱۱۷ ج ۲، الحجج البیّنات ص ۹ ، حصن حصین مع شرح تحفۃ الزاکرین ص ۱۸۱ + ص ۱۸۲ ، کتاب الاذکار ص ۲۰۱ ، الرسائل الستہ فی المسائل الستہ ص ۵۶ ، تنبیہ الضمائر ص ۳۹، اطیب البیان ص ۵۵ ، المسائل المنتخبہ ص ۲۳ ، فتنۃ الوہابیۃ ص ۷۰، مقیاس مناظرہ ص ۲۶)

اے کمبل میں لپٹنے والے۔

دلیل نمبر ۲۰۷:

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (المدثر ۱)

اے بالاپوش اوڑھنے والے۔

دلیل نمبر ۲۰۸:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (الاحزاب ۳۲)

اے نبی کریم (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) کی ازواج مطہرات آپ دیگر عورتوں کی طرح نہیں ہیں۔

دلیل نمبر ۲۰۹:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ (الاحزاب ۳۰)

اے ازواج مطہرات آپ میں سے جو آئیں۔

دلیل نمبر ۲۱۰:

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ساتھ تھا جب آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم جا رہے تھے۔ ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں اونٹ کو قتل کیا گیا تھا اور لوگ جمع تھے۔ جب آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اونٹ کے قریب ہوئے تو اونٹ نے آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو دیکھ کر آواز دی "اغثنی یا رسول اللہ" اے اللہ کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم میری دادرسی فرمایئے۔[468]

[468] (تذکرۃ الواعظین ص ۴۹۰)

دلیل نمبر ۲۱۱:

جب نبوتِ سرکارِ مدینہ کا ظہور ہوا تو اس دن تمام جمادات نے ان الفاظ سے سلام پیش کیا:
"السَّلام علیک یا رسول اللہ"۔[469]

دلیل نمبر ۲۱۲:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (پیر و مرشد اکابر دیوبند) لکھتے ہیں:

آپ کی فرقت نے مارا یا نبی ﷺ — دل ہوا غم سے دوپارہ یا نبی ﷺ
طالب دیدار ہوں دکھلایئے — روئے نورانی خدارا یا نبی ﷺ
حق تعالیٰ کے تم ہی محبوب ہو — کون ہے ہمسر تمہارا یا نبی ﷺ
لیجئیے در پر بلا کب تک پھروں — دربدریاں مارا مارا یا نبی ﷺ
باغِ جنت سے ہے افضل لاکھ بار — مجھ کو وہ کوچہ تمھارا یا نبی ﷺ
چین آتا ہے میرے دل کو تمام — نام لیتے ہیں تمھارا یا نبی ﷺ
مرتے دم گر دیکھ لوں روئے شریف — زندگی ہووے دوبارہ یا نبی ﷺ [470]

اگر ہم اہلسنت کو یارسول اللہ کہنے پر وہابی "مشرک" کہتے ہیں تو انکا اپنا پیر و مرشد بھی مشرکین کے زمرہ میں آتا ہے اور اگر وہ مشرک نہیں تو "یارسول اللہ" کا نعرہ لگانے والے بھی مشرک نہیں الغرض جن مسائل میں علماء و عوام مشرک نہیں ہوتے تو ان کو مشرک کہنا خود مشرک ہونا ہے۔[471]

[469](جواھر البحار ص ۱۷۹)
[470](بحوالۂ تحفہ محمدی ص ۲۲، حصہ چھارم)
[471](برکاتِ میلاد شریف و سلام و قیام)

دلیل نمبر ۲۱۳:

یٰاَیُّھَاالنَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا (الاحزاب ۵۴)

اے نبی غیب کی خبر دینے والے ہم نے آپکو گواہ بنا کر بھیجا۔

دلیل نمبر ۲۱۴:

"وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ من خبر الاولین والاٰخرین وما کان وماھو کائن قبل ذلک من فضل اللہ علیک یا محمد من خلقک"۔

یارسول اللہ ،اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولین وآخرین کا علم دیا ہے جنکا آپ کو علم نہ تھا اور آپ کے پیدا ہونے کے بعد آپ کو ماقبل اور بعد میں ہونے والے تمام اشیاء کا علم عطا فرمایا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے۔[472]

دلیل نمبر ۲۱۵:

مشہور فقیہ عبد الرحمٰن بن الشیخ محمد بن سلیمان الحنفی المعروف بداماد آفندی لکھتے ہیں:

" ویقول السلام علیک یا رسول اللہ اسئلک الشفاعۃ الکبرٰی واتوسل بک الی اللہ تعالیٰ فی ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک"۔

یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ پر سلامتی ہو میں آپ ﷺ کی شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کو وسیلہ بناتا ہوں کہ میں آپ ﷺ کی ملت اور سنت پر مسلمان ہو کر مروں۔[473]

---

[472](ابن جریر ص ۱۶۳ ج ۵)

[473](مجمع الانہر ص ۳۱۳ ج ۱ ،بحوالہ تسکین الصدور ص ۳۶۱)

دلیل نمبر ۲۱۶:

علامہ سیّد احمد طحطاوی رحمتہ اللہ علیہ "الشفاعۃ" کی تشریح فرماتے ہیں "ای نطلب منک الشفاعۃ یارسول اللہ" یارسول اللہ ہم آپ سے شفاعت کی التجاء کرتے ہیں۔[474]

دلیل نمبر ۲۱۷:

"ویبلغہ سلام من اوصاہ فیقول السلام علیک یا رسول اللہ من فلان بن فلان یشفع بک الی ربک فاشفع لہٗ ولجمیع المسلمین۔۔۔الخ"۔

جو شخص کسی کو آپ ﷺ پر سلام کرنے کی وصیت کرے تو وہ بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر یوں سلام عرض کرے کہ یارسول اللہ فلان ابن فلان آپ کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہیں اور آپ کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ بناتے ہیں ان کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمایئے۔[475]

دلیل نمبر ۲۱۸:

خاتم المحدثین برکۃ المصطفیٰ فی الہند حضرت مولانا عبدالحق محدث دھلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صلّی اللہ علیک یا رسول اللہ، وسلم علیک یا حبیب اللہ"۔[476]

دلیل نمبر ۲۱۹:

"واخرج ابو یعلیٰ عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ سمعتُ رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لینزلن عیسیٰ بن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لاجیبنّہٗ"۔

---

[474] (طحطاوی ص ۴۰۶)

[475] (عالمگیری ص ۲۸۲ ج ۱)

[476] (تکمیل الحسنات ص ۷)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا فرمایا کہ قسم اس ذات (خداوندی) کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، وہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو نازل فرمائیگا (آسمان سے اتارے گا) کہ جو میری قبر شریف پر کھڑے ہو کر یا محمد (ﷺ) کہیں گے تو میں ضرور جواب دونگا۔

دلیل نمبر ۲۲۰:

وایضاً قال رئیس المخالفین مولوی اشرف علی تھانوی:

یاشفیع العباد خذبیدی انت فی الاضطرار معتمدی

اے بندوں کی شفاعت کرنے والے میری دستگیری فرمایئے کیونکہ آپ پر میرا اعتماد و بھروسہ ہے۔[477]

دلیل نمبر ۲۲۱:

قَالُوا يَاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا اِنَّا كُنَّا خٰطِئِينَ (یوسف ۹۷)

بولے اے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی معافی مانگئے بیشک ہم خطاوار ہیں۔

دلیل نمبر ۲۲۲:

قولہ تعالیٰ حکایہ عن صالح علیہ السلام وقالوا وَ قَالُوا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ﴿۷۸﴾ (بارکین علی الرکب میتین) فَتَوَلّٰى (اعرض صالح) عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النّٰصِحِينَ ﴿۷۹﴾ (ای بعد ان ھلکوا و ماتوا کما خاطب النبی الکفار من قتلی بدر حین القوا فی القلیب فقال عمر رضی اللہ عنہ یارسول اللہ کیف تکلم اقواما قد جیفوا افقال ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکن لا یجیبون۔ (جلالین و صاوی)

---

[477] (نشر الطیب ص ۱۹۴)

یعنی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مُردوں کو آواز دینا (پکارنا) جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کا قصہ یوں بیان فرمایا ہے۔

"بولے اے صالح ہم پر لے آئو وہ عذاب جس کا تم وعدہ کر رہے ہو اگر تم رسول ہو تو انھیں زلزلے نے آلیا تو صبح اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ تو صالح علیہ السلام نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم! بیشک میں نے تمھیں اپنے رب کی رسالت پہنچادی اور تمھارا بھلا چاہا مگر تم خیر خواہوں کے غرض (پسند کرنے والے) ہی نہیں۔ (کنزالایمان) یہ باتیں اور نداء اور حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کی ہلاکت اور موت کے بعد کی ہیں جیسے کہ آپ ﷺ نے ان کفار کو خطاب فرمایا تھا جو میدان بدر میں قتل کئے گئے تھے اور پھر کنویں میں پھینک دیئے گئے تھے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ان لوگوں سے باتیں کرتے ہیں جو مر گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے یعنی یہ ہے کہ ایسا جواب نہیں دیتے جو تم نہیں سنتے۔

دلیل نمبر ۲۲۳:

مسئلک اہل سنّت میں عقیدت سے یا شیخ عبد القادر جیلانی اور اسی طرح دیگر اولیاء مثلاً پیر بابا، داتا گنج بخش، شاہ سمنگاں وغیر ہم کو نداء کرنا (پکارنا) جائز ہے اور جو شخص ان الفاظ کے قائلین کو مشرک، کافر یا مرتد و ملعون کہتا ہے وہ خود ملعون، و کافر ہے۔ (الحق المبین)

وہابیوں کے امام ابن قیم نے بھی یہ حدیث بطور استدلال نقل کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ مردے سنتے ہیں جب عام مردوں کا سننا ثابت ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی سماعت بدرجہ اُولیٰ ثابت ہے۔

دلیل نمبر ۲۲۴:

مولوی حمد اللہ جان دیوبندی صاحب جب حج کیلئے تشریف لے گئے تو امام الخوارج فی زمانہ مولوی محمد طاہر پنج پیری بھی گیا اور مکہ میں ان سے مناظرہ کیا اور پنج پیری کو ملامت کرکے شرمندہ کیا۔ دورانِ مناظرہ مولانا سیّد جلال الدین نے مفتی مکہ مکرمہ سے پوچھا کہ الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ دربار نبوی سے باہر (دور) پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مفتی مکہ مکرمہ نے کہا کہ میں یہاں بھی الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھتا ہوں یعنی مکہ مکرمہ میں اور یہ میرے نزدیک جائز ہے۔[478]

دلیل نمبر ۲۲۵:

دیوان قاضی بیدل میں اسطرح نداء کی گئی ہے۔

یاشفیع المذنبین المستغاث یاامام المتقین المستغاث[479]

دلیل نمبر ۲۲۶:

شیخ القرآن والحدیث حافظ کفایت اللہ دیوبندی لکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص بطورِ وظیفہ یہ وظیفہ پڑھے:

"یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیأللہ اقض حاجتی باذن اللہ وبحرمۃ محمد بن عبداللہ"۔

اور یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ انھیں یہ آواز سُنا دے گا بطور کرامت تو یہ فعل جائز ہے۔

اور شیأً مصدر ہے شوی یشوی شواءً سے مطلب یہ ہوا کہ محبت الٰہی میں بھُنا ہوا۔[480]

---

[478](دعوۃ التوحید والسنۃ ص ۴)

[479](دیوان، قاضی بیدل ص ۲۶)

[480](الذخائر لاھل البصائر ص ۲۱)

دلیل نمبر ۲۲۷:

مولانا موصوف لکھتے ہیں کہ "یا دافع البلاء والوباء" کہنا جائز ہے۔اس میں آپ ﷺ کی طرف نسبت مجازاً ہوئی ہے۔[481]

دلیل نمبر ۲۲۸:

مولانا موصوف لکھتے ہیں جب کوئی شخص درود شریف "الصّلوٰۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ" پڑھے تو آپ ﷺ خود بطورِ خرقِ عادت اپنے کان مبارک سے سنتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲۲۹:

دارالعلوم حقّانیہ کے مفتی و شیخ الحدیث مفتی محمد فرید سے پوچھا گیا "یا محمّد و یا رسول اللہ" کہنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ یا محمّد لکھنا اور پڑھنا جائز ہے اسکی مخالفت کرنے والے سلفی اور وھابی ہیں۔(فتویٰ ہمارے پاس موجود ہے)

دلیل نمبر ۲۳۰:

حضرت علامہ حافظ کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں۔ایک اعرابی آپ ﷺ کی وفات کے بعد روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور اپنے سر پر خاک پاک ڈالی اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ جو قرآن پاک آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت کریمہ بھی ہے "وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوا اَنفُسَھُمْ جَآءُوکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیمًا ﴿۶۴﴾ " میں حاضر ہو اہوں میرے لیے دعا فرمایئے تو قبر انور سے آواز آئی کہ تمھاری بخشش ہو گئی ہے۔[482]

---

[481](الذخائر لاھل البصائر ص ۲۱)

[482](تفسیر ابنِ کثیر ص ۵۲۰ ج ۱،الذخائر ص ۵،تسکین الصدور ص ۳۵۲)

دلیل نمبر ۲۳۱:

شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ بعض لوگ طریقت کے مقاصد کے حصول کیلئے ختم کرتے ہیں اس میں گیارہ مرتبہ "یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمة الله علیه شیأًلله" پڑھتے ہیں۔[483]

دلیل نمبر ۲۳۲:

خطیب پاکستان مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں " الصلوۃ والسّلام علیک یارسول للہ " پڑھنابیشک جائزہے اس کو شرک کہنا جہالت اور گمراہی ہے۔[484]

دلیل نمبر ۲۳۳:

مولانا قاضی حبیب الحق پر مولوی دیوبندی لکھتے ہیں انبیاءواولیاء کو نداء کرنابطریقۂ توسل جائز ہے۔[485]

دلیل نمبر ۲۳۴:

الحمدللہ اہلِ سنت وجماعت "الصلوۃ والسّلام علیک یارسول اللہ" پڑھتے ہیں جو آیت کریمہ کی تعمیل ہے۔[486]

---

[483] (بحوالہ اظہار حق ص ۵۲، میاں ظاھر شاہ مدین سوات)
[484] (راہِ حق ص ۲)
[485] (المسائل المنتخبہ ص ۳۳)
[486] (راہِ حق ص ۶)

دلیل نمبر ۲۳۵:

مولانا شمس الحق افغانی جامعہ اسلامیہ بہاولپور لکھتے ہیں یارسول اللہ شوق و محبت سے پڑھنا جائز ہے اور جب کوئی شخص تشہد میں بیٹھے تو اپنے دل میں آپ ﷺ کو حاضر کرکے **السلام علیک ایّھا النبی** کہے۔[487]

دلیل نمبر ۲۳۶:

حضرت مولانا حافظ کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں: "**ان فلتت دابۃ احد کم فلیصلی رکعتین والیقراء فاتحۃ الکتاب فلیقل یا سیّدی احمد بن علوان ان لم ترد علیّ ضالتی لنزعتک من دیوان الاولیاء وھذا مجرب** " اس میں میت سے توسل کرنا اور اسے (نداء کرنا) پکارنا ثابت ہے۔[488]

دلیل نمبر ۲۳۷:

آپ ﷺ کے دربار گہربار میں آپ ﷺ پر درود شریف "**الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ**" پڑھا جاتا ہے۔ جس میں آیتِ کریمہ کی تعمیل ہے۔ جو لوگ مذکورہ درود شریف کو شرک کہتے ہیں ان سے پوچھنا چاہیے کہ آیا یہ لوگ صبح وشام دربار نبوی میں شرک کرتے ہیں بلکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہاں شرک نہیں ہے مگر یہاں شرک ہے۔ چونکہ یہ لوگ ہر کارِ خیر کو شرک کہتے ہیں اس لیے اگر درود شریف کو بھی شرک کہیں تو کوئی تعجب نہیں۔[489]

---

[487] (صحیح مسلک ص ۱۶، امداد الفتاویٰ ص ۳۸۳ ج ۵)

[488] (شامی ص ۳۳۴ ج ۳، الذخائر ص ۷)

[489] (راہِ حق ص ۷)

دلیل نمبر ۲۳۸:

"اشفع لامتی حتی ینادینی ربی ارضیت یا محمّدفا قول ای رب رضیت" (فیصلہ حق وباطل) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھ سے فرمائیگا کہ یا محمد ﷺ کیا آپ راضی ہوگئے ہیں میں عرض کرونگا کہ اے میرے رب میں راضی ہو گیا۔

دلیل نمبر ۲۳۹:

"یا محمد ارفع رأسک وقل تسمع وسل تعط واشفع تشفع فاقول یارب امتی امتی "۔[490]

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ آپ ﷺ سے فرمائیگا کہ سر اٹھایئے اور فرمایئے سُنا جائیگا مانگئے عطا کیا جائیگا۔ شفاعت فرمایئے قبول ہو گی، میں عرض کرونگا کہ یااللہ میری امت کو معاف فرما۔

دلیل نمبر ۲۴۰:

مولانا عبد الجبار دیوبندی لکھتے ہیں: انبیاء کرام علیہم السلام کو آواز دینا جائز ہے۔ اگر کوئی کہے "یارسول اللہ، یا حبیب اللہ، یا رحمۃ للعٰلمین، یا محمد ﷺ یا احمد، یا عیسیٰ، یا موسیٰ، یا داؤد، یا زکریا، یاایھاالنبی، یاایھاالرسول، یاایھاالمزمل، یاایھاالمدّثر، یاآدم علیہم السلام، یہ سب جائز ہیں "۔[491]

[490](مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۸)

[491](سنن الھدیٰ ص ۵)

دلیل نمبر ۲۴۱:

تمام صحابہ کرام علیھم الرضوان، تابعین، تبع تابعین، آئمّہ، اولیاء اللہ اور تمام اہلِسنت یہ درود شریف پڑھتے ہیں "الصلوۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ" اور کہتے ہیں کہ یہ درود شریف حق ہے۔[492]

دلیل نمبر ۲۴۲:

آپ ﷺ کو احترام کے ساتھ یا محمد ﷺ سے پکارنا جائز ہے۔[493]

دلیل نمبر ۲۴۳:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن میں کوہِ حرا پر تھا کہ غیبی آواز یوں آئی "یا محمد انک رسول اللہ" میں نے ارد گرد دیکھا کوئی نظر نہ آیا۔ اوپر دیکھا تو وہ فرشتہ نظر آیا جو وحی لیکر غارِ حرا آیا تھا۔[494]

دلیل نمبر ۲۴۴:

حضرت علامہ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ روح البیان میں لکھا ہے کہ درود شریف کی بہت فضیلت ہے ہر مسلمان کو چاہیے کہ یہ درود شریف پڑھے:

"الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" یا حبیب اللہ، یا خلیل اللہ"۔[495]

---

[492] (راہِ حق ص ۹۲)
[493] (ندائے یا محمد ﷺ ص ۱۷)
[494] (شانِ حبیب الرحمٰن ص ۲۰۹)
[495] (شانِ حبیب الرحمٰن ص ۱۵۷)

دلیل نمبر ۲۴۵:

مولانا حمد اللہ جان دیوبندی لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی وفات پر فرمایا، "یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ جنۃ الفردوس ماواہ"۔[496]

اے میرے والدِ محترم آپ نے رب کی دعوت قبول فرمائی۔اے میرے ابا جان جنت الفردوس آپ کا ٹھکانہ ہے۔

دلیل نمبر ۲۴۶:

حضرت مولانا نوران شاہ صاحب لکھتے ہیں: "یارسول اللہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں، آپ کے وسیلے سے دنیا روشن ہوئی آپ کی مثل کوئی نہیں، میں اپنا سر و مال آپ پر قربان کرونگا الخ"۔[497]

دلیل نمبر ۲۴۷:

آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا "یا محمد ارسلنی اللہ الیک تکریما لک و تشریفا لک خاصۃ لک"۔[498] اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کی خدمت میں آپ کی تعظیم و تکریم کیلئے بھیجا گیا ہے۔

---

[496] (بخاری شریف، البصائر ص ۱۰۵)
[497] (کیمیائے صداقت ص ۵)
[498] (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۵۴۹)

دلیل نمبر ۲۴۸:

"یا محمد من ادرک احد والدیہ فلم یدخلاہ الجنّۃ فابعدہٗ اللہ ثم ابعدہ"۔

اے محبوب ﷺ جس نے اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پایا اور انکی خدمت کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو اپنی رحمت سے دور فرمائے۔[499]

دلیل نمبر ۲۴۹:

احادیث اور فقہ کی کتابیں ثابت کرتی ہیں کہ ہمیشہ کیلئے یا رسول اللہ کہنا مستحب اور باعثِ برکت ہے۔[500]

دلیل نمبر ۲۵۰:

یامحمد ان ربّک یقرأ علیک السلام... (الخ)۔

اے محبوب ﷺ بیشک اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے۔[501]

دلیل نمبر ۲۵۱:

"کلھم یطلبون رضائی و انا اطلب رضاءک یا محمد"۔

سب لوگ میری رضا طلب کرتے ہیں اور میں آپ کی رضا چاہتا ہوں۔[502]

---

[499](جلاء الافہام ص ۲۵)

[500](بحوالہ ندائے یا محمد مفتی غلام سرور سیفی ص ۵۴، روح البیان ص ۲۲۸ ج۷)

[501](الاتحافات السنیہ ص ۴۴)

[502](تکمیل الایمان ص ۲۰)

دلیل نمبر ۲۵۲:

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میں نے انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی:
"فحانت الصلوة فاممتھم فلما فرغت من الصلٰوۃ قال لی قائل یا محمد ھذا ملک خازن النار فسلم علیه فالتفت الیه فبدأنی بالسّلام"۔
نماز کا وقت آیا تو میں نے انبیاء کی امامت کی جب میں نماز سے فارغ ہوا تو غیبی آواز آئی کہ یا محمد ﷺ یہ دوزخ کا نگران فرشتہ مالک ہے سلام کیجئے جب میں نے انکی طرف دیکھا تو اس نے مجھ پر سلام کرنے میں پہل کی۔[503]

دلیل نمبر ۲۵۳:

میں مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وھابی، پنج پیری، مودودی، تبلیغی کے چکر میں نہ آئیں بلکہ ذوق وشوق سے رحمتوں والا درود شریف "الصّلو ۃ و السّلام علیک یا رسول اللہ، الصّلو ۃ و السّلام علیک یا حبیب اللہ" پڑھیں۔[504]

دلیل نمبر ۲۵۴:

"یا محمد من اٰمن بی و لم یؤ من بالقدر خیرہ و شرہ فلیلتمس ربا غیری"۔[505]
اے محبوب ﷺ جو مجھ پر ایمان لائے اور تقدیر خیر و شر پر ایمان نہ لائے تو وہ اپنے لیے، میرے علاوہ دوسرے خدا کو تلاش کرے۔

[503] (مشکوٰۃ ص ۵۳۰)
[504] (راہِ حق ص ۲۶)
[505] (الاتحافات السنیة ص ۲۲)

دلیل نمبر ۲۵۵:

حضرت مولانا حمداللہ جان دیوبندی لکھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ اور یا محمد ﷺ بطور استعانت جائز ہے۔[506]

دلیل نمبر ۲۵۶:

مولوی فقیر محمد عباس قادری دیوبندی لکھتے ہیں۔ ہر مصیبت اور آفت سے بچنے اور سلامتی کیلئے "الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" بہترین وظیفہ ہے۔ خواہ وہ مصیبت بمباری یا توپوں کی گولیاں کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ جو آپ ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے تو آپ بھی اس پر ضرور پڑھتے ہیں تو جس کیلئے آپ ﷺ سلامتی کی دعا فرماتے ہیں تو وہ یقیناً سلامت رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی دعا رد نہیں فرماتا۔[507]

دلیل نمبر ۲۵۷:

یا محمد، یا رسول اللہ ﷺ کا نعرہ لگانا مسجدوں میں یا گھروں میں ادب سے تو یہ جائز اور باعث برکت ہے۔[508]

دلیل نمبر ۲۵۸:

"یا محمد اخبرنی عن الاسلام"۔[509]

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی یا محمد ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں خبر دیجیے۔

---

[506] (البصائر ص ۱۴۹)
[507] (دمدرھہ ص ۲۸)
[508] (میزائل ص ۱، اقتدار احمد خان شیخ الحدیث)
[509] (مشکوٰۃ شریف و صحیحین)

دلیل نمبر ۲۵۹:

جو شخص "الصّلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ" اس نیت سے پڑھے کہ فرشتے بارگاہِ نبوی میں پیش کریں گے تو اس طرح اس درود شریف کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔[510]

دلیل نمبر ۲۶۰:

حضرت ملک الموت عزرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کی روح قبض کرنے کیلئے جب تشریف لائے تو عرض کیا کہ "یا محمد ان اللہ ارسلنی الیک"۔[511]

دلیل نمبر ۲۶۱:

اعلٰی حضرت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بکار خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ ﷺ　　پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ ﷺ

ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے　　توئی خود سازو سامانم اغثنی یا رسول اللہ ﷺ[512]

---

[510](اختلافِ امت و صراط مستقیم ص ۴۶، مولانا لدھیانوی)
[511](بیہقی بحوالہ مشکوۃ ص ۵۸۹)
[512](بحوالہ اغثنی یا رسول اللہ ص ۲۲، محمد منشاء تابش قصوری)

دلیل نمبر ۲۶۲:

مولانا موصوف لکھتے ہیں:

حبیبی یا رسول اللہ ﷺ — اغثنی یا رسول اللہ ﷺ
خدا کے بعد ہے تیری — بڑائی یا رسول اللہ ﷺ
فرشتے تجھ کو دیتے ہیں — سلامی یا رسول اللہ ﷺ
ثناء خواں ہو گئی ساری — خدائی یا رسول اللہ ﷺ
مصیبت میں ضرورت ہے — مدد کی یا رسول اللہ ﷺ [513]

دلیل نمبر ۲۶۳:

امام واقدی (م ۲۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب مسلمانوں کا روم کے عیسائیوں سے مقابلہ ہوا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس جہاد میں پیش پیش تھے ان کا نعرہ یا محمداہ تھا۔

"کان خالد امامنا فی حملته و نحن من ورائه و کان شعارنا یا محمداه یا منصور امتک امتک"۔ [514]

---

[513] (اغثنی یا رسول اللہ ص ۱۳۰)
[514] (فتوح الشام ص ۱۴۱)

دلیل نمبر ۲۶۴:

وسعت رزق کیلئے امام شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وظیفہ بتایا کہ جو کہے: "یا رسول اللہ یا نبی اللہ اغثنی و امددنی فی قضاء حاجتی یا قاضی الحاجات" تو اللہ تعالیٰ اسکی مشکلات آسان فرمادیگا۔[515]

دلیل نمبر ۲۶۵:

مولانا نورالدین دیوبندی لکھتے ہیں کہ انبیاء واولیاء کو پکارنا جائز اور اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔[516]

دلیل نمبر ۲۶۶:

حضرت مفتی اقتدار احمد خان نے لکھا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک جس طرح یا اللہ لکھنا، پڑھنا جائز ہے اسی طرح یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جائز ہے۔

دلیل نمبر ۲۶۷:

حضرت عبید اللہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے قنسر کو فتح کرنے کیلئے حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ کو بھیجا۔ راستے میں دشمن کے ۵۰۰۰ کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا جنگ کے دوران ہی دشمنوں کا ۵۰۰۰ کا لشکر مزید امداد کیلئے پہنچ گیا۔ مسلمان مصیبت میں پھنس گئے۔ انتہائی بے قراری کی حالت میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یا محمداہ یا محمداہ یا نصر اللہ انزل یا معشر المسلمین اثبتوا انما ھی الساعۃ وانتم الاعلون"۔[517]

---

[515](شمع شبستان رضا حصہ دوم)

[516](نور الوسیلہ ص ۳۲)

[517](فتوح الشام ص ۲۹۸)

یا محمد یارسول اللہ ﷺ اے اللہ کی مدد نازل ہو۔اے مسلمانوں ثابت قدم رہو تھوڑی دیر مصیبت ہے پھر غلبہ ہمارا ہے۔

دلیل نمبر ۲۶۸:

مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "نعرہ رسالت یا رسول اللہ" کہنا جائز ہے۔ قرآن وحدیث سے جائز ہے۔"قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیکُمْ جَمِیعَاً" اے محبوب فرمایئے کہ لوگوں میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تمام انسانوں کو "یا" سے خطاب کیا ہے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے مخاطب کون ہیں؟ آیا مکہ کے لوگ تھے جو آپ کے سامنے تھے۔اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر یہ کہنا ہو گا کہ آپ کو صرف اُن ہی لوگوں کیلئے رسول بنایا گیا۔اور یہ حکم "اٰمنو اباللہ ورسولہ۔۔۔الخ"۔یہ بھی صرف انہیں لوگوں کیلئے ماننا پڑے گا۔مگر بات یہ نہیں ہے بلکہ یہ خطاب تمام بنی نوع انسان سے ہے جو قیامت تک آنے والے ہیں۔کیونکہ خطاب عام ہے اور لفظ (جمیعاً) اس پر قرینہ ہے۔جیسا کہ اس پر مفسرین کرام کا اتفاق ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تمام بنی نوع انسان کو "یا" سے خطاب کیا۔[518]

دلیل نمبر ۲۶۹:

مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں "اگر کوئی شخص عشق و محبت کی وجہ سے 'یارسول اللہ' کہے تو جائز ہے۔[519]

---

[518](راہ حق ص ۲۸)
[519](اختلاف امت اور صراط مستقیم ص ۴۵)

دلیل نمبر ۲۷۰:

غیر مقلدین کے پیشوا مولوی وحید الزماں لکھتے ہیں:

"ماتقوله العامه یا رسول اللّٰہ اَو یا علی او یا غوث النداء لا نحکم بشر کهم کیف و قدنادی رسول اللہ ﷺ قتلی بدر یا فلاں ابن فلاں و فلان بن فلاں"۔[520]

عام لوگ جو یارسول اللہ ، یا علی، یا غوث کے نعرے لگاتے ہیں ہم صرف ان کے اس کہنے کی وجہ سے انھیں مشرک نہیں کہتے اور کیسے مشرک کہیں گے کہ خود آپ ﷺ نے مقتولین بدر (کفّار) کو یا فلان بن فلان سے خطاب فرمایا تھا۔ اور عثمان بن حنیف رحمتہ اللہ علیہ کی حدیث میں "یا محمد" کا لفظ بھی آیا ہے اور اس حدیث کو بیہقی اور جزری نے صحیح کہا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دوسری روایت میں "یا رسول اللہ" بھی آیا ہے اور یہ الفاظ یا عباداللہ اعینونی بھی حدیث میں آیا ہے۔[521]

دلیل نمبر ۲۷۱:

مولانا نور محمد بشیر لکھتے ہیں "یا رسول اللہ یا علی یا غوث" کے نعروں کو شرک نہیں کہا جاسکتا جو انھیں مشرک کہے وہ سخت غلطی پر ہے۔[522]

دلیل نمبر ۲۷۲:

مولانا حافظ نذیر احمد حافظ انوری لکھتے ہیں:

"اغثنی سیّدی انظر بحالی یا رسول اللہ تقبلنی و لا تردد سوالی یا رسول اللہ"۔[523]

---

[520] (ھدیۃ المھدی ص ۲۴)
[521] (ھدیۃ المھدی ص ۲۴)
[522] (خطبات ص ۱۹۶)
[523] (بحوالہ اغثنی یا رسول اللہ ص ۸۴)

دلیل نمبر ۲۷۳:

حضرت مولانا فقیہہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حبیبی حبی محبوبی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم   محبی حبی مطلوبی اغثنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عبیدک فی الرزایا و المراضا مستغیث یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم   طیبی طبی مصحوبی اغثنی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[524]

دلیل نمبر ۲۷۴:

حضرت مجاھد اعظم قاسم بریلوی لکھتے ہیں:

مدد کیجیے شہنشاہ معظم یا رسول اللہ ﷺ   پریشان ہیں ہم مسلمانانِ عالم یا رسول اللہ ﷺ

خدا کے واسطے سن لیجئے صدقہ نواسوں کا ﷺ   گرفتارِ بلا ہیں آج کل ہم یا رسول اللہ ﷺ[525]

دلیل نمبر ۲۷۵:

حضرت امام ابو محمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت ابنِ عبّاس روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا:

السّلام علیک یا اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم   السّلام علیک یا آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

السّلام علیک یا ظاھر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم   السّلام علیک یا باطن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[526]

---

[524] (بحوالہ اغثنی یارسول اللہ ص ۱۷)

[525] (اغثنی یارسول اللہ ص ۸۲)

[526] (سعادۃ الدارین ص ۲۳۵، بحوالہ نداء یامحمد ص ۸۴)

دلیل نمبر ۲۷۶:

اذان سے پہلے اور بعد میں بلند آواز میں درود شریف "الصلوۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ" جائز اور مستحب ہے۔[527]

دلیل نمبر ۲۷۷:

مفتی غلام رسول دارالعلوم جماعتیہ لکھتے ہیں۔ اذان سے پہلے اور بعد میں بلند آواز میں "الصلٰوۃ والسّلام علیک یا رسول اللہ" دونوں طرح سے جائز ہے۔[528]

دلیل نمبر ۲۷۸:

فقیہہ جلیل مولانا مفتی محمد رفیق صاحب لکھتے ہیں اذان سے پہلے اور اذان کے بعد بلند آواز سے "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کے جواز میں کوئی شک نہیں۔ اس کے پڑھنے میں ثواب اور نہ پڑھنے میں عذاب نہیں لیکن اسکو بدعت سئیہ اور ناجائز کہنا جاہلوں کا کام ہے۔[529]

دلیل نمبر ۲۷۹:

حضرت شیخ الحدیث مولانا فضل سبحان قادری صاحب لکھتے ہیں کہ اذان سے پہلے اور اذان کے بعد میں "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" پڑھنا آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل ہے اور صحابہ کرام رضون اللہ عنہ علیھم اجمعین اور علماء اہلسنت سے ثابت ہے۔[530]

---

527 (اوضح البیان فی تائید احسن البیان ص ۱۲۵، مفتی سرحد ظاھر شاہ میاں مدین سوات)
528 (فتاویٰ جماعتیہ ص ۱۲۵)
529 (انوا العرفان ص ۳۰)
530 (احسن البیان ص ۵۸، بحوالہ اوضح البیان ص ۱۴۰)

دلیل نمبر ۲۸۰:

مفتی غلام سرور ایم اے اسلامک لاء لکھتے ہیں ۔ اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنا مسنون اور مشروع ہے۔[531]

دلیل نمبر ۲۸۱:

اورادِ فتحیہ میں یہ درود شریف بھی ہے:

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ ﷺ — الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ ﷺ

الصلوٰۃ والسلام علیک یارحمۃ للعٰلمین ﷺ — الصلوٰۃ والسلام علیک یاشفیع المذنبین ﷺ

الصلوٰۃ والسلام علیک یاسیّد المرسلین ﷺ — الصلوٰۃ والسلام علیک یاامام المتقی ﷺ[532]

دلیل نمبر ۲۸۲:

مولانا سیف الدین قندھاری دیوبندی لکھتے ہیں ۔وہابی پنج پیری کافر ہیں کیونکہ یہ لوگ یارسول اللہ ، یامحمد کو شرک وکفر کہتے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس اپنے لخت جگر کی وفات کے بعد یوں فرمایا "انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون" آپ ﷺ کے عمل سے مردوں کو نداء کرنا (پکارنا) ثابت ہوا تو اس کو شرک کی نسبت کرنا آپ ﷺ کی طرف نسبت شرک کرنا ہے۔ (نعوذ باللہ)[533]

---

[531] (مسئلہ صلوٰۃ والسلام ص ۴)

[532] (بحوالہ راہِ حق ص ۸)

[533] (کشف الاسرار ص ۸۶)

دلیل نمبر ۲۸۳:

حضرت استاذ العلماء مولانا ابو الضیاد محمد باقر ضیاء النوری فرماتے ہیں:

تجلی نور حبک فی فوأدی یا رسول ﷺ
وحبک اصل ایمان العباد یا رسول ﷺ
ومابی من الی الابفضلک یا رسول ﷺ
مجدلی خذیدی یوم التناد یا رسول ﷺ[534]

دلیل نمبر ۲۸۴:

حضرت استاذ العلماء عالم بے بدل سلطان المناظرین سیّد احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ یا رسول اللہ (ﷺ) سے انکار کرنا اصل میں معجزہ اور کرامت سے انکار کرنا ہے کیونکہ غائب کو نداء کرنا (پکارنا) ثابت ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے قول سے ثابت ہے جب آپ جبل ِابی قبیس پر چڑھے تو آواز دی "یا معشر المسلمین انّ ربکم بنی لکم بیتا وامرکم ان تحجوہ فاجابہ الناس من اصلاب الآباء وارحام الامھات فمن اجابہ مرۃ حج مرۃ ومن اجاجہ عشرا حج عشرا"۔[535]

دلیل نمبر ۲۸۵:

مولانا موصوف دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ساریہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی جو غائب تھے مثلاً "یاساریۃ الجبل"۔[536]

---

[534](بحوالہ اغثنی یارسول اللہ ص ۱۸)

[535](روح البیان ص ۲۲۶ ج ۱)(اظھار الکمال)

[536](مشکوٰۃ ص ۵۴۶)

دلیل نمبر ۲۸۶:

مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ آپ ﷺ کو یوں ندِاء فرماتے ہیں: "یا نبی اللہ سلام علیک انما الفوز و الفلاح لدیک"۔[537]

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور علامہ جامی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی غائب کو آواز دی۔ ان گمراہ، زندیق گروہ وھابی اور پنج پیری اور دورِ حاضر کے دیوبندیوں کے نزدیک یہ حضرات بھی مشرک ہونگے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) بہر حال مذکورہ تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا، نداء کرنا یعنی انبیاء کرام، شھداء کرام اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو پکارنا قرآن، حدیث، مذاھبِ اربعہ اور اجماع سے ثابت ہے اور ان کی مخالفت گمراہی ہے۔ ان دلائل کے باوجود بھی اگر کوئی اس جائز فعل کو حرام وناجائز کہتا ہے تو ان کے متعلق فقہاء کرام فرماتے ہیں:

"من حرم الحلال فقد وقع فی الضلال و استوجب العقوبۃ و النکال"۔[538]

یعنی جو حلال کو حرام کہے تو وہ گمراہ ہے اور عذاب کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے طفیل ہر مسلمان کو ان بے دینوں، خارجیوں، وھابی خبیثوں کے قول و فعل سے محفوظ رکھے اور مسلکِ اہلِ سنت وجماعت پر قائم ودائم رکھے اور اسی پر خاتمہ فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

دلیل نمبر ۲۸۷:

بعض علماء اس دور میں کہتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ کہنا شرک ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

537(اظہار الکمال ص ٦)

538(فتاوی خیریہ ص ۱۸۳ ج ۲)

آیا قھستانی یا مصنف کنز العباد، دیلمی، امام طحطاوی اور مصنف روح البیان اور جامی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کیا یہ مشرک ہیں۔**نعوذ باللہ من ذالک**۔[539]

یہ حضرات مشرک نہیں ہیں۔ بلکہ منع کرنے والے خود مشرک اور اسلام کے دائرہ سے باہر ہیں۔

دلیل نمبر ۲۸۸:

قرآن پاک کے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور قرآن پاک میں "یا فرعون" سات حروف پر مشتمل موجود ملتاہے ان پر بھی ستر ۷۰ نیکیاں ملتی ہیں۔تو کیا یارسول اللہ کہنے پر کچھ بھی نیکیاں نہیں ملیں گی ضرور ملیں گی۔[540]

دلیل نمبر ۲۸۹:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بیان فرماتے ہیں ۔ بعض عارفین نے بیان کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کو تشہد میں سلام اس وجہ سے عرض کیا جاتا ہے۔ کہ حقیقت محمدی نہ صرف یہ کہ تمام موجود ات کے ذرہ ذرہ میں اور تمام حوادث کے ہر فرد میں مومن آپ کے مشاہدہ سے غافل نہ ہوں تاکہ انوار قلب اور اسرار معرفت حاصل کرلیں۔اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو۔[541]

دلیل نمبر ۲۹۰:

مولوی ابن قیم جوزی اپنی کتاب جلاالافہام میں لکھتے ہیں کہ ابو بکر محمد بن عمر نے کہا کہ میں ابو بکر مجاھد کے پاس بیٹھاہوا تھا کہ اچانک شبلی آگئے تو ابو بکر بن مجاھد ان کے لئے کھڑے ہوگئے ان

---

[539](شرح نور الایضاح مصنف مولانا محمد عبیداللہ الایوبی القندھاری السلمانخیلی الحنفی ص ۳۷۰ جلد ۱)
[540](تنبیہ الاخوان مصنف مولوی عبدالجلیل دیوبندی سواتی نوراللہ مرقدۃ ص ۱۱)
[541](لمعات ص ۱۸۱ ج۳، مطبوعہ لاہور، شیخ عبدالحق محدث دھلوی)

سے معانقہ کیا اور انکی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے کہا یا سیّدی تمام بغداد کے لوگ شبلی کو دیوانہ کہتے ہیں اور آپ نے اس کی اس قدر تعظیم کی۔ انہوں نے کہا میں نے اس کے ساتھ وہی کیا ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کے ساتھ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ایک دن خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی۔ شبلی آئے تو رسول اللہ ﷺ اس کے لئے کھڑے ہو گئے اور اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ شبلی کی اس قدر عزت افزائی کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ شخص ہر نماز کے بعد یہ آیت پڑھتا ہے:

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنفُسِکُمْ عَزِیزٌ عَلَیهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیصٌ عَلَیکُم بِالْمُؤْمِنِینَ رَءُوفٌ رَّحِیمٌ (توبۃ۱۲۸)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس ایک عظیم رسول تشریف لائے ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا سخت گراں ہے۔ وہ تمہاری بھلائی بہت چاہنے والے ہیں اور مومنوں پر نہایت رحیم اور بے حد مہربان ہیں۔

اس آیت کے بعد تین بار مجھ پر درود پڑھتا ہے۔ اور کہتا ہے **صلّی اللہ علیک یا محمد**۔ پھر جب میرے پاس شبلی آئے تو میں نے ان سے پوچھا آپ نماز کے بعد کیا پڑھتے ہیں۔ تو انہوں نے اسی طرح بیان کیا۔[542]

---

[542] (ابن قیم جوزی جلالافھام ص ۲۵۸ تبلیغی نصاب)

دلیل نمبر ۲۹۱:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کی ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں۔ اس میں ہے:

"فقال الجبار یا محمد قال لبیک وسعدیک قال انه لا یبدل القول لدی کما فرضت علیک فی ام الکتاب فکل حسنةبعشر امثالها فهی خمسون فی ام لکتاب وهی خمس علیک"۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا محمد ﷺ! آپ نے کہا میں حاضر ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی میں نے جس طرح آپ پر ام الکتاب میں (نمازیں) فرض کی ہیں تو ہر نماز دس گنا ہے لہٰذا ام الکتاب میں پچاس نمازیں ہیں۔ اور آپ پر پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔[543]

دلیل نمبر ۲۹۲:

امام احمد عبد الرحمٰن بن عائش کی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔ اس میں ہے:

"اتانی ربی عزوجل اللّیلة فی احسن صورة قال یا محمّد" یعنی آج رات میرے پاس میرا رب عزّوجل بہترین صورت میں آیا اور فرمایا یا محمد ﷺ۔[544]

دلیل نمبر ۲۹۳:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف مسلسل شفاعت کرتا رہوں گا۔ اور میری شفاعت قبول کی جاتی رہے گی حتّٰی کہ میں کہوں۔ اے میرے رب جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ ، کہا ہے ان کے لیے میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے

[543](صحیح بخاری ص ۱۱۲۱ ج ۲)

[544](مسند احمد ص ٦٦ ج ۴، ترمذی ص ۴٦٦)

گا یا محمد ان کی مغفرت کرانا تمھارا منصب نہیں ہے۔ ان کی براہِ راست مغفرت کرنا صرف میری خصوصیت ہے۔[545]

دلیل نمبر ۲۹۴:

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شاخ رکھی جس سے لوگوں کو خاموش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی یا محمد اپنی امت کے سروں کو نہ توڑیں۔ اس کے بعد آپ کے پاس وہ شاخ نہیں دیکھی گئی۔[546]

دلیل نمبر ۲۹۵:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت جبرائیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا محمد جو شخص مجھ پر ایمان لایا ہو اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہ لایا ہو وہ میرے علاوہ کوئی اور رب تلاش کرے۔[547]

دلیل نمبر ۲۹۶:

فقیہہ اعظم محمد نوراللہ نعیمی فتاویٰ نوریہ میں لکھا ہے:

" یستحب ان یقال عندالسماع الاولیٰ من الشھادۃ صلّی اللہ علیک یا رسول اللہ وعندالثانیۃ منھا قرۃ عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللّھم متعنی بالسمع و البصر بعد وضع الابھامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدالہ الی الجنۃ"۔

545 (مسندابو یعلٰی الموصلی ص ۱۸۸ ج۳، بحوالہ شرح صحیح مسلم ص ۷۱۳ ج ۱)

546 (مصنف عبدالرزاق ص ۱۸۵ ج ۳)

547 (علامہ سید محمد بن محمد مرتضٰی حسینی زبیدی حنفی اتحاد السّادۃ المتقین ص ۱۵۶ ج ۹)

دلیل نمبر ۲۹۷:

علامہ غلام رسول سعیدی نے لکھا ہے کہ یا محمد کہنا منع نہیں۔ اور اس کے بارے میں انہوں نے بہت دلائل جمع کئے ہیں۔ ان دلائل کے آخر میں لکھتے ہیں کہ میں نے اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل اور تحقیق اس لئے کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ کو یا محمد کے ساتھ نداء کرنے کو مسلمان حرام سمجھنے سے باز رہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت صحابہ کرام، تابعین عظام، سلف صالحین اوراخیارِ امت کی اتباع کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ [548]

دلیل نمبر ۲۹۸:

"عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ ملائکۃ فی الارض سوی الحفظۃ یکتبون مایسقط من ورق الشجر فاذا اصاب احدکم عرجۃ بارض فلاۃ فلیناد اعینوا عباد اللہ"۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کراماً کاتبین کے سوا اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں۔ جب تم میں سے کسی شخص کو جنگل کی سرزمین میں کوئی مشکل پیش آئے۔ تو وہ یہ نداء کرے۔ اے اللہ کے بندوں! میری مدد کرو۔ [549]

دلیل نمبر ۲۹۹:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ علیہ نے مطالب عالیہ میں ذکر کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اگر عیسیٰ میری قبر پر کھڑے ہو کر "یا محمد اہ" کہیں۔ تو میں ان کو ضرور جواب دونگا۔ [550]

---

[548] (شرح صحیح مسلم ص ۳۲۲ ج ۱)
[549] (کشف الاستار عن زوائد البزار ص ۳۴ ج ۴)
[550] (شرح صحیح مسلم ص ۸۴ ج ۷)

دلیل نمبر ۳۰۰:

عہد صحابہ اور تابعین میں مسلمانوں کا یہ شعار تھا۔ کہ وہ شدائد اور ابتلاء کے وقت "یا محمد اہ" کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو نداء کرتے تھے۔[551]

دلیل نمبر ۳۰۱:

حاجی اداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دربار رسالت ﷺ میں یوں فریاد کرتے ہیں

یارسول کبریا فریاد ہے — یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے

سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل — اے میرے مشکل کشا فریاد ہے[552]

دلیل نمبر ۳۰۲:

مہاجر مکی حاجی امداد اللہ رسول اکرم ﷺ کی زیارت کا طریقہ لکھتے ہیں۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کا سفید شفاف کپڑے اور سبز پگڑی اور منور چہرہ کے ساتھ تصور کرے اور " الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ "کی داہنے اور "الصلوۃ والسلام علیک یا نبی اللہ " کی بائیں اور "الصلوۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ"کی ضرب دل پر لگائے۔[553]

دلیل نمبر ۳۰۳:

مولوی عبد الشکور دیوبندی لکھنوی اپنی تصنیف " علم الفقہ " کے (ص۱۵۹) پر لکھتے ہیں اذان سننے والے کے لئے مستحب ہے کہ پہلی مرتبہ اشھدان محمدرسول اللہ سنے تو یہ بھی کہے۔ صلّی اللہ

---

[551] (الکامل فی التاریخ للامام محمد بن محمد ابن اثیر جوزی ص ۲۴۶ ج ۲، البدایۃ و نھایہ ص ۳۲۴ ج ۶)
[552] (نالہ امداد غریب ص ۲۲، مطبع راشد کپنی دیو بند)
[553] (ضیاء القلوب ص ۵۵، مطبع راشد کمپنی دیو بند)

علیک یا رسول اللہ اور جب دوسری مرتبہ سنے تو اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو آنکھوں پر رکھ کر کہے "قرۃ عینی بک یا رسول اللہ اللّٰھم متعنی با السّمع و البصر"۔[554]

دلیل نمبر ۳۰۴:

حضرت شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے قوت القلوب میں فرمایا کہ ابن عینیہ سے مروی ہے کہ حبیب خدا ﷺ ایک دن مسجد میں تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور جب اشھدان محمدًا رسول اللہ کہا۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھے آنکھوں پر لگا کر پڑھا "قُرّۃ عینی بک یا رسول اللہ" اور جب حضرت بلال رضی اللہ نے اذان ختم کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر جو کوئی یہ پڑھے جو تو نے پڑھا ہے ازروئے شوق دیدار اور ایسے کرے جیسا تو نے کیا ہے تو اللہ تعالیٰ جلّ جلا لہ اس کے نئے پرانے پوشیدہ اور ظاہر گناہ خطا سب معاف فرمادیگا۔[555]

دلیل نمبر ۳۰۵:

علماء دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں ہم سے عہد لیا گیا کہ وعظ سے پہلے جب تک پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ نہ کہہ لیں۔ یارسول اللہ میں اجازت چاہتا ہوں۔ کہ آپکی نیابت میں کچھ بیان کروں۔ اس وقت تک وعظ نہ کہیں اور یہ اس لئے کہ جناب رسول

[554] (جامع الرموز، کنز العباد، علم فقہ ص ۱۵۹، مطبع دار الشاعت کراچی، مصدقہ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی)

[555] (حاشیہ تفسیر جلالین ص ۳۵۷، بحوالہ البرھان ص ۴۸۲ مصنف فقیھہ عصر حضرت علامہ الحاج مفتی محمد امین صاحب فیصل آباد)

ﷺ اور احباب یعنی علماء واولیاء باطنی طریقہ سے ہماری امداد کریں۔ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے بیان میں الجھنیں یا لغزش یا رکاوٹ نہ ہو گی۔[556]

دلیل نمبر ۳۰۶:

مولوی سرفراز خان دیوبندی "نداء یا رسول اللہ ﷺ" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ الفاظ یا رسول اللہ ﷺ محبت اور عقیدت کے طور پر پیش کرتا ہے یہ بھی فی الجملہ درود شریف کے الفاظ ہیں اور فرشتے ان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کر دینگے۔ تو درست اور صحیح ہے۔[557]

دلیل نمبر ۳۰۷:

ہمارے ہم عصر دیوبندی مسلک کے جید عالم دین۔ مفتی محمد فرید صاحب مجددی سابقہ شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک فرماتے ہیں۔ انتہائی عشق و محبت سے اگر آپ ﷺ کو حاضر اور مخاطب کی طرح سمجھ کر یا رسول اللہ ﷺ سے پکارے تو یہ نہ شرک ہے نہ ایہام شرک ہے۔ بلکہ معمول و معروف ہے۔[558]

دلیل نمبر ۳۰۸:

مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی وھابیہ خبیثیہ کا رد اس انداز سے فرماتے ہیں۔ کہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا ہے۔ کہ **الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ**۔ کو سخت منع کرتے ہیں

---

[556] (دعوۃ الحق مصنف مولانا سید گل بادشاہ فاضل دیوبند ص ۲۹، بحوالہ یا رسول اللہ ﷺ کے متعلق فتویٰ از حضرت علامہ الحاج مفتی محمد آمین صاحب فیصل آباد)

[557] (سماع الموتی ص ۱۰۷)

[558] (مقالات ص ۲۰، پشتو)

اوراس نداا ور خطاب کی وجہ سے اہل حرمین سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور یہ کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں حالانکہ ہمارے مقدس بزرگان دین اس صورت اور جملہ صورت درود شریف کو اگر چہ بصیغۂ خطاب ونداء کیوں نہ ہوں۔ مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور یہ اپنے متعلقین کو اسکا امر کرتے ہیں معلوم ہوا کہ درود شریف بصیغہ خطاب کو منکر بدعت کہنے والے اور استھزاء کرنے والے وہابیہ خبیثیہ ہیں۔[559]

دلیل نمبر ۳۰۹:

"ابو حنیفه عن نافع عن ابن عمر قال من السنة ان تاتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة یجعل ظهرک الی القبلة و استقبل القبر بو جهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی و رحمة الله و بر کاتهٗ"۔

ترجمہ: حضرت ابو حنیفہ نافع اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے آئے پیٹھ قبلہ کی طرف کرلے اور رخ قبر انور کی طرف پھر کہے سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اسکی برکت نازل ہو۔[560]

دلیل نمبر ۳۱۰:

امام مجتہد فقیہہ اجل عبد الرحمٰن ہُذلی کوفی مسعودی فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پوتے اور اجلّہ تبع تابعین واکابر ائمہ مجتہدین سے ہیں۔ سر پر بلند ٹوپی رکھتے ہیں جس میں لکھا تھا **"محمّد یامنصور"**۔[561]

---

[559](الشهاب الثاقب ص ٦٥)

[560](مسند امام اعظم ص ١٠٣)

[561](انوالانتباہ ص ١١، مشارق الانوار ص ٥٩)

دلیل نمبر ۳۱۱:

شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاویٰ میں ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاء ومرسلین واولیاء وصالحین سے فریاد کرتے اور یارسول للہ ، یاعلی، یاشیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے مثل کلمات کہتے ہیں۔یہ جائز ہے یا نہیں اور اولیاء بعد انتقال کے بھی مدد فرماتے ہیں، یا نہیں۔انہوں نے جواب دیا کہ بیشک انبیاء ومرسلین واولیاء وعلماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔[562]

دلیل نمبر ۳۱۲:

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ کو قنسرین کی تسخیر کے لیے روانہ کیا راستہ میں دشمنوں کے پانچ ہزار لشکر سے مڈبھیڑ ہوگئی ابھی مسلمان اس پر غلبہ بھی نہ پاسکے تھے کہ دشمن کی تازہ دم پانچ ہزار فوج کا دستہ ان کی مدد کے لئے پہنچ گیا اور مسلمان بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔اس وقت نہایت بیقراری میں حضرت کعب ابن ضمرہ رضی اللہ عنہ نے پکارا:

"یا محمداہ،یا محمداہ یا نصر اللہ انزل یا معشر المسلمین اثبتوا انما ھی الساعۃ وانتم الاعلون"۔

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ یارسول اللہ ﷺ اے اللہ کی مدد اتر آ اے مسلمانوں کے گروہ ثابت قدم رہو۔یہ سختی کوئی دم بھر کی ہے پھر تم ہی غالب ہوگے۔[563]

---

[562] (نداء یارسول اللہ شیخ القرآن والحدیث مفتی شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ افغانی قندھاری ص ۱۲)

[563] (فتوح الشام ص ۲۹۸)

دلیل نمبر ۳۱۳:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی دیوبندیوں کے پیر، مرشد اپنی تصنیف گلزارِ معرفت سے نعتیہ کلام پیش کرتے ہیں۔

کر کے نثار آپ پہ گھر باریارسول اللہ (ﷺ) اب آپڑا ہوں آپ کے دربار یارسول اللہ (ﷺ)

عالم نہ متقی ہوں نہ زاہد نہ پارسا ہوں امتی تمہارا گنہگار یارسول اللہ (ﷺ)

کر روئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یارسول اللہ (ﷺ)

اٹھا کر زلف اقدس کو ذرا چہرہ مبارک سے مجھے دیوانہ اور مجنوں بناؤ یارسول اللہ (ﷺ)

یہ غزل چھتیس ابیات پر مشتمل ہے۔ جو کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھی ہے۔[564]

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک (ﷺ) کے طفیل ہر مسلمان کو ان بے دینوں، خارجیوں، وھابی خبیثوں کے قول و فعل سے محفوظ رکھے اور مسلکِ اہلِ سنت وجماعت پر قائم ودائم رکھے اور اسی پر خاتمہ فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

[564] (گلزار معرفت تصنیف حاجی امداد اللہ مہاجر مکی)

فصل در بیان مسئلہ گستاخان رسول صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلّم کا شرعی حکم اور سزا

بعض بد بخت ازلی شقی و گستاخان رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑا جُرم ہے اور ایسا جُرم ہے کہ اس کے مرتکب کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی گستاخی کرنے والا بالاتفاق علمائے اُمّت کے نزدیک کافر، مرتد اور واجب القتل ہے۔ اس کی توبہ قبول نہیں۔ بایں معنیٰ کہ وہ قتل سے بچ جائے اور گستاخیٔ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی وجہ سے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ اس کے متعلق کثیر دلائل موجود ہیں مگر ہم اختصار کے پیشِ نظر چند عبارات پیش کرتے ہیں۔

قرآن پاک سے دلائل

آیت ۱: وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (التوبۃ ۶۱)

ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیت ۲: اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَاباً مُّھِیْناً (الاحزاب ۵۷)

ترجمہ: بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اسکے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آیت ۳: مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا (۶۱) سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (الاحزاب ۶۲)

ترجمہ: پھٹکارے ہوئے، جہاں کہیں ملیں، پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا دستور چلا آتا ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزر گئے، اور تم اللہ کا دستور ہر گز بدلتا نہ پاؤ گے۔

رسولِ اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلّم یا کسی بھی نبی علیہ السلام کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی سے ارتداد لازم آتا ہے۔ اور وہ شخص واجب القتل ہے۔ رسولِ اکرم ا کی تعظیم و توقیر فرضِ عین ہے۔ اور اس کے بر خلاف و بر عکس آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلّم کی شان میں گستاخی کرنے سے، خواہ صراحتًا ہو یا اشارتًا، انسان کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔

چنانچہ سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ نبوّت کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا:

آیت ۴: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (الحجرات ۱)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ا سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔"

اس کے بعد فرمایا کہ جو رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بے ادبی کرے گا اس کی تمام نیکیاں اور عبادتیں برباد اور اکارت ہو جائیں گی۔

آیت ۵: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات ۲)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے اور ان کے حضور بات چِلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چِلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔“

قَالَ الْعَلَامَۃُ الشَّامِی رحمہ اللہ تعالیٰ فَھٰذِہٖ الْاٰیَاتِ تَدُلُّ عَلٰی کُفْرِہٖ وَقَتْلِہٖ۔[565]

”یہ آیات مبارکہ گستاخِ رسول کے کفر اور قتل کے بارے میں ہیں۔“ یعنی گستاخِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم قتل کئے جائیں۔

بیہقی الوقت علم الھدی مولانا القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری النقشبندی الپانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَاباً مُّھِیْناً کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

من اذی رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بطعن فی شخصہٖ اَو دینہٖ او نسبہٖ اَو صفۃٍ مِن صفاتہٖ اَو بوجہ من وجوہ الشّین فیہ صراحۃً اَو کنایۃً اَو تعرِیضًا اَوْ اشارۃً کفر ولعنہ اللہ فی الدنیا و الاٰخرۃ و اعدّ لہ عذاب جھنّم۔[566]

ترجمہ: جس نے رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو ایذاء (تکلیف) دی وہ طعن آپ کی شخصیت میں ہو یا دین، نسب، کسی صفت میں یا برائیوں میں سے کسی برائی کے ساتھ صراحۃً ہو یا کنایہ سے یا اشارہ و تعریض سے، تو وہ کافر ہو گیا اور اس پر اللہ کی دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا عذاب تیار کیا ہے۔

گستاخِ رسول واجب القتل ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں: قاضی صاحب اسی مذکورہ آیت کے تحت نیز فرماتے ہیں کہ کیا گستاخِ رسول اکی توبہ قبول ہے؟

---

565 (مجموعہ رسائل ج ۱ صـ ۳۱٦)

566 (مظھری ۷ ص ۳۸۳، مکتبہ رشیدیہ)

اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

قال ابن ھمام کل من ابغض رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم بقلبہٖ کان مرتدا فالسباب بالطریق الاولیٰ ویقتل عندنا حدًا فلا تقبل توبته فی اسقاط القتل قالوا ھٰذا مذھب اھل الکوفۃ و مالک و نقل عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

ترجمہ: "شیخ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو دلی طور پر رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَ سلَّم سے بغض رکھتا ہے وہ مرتد ہو جاتا ہے، تو گالی اور اہانت سے تو بطریق اولی مرتد ہو جائے گا۔ ہمارے نزدیک اسے بطور حد قتل کیا جائے گا۔ اگر توبہ بھی کرے تو وہ توبہ کی وجہ سے قتل سے نہ بچ سکے گا، یہ اہل کوفہ (احناف) اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور یہی ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔"[567]

حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَ سلَّم کو ثالث تسلیم نہ کرنے والا کافر و مرتد ہے۔

جو شخص مسلمان ہونے کا مدعی ہونے کے باوجود نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَ سلَّم کو برضا رغبت ثالث نہ مانے قرآن مجید کی رو سے کافر ہے، چنانچہ ایک یہودی اور ایک بظاہر کلمہ گو ایک مقدمہ لے کر بارگاہِ نبوی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَ سلَّم میں حاضر ہوئے۔ رسولِ اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَ سلَّم نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا تو بظاہر کلمہ گو نے کہا یہ مجھے منظور نہیں، حضرت عمر صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَ سلَّم کے پاس چلتے ہیں جو وہ فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہو گا۔ لہٰذا دونوں حضرت عمر صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَ سلَّم کے پاس آئے آپ نے آنے کی وجہ دریافت کی اس نے سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت عمر صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ واصحابہ وَ سلَّم نے واقعہ سن کر فرمایا یہیں ٹھہرو اور خود اندر تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور تلوار ان کے ہاتھ میں لہرا

---

567 (مظھری ج ۷ ص ۳۸۲، مکتبہ رشیدیہ)

رہی تھی، آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے آتے ہی اس شخص کا سر اڑا دیا جس نے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا فیصلہ قبول نہیں کیا تھا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء ٦٥)

ترجمہ: "(اے پیارے) تیرے رب کی قسم کوئی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اپنے تمام اختلافات میں اپنا حاکم تسلیم نہ کر لے پھر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے فیصلہ پر دل میں کسی قسم کی تنگی بھی محسوس نہ کرے اور خوب اچھی طرح تسلیم نہ کر لے۔"[568]

"الصارم المسلول" میں ابن تیمیہ نے روایت نقل کی ہے کہ جب ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم میں عرض کیا کہ سیدنا عمر فاروق صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا ہے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے جواب دیا: "میں عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کر دے۔" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر تصدیق فرما دی کہ وہ واقعی مؤمن نہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اس کے قتل کے الزام سے بری کر دیا۔

اس آیتِ مبارکہ کے مذکورہ بالا شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کلمہ گو کو قتل کرنا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ گستاخِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم واجب القتل ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس آیت کو نازل فرمانے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

---

[568] (تفسیر مظہری ج ۲ ص ۱۵۴، مکتبہ رشیدیہ)

تصدیق فرمانے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی رو سے بھی واجب القتل ہے۔ آیئے قرآن پاک میں مذکورہ بالا آیت سے قبل کی چند آیات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

گستاخِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا قتل مباح ہے: اس واقعہ کے بعد اس مقتول کے ورثاء حضورِ اقدس صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصاص کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا (٦٢) أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا (النساء٦٣)

ترجمہ: "کیسی ہوگی جب ان پر کوئی افتاد پڑے بدلہ اس کا جو انکے ہاتھوں نے آگے بھیجا پھر اے محبوب آپ کے حضور حاضر ہوں اللہ کی قسم کھاتے کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا۔ ان کے دلوں کی تو بات اللہ جانتا ہے تو آپ ان سے چشم پوشی فرمائیں اور انہیں سمجھا دیں اور ان کے معاملہ میں ان سے قولِ بلیغ کے ساتھ نصیحت فرمائیں۔"

اس آیت میں "فاعرض عنهم" کے الفاظ سے مفسرین نے یہی مراد لیا ہے کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ان کے مطالبہ قصاص کو مسترد کریں کیونکہ وہ شخص قتل کا ہی مستحق تھا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اسی جملہ کے تحت فرماتے ہیں:

اَیْ عَنْ قَبولِ اِعْتِذَارِهِمْ اَوْ عَنْ اِجَابَتِهِمْ فِی مُطَالَبَتِهٖ دَمُّ الْمَقْتُوْلِ فَاِنَّ دَمَّهٗ هدرٌ۔[569]

ترجمہ: آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ان کے عذر اور قصاص اور مطالبہ کو ہرگز قبول نہ کیجئے کیونکہ وہ شخص مباح الدم ہونے کی بناء پر قصاص لیئے جانے کے قابل ہی نہیں۔

---

[569] (مظھری ج۲ ص۱۵۷، ۱۵۶)

چھٹی صدی کے امام مجتہد برھان الدین محمود بن صدر السعید حنفی صاحب محیط کا فتویٰ

"وَفِیْ الْمُحِیْطِ مَنْ شَتَمَ النَّبِیَّ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وسلّم اَوْ اِھَانَہٗ اَوْ عَابَہٗ فِیْ اُمُوْرِ دِیْنِہٖ اَوْ فِیْ شَخْصِہٖ اَوْ فِیْ وَصفِ ذَاتِہٖ سَوَاءٌ کَانَ الشَّاتِمُ مِنْ اُمَّتِہٖ اَوْ غَیْرِھَا سَوَاءٌ کَانَ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اَوْ غَیْرِہٖ ذِمِّیًا کَانَ اَوْ حَرْبِیًّا سَوَاءٌ کَانَ الشَّتْمُ اَوِ الْاِھَانَۃُ اَوِ الْعَیْبُ صَادِرًا عَنْہُ عَمَدًا اَو سَھْوًا اَو غَفْلَۃً اَوْ جِدًّا اَوْ ھَزْلاً فَقَدْ کَفَرَ خُلُودًا بِحَیْثُ اِن تَابَ لَم یُقْبَلْ تَوبَتُہُ اَبَدًا لَا عِنْدَاللّٰہِ وَلَا عِنْدَ النَّاسِ وَ حُکْمُہٗ فِی الشَّرِیعَۃِ الْمُطَھَّرَۃِ عِندَ الْمُتَأَخِّرِینَ الْمُجْتَھِدِینَ اِجمَاعًا وَعِندَ اَکْثَرِ الْمُتَقَدِّمِینَ الْقَتْلُ قَطعًا وَلَا یُدَاھِنُ السُّلْطَانُ وَ نَائِبُہٗ فِی حُکمِ قَتلِہٖ"۔[570]

یعنی محیط میں ہے کہ جس نے نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالی دی یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی توہین (بے ادبی کی یا آپ کے امور دینیہ میں عیب لگایا یا حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ذات میں عیب لگایا یا اوصاف میں سے کسی وصف میں عیب نکالا عام ازیں کہ گالی دینے والا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی امت (اجابت) سے ہو یا نہ ہو اور عام اس سے کہ وہ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے ہو یا ذمی (اسلامی حکومت میں پناہ گیر کافر) ہو یا حربی (حکومت کفار میں ساکن کافر) ہو برابر ہے کہ گالی یا توہین یا عیب اس سے جان بوجھ کر ظاہر ہو یا بطورِ سہو یا بطور غفلت یا کھری کلام میں یا مذاقیہ میں (بہر صورت) تحقیق وابدی اور دائمی کافر ہو گیا اس طرح کہ اگر وہ توبہ کرے تو ہمیشہ ہمیشہ اس کی توبہ عند اللہ قبول نہیں ہو گی اور نہ ہی عند الناس قبول ہو گی۔ شریعت مطہرہ میں متأخرین مجتہدین کے نزدیک اجماعًا اور اکثر متقدمین کے نزدیک اس کا حکم

[570] (خلاصۃ الفتاوی، کتاب الفاظ الکفر ج ۴ ص ۳۸۶، البرھان الجلی فی بیان حکم شاتم النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم : ص:۴، سیف النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم علی ساب النبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم: ص:۳)

یقیناً قتل کرنا ہے۔ بادشاہ یا اس کا نائب اس کے حکمِ قتل میں دخل اندازی نہ کرے، یعنی سستی نہ کرے۔

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ توہین کی یہ سزا صرف کافر کے لئے نہیں، بلکہ اگر کوئی مسلمان بھی اس کا ارتکاب کرے تو وہ مرتد و ملعون ہے اور اس کو بھی قتل کیا جائے گا۔ اگر کسی حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے کسی گستاخ کو معاف فرمادیا تو ہم اس پر کسی صدر یا وزیرِ اعظم کو قیاس نہیں کرسکتے۔ یہ آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا حق تھا، کسی اور کو یہ سزا معاف کرنے کی اجازت نہیں۔ یاد رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں کبھی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ انہوں نے کسی گستاخ کو معاف کیا ہو۔

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَجْمَعَتْ اُمَّةٌ عَلٰی قَتْلِ مُتَنَقِّصِهٖ مِنَ الْمُسلِمِينَ وَ سَابِّهٖ۔[571]

نیز امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ جَمِيعَ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلّم اَوْ عَابَهٗ اَوِ الْحَقَ بِهٖ نُقْصًا فِی نَفْسِهٖ اَوْ نَسْبِهٖ اَوْ دِیْنِهٖ اَو خَصْلَةٍ مِنْ خِصَالِهٖ اَو عَرَّضَ بِهٖ اَو شَبَّهَهٗ بِشَیْئٍ عَلٰی طَرِيقِ السَّبِّ لَهٗ اَوِ الْاَزْرَائِ عَلَيهِ اَوِ التَّصْغِيرِ لِشَاْنِهٖ اَوِ الْغَضِّ مِنْهُ وَ الْعَيْبِ لَهٗ فَهُوَ سَابٌّ لَهٗ وَ الْحُكمُ فِيهِ حُكمُ السَّابِّ يُقْتَلُ۔۔۔تَصْرِيْحًا كَانَ اَوْ تَلْوِيحًا وَ كَذٰلِكَ مَنْ لَعَنَهٗ اَوْ دَعَا عَلَيهِ اَو تَمَنّٰى مُضِرَّةً لَهٗ اَو نَسَبَ اِلَيهِ مَا يَلِيقُ بِمَنصَبِهٖ عَلٰی طَرِيقِ الذَّمِّ اَو عَبَثَ فِی جِهَتِهِ الْعَزِيْزِيَّةِ بِسَخْفٍ مِنَ الْكَلَامِ وَ هَجَرٍ وَ مُنْكَرٍ مِنَ الْقَوْلِ وَزُوْرٍ اَوْ عَيَّرَهٗ بِشَيئٍ مِمَّا جَرٰى مِنَ الْبَلَآئِ وَ الْمَحْنَةِ عَلَيْهِ اَو غَمَصَهٗ بِبَعْضِ الْعَوَارِضِ الْبَشَرِيَّةِ الْجَائِزَةِ عَلَيهِ الْمَعْهُوْدَةِ لَدَيهِ وَ هٰذَا كُلُّهٗ اِجمَاعٌ مِنَ الْعُلَمَآئِ وَ اَئِمَّةِ الْفَتوٰی مِنْ لَدُنِ الصَّحَابَةِ رِضوَانُاللهِ عَلَيهِم اِلٰی هَلُمَّ جَرًّا۔

[571] (شفاشریف، ج۲، ص۲۰۴ قسم رابع، نسیم الریاض، شرح شفاء لعلی القاری الصارم المسلول، ص۳)

ترجمہ: یعنی بے شک ہر وہ شخص کہ جس نے نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالی دی، یا آپ کو عیب لگایا (عیب نکالنا سب سے عام ہے، بے شک وہ کہ جس نے کہا کہ فلاں حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے زیادہ علم والا ہے تحقیق اس نے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو عیب لگایا اور آپ کی تنقیص کی حالانکہ یہ گالی نہیں) یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ذات میں یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی صفات میں یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے نسب میں یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے دین اور سیرت اور حکومت میں یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خصلتوں میں سے کسی خصلت میں نقص لاحق کیا۔ ان چیزوں کی تصریح کی یا اشارہ سے کہا یا بطریق سبّ آپ کو کسی غیر حسن چیز سے تشبیہ دی یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے حق میں تحقیر یا استخفاف کیا یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی قدر و منزلت و شان میں تحقیر و تصغیر و کمی کی یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی اقل تنقیص کی، نقص قلیل لاحق کیا اور آپ کی طرف عیب منسوب کیا تو وہ بھی ساب (گالی دینے والا) ہے اور اس پر بھی ساب کا حکم جاری ہو گا، وہ یہ کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی شان میں سب بکنا صراحتہً ہو یا اشارۃً (بہر صورت قائل کو قتل کیا جائے گا) اور یہی حکم اس کا ہے جو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پر لعنت کرے (اللہ اللہ اللہ کی پناہ معاذ اللہ العیاذ باللہ نعوذ باللہ الف الف الف مرۃ) یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پر بد دعا کرے (معاذ اللہ العیاذ باللہ الف الف الف مرۃ) یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے نقصان کی تمنا کرے یا بطریق ذم اس چیز کو آپ کی طرف منسوب کرے جو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے منصب کے لائق نہ ہو، یا رذیل کلام اور قبیح و منکر و جھوٹے قول سے آپ صَلی

اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی متعلقہ چیز سے عبث (کھیل کود، مذاق) کرے، یا ان چیزوں میں سے کسی چیز سے آپ پر عیب لگائے جو آزمائشوں اور محنتوں سے آپ پر جاری ہوئیں، جیسے فقر اختیاری ہو اور دانتوں کے کناروں کا شہید ہونا، وغیرہا) یا بعض عوارض بشریہ جائزہ کی وجہ سے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی تحقیر و تنقیص کرے۔ اس سب کے سب پر یعنی مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کے مرتکب پر کفر و قتل کے فتویٰ پر تمام علما مفسرین و محدثین اور ائمہ فتویٰ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر اس وقت تک سب کا اجماع و اتفاق ہے۔"[572]

نیز قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَا نَعْلَمُ خِلَافًا فِیْ اِستِبَاحَۃِ دَمِہٖ بَینَ عُلَمَاءِ الْاَمصَارِ وَسَلَفِ الْاُمَّۃِ وَقَدْ ذَکَرَ غَیْرُ وَاحِدٍ اَلْاِجْمَاعَ عَلٰی قَتْلِہٖ وَتَکفِیرِہٖ۔[573]

"یعنی گستاخ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مباح الدم (یعنی اس کا قتل کرنا جائز ہے) ہونے میں علماء زمانہ اور سلف امت میں سے کسی کا خلاف نہیں۔ اور بہت سے اماموں نے اس (گستاخ نبی) کے قتل و تکفیر پر اجماع ذکر کیا ہے۔"

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَفِیْ کِتَابِ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا أَصْحَابُ مَالِکٍ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم وَغَیرِہٖ مِنَ النَّبِیِّیْنَ مِنْ مُسلِمٍ اَوْ کَافِرٍ قُتِلَ وَلَمْ یُسْتَتَبْ۔[574]

[572] (شفا شریف ج ۲ ص ۷-۲۰۶، طبع قدیم۔ الصارم المسلول ص ۵۲۵، مطبوعہ بیروت)

[573] (شفا شریف، ج ۲ ص ۲۰۷)

[574] (الشفا، ج ۲، ص ۲۱۶)

ترجمہ: حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جس مسلمان یا کافر نے نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم کو یا آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم کے علاوہ کسی بھی نبی کو (نعوذ باللہ) گالی دی اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی۔

امام محمد بن امام سحنون مالکی المحدث نے فرمایا:

اَجْمَعَ الْعُلَمَآءُ (اَیْ عُلَمَآءُ الْاَمْصَارِ فِیْ جَمِیْعِ الْاَمْصَارِ (ق) عَلٰی اَنَّ شَاتِمَ النَّبِیِّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلّم وَالْمُتَنَقِّصُ لَہٗ کَافِرٌ وَالْوَعِیْدُ جَآءَ عَلَیْہِ بِعَذَابِ اللّٰہِ لَہٗ وَحُکْمُہٗ عِنْدَ الْاُمَّۃِ الْقَتْلُ وَمَنْ شَکَّ فِیْ کُفْرِہٖ وَعَذَابِہٖ کَفَرَ (لِاَنَّ الرِّضٰی بِالْکُفْرِ کُفْرٌ)۔

ترجمہ: "سب علماء کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالی دینے والا، آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسلَّم کی تنقیص (بے ادبی کرنے والا) کافر ہے اور عذاب اللہ کی وعید (دھمکی) اس پر جاری ہے اور ساری امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے (یعنی اسے قتل کر دو) اور جو اس (گستاخِ نبی) کے کفر میں شک کرے گا وہ خود کافر ہو جائے گا (کیونکہ کفر پہ رضا بھی کفر ہے)۔"

اسی طرح ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں:

وفی المحیط اذا سکت القوم عن المذکر و جلسوا عندہ بعد تکلمہ بالکفر کفروا۔

یعنی محیط میں مذکور ہے کہ جب کوئی واعظ اپنے وعظ میں کلمہ کفریہ پر تکلم کرے اور لوگ پھر بھی اس کے ساتھ بیٹھے رہیں تو وہ لوگ بھی کافر ہو جائیں گے۔[575]

---

[575] (شرح فقہ اکبر ص ۱۶۵)

حدیقیہ میں ہے:

کما فی حدیقیه و الرضاء بکفر نفسه فانه کفر مطلقًا و الرضاء بکفر غیره مطلقًا عند البعض ای بعض العلماء قال فی شرح الدرر و رضا بکفر نفسه کفر بالاتفاق و ام الرضاء بکفر غیره فقد اختلفوا فیه۔[576]

حضرت الشیخ الکل بیہقی الوقت عالم الہدی مولانا قاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری النقشبندی الفانی فتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

وَفِيْ الْفَتَاوٰی مِنْ مَذْهَبِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِيَّ صَلى اللّٰه تعالیٰ علیه وَاٰله و اصحابه وَسلّم یُقْتَلُ وَ لَا یُقْبَلُ تَوبَتُهُ سَوَاءٌ کَانَ مُؤْمِناً اَوْ کَافِرًا وَ بِهٰذَا یُظْهِرُ اَنَّهُ یَنْتَقِضُ عَهْدُهُ وَیُؤَیِّدُهُ مَا رَوٰی اَبُوْ یُوْسُفَ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لَهُ سَمِعْتُ رَاهِبًا سَبَّ النَّبِيَّ صَلى اللّٰه تعالیٰ علیه وَاٰله و اصحابه وَسلّم فَقَالَ لَهُ لَوْ سَمِعْتُهُ لَقَتَلْتُهُ اِنَّا لَمْ نُعْطِهِمِ الْعُهُوْدَ عَلٰی هٰذَا۔

ترجمہ: مذہب ابی حنیفہ کے فتاویٰ میں ہے کہ جس نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو سب بکا وہ قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں، برابر ہے کہ وہ مومن ہو یا کافر ہو، اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ بوجہ سب نبی ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابو یوسف حضرت حفص سے راوی ہیں کہ ایک مرد نے ان سے کہا کہ میں نے ایک راہب سے سنا ہے کہ وہ حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالی دیتا تھا، تو آپ نے اس سے فرمایا اگر میں اس سے آقا کے حق میں گالی سنتا تو میں اسے قتل کر دیتا، ہم نے ان ذمیوں کو اس بات پر عہد و امان نہیں عطا کی کہ وہ سب بکتے رہیں۔[577]

---

[576] (حدیقیہ ج ۱ ص ۳۴۹)

[577] (تفسیر مظہری جلد ۴ ص ۱۹۱، فتح القدیر جلد ۴ ص ۳۸۱)

قَالَ اِبْنُ الْقَاسِمِ عَنْ مَالِکٍ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم قُتِلَ وَ لَمْ یُسْتَتَبْ قَالَ اِبْنُ الْقَاسِمِ اَوْ شَتَمَہٗ اَوْ عَابَہٗ اَوْ تَنَقَّصَہٗ فَاِنَّہٗ یُقْتَلُ کَالزِّنْدِیْقِ وَ قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ تَوْقِیْرَہٗ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم۔

ترجمہ: ابن القاسم امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالی بکی وہ قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ نامقبول ہوگی۔ ابن قاسم نے فرمایا حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالی دی، یا عیب لگایا، یا تنقیص کی بے شک وہ قتل کیا جائے گا، زندیق کی طرح۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی توقیر و تعظیم (ہم پر) فرض کی ہے۔"

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری ثم بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھتے ہیں:

وَ الْکَافِرُ بِسَبِّ نَبِیٍ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ فَاِنَّہٗ یُقْتَلُ حَدًّا لَا تُقْبَلُ تَوبَتُہٗ مُطْلَقًا (وَ لَو سَبَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ قُبِلَتْ لِاَنَّہٗ حَقُّ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَ الْاَوَّلُ حَقُّ عَبْدٍ لَا یَزَالُ بِالتَّوْبَۃِ) وَ مَنْ شَکَّ فِی عَذَابِہٖ وَ کُفْرِہٖ کَفَرَ۔[578]

یعنی انبیاء کرام میں سے کسی نبی کے سب کی وجہ سے جو کافر ہوا اسے بطور حد قتل کیا جائے گا اور ہرگز ہرگز اس کی توبہ مقبول نہیں اور اگر اللہ کو سب کرے تو سب کی توبہ مقبول ہے اس لئے کہ وہ اللہ کا حق ہے اور پہلے حق عبد مقدس کا حق ہے، وہ توبہ سے زائل نہ ہوگا اور جو کوئی اس کے عذاب و کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

امام ابن منذر فرماتے ہیں:

وَ أَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم اَنَّ لَہُ الْقَتْلُ۔

---

[578] (تمہید الایمان مع حسام الحرمین ص ۲۸)

ترجمہ: تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو (نعوذ باللہ) گالی دی اس کی سزا قتل ہے۔

وَقَالَ الْخَطَابِیُ: لَا اَعْلَمُ اَحَدًا مِنَ الْمُسلِمِینَ اِخْتَلَفَ فِیْ وُجُوبِ قَتْلِہٖ۔

ترجمہ: امام خطابی علیہ الرحمہ نے فرمایا: میں مسلمانوں میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے شاتم رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے قتل کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہو۔[579]

رد المختار علی الدر المختار حاشیہ ابن عابدین میں لکھا ہے:

وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ لَا شَکَّ وَلَا شُبْهَةَ فِیْ کُفْرِ شَاتِمِ النَّبِیِّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم وَفِیْ اِسْتِبَاحَةِ قَتْلِہٖ۔ وَهُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنِ الْاَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ۔[580]

ترجمہ: اور خلاصہ یہ ہے کہ شاتم رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے کفر اور اس کے مباح الدم ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور یہی ائمہ اربعہ سے منقول ہے۔

شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم حنفی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

لَا تَصِحُّ رِدَّةُ السُّکْرَانِ اِلَّا الرِّدَّةَ بِسَبِّ النَّبِیِّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم فَاِنَّهُ یُقْتَلُ وَلَا یُعْفِیْ عَنْهُ کَذَا فِی الْبَزَازِیَّةِ۔[581]

ترجمہ: نشے والے کی ردّت صحیح نہیں مگر جو ردّت نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالیاں دینے کے سبب سے واقع ہو تو اسے قتل کیا جائے اور اس سے درگزر نہیں کی جائے گی۔

معلوم ہوا کہ ساب وشاتم رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کسی وجہ سے نہیں چھوڑا جائے گا۔

---

579 (شفا شریف ج ۲ ص ۲۰۸، الصارم المسلول ص ۴، فتح القدیر ج ۴ ص ۴۰۷)

580 (شامی، ج ۳، ص ۳۲۱)

581 (الاشباہ والنظائر کتاب السیر، باب الردۃ ص ۱۷۵)

عام مرتد اور شاتم رسول کے بارے میں لکھتے ہیں:

كُلُّ كَافِرٍ تَابَ فَتَوْبَتُهُ مَقْبُوْلَةٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا جَمَاعَةَ الْكَافِرِ بِسَبِّ نَبِيٍّ وَسَائِرِ الْاَنْبِيَآءِ وَبِسَبِّ الشَّيْخَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا وَبِالسِّحْرِ وَلَوْ اِمْرَأَةً وَبِالزِّنْدَقَةِ اِذَا اُخِذَ قَبْلَ تَوْبَتِهٖ۔

ترجمہ: ہر کافر جس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ قبول ہے دنیا اور آخرت میں مگر ایک جماعت جو حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اور تمام انبیاء (علیہم السلام) اور شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یا دونوں میں سے ایک کو گالیاں دینے کے سبب کافر ہو گیا ہو یا جادو گر گو عورت ہو اور زندقہ کی وجہ سے کافر ہو گیا ہو توبہ کرنے سے پہلے پکڑے جائیں، تو قتل کئے جائیں۔

اَلْعُقُوْدُ الدُّرِّيَّةُ فِيْ تَنْقِيْحِ فَتَاوٰى حَامِدِيَّه بَابُ حُكْمِ الرَّوَافِضِ وَسَبِّ الشَّيْخَيْنِ میں لکھا ہے:

اَمَّا سَبُّ الشَّيْخَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فَاِنَّهٗ كَسَبِّ النَّبِيِّ صَلى الله تعالىٰ عليه وَاٰله واصحابه وَسلَّم وَقَالَ الصَّدْرُ الشَّهِيْدُ مَنْ سَبَّ الشَّيْخَيْنِ اَوْ لَعَنَهُمَا يُكْفَرُ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهٗ وَاِسْلَامُهٗ۔

یعنی شیخین کو گالیاں دینا ایسے ہی ہے جیسے نبی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالیاں دینا ہے۔ صدر الشہید نے فرمایا: جس نے حضرات شیخین کو گالی دی یا ان پر لعنت کی وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی توبہ اور اسلام قبول نہیں کیا جائے گا۔[582]

فتاویٰ رضویہ میں لکھا ہے:

كُلُّ مُسْلِمٍ اِرْتَدَّ فَتَوْبَتُهٗ مَقْبُوْلَةٌ اِلَّا الْكَافِرُ بِسَبِّ نَبِيٍّ اَوِ الشَّيْخَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا۔

یعنی ہر وہ مسلمان جو مرتد ہو گیا اس کی توبہ قبول ہے مگر وہ کافر جس نے کسی نبی یا ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دی۔[583]

---

582 (بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴ ص ۲۹۵)
583 (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴ ص ۲۹۵)

در مختار میں ہے:

مَنْ سَبَّ الشَّیْخَیْنِ اَوْ طَعَنَ فِیْھِمَا کَفَرَ وَ لَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ۔

ترجمہ: جس نے حضرت ابو بکر یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دی یا ان پر طعن کیا تو وہ کافر ہے، اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔[584]

وَ کُلُّ مُسلِمٍ اِرْتَدَّ فَاِنَّہٗ یُقْتَلُ اِنْ لَمْ یَتُبْ۔

ہر وہ مسلمان جو مرتد ہوا تو بے شک وہ قتل کیا جائے گا، اگر توبہ نہ کی۔

یہ عام مرتد کی سزا اور شرطِ توبہ کا بیان ہے اور پہلے بیان کر دیا کہ جو ارتداد نبی اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالیاں دینے سے واقع ہو گا اس کی سزا، سزائے موت ہے۔[585]

وَاِذَا مَاتَ رَدَّتُہٗ لَمْ یُدْفَنْ فِیْ مَقَابِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ لَا اَھْلِ مِلَّۃٍ وَّاِنَّمَا یُلْقٰی فِیْ حُفْرَۃٍ کَالْکَلْبِ، وَالْمُرْتَدُّ اَقْبَحُ کُفْرًا مِنَ الْکَافِرِ الْاَصْلِیِّ، وَاِذَا شَھِدُوْا عَلٰی مُسْلِمٍ بِالرَّدَّۃِ وَھُوَ مُنْکِرٌ لَا یَتَعَرَّضُ لَہٗ لَا لِتَکْذِیْبِ الشُّھُوْدِ الْعُدُوْلِ بَلْ لِاَنَّ اِنْکَارَہٗ تَوْبَۃٌ وَّرُجُوْعٌ فَتَثْبُتُ الْاَحْکَامُ الَّتِیْ لِلْمُرْتَدِّ لَوْ تَابَ مِنْ حَبْطِ الْاَعْمَالِ وبَیْنُوْنَۃِ الزَّوْجَۃِ وَقَوْلُہٗ لَا یَتَعَرَّضُ لَہٗ اِنَّمَا ھُوَ فِیْ مُرْتَدٍّ تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ فِی الدُّنْیَا لَا الرِّدَّۃَ بِسَبِّ النَّبِیِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اھ اَلْاَوْلٰی تَنْکِیْرُ النَّبِیِّ کَمَا عُبِّرَ بِہٖ فِیْمَا سَبَقَ اھ مُلَخَّصاً غَمْزُ الْعُیُوْنِ۔[586]

ترجمہ: اور جب وہ اسی ارتداد پر مر جائے والعیاذ باللہ تعالیٰ تو اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے، نہ کسی ملت والے مثلاً یہودی یا نصرانی کے گورستان میں دفن کیا جائے، وہ تو کتے کی طرح کسی گڑھے میں پھینک دیا جائے۔ مرتد کا کفر اصلی کافر کے کفر سے بدتر ہے اور اگر کسی مسلمان پر گواہانِ عادل شہادت دیں کہ یہ فلاں قول یا فلاں فعل کے سبب مرتد ہو گیا اور وہ اس سے

---

584 (بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴ ص ۲۹۵)

585 (الاشباہ والنظائر، ص ۱۷۵)

586 (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴ ص ۳۰۲)

انکار کرتا ہو تو اس سے تعرض نہ کریں گے نہ اس لئے کہ گواہانِ عادل کو جھوٹا ٹھہرایا بلکہ اس لئے کہ اس کا انکار اس کفر سے توبہ و رجوع سمجھیں گے ولہٰذا گواہان عادل کی گواہی اور اس کے انکار سے یہ نتیجہ پیدا ہو گا کہ وہ شخص مرتد ہو گیا تھا، اور اب توبہ کر لی تو مرتد تائب کے احکام اس پر جاری کرینگے کہ اس کے تمام اعمال حبط ہو گئے اور جورو نکاح سے باہر، باقی سزا نہ دی جائے گی، مگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کہ یہ وہ کفر ہے جس کی توبہ قبول نہیں۔ اور یہ قول کہ اس سے تعرض نہ کیا جائے اس مرتد سے متعلق ہے جس کی توبہ دنیا میں مقبول ہے، نہ وہ مرتد جو نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی شان اقدس میں گستاخی کرے کہ یہ وہ کفر ہے جس کی سزا یہ ہے کہ دنیا میں بعد توبہ بھی معافی نہیں، یونہی کسی نبی کی شان میں گستاخی علیہم الصلوۃ والسلام، اولی یہ تھا کہ لفظ نبی کو نکرہ ذکر کرتے جیسا کہ گزشتہ عبارت میں تعبیر کیا ہے اھ **ملخصاً غمز العیون**۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب احکام المرتدین میں علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں:

ردت کا حکم یہ ہے کہ مرتد یا تو توبہ کر لے یا پھر قتل کر دیا جائے اور کچھ مسائل ارتداد کے اس حکمِ ارتداد سے خارج ہیں۔

وَیُسْتَثْنٰی مِنْهُ مَسَائِلُ (اس حکم سے کچھ مسائل خارج ہیں):

۱۔ اَلْاَوْلٰی الرِّدَّۃُ بِسَبِّہٖ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم قَالَ فِیْ فَتْحِ الْقَدِیْرِ کُلُّ مَنْ اَبْغَضَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بِقَلْبِہٖ کَانَ مُرْتَدًّا فَالسَّابُّ بِطَرِیْقِ اَوْلٰی ثُمَّ یُقْتَلُ حَدًّا عِنْدَنَا فَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُہٗ فِیْ اِسْقَاطِہِ الْقَتْلِ قَالَ ھٰذَا مَذْھَبُ اَھْلِ الْکُوْفَۃِ وَمَالِکٌ وَنُقِلَ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ترجمہ: پہلا مسئلہ: وہ ردّت جو نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالیاں دینے کے ذریعے ہو، فتح القدیر میں فرمایا: جس نے رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم پر دل سے غضب و غصہ کیا وہ مرتد ہو جاتا ہے۔ تو گالیاں دینے والا بدرجہ اولی مرتد ہے، پھر ہمارے نزدیک بطور حد قتل کیا جائے گا، اس کی توبہ اس کے قتل کو ساقط کرنے میں قبول نہیں کی جائے گی۔ یہی اہل کوفہ کا مذہب ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی مذہب منقول ہے۔

معلوم ہوا کہ شاتم رسول کی ایسی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی جس سے اس کی سزائے موت بطور حد کے ساقط ہو جائے۔

صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں:

وَالْحَقُّ اَنَّ الَّذِی یُقْتَلُ وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ هُوَ الْمُنَافِقُ۔

ترجمہ: اور حق یہ ہے کہ جس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے وہ منافق ہے۔

۲۔ اَلرِّدَّةُ بِسَبِّ الشَّیْخَیْنِ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

ترجمہ: دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دینا بھی قتل کو واجب کر دیتا ہے۔

۳۔ لَاتُقْبَلُ تَوْبَةُ الزِّنْدِیْقِ فِیْ ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ وَهُوَ مَنْ لَّا یَتَدِیْنُ بِدِیْنٍ

ترجمہ: تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی ظاہر مذہب میں اور زندیق وہ ہے جو کوئی دین نہ رکھتا ہو۔

فقہ حنفی کے معتبر فتاوے بزازیہ (مؤلفہ امام حافظ الدین محمد بن محمد شہاب المعروف بابن البزاز الکروری الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ) میں ہے:

اِلَّا اِذَا سَبَّ الرَّسُوْلَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ اَوْ وَاحِدًا مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ فَاِنَّهُ يُقْتَلُ حَدًّا وَّ لَا تَوْبَةَ لَهُ اَصْلًا سَوَاءٌ بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ وَ الشَّهَادَةِ اَوْ جَآءَ تَائِبًا مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ كَالزِّنْدِيْقِ لِاَنَّهُ حَدٌّ وُجِبَ فَلَا يُسْقُطُ بِالتَّوْبَةِ كَسَائِرِ حُقُوْقِ الْاٰدَمِيِّيْنَ وَ كَحَدِّ الْقَذْفِ لَا يَسْقُطُ بِالتَّوْبَةِ بِخِلَافِ مَا اِذَا سَبَّ اللّٰهَ تَعَالٰى ثُمَّ تَابَ لِاَنَّهُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

ترجمہ: مگر جب مرتد نے رسول اللہ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالیاں دیں یا کسی ایک نبی کو انبیاء کرام علیہم السلام میں سے گالیاں دیں تو بے شک اس کو قتل کیا جائے گا بطور حد کے، اس کی توبہ اصلاً نہیں ہے چاہے اس پر قدرت و شہادۃ موجود ہوتے ہوئے یا وہ اپنے آپ توبہ کرلے جیسے زندیق ہے اس لئے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے جو واجب ہوچکی ہے تو یہ حد توبہ سے ساقط نہ ہوگی جیسے باقی تمام انسانی حقوق ہیں اور جیسے حد قذف توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی ہے بخلاف اس کے کہ جب اللہ تعالیٰ کو گالیاں دے اور بعد میں توبہ کرلے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

احادیث مبارکہ سے علماء کرام نے یہ فیصلہ ثابت کردیا ہے کہ جس کسی نے نبی اکرم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی اہانت کی اور تنقیص شان کی تو اس کی سزا، سزائے موت ہے اور یہ حکم قتل امتی کے لئے ثابت و قابل عمل رہے گا۔

رہا یہ کہ نبی اکرم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے بعض گستاخوں کو معاف فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے اور صاحب حق کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنا حق معاف کردے۔ اب کون قابل معافی ہے اور کون نہیں ہے تو یہ امتیاز آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو حاصل تھا آپ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم

کے بعد امت کے پاس اس امتیاز پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا گستاخ مرتد کی سزا، سزائے موت ہے۔

یاد رہے کہ اگر اصلی کافر بھی نبی اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالیاں دے، اہانت کرے اگرچہ کہ وہ عورت ہو تو اسے بھی قتل کرنے کا حکم ہے کہ یہ اہانت ہے جو ارتداد کا اعلیٰ فرد ہے۔

نَعَمْ قَدْیُقْتَلُ الْکَافِرُ وَ لَوْ اِمْرَأَۃً اِذَا اَعْلَنَ بِشَتْمِہٖ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم۔

یعنی کافر کو قتل کیا جائے گا اگرچہ عورت ہو جب وہ نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو کھلے عام گالیاں دیں۔ (ردالمحتار باب المرتد)

وَ الْمُرْتَدُ یُقْتَلُ لِاَنَّ کُفْرَہٗ اَغْلَظُ۔

یعنی اور مرتد کو قتل کیا جائے گا اس لئے کہ اس کا کفر زیادہ سخت ہے۔ (ردالمحتار)

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اصل کافر سے اتنا زیادہ اسلام کو نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا زیادہ نقصان مرتد سے پہنچ سکتا ہے کیونکہ اسلام میں آکر پھر اسلام سے نکل کر زیادہ سخت ہو جاتا ہے اور اہل ایمان کے ایمان کو کمزور بنانے کا باعث بنتا ہے اور اسلام دشمنی میں زیادہ دلیر ہو جاتا ہے لہٰذا ایسے مرتد کا قتل ضروری ہو جاتا ہے۔

فَظَاھِرُہٗ اَنَّہٗ یُقْتَلُ مُطْلَقًا وَھُوَ مُوَافِقٌ لِمَا اَفْتٰی بِہِ الْخَیْرُ الرَّمَلِیُّ وَ الْحَقُّ اَنَّہٗ یُقْتَلُ عِنْدَنَا اِذَا اَعْلَنَ بِشَتْمِہٖ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ۔

پس ظاہر کلام یہ ہے کہ شاتم رسول کو مطلقاً قتل کر دیا جائے اور یہ خیر الرملی کے فتوے کے موافق ہے اور حق یہ ہے کہ شاتم رسول کو ہمارے نزدیک قتل کیا جائے جب وہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کھلے عام گالیاں دے۔

اور اگر عورت ایسا کرے تو اسے بھی قتل کیا جائے گا، اس پر امام محمد نے سیر کبیر میں دلیل بیان کی ہے:

جَآئَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم وَ قَالَ سَمِعْتُ اِمْرَأَۃً مِنْ یَھُوْدٍ وَ ھِیَ تَشْتُمُکَ وَ اللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَّھَا لَمُحْسِنَۃٌ اِلَیَّ فَقَتَلْتُھَا فَاَھْدَرَ النَّبِیُّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم دَمَھَا۔[587]

ترجمہ: ایک مرد رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے ایک یہودی عورت کو سنا کہ وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالیاں دے رہی تھی، اللہ کی قسم یارسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم! میرے ساتھ وہ احسان کرنے والی تھی پھر بھی میں نے اسے قتل کر دیا تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اس عورت کے خون کو رائیگاں فرما دیا۔

امام حجۃ الاسلام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

وَ قَالَ اللَّیْثُ فِیْ الْمُسْلِمِ یَسُبُّ النَّبِیَّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم اَنَّہٗ لَا یُنَاظَرُ وَ لَا یُسْتَتَابُ وَ یُقْتَلُ مَکَانَہٗ وَ کَذٰلِکَ الْیَھُوْدِیُّ وَ النَّصَارِیْ۔[588]

ترجمہ: اور لیث نے فرمایا ایسے مسلمان کے بارے میں جو نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالیاں دیتا ہو کہ بے شک نہ اس سے مناظرہ کرے نہ مہلت دے اور نہ اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اور اسے اسی جگہ پر قتل کر دیا جائے۔ اور ایسے ہی یہودی اور نصاریٰ شاتم کا بھی حکم ہے۔

---

[587] (ردالمحتار، ج۳ص ۳۰۶)

[588] (احکام القرآن للجصاص، ج۳، ص ۸۵)

معلوم ہوا کہ سب سے بڑا بد ترین ارتداد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کو گالیاں یا اذیتیں دی جائیں، جس کی سزا بطورِ حد صرف قتل ہے۔ اور اس کی توبہ قابل قبول نہیں ہے۔ اور یہ قتل کرنا دنیا میں عذابِ الٰہی ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ گستاخوں کو دیتا رہا ہے۔

احکام القرآن للجصاص میں منقول ہے:

وَ لَا خِلَافَ بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَّ مَنْ قَصَدَ النَّبِیَّ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلَّم بِذٰلِکَ فَھُوَ مِمَّنْ یَنْتَحِلُ الْاِسْلَامُ اَنَّہُ مُرْتَدٌ یَسْتَحِقُّ الْقَتْلَ۔[589]

ترجمہ: مسلمانوں کا آپس میں اس بات میں اختلاف نہیں کہ جس شخص نے نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی اہانت وایذا رسانی کا قصد کیا اور وہ مسلمان کہلاتا ہے، تو وہ مرتد اور مستحق قتل ہے۔

یعنی گستاخِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اگر اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس گستاخی سے مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا، سزائے موت ہے۔ اس کی سزائے موت میں اختلاف نہیں ہے کیونکہ شاتمِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی توبہ قابل قبول نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر عام مرتد بھی توبہ نہ کرے تو اس کی سزا بھی قتل ہے۔ عام مرتد ہو، یا شاتمِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم خاص درجہ کا مرتد ہو، اس کا مستحق قتل ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ بعض کے ہاں اتنی بات ہے کہ جو مرتد شاتم رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بھی ہو، اس کی توبہ قابل قبول ہے یا نہیں؟ اس میں جمہور کی اکثریت اس پر قائم ہے کہ ایسے شاتم رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے لئے عند اللہ توبہ قابل قبول ہو سکتی ہے لیکن ایسی توبہ کہ جس سے حدِ قتل

---

[589] (احکام القرآن للجصاص، ج۳، ص ۱۰۶)

معاف اور ساقط ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ توبہ کرنے کے باوجود سزائے موت دی جائے گی۔ جیسے قتل، زنا، چوری، ڈکیتی وغیرہ جرائم سے توبہ کی جاسکتی ہے لیکن حد معاف نہیں ہو گی۔

قاضی الشرق والغرب صاحب ابی حنیفہ الامام الحافظ الحجۃ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اَیُّمَا رَجُلٍ مُسْلِمٍ سَبَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ و اصحابہ وَ سلّم اَوْ کَذَّبَهُ اَوْ عَابَهُ اَوْ تَنَقَّصَهُ فَقَدْ کَفَرَ بِاللّٰہِ وَ بَانَتْ مِنْهُ زَوْجَتُهُ"۔[590]

یعنی جس مسلمان نے رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ واصحابہ وَ سلَّم کو گالی دی یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ واصحابہ وَ سلَّم کی تکذیب کی یا آپ کو عیب لگایا یا آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ واصحابہ وَ سلَّم کی تنقیص (بے ادبی) کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ سے انکار کیا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔

"اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ اَنَّ شَاتِمَهُ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ و اصحابہ وَ سلّم کَافِرٌ وَ مَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِهٖ وَ کُفْرِهٖ کَفَرَ"۔[591]

"وَ الْکَافِرُ بِسَبِّ نَبِیٍّ مِنَ الْاَنْبِیَآءِ فَاِنَّهُ یُقْتَلُ حَدًّا لَاتُقْبَلُ تَوْبَتُهُ مُطْلَقًا (وَ لَو سَبَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قُبِلَتْ لِاَنَّهُ حَقُّ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ الْاَوَّلُ حَقُّ عَبْدٍ لَایَزَالُ بِالتَّوْبَةِ) وَ مَنْ شَکَّ فِیْ عَذَابِهٖ وَ کُفْرِهٖ کَفَرَ۔[592]

یعنی انبیائے کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کو گالی دینے کی وجہ سے جو کافر ہوا اسے بطورِ حد قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ ہر گز ہر گز قبول نہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کو گالی دے تو اس کی توبہ قبول

[590] (کتاب الخراج ص ۱۸۲ للقاضی ابی یوسف۔ فَصْلٌ فِی حُکْمِ الْمُرْتَدِ، در المختار ج۳ ص ۳۱۹)
[591] (شفا شریف، فتاوی خیریہ، تمہید الایمان ص ۲۸)
[592] (مجمع الانہار، رد المحتار علی در مختار ج۳ ص ۴۰۰، بزازیہ)

ہے اس لیے کہ وہ اللہ کا حق ہے اور پہلا عبد مقدس (نیک بندے) کا حق ہے توبہ سے بھی زائل نہ ہو گا اور جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ "قُتِلَ فِیْ صُوْرَةِ السَّبِّ وَاِنْ تَابَ" کے بارے میں فرماتے ہیں:

لِاَنَّ الْحَدَّ لَا یَسْقُطُ بِالتَّوْبَةِ فَهُوَ عَطْفُ تَفْسِیْرٍ وَ اَفَادَ اَنَّهُ حُكْمُ الدُّنْیَا اَمَّا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰی فَهِیَ مَقْبُوْلَةٌ كَمَا فِی الْبَحْرِ۔

ترجمہ: اس لئے کہ حد توبہ کرنے کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی۔ اور اس کا یہ فائدہ ہوا کہ یہ حکم دنیا کے ساتھ ہے البتہ آخرت میں اللہ کے نزدیک اس کی توبہ قابل قبول ہے۔

"وَفِی الدُّرَرِ۔۔۔۔ نَقْلاً عَنِ الْبَزَّازِیَّةِ وَقَالَ اِبْنُ سِحْنُوْنِ الْمَالِكِیُّ اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ اَنَّ شَاتِمَهُ كَافِرٌ وَ حُكْمُهُ الْقَتْلُ وَ مَنْ شَكَّ فِیْ عَذَابِهٖ وَ كُفْرِهٖ كَفَرَ۔"

دُرر میں بزازیہ سے منقول ہے کہ ابن سحنون المالکی نے فرمایا کہ مسلمان کا اس پر اجماع ہے کہ حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالی دینے والا کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے اور جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

"اَجْمَعَ الْعُلَمَآءُ (اَیْ عُلَمَآءُ الْاَعْصَارِ فِیْ جَمِیْعِ الْاَمْصَارِق) عَلٰی اَنَّ شَاتِمَ النَّبِیِّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلّم وَ الْمُتَنَقِّصَ لَهٗ كَافِرٌ اَلْوَعِیْدُ جَارٍ عَلَیْهِ بِعَذَابِ اللّٰهِ لَهٗ وَ حُكْمُهٗ عِنْدَ الْاُمَّةِ الْقَتْلُ وَ مَنْ شَكَّ فِیْ كُفْرِهٖ وَ عَذَابِهٖ كَفَرَ لِاَنَّ الرِّضٰی بِالْكُفْرِ كُفْرٌ"۔[593]

یعنی سب علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضور صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالی دینے والا آپ کی تنقیص (بے ادبی) کرنے والا کافر ہے اور عذاب اللہ کی وعید (دھمکی و سزا) اس پر جاری ہے

593 (نسیم الریاض، شفا شریف، اکفار الملحدین لمولوی انور شاہ کشمیری: ص: ۱۵، الصارم المسلول: ص:۴، ج:۲ ص:۲۰۸)

اور ساری امت کے نزدیک اس کا حکم قتل ہے۔(یعنی اس کو قتل کردو)اور جو اس (گستاخِ نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم) کے کفر میں شک کرے گا وہ خود کافر ہو جائے گا۔

امام قاضی عیاض نے فرمایا:

"قَالَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا اَجْمَعَ الْعُلَمَائُ عَلٰی اَنَّ مَنْ دَعَا عَلٰی نَبِیٍّ مِنَ الْاَنْبِیَائِ بِالْوَیْلِ اَوْ بِشَیءٍمِنَ الْمَکْرُوْہِ اَنَّہٗ یُقْتَلُ بِلَااِسْتِتَابَۃٍ"۔[594]

یعنی ہمارے بعض علماء نے فرمایا کہ علماء کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ جس نے انبیائِ کرام میں سے کسی نبی پر ہلاکت یا کسی مکروہ چیز کی دعا کی تو وہ بلا طلب توبہ قتل کیا جائے گا۔

محرر مذہبِ ابی حنیفہ الامام الحافظ محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صاحبِ "مبسوط" نے فرمایا:

"وَذُکِرَ فِیْ الْاَصْلِ (اَلْمَبْسُوْطِ) اَنَّ شَتْمَ النَّبِیِّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کُفْرٌ۔"

یعنی نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالی دینا کفر ہے۔[595]

"قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ کُلُّ مَنْ شَتَمَ النَّبِیَّ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اَوْ تَنَقَّصَہٗ مُسْلِمًا کَانَ اَوْ کَافِرًا فَعَلَیْہِ الْقَتْلُ وَاَرٰی اَنْ یُقْتَلَ وَلَا یُسْتَتَابُ۔"[596]

یعنی امام احمد نے فرمایا ہر وہ شخص کہ جس نے حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو گالی دی یا آپ کی تنقیص کی مسلمان ہو یا کافر اس کو قتل کرنا لازم ہے اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ ہو۔

---

594 (الصارم المسلول، ص ۵۲۶، شفاءشریف ج ۲ ص ۲۰۹)

595 (شرح شفاءللقاری: ج:۴ ص:۳۲۸)

596 (الصارم المسلول: ص:۵۲۵)

ہر کافر کی توبہ قبول ہے لیکن سیدِ عالم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ ہزار ہا ائمہ دین کے نزدیک اصلاً قبول نہیں۔ اور ہمارے علماء حنفیہ میں سے امامِ بزاز، امام محقق ابن ہمام، علامہ خسرو صاحب، علامہ زین ابن نجیم صاحبِ بحر الرائق اور اشباہ والنظائر، علامہ عمر ابن نجیم صاحب نہر الفائق، علامہ ابو عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ غزی صاحب تنویر الابصار، علامہ خیر الدین ابن رملی صاحب فتاویٰ خیریہ، علامہ شیخ زادہ صاحب مجمع الانہر، علامہ محمد بن علی حصکفی صاحب در مختار، علامہ امام اہل سنت مجاہد اعظم مجدد شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری، ثم بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ رضویہ، وغیر ھم نے بہت وضاحت سے بیان کیا ہے۔

غزالیِ زمان علامہ سید احمد سعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چیف جسٹس وفاقی شرعی عدالت، پاکستان کو ۲۵ نومبر ۱۹۸۵ء بسلسلۂ شریعت پٹیشن در توہینِ رسالت، ایک تحریری بیان پیش کیا جس میں انہوں نے تحریر فرمایا: "کتاب و سنت، اجماعِ امّت اور تصریحاتِ ائمہ دین کے مطابق توہینِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی سزا صرف قتل ہے۔"

سب کفروں سے بڑھ کر کفر شتم وسب رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ہی ہے اور یہ شتم وسب رسول تمام فتنوں سے بڑھ کر فتنہ ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی سزا و عقوبت بھی بطورِ حد ہو گی، بطورِ تعزیر نہ ہو گی اور سب جرموں سے اہانت وسبّ رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم بدترین جرم ہے اور شتم رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم عام کفر سے زائد جنایت و جرم ہے بلکہ یہ جرموں کا جرم ہے، اس کی سزا و عقوبت بھی بطورِ حد سب عقوبتوں سے بڑھ کر ہے لہٰذا اہانت رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا مرتکب مباح الدم ہوتا ہے اور ایسے بدترین مجرم کے خون کو بہانے والا سب سے بڑا مجاہد ہوتا ہے اور گستاخِ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو

قتل کرنے کی نیکی سب نیکیوں سے بڑھ کر نیکی ہے اور افضل الاعمال و افضل الجہاد گستاخِ رسول صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو قتل کرنا ہے۔[597]

شاتم رسول صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی سزا صرف اور صرف قتل ہی ہے، نبی اکرم صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی توہین و تحقیر کرنے والے کی توبہ امت مسلمہ کے نزدیک قبول نہیں ہوگی، تنقیص و تحقیر کرنے والا شاتم رسول اللہ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اگر توبہ کرے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان ہوگا، خداوند کریم اس کی توبہ رد کرے یا قبول فرمائے لیکن سزا اسے ضرور دی جائے گی یعنی اسے قتل کرنا واجب اور ضروری ہوگا اور یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ رسول اللہ صَلّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی عزت وناموس کا تحفظ کرے اور اگر اسلامی حکومت کسی وجہ سے یہ فرض ادا نہ کرسکے تو امت مسلمہ کو یہ حق حاصل رہے گا کہ وہ شاتم رسول کو قتل کردیں تاکہ اس عظیم فتنہ کو پھیلانے والوں سے اللہ کی زمین پاک ہوجائے اور اس فتنہ وفساد سے اہل دنیا کو محفوظ کرایا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔

آمین بجاہ نبی کریم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم۔

صاف وصریح گستاخانہ کلمات میں تاویل وہیر اپھیری کرنا بھی کفر ہے

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی"۔[598]

شفاء شریف میں ہے:

ادعاء التاویل فی لفظ صریح لا یقبل۔

---

597 (الصارم المسلول، از ابن تیمیہ، ص ۲۹۱)

598 (تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن، ص ۴۸)

یعنی ”صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا“۔

شرح شفائے قاری میں ہے:

هو مردود عند القواعد الشرعية۔

”ایسا دعویٰ شریعت میں مردود ہے۔“

نسیم الریاض میں ہے:

لا یلتفت لمثله و یعد هذیانا۔

”ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہو گا اور وہ ہذیان سمجھی جائے گی۔“

فتاویٰ خلاصہ و فصولِ عمادیہ و جامع الفصولین و فتاویٰ ہندیہ و غیرہا میں ہے:

و اللفظ للعمادی قال انا رسول الله او قال بالفارسية من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر۔

یعنی ”اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اللہ کا رسول یا پیغمبر کہے اور معنے یہ لے کہ میں پیغام لے جاتا ہوں قاصد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔“ یہ تاویل نہ سنی جائے گی، فاحفظ۔“

علماء دیوبند کے شیخِ کبیر مولوی انور شاہ کشمیری اپنی تصنیف ”اکفار الملحدین“ میں صفحہ ۹۹ پر تحریر کرتے ہیں:

”علامہ موصوف ”مقاصد“ کی شرح میں ”باب الکفر والایمان“ کے ذیل میں ج ۲ ص ۲۶۸ تا ۲۷۰ پر اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں: ”(اہلِ قبلہ کے بارے میں) مذکورہ بالا بحث کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو ضروریاتِ دین مثلاً (توحید، نبوّت، ختمِ نبوّت، وحی و الہام) حدوثِ عالم اور حشرِ جسمانی وغیرہ مجمع علیہ عقائد حقہ میں تو اہل حق کے ساتھ متفق ہوں، لیکن ان کے علاوہ اور نظری عقائد و اصول میں اہل حق کے مخالف ہوں، مثلاً صفاتِ الٰہیہ، خلقِ اعمال، ارادۂ الٰہی کا خیر و شر

دونوں کے لئے عام ہونا، کلامِ الٰہی کا قدیم ہونا، رؤیتِ باری تعالیٰ کا ممکن ہونا، ان کے علاوہ وہ تمام نظری عقائد و مسائل جن میں حق یقیناً ایک ہے (اثبات یا نفی) ایسے مخالفینِ حق کے بارے میں بحث ہے کہ ان عقائد کا معتقد اور قائل ہونے (یا نہ ہونے) کی بنا پر کسی اہل قبلہ (مسلمان) کو کافر کہا جائے یا نہیں؟ ورنہ اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ وہ اہل قبلہ (مسلمان کہلانے والے) جو عمر بھر روزہ، نماز وغیرہ تمام عبادات و احکام کا پابند رہا ہو لیکن عالم کو قدیم (ازلی ابدی) مانتا ہو، یا جسمانی حیات بعد الموت کا انکار کرتا ہو، یا اللہ تعالیٰ کو جزئیات (ہر ہر چیز) کا عالم نہ مانتا ہو، وہ (قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کے باوجود) بلاشک وشبہ کافر ہے، اسی طرح کوئی اور کفریہ قول یا فعل اس سے سرزد ہو تو وہ بھی کافر ہے۔ (مثلاً حضور اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی شان مبارکہ میں بے ادبی، گستاخی، اور عیب جوئی کرنا)۔

اور بعض علماء اور مفتی حضرات کبھی کبھار کفریہ الفاظ میں تاویلات کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے بارے میں مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

"کفر صریح میں کوئی تاویل مسموع نہیں ہوتی"۔[599]

اس لئے کہ طبرانی کی روایت میں اس حدیث میں "کفرًا بواحا" کے بجائے "کفرًا صُراحا" ("ص" مضموم اور "ر" مفتوح کے ساتھ) آیا ہے (جس کے معنی ہیں صریح کفر)، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "فتح الباری" شرح البخاری ج ۱۳ ص ۶ میں نقل کیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کفر صریح میں کوئی تاویل مسموع نہیں ہوتی۔

(یہ حدیثِ مبارکہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۱ پر درج ہے)۔

---

599 (اکفار الملحدین، صفحہ ۱۱۲)

اور صفحہ ۳۴۷ پر لکھتے ہیں:

"ضروریاتِ دین سے کسی متواتر امر "مسنون" کے انکار سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے"۔

ضروریاتِ دین اور متواترات کی اس تشریح و تحقیق کے بعد اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مثلاً:

۱۔ نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کے فرض ہونے کا اعتقاد بھی فرض ہے، اور نماز سیکھنا بھی فرض ہے اور نماز سے انکار یعنی اس کو نہ ماننا یا نہ جاننا کفر ہے۔

۲۔ اور مسواک کرنا سنت ہے، مگر اس کے سنت ہونے کا اعتقاد فرض ہے، اور اس کی سنیت کا انکار کفر ہے، لیکن اس پر عمل کرنا اور علم حاصل کرنا سنت ہے، اور اس کے علم سے ناواقف رہنا حرمانِ ثواب کا باعث ہے، اور اس پر عمل نہ کرنا (رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم) کے عتاب یا (ترک سنت کے) عذاب کا موجب ہے۔ (دیکھا آپ نے ایک سنت کی سنیت کے انکار سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے)۔

کیوں کافر ہو جاتا ہے؟ کیونکہ سنت کی نسبت آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی طرف کی گئی ہے۔ اور جب سنت کو حقارت کی نظر سے دیکھنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے تو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی عیب جوئی یا گستاخی کرنے سے بطریق اولیٰ کافر ہو جاتا ہے۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "ازالۃ الخفا" میں مزید وضاحت فرمائی ہے، صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں: "تاویل کے قطعی طور پر باطل ہونے کا مدار اس پر ہے کہ وہ تاویل قرآن کریم کی صریح آیت، یا حدیث مشہور، یا اجماع، یا قیاسِ جلی، (واضح قیاس) کے خلاف ہو۔" (یعنی ہر وہ تاویل جو قرآن، حدیثِ مشہور، اجماعِ امت یا واضح قیاس کے مخالف ہو قطعًا نہیں مانی جائے گی)۔

اسی طرح صفحہ ۲۷۹ پر لکھتے ہیں:

جو تاویل ضروریاتِ دین کے مخالف و منافی ہو، وہ کفر ہے:

"نیز کبھی انسان ایسے امور میں تاویل کرنے کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، جن میں تاویل کی مطلق گنجائش نہیں جیسے "قرامطہ" کی تاویلیں اور بعض تاویلوں سے ضروریاتِ دین کی مخالفت لازم آجاتی ہے، اور تاویل کرنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا (اور کافر ہو جاتے ہیں) یہ وہ مقام ہے جس میں انسان علم الٰہی اور احکام آخرت کے اعتبار سے کفر کے خطرہ سے ہرگز محفوظ نہیں رہ سکتا، اگرچہ ہمیں علم نہ ہو۔"

"اسی طرح علماء امت کا اس پر بھی اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ کسی بھی قطعی امر مسموع (یعنی ایسا امر جس کا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم سے مسموع ہونا یقینی ہو) کی مخالفت کفر اور اسلام سے نکل جانے کے مترادف ہے۔"

حضرت علامہ مفتی ابو المحسن محمد منظور احمد فیضی اپنی کتاب "مقام رسول" میں صفحہ ۶۱۷ پر تحریر فرماتے ہیں:

ادعاء التاویل فی لفظ صریح لا یقبل۔

یعنی صاف و صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا۔[600]

الصارم المسلول صفحہ ۵۲۷، اکفار الملحدین للکشمیری صفحہ ۲۷، بحوالہ الحق المبین صفحہ ۱۶ مصنفہ شیخ الحدیث رازیِ وقت حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی نور اللہ مرقدہ و جعل الجنّۃ مثواہ، آمین۔

ھو مردود عند قواعد الشریعۃ۔

---

[600] (شفاءشریف ج۲ ص ۲۰۹، ۲۱۰)

"یعنی قواعد شرعیہ کی روشنی میں صاف و صریح لفظ (توہین) میں تاویل کرنا مردود ہے۔"[601]

لا یلتفت لمثلہ و یعد ھذیانا۔[602]

"یعنی صاف (توہینی) لفظ میں تاویل وغیرہ کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور اس تاویل کو بکواس شمار کیا جاتا ہے۔"

و التاویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر۔

یعنی ضروریات دین میں تاویل کفر کو دفع نہ کرے گی۔[603]

و ھکذا قال شیخ الصوفیۃ الشیخ الاکبر محی الدین ابن العربی المتوفی ۶۲۸ھ[604]

ان التاویل فی القطعیات لا یمنع الکفر۔

یعنی قطعیات میں تاویل کفر کو منع نہیں کرتی۔[605]

التاویل فی ضروریات الدین لا یقبل و یکفر المتاول فیھا۔

یعنی ضروریات دین میں تاویل قبول نہیں اور ان میں تاویل کرنے والا کافر ہو جائے گا۔[606]

التاویل الفاسد کالکفر۔

"فاسد تاویل کفر کی طرح ہے"۔[607]

المدار فی الحکم بالکفر علی الظواھر و لا نظر للمقصود و النیات و لا نظر لقرائن حالہ۔

---

601 (شرح شفا للقاری ج ۴ ص ۳۴۳)

602 (نسیم الریاض للخفاجی الحنفی ج ۴ ص ۳۴۳)

603 (خیالی صفحہ ۱۴۸ مع حاشیہ لشمس الدین احمد خیالی متوفی ۸۷۰ھ و عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۷۰ھ)

604 (الفتوحات المکیۃ جلد ۲ صفحہ ۸۵۷)

605 (اتحاف ج ۲ ص ۱۳ لوزیر یمانی)

606 (اکفار الملحدین ص ۵۷ للکشمیری)

607 (اکفار الملحدین ص ۶۱)

یعنی حکم کفر کا دارو مدار ظواہر پر ہوتا ہے۔ یہاں نہ نیت وارادہ درکار ہے اور نہ قرائن حال کا اعتبار۔[608]

وقد ذکر العلماء ان التهور فی عرض الانبیاء وان لم یقصد السب کفر۔

یعنی علماء نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان میں جرات و دلیری کفر ہے اگرچہ توہین کا ارادہ نہ ہو۔"[609]

مولوی انور شاہ کشمیری رقمطراز ہیں:

"غلط تاویل کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں"۔[610]

غرض صاحب شریعت علیہ السلام نے تاویل باطل پر کبھی کسی کو معذور نہیں قرار دیا، چنانچہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے:

ا۔ امیر سریہ (سپہ سالار فوج) عبد اللہ بن حذافہ ص کو اپنے فوجیوں کو آگ میں داخل ہونے کا حکم دینے پر فرمایا: اگر وہ لوگ (اپنے امیر کے کہنے پر) آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس سے باہر نہ نکلتے، اس لئے کہ امیر کی اطاعت تو صرف ازروئے شرع جائز امور میں کی جاتی ہے۔(اور جان بوجھ کر آگ میں کودنا خودکشی اور حرام ہے، اگرچہ امیر کے حکم سے کیوں نہ ہو، معلوم ہوا کہ دخول فی النار کے جواز کے لئے اطاعت امیر کی تاویل باطل ہے)

۲- ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کے بارے میں جس کا سر پھٹ گیا تھا اور اس کے باوجود لوگوں نے اس کو ناپاکی کا غسل کرنے کا فتویٰ دیا تھا اور وہ غسل کرنے کی وجہ سے مر گیا

---

608 (اکفار الملحدین ص ۷۳)

609 (اکفار الملحدین ص ۷۱، بحوالہ مقام رسول، ص ۲۱۸، ۲۱۷)

610 (اکفار الملحدین، ص ۸۵)

تھا، فرمایا: ''خدا ان کو ہلاک کرے، انہوں نے اس غریب کو مار ڈالا۔'' دیکھئے! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان غلط فتویٰ دینے والوں کے فتوے اور تاویل کا مطلق اعتبار نہیں کیا اور اس کی موت کا ان کو ذمہ دار قرار فرمایا۔)

۳- اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کس قدر غصہ اور ناراض ہوئے، صرف اس بات پر کہ وہ اپنی قوم کو نماز پڑھاتے وقت لمبی لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے، اور فرمایا: ''افتانٌ انت یا معاذ؟'' ''تم فتنہ میں ڈالتے ہو اے معاذ؟'' (حالانکہ وہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی ہی نقل اتارتے تھے، اور جو سورتیں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نماز میں پڑھتے تھے وہ بھی وہی پڑھتے تھے، مگر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان کی اس تاویل کی طرف اصلاً التفات نہ کیا اور ان کے اس عمل کو فتنہ سے تشبیہ فرمایا)۔

اسی طرح نماز میں طویل قرأت کرنے کی وجہ سے ایک مرتبہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ابیّ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی ناراض ہوئے (اور ان کا بھی کوئی عذر نہ سنا)۔

۴- اسی طرح ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام، حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان لوگوں کو قتل کر دینے کی بنا پر سخت برہم ہوئے، جنہوں نے ''اسلمنا اسلمنا'' نہ کہہ سکنے کی وجہ سے ''صَبَئْنا صَبَئْنا'' کہہ کر اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا تھا، مگر حضرت خالد ص نہ سمجھے اور ان کو قتل کر دیا (حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت خالد ص کی غلط فہمی پر ان کو معذور نہ قرار فرمایا)۔

اسی طرح حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر جہاد میں ایک بکریاں چرانے والے چرواہے کے ''کلمہ پڑھنے'' کو ایک حیلہ سمجھ کر قتل کر دیا کہ یہ اپنی جان ومال بچانے کی غرض سے کلمہ

پڑھ رہا ہے، مگر آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ان پر بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا: ''ھلّا شققت قلبه'' یعنی ''تونے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا؟''

(غرض آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بظاہر عذر اور جائز تاویل کا قطعاً لحاظ نہیں فرمایا)۔

۵- اسی طرح آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اس شخص پر بے حد ناراض اور غصہ ہوئے جس نے مرض الموت کے وقت اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے، حالانکہ وہی اس کی تمام پونجی اور سرمایہ تھا، اور آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے اس شخص کو ورثاء کی حق تلفی کا مرتکب قرار دے دیا (اور اس کا کوئی عذر نہ سنا)۔

ان کے علاوہ بے شمار واقعات ہیں جن میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ''بے جا تاویل'' اور ''بے معنی عذر'' کا قطعاً اعتبار نہیں کیا۔

تاویل کہاں معتبر ہے؟

فقہاء کی اصطلاح میں چونکہ یہ تاویلیں امر مجتہد فیہ (محل اجتہاد) میں نہ تھیں، اس لئے آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان کا اعتبار نہ فرمایا، اس کے برعکس ایسے امور میں آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے تاویل کو عذر قرار فرمایا اور تسلیم فرمایا ہے جو محلِ اجتہاد تھے، مثلاً:

۱- جن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے حکم فرمایا تھا کہ: ''عصر کی نماز بنی قریظہ میں جا کر پڑھنا۔'' اور انہوں نے عصر کی نماز راستہ میں صرف اس لئے نہ پڑھی اور قضا کر دی کہ آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے بنی قریظہ میں نماز پڑھنے کا حکم دیا

ہے (آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان لوگوں کو نمازِ عصر قضا کر دینے پر کچھ نہ کہا)۔[611]

۲-اسی طرح ایک موقع پر دو صحابی سفر کر رہے تھے، راستہ میں پانی نہ ملا، اس لئے انہوں نے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی، اس کے بعد پانی مل گیا، وقت باقی تھا، ایک نے تو وضو کرکے دوبارہ نماز پڑھ لی، دوسرے نے نہ پڑھی، جب آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی خدمت میں واقعہ پیش کیا گیا تو آپ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی سرزنش نہ فرمائی، صرف اس لئے کہ ان امور میں تاویل کی گنجائش تھی۔

خلاصہ: رسول اللہ صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے اقوال و افعال اس باب میں مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور روشن لائحہ عمل ہونے چاہئیں، اور صرف انہیں امور میں تاویل اور عذر کا اعتبار کرنا چاہئیے جن میں تاویل کی گنجائش ہو۔ ہدایت دینے والا تو اللہ ہی ہے، وہی جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے، اور جس کو خدا گمراہ کر دے اس کو تو کوئی بھی ہدایت نہیں کر سکتا۔

اگر کوئی اس موضوع پر زیادہ تحقیق چاہتا ہے تو ہمارے اور بھی رسائل ہیں، "گستاخِ رسول صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا حکم قرآن وحدیث کی روشنی میں"، "سیفِ احمد علی بر گردنِ دشمنِ نبی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم"، "سیفِ احمد علی علیٰ عنق السابی"، "البرھان الجلی فی بیان حکم شاتم النبی صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم"، ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ معلوم ہوا کہ گستاخِ رسول صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا واجب القتل ہونے کا فتویٰ عام ہے۔ کسے باشد کہ بادشاہ، وزیر، وزیر اعظم، حکمران، سیاستدان، زید، عالم،

---

[611] (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۱)

جاہل، مولوی، پیر، مدرس، بانی دارالعلوم، کثرتِ طلباء وغیرہ، جس سے بھی نبی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی بے ادبی، گستاخی، تنقیص تقریرًا یا تحریرًا صادر ہو وہ کافر ہے، مرتد ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور واجب القتل ہے (قانون نافذ کرنے والوں اداروں پر لازم ہے کہ اسے قتل کردیں)۔

فصل دربیان مسئلہ حیات الانبیاء (انبیاء کرام کا اپنی قبور میں زندہ ہونے) کا بیان

بعض علماء حیاتِ انبیاء کے مُنکر ہیں حالانکہ ہمارے اہلِ سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام انبیائِ کرام علیہم السلام بالخصوص رحمۃ للعٰلمین صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم حیاتِ حقیقی جسمانی کے ساتھ اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔ اپنی نورانی قبروں میں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، اذان واقامت کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں، اور روزہ رکھتے ہیں، اور حج کرتے ہیں، اور سُنتے، دیکھتے، جانتے اور کلام فرماتے ہیں، اور سلام پیش کرنے والوں کو جواب دیتے ہیں، چلتے ہیں پھرتے ہیں اور جہاں چاہیں آتے جاتے ہیں، جس طرح چاہیں تصرفات فرماتے ہیں، اپنی امتوں کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں، اور مستفیضین کو فیوضات وبرکات پہنچاتے ہیں، اس عالم دنیا میں بھی ان کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور کئی خوش نصیب حضرات کو ان کا دیدار بارہا نصیب ہوا ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام کے مسئلے میں بہت سے دلائل ہیں جن میں سے بعض دلائل ہم پیش کرتے ہیں:

دلیل نمبر ا:

وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ (زخرف ۴۵)

ترجمہ: اور آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے بھیجا آپ سے پہلے، پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمن کے سوادوسرے معبود ٹھہرا دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے"۔

دلیل نمبر ۲:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الاسراء ۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے محبوب کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف وہ (مسجدِ اقصیٰ) جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھیں ہیں۔ تاکہ ہم دکھائیں (اپنے محبوب کو) اپنی نشانیاں بے شک وہ (اللہ) دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ یعنی وہ اللہ جلّ جلالہٗ اپنے محبوب کے اقوال وافعال کو جانتا ہے۔

دلیل نمبر ۳:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (البقرة ۱۵۴)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے جاتے ہیں ان کی نسبت یہ نہ کہو کہ وہ مُردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کرسکتے"۔

دلیل نمبر ۴:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (۱۶۹) فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (آل عمران ۱۷۰)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہر گز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔

دلیل نمبر ۵:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ (سبا ۱۴)

ترجمہ: پھر جب ہم نے اس (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا حکم بھیجا جنّوں کو اس کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب سلیمان زمین پر آئے جنّوں کی حقیقت کُھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔

اس آیت سے بھی بطریقِ دلالۃ النص حیات الانبیاء کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ جب کیڑوں نے مضبوط ترین اور سخت ترین عصا سلیمانی کو کھالیا تو جسم عنصری کا کھانا اس سے کہیں سہل اور آسان تھا مگر اس کے باوجود جسم کا ٹکا رہنا بلکہ محفوظ ہونا حیات کی صریح دلیل ہے۔ اسی طرح آیت میں ذکر شدہ "خرور سلیمان" سے بھی حضراتِ انبیاء کی حیاتِ مبارکہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسدِ اطہر کے زمین پر آجانے کو "خرّ" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے مگر اس کو "سقط" سے تعبیر نہیں فرمایا کیونکہ "خرّ" کا لفظ قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ میں جہاں کہیں بھی مذکور ہے وہ زندہ انسان کے جھک جانے یا گر جانے کیلئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:

وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا (یوسف ۱۰۰)

ترجمہ: سجدہ میں گر پڑے اور رجوع ہوئے۔

فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا (اعراف ۱۴۳)

ترجمہ: پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش۔

لہٰذا حضرت سلیمان علیہ السلام کے جسدِ اطہر کے سلامت زمین پر آنے سے حیات بعد الوفات کا جو بھی انکار کرتا ہے وہ قرآن کے معارف اور علوم سے ناواقف ہے۔[612]

دلیل نمبر ٦:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ (سجدہ ٢٣)

ترجمہ: تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی سو (اللہ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کو جو توریت کتاب عطا کی گئی) اس میں شک نہ کر کہ (دونوں حضور پُر نُور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور موسیٰ علیہ السلام کی معراج کی رات ملاقات ہوئی۔

دلیل نمبر ۷:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿النساء ٦٤﴾

ترجمہ: اور جس وقت وہ اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اگر اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا، رحمت کرنے والا پاتے۔

دلیل نمبر ۸:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء ١٠٧)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے حبیب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم) مگر رحمت واسطے تمام جہان کے۔

---

[612] (آپ کے مسائل اور ان کا حل: مصنفہ مولوی یوسف لدھیانوی دیوبندی)

دلیل نمبر ۹:

وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام ۵۴)

ترجمہ: اور یہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے مہربانی کرنا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ایمان کی دولت کے ساتھ بارگاہِ نبوت پر حاضر ہو، اس کے لیے خُداوندِ قدوس کا اپنے رسولِ رحمت ﷺ کو حکم ہے کہ آپ اس کو السلام علیکم کی دُعا کے ساتھ رب کی رحمت و مغفرت کا پیغام پہنچایئے تو حق تعالیٰ کا یہ حکم دونوں حالتوں (ما قبل الموت ومابعد الموت) کے لیے عام ہے یعنی رہتی دنیا تک کیلئے یہ حکم باقی ہے جس طرح قرآنِ کریم کی دیگر آیات کے بارے میں یہ اصول مسلّم ہے کہ اگرچہ ان کے نزول کا واقعہ خاص ہے لیکن ان کا حکم قیامت تک کیلئے جاری وباقی ہے، اسی طرح اس آیت مبارکہ میں بھی یہ حکم قیامت تک کیلئے ہے۔[613]

دلیل نمبر ۱۰:

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (الاحزاب ٦)

ترجمہ: یہ نبی (مکرم ﷺ) مؤمنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ ﷺ کی ازواج (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں۔

دلیل نمبر ۱۱:

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون۔

[613] (آپ کے مسائل اور ان کا حل: لمولوی یوسف لدھیانوی دیوبندی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (حضرات) انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ اس حدیث کو روایت کیا ہے ابو یعلیٰ اور مسند بزار نے اور ابو یعلیٰ کے تمام راوی ثقہ ہیں۔[614]

دلیل نمبر ۱۲:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من صلّی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلّی علیّ نائیًا اُبلغتہٗ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر دُرود پڑھا، میں خود اس کو سُنتا ہوں اور جو دُور سے مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔[615]

دلیل نمبر ۱۳:

عن اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال انّ من افضل ایّامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم علیہ السلام و فیہ قبض و فیہ النفخۃ و فیہ الصّعقۃ فاکثروا علیّ من الصلٰوۃ فانّ صلٰوتکم معروضۃ علیّ۔ قالوا: یا رسول اللہ! کیف تعرض صلاتنا علیک و قد ارمت ای یقولون قد بلیت، قال انّ اللہ عزّ و جلّ قد حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء علیہم السلام۔

---

[614] (رواہ ابویعلیٰ البزار و رجال ابی یعلیٰ ثقات۔ (مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۱۱، ولسان المیزان: حسن بن قتیبہ: ص ۲۴۶، مسند ابو یعلٰی ج۶ حدیث ۳۴۲۵، فتح الباری ج۶ ص ۴۸۷، المطالب العالیہ ج۳ ص ۲۶۹، احادیث صحیحہ للالبانی حدیث ۶۲۱، الجامع الصغیر ص ۱۲۴، تکملہ فتح الملہم ج۵ ص ۲۸، بیہقی حیات الانبیاء ص ۳، الحاوی للفتاوٰی ج ۲ ص ۱۴۸، خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۱، مسند بزار ص ۲۵۶)

[615] (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ ص ۸۷، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۲ و ۴۹۸ اتحاف السادۃ المتقین زبیدی ج ۳ ص ۲۸۹، تفسیر درِ منثور ج۵ ص ۲۱۹، فتح الباری ج۶ ص ۴۸۸، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۷)

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک دنوں میں سے افضل دن جمعہ کا ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اس دن ان کا انتقال ہوا، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن دوبارہ زندہ کیا جائے گا (جمعہ کے دن) مجھ پر کثرت سے دُرود پڑھا کرو بے شک تمہارا دُرود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہمارا صلاۃ وسلام آپ کے انتقال کے بعد آپ کو کیسے پہنچے گا جبکہ آپ کا جسدِ مبارک خاک میں مِل چکا ہو گا تو آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے جسموں کو حرام کر دیا۔[616]

دلیل نمبر ۱۴:

عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ انّ رسول اللہ ﷺ قال ما من احد یسلّم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی اردّ علیه السلام۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی بھی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری روح لوٹا دی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ میں سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔[617]

---

[616] (اخرجهٔ ابو داؤد فی السنن، کتاب الصلٰوۃ، باب فضل الجمعة ولیلة الجمعة ج ۱ ص ۲۷۵، ونسائی فی السنن، کتاب الجمعة، باب اکثار الصلٰوۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعة ج ۱ ص ۲۰۳، ۲۰۴، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۶۰، کنز العمال ج ۸ ص ۳۶۸، ابن ماجه ص ۷۶، شرح الصدور ص ۳۱۶، سننِ کبریٰ للبیهقی ج ۳ ص ۲۴۹، کتاب الروح لابن قیم ص ۶۳، مسند احمد ج ۴ ص ۸)

[617] (رواہ ابو داؤد واحمد فی السنن، کتاب المناسک، باب زیادۃ القبور ج ۲ ص ۲۱۸، حدیث نمبر ۲۰۴۱، واحمد بن حنبل فی المسند ج ۲ ص ۵۲۷ حدیث نمبر ۱۰۸۲۷، والبیهقی فی السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۴۵، ترغیب وترهیب ج ۲ ص ۴۹۹، کنز العمال ج ۱ ص ۴۹۸ حدیث نمبر ۲۲۰۰، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۶۲)

دلیل نمبر ۱۵:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انّ للہ ملائکۃ سیّاحین فی الارض یبلّغونی عن امتی السّلام۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسے ملائکہ مقرر ہیں جو مجھے میری اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں۔[618]

دلیل نمبر ۱۶:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: وصلّوا علیّ فانّ صلٰوتکم تبلغنی حیث کنتم۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سُنا آپ نے فرمایا کہ: مجھ پر دُرود پڑھو، کیونکہ مجھ تک تمہارا دُرود پہنچتا ہے چاہے تم جہاں بھی ہو۔[619]

دلیل نمبر ۱۷:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: والذی نفس ابی القاسم بیدہٖ لینزلنّ عیسٰی ابن مریم۔۔۔۔ثم لئن قام علٰی قبری فقال یامحمّد: لاجبتہٗ۔ قلت ھو الصحیح باختصار۔

---

[618] (نسائی ج ا ص ۱۸۹، مسند احمد ج ا ص ۴۴۱، ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷، موارد الضمان ص ۵۹۴، مشکوٰۃ ص ۸۶، البدایہ والنہایہ ج ا ص ۱۵۴، الجامع الصغیر ج ا ص ۹۳، خصائص کبرٰی ج ۲ ص ۲۸۰، الاحسان بترتیب ابن حبان ج ۳ ص ۸ حدیث نمبر ۹۱۰، مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۵)

[619] (مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۷، ابو داؤد ج ا ص ۲۷۹، خصائص کبرٰی ج ۲ ص ۲۸۰، مشکوٰۃ ص ۸۶، فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں ابو القاسم ﷺ کی جان ہے کہ البتہ نازل ہوں گے حضرت عیسیٰ بن مریم۔۔۔۔ پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر یہ کہیں گے: یا محمدّ! تو میں ان کو جواب دُوں گا۔[620]

دلیل نمبر ۱۸:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال النبی ﷺ لیلۃ اسری بی لقیت موسٰی فنعتہٗ فاذا رجل حسبتہ قال مضطرب رجل الرأس کأنّہٗ من رجال شنوئۃ قال ولقیت عیسٰی فنعتہٗ النّبیّ ﷺ فقال ربعۃ احمر کأنّما خرج من دیماسٍ یعنی الحمّام ورأیت ابراھیم وان اشبہ ولدہٖ بہٖ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شبِ معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی۔ (حضرت ابو ہریرۃ) نے فرمایا کہ پھر آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان فرمایا اور کہا: پس وہ جوان تھے، میرا خیال ہے آپ ﷺ نے فرمایا: کسی قدر گھنگریالے بالوں والے تھے، ایسے جیسے کہ قبیلۂ شنوہ کے مرد ہوتے ہیں، فرمایا اور میں (ﷺ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملا، پھر آپ ﷺ نے ان کا حُلیہ بیان فرمایا اور کہا: وہ چوڑے جسم کے سُرخ رنگ کے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی غسل خانہ سے

---

[620] (رواہ ابو یعلٰی ورجالہ رجال الصحیح۔ مسند ابو یعلٰی ج ۱۱ ص ۴۶۲ حدیث نمبر ۶۵۸۴، مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۱۱، المطالب العالیہ ج۴ ص ۲۳، باب حیاتہ فی قبرہ ج۴، ص ۳۴۹، الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۸، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰، روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)

نکل کر آئے ہیں، اور میں (ﷺ) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور میں ان کی اولاد میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ ہوں۔[621]

دلیل نمبر ۱۹:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال قال النبی ﷺ رأیت عیسی و موسی و ابراھیم، فامّا عیسی فاحمر جعد عریض الصدر و امّا موسی فادم جسیم سبط کأنّہ من رجال الزطّ۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (شبِ معراج میں) میں (ﷺ) نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا، پس حضرت عیسیٰ تو سُرخ رنگ، پُر گوشت جسم اور چوڑے سینے والے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور موزوں ساخت والے تھے، وہ ایسے تھے جیسے (سوڈان) کے طویل القامہ زط ہوتے ہیں۔[622]

دلیل نمبر ۲۰:

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ انّ رسول اللہ ﷺ قال مررت علی موسی لیلۃ اسری بی عند الکثیف الاحمر و ھو قائم یصلّی فی قبرہ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرا معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو وہ سُرخ ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔[623]

---

[621] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۱، ۴۸۹۔ ج ۲ ص ۸۳۶، ۶۸۴، ۸۳۸، صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۶، ترمذی ج ۲ ص ۱۴۱، مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۳۲۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸۲، نسائی ج ۲ ص ۳۲۹، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۲۲۱)

[622] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۹)

[623] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، مسند احمد ج ۵ ص ۵۹، مسند احمد ج ۳ ص ۲۴۸، ۱۴۸، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۴۲، کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۱۸ تلخیص الجیر ج ۲ ص ۱۲۶ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۲۱۶)

دلیل نمبر ۲۱:

عن عائشة رضی اللّٰہ تعالی عنها قالت کنت ادخل بیتی الّذی فیه رسول اللّٰہ ﷺ و انی واضع ثوبی و اقول انّما هو زوجی و ابی فلمّا دفن عمر رضی اللّٰہ تعالی عنه معهم فو اللّٰہ ما دخلته الا و انا مشدودة علیّ ثیابی حیاء من عمر۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں اپنے اس کمرے میں جس میں حضور اکرم ﷺ مدفون ہیں، بلا حجاب داخل ہو جاتی تھی اور میں سمجھتی تھی کہ ایک تو میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے والد ماجد، پس جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین ہوئی تو اللہ کی قسم میں اس حجرے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حیا کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی نہ جاتی تھی۔[624]

دلیل نمبر ۲۲:

عن سعید بن المسیّب قال لم ازل اسمع الاذان و الاقامة فی قبر رسول اللّٰہ ﷺ ایام الحرة حتی عاد النّاس۔

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ واقعہ حرہ کے دنوں میں، میں حضور ﷺ کی قبر شریف سے اذان اور اقامت کی آواز سُنتا رہا یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے۔[625]

دلیل نمبر ۲۳:

عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ تعالی عنه قال قال رسول اللّٰہ ﷺ أکثروا الصلٰوة علیّ یوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملائکة و ان احدا لن یصلی الا عرضت علیّ صلاته حتی یفرغ

---

[624] (مشکوٰۃ ص ۱۵۴، فتاوی مظہریہ ص ۴۲۰)

[625] (خصائصِ کبری ج ۲ ص ۲۸۱، الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۴۸، بحوالہ دلائل النبوۃ زرقانی ج ۵ ص ۳۳۳، ۳۳۲)

منها قال: قلت! وبعد الموت؟ قال: وبعد الموت ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبیّ اللہ حی یرزق رواہ ابن ماجۃ باسناد صحیح۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر زیادہ دُرود بھیجا کرو، یہ یوم مشہود ہے، اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں، کوئی شخص جب بھی مجھ پر دُرود بھیجتا ہے اس کے فارغ ہونے تک میرے سامنے اس کا دُرود مجھے پیش کر دیا جاتا ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: اور موت کے بعد (کیا ہوگا)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کیلئے انبیائے کرام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔[626]

دلیل نمبر ۲۴:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: من زار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی۔[627]

دلیل نمبر ۲۵:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لقد رأیتنی فی الحجر، وقریش تسألنی عن مسرای، فسألتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم أُثبتها، فکربت کربۃ ما

---

[626] (سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ ج ۱ ص ۵۲۴ حدیث نمبر ۱۶۳۷، الترغیب والترھیب ج ۲ ص ۳۲۸ حدیث نمبر ۲۵۸۲، مصباح الزجاجۃ ج ۲ ص ۵۹ حدیث نمبر ۶۰۲)

[627] (رواہ الطبرانی، المعجم الکبیر، الدار قطنی عن حاطب فی السنن ج ۲ ص ۲۷۸ حدیث نمبر ۱۹۳، شعب الایمان للبیھقی ج ۳ ص ۴۸۹ حدیث نمبر ۴۱۵۴، مجمع الزوائد للھیثمی ج ۴ ص ۲)

کربت مثلہٗ قط، قال: فرفعه الله لی أنظر الیه۔ ما یسألونی عن شئ الا أنباتهم به۔ وقد رأیتنی فی جماعة من الانبیاء، فإذا موسیٰ علیه السلام قائم یصلّی، فإذا رجلٌ ضربٌ جعد کأنه من رجال شنوئة۔ وإذا عیسی ابن مریم علیهما السلام قائم یصلّی، اقرب النّاس به شبها عروة بن مسعود الثقفی۔ وإذا إبراهیم علیه السلام قائم یصلّی، أشبه النّاس به صاحبکم (یعنی نفسهٗ) فحانت الصلاۃ فأممتهم فلمّا فرغت من الصلاۃ، قال قائل: یا محمّد، هٰذا مالک صاحب النّار فسلّم علیه۔ فالتفت إلیه فبدأنی بالسلام۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا اور قریش مجھ سے واقعۂ سفرِ معراج کے بارے میں سوالات کر رہے تھے انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ چیزیں پوچھیں جنہیں میں نے محفوظ نہیں رکھا تھا جس کی وجہ سے میں اتنا پریشان ہوا کہ اس سے پہلے اتنا کبھی پریشان نہیں ہوا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اُٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ وہ مجھ سے بیت المقدس کے متعلق جو بھی چیز پوچھتے میں (دیکھ دیکھ کر ان کو بتا دیتا اور میں نے خود کو گروہ انبیائے کرام علیہم السلام میں پایا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، اور وہ قبیلہ شنوئہ کے لوگوں کی طرح گھنگریالے بالوں والے تھے اور پھر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور عروہ بن مسعود ثقفی ان سے بہت مشابہ ہیں، اور پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور تمہارا دوست (یعنی خود حضور ﷺ) ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ پھر نماز کا وقت آیا، اور میں نے سب انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت کروائی۔ جب

میں نماز سے فارغ ہوا تو مجھے ایک کہنے والے نے کہا: یہ مالک ہیں جو جہنم کے داروغہ ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے (مجھ سے) پہلے مجھے سلام کیا۔[628]

دلیل نمبر ۲۶:

علامہ امام محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وفی الفتاوی الرّملیة الانبیآء والشھدآء والعلماء لایبلون والانبیآء والشھدآء یاکلون فی قبورھم ویشربون ویصلّون ویصومون ویحجون۔

ترجمہ: فتاویٰ رملیہ میں ہے کہ انبیاء اور شہداء اور علماء نہیں بوسیدہ ہوتے اور انبیاء اور شہداء اپنی قبروں میں کھاتے پیتے اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے اور حج کرتے ہیں۔[629]

دلیل نمبر ۲۷:

علامہ ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں کہ:

إنه ﷺ حیٌّ فی قبرہٖ کسائر الانبیآءِ فی قبورھم وھم احیآء عند ربھم وإنّ لارواحھم تعلقا بالعالم العُلویّ والسفلیّ کما کانوا فی الحال الدّنیویّ فھم بحسب القلب عرشیّون وباعتبار القالب فرشیّون واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلمُ باحوالِ اربابِ الکمال۔

ترجمہ: بے شک وہ نبی ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ سارے انبیائے کرام اپنی قبروں میں اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور بیشک ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی اور عالم سفلی سے

---

[628] (رواہ مسلم۔ الصحیح المسلم کتاب الإیمان باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال ج ا ص ۱۵۶ حدیث نمبر ۱۷۲، النسائی فی السنن الکبرٰی ج۶ ص ۴۵۵ حدیث نمبر ۱۱۴۸۰، مسند ابو عوانہ ج ا ص ۱۱۶ حدیث نمبر ۳۵۰، المسند المستخرج علی صحیح الإمام المسلم ج ا ص ۲۳۹ حدیث نمبر ۴۳۳، فتح الباری العسقلانی ج۶ ص ۴۸۷)

[629] (زرقانی علی المواھب ج۵ ص ۳۳۴)

اسی طرح قائم رہتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا اور وہ اس معاملہ میں قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے اعتبار سے فرشی ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اربابِ کمال کے احوال کو زیادہ جانتا ہے۔[630]

دلیل نمبر ۲۸:

علامہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إن الأنبیاء لا یموتون وإنهم یصلون ویحجون فی قبورهم وإنهم احیآء۔

ترجمہ: بے شک انبیائے کرام نہیں مرتے اور بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے اور حج کرتے ہیں۔[631]

دلیل نمبر ۲۹:

إنّ اللہ تعالی یُعطی لارواحهم قوۃ الاجساد فیذهبون من الأرض و السّمآء و الجنّة حیثُ یشآءون وینصُرون اولیاءهم ویُدمّرون اعدآءهم۔ ان شآءاللہ تعالی۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ انبیائے صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوّت عطا فرماتے ہیں تو وہ زمین آسمان اور جنّت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔[632] ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

[630] (شرح شفاء شریف ج۲ ص ۱۴۲)

[631] (فیوض الحرمین ص ۲۸)

[632] (تفسیر مظھری ج ا ص ۱۵۲)

دلیل نمبر ۳۰:

امام قسطلانی اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما فرماتے ہیں:

ولاشک ان حیاۃ الأنبیآء علیھم السّلام ثابتۃٌ مّعلومۃٌ مستمرّۃ وّ نبیّنا ﷺ افضلھم بالنصوصِ والاجماعِ (وإذ کان کذٰلک ینبغی) یجبُ أن تکون حیاتہ اکمل واتمّ من سائرھم أی الأنبیاء علیھم السلام۔

ترجمہ: بلا شک وشبہ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات ثابت شدہ حقیقی ویقینی اور دوامی ہے اور ہمارے نبی ﷺ ان سب سے افضل ہیں نصوص اور اجماع کے ساتھ تو لازم وضروری ہے کہ آپ کی حیات بھی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات سے اکمل واتمّ ہو۔[633]

دلیل نمبر ۳۱:

دیوبند کے تمام بڑے بڑے علماء کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ:

فھو ﷺ حیٌّ فی قبرہ الشریفِ یتصرّفُ فی الکونِ بإذن اللہ تعالٰی کیف شاء۔

ترجمہ: وہ نبی ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور جہان میں جیسے چاہتے ہیں باذن اللہ تصرّف فرماتے ہیں۔[634]

دلیل نمبر ۳۲:

استاذ ابو منصور عبد القاہر بن طاہر البغدادی الفقیہ الاصولی شیخ الشافعیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال المتکلمون المحقّقون من اصحابنا أن نبیّنا ﷺ حیٌّ بعد وفاتہ وإنّہ یسر بطاعات امّتہ ویحزن بمعاصی العُصاۃ منھم وإنّہ تبلغہ صلاۃ من یصلّی علیہ من أمّتہ۔

---

[633] (زرقانی علی المواھب ج۸ ص ۳۰۹)

[634] (المھند ص ۲۸)

ترجمہ: ہمارے تمام متکلمین اور محققین علماء شافعیہ کا فرمان ہے کہ بے شک ہمارے نبی کریم ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں اور بے شک آپ کی امت میں سے جو آپ پر درود بھیجے اس کا درود آپ کو پہنچتا ہے۔[635]

دلیل نمبر ۳۳:

مولوی انور شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دیوبند فرماتے ہیں:

ونُقِلَ عن مالک رحمہ اللہ تعالٰی أنّ احترام النبی ﷺ بعد وفاتہ ایضا کما کان فی حیاتہ وفی البیہقیّ عن انس وصحّحہ ووافقہ الحافظ فی المجلّد السادس أن الأنبیآء أحیاء فی قبورھم یصلون معناہ أن أرواح الأنبیاء علیھم السلام لیست بمعطّلۃ عن العباداتِ الطیّبۃ والأفعال المبارکۃ بل ھم فی قبورھم ایضًا کم کانوا مشغولین حین حیاتھم فی صلاۃٍ وحجّ وکذٰلک حال تابعیھم علی قدر المراتب۔

ترجمہ: امام مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ بیشک نبی ﷺ کا ادب واحترام آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی لازم ہے جیسا کہ آپ ﷺ کی حیات میں تھا اور امام بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور اس کی تصحیح بھی کی اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری کی جلد ششم میں اس کی موافقت کی ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) بے شک تمام انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں معنیٰ اس حدیث کا یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح عبادات اور افعال مبارکہ سے معطل نہیں ہوتیں بلکہ اپنی قبروں میں اسی طرح عبادات کرتی ہیں جس

---

[635] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۴۸۴)

طرح ظاہری حیات میں نماز، روزہ، حج وغیرہ کرتی تھیں اسی طرح ان کے تابعین کا حال ہے۔ علی قدر المراتب۔[636]

دلیل نمبر ۳۴:

علامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدلّل اور مبسوط بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فحصل من مجموع هٰذا النقول و الأحاديث أن النبي ﷺ حي بجسده و روحه و أنه يتصرف و يسير حيث شاء في الأرض و في الملكوت و هو بهيئته الّتي كان عليها قبل وفاته لم يتبدّل منه شيء و إنه فغيّب من الابصار كما غيّب الملآئكة مع كونهم احياء باجسادهم فإذا اراد الله رفع الحجاب عمّن اراد اكرامه برؤيته رأه على هيئته الّتي هو عليها لا مانع من ذٰلك و لا داعي إلى التخصيص برؤية المثال۔

ترجمہ: ان تمام نقول اور احادیث کے مجموعہ کا ماحصل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے جسم اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور بلاشبہ آپ جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ اور زمین اور عالم ملکوت کے ہر گوشے میں تصرف فرماتے ہیں اور آپ بالکل اپنی اسی ہیئت پر ہیں جس پر قبل ازوفات تھے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور بیشک آپ ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جس طرح فرشتے اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہونے کے باوجود ہماری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جب اللہ تعالیٰ آپ کی رؤیت کے ساتھ کسی کو عزت واکرام عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو اٹھا دیتا ہے اور وہ آپ ﷺ کو اسی ہیئت پر دیکھتا ہے جس پر آپ ﷺ ہیں اس سے کوئی امر مانع نہیں ہے اور رؤیتِ مثال کی تخصیص کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[637]

---

[636] (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴)
[637] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۴۸۶)

دلیل نمبر ۳۵:

سیّد الطائفہ امام الاولیاء حضرت جنید بغدادی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ:

من كانت حياته بنفسه يكون مماته بذهاب روحه ومن كانت حياته بربّه فإنه ينتقل من حيات الطبع إلى حياة الأصل وهي الحياة الحقيقيّة وإذا كان القتيل بسيف الشريعة حيًّا مرزوقًا فكيف من قُتِل بسيف الصدق والحقيقة۔

ترجمہ: جو اپنے نفس کے ساتھ زندہ ہے وہ روح کے نکل جانے سے مردہ ہو جاتا ہے اور جو اپنے رب کے ساتھ زندہ ہے وہ نہیں مرتا بلکہ وہ حیات طبعی سے حیاتِ اصلی و حقیقی کی طرف انتقال کرتا ہے۔ جب شریعت کی تلوار سے قتل ہونے والا زندہ ہے رزق دیا جاتا ہے تو جو صدق و حقیقت کی تلوار سے قتل ہوتا ہے وہ کتنی اعلیٰ زندگی کے ساتھ زندہ ہو گا۔[638]

دلیل نمبر ۳۶:

مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم حي كما تقرر وإنه يصلي في قبره بأذان وإقامة۔

ترجمہ: بے شک نبی اکرم ﷺ (اپنی قبر شریف میں) زندہ ہیں جیسا کہ ثابت ہو چکا، اور بے شک آپ ﷺ اپنی قبر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔[639]

دلیل نمبر ۳۷:

علامہ عینی لکھتے ہیں:

فانهم لا يموتون في قبورهم بل هم أحياء۔

---

[638] (تفسیر روح البیان)

[639] (فتح الملهم ج۳ ص ۴۱۹)

ترجمہ: یقیناانبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے بلکہ وہاں زندہ ہوتے ہیں۔[640]

دلیل نمبر ۳۸:

علامہ شامی لکھتے ہیں:

أن الأنبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث۔

ترجمہ: حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔[641]

دلیل نمبر ۳۹:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

أن حياته صلى الله عليه وآله وسلم في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيّا والأنبياء أحياء في قبورهم۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زندگی ایسی ہے جس پر موت وارد نہیں ہو گی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[642]

دلیل نمبر ۴۰:

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

أن الله جل ثنائه رد إلى الأنبياء أرواحهم فهم أحياء عند ربهم كالشهداء۔۔۔الخ۔

---

[640] (باب فضيلة ابی بکر علی سائر الصحابة عمدة القاری شرح بخاری ج۷ ص ۲۰۰)
[641] (رسائل ابن عابدين ج ۲ ص ۲۰۲)
[642] (فتح الباری ج۷ ص ۲۲)

ترجمہ: بے شک اللہ جل شانہ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح ان کی طرف لوٹا دی ہیں، سو وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔[643]

دلیل نمبر ۴۱:

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لا شک فی حیاتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد وفاتہ وکذا سائر الأنبیاء علیہم السلام أحیاء فی قبورھم حیاۃ اکمل من حیوۃ الشھداء التی اخبر اللہ بھا فی کتابہ العزیز الخ۔

ترجمہ: وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیائے کرام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اُس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں کیا ہے، بڑھ کر ہے۔[644]

دلیل نمبر ۴۲:

علامہ سمہودی ایک اور مقام پر تحریر کرتے ہیں:

وأما أدلۃ حیاۃ الأنبیاء فمقتضاھا حیاۃ الأبدان کحالۃ الدنیا مع الاستغناء عن الغذاء الخ۔

ترجمہ: بہر کیف حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہے جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے وہ مستغنی ہیں۔[645]

---

[643] (حیات الانبیاء ص ۱۴، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۶، زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۳۳۲)

[644] (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

[645] (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۷)

دلیل نمبر ۴۳:

امام علی بن عبد الکافی السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وإما حیوۃ الأنبیاء أعلی و أکمل و اتمّ من الجمیع لأنها للروح و الجسد علی الدوام علی ما کان فی الدنیا الخ۔

ترجمہ: بہر حال حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات تو تمام سے اعلیٰ، اکمل اور اتم ہے کیونکہ ان کی حیات جسم اور روح دونوں کو دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔ [646]

دلیل نمبر ۴۴:

امام علی بن عبد الکافی السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فإن الصلوٰۃ لیستدعی جسدًا حیا و کذٰلک الصفات المذکورۃ فی الأنبیاء لیلۃ الاسراء کلها صفات الاجسام و لایلزم من کونها حیاۃ حقیقیۃ أن یکون الأبدان معها کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج إلی الطعام و الشراب و الامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف و غیر ذٰلک من صفات الاجسام التی نشاهدها بل قد یکون لها حکم اٰخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیوٰۃ الحقیقیۃ لهم و أما الادراکات کالعلم و السماع فلا شک أن ذٰلک ثابت و سنذکر ثبوته لسائر الموتٰی فکیف بالانبیاء انتهٰی۔

ترجمہ: نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور اسی طرح معراج کی رات حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں جتنی صفات کا ذکر ہے وہ تمام اجسام کی صفات ہیں اور اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کر سکیں اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ ان ابدان کا حکم دنیوی ابدان سے جدا اور الگ ہو عقلاً اس

---

[646] (شفاء السقام ص ۱۵۴)

میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لیے حقیقی حیات ثابت ہو، رہے ادراکات مثلاً علم اور سماع وغیرہ تو ان کے ثبوت میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں، یہ تو تمام مردوں کیلئے ثابت ہیں پھر بھلا حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے کیوں نہ ثابت ہونگے ؟[647]

دلیل نمبر ۴۵:

تاج الدین السبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الأنبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فإذاثبت أن نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حی فالحی لابدمن أن یکون إما عالمًا أو جاھلًا ولایجوز أن یکون النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاھلًا الخ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیھم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہوگئی حضرت محمد ﷺ زندہ ہیں تو زندہ کیلئے لازم ہے کہ یا تو عالم ہو یا جاہل اور یہ بات تو ہر گز جائز نہیں کہ آنحضرت ﷺ جاہل ہوں (معاذاللہ)(تولامحالہ آپ ﷺ عالم ہونگے)۔۔۔۔۔۔الخ۔[648]

دلیل نمبر ۴۶:

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ:

لأن عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حی یحس ویعلم وتعرض علیه أعمال الأمة ویبلغ الصلوٰۃ والسلام علی ما بیّنا الخ۔

---

[647] (شفاء السقام ص ۱۴۳)

[648] (طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۶ ص ۲۸۱)

ترجمہ: ہمارے نزدیک آنحضرت ﷺ زندہ ہیں حِسّ وعلم سے موصوف ہیں اور آپ پر اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں جس طرح کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔[649]

دلیل نمبر ۴۷:

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ومن عقائدنا أن الأنبياء عليهم السلام احياء فی قبورهم فأين الموت إلى أن قال وصنف البيهقی رحمه الله تعالى جزؤا اسمعناه فی حيوة الأنبياء عليهم السلام فی قبورهم واشتد نكير الاشاعرة على من نسب هٰذا القول إلى الشيخ الخ۔

ترجمہ: ہمارے عقیدے میں یہ بات داخل ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر ان پر موت کہاں؟ (پھر آگے فرمایا) کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں میں حیات پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو خود ہم نے سُنا ہے اور جن لوگوں نے امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف یہ غلط بات منسوب کی ہے اشاعرہ نے سختی سے اس کارد کیا ہے۔[650]

دلیل نمبر ۴۸:

علامہ سمہودی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

انا لا نسلم أنه لا يستغفر بعد الموت لما سبق من حياته ومن استغفار أمّته بعد الموت عند عرض أعمالهم عليه الخ۔

---

[649] (طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۲ ص ۲۸۲)

[650] (طبقات ج ٦ ص ٢٦٦)

ترجمہ: بے شک ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپ ﷺ وفات کے بعد استغفار نہیں کرتے کیونکہ پہلے گزر چُکا ہے کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور جب امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں تو آپ ﷺ ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔[651]

دلیل نمبر ۴۹:

قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ:

وقد ذهب جماعة من المحققين إلى أن رسول الله ﷺ حي بعد وفاته وأنه يسّر بطاعات أمته الخ۔

محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ ﷺ امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔[652]

دلیل نمبر ۵۰:

شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر بن محمد السہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

وقد ورد فى الخبر عن النبى ﷺ تعرض الأعمال يوم الإثنين والخميس على الله وتعرض على الأنبياء والآباء والأمهات يوم الجمعة فيفرحون بحسناتهم وتزداد بياضًا واشراقًا فاتّقوا الله ولاتوذوا موتاكم وفي خبر اٰخر أن أعمالكم تعرض على عشائركم وأقاربكم من الموتى فإن كان حسنًا استبشروا وإن كان غير ذٰلك قالوا اللهم لاتمتهم حتى تهديهم كما هديتنا الخ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے حدیث وارد ہوئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن حضرات انبیاء کرام علیہم

---

[651](وفاءالوفاء ج۲ص ۱ ۱ ۴)

[652](نیل الاوطار ج۳ص ۲۶۴)

السلام اور باپ دادوں اور ماؤں پر پیش کیے جاتے ہیں وہ نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے روشن اور چمکیلے ہو جاتے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اپنے مردوں کو اذیت مت دو اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں اور اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اعمال برے ہوتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو ان کو ہماری طرح ہدایت نہ دے دے۔[653]

دلیل نمبر ۵۱:

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

لأن الأنبياء عليهم السلام أحياء في قبورهم وقد اقام النكير على افتراء ذٰلک ابو القاسم القشيری رحمةالله تعالى عليه الخ۔

ترجمہ: اس لیے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس افتراء کی سختی سے تردید کی ہے۔[654]

دلیل نمبر ۵۲:

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

والحاصل أن حياة الأنبياء ثابتة بالإجماع الخ۔

ترجمہ: حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔[655]

---

[653] (عوارف المعارف على هامش الأحياء ج۴ ص۱۵۳)
[654] (شامی ج۳ ص۲۶۳ باب المغنم)
[655] (المنحة الوهبية ص۶ طبع اسبنول)

دلیل نمبر ۵۳:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

حیاۃ النبی ﷺ فی قبرہ ھو وسائر الأنبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الأدلۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الأخبار الدالۃ علی ذٰلک الخ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔[656]

دلیل نمبر ۵۴:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

أن من جملۃ ماتواتر عن النبی ﷺ حیاۃ الأنبیاء فی قبورھم۔

ترجمہ: یعنی جو چیزیں آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔[657]

دلیل نمبر ۵۵:

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

قد صحت الأحادیث أنہ ﷺ حی فی قبرہ یصلی بأذان وإقامۃ۔

---

[656] (انباہ الاذکیا ص ۲، فتاوٰی امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ۲ ص ۱۴۷)

[657] (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوسنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۴)

ترجمہ: بلا شبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔[658]

دلیل نمبر ۵۶:

مولوی محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

إن كثيرًا من الأعمال قد ثبتت فی القبور كالأذان والإقامة عند الدارمی وقرأة القرآن عندالترمذی۔

ترجمہ: قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتاہے۔ جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرآۃِ قرآن کاترمذی کی روایت میں۔[659]

دلیل نمبر ۵۷:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد امتّنا اثنتین۔۔۔الاٰیۃ۔ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اراد بالموتتين الموت فی الدنيا والموت فی القبر وهما موتتان المعروفتان المشهورتان فلذٰلک ذكرهما بالتعريف وهما موتتان لكل أحد غير الأنبياء عليهم السلام فإنهم لايموتون فی قبورهم بل هم أحياء وأما سائر الخلق فهم يموتون فی القبور ثم يحيون يوم القيامة الخ۔

ترجمہ: دو موتوں سے مراد ہے، ایک وہ موت مراد ہے جو دنیا میں آتی ہے اور دوسری وہ ہے جو قبر میں آتی ہے یہی دو مشہور اور معروف موتیں ہیں۔ اس لیے ان کو (الف ولام حرف تعریف سے ذکر کیا ہے) ہاں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی قبروں میں نہیں مرتے

---

[658] (منح المنۃ ص ۹۲)
[659] (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں بخلاف دیگر مخلوق کے کہ (حساب وکتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پا جاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ زندہ ہوں گے۔[660]

دلیل نمبر ۵۸:

مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتے ہیں کہ:

نقل عن الإمام مالک رحمہ اللہ تعالی انہ کان یکرہ أن یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رُشد رحمہ اللہ تعالی من اتباعہ أن الکراھۃ لغلبۃ الزیارۃ فی الموتی وھو ﷺ أحیاہ اللہ تعالی بعد موتہ حیاۃ تامۃ واستمرت تلک الحیوۃ وھی مستمرۃ فی المستقبل ولیس ھذا خاصۃ بہ ﷺ بل یشارکہ الأنبیاء علیھم السلام فھو حی بالحیوۃ الکاملۃ مع الاستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی۔

ترجمہ: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ منقول ہے کہ وہ اسے ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کی قبر کی زیارت کی۔ علامہ ابن رُشد مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ بالعموم مردوں کے لیے بولا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد مکمل حیات بخشی ہے اور یہ مستقبل میں دائمی ہے اور یہ آنحضرت ﷺ ہی سے مختص نہیں بلکہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام بھی اس میں آپ کے ساتھ شریک ہیں پس آپ کو حیاتِ کاملہ حاصل ہے لیکن دنیوی اور حسّی خوراک کی حاجت نہیں پڑتی۔[661]

دلیل نمبر ۵۹:

[660](عمدۃ القاری ج۷ص ۲۰۰)

[661](نور الإیمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن ص ۱۴، ونحوہ فی وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۱۳)

علامہ ابو الوفاء علی بن محمد ابن عقیل الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

قال ابن عقیل رحمۃ اللہ تعالی علیہ من الحنابلۃ وھو ﷺ حی فی قبرہ یصلی۔

ترجمہ: علامہ ابن عقیل الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔[662]

دلیل نمبر ۶۰:

امام بدرالدین بعلی الحنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ:

والأنبیاء أحیاء فی قبورھم وقد یصلون۔

ترجمہ: حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔[663]

دلیل نمبر ۶۱:

فقیہ وقت امام حسن بن عمار بن علی شرنبلالی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

ولما ھو مقرر عند المحققین أنہ ﷺ حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر أنہ احجب عن أبصار القاصرین عن شریف المقامات۔

ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں، آپ ﷺ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ ﷺ تمام لذّتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔[664]

---

[662] (الروضۃ البیھۃ ص ۱۴)

[663] (مختصر الفتاوی ص ۱۷۰)

[664] (نور الایضاح ص ۱۷۷)

دلیل نمبر ۶۲:

امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

نحن نؤمن و نصدق بأنه ﷺ حی یرزق فی قبره و أن جسده الشریف لا تأکله الأرض والإجماع علی ھٰذا۔

ترجمہ: ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں۔ اور آپ ﷺ کو رزق ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے۔[665]

دلیل نمبر ۶۳:

علامہ محمد عابد سندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

أما هم فحیاتهم لا شک فیها و لا خلاف لإحد من العلماء فی ذٰلک إلی أن قال فهو ﷺ حی علی الدوام۔

ترجمہ: بہر حال حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت ﷺ دوامی طور پر زندہ ہیں۔[666]

---

[665] (القول البدیع ص ۱۲۵)

[666] (رسالہ مدنیہ ص ۴۱)

دلیل نمبر ۶۴:

مولوی احمد علی سہارنپوری صاحب لکھتے ہیں کہ:

والأحسن أن يقال أن حياته ﷺ لا يتعقبها موت بل يستمر حيا والأنبياء أحياء في قبورهم۔

ترجمہ: بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ ﷺ کو حاصل ہے اور باقی حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[667]

دلیل نمبر ۶۵:

مولانا عبدالہادی محمد صدیق نجیب آبادی لکھتے ہیں کہ:

إنهم اتفقوا على حيوته ﷺ بل حيوة الأنبياء عليهم الصلوة والسلام متفق عليها لا خلاف لأحد فيه الخ۔

ترجمہ: محدثینِ کرام اس بات پر متفق ہیں کہ حضور اکرم ﷺ زندہ ہیں بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات متفق علیھا ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[668]

دلیل نمبر ۶۶:

مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

---

[667] (ہامش بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

[668] (انوار المحمود شرح ابی داؤد ج ۱ ص ۲۱۰)

ودلت النصوص الصحيحة على حيوة الأنبياء عليهم السلام كما سيأتي إن شآء الله تعالى في موضع يليق به۔ انتھٰی۔

ترجمہ: نصوصِ صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ جیسا کہ مناسب موقع پر اس کا ذکر ہو گا۔ ان شآءاللہ تعالیٰ۔[669]

دلیل نمبر ۶۷:

مولوی خلیل احمد سہارنپوری تحریر کرتے ہیں کہ:

ان نبی اللہ ﷺ حی فی قبرہ کما أن الأنبیاء علیھم السلام أحیاء فی قبورھم الخ۔

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[670]

دلیل نمبر ۶۸:

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

"آپ ﷺ بنصِ حدیث قبر میں زندہ ہیں"۔[671]

دلیل نمبر ۶۹:

حضرت امام ربانی شہباز لامکانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرھندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

---

[669] (فتح الملھم ج ۱ ص ۵۲۵)
[670] (بذل المجھود ج ۲ ص ۱۱۷)
[671] (التکشف ص ۴۴۶)

برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں مواطن نظر باشخاص متفاوت تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی قبورھم شنیدہ باشد۔

ترجمہ: چھوٹی برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے دنیوی جگہوں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا ہے اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ کے حالات خاصے متفاوت ہیں۔ آپ نے یہ تو سُنا ہی ہو گا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔[672]

دلیل نمبر ۷۰:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقوّيه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء افضل من الشهداء الخ۔

ترجمہ: اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہدائِ کرام نصِّ قرآن کی رُو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ (تو بطریقِ اولیٰ ان کو حیات حاصل ہو گی)۔[673]

دلیل نمبر ۷۱:

ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

وهم أحياء في قبورهم ويستحب اتيان قبورهم لسلام عليهم۔

---

[672] (مکتوبات شریف دفتر دوم ص ۲۹ طبع لکھنؤ)

[673] (فتح الباری ج ۶ ص ۳۷۹)

ترجمہ: اور حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی قبروں پر آنا ان پر سلام کہنے کے لیے مستحب ہے۔[674]

دلیل نمبر ۷۲:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لأنه بعد موته وإن كان حيا فهي حياة أُخروية لا تشبه حيوة الدنيا الخ۔

ترجمہ: کیونکہ آپ ﷺ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری قسم کی حیات ہے، وہ دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے۔[675]

دلیل نمبر ۷۳:

مولوی شمس الحق عظیم آبادی تحریر کرتے ہیں کہ:

ان الأنبياء في قبورهم أحياء۔

یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔[676]

دلیل نمبر ۷۴:

مفتی عزیز الرحمن لکھتے ہیں کہ:

---

[674](قاعدہ فی المعجزات والکرامات ص ۷ ۹ من مجموعہ رسائل ابن تیمیہ)

[675](فتح الباری ج ۴ ص ۳۶)

[676](عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات خصوصًا آنحضرت ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے افضل واعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے فقط۔[677]

دلیل نمبر ۷۵:

قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ:

انہ ﷺ حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الأنبیاء أحیاء فی قبورھم وقد صححہ البیہقی والف فی ذٰلک جزءًا قال الأستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا أن نبینا ﷺ حی بعد وفاتہ انتھٰی ویؤید ذٰلک ماثبت أن الشھداء أحیاء یرزقون فی قبورھم والنبی ﷺ منھم الخ۔

ترجمہ: آنحضرت ﷺ وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس مسئلے میں انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے استاذ ابو منصور البغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں محقق متکلمین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں۔ ان کا بیان ختم ہوا۔ اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ بھی شہید ہیں۔[678]

---

[677](فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۵ ص ۴۷۱)

[678](نیل الاوطار ج۵ ص ۱۰۱، تسکین الصدور ص ۲۶۳)

دلیل نمبر ۷۶:

مولوی مفتی محمود دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

نبی کریم ﷺ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبورِ مطہرہ میں حیات ہیں۔ حدیثِ معتبر سے ثابت ہے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور میں اس قسم کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔[679]

دلیل نمبر ۷۷:

شیخ التفسیر علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی تحریر کرتے ہیں کہ:

پس ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام واولیائے عظام سب کے سب زندہ ہیں انہیں مردہ کہنا یا مردہ تصور کرنا پرلے درجہ کی بے ایمانی اور گمراہی ہے۔[680]

دلیل نمبر ۷۸:

مولوی مفتی محمود دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور میں سب احیاء ہیں۔[681]

دلیل نمبر ۷۹:

شیخ التفسیر مفتی محمد فیض احمد اویسی لکھتے ہیں کہ:

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ موت بمعنی استخراجِ روح کے ہی نہیں آتا بلکہ موت حیاتِ ابدی کے حاصل کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً قرآنِ مجید میں وارد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے

---

[679](فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۲۸۰)

[680](فتاویٰ اویسیہ ج ۱ ص ۵۰)

[681](فتاویٰ مفتی محمود ج ۱ ص ۲۸۳)

راستے میں شہید ہو چکے ہیں انہیں مردہ مت خیال کرو اور ان کو مردہ مت کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں روزی کھاتے ہیں، "فرحین ویستبشرون" کے انعامات پر بے حد خوش ہیں پس جبکہ شہداء مجاہدین جن کا درجہ مرتبہ مراتبِ نبوت سے کم اور ادنیٰ ہے اور ان کے لیے زبان سے مردہ کہنا اور دل سے مردہ خیال کرنا منع اور حرام ہے تو انبیائے کرام علیہم السلام اور خاص کر آقائے نامدار ﷺ کو مردہ کہنا تو ہر حال میں حرام اور منع ہے۔[682]

دلیل نمبر ۸۰:

حافظ الحدیث مولانا غازی محمد کمال القادری المرشدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

جان لو کہ حیات الانبیاء یعنی انبیاء علیہم السلام موت کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور دوسری عبادات ادا کرتے ہیں اور یہ عقیدہ اہل سنت وجماعت کا ہے۔[683]

دلیل نمبر ۸۱:

مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف لکھتے ہیں کہ:

انهم أحياء في قبورهم يصلون وقد قال النبی ﷺ من صلّی علیّ عند قبری سمعته ومن صلی علیّ نائيا بلّغته۔

ترجمہ: حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دُور سے پڑھتا ہے تو وہ مجھے (بذریعہ ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔[684]

---

[682](فتاویٰ اویسیہ ج ۱ ص ۵۰)

[683](مقالات غازی ص ۵۰)

[684](التعليقات السلفية على سنن نسائی ج ۱ ص ۲۳۷)

دلیل نمبر ۸۲:

مفتی سیّد عبد الرحیم صاحب دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

شیخ ابو یعقوب سنوی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل کو ظہر کے وقت مر جاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجدِ حرام میں آیا، طواف کیا اور تھوڑی دُور جا کر مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے، کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔[685]

دلیل نمبر ۸۳:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ "شرف مختم" میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ:

وہ روایت کرتے ہیں شیخ کمال الدین سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی کے واسطے سے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحاق ابرہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کہ میں ۵۵۵ھ میں سیّد احمد رفاعی کے ساتھ حج کے سفر میں تھا، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریفہ پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا "السلام علیک یا جدّی" (اے نانا جان آپ پر سلام) وہاں سے جواب عطا ہوا "وعلیک السلام یا ولدی" (تجھ پر سلام اے میرے بیٹے) کہ اس کو تمام اہلِ مسجد نے سُنا،

[685] (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۱، فضائل صدقات حصہ دوم لمولوی زکریا دیوبندی ص ۴۷۸)

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر وجدِ شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک روتے رہے اور شدتِ شوق میں عرض کیا۔ یا جداہ۔

یعنی اے نانا جان! حالتِ بُعد میں اپنی روح کو حضور میں بھیج دیا کرتا تھا وہ نائب بن کر زمین بوس ہو جاتی تھی، اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایاں دستِ مبارک دیجئے تاکہ میرا لب اس کے بوسے سے مشرف ہو جائے، پس فوراً آپ ﷺ کا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی اور سید رفاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا بوسہ لیا۔ [686]

دلیل نمبر ۸۴:

تنویر الایمان میں لکھا ہے کہ:

حضور ﷺ نے بھوک کی شکایت سُن کر روٹی عنایت فرمائی۔ حضرت ابنِ جلا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مدینۃ الرسول ﷺ میں آیا تو مجھ پر ایک دو فاقے گزرے۔ میں نے روضۂ رسول اللہ ﷺ پر حاضر ہو کر عرض کی۔ ”انا ضیفک یا رسول اللہ ﷺ“ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کا مہمان ہوں۔ اس کے بعد میں سو گیا اور میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے میرے ہاتھ میں ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی روٹی میں نے خواب میں کھائی اور بیدار ہوا تو باقی آدھی روٹی میرے ہاتھ میں موجود تھی۔ [687]

دلیل نمبر ۸۵:

---

[686](مجمع البحور ص ۱۸۶، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۲، تنویر الایمان بوسیلۃ اولیاء الرحمن ص ۱۰۱)

[687](جذب القلوب، تنویر الایمان ص ۹۹)

تنویر الایمان میں ہے کہ:

”میں نے روضۂ رسول اللہ ﷺ پر حاضر ہو کر فریاد کی اور حضور ﷺ نے مجھے نقد پیسے عنایت فرمائے“۔

احمد بن محمد صوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تین مہینوں تک جنگلوں جنگلوں گھوما یہاں تک کہ میرے بدن کا چمڑہ پھٹ گیا۔ میں مدینہ منورہ میں آیا اور مزار اقدس پر حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ اور دونوں صاحبان ابو بکر صدیق اور عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر سلام بھیجا۔ اس کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضور ﷺ مجھ سے فرماتے ہیں۔ ”اے احمد! تو آیا کیا حال ہے تیرا؟ میں نے عرض کیا: ”انا جائع فی ضیافتک یا رسول اللہ ﷺ“ اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ کی ضیافت میں بھوکا ہوں“۔ حضور ﷺ نے فرمایا! ”اپنا ہاتھ کھول“ میں نے ہاتھ کھولا۔ آپ نے چند درھم میرے ہاتھ میں رکھ دیے۔ میں بیدار ہوا تو درہم میرے ہاتھ میں تھے۔ میں نے بازار میں جا کر فطیرہ اور فالودہ خرید کر کھایا اور پھر جنگل کو چلا گیا۔[688]

دلیل نمبر ۸۶:

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

”اور جو جاہل کہ بدعت اور گمراہی میں پڑ جاتا ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسی کہ اُسے رسول اللہ ﷺ نے کتنا ہی سمجھایا مگر وہ اپنی جہالت سے باز نہ آیا، اور یاد رہے کہ جو شخص انبیائے کرام علیہم السلام کو مردہ جانے اس پر ایمان سلب ہو جانے کا خوف ہے الخ“۔[689]

---

[688](ص ۹۹، جذب القلوب)

[689](کتاب عین الفقر از سلطان باھو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۱۰۲ بحوالۂ تسکین الصدور ص ۲۹۴)

دلیل نمبر ۸۷:

غیر مقلد مولوی فضل الرحمن ہری پوری لکھتے ہیں کہ:

کُل پیغمبروں کے جسم صحیح وسالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس دُرود بھیجے یا سلام کرے تو آپ خود سُن لیتے ہیں اگر دُور سے دُرود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اہلِ حدیث کا یہی اعتقاد ہے۔[690]

دلیل نمبر ۸۸:

مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم لکھتے ہیں کہ:

"محققین کی جماعت کا یہی مسلک ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے مرقد میں زندہ ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ اُمت کی اطاعت کی خبر پاکر خوش ہوتے ہیں"۔[691]

دلیل نمبر ۸۹:

عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدی لکھتے ہیں کہ:

والّذی نعتقد أن رتبة نبینا ﷺ علی مراتب المخلوقین علی الإطلاق وإنه حی فی قبره حیوة مستقرة ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل إذ هو افضل منهم بلا ریب وإنه یسمع من یسلم علیه۔

ترجمہ: جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی سے متصف ہیں، جو شہداء کی حیات

[690](رسالہ دُرود شریف ص ۱۶)

[691](اسلام کی چودھویں کتاب ص ۴۵)

سے اعلیٰ وارفع ہے۔ جس کا ثبوت قرآنِ کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بلا شبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر سلام کہتا ہے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سُنتے ہیں۔[692]

دلیل نمبر ۹۰:

نواب قطب الدین دہلوی لکھتے ہیں کہ:

"زندہ ہیں انبیائے کرام علیہم السلام قبروں میں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے، کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے"۔[693]

دلیل نمبر ۹۱:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلاف نیست"۔

ترجمہ: حیاتِ انبیاء متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔[694]

دلیل نمبر ۹۲:

علمائے دیوبند کے نزدیک حیات النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم:

---

[692] (بحوالہ اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ طبع کانپور)
[693] (مظاہرِ حق ج ۱ ص ۴۴۵)
[694] (اشعۃاللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

عندنا وعندمشائخنا حياة حضرة الرسالة ﷺ حی فی قبره الشريف وحيوته ﷺ دنيوية من غير تكليف وهی مختصة به ﷺ وبجميع الأنبياء صلوٰت الله عليهم اجمعين والشهداء لا برزخية كما هی حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كمانص عليه العلامة السيوطی فی رسالته انباه الاذكياء بحيوة الأنبياء حيث قال قال الشيخ تقی الدين السبكی حيوة الأنبياء والشهداء فی القبر كحياتهم فی الدنيا ويشهد له صلوٰة موسیٰ عليه السلام فی قبره فإن الصلوة تستدعی جسدا حيا إلی آخر ماقال فثبت بهٰذا أن حيوته دنيوية برزخية لكونها فی عالم البرزخ ولشيخنا شمس الإسلام والدين محمد قاسم العلوم علی المستفيدين قدس الله سره العزيز فی هٰذا المبحث رسالة مستقلة دقيقة المأخذ بديعة المسلک لم يُر مثلها قد طبعت وشاعت فی الناس واسمها آب حيات أی ماء الحيات الخ۔

ترجمہ: ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت محمد ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے، بلا مکلّف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت ﷺ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو، چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالے ”انباء الاذکیاء بحیوۃ الانبیاء“ میں بتصریح لکھا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی اور شہدائِ کرام کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔۔۔ الخ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث

میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام ''آبِ حیات'' ہے۔[695]

دلیل نمبر ۹۳:

شیخ الحدیث مولوی عبد الحق و دیگر مفتیانِ کرام جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک تحریر کرتے ہیں کہ:

حضور انور ﷺ و دیگر تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں تمام اہلسنت و جماعت اور جملہ اکابرین دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات موعود کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور انکے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ و مامون ہیں اور جسدِ عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے جو حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں۔ لیکن فطری تقاضے کی بناء پر مشغول بالعبادت ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اطہر کے قریب جو دُرود و سلام پڑھا جائے اس کو آپ ﷺ بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہ تمام محدثین، متکلمین اہلسنت و جماعت کا متفق علیھا عقیدہ ہے۔ اکابر علماء دیوبند کے مختلف رسائل میں اس کی تصریح موجود ہے۔[696]

---

[695] (المھند علی المفند ص ۱۴، ۱۳، عقائد علماء دیوبند و حسام الحرمین ص ۲۲۱، فتاوی مظاھر العلوم المعروف فتاوی خلیلیہ ج ۱ ص ۴۱۱)

[696] (فتاویٰ حقانیہ ج ۱ ص ۱۵۸)

دلیل نمبر ۹۴:

قاضی شوکانی تحریر کرتے ہیں کہ:

ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء أنھم أحیاء یرزقون و أن الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالأنبیاء و المرسلین۔[697]

دلیل نمبر ۹۵:

و اسئل من ارسلنا من قبلک الخ۔

اس آیت کریمہ سے حیات الانبیاء پر استدلال کرتے ہوئے علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ۔

"یستدل بہ علی حیاۃ الانبیاء"۔[698]

دلیل نمبر ۹۶:

مفتی صوبۂ سرحد، قاطع النجدیت، شائستہ گل القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

و کرامات الاولیاء لا تنقطع بعد موتھم اما الانبیاء علیھم السلام فلأنھم أحیاء فی قبورھم یصلون و یحجون کما وردت بہ الأخبار فتکون الاغاثۃ معجزۃ لھم و الشھداء ایضا أحیاء فی قبورھم شوھدو انھارا جھارا یقاتلون الکفار۔

ترجمہ: بعد وصال کرامات اولیاء کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی انبیاء علیہم السلام کے معجزات ختم ہوتے ہیں کیونکہ وہ سب اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور حج کرتے ہیں جیسا کہ

---

697 (نیل الاوطار ج۳ ص ۲۱۲، بحوالۂ فتاوی حقانیہ ج ا ص ۱۵۸)

698 (مشکلات القرآن ص ۲۳۴، دُرمنثور ج۶ ص ۱۶، روح المعانی ج ۲ ص ۲۵، جمل ج ۴ ص ۸۸، شیخ زادہ ج ۳ ص ۲۹۸، خفاجی ج ۴ ص ۴۴۴، بحوالہ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ا ص ۴۶۵)

روایات میں وارد ہوا ہے پس انبیاء کرام علیہم السلام کی مددان کا معجزہ ہے اور اسی طرح شہداء بھی اپنی قبور میں زندہ ہیں دن کو سامنے ظاہر ہو کر کفار کو قتل بھی کرتے ہیں۔[699]

دلیل نمبر ۹۷:

امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افغانی قندھاری ثم بریلوی فرماتے ہیں کہ:

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ   میرے چشمِ عالَم سے چُھپ جانے والے[700]

دلیل نمبر ۹۸:

مفتی عبد العلیم القادری الرضوی لکھتے ہیں کہ:

یاحبیبی أنت حی فی المزار   ہے عقیدہ دل نے پایا ہے قرار
حیاۃ النبی کا ہے عقیدہ   مصطفی ﷺ کا یہ فرمان ہے
نبی اللہ حیّ لا یموت   مجتبیٰ ﷺ کا ہی اعلان ہے[701]

دلیل نمبر ۹۹:

متہ باباجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

[699] (المقاصد السنیہ ص ۱۲۷)
[700] (حدائقِ بخشش)
[701] (المقاصد السنیہ ص ۱۲۶)

"میرے عزیز سُنی مسلمان بھائیو! دونوں احادیث مبارکہ کے الفاظ پر غور کرو (عرضت) (معروضۃ علیّ) (انّ اللہ حرّم) (فنبیّ اللہ حیّ) (یرزق) (بعد الموت) کی تردید (ارمت) کی تردید۔ یہ تمام صیغے و جملے اس بات کی دلیل ہیں کہ حضور پُر نور ﷺ قبرِ اطہر میں زندہ ہیں۔[702]

دلیل نمبر ۱۰۰:

صاحبِ زاد المسیر لکھتے ہیں کہ:

انہ لما اسری بہ جمع الانبیاء فصلی بھم، ثم قال لہ جبریل سل من ارسلنا من قبلک، الآیۃ، فقال! لا اسأل، قد اکتفیت، رواہ عطاء عن ابن عباس و ھذا قول سعید بن جبیر و الزھری و ابن زید، قالوا! جمع لہ الرسل لیلۃ اسری بہ فلقیھم و امر ان یسألھم فما شک و لا سأل۔[703]

ترجمہ: جب آنحضرت ﷺ کو معراج پر پہنچایا گیا تو آپ ﷺ کیلئے تمام انبیاء کو جمع کیا گیا، آپ ﷺ نے نماز میں ان سب کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی خدمت میں عرض کیا! آپ ان سب پیغمبروں سے پوچھئے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے الخ۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے سوال کی ضرورت نہیں، میں نے اس پر اکتفاء کیا (جو مجھے بتلایا گیا)۔۔۔۔ حضرت سعید بن جبیر، زہری اور ابن زید فرماتے ہیں کہ معراج کی رات آپ ﷺ کے لئے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا، اس موقع پر آپ ﷺ کی ان سے ملاقات ہوئی اور آپ کو حکم ہوا کہ آپ ﷺ ان سے پوچھئے، پس آپ ﷺ کو نہ تو شک تھا اور نہ آپ ﷺ نے پوچھا۔

دلیل نمبر ۱۰۱:

---

[702] (المقاصد السنیہ ص ۱۳۳)

[703] (زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۷ ص ۳۱۹)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

قال عطاء عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ لما اسری بہ ﷺ إلی المسجد الاقصٰی بعث اللہ لہ آدم و جمع المرسلین من ولدہ فأذن جبریل ثم اقام فقال! یا محمد! تقدم فصل بھم، فلما فرغ رسول اللہ ﷺ من الصلاۃ فقال لہ جبرئیل علیہ السلام! و اسأل یا محمد من ارسلنا من قبلک من رسلنا، الآیۃ، فقال ﷺ لا اسأل لأنی لست شاکًا فیہ۔

ترجمہ: حضرت عطاء، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج پر لے جایا گیا، اور جب آپ ﷺ مسجد اقصیٰ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام جو ان کی اولاد میں سے تھے سب کو جمع کیا، پس جبرئیل علیہ السلام نے اذان اور اقامت کہی اور عرض کیا! اے محمد ﷺ آگے بڑھیے اور ان کو نماز پڑھائیے، جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا! اے محمد ﷺ اور پوچھئے ان سے جن کو ہم نے آپ ﷺ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا ہے، پس آپ ﷺ نے فرمایا! میں ان سے کچھ نہیں پوچھتا کہ مجھے اس میں کوئی شک نہیں۔[704]

دلیل نمبر ۱۰۲:

تفسیرِ قرطبی میں ہے کہ:

لمّا اسری برسول اللہ ﷺ من المسجد الحرام إلی المسجد الاقصٰی۔ وھو مسجد بیت المقدس۔ بعث اللہ لہ آدم و من وُلد من المرسلین، و جبریل مع النبی ﷺ، فاذن جبریل علیہ السلام ثم اقام الصلاۃ، ثم قال! یا محمد ﷺ تقدم فصل بھم، فلمّا فرغ رسول اللہ ﷺ قال لہ جبریل علیہ السلام! سل یا محمد ﷺ من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمٰن الھۃ یعبدون۔ فقال رسول اللہ ﷺ، لا اسأل قد اکتفیت۔ قال ابن عباس

---

[704](تفسیر کبیر ج۲۷ ص۲۱۶)

رضی اللہ تعالی عنہ! وکانوا سبعین نبیّا منھم ابراھیم وموسٰی وعیسٰی علیھم السلام، فلم یسألھم لأنہ کان أعلم باللہ منھم، فی غیر روایۃ ابن عباس۔ فصلوا خلف رسول اللہ ﷺ سبعۃ صفوف، المرسلون ثلاثۃ صفوف والنبیّون أربعۃ، وکان یلی ظھر رسول اللہ ﷺ ابراھیم خلیل اللہ، وعلی یمینہ اسماعیل وعلی یسارہ اسحاق ثم موسٰی، ثم سائر المرسلین، فأمھم رکعتین، فلمّا انفتل قام فقال! "ان ربی أوحی إلیّ أن أسألکم ھل أرسل أحد منکم یدعو إلی عبادۃ غیر اللہ؟" فقالوا! یا محمد! انا نشھد انا أرسلنا أجمعین بدعوۃ واحدۃ أن لا إلٰہ إلا اللہ وأن مایعبدون من دونہ باطل، وانک خاتم النبیین وسید المرسلین، قد استبان ذٰلک لنا بامامتک ایانا، وأن لا نبیّ بعدک إلی یوم القیامۃ إلا عیسٰی بن مریم فإنہ مأمور أن یتبع أثرک۔

ترجمہ: جب آنحضرت ﷺ کو مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ پر لے جایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اور جو ان کی اولاد میں سے انبیاء تھے سب کو اکٹھا فرمایا، جبرئیل علیہ السلام بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، پس جبرئیل علیہ السلام نے اذان واقامت کہی اور عرض کیا اے محمد ﷺ آگے بڑھئے اور ان کو نماز پڑھایئے جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی! آپ سوال کیجیئے ان رسولوں سے جو آپ ﷺ سے پہلے بھیجے گئے تھے کہ کیا ہم نے اللہ کے علاوہ کوئی معبود بنائے تھے کہ جن کی پوجا کی جاتی تھی؟ پس آپ ﷺ نے فرمایا! مجھے سوال کی ضرورت نہیں کہ میں نے اس پر کفایت کی (جو مجھے بتایا گیا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہاں ستر نبی تھے، جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی تھے، پس آپ ﷺ نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا، اس لیے کہ آپ ﷺ ان سب سے زیادہ اللہ کی جانب سے علم رکھتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے علاوہ دوسری روایت میں ہے کہ، پس آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی سات صفیں تھیں، جن میں سے تین صفیں رسولوں کی اور چار انبیاء کی تھیں، آپ

ﷺ کے پیچھے متصل حضرت ابراہیم علیہ السلام، دائیں جانب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، بائیں جانب حضرت اسحاق علیہ السلام، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور پھر تمام انبیائے کرام علیہم السلام تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو دو رکعتین نماز پڑھائی، جب آپ ﷺ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ! بے شک میرے رب نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں آپ سے سوال کروں کہ کیا تم میں سے کوئی ایک ایسا رسول بھیجا گیا تھا جو لوگوں کو غیر اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہو؟ ان سب نے کہا! اے محمد ﷺ ! بے شک ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم بھیجے گئے ایک (اللہ) کی طرف دعوت کے لیے اور یہ کہ نہیں کوئی معبود سوا اللہ تعالیٰ کے، اور یہ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہے۔ اور بے شک آپ ﷺ خاتم النبیین اور تمام رسولوں کے سردار ہیں، اور یہ بات اس سے واضح ہو گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ہماری امامت فرمائی ہے اور یہ کہ آپ ﷺ کے علاوہ قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا، سوائے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے کہ بے شک وہ اس پر مامور ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی اتباع کریں۔ (تفسیر قرطبی)

دلیل نمبر ۱۰۳:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وأراد بذٰلک لقائه ﷺ إیاہ لیلة الاسراء کما ذکر فی الصحیحین وغیرھما، وروی نحو ذٰلک عن قتادہ وجماعة من السلف، وکان المراد من قوله تعالیٰ! فلاتکن فی مریة من لقائهٖ علی ھٰذا وعدہ تعالی نبیه ﷺ بلقائه موسیٰ علیه السلام وتکون الآیة نازلة قبل الاسراء۔

ترجمہ:اس سے مراد یہ ہے کہ معراج کی رات آنحضرت ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی، جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ہے، اور اسی طرح کی ایک اور روایت حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلف کی ایک جماعت سے بھی منقول ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد سو آپ اس کے ملنے میں شک نہ کیجیے، کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ فرمایا، اس اعتبار سے یہ آیت واقعۂ معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے۔[705]

دلیل نمبر ۱۰۴:

تفسیر زاد المسیر میں ہے کہ:

والثانی من لقائہ موسیٰ لیلۃ الاسراء قالہ ابو العالیہ و مجاھد و قتادہ و ابن السائب۔

ترجمہ:دوسری بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات معراج کی رات ہوئی تھی۔[706]

دلیل نمبر ۱۰۵:

تفسیر بحر محیط میں ہے کہ:

ای من لقائک موسیٰ ای فی لیلۃ الاسراء، ای شاھدتہ حقیقۃ وھو النبی الذی اوتی التوراۃ وقد وصفہ الرسول فقال طوال جعدٍ کأنہ من رجال شنوۃ حین راہ لیلۃ الاسراء الخ۔

ترجمہ:یعنی آپ ﷺ معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کیجیے، یعنی آپ ﷺ نے واقعتاً ان کو دیکھا ہے، اور وہ وہی نبی تھے جن کو تورات دی گئی تھی اور تحقیق آپ

---

[705] (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۳۸)
[706] (زاد المسیر ج ۶ ص ۴۳)

ﷺ نے ان کا حلیہ بیان کیا اور فرمایا وہ لمبے قد کے گھنگریالے بالوں والے تھے جیسے قبیلۂ شنوءۃ کے آدمی ہوتے ہیں۔[707]

دلیل نمبر ۱۰۶:

تفسیر جلالین میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

فانعم اللہ تعالی علی النبی ﷺ بالاسراء المشتمل علی اجتماعہ بالانبیاء۔ (ای بارواحھم واجسادھم معًا علی الصحیح کما قال شیخنا)۔

ترجمہ: ہمارے شیخ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو معراج کی رات لامکاں پر بلا کر بے پناہ انعامات فرمائے انہی میں سے جمیع انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقات بھی شامل ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام بوقتِ ملاقات اپنے اجسام اور ارواح کے ساتھ حاضر تھے۔[708]

دلیل نمبر ۱۰۷:

صاحبِ تفسیرِ صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ولقد أتینا موسی الکتاب فلاتکن فی مریۃ من لقائہ (وقد التقیا لیلۃ الاسراء) جلالین، السجدہ۔ ای فی الارض عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ وفی السماء السادسۃ۔ کما ورد بہ الحدیث۔

ترجمہ: تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی سو (اللہ تعالیٰ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب تورات عطا کی گئی) اس میں شک نہ کر (دونوں حضور پُر نور ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کی معراج کی رات ملاقات ہوئی۔ حضور پُر نور ﷺ فرماتے ہیں معراج کی رات جب میرا گزر کثیب

[707] (تفسیر بحر محیط ج۷ ص ۲۰۵)
[708] (جلالین وجمل ج۲ ص ۶۱۰ اسرٰی)

احمر (لال ٹیلہ) کے پاس سے ہوا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا (اور جب حضور پُر نور ﷺ بیت المقدس پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بمع جمیع انبیائے کرام علیہم السلام کے بیت المقدس میں استقبال کیلئے حاضر ہیں) (اور جب حضور پُر نور ﷺ چھٹے آسمان پر پہنچے) تو وہاں پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی) جس طرح کہ احادیث میں وارد ہے۔

دلیل نمبر ۱۰۸:

صاحبِ تفسیرِ خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال! قال رسول اللہ ﷺ لما اسری بی رأیت موسی علیہ السلام یصلی فی قبرہ فی کثیب الاحمر۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا جب مجھے (معراج کیلئے لے جایا گیا) (بیت المقدس جاتے ہوئے) میں نے کثیب احمر (لال ٹیلہ) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔[709]

دلیل نمبر ۱۰۹:

صاحبِ تفسیرِ جمل فرماتے ہیں کہ:

کیفیۃ الانبیاء الآتی ذکرھم فی السمٰوٰت السبع فاجتمع بھم کذٰلک فی جملۃ الانبیاء فی بیت المقدس فسبعۃ ھٰولآء المذکورین إلی السمٰوٰت صعدوا فوجدھم فیھا لحکم ومصالح۔ (تفسیر جمل ج ۲ ص ۶۱۱ ـــــ قال جبرئیل علیہ السلام ھٰذا ابوک آدم فسلم علیہ فسلمت علیہ فرد السلام و قال مرحبا بالابن الصالح و النبی الصالح۔

[709] (خازن ج ۵ سجدہ ۱۸۸، معالم ج ۵ ص ۱۸۸، صاوی ج ۲ ص ۲۶۲)

ترجمہ:ان انبیائے کرام علیہم السلام کا ذکر (جن کا ذکر میں اپنی تفسیر میں) آگے چل کر کرنے والا ہوں جنکے ساتھ حضور پُر نور ﷺ کی ساتوں آسمانوں پر ملاقاتیں ہوئیں (حالانکہ) یہ انبیائے کرام علیہم السلام بیت المقدس میں دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ موجود تھے پھر ان انبیائے کرام کا ساتوں آسمانوں پر حضور ﷺ سے پہلے پہنچ جانا اللہ جل جلالہ کی حکمت و مصلحت (سے خالی نہیں) ہے (حضور پُر نور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں پہلے آسمان پر پہنچا) تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں جو آپ کے جدِ امجد (والد) ہیں انہیں سلام فرمائیں سو میں نے سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا نیز یہ بھی کہا۔ خوش آمدید۔ ایسے عظیم المرتبت، غیب جاننے والے، صالح فرزند کو خوش آمدید کہتا ہوں۔[710]

دلیل نمبر ۱۱۰:

علامہ مفتی امجد علی صاحب لکھتے ہیں کہ:

قرآن مجید میں شہداء کو مردہ کہنے سے منع فرمایا "ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات" پھر انبیاء تو انبیاء ہیں (علیہم السلام) حدیث میں ہے! ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔[711]

دلیل نمبر ۱۱۱:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں کہ:

لم یزل ﷺ ولا یزال متوجھًا إلی الخلق مقبلاً إلیھم بوجھہ۔

---

[710](بخاری۔باب المعراج۔ ۵۹)

[711](فتاوی امجدیہ ج ۴ ص ۳۱۹)

ترجمہ: سرکار دوعالم ﷺ ہمیشہ مخلوق کی جانب چہرہ مبارک کہ فرماتے رہیں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ حیاتِ جسمانیہ کے ساتھ زندہ رہنے کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ آپ ﷺ رحمۃ للعٰلمین ہیں۔[712]

افلت شموس الاولین وشمسنا ابداعلی افق العُلی لاتغرب

دلیل نمبر ۱۱۲:

امام بارزی کا فتویٰ:

امام بارزی سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ وصال کے بعد زندہ ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ حضور ﷺ زندہ ہیں جیسا کہ استاذ العلماء ابو منصور البغدادی فقیہ اُصولی شافعیوں کے شیخ نے "مسائل انجاز مبین" میں فرمایا کہ علماء متکلمین محققین اہلِ سنت کا ارشاد ہے کہ ہمارے نبی ﷺ وصال کے بعد زندہ ہیں اور اپنی اُمت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور گنہگاروں کے گناہ سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور یہ کہ حضور ﷺ کے دربار میں تمام سرکاری غلاموں کا دُرود پیش ہوتا ہے۔

"وقال ان الانبیاء لایبلون ولا تاکل الارض منھم شیئا"۔

ترجمہ: اور یہ بھی فرمایا کہ انبیاء بوسیدہ نہیں ہوتے اور ان حضرات کے پاک جسموں کا کوئی حصہ زمین نہیں کھا نہیں سکتی۔[713]

دلیل نمبر ۱۱۳:

مولوی سید حسین احمد مدنی دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

[712](فیوض الحرمین ص ۳۰)بحوالۂ(حیات الانبیاء والشہداء والموتٰی)

[713](انباء الاذکیاء للسیوطی ص ۹)بحوالۂ(حیات الانبیاء والشہداء والموتٰی)

"آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیاتِ دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر"۔[714]

دلیل نمبر ۱۱۴:

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"وہ (وہابی) وفاتِ ظاہری کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسد کے منکر ہیں اور یہ (علماء دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اور بڑے زور وشور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارے میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں"۔[715]

دلیل نمبر ۱۱۵:

شیخ الاسلام علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

من انکر الحیوۃ فی القبر وھم المعتزلۃ ومن نحا نحوھم واجاب اھل السنۃ عن ذٰلک۔

ترجمہ: جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں، اہلِ سنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ منکرینِ حیات، اہلِ سنت میں سے نہیں ہیں۔[716]

---

[714] (مکتوباتِ شیخ الاسلام مکتوب نمبر ۴۴، ج ۱ ص ۱۲۰)

[715] (نقشِ حیات ج ۱ ص ۱۲۰)

[716] (عمدۃ القاری شرح بخاری ج۸ ص ۲۰۱)

"قد تمسک بہ من انکر الحیوۃ فی القبر و اجیب عن اہل السنۃ۔۔۔ان حیوتہ ﷺ فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیّا"۔

ترجمہ: منکرینِ حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہلِ سنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپ ﷺ اب بھی دائمی طور پر زندہ ہیں۔[717]

دلیل نمبر ۱۱۶:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ:

عن علی رضی اللہ تعالی عنہ قال قدم علینا اعرابی بعد ما دفنا رسول اللہ ﷺ بثلاثۃ ایام، فرمی بنفسہ علی قبر رسول اللہ ﷺ و حثا علی رأسہ من ترابہ، فقال! قلت یا رسول اللہ ﷺ فسمعنا قولک و وعیت عن اللہ فوعینا عنک و کان فیما انزل اللہ علیک و لو انہم إذ ظلموا انفسہم" الآیۃ۔ و قد ظلمت نفسی و جئتک تستغفر لی، فنودی من القبر انہ قد غفر لک۔

ترجمہ: یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کے تین روز بعد ایک بدوی نے روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہو کر اس آیتِ کریمہ کے حوالے سے مغفرت طلب کی، روایت ہے کہ مرقد اطہر سے صدا آئی! "انہ قد غفر لک"۔[718]

دلیل نمبر ۱۱۷:

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "التنویر" میں فرماتے ہیں کہ:

ان النبیّ ﷺ حیٌّ بجسدہٖ وروحہٖ و انہ یتصرّف و یسیر فی اقطار الارض وفی الملکوت وھیئۃ التی کان قبل وفاتہ و لم یبدل منہ شئ و أذن لھم ای الانبیاء فی الخروج من

[717](فتح الباری ج۷ ص ۲۲)

[718](تفسیر قرطبی ج۵ ص ۲۶۶، ۲۶۵)(تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص ۴۵۹، ۴۵۸، تسکین الصدور ۳۶۷)

قبورھم والتصرف فی الملکوت العلویّ والسفلیّ وان حیات النبی ﷺ فی قبرہ وحیات سائر الانبیاء معلومۃ عندنا علمًا قطعیًا لما قام عندنا من الادلۃ القطّ حجّۃ فی ذٰلک وتواترت بہ الاخبار منھا قال رسول اللہ ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ومنھا قال رسول اللہ ﷺ حرم اللہ علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء۔

ترجمہ: بے شک نبی کریم ﷺ جسم اور روح کے تعلق کے ساتھ حیات ہیں اور جس طرح کہ حضور ﷺ کو وفات سے پہلے اطراف زمین اور ملکوت میں چلنے پھرنے کی قدرت حاصل تھی، اسی طرح اب بھی زمین میں چلتے پھرتے ہیں اور اطرافِ زمین اور عالم ملکوت میں تصرّف فرماتے ہیں۔ ان امور میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو اجازت دے رکھی ہے کہ قبروں سے نکل کر سیر فرمائیں اور ملکوتِ علوی اور سفلی میں تصرّف فرمائیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں حیات ہیں۔ اسی طرح سارے انبیائے کرام حیات ہیں۔ یہ بات ہمارے نزدیک علم قطعی سے ثابت ہے اس لیے کہ اس کے ثبوت میں قطعی دلائل اور حجتیں موجود ہیں اور متواتر حدیثیں وارد ہیں۔ ان میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں۔ قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ اجسادِ انبیاء علیہم السلام کو کھائے۔[719]

دلیل نمبر ۱۱۸:

شیخ الاسلام مولوی سید احمد شاہ شاگردِ خاص مولانا غور عشتوی بابا فرماتے ہیں کہ۔

انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور چلتے پھرتے ہیں۔

پھر اسکے بعد لکھتے ہیں:

[719] (التنویر للسیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ)

ولا مانع من ان یراہ کثیرون فی وقت واحد کأنّہ کالشمس۔[720]

دلیل نمبر ۱۱۹:

فتاویٰ فیضِ نقشبندیہ میں لکھا ہے کہ:

"حیاتِ انبیائے کرام علیہم السلام اجماع سے ثابت ہے اور اجماع کی مخالفت کفر ہے"۔[721]

اس سے معلوم ہوا کہ جو حیاتِ انبیاء کا منکر ہو وہ کافر ہے اور اسلام کے دائرے سے باہر ہے۔

فصل در بیان عذاب قبر
عذاب قبر کے بیان میں

اور بعض علماء عذابِ قبر کے منکر ہیں۔ اور اس کا انکار کرنا بھی کفر ہے، جیسا کہ علامہ طاہر بن احمد حنفی "خلاصۃ الفتاویٰ" میں لکھتے ہیں:

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وینکر کراماً کاتبین وعذاب القبر وکذامن ینکر الرؤیۃ لانّہ کافر۔

---

[720] (تنویر الایمان فی اتباع مذہب النعمان رحمۃ اللہ تعالی علیہ ص ۱۵)

[721] (فتاویٰ فیض نقشبندیہ ص ۲۵)

یعنی جو شخص آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور کراماً کاتبین اور عذابِ قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے۔[722]

رئیس الفقہاء ورأس المحققین حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھٰذہ الامور عن الشارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔[723]

مولانا عبد العلی بحر العلوم حنفی لکھتے ہیں:

منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر والرؤیۃ وعذاب القبر ومنکر الکرام الکاتبین کافر۔

ترجمہ: اہلِ کبائر کیلئے شفاعت اور رؤیتِ باری تعالیٰ اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا کافر ہے۔[724]

برزخ کے معنی دو چیزیں کے درمیان حدِّ فاصِل اور روک کے ہیں۔

(مفردات القرآن امام راغب اصفہانی) برزخ دو چیزوں کے درمیان کی حد؛ روک؛ حائل؛ عالم برزخ موت سے حشر تک کے عالم کا نام ہے۔[725]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن ورائھم برزخ الیٰ یوم یبعثون۔

---

722 (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۴۹، ج ۱)
723 (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۷)
724 (رسائل بحر العلوم ص ۹۹)
725 (لغات القرآن ج ۲ ص ۲۸)

ترجمہ: اور انکے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ اٹھائے جائیں گے) رہیں گے؛ برزخ بازداشت میان دوچیز یعنی برزخ دوچیزوں کے درمیان پردہ ہے۔

وتقال مابین الدنیا والآخرۃ من وقت الموت الی البعث فمن مات دخل البرزخ۔

ترجمہ: برزخ دوچیزوں کے درمیان پردہ ہے اور یہ بولا جاتا ہے (اس زمانے اور مکان پر) جو موت کے وقت سے لیکر حشر تک ہے پس جو شخص مر گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا: (صراح؛ علامہ ابو الفضل محمد بن عمر القریشی) برزخ ایک غیر محسوس پردہ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے اور فعل انسانی کو اس میں کوئی دخل نہیں؛ مولوی سید نور الحسن بخاری لکھتے ہیں: تو برزخ موت کے بعد سے قیامت تک کے درمیانی دور: عہد: زمانہ اور مدت کا نام ہے: اس دور میں دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے؛ اور آخرت بھی پوری طرح سامنے نہیں آتی؛ اس لیے اسے برزخ کہتے ہیں؛ قبر اس عالم برزخ کی پہلی منزل ہے؛ گویا میت کیلئے قبر اور برزخ دونوں ظرف ہیں برزخ ظرف زماں اور قبر ظرف مکاں۔

قبر اس مقام کو کہتے ہیں جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے؛ قرآن وحدیث میں عموماً اس مدفن پر قبر کا اطلاق ہوا ہے مثلاً نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرمایا گیا:

وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ (التوبۃ ۸۴)

اور اس کافر منافق کی قبر پر کھڑے نہ ہو۔

وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ (الإنفطار ۴)

یعنی اور (قیامت کے دن) جب قبریں اکھاڑ جائیں گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

ان العبد اذا وضع فی قبرہ۔[726]

ترجمہ: بیشک بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس مرض کے دوران فرمایا جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا۔[727]

ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء اور صلحاء کی انہی قبروں کو سجدہ کرتے تھے جو زمین پر موجود تھیں۔ علیین میں قبروں کو سجدہ کرنے کیلئے جانا بھلا کب ان کے بس کا روگ تھا۔

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (ام المؤمنین) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں گیا اور کہا کہ اماں جان مجھے حضور ﷺ کی قبر اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھائیں تو ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے تین قبریں دکھائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہی قبریں دکھائیں جو زمین پر موجود تھیں۔ اگر قبر سے مراد علیین ہے تو کوئی بتائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سائلین کو علیین پر کیونکر لے گئیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فإذا وضع فی قبرہ و سوی علیہ و تفرق عنہ اصحابہٗ اتاہ منکر و نکیر فیجلسانہ فی قبرہ۔

[726] (متفق علیہ) (مشکوٰۃ المصابیح باب عذاب القبر)

[727] (بخاری مع فتح الباری ص ۱۶۵)

ترجمہ: جب مردے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے اور اس کو دفن کرنے والے رخصت ہو جاتے ہیں تو اس کے پاس منکر اور نکیر آتے ہیں، پس اسے قبر میں بٹھاتے ہیں۔[728]

حضرت بشیر اکال المعوی کی حدیث کے الفاظ:

انی مررت بقبر وھو یسأل عنی فقال لا ادری فقلت لا دریت۔

ترجمہ: بے شک میں ایک قبر کے پاس سے گزرا تھا، جس سے میرے بارے میں سوال کیا جارہا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا، اس پر میں نے کہا کہ تم نے نہ خود جانا (نہ کسی جاننے والے کی بات مانی)۔[729]

حضور اکرم ﷺ میت (کی قبر پر) تین بار دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے تھے اور حضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔[730]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اس کی قبر پر آئے اور اس کے سر کی طرف سے تین بار مٹی ڈالی۔[731]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی بیٹی کی تدفین کے وقت ہم موجود تھے۔ حضور ﷺ قبر پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج رات اقتراف مع المرأة (زوجہ سے ہم بستری) نہ کیا

---

[728] (شرح الصدور ص ۵۴)
[729] (کنز العمال ج۱۵ ص ۲۴۲، مجمع الزوائد ص ۴۸، شرح الصدور ص ۵۰)
[730] (مشکوٰۃ المصابیح)
[731] (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹)

ہو ابو طلحٰہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں ہوں۔ فرمایا اس کی قبر میں اُتر جا پھر وہ بنتِ رسول ﷺ کی قبر میں اُترے۔[732]

عن عمرو بن حزم قال رانی النبی ﷺ متکئًا علی قبرہ فقال لا تؤذ صاحب ھٰذا القبر۔

ترجمہ: عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے قبر پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا قبر والے کو ایذاء نہ پہنچاؤ۔[733]

ان احادیث مبارکہ کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ میت کو جس قبر میں داخل کرتے ہیں، جس قبر پر دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اکرم ﷺ کا یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے وہ اسی زمین پر ہی ہو سکتی ہے۔

باقی قبر کے معنی لغات قرآن کے امام سے سُن لیجئے:

القبر کے معنیٰ میت کو دفن کرنے کی جگہ کے ہیں۔ اقبرہ کے معنیٰ کسی کے لیے قبر مہیا کرنے کے ہیں تاکہ اسے دفن کیا جائے۔ قرآن میں ہے۔ "ثمّ اماته فاقبره" پھر اس کو موت دی۔ پھر اسے قبر میں دفن کرایا۔[734]

عربی کی مشہور لغت "منجد" دیکھئے:

---

[732](مشکوٰۃ المصابیح)

[733](مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۴۹، ابن عساکر، مسند احمد، کنز العمال ج۱۵ ص ۷۶۰ حدیث نمبر ۴۲۹۹۰)

[734](مفردات القرآن للاصفهانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۷۲۳)

القبر: آدمی کے دفن کا مقام جمع قبور اقبرہ: کسی کے دفن کرنے کو قبر بنانا، اقبر القوم: قوم کو مقتول کے دفن کی اجازت دینا۔[735]

لغات القرآن کے امام (راغب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) یا صاحبِ منجد نے قبر کے معنی میں کہیں گڑھا کا لفظ نہیں لکھا۔ قبر کے معنی گڑھا تو کوئی جاہل ہی کرے گا، گڑھا تو ہیں حفرہ کے معنی، قبر کے معنٰی تو ہیں: میت کو دفن کرنے کی جگہ، آدمی کے دفن کا مقام مقرّ المیت۔

قرآن کریم میں ایک جگہ "قبر" کا لفظ آیا ہے۔ "قبرہ" (پارہ ۱۰ع۱۷) چار مقامات پر "القبور" ہے۔[736]

ایک مقام پر "القبور" ہے۔ (پ ۳۰ ع۷)

ایک مقام پر "اقبرہ" ہے۔ (پ ۳۰ ع۵)

ایک مقام پر "المقابر" ہے۔ (پ ۳۰ ع۲۷)

ان آٹھ مقامات میں سے کسی مقام پر بھی قبر کے معنٰی نہ گڑھا ہیں اور نہ ہی عالم برزخ بلکہ آٹھوں مقامات پر قبر ہی مراد ہے۔ اور حدیث میں بھی جہاں قبر کا ذکر آیا ہے وہاں یہی محسوس قبر ہے۔

قبر کا عذاب و ثواب:

قبر کے عذاب و ثواب پر جمیع اہلسنت متفق ہیں۔ ان کے نزدیک عذابِ قبر حق ہے۔ یہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے حق فرمایا ہے۔

---

[735](المنجدعربی اردو ص۹۵۷)

[736](پ۱۷ ع۸، پ۲۲ ع۱۵، پ۲۸ ع۸، پ۳۰ ع۲۵)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا "نعم عذاب القبر حق" ہاں: قبر کا عذاب حق ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہو (الا تعوّذ باللہ من عذاب القبر) اور عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ نہ مانگی ہو۔

ترمذی شریف کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

استعیذوا باللہ من عذاب القبر۔[737]

اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو عذابِ قبر سے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

اللھم انی اعوذ بک من العجز و الکسل و الجبن و الھرم، و اعوذ بک من عذاب القبر و اعوذ بک من فتنۃ المحیا و الممات۔

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عجز و کسل سے، بزدلی اور انتہائی بڑھاپے سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے۔[738]

عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ بعض مبتدع فرقوں کا زعم ہے کہ عذابِ قبر صرف رُوح کو ہوتا ہے اور بعض کا وہم ہے کہ صرف بدن کو۔ لیکن اہلسنت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ قبر کا عذاب یا آرام روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

بل العذاب و النعیم علی النفس و البدن جمیعًا باتفاق اھلِ السنۃ و الجماعۃ۔

---

[737] (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۰)

[738] (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۴۲، مسلم شریف ج ۲ ص ۳۴۷، ترمذی ج ۲ ص ۱۸۷، نسائی ج ۲ ص ۳۱۳)

ترجمہ: عذاب وراحت وآرام روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اس پر تمام اہلِ سنت وجماعت کا اتفاق ہے۔[739]

امام تقی الدین السبکی فرماتے ہیں:

وقد اجمع اهل السنة والجماعة علی اثبات الحیوة فی القبور۔

ترجمہ: بیشک قبروں میں اثباتِ حیات پر اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

ان حیوة جمیع الموتٰی بارواحهم واجسامهم فی قبورهم لاشک فیها۔

ترجمہ: بلاشُبہ تمام مُردوں کا قبروں میں اپنے ارواح واجسام دونوں کے ساتھ زندہ ہونا، اس میں کوئی شک نہیں۔

حضرت علامہ ملّا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

العذاب علی الروح والبدن کماهو مذهب الجمهور وهو الصحیح۔

ترجمہ: قبر میں گناہ گار کے بدن وروح دونوں کو عذاب دیا جاتا ہے۔

ومحل العذاب الروح والبدن جمیعًا باتفاق اهل السنة والجماعة وکذا القول فی التنعیم۔

ترجمہ: اہلِ سنت وجماعت اس بات پر متفق ہے کہ قبر میں عذاب وثواب روح اور جسم دونوں کو دیا جاتا ہے۔

ان براھینِ قاطعه سے خوب واضح ہوا کہ قبر میں روح وجسد دونوں کو سزاوجزاء دی جاتی ہیں۔[740]

---

[739](کتاب الروح ص ۶۲)

[740](المقاصدالسنیة ص ۱۰۷)

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ومحل التنعیم والعذاب الروح والبدن جمیعًا باتفاق اھل السنۃ والجماعۃ کما ھو مذھب الجمھور وھو الصحیح۔ وقول العامّۃ واکثر ارباب الشرع علی انھم احیاء فی الحال بحیاۃ جسمانیۃ۔

ترجمہ: اس بات پر اہل سنت وجماعت کا اتفاق ہے کہ عطاء نعمت اور عذاب قبر روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے اور وہی صحیح ہے۔ اور عوام کا قول ہے اور اکثر ارباب شرع کا قول ہے کہ اب بھی وہ سب حیات جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں۔[741]

عذابِ قبر کے منکر کی اقتداء میں نماز کا حکم:

علامہ طاہر بن احمد حنفی "خلاصۃ الفتاویٰ" میں لکھتے ہیں:

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی ﷺ وینکر کرامًا کاتبین وعذاب القبر کذا من ینکر رؤیۃ لانّہ کافر۔

ترجمہ: جو شخص آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور کراماً کاتبین اور عذابِ قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے۔[742]

رئیس الفقہاء ورأس المحققین حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولا یجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھٰذہ الامور عن الشارع ﷺ۔

ترجمہ: شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

---

[741](شرح الصدور ص ۲۱۲، المقاصد السنیۃ ص ۱۰۵)

[742](خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۴۹)

مولانا عبد العلی بحر العلوم حنفی لکھتے ہیں:

منکر الشفاعة لاھل الکبائر و الرؤیة و عذاب القبر و منکر الکرام الکاتبین کافر۔

ترجمہ: اہلِ کبائر کیلئے شفاعت اور رؤیتِ باری تعالیٰ اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا انکار کرنے والا کافر ہے۔[743]

علامہ ابو الشکور سالمی فرماتے ہیں کہ:

فاما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات و للکافرین من الواجبات و اللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوّا و عشیّا۔ یعنی فرعون و قومه دل انه کان صحیحا فی ایّ موضع و علی ایّ حال و من انکر ھٰذا یصیر کافرًا۔" و اللہ تعالیٰ اعلم"۔

ترجمہ: عذابِ قبر مؤمنوں کیلئے جائز اور کافروں کیلئے واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے، یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن بکر الانصاری الخزری الاندلسی القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

فاعلموا ایھا الاخوان ان عذاب القبر و نعیمه حق کما صرحت به الاحادیث الصحیحة و لٰکن اللہ تعالی یأخذ بابصار الخلائق و اسماعھم من الجن و الانس عن رؤیة عذاب القبر و نعیمه لحکمة الٰھیة و من شک فی ذٰلک فھو ملحد الخ۔[744]

ترجمہ: اے بھائیو تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت بر حق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحتاً اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی (مکلف) مخلوق میں سے جنوں اور انسانوں

---

[743] (رسائل بحر العلوم ص ۹۹)

[744] (مختصر تذکرة القرطبی لعبد الوھاب الشعرانی رحمۃ اللہ تعالی علیھما ص ۳۶)

کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب وراحت کو او جھل رکھتا ہے کیونکہ حکمتِ الٰہی کا تقاضہ ہی یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

فصل در بیان تقلید
تقلید کے بیان میں

بعض علماء کہتے ہیں کہ اپنے آباو اجداد کی اتباع کرنا شرک اور حرام ہے۔ حالانکہ مؤمن آباو اجداد کی اتباع دین میں رفع (یعنی بلندی) درجات کا سبب ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ"(الطور ۲۱)

مؤمن آباو اجداد کی اتباع کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کی ہے:

اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهاً وَّاحِداً وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرۃ ۱۳۳)

جو کوئی اپنے مؤمن آباء و اجداد کی اتباع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کے درجات بلند کرتا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے:

(کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا) "اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّايُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (۳۷) وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآئِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف ۳۸)

کانہ قال: انما فزتُ بمافزتُ بسبب انی لم أتبع ملۃ قوم کفروا با لمبدأ و المعاد و اتبعت ملۃ أبائی الکرام المؤمنین بذلک۔[745]

---

[745](روح المعانی ج۴، پ۱۲، ص ۲۴۲)

مؤمن آبا و اجداد کا وہ طریقہ جس کی ممانعت قرآن پاک اور احادیث میں نہ ہو، اس کو غلط کہنا اور اس کا مذاق اڑانا یہود و نصاریٰ اور مشرکینِ عرب کا طریقہ ہے، نہ کہ مسلمانوں کا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِباً وَّ لَهواً وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیوۃُ الدُّنْیَا۔۔الخ“(الإنعام ۷۰)

رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یعنی الیهود و النصاریٰ و مشرک العرب اتخذوا دین آبائهم المؤمنین (لعباً) ضحكة (ولهواً) استهزاءً“۔[746]

کافر، مشرک، اور جاہل اباٰء و اجداد کی اتباع ان کے کفر و شرک وغیرہ میں ممنوع اور حرام ہے اور مؤمنوں کی اتباع جائز اور لازم۔

قرآن حکیم میں ہے:

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآئَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ (بقرہ ۱۷۰)

اور سورہ مائدہ آیت ۱۰۴ میں ہے:

لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئاً وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ۔

---

[746](تفسیر ابن عباس ص ۸۹)

دیوبند مسلک کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے: "اس میں دلالت ہے اس پر کہ جس شخص کے والد کا باعقل و بااھتداء ہونا اجمالاً بھی ثابت ہو جاوے اس کی اتباع مطلقاً جائز ہے۔ اور یہ اصل ہے بلا تردد مشائخ کی اتباع کرنے کا اھ۔[747]

سنن الٰہیہ میں سے یہ بھی ہے کہ مؤمن و مسلمان آباواجداد کی مخالفت کرنے والوں پر عذابِ اخروی سے قبل عذاب دنیوی بھی نازل فرماتا ہے۔

قرأن کریم میں ہے:

"اِنَّابَلَوْنٰهُمْ كَمَابَلَوْنَآاَصْحٰبَ الْجَنَّةِ" تاآخیر رکوع[748]

قرآن حکیم میں مؤمن مسلمان آباواجداد کی مخالفت کرنے والوں کے لئے وعید شدیدہ آئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْم بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْراً۔ (النساء ۱۱۵)

تفسیر کبیر میں ہے:

تقریر الاستدلال، ان اتباع غیر سبیل المؤمنین حرام۔ فوجب ان یکون اتباع سبیل المؤمنین واجباً۔[749]

نیز ارشاد ہے:

[747] (بیان القرأن، ج ۱، ص ۹۵، پ ۲، مسائل السلوک، میر کتب خانہ، کراچی) (روح المعانی ج ۲ ص ۱۴۱ امدادیہ ملتان)
[748] (پارہ ۲۹، سورہ قلم، آیت ۱۷ تا ۳۳)
[749] (جلد ۱۲، صفحہ ۴۳)

اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ج فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا۔ الخ (الاعراف ۵۱)

فقط برے خلیفہ کے بارے میں ہے:

فخلف من بعدھم خلف (اعراف ۶۹)

خَلف بسکون اللام اکثر برے خلیفہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے بڑوں کے طرز کے خلاف برائیوں میں مبتلا ہو۔[750]

ان لوگوں پر یہ حدیث مبارک بھی دال ہے:

عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔

یعنی "اخیر زمانہ میں جھوٹے اور دجال قسم کے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی احادیث بیان کرینگے اور ایسی ایسی باتیں کریں گے جن کو نہ آپ نے اور نہ آپ کے آباؤاجداد نے سنا ہوگا۔ خبردار ان سے بچے رہنا، کہ یہ تم لوگوں کو گمراہ نہ کردیں اور فتنوں میں نہ ڈال دیں۔"[751]

فصل در بیان
کسی کی تعظیم کیلئے کھڑے ہونا

---

[750](معارف ج۴ ص۱۰۳)

[751](مسلم، مشکوۃ شریف ص ۲۸، باب الاعتصام)

بعض علماء کہتے ہیں کسی معزز شخص کے استقبال کے لئے قیام کرنا، یعنی کھڑا ہونا، ناجائز ہے۔ حالانکہ کسی معزز و محترم شخصیت یا رہنمائے ملت و قوم کی آمد پر اس کے استقبال کے لئے قیام جائز ہے۔ اس جواز کی اصل سنت رسول اللہ ﷺ سے ماخوذ ہے۔

درج ذیل احادیث اسی قسم کے قیام پر دلالت کر رہی ہیں:

حضرت ابو سعید خدری ص سے روایت ہے:

نزل اهل قريظة على حكم سعد بن معاذ فأرسل النبى ﷺ الى سعد فاتى على حمار فلما دنىٰ من المسجد قال رسول الله ﷺ للانصار قوموا الى سيدكم أو خيركم۔

”جب بنو قریظہ نے حضرت سعد کے حکم کو ماننے کا اقرار کر لیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت سعد کو بلا بھیجا۔ وہ دراز گوش (گدھے) پر سوار ہو کر مسجد کے قریب پہنچے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے انصار سے فرمایا: اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔“

یہ ارشاد گویا اس معنی میں ہے کہ سیادت کی وجہ سے ان کا استقبال کرو۔ اگر ان کو اتارنا مقصود ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو کسی ایک دو افراد کو مامور فرماتے، تمام لوگوں کو کھڑا ہونے کے لئے نہ فرماتے۔ آخر حدیث میں ”أو خيركم“ کے الفاظ بھی قیام استقبال پر دلالت کر رہے ہیں۔

امام ابو داؤد نے یہ حدیث کتاب الادب میں بیان کی ہے۔ اگر یہ قیام بیماری کی وجہ سے تھا تو اسے کتاب الادب میں بیان کیوں کیا گیا؟ پس معلوم ہوا کہ یہ قیام استقبال تھا۔[752]

---

[752] (بخاری ، الصحیح، کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الاحزاب، ج۴ ص ۱۵۱۱ ، رقم ۳۸۹۵، بخاری الصحیح، کتاب الاستئذان ، باب قول النبی قوموا الی ج۵ ص ۲۳۱۰ ، رقم ۵۹۰۷، مسلم الصحیح ج۳ ص ۱۳۸۸ ، کتاب الجهاد، باب جواز قتال من نقض العهد، رقم ۱۷۶۸ ، ابو دائود السنن، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام ج۴ ص ۳۵۵، رقم ۵۲۱۵، السنن الکبریٰ ج۵ ص ۶۲، رقم ۸۲۲۲، ابن حبان الصحیح ج۱۵ ، ص ۴۹۶، رقم ۷۰۲۶، سعید بن منصور ، السنن، ج۲ ص ۳۹۶، رقم ۲۹۶۴، میلاد النبی ۱ ص ۷۷۶)

کبھی قیام کسی کے لئے از راہِ محبت ہوتا ہے، والدین کا قیام اپنی اولاد کے لئے، استاذ کا شاگرد کے لئے، شیخ کا اپنے خاص الخواص مرید کے لئے، کسی بڑے کا قیام چھوٹے کے لئے، اسی زمرہ میں شمار کیا جائے گا۔ قیام کی یہ صورت خود سنتِ مصطفی ﷺ سے ثابت ہے۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

ما رأيت أحدا أشبه سمتا و دلا و هديا برسول الله ﷺ في قيامها و قعودها من فاطمة بنت رسول الله ﷺ قالت: و كانت اذا دخلت على النبي ﷺ قام اليها فقبلها و أجلسها في مجلسه و كان النبي ﷺ اذا دخل عليها قامت من مجلسها فقبلته و أجلسته في مجلسها۔

یعنی "حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے زیادہ کسی کو طریقہ، روش اور نیک خصلتی (اور ایک روایت میں ہے کہ بات کرنے میں) حضور ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان امور میں حضور نبی اکرم ﷺ سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھیں) جس وقت داخل ہوتی تھیں حضور نبی اکرم ﷺ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کی طرف متوجہ ہوتے، دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے، حضور ﷺ جب ان کے ہاں جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں، دستِ مبارک کا بوسہ لیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (اس حدیث سے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔"[753]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[753] (ترمذی الجامع الصحیح، ج۵ ص ۷۰۰، کتاب المناقب باب فضل فاطمۃ رقم ۳۸۷۲، ابو دائود السنن ج۴ ص ۳۵۵، کتاب الادب رقم ۵۲۱۷، نسائی السنن الکبریٰ ج۵ ص ۹۶، رقم ۸۳۶۹، ابن حبان الصحیح ج۱۵، ص ۴۰۳، رقم ۶۹۵۳، حاکم، المستدرک، ج۳ ص ۱۷۴، رقم ۴۷۵۳، ابن راھویہ المسند، ج ۱ ص ۸، رقم ۶، عسقلانی، فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲)

كان النبی ﷺ يجلس معنا فی المجلس يحدثنا فاذا قام قمنا قياماً حتیٰ نراه قد دخل بعض بيوت ازواجه۔

”حضور نبی اکرم ﷺ ہم لوگوں کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے۔ پھر جب اٹھتے تو ہم سب لوگ ساتھ اٹھ کھڑے ہوتے اور ٹھہرے رہتے، یہاں تک کہ آپ ا حجرہ مبارک میں داخل ہو جاتے۔“[754]

دلیل الاحسان میں یہ حدیث مبارکہ موجود ہے:

قال النبی ﷺ من قام لتعظيم العلماء جعل الله صورته ولباسه كمثلی۔[755]

فصل دربیان
بزرگان دین کا عرس منانا

بعض علماء عرس شریف کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں حالانکہ احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ اور خلفاء اربعہ ث بھی شہدائے احد رضی اللہ عنہم کی قبور پر ہر سال مقررہ ایام میں تشریف لاتے تھے۔

تفسیر ابن جریر میں ہے:

كان النبی ﷺ يأتی قبور الشهداء على رأس كل حول فيقول السلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار وابو بكر رضی الله عنه وعمر رضی الله عنه وعثمان رضی الله عنه الخ۔

یعنی ”رسول کریم ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء احد رضی اللہ عنہم کی قبروں پر تشریف لے جاتے، پھر کہتے، سلامتی ہو تم پر بعوض اس کے جو تم نے صبر کیا، پس اچھا ہوا آخری ٹھکانہ۔ اور

---

[754] (ابو دائود، السنن ج۴ ص۷ ۲۴، کتاب الاداب، باب فی الحلم و اخلاق رقم ۴۷۷۵، بیهقی، شعب الایمان ج۶ ص۴۶۷، رقم ۸۹۳۰، بیهقی، المدخل ج ا ص ۴۰۱، رقم۷۱۷، عسقلانی فتح الباری، ج ۱۱ ص ۵۲، سیوطی، شرح سنن ابن ماجه ج ا ص ۲۷۲، رقم ۳۸۳۶)

[755] (دلیل الاحسان ص ۴)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اپنے زمانے میں ہر سال قبورِ شہداء رضی اللہ عنہم پر جایا کرتے تھے۔[756]

اس حدیث سے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا ہر سال شہیدوں رضی اللہ عنہ کی قبروں پر جانا ثابت ہوا جو کہ عرس کی اصل ہے۔

فخر الملت والدین امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث کو تفسیر کبیر میں نقل کرتے ہیں:

عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یأتی قبور الشھداء ث علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعة ث ھکذا کانوا یفعلون۔

یعنی رسول اللہ ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور پر تشریف لے جاتے، پھر کہتے، سلامتی ہو تم پر بعوض اس کے جو تم نے صبر کیا پس اچھا ہوا آخری ٹھکانہ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے اپنے زمانے میں ہر سال قبور شہداء رضی اللہ عنہ پر جایا کرتے تھے۔[757]

مولوی شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

---

[756] (ج ۱۳، ص ۹۲)

[757] (تفسیر کبیر ج ۱۹، ص ۴۵، تفسیر درمنثور، ج ۴، ص ۵۸، تفسیر قرطبی، ج ۹، ص ۳۱۲)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر سال کے آغاز میں قبور شہداء رضی اللہ عنہ پر تشریف لے جاتے اور فرماتے:

"سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔"

یہی طرزِ عمل ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، اور عثمان رضی اللہ عنہ کا رہا۔[758]

مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس حدیث کو عرس کے ثبوت و جواز میں بطور اصل کے پیش کیا ہے۔

فرماتے ہیں:

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انه کان یأتی قبور الشهدآء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعة رضی اللہ تعالیٰ عنه هٰکذا کانوا یفعلون۔[759]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ہر سال شہداء احد کی قبور پر تشریف لیجانا اور پھر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنے اپنے زمانے میں اس سنتِ مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر عمل پیرا رہنا عرس بزرگانِ دین رضی اللہ عنہم کی اتنی زبردست دلیل ہے کہ جس کو کسی صورت میں نہ تو رد کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کر دینے کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ ہر سال عرس اور برسی منانے کو شرک و بدعت وغیرہ کہنے والوں کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے، کہ سنتِ مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو تمسخر و استہزاء کی

---

[758](تفسیر عثمانی حاشیہ نمبر ٦، ص ٣٣٤)

[759](فتاوی عزیزی ج ١، ص ٤٩)

نظر سے دیکھنا اور دین سرورِ دو عالم اکو اس قدر سنگین مذاق کا شکار بنانا انہیں کس طرف لے جارہا ہے۔اس کے علاوہ دیگر کتب معتبرہ میں بھی عرس کے جواز پر تصریح موجود ہے۔مثلاً[760]

فصل دربیان
فوتگی کے بعد سات دن تک صدقہ کرنا

بعض علماء میت کے گھر میں ساتویں دن تک خیرات کرنے کو ناجائز اور حرام اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ میت کے لئے پہلے سے ساتویں دن تک، جمعہ کی رات، چالیسویں دن اور برسی میں خیرات کرنا بالکل درست، جائز اور رواہے۔اور اس کا ثواب بھی میت تک پہنچتا ہے۔اور اس کا مخالف فرقہ معتزلہ وہابیہ ہے۔

عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن الرجل من الانصار قال خرجنامع رسول اللہ ﷺ فی جنازۃ فرأیت رسول اللہ ﷺ: وھو علی القبر یوصی الحافر ویقول اوسع من قبل رجلیہ اوسع من قبل رأسہ فلمارجع استقبلہ داعی امرأتہ، فاجاب ونحن معہ وجئ بالطعام ووضع یدہ ثم وضع القوم: فاکلوا فنظرنا الیٰ رسول اللہ ﷺ یلوک لقمۃ فی فیہ ثم قال اجد لحم شاۃ اخذت بغیر اذن اھلھا: فارسلت المرأۃ تقول یا رسول اللہ ﷺ انی ارسلت الی النقیع وھو موضع یباع فیہ الغنم لیشتری لی شاۃ فلم تجد فارسلت الی جارلی قد اشتری شاۃ ان یرسل بھا الیّ بثمنھا فلم یوجد فارسلت الیٰ امرأۃ فارسلت الیّ بھا فقال رسول اللہ ﷺ اطعمی ھذا الطعام الاسریٰ رواہ ابو داؤد والبیھقی فی دلائل النبوۃ۔[761]

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری آدمی سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنازے میں گئے میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ قبر پر

[760] (۱)تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۱۱ ۵، (۲)تفسیر کشاف (ج ۲، ص ۲۷ ۵ ۴) (۳)روح المعانی ج ۷، ص ۱۴۵ ۔(۴)شرح الصدور ص ۸۷، (۵)ارشاد الساری لملاعلی قاری، ص ۳۴۷ (۶)البدایہ والنہایۃ (ج ۳، ص ۸۹)
[761] (مشکوۃ شریف ص ۵۴۴)

گورکن سے فرمارہے ہیں کہ اس قبر کو سر اور پاؤں کی طرف سے کشادہ کر دو۔ جب آپ واپس تشریف لائے تو مرحوم کی بیوی کی طرف سے ایک آدمی جو آپ ﷺ کو بلانے کیلئے آیا تھا، آپ ﷺ سے ملا جب آپ ﷺ اس آدمی کے گھر پہنچے تو کھانا لایا گیا جو آپ ﷺ کے اور لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ وہ کھانا لوگوں نے کھایا اور آپ ﷺ اپنے منہ میں لقمہ چبانے لگے پھر فرمایا مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جسے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر پکڑا گیا ہے، اس عورت نے آپ ﷺ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے بکری کی خریداری کے لئے ایک آدمی بھیجا تھا لیکن مجھے وہاں سے بکری نہ ملی پھر میں نے اپنے پڑوسی کو کہلا بھیجا کو جو بکری آپ خرید کر لائے ہیں وہ مجھے قیمتاً دے دیں مگر وہ آدمی نہ ملا پھر میں نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا تو اس عورت نے مجھے بکری بھجوادی، آپ ﷺ فرمایا کہ اسے قیدیوں کو کھلا دو۔

اس حدیث میں واضح طور پر ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو میت کے گھر والوں نے بلایا اور حضور ﷺ نے اس کی دعوت قبول فرمائی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وہ کھانا بھی کھایا اور وہ لقمہ جو حضور ﷺ نے اپنے منہ میں ڈالا تھا اسے باہر نہیں گرایا۔ مرقات میں امرأۃ کی جگہ "امرأۃ المیت" اور ابوداؤد میں "امرأۃ" آیا ہے۔ ابوداؤد میں جو لفظ "امرأۃ" آیا ہے یہاں تنوین عوض کی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ عورت میت کی بیوی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر امرأۃ لفظ عام لیا جائے تو یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ یہ میت کی بیوی نہ تھی بلکہ اور کوئی تھی۔ جب اس میں یہ احتمال پیدا ہوا **اذا جآء الاحتمال بطل الاستدلال**۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں شامل ہیں اور تمام محدثین کے نزدیک یہ میت کی بیوی تھی۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ میت کے پیچھے پہلی رات میں صدقہ کرنا جائز ہے۔

وھکذا الشیخ المحدث عبد الغنی الدھلوی شارح ابن ماجہ حیث قال اما صنعۃ الطعام من اھل المیت اذا کان للفقراء فلا بأس بہ لان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل دعوۃ امرأۃ المیت التی مات زوجھا کما فی سنن ابی داؤد ص ۴۷۳۔[762]

”حضرت شیخ محمد شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی فرماتے ہیں کہ کھانا اگر میت کے ورثاء فقراء کے لئے تیار کریں تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تحقیق دعوت قبول فرمائی رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی جس کا شوہر فوت ہو گیا تھا۔ یہ سنن ابی داؤد شریف میں ہے۔“

اس سے ظاہر ہوا کہ اگر میت کے ورثاء بخوشی کھانا کھلائیں تو کوئی حرج نہیں۔

وھکذا قال عبد الحق المحدث الدھلوی والمستحب ان یتصدق عن المیت بعد ذھابہ من الدنیا الی سبعۃ ایام۔[763]

والسنۃ ان یتصدق ولی المیت قبل مضی اللیلۃ الاولیٰ بشیٔ ممّا تیسّر لہ فان لم یجد شیئاً فلیصل رکعتین۔[764]

طریقہ مسنونہ یہ ہے کہ میت کے ورثاء صدقہ کریں پہلی رات گزرنے سے پہلے جس قدر بھی ان کے لئے آسان ہو۔ اگر ان کو کچھ میسر نہ ہو تو دو رکعت نفل ہی پڑھ کر اس کی روح کو بخش دیں۔ ثابت ہوا کہ صدقہ میت کی پہلے رات گزرنے سے پہلے نہایت مفید ہے۔

فصل دربیان
شلوار کوٹخنوں سے اوپر رکھنا

بعض علماء پاجامہ یا شلوار اوپر کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ پاجامہ کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا منافق ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا منافق کی

[762] (انجاح الحاجۃ شرح ابن ماجہ شریف مولفۂ عبد الغنی ص ۱۱۷)
[763] (اشعۃ اللمعات ص ۲۳۴، ج ۱)
[764] (طحطاوی ۳۳۸، برھنہ ۳۶۳، ج ۱، شرح شرعۃ الاسلام و شرح ہاص ۵۶۸)

علامت اپنے پاجامے کو لمبا کرنا ہے تو جس شخص نے اپنے پاجامے کو لمبا کیا حتیٰ کہ قدموں کے نیچے گھسٹتا ہے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اور جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو اس کے لئے دوزخ ہے۔[765]

ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والوں کے لئے دردناک عذاب

حضرت ابو ذرر ضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے اشخاص ایسے ہیں کہ نہ اللہ تعالیٰ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف قیامت کے دن (رحمت کی) نظر سے دیکھے گا اور نہ ان کا تزکیہ فرمائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو یقیناً ناکام ہوگئے اور خسارہ میں پڑ گئے، آپ نے یہ جملہ تین بار دہرایا، میں نے پھر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو ناکام ہوگئے اور خسارہ میں پڑگئے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۱) ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، (۲) احسان جتلانے والا،

(۳) جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا مغفرت سے محروم

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہے کہ لیلۃ برأت (شب برأت، نصف شعبان کی رات) میں بھی ایسا شخص اللہ کی رحمت اور مغفرت سے محروم رہتا ہے، چنانچہ مظاہر حق میں حدیث نقل کی گئی ہے۔

[765] (کنز العمال ج ۱۵، ص ۳۱۷، حدیث نمبر ۴۱۱۹۸)

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب میں سب بخشے جاتے ہیں مگر (۱) والدین کی نافرمانی کرنے والا، (۲) ہمیشہ شراب پینے والا، (۳) ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانے والا نہیں بخشا جاتا۔[766]

فصل در بیان
داڑھی پر کالا خضاب لگانا

بعض علماء داڑھی کو کالا کرتے ہیں حالانکہ داڑھی کو کالا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح مذہب میں ہے کہ داڑھی اور سر کے بالوں پر کالا رنگ لگانا حرام ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو گناہ کبیرہ کہا ہے۔ صرف مجاہدین کے لئے اس کا جواز ہے۔ سیاہ رنگ کی حرمت اور کراہت پر احادیثِ صحیحہ اور عباراتِ فقہاء موجود ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ یکون قوم یخضبون فی أخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے جیسے جنگلی کبوتروں کے پوٹے، وہ جنت کی بو نہ سونگھیں گے۔[767]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما انّ النبیّ ﷺ قال یکون فی أخر الزمان قوم یسودون اشعارھم لا ینظر اللہ الیھم۔

---

[766] (مظاہر حق: ص ۴۹۵، ج ۳، کتاب اللباس)

[767] (خلاصہ الفتاویٰ مع مجموعۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۵۱، الترغیب والترھیب ج ۳ ص ۶۸، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ ھ، شرح صحیح مسلم للسعیدی ج ۶ ص ۴۱۴، سنن ابی دائود ج ۲ ص ۲۲۶ مطبع کابل، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۷۷، احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۴۳)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہو گی جو اپنے بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگے گی۔ اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ان کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔[768]

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے:

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ الصفرۃ خضاب المؤمن والحمرۃ خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زرد رنگ مؤمن کا خضاب ہے، سرخ رنگ مسلم کا خضاب ہے اور سیاہ رنگ کافر کا خضاب ہے۔[769]

عن ابی الدرداء ص ، قال: قال رسول اللہ ﷺ من خضب بالسواد سود اللہ وجهه یوم القیامۃ۔

ترجمہ: حضرت ابی درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سیاہ خضاب لگایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا چہرہ سیاہ کر دے گا۔[770]

عن مجاھد ص انہ کرہ الخضاب بالسواد و قال اول من خضب بہ فرعون۔

ترجمہ: حضرت مجاہد ص سے مروی ہے کہ وہ سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سب سے پہلے فرعون نے سیاہ خضاب لگایا تھا۔[771]

---

[768] (رواہ الطبرانی فی الاوسط و اسنادہ جید، مجمع الزوائد ج۵ ص ۱۶۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)
[769] (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۴۳، المستدرک للحاکم ج۳ ص ۵۲۶، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۳ امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)
[770] (خلاصۃ الفتاویٰ مع مجموعۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۵۱، مجمع الزوائد للهیثمی ج۵ ص ۱۶۳، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۳)
[771] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ ص ۲۵۱)

عن ایوب قال سمعت سعید بن جبیر صوسئل عن الخضاب بالوسمة فکرھه فقال یکسو اللہ العبد فی وجھه النور ثمّ یطفئه بالسواد۔

ترجمہ: ایوب بیان کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے سیاہ خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے چہرے میں نور کا لباس پہناتا ہے اور وہ اس نور کو سیاہی سے چھپا دیتا ہے۔[772]

عن انس بن مالک رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ غیّر و الشیب و لا تقربوا السواد۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بڑھاپا تبدیل کرو اور سیاہ رنگ کے قریب نہ جاؤ۔[773]

عن عامر رضی اللہ عنه مرسلاً: قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ تعالیٰ لا ینظر الیٰ من یخضب بالسواد یوم القیامة۔

ترجمہ: حضرت عامر ﷺ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو سیاہ خضاب لگائے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا۔[774]

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنه قال اتی بابی قحافة یوم فتح مکه ورأسه ولحیته کالشغامة بیاضاً قال رسول اللہ ﷺ غیرو اھذا بشیئٍ واجتنبوا السواد۔[775]

---

[772](مصنف ابن ابی شیبه ج۸ ص ۲۵۲)

[773](المسند لاحمد بن حنبل ج۳ ص ۲۴۷، جامع الاحادیث ج۴ ص ۲۵)

[774](کنز العمال للمتقی ج۶ ص ۶۷۱، جامع الاحادیث ج۴ ص ۲۵)

[775](سنن ابی دائود ج۲ ص ۲۲۲، سنن نسائی ج۲ ص ۲۷۷، ریاض الصالحین ص ۵۶۸ باب ۲۹۴)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا در آں حالیکہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید پھولوں کی طرح سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو کسی چیز سے متغیر کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔

فصل در بیان
سجدہ میں تکلفاً پیشانی رگڑ کر اس پر کالا داغ بنانا

بعض علماء و عوام اپنی پیشانیوں اور ناک پر کباب کی طرح مضبوط کالا نشان بناتے ہیں، تاکہ لوگوں پر اپنی پرہیز گاری ظاہر کریں۔ حالانکہ یہ خوارج کی علامت ہے۔

تفسیر الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۸۹ مکتبہ نوریہ رضویہ میں اس آیت کریمہ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ کے تحت لکھا ہے:

اختلف فی تلک السیما فقیل انّ مواضع سجودھم یوم القیٰمۃ تری کالقمر لیلۃ البدر وقیل ھو صفرۃ الوجوہ من سھر اللّیل وقیل الخشوع الذی یظھر علیٰ الاعضاء حتّٰی یتوأی انّھم مرضیٰ ولیسوا بمرضیٰ ولیس المراد بہ ما یصنعہ بعض الجھلۃ المرائین من العلامۃ فی الجبھۃ فانّہ من فعل الخوارج۔ وفی الحدیث انی لأبغض الرّجل واکرھہ اذا رأیت بین عینیہ اثر السجود۔

ترجمہ: اختلاف کیا گیا ہے اس علامت کے بارے میں پس بعض نے کہا ہے کہ ان کے سجدے کی جگہ قیامت کے دن چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہو گی اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ علامت چہرے کی زردی ہے۔ شب بیداری کی وجہ سے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ خشوع جو ان کے اعضاء پر ظاہر ہو اور وہ مریض دکھائی دے۔ حالانکہ وہ مریض نہیں ہوتے۔ اور اس علامت (سیما) سے مراد وہ نہیں ہے جو بعض جاہل ریاکار کرتے ہیں، جیسے کہ پیشانی پر نشانی بنا دیتے ہیں۔ اس لئے کہ اپنی پیشانی پر سجدے کا اثر ظاہر کرنے کے لئے نشان بنانا خوارج کا فعل ہے۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) میں ناپسند کرتا ہوں اور مکروہ جانتا ہوں اس شخص کو جس کی آنکھوں کے درمیان سجدے کا اثر دیکھتا ہوں۔

عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ پیشانی پر یہ نشان خوارج کی علامت ہے۔

فصل در بیان
انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب

بعض علماء و فرقے والے کہتے ہیں کہ جو ہمارے ساتھ تبلیغ میں تشکیل میں جائے گا، اس کو ایک نماز کے بدلے انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ بیت اللہ شریف کے لئے نکلنے والوں کی حرم بیت اللہ شریف میں ایک نماز، ایک لاکھ نمازوں کا اجر رکھتی ہے، کسی آیت یا حدیث سے ثبوت نہیں، اور نہ یہ کسی باشعور مسلمان کا عقیدہ ہے، اور نہ کوئی اس بات کو روا و جائز سمجھتا ہے، بلکہ حرمِ بیت اللہ شریف پر ایسے مقام کو فوق سمجھنا اور افضلیت دینا اور ایسے مقام کے لئے نکلنے والوں کو ایسا درجہ دینا بے وقوفی اور ہٹ دھرمی کی انتہاء ہے اور تخفیف حرمِ بیت اللہ شریف ہے۔[776]

فصل در بیان شرعی تعویذات
شرعی تعویذوں کا بیان

بعض علماء تعویذ کو شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ شرعی اور صحیح تعویذ حضور علیہ الصلوۃ والسلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین، وفقہاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا فزع احدکم فی نومہ فلیقل بسم اللہ اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ و سوء عقابہ و من شر عبادہ و من شر

---

[776] (اخراج المنافقین عن مساجد المؤمنین، ص ۵، مجموعہ رسائل ج ۲ ص ۲۹۵)

الشیاطین و ان یحضرون فکان عبداللہ یعلمھا ولدہ من ادرک منھم و من لم یدرک کتبھا وعلقھا علیہ۔[777]

"عمرو بن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد سے اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی خواب میں ڈر جائے تو یہ کلمات کہے (بسم اللہ اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبہ و سوء عقابہ و من شر عبادہ و من شر الشیاطین و ان یحضرون) حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اپنے بچوں کو جو ان میں سے بالغ تھے یہ کلمات یاد کراتے تھے اور جو بالغ نہیں تھے ان کیلئے لکھ کر ان کے گلے میں ڈالتے تھے۔"

عن ابن عباس قال اذا عسر علی المرأۃ ولدھا فیکتب ھاتین الآیتین و الکلمات فی صفحۃ ثم تغسل فتسقی منھا بسم اللہ لا الہ الا ھو الحلیم الکریم سبحان اللہ ربّ السمٰوٰت السبع و رب العرش العظیم کأنھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحاھا کأنھم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار بلاغ فھل یھلک الا القوم الفاسقون۔

"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ جب کسی عورت پر پیدائش اولاد سخت ہو جائے تو یہ دو آیات کسی کاغذ پر لکھے اور پھر دھو کر پی لے۔ (بسم اللہ لا الہ الا ھو الحلیم الکریم سے آخری آیت الا القوم الفاسقون تک)۔"[778]

عن عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا قالت لا باس بتعلیق التعویذ من القرآن قبل نزول البلاء و بعد نزول البلاء۔

ترجمہ: "حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ قرآن سے تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنے سے کوئی حرج نہیں خواہ بیماری سے قبل ہو یا بعد میں۔"[779]

---

[777] (مصنف ابن ابی شیبہ جص ۳۹، ج ۱۰، تفسیر قرطبی ص ۳۱۹ ج ۱۰، ابو دائود ج ۲ ص ۱۸۷، مشکوۃ شریف ص ۲۱۷، ج ۱)

[778] (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۲۷ ج ۸، کنز العمال ص ۶۴، ج ۱۰)

[779] (کنز العمال ص ۲۷ ج ۱۰)

عن علی رضی اللہ عنہ قال من کتب یٰس ثم شربھا دخل فی جوفہ الف نور و الف برکۃ و الف دواء و خرج منہ الف داء۔

ترجمہ: "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے سورہ یٰسٓ لکھی پھر پی لی تو اس کے پیٹ میں ہزار نور، ہزار برکتیں اور ہزار دوائیں داخل ہوئیں اور اس سے ہزار بیماریاں نکل گئیں۔"[780]

عن یونس بن حباب قال سألت أبا جعفر عن التعویذ یعلق علی الصبیان فرخص فیہ۔

ترجمہ: "حضرت یونس بن حباب سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر ابو جعفر رضی اللہ عنہما سے تعویذ کے بارے میں پوچھا جو بچوں کے گلے میں ڈالا جاتا ہے انہوں نے اس کی اجازت دی۔"[781]

عن جویبر عن الضحاک لم یکن یریٰ بأسا ان یعلق الرجل الشیء من کتاب اللہ اذا وضعہ عند الغسل و عند الغائط۔

"حضرت جویبر امام ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اس میں کوئی گناہ نہیں دیکھتے تھے کہ ایک آدمی کتاب اللہ سے کچھ لکھ کر اپنے پاس رکھے جبکہ غسل اور پاخانہ کے وقت نکال کر باہر رکھ دیا کرے۔"[782]

عن لیث عن عطاء قال لا بأس ان یعلق القرآن۔

"لیث رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عطاء رحمہ اللہ قرآنی تعویذ میں کوئی گناہ نہیں دیکھتے تھے۔"[783]

عن اسماعیل بن مسلم عن ابن سیرین انہ کان لا یری بأسا بالشیء من القرآن۔[784]

---

[780](کنز العمال ص ۱۵۹، ج ۱)
[781](مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۴۰، ج ۸)
[782](مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۴۰ ج ۸)
[783](مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۴۰ ج ۸)
[784](مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۰، ج ۸)

”اسماعیل بن مسلم حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قرآنی تعویذ میں کوئی گناہ نہیں دیکھتے تھے۔“

خاتمۃ المحققین وعمدۃ المدققین مرجع اہل العراق ومفتی بغداد العلامۃ ابی الفضل شہاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی المتوفیٰ ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں:

وقال مالک: لا بأس بتعليق الكتب التي فيها أسماء الله تعالى على أعناق المرضى على وجه التبرک بها إذا لم يرد معلقها بذلک مدافعة العين، وعنى بذلک أنه لا بأس بالتعليق بعد نزول البلاء رجاء الفرج والبرء.

كالرقي التي وردت السنة بها من العين، وأما قبل النزول ففيه بأس وهو غريب، وعند ابن المسيب يجوز تعليق العوذة من كتاب الله تعالى في قصبة ونحوها وتوضع عند الجماع، وعند الغائط ولم يقيد بقبل أو بعد، ورخص الباقر في العوذة تعلق على الصبيان مطلقا، وكان ابن سيرين لا يرى بأسا بالشيء من القرآن يعلقه الإنسان كبيرا أو صغيرا مطلقا، وهو الذي عليه الناس قديما وحديثا في سائر الأمصار۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسا تعویذ مریضوں کے گلے میں بطور تبرک ڈالنے میں کوئی حرج نہیں جس میں اسماءالٰہی ہوں جبکہ اس سے مدافعۃ العین کا ارادہ نہ کرے میری مراد یہ ہے کہ نزول مراد کے بعد تعویذ لٹکانے میں کوئی حرج نہیں اس امید پر کہ تکلیف اور بیماری دور ہو گی۔ جیسا کہ نظر کے بارے میں جن کے بارے میں سنت وارد ہوئی ہے۔ جبکہ نزول بلا سے پہلے میں حرج ہے امام مالک کا یہ حکم غریب ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک کتاب اللہ میں سے لکھا ہوا تعویذ ڈبیہ وغیر میں بند کر کے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں جماع (ہم بستری) اور بیت الخلا جاتے وقت اتار دیا جائے انہوں نے نزول بلا سے قبل اور بعد کی کوئی قید نہیں لگائی۔ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے بچوں کو مطلقاً تعویذ لٹکانے کی اجازت دی ہے اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس میں کوئی

حرج نہیں سمجھتے تھے کہ قرآن پاک میں سے لکھاہوا تعویذ انسان کو لٹکایا جائے چاہے بڑا ہو یا چھوٹا اسی پر پرانے اور نئے زمانے کے تمام شہروں کے لوگوں کا عمل ہے۔[785]

علامہ الدمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم نے مجھے خبر دی ہے کہ:

أن أسماء الفقهاء السبعة، الذين كانوا بالمدينة الشريفة، إذا كتبت في رقعة وجعلت في القمح فإنه لا يسوس، ما دامت الرقعة فيه، وهم مجموعون في قول الأول:

ألا كلّ من لا يقتدي بأيمة فقسمته ضيزى عن الحق خارجه

فخذهم عبيد الله عروة قاسم سعيد أبو بكر سليمان خارجه

مدینہ منورہ کے سات فقہاء کے نام کاغذ میں لکھ کر گندم میں رکھے جائیں تو جب تک وہ کاغذ گندم میں رہے گا اس گندم کو گھن (اور کیڑے) نہیں لگے گی اور ان فقہاء کے نام یہ ہیں: عبید اللہ رضی اللہ عنہ، عروہ رضی اللہ عنہ، قاسم رضی اللہ عنہ، سعید رضی اللہ عنہ، ابو بکر رضی اللہ عنہ، سلیمان رضی اللہ عنہ، خارجہ رضی اللہ عنہ۔[786]

علامہ الدمیری رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

وأفادني بعض أهل التحقيق، أن أسماءهم إذا كتبت وعلقت على الرأس، أو ذكرت عليه أزالت الصداع العارض له۔

ترجمہ: بعض اہل تحقیق نے مجھے بتایا ہے کہ ان فقہاء کے نام لکھ کر سر پر لٹکا دیا جائے یا ان سے دم کیا جائے تو سر کا درد دور ہو جاتا ہے۔[787]

[785](تفسیر روح المعانی، سا ورۃ الاسراء تحت الآیۃ ۱۱-۷۳، ج۸ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)
[786](حیاۃ الحیوان ج ۲ ص ۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت)
[787](حیاۃ الحیوان ج ۲ ص ۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ حسن محمد بن حسین نظام الدین تفسیر نیشاپوری میں فرماتے ہیں:

عن ابن عباس: أن أسماء أصحاب الكهف تصلح للطلب والهرب وإطفاء الحريق تكتب في خرقة ويرمى بها في وسط النار، ولبكاء الطفل تكتب وتوضع تحت رأسه في المهد، وللحرث تكتب على القرطاس وترفع على خشب منصوب في وسط الزرع، وللضربان وللحمى المثلثة والصداع والغنى والجاه، والدخول على السلاطين تشد على الفخذ اليمنى، ولعسر الولادة تشد على فخذها الأيسر، ولحفظ المال والركوب في البحار والنجاة من القتل۔

ترجمہ: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اصحاب کہف کے نام تحصیل نفع ودفع ضرر اور آگ بجھانے کے واسطے ایک پرچے پر لکھ کر آگ میں ڈال دیں اور اگر بچہ روتا ہو لکھ کر جھولے میں اس کے سر کے نیچے رکھ دیں اور کھیتی کی حفاظت کیلئے کاغذ پر لکھ کر کھیت کے درمیان میں ایک لکڑی گاڑ کر اس پر باندھ دیں اور رگیں ٹپکنے اور باری والے بخار اور درد سر اور حصول تونگری ووجاہت اور سلاطین کے پاس جانے کیلئے دہنی ران پر باندھیں اور دشواری ولادت کیلئے عورت کی بائیں ران پر نیز حفاظت مال اور دریا کی سواری اور قتل سے نجات کیلئے۔[788]

شرح مواہب اللدنیہ للعلامۃ الزرقانی میں ہے:

إذا كتب أسماء أهل الكهف في شيء وألقي في النار أطفئت۔

یعنی جب اصحاب کہف کے نام لکھ کر آگ میں ڈالے جائیں تو آگ بجھ جاتی ہے۔[789]

امام ابن الحاج رحمہ اللہ اپنی کتاب مدخل میں فرماتے ہیں:

أَنَّ وَلَدَهُ مَرِضَ مَرَضًا شَدِيدًا قَالَ: حَتَّى أَيِسْتُ مِنْهُ وَاشْتَدَّ الْأَمْرُ عَلَيَّ فَرَأَيْت النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي الْمَنَامِ فَشَكَوْت لَهُ مَا بِوَلَدِي فَقَالَ لِي: أَيْنَ أَنْتَ مِنْ آيَاتِ الشِّفَاءِ؟ فَانْتَبَهْت

---

[788](تفسیر غرائب القرآن، ذکر اسماء اهل کهف ج۵ ص ۱۱۰)

[789](شرح زرقانی علی المواهب اللدنية المغسل الثامن ج۷ ص ۱۰۸ مطبوعة بیروت)

فَفَكَّرت فِيهَا فَإِذَا هِيَ فِي سِتَّةِ مَوَاضِعَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَهِيَ قَوْلُه تَعَالَى {وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ} [التوبة:14]. {وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ} [يونس:57]. {يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ} [النحل: 69]. {وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ} [الإسراء: 82]. {وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ} [الشعراء: 80]. {قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ} [فصلت: 44] قَالَ: فَكَتَبْتهَا فِي صَحِيفَةٍ ثُمَّ حَلَلْتهَا بِالْمَاءِ وَسَقَيْته إيَّاهَا فَكَأَنَّمَا نَشِطَ مِنْ عِقَالٍ۔

شیخ ابو القاسم رحمہ اللہ کا بیٹا شدید بیمار ہو گیا وہ فرماتے ہیں کہ اتنا بیمار ہوا کہ میں اس سے مایوس ہو گیا یہ معاملہ مجھ پر سخت ہو گیا میں نے خواب میں نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی زیارت کی اور میں نے اپنے بیٹے کی بیماری کا عرض کیا تو حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم آیات شفاء سے شفاء حاصل کیوں نہیں کرتے فرماتے ہیں کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے غور کیا تو وہ کتاب اللہ میں چھ جگہوں پر تھیں اور وہ یہ ہیں ۔ {وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ} [التوبة: 14]. {وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ} [يونس: 57]. {يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ} [النحل: 69]. {وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ} [الإسراء: 82]. {وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ} [الشعراء:80]. {قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ} [فصلت:44]

شیخ ابو القاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان آیات کو ایک کاغذ میں لکھا اور پانی میں گھول کر اپنے بیٹے کو پلا دیا ایسا لگا گویا کہ اس کے پاؤں سے گرہ کھل گئی ہو یعنی اسے شفاء مل گئی۔[790]

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ: يَجُوزُ تَعْلِيقُ الْعُوذَةِ فِي قَصَبَةٍ أَوْ رُقْعَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَيَضَعُهُ عِنْدَ الْجِمَاعِ وَعِنْدَ الْغَائِطِ وَرَخَّصَ الْبَاقِرُ فِي الْعُوذَةِ تُعَلَّقُ عَلَى الصِّبْيَانِ وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ لَا يَرَى بَأْسًا بِالشَّيْءِ مِنَ الْقُرْآنِ يُعَلِّقُهُ الْإِنْسَانُ۔

---

[790] (المدخل لابن حاج مکی فصل طب الابدان والرقی الواردة ج۴ ص ۱۲۱)

ترجمہ: سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قرآنی تعویذ کو کسی ڈبیہ یا کاغذ میں لپیٹ کر لٹکانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ تعویذ جماع اور بیت الخلاء جاتے وقت اتار دیا جائے۔ امام باقر رضی اللہ عنہ نے بچوں کو تعویذ لٹکانے کی رخصت دی ہے امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ قرآن میں سے کچھ لکھ کر کسی انسان کے گلے میں لٹکایا جائے۔ [791]

اگر کوئی مزید تفصیل چاہے تو وہ ان حوالہ جات کا مطالعہ کرے: [792]

فصل در بیان انکار اولیاء اللّٰہ

اولیاء اللّٰہ کے انکار کرنے کے بیان میں

بعض علماء و عوام اولیاء اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے:

ویکفی فی عقوبۃ المنکر علی الاولیاء قولہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی الحدیث من اذی لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب ای اعلمتہ انی محارب لہ ومن حارب اللہ تعالیٰ لا یفلح ابداً وقد قال العلماء لم یحارب اللہ عاصیاً الا المنکر علی الاولیاء واکل الرباء وکل منہما یخشی علیہ خشیۃ قریبۃ جدا من سوء الخاتمۃ اذ لا یحارب اللہ تعالیٰ الا کافر۔ انتہیٰ۔

"اولیاء اللہ کے منکر کے لئے یہ سزا کافی ہے جو حدیث قدسی میں مذکور ہے کہ جس نے میرے ولی کو اذیت دی تو میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں یعنی اس کو یہ بتا دیتا ہوں کہ میں اس سے لڑنے والا ہوں اور جس سے اللہ تعالیٰ جنگ کرے گا وہ کبھی بھی کامیاب نہ ہو سکے گا۔ علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی اور گناہ کرنے والے سے نہیں لڑتا سوائے اولیاء اللہ کے منکر اور سود کھانے والے سے اور ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ برا ہونے کا خطرہ ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف کافر ہی لڑتا ہے۔"

---

[791] (البحر المحیط في التفسیر ص ۱۰۴ ج۷ دار الفکر بیروت)

[792] (تفسیر القرطبی ص ۳۱ ج ۱، ص ۳۱۹-۳۲۰ ج ۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۷-۲۸ ج ۸، ص ۳۹-۳۷، ج ۸، ص ۵۰ ج ۸، تفسیر روح المعانی ص ۱۴۵، ۱۴۶، ج ۱۵، کنزل العمال ص ۱۰۰، ج ۱۰، ص ۵۹۰ ج ۱، ص ۶۰، ج ۱۰، تفسیر مظھری ص ۱۵۶ ج ۶، التبیان فی دقائق السلوک والاحسان، ویلیہ الدلیل العزیز فی تعلیق التعویذ)

علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقۃ الندیہ میں فرماتے ہیں کہ ایک ولی سے بھی انکار کرنا ہے اگرچہ دیگر تمام اولیاء پر اعتقاد رکھتا ہو جیسا کہ تمام انبیاء پر ایمان لانا اور ایک نبی سے انکار کرنا کفر ہے۔

عبارت ملاحظہ ہو:

و الحاصل ان الانکار بالقلب او باللسان علیٰ احد من اولیاءاللّٰہ تعالیٰ الذین ہم العلماء العاملون و سواء کانو احیاء او کانوا موتیٰ۔ و کلھم احیاء عند من یعرفھم بحیاۃاللّٰہ تعالیٰ لا بانفسھم و کلھم موتی عن حیاتھم بانفسم سو آء عرفھم من ینکر علیھم او لم یعرفھم و انکر مالم یعرف من احوالھم الصحیحۃ و افعالھم المستقیمۃ عنداللّٰہ فھو کفر صریح و المنکر کافر باجماع المسلمین علی مقتضی جمیع مذاھب اھل الاسلام لانہ انکر دین الاسلام و الشریعۃ المحمدیۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: "خلاصہ یہ ہے کہ کسی ایک ولی اللہ سے قلباً یا لساناً انکار کرنا کہ وہ ولی اللہ علماء عاملین سے ہو خواہ وہ ولی اللہ زندہ ہو یا وفات پا چکا ہو۔ اور تمام اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کی حیات سے زندہ ہیں ان کے نزدیک جو ان کے احوال سے واقف ہیں اور نفس کے اعتبار سے زندہ نہیں ہیں خواہ منکرین اس ولی اللہ کے احوال صحیحہ اور افعال مستقیمہ عند اللہ سے واقف ہوں یا نہ ہوں، پس یہ انکار اولیاء کفر صریح ہے اور منکر اولیاء مسلمانوں کے اجماع کے مطابق اور تمام مذاہب اہل اسلام کی رو سے کافر ہے کیونکہ اس منکر نے دین اسلام اور شریعت محمدی ﷺ سے انکار کیا۔"[793]

[793](حدیقۃ الندیہ صفحہ ۲۴۱، ج۱۰)

فصل در بیان
بیس رکعات تراویح

بعض علماء بیس رکعات تراویح کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ سنن الکبریٰ للبیہقی میں لکھا ہے:

وروی البیھقی باسنادٍ صحیحٍ عن سآئِب بن یزید قال کانوا یقومون علیٰ عھد عمر رضی اللّٰہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعةً۔

''امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔''[794]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وروٰی مالکؒ عن السّآئب بن یزید عشرین رکعةً۔

''اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات نقل کی ہیں۔''[795]

عن حسینٍ عبد العزیز بن رفیع قال کان ابیّ بن کعبٍ یصلّی بالنّاس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعةً ویوتر بثلاثٍ۔[796]

''حسین عبد العزیز بن رفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیّبہ میں لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات پڑھاتے تھے، اور تین رکعات وتر ادا کرتے تھے۔''

عن یزید بن رومان قال کان النّاس یقومون فی زمان عمر بن الخطّاب رضی اللّٰہ عنہ فی رمضان بثلاثٍ وّعشرین رکعةً۔

---

[794] (بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)
[795] (فتح الباری ج ۵ ص ۱۵۷، وکذافی مختصر قیام اللیل وقیام رمضان ص ۱۵۷، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ھل)
[796] (مصنف ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۹۳)

"یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں رمضان میں تیئس رکعات پڑھتے تھے۔" (بیس تراویح اور تین وتر)[797]

فصل در بیان
لفظ "ضاد" کو "ظا" کے مخرج سے پڑھنا

بعض علماء و قراء حضرات "ضاد" کی جگہ "ظاد" یا مشابہ "ظاد" کر کے پڑھتے ہیں، مثلاً "غیر المغضوب" کی جگہ "غیر المغظوب" پڑھتے ہیں یا پھر "ولا الضآلّین" کی جگہ "ولا الظآلّین" پڑھتے ہیں۔ حالانکہ "ض" کی جگہ "ظ" پڑھنا شرعاً ناجائز ہے۔ اور ایسے بد مذہب کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اگر کسی نے پڑھ لی تو وہ واجب الاعادہ ہے۔

ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۷۸، فصل فی القرآۃ والصلاۃ پر لکھتے ہیں:

وفی المحیط سئل الامام الفضلی عمّن یقرأ الظّاء المعجمة مکان الضّاد المعجمة او یقرء اصحاب الجنّة مکان اصحاب النّار او علی العکس فقال لا تجوز امامته ولو تعمّد یکفر قلت امّا کون تعمّده کفر فلا کلام فیه۔

"امام فضلی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو "ض" کو "ظ" پڑھے۔ یا اصحاب النار کی جگہ اصحاب الجنة یا اس کے برعکس (یعنی اصحاب الجنة کی جگہ اصحاب النار پڑھے) تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا پڑھا تو اس نے کفر کیا۔ میں نے کہا کہ قصداً اس طرح پڑھنا کفر ہے تو اس میں کلام نہیں۔"[798]

---

[797] (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶)

[798] (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۴۸، ج ۴، باب مفسدات نماز، دار الاشاعت کراچی، عزیز الفتاویٰ ص ۱۴۹، فصل فی التجوید، دار الاشاعت، کراچی)

کتاب الاذکار میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ولو قال ولا الضّالّین بالظّاء بطلت صلوٰتہ علیٰ ارجح الوجھین الّا ان یّعجز عن الضّاد بعد التّعلّم فیعذّرہ۔

"اگر کسی نے نماز میں "ولا الضالین" میں "ظ" پڑھا (یعنی "ولا الظالین" پڑھا) تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ راجح قول ہے مگر سیکھنے کے بعد بھی (باوجود کوشش) کے نہ پڑھ سکے تو معذور ہے۔"[799]

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

اگر کوئی "والعٰدیات ضبحًا" کی بجائے "والعٰدیات ظبحاً" ظ سے پڑھے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔[800]

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد مبارک ہے:

عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اقرأوا القرآن بلحون العرب واصواتھا وایاکم ولحون اھل العشق ولحون اھل الکتابین۔

"قرآن پاک عرب کے لہجوں کے مطابق اور ان کی آواز (بولی) پر پڑھو۔ اہل عشق کے لحن اور یہود و نصاریٰ کے لحن سے بچو۔"[801]

ان روایات سے ثابت ہوا قرآن مجید کے حروف کا لہجہ و مخرج وہی صحیح ہے جو اہل عرب ادا کریں۔ الحمد للہ آج بھی عرب جملہ خطّوں میں مصر سمیت یہاں تک کہ وہابیوں کے پیشوا نجدی بھی ظا کے مخرج میں نہیں پڑھتے۔

---

[799](کتاب الاذکار للنووی ص ۳۸)

[800](فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۱۴۱ جلد ۱، کبیری ۴۴۹)

[801](مشکوۃ شریف، ص ۱۹۱، الکامل ابن عدی جلد ۲ ص ۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قاضی عیاض قدس سرہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں:

وقد اجمع المسلمون۔۔۔من نقص منه حرفاً قاصداً لذلک او بدله بحرف آخر مکانه او زادِ فیه حرفاً مما لم یشتمل علیه المصحف الذی وقع الاجماع علیه واجمع علی انه لیس من القرآن عامداً لکل ھذاانه کافر۔

"بے شک اہل اسلام کا اجماع ہے۔۔۔کہ جس نے قرآن کا کوئی حرف عمداً گھٹایا یا اس کے عوض دوسرا بڑھایا یا کوئی ایسا حرف زائد کیا جو مصحف شریف کا نہیں اور عمداً ایسے کیا تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے۔"[802]

یہ لوگ ضاد کو ظاء عمداً پڑھتے ہیں۔ آزما کر دیکھئے۔ جیسے ہم نے بھی آزمایا ہے۔ یہ لوگ خود تو پڑھتے ہی ہیں مگر دوسروں کو ایسے پڑھنے پر مجبور بھی کرتے ہیں اور جو نہیں پڑھتے ان سے ان کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔

عالمگیری میں ہے:

ما کان فی کونه کفرا اختلاف فان قائله یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط۔

"جس مسئلے کے کفر میں اختلاف ہو اس کے قائل کو تجدید نکاح اور توبہ اور اس فعل سے رجوع کرنے کا احتیاطاً حکم کیا جائے گا۔"

عمداً ضاد کو ظا پڑھنے کے کفر میں اختلاف نہیں، بلکہ یقین ہے تو اب اس کے متعلق ناظرین کیا فرمائیں گے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح جزری میں لکھتے ہیں:

قال بحر فلو بدل ضادا بالظاء عامداً ابطلت صلاته علی الاصح لفساد معنیٰ۔

---

[802] (الشفاء شریف حقوق المصطفیٰ فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر الخ ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

"یعنی جو شخص ضاد کے بجائے عمداً ظاء پڑھتا ہے صحیح یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد اور واجب الاعادہ ہے۔"[803]

مسئلہ ضاد کو ظاء پڑھنا شرعی جرم ہے

ضاد کو ظاء یا مشابہ ظاء کر کے پڑھنا غلط ہے اور اس طرح پڑھنے سے نماز ٹوٹ جائے گی ایسا شخص امامت کا اہل نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے جو نماز پڑھی ہے اس کا اعادہ واجب ہے۔ قرآن کریم کے حروف کے ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ضروری ہے اور تمام حروف کے مخارج جدا جدا معین ہیں۔

قرآن پاک میں زیادت کرنا یا تحریف کرنا یا کوئی ایک حرف تبدیل کرنا یہ یہودیوں کا کام ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (النساء ۴۶)

کچھ یہودی کلاموں (ارشاداتِ خداوندی) کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں۔"

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (المائدۃ ۱۳)

"اللہ کی باتوں کو ان کی جگہوں سے پھیرتے ہیں۔"

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (المائدۃ ۴۱)

"اللہ کی باتوں کو ان کی جگہوں سے پھیرتے ہیں۔"

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (آل عمران ۷۸)

[803] (بحوالہ رفع الفساد فی مخرج الظاء والضاد، ص ۲۷، ۲۸)

”اور ان میں کچھ وہ ہیں جو زبان پھیر کر کتاب میں میل کرتے ہیں کہ تم سمجھو یہ بھی کتاب میں ہے اور وہ کتاب میں نہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں اور اللہ پر دیدہ ودانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔“

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا یہ حرام ہے یہ یہودیوں کا کام ہے لہٰذا ضاد کی جگہ ظاد پڑھنا یہ قرآن پاک میں تحریف ہے اور یہ کفر ہے۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے اور اگر کسی نے پڑھی تو وہ نماز واجب الاعادہ ہے۔

عن حذیفة قال رسول اللہ اقرؤوا القرآن بلحون العرب۔[804]

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو جیسے عرب پڑھتے ہیں۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں تمام عرب ضاد پڑھتے ہیں اس طرح مصر کے تمام علماء اور عوام بھی ضاد پڑھتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہئے کہ عرب ممالک کی طرح ضاد کی جگہ ظاء نہ پڑھیں، یعنی **ولاالضالین** کی جگہ **ولاالظالین** نہ پڑھیں۔

ایک حرف کو دوسرے حرف کی طرح پڑھنا ناجائز ہے۔ ض اور ظاء دونوں حرف جدا جدا ہیں۔ ان کے مخارج بھی جدا ہیں۔ لہٰذا جو شخص قصداً یہ جان کر ض کو ظاء پڑھتا ہے کہ قرآن کریم میں اس جگہ یہ حرف اس طرح ہے وہ کافر ہے۔

---

[804] (الکامل ابن عدی ج ۲ ص ۷۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقد اجمع المسلمون . . . من نقص منه حرفاً قاصداً لذلک او بدله بحرف آخر مکانه او زادفيه حرفاً مما لم يشتمل عليه المصحف الذی وقع الاجماع عليه و اجمع على انه ليس من القرآن عامداً لکل هذا انه کافر ۔[805]

ترجمہ: بے شک اہل اسلام کا اجماع ہے... کہ جس نے قرآن کا کوئی حرف عمداً گھٹایا یا اس کے عوض دوسرا بڑھایا یا کوئی ایسا حرف زائد کیا جو مصحف شریف کا نہیں اور عمداً ایسے کیا تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں:

ولو قال: ولا الضّالّين بالظاء بطلت صلاته على أرجح الوجهين إلا أن يعجزَ عن الضاد بعد التعلم فيُعذر.[806]

ترجمہ: اور اگر نماز پڑھنے والے نے ولاالضالین کو ظاء سے پڑھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، دونوں وجوہ کے راجح ہونے کی بناء پر مگر سیکھنے کے بعد ضاد سے اگر عاجز ہو تو معزور ہے۔[807]

ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک بھی ولا الضالین کو ظا سے پڑھنے والے کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔یعنی نماز میں ولا الضالین پڑھنے والے کا نماز پڑھنا یا نماز کو ترک کرنا یکساں ہے گویا کہ ولا الظالین پڑھنے والے نے نماز پڑھی ہی نہیں۔

---

[805] (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر الخ ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[806] کتاب الاذکار للنووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۳۰۲

[807] مقیاس الصلوۃ، ص ۱۸۱ تا ۱۸۵

اب اہلحدیث کے دعوے رکھنے والے اگر ضاد کو ظاء پڑھیں تو وہ جماعت محدثین کے نزدیک بے نماز ہیں ان کی نماز صحیح نہیں اور جو امام ضاد کی بجائے ظاء پڑھتے ہیں وہ تمام مقتدیوں کی نماز باطل کرتے ہیں، نہ مقتدیوں کی نماز درست اور نہ ہی امام کی اب تمہاری مرضی۔

جامع الفصولین میں ہے:

یقراء الظآء الضاد و یقراء کیف شاء اصحاب الجنۃ مکان اصحاب النار لم تجز امامتہ ولو تعمد یکفر۔[808]

ترجمہ: جو آدمی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اور **اصحاب الجنۃ** کی جگہ **اصحاب النار** پڑھے۔ اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے جب کافر ہو گیا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی (یعنی طلاق ہو جائے گی) اور جتنے بچے اس سے پیدا ہوں گے وہ سب حرامی ہیں۔

منیۃ المصلی میں ہے:

اما اذا قرأ مکان الذال ظاء او مکان الضاد ظاء او علی القلب تفسد الصلوۃ و علیہ اکثر الائمۃ۔

اور اگر نماز پڑھنے والے نے ولا الضالین کو ظا سے پڑھا تو اس کی نماز باطل ہو جائیگی۔ دونوں وجھوں کے رائج ہونے کی بناء پر مگر سیکھنے کے بعد ضاد سے اگر عاجز ہو تو معذور ہے۔

۲۔ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ۲۰۵

سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمۃ مکان الضاد المعجمۃ او علی العکس فقال لاتجوز امامتہ و لو تعمد یکفر ۔ ا[809]

[808] جامع الفصولین کلمات کفریہ ص ۳۱۶

[809] (لےمنح الروض شرح فقہ اکبر لملاعلی قاری فصل فی القرأۃ و الصّلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱٦۷)

ترجمہ: کتاب محیط میں ہے کہ امام فضلی سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جس نے ضاد کی جگہ ظاء یا اس کے بالعکس پڑھا تو انہوں نے (جواب میں) فرمایا ایسے شخص کی امامت جائز نہیں، اور اگر ایسا عمداً کرے تو کافر ہو گا[810]۔

ملا علی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اگر عمداً پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے اس میں کسی کو بھی اعتراض نہیں۔

۳۔ فتاویٰ قاضی خان ۱/ ۱۴۱

ولو قرأ إلا ما اظطررتم بالظاء تفسد صلاته

اور اگر الا مااضطررتم کی بجائے الا مااظطررتم ظاء سے پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔

۶۔ فتاویٰ قاضی خان ۱/ ۱۴۳

و کذا لو قرأ غیر المغظوب بالظاء أو بالذال تفسد صلاته۔

ترجمہ: اور اگر اسی طرح غیر المغضوب کی بجائے غیر المغظوب ظاء یا ذال سے پڑھے تو نماز ٹوٹ جائیگی۔[811]

۷۔ فتویٰ قاضی خان ۱/ ۱۴۳

و نخل طلعها هضيم قرأ بالظاء أو بالذال تفسد صلاته[812]

اور اگر و انخل طلعها هضيم کو ظاء یا ذال سے پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

---

[810] سعيد الحق في تخريج جاء الحق
[811] فتاویٰ قاضی خان ۱/ ۱۹۶
[812] فتاویٰ قاضی خان ۱/ ۱۹۶

۸۔ فتویٰ قاضی خان ۱/۱۴۶

ولسوف يعطيک ربک فترضى قرأ فترظى بالظاء تفسد صلاته[813]

اور ولسوف يعطيک ربک فترضیٰ کی بجائے فترظیٰ ظاء سے پڑھا تو اس کی نماز فاسق ہو جائے گی۔

۹۔ فتویٰ قاضی خان ۱/۱۴۶

ألم يجعل كيدهم في تضليل قرأ بالذال في تذليل لا تفسد صلاته ولو قرأ بالظاء تفسد صلاته[814]

اور اگر في تضليل کو ذال سے تذلیل پڑھا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اور اگر ظاء سے پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۰۔ فتویٰ قاضی خان ۱/۱۴۷

كيدهم في تضليل قرأ بالظاء قال بعضهم لا تصح كيدهم[815] في تظليل۔

ظاء سے پڑھے بعض نے کہا کہ نماز صحیح نہ ہو گی۔

۱۱۔ فتویٰ قاضی خان ۱/۱۴۸

الذي فرض عليک القرآن قرأ بالظاء فرظ تفسد صلاته[816] الذي فرض عليک القرآن۔

کو ظاء سے پڑھے فرظ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

---

[813] فتاویٰ قاضی خان ۱/۲۰۰
[814] فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۷
[815] فتاویٰ قاضی خان ۱/۲۰۲
[816] فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۷

۱۲۔ فتاویٰ قاضی خان ۱/ ۱۴۹

فمن فرض فيهن الحج قرأ بالظاء فرظ أو بالذال تفسد صلاته[817] فمن فرض فيهن الحج۔

ظاء کے ساتھ پڑھے یاذال کے ساتھ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۳۔ فتویٰ عالمگیری ۱/ ۷۹

قال القاضي الإمام أبو الحسن و القاضي الإمام أبو عاصم إن تعمد فسدت۔[818]

قاضی امام ابو الحسن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور قاضی امام ابو عاصم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اگر عمداً ضاد کو ظاء پڑھے نماز فاسد ہو جائے گی۔

مذکورہ بالا آئمہ فقہاء کے حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ ضاد کو ظاء پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہ تمام فقہاء کا اتفاقی مسئلہ ہے اور بعض نے کفر کا فتویٰ بھی دیا ہے۔

اے حقیقت کا دعویٰ رکھنے والو! ضاد کو ظاء پڑھ کر کیوں مسلمانوں کی نمازیں ضائع کرتے ہو اور امت محمد رسول اللہ ﷺ کو مجرم اور تارک نماز بناتے ہو مسلمان بیچارہ تمہاری اقتداء میں نماز ادا بھی کرتا ہے پھر بھی نماز ادا نہیں بلکہ خدائی مجرم لکھا جاتا ہے لیکن تم صرف مذہبی ضد کی بناء پر ضاد کو ظاء پڑھ کر قرآن کو الٹا پڑھ رہے ہو الفاظ میں تغیر و تبدل نہیں کر سکتے تو معانی میں ہی تغیر پیدا کر کے مسلمانوں کو مجرم بنا رہے ہو!۔

---

[817] فتاوىٰ قاضی خان ۱/ ۲۰۴

[818] الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، العالمكيرية، ج ۱، ص ۷۹، الناشر دار الفكر

۱۴۔غنیتہ المستعلی للحلبی

واذا اقراء مکان الذال المعجمة باالظاء المعجمة وقرا الظاء المعجمة مکان الضاد المعجمةاو علی القلب مثال الاول اما لو قراء و تلظ الاعین مکان تلذ و مما ظرء مکان ذرا مثال الثانی فی المغظوب مکان المضضوب و مثال الثالث ظعف الحیوة فتفسد صلوته و علیه اے علی القول باالفساد اکثر الائمة للتغیر الفاحش البعید۔

اور جب کسی نے ذال کی بجائے ظاء پڑھا اور ظاء کی بجائے ضاد پڑھا مثال اول اگر تلذ الاعین کی بجائے تلظ الاعین پڑھا اور ذرا کی ظرء پڑھا اور دوسری مثال مغضوب کی بجائے مغظوب پڑھا اور تیسری مثال ضعف الحیوۃ کی بجائے ظعف الحیوۃ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس سے نماز فاسد ہونے کا فتویٰ اکثر آئمہ کا ہے کیونکہ اس سے بہت سے معنی متغیر ہو جاتے ہیں۔

مولوی قطب الدین اپنی تفسیر میں تحت آیت و ماھو علی الغیب بضنین میں لکھتے ہیں۔

کہ حرمین شریفین غیر ہما اکثر ممالک میں تو سب (ضاد کو) دال مفخم کی طرح پڑھتے ہیں اور دہلی وغیرہ یا اکثر ہند کے ممالک میں بھی پہلے اسی طرح پڑھتے تھے مگر اب ان ایام میں بعض دنیا سازوں نے ظاء کے طور پڑھنے کا فتویٰ دیا جو کہ سراسر غلط ہے ایک مجلس میں بھی اس کی تحقیق کے لئے منقد ہوئی اکثر و کل قراء کی رائے بطور سابق کے ضاد پڑھنے پر غالب رہی[819]۔

یہ وہی مولوی ہیں جنہوں نے مظاہر حق لکھی ہے اس پر دیوبندیوں کو اعتماد ہے کیونکہ مولوی محمد اسحاق کے شاگرد ہیں ان سے یہ پتہ چلا کہ اکابر دیوبند بھی ظاء نہیں پڑھتے تھے۔

---

[819](جامع التفاسیر ص ۱۳۶۱)

بانی دارالعلوم دیوبند قاسم نانوتوی لکھتے ہیں:

سوال: خدمت میں علماء دین کی عرض ہے کہ ایک شخص کوہ لنڈھورہ پر نگینہ ضلع بجبور کا رہنا والا آیا ہے کہتا ہے کہ ضاد بمخرج ظاء پڑھ ورنہ نماز باطل ہو جائے گی جواب ہر ایک امر کا اپنی مہر سے مذین فرما کر ارسال کریں کہ اس شخص کو جواب دیا جائے۔

جواب: جناب من جیسے بے کی جائے اور دال کی جگہ ذال اور جا کے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کے مقام میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر کوئی اسی کو سمجھتا ہے ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل و نقل ہے یہ بات عقل و نقل کی روسے منجملہ تحریف ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آج کل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات کہدیتے ہیں اور اہل اسلام کیوں ایسی بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتووں کی مہروں کو دیکھ کر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا اور فتووں کا لکھنا ہر کسی کو نہیں آتا[820]۔

---

[820] (تصفیۃ العقائد ص ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

سوال: ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہیئے اور اکثر فقہا کا قول کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں؟

جواب:...فی الجزریة و الضاد من حافته اذا لی الا صنداس من اسیر و لیناها۔ جب مخرج معلوم ہو گیا تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے اب اس نکالنے سے بوجہ عدم مہارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے اور اگر قصداً دال یا ظاء پڑھے وہ جائز نہیں جیسا بعض نے دال پڑھنے کی عادت کر لی ہے اور بعض نے فقہا کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ ظاء ہے ظاء پڑھنا شروع کر دیا حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا رہا قاضی خان کی اس جزئی سے لو قرأ الضالین لا تفسد صلواة ظاء پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا اس کو دوسری جزئیات قاضی خان کی رد کرتی ہے۔

وھی ھذا ولو قرأ والعادیات ظبحاً بالظاء تفسد صلواتہ اھ و کذا لو قرا غیر المغضوب علیھم بالظاء او ربالذال تفسد صلواتہ و امثال ذلک من الفروع المتعددۃ۔ و اللہ اعلم[821]۔

رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

یہ قول قاری صاحب کا درست ہے کہ جو شخص باوجود قدرت کے ضاد کو ضاد کے مخرج سے ادا نہ کرے وہ گنہگار بھی ہے اور اگر دوسرا لفظ بدل جانے سے معنیٰ بدل گئے تو نماز بھی نہ ہو گی اور اگر باوجود کوشش سعی ضاد اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا تو معذور ہے اس کی نماز ہو جاتی ہے اور جو شخص

---

[821] (فتاویٰ امدادیہ ج ۱ ص ۱۲۷ ربیع الاول باب تجوید ۱۳۲۲ھ)

خود صحیح پڑھنے پر قادر ہے ایسے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے مگر جو شخص قصداً دال یا ظاء پڑھے اس کے پیچھے نماز نہ ہو گی فقط[822]۔

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اصل حرف ضاد ہے اس کو اصل مخرج سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دال پر کی صورت سے بھی نماز ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی الجواب صحیح عزیزالرحمن۔ خلیل احمد، عنایت الٰہی، محمود، اشرف علی، غلام رسول[823]۔

عوام جو مخارج اور صفات سے واقف نہیں بوجہ ناواقفیت کے حرف ضاد کے بجاء ظاء پڑھے تو تو نماز فاسد ہو گی یا نہیں یہ الگ مسئلہ ہے مگر جان بوجھ کر باوجود قادر بالفعل ہونے کے ایسا کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک ان کی نماز ساسد ہو جائے گی۔ ہمارے زمانہ میں اکثر دیوبندی خصوصاً پنجپیری قصداً ضاد کے بجائے ظاء پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ جھگڑتے اور فساد پھیلاتے ہیں۔ ان پنجپیری دیوبندیوں کو اپنے مستند عالم مفتی زرولی خان کے اس قول پر عمل کرنا چاہیے۔ مفتی زرولی خان دیوبندی سی ڈی کیسٹ آپ کے مسائل اور ان کا حل میں کہتے ہیں۔

اے قاریوں (جو نماز میں ظاد پڑھتے ہیں) دوسروں کی نمازیں خراب نہ کرو (یعنی اپنی نماز تو ہے ہی خراب مگر دوسری کی نمازیں تو خراب نہ کرو) عرب ظاد کو جانتے تک نہیں۔ اس کے بعد محیط برہانی والی عبارت بیان فرمائی ہے اور ظاد کو بالکل غلط ثابت کیا ہے۔

---

[822] (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۷)

[823] (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۱)

(M-p-3 سی ڈی آپ کے مسائل اور ان کا حل جمعۃ المبارک کے موقع پر سوال وجواب کی صورت میں شائع کردہ شاپ نمبر ۸ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی)

ہم بھی ان ضاد کے بجائے ظاد پڑھنے والوں کو یہی کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فساد نہ پھیلاؤ اور مسلمانوں کی نمازیں خراب نہ کرو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پھر تم کیوں وضوء، ضرورت، فضل الرحمن، ضیاء الدین، حضور وغیرہ الفاظ کہتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہیں اور قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

انا انزلناہ قرآناً عربیا لعلکم تعقلون۔

ترجمہ: بے شک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا تاکہ تم سمجھو۔

یہ عجمی الفاظ ہیں اور اردو زبان میں اس کو ظاء پڑھا جاتا ہے جب کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے لہذا اس کو عجمی طریقہ اور تلفظ کے ساتھ نہیں بلکہ عربی تلفظ اور عربی مخارج کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب!

فصل دربیان
قبر میں بزرگانِ دین کے تبرکات اور غلافِ کعبہ وشجرہ یا عہدنامہ رکھنا

بعض علماء قبر میں بزرگانِ دین کے تبرکات اور غلافِ کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا حرام کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ جائز ہے۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا، اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔

امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:
من کتب ھذا الدعاء و جعلہ بین صدر المیت و کفنہ فی رقعۃ لم ینلہ عذاب القبر و لا یری منکراً و نکیراً۔
ترجمہ: جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہو گا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔[824]
فتاویٰ کبریٰ لابن حجر مکی میں اس حدیث کو نقل کرکے فرمایا:
ان ھذا الدعآء لہ اصل و الفقیہ ابن عجیل کان یامرہ بہ ثم افتی بجواز کتابتہ قیاساً علی کتابۃ اللہ فی نعم الزکوۃ۔
ترجمہ: اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے، اس قیاس پر کہ زکوۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔[825]
وہ دعا یہ ہے:
لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لا الہ الا اللہ لہ الملک و لہ الحمد لا الہ الا اللہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم۔
الحرف الحسن میں ترمذی سے نقل کیا گیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اسے مہر لگا کر قیامت کے لئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لا کر ندا کرے گا کہ عہد والے کہاں ہیں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا۔
امام ترمذی نے فرمایا کہ وعن طاوس انہ امر بھذا الکلمات فکتب فی کفنہ۔

---

[824] (نوادر الاصول ص ۲۱۷ مطبوعہ دار الجلیل بیروت)
[825] (فتاویٰ کبریٰ لابن حجر مکی باب الجنائز ج ۲ ص ۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے:

وجیز امام کردری کتاب الاستحسان۔[826]

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او علی عمامۃ او کفن عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالیٰ للمیت و یجعلہ امناً من عذاب القبر۔[827]

فصل دربیان
آپ صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا کسی کو نفع اور نقصان دینا

بعض علماء کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کسی کو کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

حالانکہ تفسیر صاوی میں علامہ العارف باللہ تعالیٰ الشیخ احمد الصاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، آیت لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡأَمۡرِ شَيۡءٌ کے تحت لکھتے ہیں:

فمن زعم أن النبی کآحاد الناس لا یملک شیئاً أصلاً و لا نفع بہ لا ظاھراً و لا باطناً فھو کافر خاسر الدنیا و الآخرۃ, و استدلالہ بھذہ الآیۃ ضلال مبین۔[828]

"جو شخص یہ گمان رکھے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عام لوگوں کی طرح ہیں، نہ وہ کسی چیز کے مالک ہیں، اور نہ وہ کسی کو ظاہر اور باطن میں نفع دے سکتے ہیں، تو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ہے، اس کی دنیا و آخرت برباد ہے۔"

---

[826] (الحرف الحسن ص ۴ مطبوعہ بریلی شریف)

[827] (فتاویٰ بزازیہ علی ھامش فتاویٰ ھندیہ کتاب الاحسان ج ۶ ص ۳۷۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)(درمختار باب الصلوۃ الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دھلی، باب الشھید سے کچھ قبل)

[828] (تفسیر صاوی علی الجلالین ج ۱ ص ۲۱۳ مکتبہ روضۃ القرآن، پشاور، و ص ۱۵۸ جز اول، مطبعۃ دار احیاء الکتب العربیۃ، المقاصد السنیۃ ص ۱۳۱ ھکذا فی نور العقائد و تنویر الایمان و تحفۃ المؤمنین)

نیز آگے آیت {وما محمد الا رسولٌ قد خلت من قبله الرّسل افائن مّات او قتل} کے تحت لکھتے ہیں:

فمن اعتقد أن النبی لا نفع به بعد الموت بل هو کآحاد الناس فهو الضال المضل۔

"جو یہ عقیدہ رکھے کہ نبی ﷺ وفات کے بعد کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ عام انسانوں کی طرح ہیں، تو ایسا شخص خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔"[829]

فصل دربیان
اولیاءاللہ کے مزارات پر قبہ بنانا اور چادریں اور پگڑی وغیرہ رکھنا

بعض علماء اولیاء اللہ کے مزارات پر قبہ بنانا اور چادریں اور پگڑی وغیرہ رکھنے کو حرام اور بدعت کہتے ہیں۔

حالانکہ تفسیر روح البیان میں ہے:

فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورهم امر جائز اذا کان القصد بذالک التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقروا صاحب هذا القبر۔

یعنی علماء، اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانے کو اور ان کی قبروں پر چادر چڑھانا، عمامہ اور کپڑا رکھنا یہ جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا ہو تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔[830]

---

[829](تفسیر صاوی، ص ۳۱۹، ج ا مکتبہ روضۃ القرآن، پشاور، وص ۱۶۱، جز اول مطبعہ دار احیاء الکتب العربیۃ)

[830](تفسیر روح البیان ج ۳ک، ص ۴۰۰، مطبوعہ احیاء تراث العربی بیروت)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اولیاء کرام کے مزارت پر قبہ بنانے کے متعلق فرماتے ہیں:

و قد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ و العلماء المشهورين ليزوروهم الناس و يستريحوا بالجلوس فيه... الخ۔

علماء سلف نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔[831]

علامہ شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزاراتِ اولیاء کرام پر قبہ بنانے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

وقيل لا يكره اذا كان الميت من المشائخ و العلماء و السادات۔

"اگر میت مشائخ، علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں۔"[832]

علامہ شیخ احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبر پر عمارت کے متعلق فرماتے ہیں:

و لا يرفع عليه بناء و قيل لا بأس به و هو المختار۔

یعنی "اور اس پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے اس (قبر) پر عمارت بنانا جائز ہے اور یہی مختار ہے۔"[833]

---

[831] (مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۴، ص ۱۷۸، مکتبہ رشیدیہ)
[832] (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱، ص ۶۰۱، باب دفن المیت)
[833] (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۳۳۵)

فصل در بیان
اولیاء اللہ کا وفات کے بعد لوگوں کی امداد کرنا

بعض علماء امداد الاولیاء یعنی اولیاء اللہ کی بعد الوفات زندوں کی امداد کرنے کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کچھ نہیں کر سکتے۔ حالانکہ اولیاء اللہ زندوں کی بعد الوفات امداد کر سکتے ہیں:

کقولہ تعالی لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران ۸۱)

ترجمہ: تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صالحین بعد وفات بھی مدد کرتے ہیں کیونکہ انبیاء سے دین محمدی ﷺ کی مدد کا عہد لیا گیا حالانکہ ربّ تعالیٰ جانتا تھا کہ حضور کے زمانہ میں یہ حضرات وفات پا چکے ہوں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدد کی۔ اس طرح کہ شبِ معراج پچاس نمازوں کو پانچ کرا دیں۔ اس طرح اب بھی حضور کی مدد اپنی امت پر برابر جاری ہے اگر ان کی مدد نہ ہو تو ہم کوئی نیکی نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ، شہداء، مؤمنین، صالحین سے بعد وفات امداد طلب کرنا بھی حکم خداوندی ہے کہ اس پر عقیدہ اور عمل رکھنا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ اور قرآن کریم پر ایمان رکھنا ہے لہٰذا اس کے منکر کیلئے سخت حکم ہے۔

تفسیر الصاوی جلد اول میں ہے:

فمن زعم ان النبی ﷺ کآحاد الناس لا یملک شیئا أصلا و لا نفع بہ لا ظاھر او لا باطنا فھو کافر خاسر الدنیا و الآخرۃ و استدلالہ بھذہ الآیۃ ضلال مبین۔

ترجمہ: جس کا یہ گمان ہو کہ نبی اکرم ﷺ عام مسلمانوں کی مانند اور بالکل کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی ان کی ذات سے کوئی ظاہری باطنی نفع ہے ایسا عقیدہ رکھنے والا مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے۔

خسر الدنیا و الآخرۃ و استدلالہ بہذہ الآیۃ ضلال مبین۔[834]

سوال: اس میں تو صرف نبی علیہ السلام کے امداد اور نفع پہنچانے کی دلیل ہے اور صرف آپ ﷺ کی مدد اور نفع پہنچانے سے انکار کرنے والوں کیلئے وعید ثابت ہے نہ کہ اوروں کے متعلق۔

جواب: جس طرح نبی ﷺ سے یا اور کسی نبی علیہ السلام سے مدد طلب کرنا شرک وبدعت نہیں بلکہ عین ایمان ہے اسی طرح اولیاء اللہ، شہداء، صالحین اور مؤمنین سے مدد طلب کرنا بھی عین ایمان ہے کیونکہ اولیاء اللہ، شہداء، صالحین اور مؤمنین کی پیروی تابعداری عین نبی ﷺ کی اطاعت، تابعداری اور پیروی ہے جس طرح نبی کی اطاعت اطاعتِ خداوندی ہے اسی طرح صالحین کی تابعداری رسول اللہ ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

کقولہ تعالیٰ: وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا (النساء ٦٩)

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا، یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ اکا حکم مانے۔ تو وہ صدیقین، شہداء، صالحین میں سے ہو گا (دوسرا یہ کہ) جو چیز انبیاء کے لئے معجزہ ہے وہی اولیاء اللہ کیلئے کرامت ہے۔ معجزہ اصل ہے اور کرامت فرع ہے اور اہلِ سنت کا عقیدہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا معجزہ اور اولیاء اللہ کی کرامت بعد الوفات منقطع نہیں ہوتی بلکہ باقی ہے اس لئے جس طرح نبی سے بعد وفات

---

[834](ج ۱۰ ص ۱۵۸، ج ۱ ص ۱۶۱ حصہ اول۔ تحفۃ المؤمنین ص ۱)

مدد طلب کرنا اور نفع لینا عین ایمان ہے اسی طرح اولیاء اللہ صدیقین، مؤمنین اور صالحین سے بھی بعد وفات مدد طلب کرنا عین ایمان ہے اور اس عقیدہ کو بدعت، کفر اور شرک کہنے والا خود خارجی معتزلی، زندیق، منافق، وہابی جبری کافر ہے اگر ایسا عقیدہ بدعت، کفر، شرک اور حرام ہو تو دلیل پیش کرنا چاہیئے جیسا قولِ خداوندی ہے: قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللهَ حَرَّمَ هَذَا (الانعام۰ ۱۵۰) تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا۔ معلوم ہوا کہ جس چیز کی حرمت نہ دکھائی جاسکے وہ حلال ہے اور یہاں شہداء سے مراد کتاب اللہ کی آیت یا ان کے پیغمبروں کے اقوال ہیں۔ نہ کہ خود ان کی بکواس جیسا کہ وہابیہ کرتے ہیں۔ اس لئے اکابرین اہلسنت اولیاء اللہ کی وفات کے بعد امداد طلب کرنے پر اظہار عقیدت پیش کرتے ہیں جیسا حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قال امام غزالی من یستمد بہ فی حیوتہ یستمد بہ بعد مماتہ۔[835]

وقال الامام الغزالی فی الاحیاء کل من یستمد بہ فی حیوتہ یستمد بہ بعد وفاتہ کذا نقل الشیخ عبدالحق الدھلوی فی شرح المشکوٰۃ وقال الامام الشافعی ان قبر الامام موسیٰ الکاظم علیہ الرحمۃ تریاق مجرب لاجابۃ الدعوات ونقل عن بعض المشائخ ان الشیخ معروف الکرخی والشیخ الغوث الاعظم سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلانی قدس سرھما تصرفھما فی القبور کتصرفھما فی الحیوۃ نفعنا اللہ تعالی ببرکاتھم واوصلنا الی مثل مالاتھم امین۔ کتاب نور الایمان بزیارت آثار حبیب الرحمٰن"۔

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْقُرْمُطِيُّ مِنْ وَلَدِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ بِبَغْدَادَ, حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ نَضْلَةَ الْخُزَاعِيُّ، حَدَّثَنَا عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ نَضْلَةَ, عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ, حَدَّثَتْنِي مَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ

---

[835] (ص ۲۴۳ البصائر مصنفہ حمد اللہ دیوبندی)

صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَآلِہِ وَسَلَّمَ بَاتَ عِنْدَھَا فِي لَيْلَتِھَا , فَقَامَ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ , فَسَمِعَتْہُ يَقُولُ فِي مُتَوَضَّئِہِ: لَبَّيْکَ لَبَّيْکَ ثَلَاثًا , نُصِرْتَ نُصِرْتَ، ثَلَاثًا , فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰہِ , سَمِعْتُکَ تَقُولُ فِي مُتَوَضَّئِکَ: لَبَّيْکَ لَبَّيْکَ ثَلَاثًا , نُصِرْتَ نُصِرْتَ، ثَلَاثًا , كَأَنَّکَ تُكَلِّمُ إِنْسَانًا , فَهَلْ كَانَ مَعَکَ أَحَدٌ؟ فَقَالَ: هَذَا رَاجِزُ بَنِي كَعْبٍ يَسْتَصْرِخُنِي , وَيَزْعُمُ أَنَّ قُرَيْشًا أَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرٍ , ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَآلِہِ وَسَلَّمَ , فَأَمَرَ عَائِشَةَ أَنْ تُجَهِّزَهُ , وَلَا تُعْلِمُ أَحَدًا، قَالَتْ: فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ , فَقَالَ: يَا بُنَيَّةُ , مَا هَذَا الْجِهَازُ؟ فَقَالَتْ: وَاللّٰہِ , مَا أَدْرِي , فَقَالَ: وَاللّٰہِ , مَا هَذَا زَمَانُ غَزْوِ بَنِي الْأَصْفَرِ , فَأَيْنَ يُرِيدُ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَآلِہِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: وَاللّٰہِ , لَا عِلْمَ لِي قَالَتْ: فَأَقَمْنَا ثَلَاثًا , ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ بِالنَّاسِ , فَسَمِعْتُ الرَّاجِزَ يُنْشِدُهُ:

[البحر الرجز]

يَا رَبِّ إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدَا ... حِلْفَ أَبِينَا وَأَبِيهِ الْأَتْلَدَا
إِنَّا وَلَدْنَاکَ وَكُنْتَ وَلَدَا ... ثَمَّةَ أَسْلَمْنَا , وَلَمْ نَنْزِعْ يَدَا
إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوکَ الْمَوْعِدَا ... وَنَقَضُوا مِيثَاقَکَ الْمُؤَكَّدَا
وَزَعَمُوا أَنْ لَسْتَ تَدْعُو أَحَدَا ... فَانْصُرْ هَدَاکَ اللّٰہُ نَصْرًا أَيَّدَا
وَادْعُ عِبَادَ اللّٰہِ يَأْتُوا مَدَدَا ... فِيهِمْ رَسُولُ اللّٰہِ قَدْ تَجَرَّدَا
إِنْ سِيمَ خَسْفًا وَجْهُهُ تَرَبَّدَا

فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَآلِہِ وَسَلَّمَ: لَبَّيْکَ لَبَّيْکَ ثَلَاثًا , نُصِرْتَ نُصِرْتَ، ثَلَاث.....الخ۔[836]

امام عبد الملک بن ہشام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فقال رسول اللہ انصرت یا عمرو بن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تمہاری مدد کی گئی۔

---

[836] (طبرانی صغیر ج ۲ ص ۷۳۔۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الاستیعاب ذکر حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ عنہ ج ۳ ص ۱۱۷۵ برقم ۱۹۱۲ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام محمد بن سعد رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و خرج عمرو بن سالم الخزاعی فی اربعین راکبا من خزاعة فقدموا علی رسول اللہ ا یخبرونہ بالذی اصابھم ویستنصرونہ۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن سالم الخزاعی رضی اللہ عنہ چالیس خزاعی سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ کو اس مصیبت کی خبر دی جو انہیں پیش آئی اور مدد کی درخواست کی۔[837]

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قد نصرت یا عمرو بن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[838]

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یا عمرو بن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[839]

امام اسماعیل بن محمد بن الفضل الاصبھانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اخبرنا الشریف ابو نصر الزینی انا ابو طاھر المخلص ثنا یحیی بن محمد املاء ثنا یحیی بن سلیمان بن نضلة الخزاعی بالمدینة سنة خمس و اربعین و مائتین حدثنی عمی محمد بن نضلة عن جعفر بن محمد عن ابیه عن جدہ عن میمونة بنت الحارث زوج النبی ﷺ ان رسول اللہ ﷺ بات عندھا فی لیلتھا ثم قام یتوضا للصلاة فسمعته و ھو یقول لبیک لبیک

---

[837] (طبقات الکبری ابن سعد سریة رسول اللہ ﷺ عام الفتح ج ۲ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

[838] (تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ الطبری ج ۲ ص ۱۵۳ ۔ ۱۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[839] (دلائل النبوة باب نقض قریش ما عاھدوا علیہ رسول اللہ ﷺ بالحدیبیة ج ۵ ص ۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ثلاثا او نصرت نصرت ثلاثا قالت فلما خرج من متوضاه قلت یارسول اللہ بابی انت وامی سمعتک تکلم انسانا فھل کان معک احد؟ فقال ھذا راجز بنی کعب یستصرخنی الخ۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رات میرے ہاں قیام کیا آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ ﷺ کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا "میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا میں تمہاری مدد کر دی گئی ہے جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت کہتے ہوئے سنا ہے۔ گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کیا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی تھا۔ فرمایا ہاں بنی کعب کا راجز مجھے مدد کے لئے پکار رہا تھا۔[840]

امام ابی الربیع سلیمان بن موسی الکلاعی الاندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فقال رسول اللہ نصرت یاعمرو۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[841]

محمد بن ابی بکر الدمشقی الشہیر بابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فقال رسول اللہ نصرت یاعمرو ابن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[842]

حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ رحمہ اللہ کرتے ہیں۔

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یاعمرو بن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[843]

---

[840] (دلائل النبوۃ للاصبہانی ص ۷۳۔۷۴ رقم الحدیث ۵۹ مطبوعہ دار طیبۃ الریاض)

[841] (الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ والثلاثۃ الخلفاء غزوۃ الفتح ج ۲ ص ۲۱۶ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

[842] (زادالمعاد فی ھدی خیر العباد فصل فی الفتح الاعظم ج۳ ص ۳۹۶ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[843] (السیرۃ النبویۃ غزوۃ الفتح الاعظم وکانت فی رمضان سنۃ ثمان ج۳ ص ۴۹۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یا عمرو۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[844]

الامام العالم العلامۃ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عن میمونۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ بات عندھا لیلۃ فقام لیتوضا للصلاۃ قالت فسمعتہ یقول لبیک لبیک ثلاثاً نصرت نصرت ثلاثاً فلما خرج قلت یارسول اللہ سمعتک تقول لبیک لبیک ثلاثاً نصرت نصرت ثلاثا کانک تکلم انساناً فھل کان معک احد قال ھذا راجز بنی کعب یعنی خزاعۃ یزعم ان قریشاً اعانت علیھم بکر بن وائل ای بطنا منھم وھو بنو نفاثۃ۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رات میرے ہاں قیام کیا آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا "میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا میں تمہاری مدد کر دی گئی ہے جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت کہتے ہوئے سنا ہے۔ گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کیا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بنی کعب کا ایک فریادی تھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ قریش نے ان کے خلاف ایک ٹولہ بنو نفاثہ کی مدد کی ہے۔[845]

محمد بن عبد الوہاب نجدی لکھتا ہے:

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یا عمرو بن سالم۔

---

[844] (خصائص الکبری باب ما وقع فی فتح مکۃ من المعجزات و الخصائص ج ۱ ص ۴۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[845] (انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروفۃ بالسیرۃ الحلبیۃ ج۳ ص ۷۱۔۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، سیرا بن ہشام ج۲ ص ۲۶۵)

ترجمہ: حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔[846]

علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اخرج الطبرانی عن میمونۃ ام المومنین رضی اللہ عنہا قالت بات عندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیلۃ فقام لیتوضا للصلاۃ فسمعتہ یقول فی متوضئہ باللیل لبیک لبیک لبیک ثلاثاً نصرت نصرت نصرت ثلاثاً فلما خرج قلت یارسول اللہ سمعتک تقول فی متوضئک لبیک لبیک لبیک ثلاثاً نصرت نصرت نصرت ثلاثا کانک تکلم انساناً فھل کان معک احد فقال ھذا راجز بنی کعب وھم بطن من خزاعۃ یستصرخنی الخ۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ایک رات میرے ہاں قیام کیا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا "میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا میں تمہاری مدد کر دی گئی ہے جب آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم میں نے آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت کہتے ہوئے سنا ہے۔ گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرمارہے تھے۔ کیا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے ساتھ کوئی تھا۔ فرمایا ہاں بنی کعب کا راجز مجھے مدد کے لئے پکار رہا تھا...[847]

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ التُّسْتَرِيُّ، ثنا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ نَضْلَةَ الْمَدِينِيُّ، ثنا عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ نَضْلَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي مَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاتَ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا، ثُمَّ قَامَ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ فَسَمِعَتْهُ يَقُولُ فِي مُتَوَضَّئِهِ: لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، ثَلَاثًا، وَنُصِرْتُ وَنُصِرْتُ، ثَلَاثًا، قَالَتْ: فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ سَمِعْتُكَ تَقُولُ فِي مُتَوَضَّئِكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، ثَلَاثًا، وَنُصِرْتُ نُصِرْتُ،

[846] (مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۳۱ مطبوعہ دار القلم بیروت)

[847] (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ثَلاثًا، كَأَنَّكَ تُكَلِّمُ إِنْسَانًا فَهَلْ كَانَ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ: هَذَا رَاجِزُ بَنِي كَعْبٍ يَسْتَصْرِخُنِي، وَيَزْعُمُ أَنَّ قُرَيْشًا أَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرٍ، ثُمَّ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ عَائِشَةَ أَنْ تُجَهِّزَهُ وَلَا تُعْلِمُ أَحَدًا، قَالَتْ: فَدَخَلَ عَلَيْهَا أَبُوهَا فَقَالَ: يَا بُنَيَّةُ مَا هَذَا الْجِهَازُ؟ قَالَتْ: وَاللهِ مَا أَدْرِي، قَالَ: مَا هَذَا بِزَمَانِ غَزْوِ بَنِي الْأَصْفَرِ فَأَيْنَ يُرِيدُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ: لَا عِلْمَ لِي، قَالَتْ: فَأَقَمْنَا ثَلَاثًا، ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ بِالنَّاسِ فَسَمِعْتُ الرَّاجِزَ يَنْشُدُهُ:

[البحر الرجز]

يَارَبِّ إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدًا — حِلْفَ أَبِينَا وَأَبِيهِ الْأَتْلُدَا
إِنَّا وَلَدْنَاكَ فَكُنْتَ وَلَدًا — ثَمَّةَ أَسْلَمْنَا فَلَمْ تَنْزِعْ يَدًا
إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوكَ الْمَوْعِدَ — وَنَقَضُوا مِيثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا
وَزَعَمَتْ أَنْ لَسْتَ تَدْعُو أَحَدًا — فَانْصُرْ هَدَاكَ اللهُ نَصْرًا أَلْبَدَا
وَادْعُ عِبَادَ اللهِ يَأْتُوا مَدَدًا — فِيهِمْ رَسُولُ اللهِ قَدْ تَجَرَّدَا
أَبْيَضُ مِثْلُ الْبَدْرِ يُنَحِّي صُعُدًا — لَوْ سِيمَ خَسَفًا وَجْهُهُ تَرَبَّدَا

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نُصِرْتُ، ثَلَاثًا، أَوْ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، ثَلَاثًا.... الخ۔[848]

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے طبرانی کبیر کے محشیٰ (جو کہ غیر مقلد ہے) نے مجمع الزوائد کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی سند میں یحییٰ بن سلیمان نضلۃ ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جرح مبہم ہے جو کہ طے شدہ اصول کے مطابق قبول نہیں ہے۔ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جرح مبہم ہے اس وجہ سے قبول نہیں ہے۔ دوم امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ یحییٰ بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وذکرہ بن حبان فی الثقات۔

---

[848](المعجم الکبیر طبرانی ج ۲۳ ص ۴۳۳۔۴۳۴ رقم الحدیث ۱۰۵۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

ترجمہ: یعنی امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔[849]

امام الحافظ عبد اللہ بن عدی الجرجانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

احادیث عامتها مستقيمة۔

ترجمہ: اس کی عام احادیث مستقیم ہیں۔[850]

اس حدیث مبارکہ میں واضح ثبوت ہے کہ حضور ﷺ راجز رضی اللہ عنہ کو دیکھ بھی رہے تھے ان کی آواز بھی سن رہے تھے اور نصرت نصرت فرما کر ان کی مدد فرما رہے تھے۔ اس حدیث مبارکہ میں علم غیب مصطفی ﷺ کے ساتھ استمداد کا بھی ثبوت ہے۔

معلوم ہوا کہ آقا ﷺ اپنے غلاموں کی دستگیری فرماتے ہیں اور ان کے غموں کو دور فرماتے ہیں اور اس حدیث مبارکہ میں یہ بھی واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دور دراز مقام سے حضور ﷺ کو ندا بھی کرتے تھے اور مدد بھی طلب کرتے تھے۔

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا الحسين بن اسحاق التستری ثنا احمد بن يحيى الصوفی ثنا عبد الرحمن بن سهل حدثنی ابی عن عبد الله بن عيسى عن زيد بن علی عن عتبة بن غزوان عن نبی الله ﷺ قال اذا اضل احدكم شيئا او اراد احدكم عوناً وهو بارض ليس بها انيس فليقل يا عباد الله اغيثونی يا عباد الله اغيثونی... وقد جرب ذلك۔

ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم کوئی چیز گم کر لو یا مدد کا ارادہ کر لو اور اگر تم ایسی جگہ پر ہو کہ وہاں پر تمہارا کوئی انیس نہیں ہے تو اس

[849](لسان المیزان ج ۶ ص ۱ ۲ ۶ مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)
[850](الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ ص ۲۵۵ برقم ۲۱۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

طرح کہنا چاہیے۔اے اللہ کے بندو میری فریادرسی کرو اے اللہ کے بندو میری فریادرسی کرو۔امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجرب ہے۔[851]

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشرالطیب کے آخر میں شیم الحبیب کے عربی کے اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا۔جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں:

شیم الطیب ترجمہ شیم الطیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۴۵۔[852]

یا شفیع العباد خذ بیدی	انت فی الاضطرار معتمدی
دستگیری کیجئے میری نبی ﷺ	کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لیس لی ملجاء سواک اغث	مسنی الضر سیدی سندی
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ	فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی!
غشنی الدھر ابن عبداللہ	کن مغیثا فانت لی مددی
ابن عبد اللہ زمانہ ہے خلاف	اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری
نام احمد چوں حصینے شد حصین	پس چہ باشد ذات آں روح الامین

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا "یارسول اللہ ﷺ" کہہ کر پکارنا:

حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک عاشق رسول بزرگ تھے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کو غائبانہ استغاثہ کی نیت سے "یا" حرف نداء کے ساتھ "یارسول اللہ" کہہ کر پکارا اور فریادیں کیں۔

---

[851](طبرانی کبیر ج۷ ص ۱۱۷ رقم الحدیث ۲۹۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

[852](الکامل فی ضعفاء الرجال ج۷ ص ۲۵۵ برقم ۲۱۵۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

لیجئے دیکھئے:

(۱)

ذرا چہرہ سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)

شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)

یقیں ہو جائے گا کفار کو بھی اپنی بخشش کا جو میدان میں شفاعت کے تم آؤ یا رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں بس اب چاہو ڈوباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاشق کو بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)

(۲)

یا رسول کبریا (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) فریاد ہے یا محمد مصطفیٰ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) فریاد ہے

سخت مشکل میں پھنسا ہوں آجکل اے میرے مشکل کشا (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) فریاد ہے

چہرہ تاباں کو دکھلا دو مجھے تم سے اے نور خدا (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) فریاد ہے [853]

[853] (نالۂ امداد غریب ص ۲۲ مصنف حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ، سیف سکندری ص ۳۰) تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورہ یوسف زیر آیت فلبث فی السجن بضع سنین (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۴۲) (تفسیر روح البیان ج ۴ ص ۲۴۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

الا ستعانة بالناس فی دفع الضرر و الظلم جائزة اور خازن زیر آیت ۴۲ فانساہ الشیطٰن میں ہے: الاستعانة بالمخلوق فی دفع الضرر جائز مصیبت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔

در مختار جلد سوم باب اللقطہ کے آخر میں گمی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لئے ایک عمل لکھا:

ان الانسان اذا ضاع لہ شیئی و ارادان یر دہ اللہ علیہ فلیقف علی مکان عال مستقبل القبلة ویقرء الفاتحة ویھدی ثوابھا للنبی علیہ السلام ثم یھدی ثوابھا لسیدی احمد ابن علوان یقول یا سیدی یا احمد ابن علوان ان لم ترد علی ضالتی و الا نزعتک من دیوان الاولیآء فان اللہ یرد ضالتہ ببرکتہ۔

ترجمہ: جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور وہ چاہے کے خدا وہ چیز واپس ملادے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کرکے کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان کو ہدیہ کرے پھر یوں کہے کہ اے سیدی احمد بن علوان واپس نہ کردی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اس کی گمی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملاوے گا۔[854]

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی ان سے گمی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب در مختار نے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں:

یا اکرم الثقلین یا کنز الوری   جدلی بجودک و ارضی برضاک
انا طامع بالجود منک لم یکن   لابی حنیفة فی الانام سواک

[854] (ردالمحتار باب اللقطہ ج۳ ص ۳۲۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمایئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔

قصیدہ بردہ میں ہے:

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ　　　　سواک عند حلول الحادث العمم

اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ ﷺ کے سوا کوئی نہیں　　جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت[855]

اگر ہم ان علماء وفقہاء کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔[856]

امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اخبرنا القاضی ابوعبداللہ الحسین ابن علی بن محمد الصمیری قال انبانا عمر بن ابراهیم المقری قال نبانا مکرم بن احمد قال نبانا عمر بن اسحاق بن ابراهیم قال نبانا علی بن میمون قال سمعت الشافعی یقول انی لاتبرک بابی حنیفة واجئی الی قبره فی کل یوم یعنی زائرا فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وجئت الی قبره سالت اللہ تعالیٰ الحاجة عنده فما تبعد عنی حتیٰ تقضی۔

ترجمہ: حضرت علی بن میمون نے فرمایا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ بے شک میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ہر روز ان کی قبر کی زیارت

---

[855](شرح الخرپوتی علی لبردة ص ۲۱۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)
[856](اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۸۹ مطبوعہ مکتبہ عزیزیہ)، (تانیب الخطیب ص ۱۶ مطبوعہ مکتبہ ملتان)

کے لئے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت پیش آئے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضری دیتا ہوں اور قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں تو وہ میری حاجت بہت جلد پوری ہو جاتی ہے۔[857]

نزہتہ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبد القادر مصنفہ ملا علی قاری ص ٦١ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا:

من استغاث بی فی کربة کشفت عنه و من نادانی باسمی فی شدة فرجت عنه و من توسل بی الی اللہ فی حاجة قضیت۔

ترجمہ: یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج و غم دور ہو گا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہو گی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اس کی حاجت پوری ہو گی۔[858] تمت الکتاب بعون الملک الوھاب۔

فصل در بیان مسئلہ مونچھوں کے منڈوانا

بعض علماء مونچھیں حلق کرنے کو ناجائز اور خارجیوں کی علامت بتاتے ہیں۔ حالانکہ مونچھیں حلق کرنا اور تراشنا، دونوں جائز ہیں، لیکن افضل، احسن مونچھیں منڈوانا ہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ شریف باب السواک (جلد:۱: صفحہ-۲۰۱: طبع بیروت) میں مونچھوں کے منڈوانے کے بارے میں تین اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔

۱: ایک قول مکروہ　　۲: دوسرا قول حرام　　۳: تیسرا قول سنت کا ہے

857 (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

858 (بھجۃ الاسرار ص ۱۰۲ مطبوعہ مکتبۃ مصطفی البابی مصر)

حرام اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مُثلہ پایا جاتا ہے اور مُثلہ حرام ہے۔

لیکن شرح سفر سعادت صفحہ:۴۹۴: میں اور نووی شرح مسلم صفحہ:۱۶۹: جلد:۱: میں ہے کہ مُثلہ کو حرام کہنا یہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب میں ہے۔

اور ہدایۃ الابرار میں ہے کہ یہ کراہت اور بدعت کا قول حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے اور یہ قول مرجوح ہے۔ اور یہ دلیل صرف امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے لئے ہے۔ ہمارے احناف کی نہیں ہے کیونکہ ہم حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور پیروکار ہیں۔

اور فتح القدیر جلد:۲: صفحہ:۴۶۴: پر ہے کہ:

مونچھوں کے قصر کرنے (یعنی قینچی سے تراشنے) کا مذہب بعض متاخرین احناف کا مذہب ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مفتٰی بہ قول ذکر کیا ہے:

"وذکر الطحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان الحلق سنۃ ونسب ذٰلک الی علماء الثلٰثۃ (ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین"۔

یعنی حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ مونچھوں کا مونڈھوانا (حلق کرنا) سنت ہے اور یہ قول انہوں نے علماء ثلاثہ حضرت امام ابو حنیفہ، امام ابی یوسف او امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرف منسوب کیا ہے۔

مولوی عبد الحیؒ لکھنوی الفوائدِ البھیہ فی تراجم الحنفیہ: صفحہ:۳۲: پر تحریر کرتے ہیں کہ:

امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجتہد تھے۔ چونکہ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک عظیم مجتہد ہیں اور ان کا مونچھیں مونڈنے کو سنت کہنا ایک قوی دلیل ہے۔

صاحبِ کشف المبہم نے صفحہ:۱۱: پر یہ ذکر کیا ہے کہ:

"و اما المقلد فعندہ قول مجتهدہ۔۔۔الخ"

یعنی مقلد اپنے مجتہد کے قول سے استدلال کرے گا۔

شرح طریقہ محمدیہ: جلد:۲: صفحہ:۶۵: کے مؤلف لکھتے ہیں:

"و لذا کان دلیل المقلد هو قول المجتهد۔۔۔الخ"

یعنی مقلد کے لئے دلیل مجتہد کا قول ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب میزان شعرانی میں ذکر کیا ہے کہ:

"و من شان المقلد ان لا یخرج عن قول امامہ۔۔۔الخ"۔

صفحہ:۱۳: یعنی مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ امام کے قول سے تجاوز نہ کرے۔

اسی بات کو امام شعرانی میزان الکبریٰ میں بیان کیا ہے:

"فیجب علی کل مقلد ان لا یعترض علی قول مجتهد الی ان قال و کذٰلک یجب علیه الاعتقاد الجازم بان ذٰلک الامام علی هدی من ربه فی ذٰلک"

ترجمہ: ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے، اسی طرح مقلد پر واجب ہے کہ وہ پختہ یقین کرے کہ اس مسئلے میں امام مذہب، اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔

جلد:۱: صفحہ:۵۹: آگے مزید لکھا ہے:

"فاعتقادک یا اخی الصحة فی کلام ائمة الهدی واجب علیک۔۔۔الخ"۔

ترجمہ: اے میرے بھائی! آپ پر واجب ہے کہ ہدایت آئمہ کے کلام میں آپ میرا اعتقاد رکھیں کہ وہ صحیح ہے۔

جلد:۱: صفحہ:۶۲: مسلم الثبوت کے شروع میں اجمالی طور پر ذکر کیا ہے کہ:

"اما المقلد فمستندہ قول المجتهد"

یعنی مقلد اپنے مجتہد کے قول سے استدلال کرے گا (نہ کہ اپنی رائے سے)۔

اور صاحبِ تلویح نے ذکر کیا ہے کہ مقلد یہ عقیدہ رکھے گا:

ھٰذا حق لانہ ادی الیہ رأی ابی حنیفۃ و کل ما ادی الیہ رأی ابی حنیفۃ فھو حق فھٰذا حق۔

یعنی یہ مسئلہ حق ہے کیونکہ یہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے سے ثابت ہے اور جو امام ابو حنیفہ کی رائے سے ثابت ہو تو وہ حق ہے لہذا یہ حق ہے۔

اور فقہ کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ:

”نعمل بقول المجتهد وان لم نعلم من أين قال“۔ [859]

یعنی ہم مجتہد کے قول پر عمل کریں گے اگرچہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حکم کہاں سے نکالا۔

اور فتح القدیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ:

”اذا ثبت عنده قول المجتهد وجب عليه العمل به“۔

یعنی مجتہد کا قول جب ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

اور تفسیر احمدی میں صاحبِ کتاب لکھتے ہیں:

”وليس للمقلد ان ينازع المجتهد في حكمه“۔ [860]

اور مقلد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں جھگڑے اور کسی کو یہ زیبا نہیں کہ مجتہد کو خطاوار ٹھہرائے اور اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ مجتہد وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم ماننا لازم کیا ہے (کہ وہ اولوا الامر میں داخل ہیں) پس جس نے کسی مجتہد کی طرف خطا کی نسبت کی تو گویا اس نے شارع کی طرف خطا کی نسبت کی۔

---

[859] بحر الرائق: جلد: ۵: صفحہ: ۲۶۹

[860] تفسیراتِ احمدیہ: صفحہ: ۲۰۹

اور اسی بات کو صاحبِ میزانِ شعرانی اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں یوں لکھاہے کہ:

"ان لاینبغی لاحدقط ان یخطئ مجتہدااو یطعن فی کلامہ لان الشرع الذی ھو حکم اللہ تعالٰی قد قرر حکم المجتہد فصار شرع اللہ تعالی بتقریر اللہ تعالی ایاہ فکل من خطا مجتہدا بعینہ فکأنہ خطأ الشارع فیما قرّرہ حکمًا"

ترجمہ: کسی شخص کیلئے بھی مناسب (جائز) نہیں کہ وہ کسی مجتہد کو کسی اجتہاد میں غلط قرار دے یا ان کے کلام میں لعن طعن (زبان درازی) کرے کیونکہ اس شریعت نے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، مجتہد کے قول ثابت اور مقرر کیاہے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کے ثابت کرنے سے مجتہد کا قول شریعت قرار پایا، توہر وہ شخص کہ جو کسی مجتہد کو غلط کہتاہے تو گویا وہ شارع (اللہ و رسول ﷺ) کو اس حکم میں غلط قرار دے رہاہے جو اس نے ازروئے حکم مقرر فرمایاہے۔[861]

کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی مجتہد کو مخطی سمجھے یا اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ شریعت جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نے مجتہد کے قول کو مقرر اور لازم کیاہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقریر سے شرع اللہ تعالیٰ کا ہوا خاص اس کے لئے تو مجتہد کو بعینہٖ خطاوار سمجھا تو گویا اس نے شارع کو خطاوار سمجھا۔ اس نے اس کے حکم کو مقرر کیاہے۔

لہٰذا ان تمام دلائل سے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مجتہد ہونا اور مجتہد کے قول کا دلیل قوی ہونا ثابت ہوا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مونچھیں مونڈھنے (حلق کرنے) کے بارے میں قوی دلیل ہے۔ یعنی مونچھیں مونڈھنا سنت ہے۔

---

[861] میزان الکبریٰ: صفحہ: ۲۶

پس مونچھیں مونڈھنا سنت ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھاہے کہ:

"والحلق سنة وهو احسن من القص وهٰذا قول ابی حنیفة وصاحبیه رحمهما تعالی کذا فی محیط السرخسی"۔

اور مونچھوں کا حلق کرنا (مونڈھوانا) سنت ہے اور یہ تراشنے سے زیادہ بہتر ہے اور یہ قول امام اعظم اور صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا قول ہے۔ اسی طرح محیط سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں بھی ہے۔[862]

فتاویٰ عالمگیری چار سو علماء (احناف) نے آٹھ سال میں تحریر فرمایا تھا اور اس وقت اس پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

اور اسی طرح علامہ زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تبیین الحقائق شرح کنز: جلد:۲: صفحہ:۵۵: میں اور محدثِ شہیر شارح بخاری شریف علامہ بدر الدین عینی حنفی رمز الحقائق: جلد:۱: صفحہ:۱۰۲: میں فرماتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں مونچھوں کو مونڈھوانا سنت ہے۔

لہٰذا حلق کرنا اور قصر کرنا (یعنی مونڈھنا اور تراشنا) دونوں درست ہیں اس میں کسی کو بُرا بھلا نہیں کہنا چاہئے لیکن تراشنے کے مقابلے میں مونڈھنا زیادہ بہتر اور افضل اور احسن ہے۔

جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ باب حلق الشوارب کے آخر میں فرماتے ہیں:

"وفیه من اصابة الخیر مالیس فی القص"۔

اور مونچھوں کے مونڈھوانے میں جو خیر (ثواب) ہے وہ تراشنے میں نہیں ہے۔

---

[862] مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ: جلد:۵: صفحہ:۳۵۸

اور ہدایۃ الابرار: صفحہ:۲۶: میں ہے:

"الحلق بالموسی ایسر منہ بالمقصّۃ"۔

یعنی اُسترے سے صاف کرنا قینچی سے کاٹنے سے زیادہ آسان ہے۔

رحمتِ بیان شرح رشید البیان مصنف الحاج القاری القادری الحنفی المولوی رحمت اللہ ابن ملا موسیٰ مندوخیل: جلد:۱: صفحہ:۳۵۱: میں لکھا ہے کہ امام اعظم اور صاحبین اور امام احمد بن حنبل اور اہلِ کوفہ اور صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حلق پسند ہے اور اسے اچھا سمجھتے تھے اور فرمایا کہ یہ سنت ہے اور احسن ہے۔ اس کی تین دلیلیں ذکر کی ہیں۔

(۱) قال رسول اللہ ﷺ احفوا الشوارب۔ قال رسول اللہ ﷺ انھکوا الشوارب۔ قال رسول اللہ ﷺ جزّوا الشوارب۔ قال رسول اللہ ﷺ طرّوا الشوارب۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھوں کو جڑ سے کاٹو، آپ ﷺ نے فرمایا مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مونچھوں کو خوب کاٹو حتیٰ کہ جلد نظر آجائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مونچھوں کو بالکل باریک کردو۔

صاحبِ کنز العمال فی سُنن الاقوال و الافعال (عن۔خ۔ن) (جلد:۱: صفحہ:۶۵۳: فرماتے ہیں:

الفطرۃ خمس الختان و حلق العانۃ و نتف الابط و تقلیم الاظفار و حلق الشوارب۔

یعنی دین میں پانچ چیزیں سنت ہیں۔ ختنہ کرنا، زیرِ ناف بال صاف کرنا، بغل کے بال کاٹنا، ناخن کاٹنا اور مونچھیں مونڈھنا۔

احادیث کے تمام الفاظ مونچھیں مونڈھوانے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) حضرت ابنِ عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت واثلۃ بن الاسقع، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو سعید الساعدی، حضرت رافع بن خدیج، جابر بن عبد اللہ، حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یہ تمام حضرات مونچھیں مونڈھواتے تھے اور ایک بال بھی نہیں چھوڑتے تھے۔

سنن ابو داؤد کے حاشیہ میں ہے:

کہ جو کوئی سنت طریقہ پر عمل کرنا چاہتے ہیں یا تو وہ احفاء اور حلق پر عمل کریں ہے اور یا قِص پر۔ لیکن کاٹنا (مونڈوانا) زیادہ بہتر ہے۔[863]

اس مسئلے میں مفتیٔ اعظم کے پی کے جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ مولانا محمد شائستہ گل صاحبنوّر اللہ مرقدہ نے ایک رسالہ بنام "حلق الشوارب من السنن الرواتب" تحریر فرمایاہے جس میں انہوں نے بہت سے دلائل ذکر کئے ہیں۔

ہدایۃ الابرار میں ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله تعالى عنه قال قال النبی ﷺ حلقوا الشوارب واعفوا اللُحى"۔[864]

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ مونچھیں کٹواؤ (منڈھواؤ) اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ۔

اور افغانستان، بخارا، تاشقند، سمرقند، غزنی اور پاکستان کے صوبۂ سرحد کے کثیر اولیائے کرام کا معمول مونچھیں مونڈھوانا ہے اور ان کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور اس کے علاوہ عظیم عالمِ دین، قائدِ

---

[863] ابو داؤد: صفحہ: ۸: حاشیہ: نمبر ۳

[864] (ہدایۃ الابرار، ص ۲۷)

اہل سنت، امام انقلاب ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ حضرت علامہ مولانا الحافظ القاری الشاہ احمد النورانی نوّر اللہ مرقدہ کا عمل بھی مونچھیں مونڈھوانا ہی تھا۔

(۳) مونچھوں کو حاجی کے سر کے بالوں پر قیاس کیا گیا ہے۔یعنی جس طرح حاجی کے لئے سر کے بال تراشنا جائز اور مونڈھوانا افضل وبہتر ہے اسی طرح مونچھیں تراشنا جائز اور مونڈھوانا افضل واحسن وبہتر ہیں۔[865]

حتیٰ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مونچھوں کے مقام کی سفید جلد واضح نظر آتی تھی۔ لہٰذا ان تمام آثار سے معلوم ہوا کہ حلق کرنا سنت اور احسن ہے۔لہٰذا ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ مونچھیں تراشنا اور مونڈوانا دونوں جائز ہیں اور مونڈوانا افضل ہے۔ بعض لوگ مونڈھوانے کو خوارج کی علامت بتاتے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔اگر اس طرح ہو تو پھر امام اعظم اور صاحبین اور کثیر احناف علماء اور صوفیاء اور صوبہ سرحد کے علماء وصلحاء اور عالمِ اسلام کے مقتدر علماء وصوفیاء اور حضرت قائدِ ملتِ اسلامیہ الشاہ احمد نورانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان تمام حضرات پر خوارج ہونے اور کافر ہونے کا فتویٰ لگتا ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری کے چار سو جید علماء پر خوارج ہونے کا الزام لگانا ہے جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ بالا تمام علمائے کرام اور صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیح العقیدہ حنفی سُنی مسلمان تھے۔

اور مطلوب شرعی کو کسی مشابہت کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ مثلاً عمامہ باندھنے، نماز پڑھنے، عصا پکڑنے، دعا کرنا، شلوار قمیص پہننا، ڈاڑھی رکھنا، اذکار واوراد وغیرہ یہ تمام گمراہ فرقے بھی کرتے ہیں۔کیونکہ یہ تمام کام اسلام کے ہیں اور جو بھی مدعی اسلام ہو وہ یہ کام اختیار کر سکتا ہے۔

---

[865] (طحاوی، الدعامة، محیط، ھندیه، عینی، بحوالۂ: رحمت بیان: جلد: ۱: صفحه: ۳۵۲

اصل اختلاف عقیدے کا اختلاف ہے کہ ان خوارج وہابی، رائیونڈی وغیرہ کے۔ کفریہ عقائد ہیں اور اہلِ سنت وجماعت کے مخالف ہیں۔ اور ہم الحمدللہ اہلِ سنت وجماعت کے صحیح اور مضبوط عقائد پر ہیں۔ اور اگر وہ لوگ مونچھیں مونڈواتے اور عمامہ باندھتے ہیں تو صرف مؤمنین کو دھوکہ دینے کے لئے لیکن ہم ان کی وجہ سے یہ اچھے اعمال ترک نہیں کر سکتے۔ اور ان کا عمل ہمارے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذِابْتَلٰی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ۔ (البقرہ ۱۲۴:)

اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں۔

عن ابن عباس فی قولہ عزوجل: (وَاِذِابْتَلٰی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ)، قال: ابتلاہ اللہ بالطھارۃ خمس فی الرأس، و خمس فی الجسد، وفی الرأس: قص الشارب و المضمضۃ والاستنشاق والسواک و، وفی الجسد: تقلیم الأظفار و حلق العانۃ والختان و نتف الابط وغسل مکان الغائط والبول بالماء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے: وَ اِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ (البقرۃ ۱۲۴) کے قول کے تحت روایت ہے کہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا جسم کی صفائی کے بارے میں امتحان لیا۔ پانچ کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا تعلق پورے جسم سے ہے۔

سر میں یہ پانچ چیزیں ہیں:

(۱) مونچھوں کو (جڑ سے) کاٹنا (۲) کلی کرنا (۳) ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا

(۴) مسواک کرنا (۵) سر کی مانگ نکالنا

اور جسم میں پانچ چیزیں یہ ہیں:

(۱)ناخن کاٹنا (۲)زیرِ ناف بال مونڈنا (۳)ختنہ کرنا

(۴)بغلوں کے بال نوچنا (۵)پاخانہ اور پیشاب کی جگہ کو پانی کے ساتھ دھونا

(یعنی پانی سے استنجاء کرنا)۔[866]

کلی کرنا:

کلی کرنا وضو میں سنت اور غسل جنابت میں فرض ہے۔ بغیر اس کے غسل نہ ہو گا، لیکن کلی میں مبالغہ کرنا(غرغرہ کرنا)اور اگر روزہ نہ ہو تو مسنون ہے، نیز کلی داہنے ہاتھ سے کرنا چاہیئے کہ یہ بھی سنت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی سنت:

عن ملیح بن عبداللہ الخطمی، عن ابیہ، عن جدہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ: خمس من سنن المرسلین: الحیاء، و الحلم، و الحجامۃ، و السواک، و التعطر۔[867]

حضرت ملیح بن عبد اللہ خطمی اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: پانچ چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: حیاء، بردباری، پچھنے لگوانا، اور مسواک کرنا اور عطر لگانا۔

---

[866] عبدالرزاق، عبدبن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم، ج، ۲، ص، ۲۹۳، بیہقی فی السنن الکبریٰ کتاب الطھارۃ باب السنۃ فی الاخذ من الاظفار والشارب ،، ج، ۱، ص، ۳۱۶، رقم: ۶۸۵، دارالحدیث القاھرۃ ،تفسیرطبری ،زیر آیت ھذا ،ج، ۱، ص، ۵۹۹،و تفسیر درمنثور ،ج، ۱، ص، ۳۰۱،ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاھور، کراچی،حاشیہ الجمل علی الجلالین ،ج، ۱، ص، ۱۵۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ،تفسیر ابن کثیر، ج، ۱، ص، ۱۷۶، میر محمد کتب خانہ کراچی

[867] (رواہ البزاز (مجمع))

عن أبي أيوب قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " أربع من سنن المرسلين: الحياء، والتعطر، والسواک، والنكاح "۔[868]

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں :ختنہ کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔

عن أبي الدرداءقال :قال رسول الله ﷺ :ثلث من اخلاق المرسلين:تعجيل الفطر،وتاخير السحور، والسواک، اخرجه الطبرانی فی معجمه، وابن ابی شيبة فی مصنفه موقوفاً، والدارقطنی رواه فی الأفراد من حديث حذيفة مرفوعاً نحو حديث أبی الدرداء۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین اعمال انبیائے کرام علی نبیناو علیہم السلام کی عادات واخلاق میں سے ہیں ۔ا۔افطاری (کا وقت ہوتے ہی) جلدی ۲۔سحری کو آخری وقت میں کرنا۳۔مسواک کرنا۔[869]

معلوم ہوا مسواک میں جہاں اور بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت اوران کی عادات میں سے ہے ۔جولوگ مسواک استعمال کرتے ہیں وہ بڑے خوش قسمت ہیں کہ مسواک کے اور منافع کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کی اس سنت کا ثواب بھی حاصل کرلیتے ہیں۔اور جولوگ اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے مسواک نہیں کرتے وہ بڑے ہی نقصان اور خسارے میں ہیں کہ دیگر منافع کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کی اس سنت عظمٰی کے ثواب سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔

---

[868] ضعيف المشكاة 382، الارواء 75، الرد على الكتاني ص 12 ،ضعيف الجامع الصغير وزيادته 760،سنن الترمذی ج۳ص ۸۰،رواہ احمدوالترمذی

[869] (البناية)

علامہ ابن اسماعیل فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو مسواک جیسی اہم سنت کو ترک کر دیتے ہیں، جس کے بارے میں بہت سی احادیث حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے منقول ہیں جن میں اس کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے۔ یاد رکھو مسواک کا چھوڑنا بڑا ہی خسارہ اور نقصان ہے۔

طہارت کی اقسام:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم: الطَّهَارَاتُ أَرْبَعٌ قَصُّ الشَّارِبِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ وَالسِّوَاكُ۔[870]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ طہارت (کی) چار (قسمیں) ہیں: مونچھیں کاٹنا، موئے زیر ناف مونڈنا، ناخن کاٹنا اور مسواک استعمال کرنا۔

فائدہ:

پاکی کی صرف یہی چار قسمیں نہیں، بلکہ بہت سی قسمیں ہیں، جو کتب فقہ میں اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، لیکن حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہاں صرف ان مذکورہ بالا چار قسموں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرما کر ان کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ کی خوشنودی:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ، فَإِنَّهُ مَطْيَبَةٌ لِلْفَمِ، وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ"۔

[870] (المسند البزار/البحر الزخار، الجزء ١٠ ص ٨٠)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسواک کا استعمال اپنے لیے لازم کرلو۔ کیوں کہ اس میں منہ کی پاکیزگی اور حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔[871]

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعضاء میں منہ کا عضو ایک امتیازی مقام و شان رکھتا ہے، اور عادتاً جسم کو غذا اور ایندھن فراہم کرنے کیلئے منہ ہی ذریعہ اور واسطہ بنتا ہے۔ اور دوسرے سے گفتگو اور کلام کرنے بلکہ اللہ تعالیٰ سے (ذکر و تلاوت وغیرہ کی شکل میں) ہمکلامی اور مناجات کیلئے بھی عموماً منہ ہی استعمال ہوتا ہے، اور سانس کی آمد و رفت کی شکل میں زندگی کا چراغ روشن رہنے کیلئے بھی منہ ہی واسطہ بنتا ہے۔

اس لئے اس اہم اور کثیر الاستعمال عضو کی نظافت کو حاصل و باقی رکھنے کیلئے زیادہ صفائی درکار تھی، اس لئے شریعت کی طرف سے مسواک کی شکل میں ایک عمدہ اور جامع نظام فراہم کردیا گیا۔ اور رات دن میں کم از کم پانچ مرتبہ ہر نماز کیلئے وضو کرتے وقت مسواک کی تعلیم دی گئی، اور تبدیلئ احوال کے موقع پر بھی اس کو سنت قرار دیا گیا، اور اس پر عظیم الشان فضائل بتلائے گئے ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

استاکوا وتنظفوا۔

---

[871] وأخرجه البيهقي في "الشعب" (11074) من طريق محمد بن جعفر الطالقاني، عن عقيل، به. ومحمد بن جعفر لم نقع له على ترجمة. وأخرجه ابن ماجه (3172) من طريق ابن لهيعة، عن قرة بن عبد الرحمن بن حيْويل المعافري، عن الزهري، به. وأخرجه البيهقي في "السنن" 280/9 من طريق ابن وهب، عن قرة بن عبد الرحمن المعافري، عن الزهري، أن عبد الله بن عمر، به، مرفوعاً. وهذا إسناد منقطع. قال أبو حاتم في "العلل" 45/2: هو الصحيح. وأخرجه ابن ماجه (3172) من طريق عبد الله بن لهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن سالم، به، مثله. وهو إسناد ضعيف أيضاً لضعف ابن لهيعة. والحديثُ الصحيح في هذا الباب حديثُ شداد بنِ أوس عند مسلم (1955) (57)، ولفظه: "إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحدَّ أحدكم شفرته، فليُرح ذبيحته"، وسيرد 123/4. قوله: "بِحَدَ الشَّفار"، قال السندي: ضبط بكسر الشين، جمع شفرة، بمعنى السكين. وقوله: "وأن تُوارى"، أي: الشفار، أي: تُخفى، على بناء المفعول. وقوله: "فليجهز" من أجْهَزَ، أي: ليسرع في الذبح. (1) في (ظ14): مرضاة، دون واو.

مسواک کرو، اور نظافت وصفائی حاصل کرو۔[872]

مسواک سے منہ کی صفائی تو ہوتی ہی ہے، اسی کے ساتھ گلے، جبڑے اور دانتوں کی ورزش بھی ہو جاتی ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ:

السواک مطھرۃ للفم، و مرضاۃ للرب۔

مسواک منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے۔[873]

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ:

امرت بالسواک حتی خشیت ان یکتب علی۔

مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مسواک کا اتنا زیادہ حکم دیا گیا، کہ مجھے اپنے اوپر اس کے فرض ہو جانے کا خوف ہونے لگا۔[874]

اور ایک موقع پر کچھ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

حَدِيثُ تَمَّامِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

---

[872] (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث:۱۸۱۷، کتاب الطھارۃ، باب فی أی ساعۃ یستحب السواک؟ المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث: ۷۴۴۲، عن سلیمان بن سعد۔) قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الأوسط، وفیہ اسماعیل بن عمرو البجلی ضعفہ أبو حاتم والدارقطنی وابن عدی، ووثقہ ابن حبان وابراھیم بن أورمۃ ذکرہ فأحسن الثناء علیہ۔ (مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۲۴۰، ۲۴۱) وقال بدر الدین العینی: وفی سندہ اسماعیل بن عمرو، وثقہ ابن حبان وضعفہ الدارقطنی (عمدۃ القاری، ج۷، ص۱۳) وقال المناوی: قال الھیثمی فیہ اسماعیل بن عمرو البجلی ضعفہ أبو حاتم والدارقطنی وابن عدی ووثقہ ابن حبان اہ۔ وبہ یعرف ما فی رمز المصنف لحسنہ الا أن یراد أنہ حسن لغیرہ (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۹۶۷)

[873] (بخاری، کتاب الصوم، باب سواک الرطب والیابس للصائم، دار طوق النجاۃ، بیروت، نسائی، رقم الحدیث ۵، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۴۳۳۲، عن عائشۃ، ابن ماجۃ، رقم الحدیث ۲۸۹، عن ابی امامۃ)

[874] (مسند احمد: رقم الحدیث: ۱۶۰۰۷، عن واثلۃ بن الاسقع، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ قال الھیثمی: رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر، وفیہ: لیث بن أبی سلیم وھو ثقۃ مدلس وقد عنعنہ (مجمع الزوائد، ج۲ ص۹۸) وفی حاشیۃ مسند احمد: حدیث حسن لغیرہ، وھذا اسناد ضعیف لضعف لیث: وھو ابن ابی سلیم، وبقیۃ رجالہ ثقات رجال الشیخین۔ وقال الالبانی: قلت: وھذا اسناد حسن فی الشواھد رجالہ کلھم ثقات غیر لیث وھو ابن أبی سلیم، وھو ضعیف لاختلاطہ (السلسلۃ ضعیفۃ، تحت رقم الحدیث ۱۵۵۶)

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُمَرَ أَبُو الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الزَّرَّادِ، قَالَ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ تَمَّامِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَوِ أُتِيَ - فَقَالَ: "مَا لِي أَرَاكُمْ تَأْتُونِي قُلْحًا، اسْتَاكُوا، لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السِّوَاكَ كَمَا فَرَضْتُ عَلَيْهِمِ الْوُضُوءَ"۔[875]

"یہ کیابات ہے کہ میں تمہیں پیلے دانتوں کی حالت میں آتاہوادیکھ رہاہوں، تم مسواک کیاکرو، اوراگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑجانے کاخوف نہ ہوتاتومیں (بحکم الہی) ان پر مسواک کوفرض قراردے دیتا، جس طرح سے ان پر وضوکوفرض قراردیا"۔

اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ، عَنْ تَمَّامٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: مَالِي أَرَاكُمْ تَدْخُلُونَ عَلَيَّ قُلْحًا اسْتَاكُوا، وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يَسْتَاكُوا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ» قَالَ مُحَمَّدٌ: وَالسِّوَاكُ عِنْدَنَا مِنَ السُّنَّةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُتْرَكَ۔

"یہ کیابات ہے کہ میں تمہیں پیلے دانتوں کی حالت میں آتاہوادیکھ رہاہوں، تم مسواک کیاکرو، اوراگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑجانے کاخوف نہ ہوتاتومیں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے ہاں مسواک کرنا سنت ہے لہذا اس کوترک کرنامناسب نہیں ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے دانتوں کو صاف نہ کرنے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

---

[875] (مسند احمد ج۳ ص ۳۳۴)

پھر رسول اللہ ﷺ سے رات کو سونے سے پہلے، سو کر اٹھنے بعد، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد اور دیگر مختلف اوقات میں مسواک کرنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَانَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ بَدَأَ بِالسِّوَاکِ۔[876]

نبی ﷺ گھر میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاکِ۔[877]

نبی ﷺ جب رات کو تہجد کیلئے اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا أَبُو الْعَلَاءِ الْحَسَنُ بْنُ سَوَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ - إِنْ كَانَ قَالَهُ - " لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاکِ مَعَ الْوُضُوءِ "، وقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: لَقَدْ كُنْتُ أَسْتَنُّ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ، وَبَعْدَ مَا أَسْتَيْقِظُ، وَقَبْلَ مَا آكُلُ، وَبَعْدَ مَا آكُلُ حِينَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا قَالَ۔[878]

---

[876](مسلم، باب سواک، ج ۱ ص ۲۲۰)

[877](صحیح البخاری، باب طول القیام فی صلاۃ اللیل، ج ۲ ص ۵۱)[تعليق مصطفى البغا] 1085 (1/382) - [ر 242]

[878](مسند احمد الرسالة باب مسند ابی ہریرة رضی اللہ عنہ، ج ۱۵ ص ۱۰۴)(1) حديث صحيح، وهذا إسناد قوي، الحسن بن سوار صدوق لا بأس به، ومن فوقه ثقات من رجال الشيخين. الليث: هو ابن سعد، وخالد بن يزيد: هو الجمحي المصري. وانظر (7339). قوله: "إن كان

میں سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے کے بعد؛ اور کھانے سے پہلے؛ اور کھانے سے فارغ ہو کر مسواک کرتا ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں آپ کا ارشاد سنا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت میں پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو ہر وضو میں مسواک کا حکم دیتا۔

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: " دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْتَنُّ وَطَرَفُ السِّوَاكِ عَلَى لِسَانِهِ وَهُوَ يَقُولُ: عَأْعَأْ"۔ [879]

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور اس وقت آپ ﷺ مسواک فرما رہے تھے اور مسواک کا کنارہ آپ کی زبان پر تھا، اور آپ ﷺ عَا عَا کی آواز نکال رہے تھے۔

اسی قسم کی حدیث حضرت بردہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ «يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُولُ أُعْ أُعْ، وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ، كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ»۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اع اع کر رہے تھے جبکہ مسواک آپ ﷺ کے دہن (منہ) مبارک میں تھا کیونکہ آپ ﷺ الٹی کر رہے تھے۔ [880]

قاله"، قال السندي: لتحقيق أنه قاله وتقريره وتأكيد على أن "إنْ" مخففة من الثقيلة، وحَذْف اللام بعدها جائز وارد في كلام العرب كما صرح به بعض أهل التحقيق، وإن كان ظاهر كلام النحاة خلافه.

[879] [حكم الألباني] صحيح، سنن النسائی رقم الحدیث ۳، ج ۱ ص ۹)

[880] (بخاری رقم الحدیث ۲۴۴، کتاب الوضوء، باب السواک، دار طوق النجاة، بیروت) [تعليق مصطفى البغا] 241 (96/1) -[ش أخرجه مسلم في الطهارة باب السواک رقم 254 (يستن) بذلک أسنانه بالسواک أو غيره. (يقول أع أع) حكاية لصوته أثناء الاستياک. (يتهوع) يتقيأ]

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مسواک سے زبان مبارک کو بھی اہتمام کے ساتھ صاف فرما رہے تھے ،اور اس کی وجہ سے مخصوص آواز پیدا ہو رہی تھی ۔اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا مسواک کا دوسروں کو ہدیہ فرمانا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَائِلَةَ الْأَصْبَهَانِيُّ، قَالَ, ثنا شَبَابُ الْعُصْفُرِيُّ، ثنا عَوْنُ بْنُ كَهْمَسٍ، ثنا دَاوُدُ بْنُ الْمُسَاوِرِ، عَنْ مُقَاتِلِ بْنِ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي خَيْرَةَ الصَّبَّاحِيِّ، قَالَ، كُنْتُ فِي الْوَفْدِ الَّذِينَ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَزَوَّدَنَا الْأَرَاكَ نَسْتَاكُ بِهِ , فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، عِنْدَنَا الْجَرِيدُ وَلَكِنَّا نَقْبَلُ كَرَامَتَكَ وَعَطِيَّتَكَ, فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, اللهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْسِ إِذْ أَسْلَمُوا طَائِعِينَ غَيْرَ مُكْرَهِينَ إِذْ قَعَدَ قَوْمِي لَمْ يُسْلِمُوا إِلَّا خَزَايَا مَوْتُورِينَ۔

حضرت ابو خیرہ صباحی فرماتے ہیں کہ میں عبدالقیس قبیلے کے اس وفد میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ہمیں پیلو (پودے کی ایک ٹہنی یا شاخ) عطا فرمائی کہ اس سے ہم مسواک کریں ۔ہم نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں یہ ٹہنیاں بہت زیادہ ہیں لیکن ہم آپ ﷺ کی سخاوت اور عطیہ کی بناء پر (تبرک سمجھتے ہوئے) قبول کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یا اللہ عبدالقیس کی مغفرت فرما کیونکہ بلا جبر واکراہ خود مطیع اور فرمانبردار بن کر آئے ہیں جبکہ میری قوم نے اس وقت اسلام قبول کیا جب وہ مجبور ورسوا ہو گئے تھے۔[881]

منہ اور دانتوں کی صفائی سے جہاں ایک طرف دانت ستھرے رہتے ہیں اور خوبصورتی اور دوسروں کی کشش کا باعث ہوتے ہیں ،اسی کے ساتھ کیڑا لگنے سے اور میل کچیل سے محفوظ ہو کر ایک لمبی مدت تک پائیدار اور مضبوط ہو جاتے ہیں ،اس کے علاوہ کئی بیماریوں سے بھی حفاظت رہتی ہے۔اگر منہ گندہ ہو تو غذا منہ سے گندگی (خوراک کے سڑے ہوئے ذرات وغیرہ) کو لے کر معدہ

[881] (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۹۲۴)

میں جاتی ہے اورانسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔علماء نے مسواک کے بہت سے فائدے شمار کیے ہیں ۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ،،منہاجت،،میں مسواک کے بیس فائدے ذکر کیے ہیں ۔ مصنف،،نہر فائق ،،رحمۃ اللہ علیہ نے تیس سے کچھ اوپر منافع بتائے ہیں ،جن میں سب سے ادنیٰ گندگی کا دور ہونااورسب سے اعلیٰ موت کے وقت کلمۂ شہادت یاددلاتی ہے اور موت کے علاوہ ہر بیماری کیلئے شفاہے۔

”نہایت الامل“میں ہے کہ مسواک میں بہتّر فائدے ہیں۔جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمۂ شہادت یادآجاتاہے۔اوراس کے برخلاف حشیشہ (بھنگ)کھانے میں ستر نقصان ہیں ،جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مراقی الفلاح“کے حاشیہ میں مسواک کے فوائد نقل کرتے ہوئے لکھاہے:

من فضائله ماروى الأئمة عن علي وابن عباس وعطاء رضي الله تعالى عنهم أجمعين: عليكم بالسواك فلا تغفلوا عنه وأديموه فإن فيه رضا الرحمن وتضاعف صلاته إلى تسعة وتسعين ضعفا أو إلى أربعمائة ضعف وإدامته تورث السعة والغنى وتيسير الرزق ويطيب الفم ويشد اللثة ويسكن الصداع وعروق الرأس حتى لا يضرب عرق ساكن ولا يسكن عرق جاذب ويذهب وجع الرأس والبلغم ويقوي الأسنان ويجلو البصر ويصحح المعدة ويقوي البدن ويزيد الرجل فصاحة وحفظا وعقلا ويطهر القلب ويزيد في الحسنات ويفرح الملائكة وتصافحه لنور وجهه وتشيعه إذا خرج إلى الصلاة وتستغفر حملة العرش لفاعله إذا خرج من المسجد وتستغفر له الأنبياء والرسل والسواك مسخطة للشيطان مطردة له مصفاة للذهن مهضمة للطعام مكثرة للولد ويجيز على الصراط كالبرق الخاطف ويبطيء الشيب ويعطي الكتاب باليمين ويقوي البدن على طاعة الله عز وجل ويذهب الحرارة من الجسد ويذهب الوجع ويقوي الظهر ويذكر الشهادة ويسرع النزع ويبيض الأسنان ويطيب النكهة ويصفي الخلق ويجلو اللسان ويذكي الفطنة ويقطع الرطوبة ويحد البصر ويضاعف

الأجر وينمي المال والأولاد ويعين على قضاء الحوائج ويوسع عليه في قبره ويؤنسه في لحده ويكتب له أجر من لم يستک في يومه ويفتح له أبواب الجنة وتقول له الملائكة هذا مقتد بالأنبياء يقفو آثارهم ويلتمس هديهم في كل يوم ويغلق عنه أبواب جهنم ولا يخرج من الدنيا إلا وهو طاهر مطهر ولا يأتيه ملک الموت عند قبض روحه إلا في الصورة التي يأتي فيها الأولياء وفي بعض العبارات الأنبياء ولا يخرج من الدنيا حتى يسقي شربة من حوض نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وهو الرحيق المختوم وأعلى هذه أنه مطهرة للفم مرضاة للرب۔[882]

مسواک کے وہ فضائل جن کو ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے حضرت علی، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا، یہ ہیں ، فرماتے ہیں کہ مسواک کو لازم کرلو، اس سے غافل نہ رہو، اس پر مداومت کرتے رہو، کیوں کہ اس میں حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اس سے نماز کا ثواب ننانوے یا چار سو گنا بڑھ جاتا ہے، اور ہمیشہ مسواک کرنے سے کشادگی اور مال داری پیدا ہوتی ہے روزی آسان ہو جاتی ہے، منہ پاکیزہ اور مسوڑھے مضبوط کردیتی ہے۔ درد سر کو اور سر کی تمام رگوں کو سکون ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ کوئی ساکن رگ حرکت نہیں کرتی اور نہ ہی کوئی حرکت کرنے والی رگ ساکن ہوتی ہے، بلغم کو دور کرتی ہے، دانتوں کو مضبوط بناتی ہے ، بینائی کو صاف کرتی ہے، معدہ کو درست اور بدن کو قوی بناتی ہے، انسان کی فصاحت و حافظہ و عقل کو بڑھاتی ہے، دل کو پاک کرتی ہے، نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، ملائکہ خوش ہوتے ہیں، اور اس کے چہرے کے نور کی وجہ سے مصافحہ کرتے ہیں ، اور جب وہ نماز کیلئے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں ، اور جب وہ مسجد سے نکلتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں ، اور انبیاء اور رسول اس کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں ۔ مسواک شیطان کو ناراض کردیتی

---

[882] (الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب فصل فی سنن الوضوء، ج ۱ ص ۶۹)

ہے اوراس کو دھتکارتی ہے،ذہن کو صاف ، کھانے کو ہضم کرتی ہے۔بچوں کی پیدائش بڑھاتی ہے۔پل صراط پرسے کوندنے والی بجلی کی طرح (بہت جلد)اتار دیتی ہے۔بڑھاپے کو مؤخر کرتی ہے۔نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دلاتی ہے۔بدن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے قوت دیتی ہے اور حرارت کوبدن سے دور کرتی ہے۔پیٹھ کو مضبوط بناتی ہے۔کلمۂ شہادت یاددلاتی ہے۔حالت نزع کو بہت جلد ختم کرتی ہے۔دانتوں کو سفید،منہ کو خوشبودار، حلق اورزبان کوصاف، سمجھ کو تیز کرتی ہے۔رطوبت کیلئے قاطع ہے، نظر کو تیز اور حاجتوں کے پوراہونے میں مدد کرتی ہے،قبر کوکشادہ بناتی ہے اور مردہ کیلئے غمخوار ہوجاتی ہے اور مسواک نہ کرنے والے کاثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیاجاتاہے اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔فرشتے اس کے بارے میں ہر دن کہتے ہیں کہ یہ (شخص)انبیاء علیہم السلامکا اقتداء کرنے والاہے،ان کے نشان قدم پر چلتاہے، ان کی سیرت کا متلاشی ہے۔اس کی طرف سے دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں،مسواک کرنے والا شخص دنیامیں (گناہوں سے)پاک صاف ہوکر جاتاہے اور موت کا فرشتہ روح نکالنے کیلئے اس کے پاس اس صورت میں آتاہے جس صورت میں اولیاءرحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس آتاہے،بعض عبارات میں ہے کہ جس صورت میں انبیاء علیہم السلام کے پاس آتاہے اسی صورت میں آتاہے۔مسواک کرنے والادنیاسے اس وقت تک نہیں جاتاجب تک کہ وہ حضور ﷺ کے حوض سے شراب نہ پی لے اوروہ رحیق مختوم ہے۔(اوران سب فوائدسے)بڑھ کر یہ ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی رضاہے اور منہ کی صفائی ہے۔

استنشاق الماء:(یعنی ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا)

اور یہ کلی کی طرح ہے جس کا ذکر آرہا ہے یہ دونوں وضو میں سنت ہیں اور غسل میں ہمارے نزدیک فرض ہیں اورامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں غسل میں سنت ہیں اورامام احمد اورمالک رحمہااللہ کی ایک روایت میں ان کاواجب ہونا مذکورہے۔

سر کے بالوں میں مانگ نکالنے کے متعلق:

جانناچاہیئے! سر کی ابتداء پیشانی کی جانب سے بال نکلنے کی جگہ سے ہوتی ہے اور اس میں اعتبار عام لوگوں کاہے پس بعض لوگوں کی جو پیشانی پر ہی بال اگ آتے ہیں یہ جگہ سر کی حدود میں داخل نہیں بلکہ چہرے کی حدمیں داخل ہے(کیونکہ یہ پیشانی کا حصہ ہے)اور "نزعتان" اور "صلع" سر کے حدود میں داخل ہے۔(پیشانی کے حدود میں داخل نہیں)اس لئے وضومیں اس کو دھونے کی ضرورت نہیں اور"نزعتان" سے مرادپیشانی کے وہ دونوں اطراف ہیں کہ سر کاحصہ ہونے کے باوجود بعض لوگوں کے ان دونوں اطراف میں بال نہیں ہوتے،پس بال نہ ہونے سے مغالطہ کھاکران اطراف کو پیشانی کاحصہ نہیں سمجھناچاہیئے۔اور "صلع" سے مرادپیشانی کے متصل سر کابالکل ابتدائی حصہ ہے،بعض لوگوں کے اس حصہ پربال نہیں ہوتے جس سے اس کے پیشانی کاحصہ ہونے کاگمان ہوتاہے۔

لیکن شرعاًاس کو سرہی کاحصہ شمار کیاجائے گا،اس لئے وضومیں اس کوچہرہ دھونے کے ساتھ نہیں دھویاجائے گا۔"نزعتان"کی اس ہیئت کو اہل عرب پسند کرتے ہیں۔اور لغت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ جس مرد کی پیشانی کے دونوں جانب بال نہ ہوں اس کو"انزع"اورجوعورت ایسی

ہو اس کو ”زعرا“ کہتے ہیں (حالانکہ ازروئے قاعدہ اس کو ”نزعا“ کہنا چاہیئے) پس نزعتان نزع سے ماخوذ ہے یعنی الگ ہونا گویا کہ بال اس جگہ سے ہٹ گئے اور تہذیب میں یہ بھی مذکور ہے:

”النزعتان من الرأس عندنا وعند جماهير العلماء واستحب الشافعي واصحابه غسلهما مع الوجه للخروج من خلاف من قال هما من الوجه“۔[883]

ترجمہ: ”نزعتان سر کا حصہ ہیں ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک۔ اور امام شافعی رحمہم اللہ اوران کے اصحاب نے چہرے کے ساتھ اس کا دھونا مستحب قرار دیا ہے تاکہ جن لوگوں نے اس کو چہرے کا حصہ سمجھا ہے احتیاطاً ان کے قول پر بھی عمل ہو جائے،، اور ”صلع“ سے مراد پیشانی کے متصل سر کے سامنے کے حصہ پر بال نہ ہونا ہے جیسا کہ بعض لوگوں میں ایسا ہوتا ہے، بالوں سے خالی سر کا یہ حصہ ”صلع“ کہلاتا ہے۔ ”اصلع“ صلعاء مثل احمر، حمراء اس کے صیغہائے صفت ہیں۔ اور آنکھ اور کان کے درمیان رخسار کی ابھری ہوئی ہڈی کی بالائی جانب کا حصہ جس کو صدغ کہتے ہیں یہ سر کا حصہ ہے۔

جس کی دلیل عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تلقین ہے جو انہوں نے نائی کو کی تھی:

”ابلغ العظمين فانهما منتهى اللحية“۔

ترجمہ: سر کے بال کنپٹی کی دونوں ہڈیوں تک مونڈ ڈالو! اس لئے کہ وہاں تک داڑھی کی حد ہے۔

اوران دونوں ہڈیوں کو عربی میں ”فنبکین“ بھی کہتے ہیں جیسا کہ صاحب نہایہ نے حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

”امرني جبرئيل ان اتعاهد فنبكي“۔[884]

ترجمہ: ”جبرائیل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فنیکین کی رعایت رکھوں“۔

---

[883] (تهذيب الاسماء للنووی واللغات ج۴ ص ۲۴۶)
[884] (كنز العمال ج ۹ ص ۳۰۲ حديث نمبر ۲۶۱۰۵)

اور گدی کی جانب سر کی حد گردن تک ہے لیکن گردن سر کی حد سے خارج ہے اس لئے گردن کا مسح سر کے مسح میں داخل نہیں۔البتہ موضع تحذیف یعنی وہ حصہ جو "صدغ"(کنپٹی)اور "نزعتان" (پیشانی کے اطراف)کے درمیان ہے جس پر ہلکے ہلکے بال ہوتے ہیں اس کے متعلق اختلاف ہے۔[885]

ابن سریج کے بقول یہ حصہ چہرے میں شامل ہے کیونکہ چہرے کی رنگ (سپیدی)اس حصہ میں نمایاں ہے،اس وجہ سے شرفاء گھرانوں میں اس حصہ پر اگنے والے بالوں کو دور کیا جاتا ہے۔اور اس جگہ کو موضع تحذیف کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس جگہ کے بالوں کو دور کیا جاتا ہے۔"کتاب البرکہ"میں لکھا ہے:

قدتعود الناس التحذیف ولا بأس به قال الغزالی وهو القدر الذی اذا وضع الخیط علی رأس الاذن والطرف الثانی علی الجبین وقع فی جانب الجبهة ولیس من القزع فی شیٔ۔

ترجمہ:لوگوں کی عادت موضع تحذیف سے بال دور کرنے کی ہے اوراس میں کوئی حرج نہیں ،امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحذیف وہ جگہ ہے کہ اگر دھاگے کا ایک کنارہ کان کے سرے پرر کھا جائے اوردوسرا سرا پیشانی پرر کھا جائے تو پیشانی کی جانب کا مقام موضع تحذیف ہے اوریہ عمل (موضع تحذیف سے بال صاف کرنا) قزع میں داخل نہیں ہے، ابواسحاق اوراس کے متبعین کے نزدیک یہ بال سر کے بالوں کے متصل ہونے کی بناء پراسی کے حکم میں ہیں ۔وھو الموافق لنص الشافعی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ والاول اظھر والثانی اشھر۔[886]

---

[885](تحفۃ المحتاج فی شرح المنھاج،باب الوضوء،ج ۲ ص ۳۷۳)

[886](کذافی فتح العزیز شرح الوجیز للرافعی،ج ۱ ص ۳۹۹)

ترجمہ: یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے موافق ہے اور پہلا قول ظاہر کے زیادہ مناسب ہے جبکہ زیادہ مشہور دوسرا قول ہے۔" اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح منہاج میں فرمایا ہے: صحح الجمهور ان موضع التحذيف من الرأس۔

ترجمہ: جمہور نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ موضع تحذیف سر کا حصہ ہے۔

"لِاِتِّصَالِ شَعْرِهٖ بِشَعْرِ الرَّأْسِ وَنَقَلَ الرَّافِعِيُّ فِيْ شَرْحَيْهِ تَرْجِيْحَهٗ عَنِ الْاَكْثَرِيْنَ"۔

ترجمہ: "بوجہ ان بالوں کے سر کے بالوں کے ساتھ متصل ہونے کے اور رافعی نے اپنے دونوں شرحوں میں اکثر اہل علم سے اسی کی ترجیح نقل کی ہے۔"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ مواضعِ مذکورہ سر کی حد میں داخل ہیں پس ان جگہوں کے بالوں کو بھی سر کے بالوں کا حکم حاصل ہے یعنی سر منڈانے کے ساتھ ان کو منڈایا جائے ورنہ نہیں۔

مسئلہ: مردوں کیلئے پورے سر کے بال رکھنا مسنون ہے اور ان کو منڈانا جائز (مباح) ہے۔ اور نبی کریم ﷺ سے حج و عمرہ کے علاوہ سر منڈانا ثابت نہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی طرز عمل اور معمول اسی کے مطابق تھا۔ البتہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سر کے بال منڈاتے تھے۔

اور مواہب میں مذکور ہے:

ولم يرو أنه صلى الله عليه وسلم حلق رأسه الشريف فی غير نسک حج أو عمرة فيما علمته، فتبقية الشعر فی الرأس سنة ومنكرها مع علمه يجب تأديبه، ومن لم يستطع التبقية فيباح له إزالته۔

ترجمہ: نبی ﷺ سے حج و عمرہ کے علاوہ جہاں تک مجھے معلوم ہے سر منڈوانا مروی نہیں، پس سر پر بال چھوڑنا سنت ہے اور جاننے کے باوجود اس کی سنیت کا منکر لائق تعزیر ہے اور جو شخص بال رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کیلئے بال نہ رکھنا جائز ہے۔[887]

اور جو کوئی بالوں کی نگہداشت (تیل، کنگھی وغیرہ) پر قادر ہو تب بھی اس کیلئے سر منڈانا مباح ہے۔ اسی طرح "روضہ"، اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی "مجموع" میں یہ روایت مذکور ہے۔

اور ابن قیم نے بھی زاد المعاد باب تنبیہات ج ۲ ص ۱۸ میں نقل کیا ہے:

لم یحلق صلی اللہ علیہ وسلم رأسہ الشریف إلا أربع مرات۔

ترجمہ: "نبی ﷺ نے صرف چار مرتبہ سر مبارک منڈوایا"۔

قَدُومَاتٌ أَرْبَعَةٌ: بِمَكَّةَ عُمْرَةُ الْقَضَاءِ، وَفَتْحُ مَكَّةَ، وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ، وَحَجَّةُ الْوَدَاعِ۔[888]

ترجمہ: عمرۂ قضاء میں، فتح مکہ کے موقع پر، عمرۂ جعرانہ میں اور حجۃ الوداع کے موقع پر کہ ان ہی چار مواقع پر ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ کو مکہ معظمہ میں حاضری کے مواقع میسر آئے۔

اور نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ "باب ترجل" میں حدیث "احلقوا کله او اترکوا کله" کے ذیل میں فرمایا ہے:

فی الحدیث اشارۃ الی ان الحلق فی غیر الحج و العمرۃ جائز و ان الرجل مخیر بین الحلق و ترکه لکن الافضل ان لا یحلق الا فی غیر احد النسکین کما کان ﷺ یفعله و اصحابه و انفرد منهم علی کرم اللہ وجهه۔

---

[887] (المواھب اللدنیه فی منح المحمدیه، الفصل الاول فی کمال خلقته و جمال صورته ﷺ ج ۲ ص ۸۰، منتهی السؤل علی وسائل الوصول الی شمائل الرسول ﷺ، الفصل الثالث فی صفة شعره ﷺ ج ۱ ص ۳۴۲)

[888] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، باب الترجل، ج ۷ ص ۲۸۲۵)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حج و عمرہ کے علاوہ بھی سر منڈانا جائز ہے اور آدمی کو سر منڈانے اور بال رکھنے میں اختیار ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ حج و عمرہ کے علاوہ سر نہ منڈائے جیسا کہ نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس معاملے میں منفرد تھے" (کیونکہ آپ ہر جمعہ کے دن سر منڈاتے تھے)۔

عینی شرح بخاری میں ہے:

ادعیٰ ابن عبدالبرّ الاجماع علی اباحۃ حلق الجمیع وھو روایۃ عن احمد۔

یعنی ابن عبد البر نے پورے سر کے بال منڈانے کی اباحت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔[889]

اور محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صراط مستقیم میں فرمایا ہے کہ سر کے بال منڈانا مرد حضرات کے لئے بالاتفاق جائز ہے اور جو لوگ بالوں کو تیل لگانے اور درست رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں ان کے لئے (سنت کے مطابق) بال رکھنا افضل ہے۔

اور مدارج النبوۃ میں فرمایا ہے کہ: سر کے بال (سنت کے مطابق) رکھنا سنت ہے اور قدیم عرب کی یہی عادت تھی لیکن تیل کنگھی کے ذریعہ بالوں کی نگہداشت رکھنی چاہیئے، اوراب تو عام و خاص اکثر لوگوں میں بال منڈانے ہی کا رواج ہے خصوصا مشائخ، صوفیاء اور درویش صفت لوگ (مولف کی مراد اس سے اپنے زمانہ کے اہلِ ہند ہیں)۔بظاہر اس کی وجہ بالوں کی نگہداشت سے ان کی عدیم الفرصتی ہے۔

---

[889](عمدۃالقاری ج ۲۲ باب القزع)

سر کے بالوں کی نظافت

سر کے بالوں کے بارے میں شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ ان کی صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کیا جائے، رسول اللہ ﷺ بالوں میں کنگھا فرمایا کرتے تھے اور تیل کا استعمال بھی فرمایا کرتے تھے۔

اس عمل سے بالوں کا گرد و غبار اور میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور بالوں میں جوئیں پڑنے سے بھی حفاظت رہتی ہے۔

اور اگر کوئی مرد سر پر بال رکھے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرے اور اگر یہ نہ کر سکے تو پھر بالوں کو منڈوا دے۔[890]

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے بال ہوں عین کے فتح کیساتھ، اس سے مراد سر کے بال ہیں، بس اس کی عزت کرو یعنی اسے مزین رکھو، اسے صاف رکھو، دھونے کے ساتھ، تیل لگانے کے ساتھ اور اسے بکھرے ہوئے نہ چھوڑو کیونکہ صفائی اور خوبصورت دکھنا پسند کیا جاتا ہے۔

من اتّخذ شعرا فلیحسن الیه او لیحلقهٗ۔

ترجمہ: جو بال رکھے تو اچھی طرح رکھے (دھوئے، تیل کنگھی وغیرہ کرے) ورنہ منڈا دے۔[891]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من کان له شعر فلیکرمه۔

---

[890] (وعن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال من كان له شعر: بفتح العين ويسكن، والظاهر أن المراد به شعر الرأس (فليكرمه): أی فليزينه ولينظفه بالغسل والتدهين ولا يتركه متفرقا؛ فان النظافة وحسن المنظر محبوب (رواه أبو داود) مرقاة المفاتيح، ج۷ ص۲۸۲۷، کتاب اللباس، باب الترجل)

[891] (رواه الطبرانی فی الاوسط، حدیث ۴۰۸۰، ج۹ ص۱۳۳، وفی مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الشارب)

ترجمہ: جس کے بال ہوں تو اسے چاہیئے کہ ان کا اکرام کرے۔[892]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: من اتخذ شعرا فلیکرمه۔

یعنی نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا جو بال رکھے تو ان کا اکرام کرے۔[893]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

کان لابی قتادة جمة فسأل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیها؟ فقال: اکرمها وادهنها۔

(یعنی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے جمہ (کندھوں تک) بال تھے، انہوں نے اس بارے میں نبی صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سوال کیا تو نبی کریم صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ان کا اکرام کیجئے اور ان میں تیل لگایئے۔[894]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سمعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: من ربی منکم شعرا فلیکرمه، قیل: یارسول اللّٰہ، وما کرامته؟ قال: یدهنه، ویمشطهٔ کل یوم۔

میں نے رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا کہ تم میں سے جو بال رکھے تو اسے چاہیئے کہ ان کا اکرام کرے، رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا گیا کہ بالوں کا اکرام کیا ہے؟ تو آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ان میں روزانہ تیل لگائے اور کنگھی کرے۔[895]

---

[892] (سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۴۱۶۳، کتاب الترجل، باب فی اصلاح الشعر، المکتبة العصریة، بیروت، واللفظ له المعجم الأوسط للطبرانی، رقم ۸۴۸۵، شعب الایمان للبیهق رقم ۶۰۳۶، مشکل الآثار للطحاوی، رقم ۳۳۶۵)

[893] (ج ۱ ص ۱۹۵، دار ابن الجوزی، السعودیة/الریاض، واللفظ لهٔ، الکامل فی ضعفاء الرجال، ج ۳ ص ۴۱۴، الترغیب والترهیب لقوام السنة، رقم الحدیث ۲۰۳، اخبار اصبهان، رقم الحدیث ۱۷۳۹)

[894] (رقم ۱۷۶، در الحرمین، القاهرة، واللفظ لهٔ؛ شعب الایمان للبیهقی، رقم ۶۰۴۱)

[895] (ج ۱ ص ۲۶۲، دار الکتب العلمیة، بیروت)

سر منڈانے کو معمول بنانا سنت ہے اس لئے کہ یہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تقریری سنت کے قبیل سے ہے اور پھر خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سر منڈانے پر مواظبت (ہمیشگی) بھی تنہا سنت ہونے کے لئے کافی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔

ترجمہ: میرے اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو۔[896]

فتاویٰ عالمگیری میں روضہ زندویسی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

وان السنۃ فی شعر الرأس اما الفرق و اما الحلق و ذکر الطحطاویؒ الحلق سنۃ و نسب ذالک الی العلماء الثلاثۃ۔[897]

ترجمہ: "تحقیق سنت طریقہ سر کے بالوں کے حق میں یہ ہے کہ یا تو بال رکھ کر درمیان سے سیدھی مانگ نکالی جائے اور یا پھر سر منڈھایا جائے اور امام طحاوی نے سر منڈانے کو سنت کہا ہے اور یہ بات ائمہ ثلاثہ احناف کی طرف منسوب کی ہے (جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے)۔"

مسئلہ: مردوں کے لئے حج کے دوران مقررہ وقت پر بال کٹوانے کے بجائے منڈوانا افضل ہے، اگرچہ کٹوانا بھی جائز ہے:

"قال اللہ تعالیٰ محلقین رءوسکم و مقصرین۔"

(اپنے سروں کے بال منڈانے والے اور کٹوانے والے ہیں)۔[898]

---

[896] (مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالسنۃ، ابن ماجہ ج ١، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین)

[897] (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع عشر فی الختان و الخصاء و حلق المراۃ شعرھا و وصلھا شعر غیرھا)

[898] (الفتح ٢٧)

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا:

اللھم ارحم المحلقین۔

اے اللہ تعالیٰ منڈوانے والوں پر رحم فرما۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا:

والمقصرین؟(اور کٹوانے والے بھی؟)۔

تب بھی آپ ﷺ نے پہلا جملہ ہی ارشاد فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے چوتھی بار "والمقصرین" کے ساتھ استفسار کیا تب آپ نے والمقصرین کہہ کر محلقین کے لئے رحم کی دعا میں ان کو شامل فرمایا:(ان الفاظ کے ساتھ:اللھم ارحم المحلقین والمقصرین۔[899]

فتاویٰ عالمگیری میں شرح طحاوی سے نقل کیا ہے:

یحلق او یقصر والحلق افضل۔

حلق کرے یا قصر کرے، لیکن حلق افضل ہے۔[900]

وحلق الکل افضل اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ:پورے سر کو منڈانا افضل ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام(کے عمل)کی اتباع کی وجہ سے۔

پس کہتا ہے بندہ عاجز فقیر سید احمد علی شاہ ترمذی سیفی کہ زلفیں رکھنا اور منڈوانا دونوں جائز ہیں ، جیسا کہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:حلق الرأس مع الصدغین سنة یعنی کنپٹی سمیت سر منڈوانا سنت ہے۔[901]

---

[899](بخاری،باب الحلق والتقصیر عند الاحلال،رقم ۱۶۱۲)

[900](کتاب المناسک وفیہ سبعۃ عشر بابا، الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج)

[901](خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۴۲، جلد ۴)

فتاویٰ عالمگیری میں لکھاہے:

یستحِبّ حلق الرأس فی کل جمعة کذافی الغرائب۔

ہر جمعہ کو سر منڈوانا مستحب ہے۔[902]

فتاویٰ سلطانیہ میں لکھاہے:

ولو حلقت المرأة رأسها فان فعلت لوجع اصابها فلا بأس بہ.فان فعلت تشبها بالرجل فهو مکروه۔

اگر کسی خاتون نے سر میں کسی بیماری کے سبب اپنا سر مونڈوایاتوکوئی حرج نہیں ہے اوراگر مردوں کے ساتھ تشبیہہ کی وجہ سے ایسا کیاتوپھر مکروہ ہے۔[903]

وفی زین الحلم شرح عین العلم لملا علی قاری رحمة اللہ تعالیٰ علیه: ویحلق رأس أی شعره ان اراد التنظیف والاحتیاط فی الغسل کما اختارهٗ علی کرم اللہ وجهه حیث کان کثیر الاغتسال وقد سمع النبی ﷺ تحت کل شعرة جنابة ولذا قال ومن ثم عادیت رأسی الی قوله وحیث قرّر علیه السلام فعل علی رضی اللہ تعالیٰ عنه صار سنة ای حلق الرأس مع انه قال علیه السلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی عین العلم کی شرح زین الحلم میں ہے کہ غسل میں احتیاط یاصفائی کی وجہ سے اگر سر کا حلق کیاجائے تو جائز ہے جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سر مونڈوانے کو اختیار کیاتھا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ غسل فرمانے والے تھے اورآپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ﴿ ناپاکی ﴾ ہوتی ہے۔اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے سر ﴿ کے بالوں ﴾ کے ساتھ دشمنی

---

[902] (ص ۳۵۷، ج ۵، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

[903] (فتاوی سلطانی ص ۴۵۵)

کرلی....اور جب آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل کو بر قرار رکھاتو سر منڈوانا سنت قرار پایااور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں پر میری اور میرے خلفاءراشدین کی سنت لازم ہے۔[904]

وفی فصول العبادیة رجل قال لآخر حلق رأسک أو قلم أظافرک فان هذا سنة النبی ﷺ وقال ذالک الرجل لا أفعل وان کان سنة فهذا کفر لانه قال ذالک علی سبیل الانکار والرد۔ کذا فی سائر السنن خصوصا فی السنة هی معروفة وثبوتها بالتواتر کالسواک ونحوه۔وفی الغرائب وروی محمد رحمة اللہ تعالیٰ علیه عن ابی حنیفة رحمة اللہ تعالیٰ علیه قال خطانی حجام فی سفر القبلة فی ثلاثة اشیاء اذا جلست لحلق الرأس قال لی استقبل القبلة فاستقبلت الیها فقدمت جانب یساری فقال لی قدم جانب یمینک فقدمت جانب یمینی فاذا فرغت اردت ان اخرج فقال دفن شعرک ثم اخرج فدفنت کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول للحلاق ابلغ العظمین فانهما منتهی اللحیة یعنی حدها ولذلک سمیت لحیة لان حدها اللحی۔

فصول العبادیة میں ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ اپنا سر منڈواؤیااپنے ناخن کاٹوکیونکہ یہ آپ ﷺ کی سنت ہے اور دوسرااس کے جواب میں کہے کہ میں ایسا نہیں کرونگا اگرچہ سنت ہے تو یہ قول کفر یہ ہے ﴿یعنی یہ کلمہ کفر ہے﴾ کیونکہ اس نے جو جواب دیا یہ بطور انکار اور رد تھا۔ یہی حکم آپ ﷺ کی تمام سنن کے بارے میں ہے خاص کر ان سنن کے بارے میں کہ جو معروف ہو اوران کا ثبوت تواتر سے ہو جیسے مسواک وغیرہ۔ غرائب میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایاکہ سفر قبلہ ﴿حرم شریف﴾ میں حجام نے مجھے تین غلطیوں پر تنبیہ کی۔ ۱۔جب میں سر مونڈوانے کیلئے بیٹھاتو حجام نے کہا کہ قبلہ روہو جاؤتو میں قبلہ روہو گیا۔ ۲۔میں نے حجام کی طرف سر مونڈوانے کیلئے بائیں طرف کو آگے کیا تو

---

[904](بحوالۂ ھدایہ الابرار ص ۳۱)

اس نے کہا کہ پہلے دائیں طرف کا حلق ہو گا تو میں نے دائیں طرف آگے کر دی۔ ۳۔ جب میں فارغ ہوا اور باہر جانے لگا تو حجام نے کہا اپنے بال دفن کر دو پھر نکلو تو میں نے بال دفن کر دیئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حجام سے فرمایا سر مونڈتے ہوئے بڑی ہڈیوں تک پہنچو کہ یہ داڑھی کی انتہاء ہے اور اس لئے داڑھی کو **لحیہ** کہتے ہیں کہ یہ داڑھ کی انتہاء تک ہوتی ہے۔[905]

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا سر منڈانے کے متعلق فتویٰ:

مسئلہ ۲۳۵: از قادر گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین حسینی قادری رزاقی ۲۲ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

تمام سر کا منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حضور سرور کائنات ﷺ یا حضرت مولائے کائنات سیدنا امام علی مرتضی رضی اللہ عنہ یا حضرت امامین مطہرین رضی اللہ عنہما یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم ان حضرات نے سر منڈایا ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواز فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت تمام سر کے بال رکھنا ہے اور امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی سنت سارا سر منڈانا۔

وقد روی رضی اللہ تعالٰی عنہ ان تحت کل شعرۃ جنابۃ ثم قال من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی۔

---

[905] (ھدایۃ الابرار ص ۳۲)

بلا شبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت کی ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہذا اس وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں۔[906]

دونوں صورتیں جائز ہیں آدمی اپنے لئے جس میں مصلحت سمجھے، اور اول اولیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۳۹: ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ ایھا العلماء الکرام اندریں مسئلہ کہ مروی وماثور است کہ موئے مرغول سرآن سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر از حلق بستہ کیفیت متکیف بودند یعنی گاہ بگوش وگاہ بدوش وگاہ از گوش فرود آمدہ ونزدیک بدوش رسیدہ آیار جل امت احابت آن تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رانیز لازم است کہ ہمیں جادہ مستقیم رااخذ نمودہ سالک شوند باز وبرتقدیر اول آیا کہدام صنف است از اصناف سنن ہدی ست کہ تارکش مستحق لوم وعتاب است یازائد کہ تارکیش لائق ایں امر نبود چنانچہ دررسالہ منارمی نویسند وھی نوعان سنۃ الھدی وتارکھا یستوجب اساءۃ کالجماعۃ و الاذان والزوائد وتارکھا لایستوجب اسائۃ کسیر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی لباسہ وقعودہ وقیامہ الخ رسالہ شرح نور الانوار قمر الاقمار۔

اے علماء کرام! اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کے پھول برسائے تمہارا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ کے بارے میں کہ مروی اور منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک کے (کسی

---

[906] (سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ ۱/ ۳۳ وجامع الترمذی ابواب الطہارۃ ۱/ ۱۶)(سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳)

قدر) گھنگھریالے مقدس بال منڈائے بغیر، تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے متصف تھے (۱)یعنی کبھی کانوں تک (۲) کبھی کندھوں تک (۳)اور کبھی کانوں سے نیچے لٹکے ہوئے اور کندھوں کے قریب پہنچے ہوئے تھے (اب سوال یہ ہے کہ) کیا تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت اجابت (یعنی امت مسلمہ) کے کسی مسلمان فرد کے لئے بھی یہی لازم اور ضروری ہے کہ وہ اسی ٹھیک طریقہ کو اختیار کرکے اس پر چلے۔ نیز پہلی صورت میں یہ سنن ہدی میں سے کونسی قسم ہے کہ جس کا چھوڑ دینے والا ملامت اور سرزنش کے لائق ہے یا سنت زائدہ ہے کہ جس کا ترک کرنے والا سزا اند کور کے لائق نہیں چنانچہ رسالہ "منار،، میں لکھتے ہیں سنت کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک سنت ہدٰی، جس کا تارک مستحق اساءت ہے۔ جیسے نماز باجماعت اور اس کے لئے اذان۔ (۲) دوسری قسم سنت زوائد کہ جس کا تارک اساءت کا سزاوار نہیں جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک عادات، پہننے، بیٹھنے اور قیام میں الخ ۱۲ قمر الاقمار حاشیہ نورالانوار (از مولانا عبدالحکیم لکھنوی)۔[907]

الجواب: عادت کریمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر تمام سر موئے داشتن است از گوش تادوش در غیر حج وحجامت ہیچ گاہ حلق ثابت نیست امیرالمومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم دائما حلق فرمودہ واز ان روکہ زیر ہر موجنابت ست مباد کہ آب بجائے نرسد وے فرمود ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی وسنت خلفائے راشدین نیز سنت ست ہر چہ مناسب حال خود مبیند برآں عمل کنند موئے راااکرام باید فی الحدیث من کان لہ شعر فلیکرمہ اگراکرام تواند وبجد اسراف نرساند

---

[907] (نور الانوار شرح المنار بحث سنن الهدى والزوائد مطبع عليمى دهلى ص ١٦٧)

موئے داشتن بہتر ست ورنہ در حلق فارغ البال و بر ہر چہ ازیں عمل کند مستحق لوم وعتاب نیست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت عالیہ اپنے پورے سر مبارک پر بال رکھنے کی تھی اور یہ کیفیت کان سے کندھوں تک ہوتی، لہٰذا بغیر حج کبھی سر منڈوانا ثابت نہیں البتہ مومنوں کے امیر حضرت مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم ہمیشہ بال منڈواتے اس وجہ سے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں تک پانی نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے یہی وجہ ہے کہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں، اسی وجہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بال رکھنے کا مخالف ہوں، اور خلفائے راشدین کی سنت بھی درجہ سنت رکھتی ہے لہٰذا جو بھی اپنے حال کے مناسب سمجھے وہی روش اختیار کرے، بہر حال بالوں کا احترام کرنا چاہئے، چنانچہ حدیث پاک میں مذکور ہے جس آدمی کے بال ہوں اسے ان کا احترام واکرام کرنا چاہئے لہٰذا اگر عزت توقیر کرسکے اور اسے اسراف کی حد تک نہ پہنچائے تو پھر بال رکھنے بہتر ہیں ورنہ منڈوا کر فارغ البال ہوجائے لہٰذا ان میں سے جو طریقہ اپنائے (اور اس پر عمل کرے) تو ملامت اور عتاب کا سزاوار نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔[908]

---

[908] (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاھور ۱/۳۳) (سنن ابی داؤد کتاب الرجل باب فی اصلاح الشعر آفتاب عالم پریس لاھور ۲/۲۱۸) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس الفصل الثانی المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/۲۳۰) (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۶۸۶۔۶۹۲)

حلق العانة(زیر ناف بال)صاف کرنا:

زیر ناف بال صاف کرنا مرد وعورت دونوں کے لئے مسنون و مشروع ہے۔بلکہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے ادیان میں مشترک مشروع ہے۔اسی لئے حدیث شریف میں اس کو انسان کی فطرتی عادات میں سے شمار کیا گیا۔

والاستحداد أی حلق العانة وهو۔استعمال الحديدمن نحو موسى وغيره في حلق العانةای الشعر الذی حوالی ذکر الرجل وفرج المرأةوزادابن شريح وحلقةالدبر۔

استحداد یعنی موئے زیرناف صاف کرنااوراستحداد کامعنٰی ہے بالوں کی صفائی کیلئے استرا وغیرہ کی شکل میں لوہے کواستعمال کرنااور موئے زیرناف سے مرادوہ بال ہیں جو مرد کے آلۂ تناسل کے ارد گرد ہوں اور عورت کے عضو مخصوص﴿شرمگاہ﴾ کے ارد گرد ہوں۔ابن شریح نے کہاکہ مقام پاخانہ کے ارد گرد کے بالوں کو بھی **عانة** کہتے ہیں۔[909]

قلت وعليه الفتوٰى كمافي الشامية۔ میں کہتاہوں اسی پر فتویٰ ہے جیسے کہ شامی میں ہے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر زیرناف بال مونڈنا بھی فرض تھا،ہم پر سنت ہے۔خیال رہے کہ زیرناف بال دور کرنے کیلئے زیادہ طورپر احادیث میں **(استحداد)** کے الفاظ استعمال ہیں ،یعنی نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لوہے کے آلہ(استرا وغیرہ)کواستعمال کیا۔

ایک اور حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے،وہ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم كان لايتنور,وكان اذااكثر الشعر على عانته حلقه۔

[909] (المرقاة ٨/٢٨٩ومجمع الزوائد٥/٣٠٣)

کہ بے شک نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زیرناف بالوں کو دور کرنے کیلئے چونہ (پاؤڈر وغیرہ) استعمال نہیں کیا، بلکہ جب بال دور کرنے کی ضرورت درپیش آتی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان بالوں کو مونڈ کر دور کرتے لیکن ایک دوسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان اذا اطلی ولی عانته بیده۔

کہ بے شک نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم زیرناف بالوں پر چونہ (پاؤڈر وغیرہ) استعمال کرکے ہاتھوں سے بالوں کو صاف کردیتے۔

خیال رہے کہ "اطلی" کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔

اطلی یعنی بالنورة وهی حجر یتخذ منه طلاء لازالة الشعر من بواطن الجسد۔

کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے چونہ کا استعمال کیا، کیونکہ پتھر سے حاصل ہونے والے چونہ کو جسم کے اندرونی حصہ کے بال دور کرنے کیلئے جب استعمال کیا جائے تو اسے بھی طلائی کہہ لیا جاتا ہے۔

دونوں حدیثوں میں تطبیق:

ابن خویز منداد کہتے ہیں:

وهذا یدل علی ان الاکثر من فعله کان الحلق وانما تنور نادرا لیصح الجمع بین الحدیثین۔

اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اکثر طور پر زیرناف بالوں کو مونڈا ہے لیکن کبھی کبھی چونہ وغیرہ سے بھی بالوں کو دور کیا ہے۔ اس طرح دونوں حدیثوں میں مطابقت ہو جائے گی۔ خیال رہے کہ زیرناف بالوں کو دور کرنا مردوں اور عورتوں کیلئے برابر ہے اور دور کرنے کے دونوں طریقے بھی مردوں اور عورتوں کیلئے برابر ہیں۔[910]

---

[910] (نجوم الفرقان ص ۸۰۸ ج ۳)

لہٰذا مرد و عورت دونوں کو کسی بھی طریقے سے ان بالوں کا زائل کرنا ضروری ہے لیکن مردوں کو استرے (بلیڈ) سے صفائی بہتر جبکہ عورتوں کو نورہ بال صفا پاؤڈر سے دور کرنا افضل ہے اور عورتوں کو انگلیوں سے نکالنا مستحب ہے۔[911]

ختنہ کرنا:

مسلم شریف میں اور مسند احمد میں یحییٰ کی روایت میں ہے:

انہ اختتن حین بلغ ثمانین سنۃ و اختتن بالقدوم۔

بیشک ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا اور آپ نے تیسہ سے ختنہ کیا۔

یعنی جب آپ علیہ السلام پر ختنہ کے فرض ہونے کا حکم نافذ ہوا اس وقت آپ کی عمر اس سال تھی، آپ نے لکڑی کاٹنے چھیلنے کا آلہ تیسہ لیا، اور اپنا ختنہ خود ہی کر دیا۔ سبحان اللہ یہ انبیاء کرام کے کام ہی ہیں جو مشکل امتحانات میں پورے اترے ورنہ عام انسان ایسے امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

خیال رہے "قدوم" قاف پر فتحہ، دال مشدد بھی استعمال ہے اور مخفف بھی، معنی اس کا تیسہ۔

قال عکرمۃ اختتن ابراھیم علیہ السلام وھو ابن ثمانین سنۃ، قال: ولم یطف بالبیت بعد علی ملۃ ابراھیم الا مختون۔

حضرت عکرمۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا، حضرت عکرمۃ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے بعد ملت ابراہیمی پر قائم کسی شخص نے بغیر ختنہ طواف نہیں کیا۔

---

[911] (فتاوی حقانیۃ ۲/۴۶۴)

مسئلہ:

جمہور احناف اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے:

ان ذلک من مؤکدات السنن و من فطرۃ الاسلام التی لا یسع ترکھا فی الرجال۔

کہ ختنہ کرنے کا فعل سنت مؤکدہ ہے اور فطرۃ اسلامیہ سے ہے۔مردوں کیلئے اس سنت کو چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال الفطرۃ خمس الاختتان الخ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد بیان فرمایا کہ فطرت اسلامیہ پانچ چیزیں ہیں، ان میں آپ ﷺ نے ختنہ کا بھی ذکر کیا۔

اس حدیث سے بھی ختنہ کا سنت ہونا واضح ہے۔خیال رہے کہ ایک ضابطہ یہ ہے ذکر قلیل ذکر کثیر سے مانع نہیں لہذا کسی محل اور موقع کی مناسبت سے پانچ کا ذکر کرنا دوسری جگہ دس کے ذکر کے منافی نہیں۔

مسئلہ:

اگر کوئی بچہ ختنہ شدہ پیدا ہوا تو وہ ختنہ کی مشقت سے بچ گیا ہے۔اب اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ختنہ کرنے کی کوئی ضرورت ہوگی کیونکہ اس کا ختنہ پہلے قدرتی طور پر ہو چکا ہے۔حضرت میمونی کہتے ہیں، مجھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص تھا جس کا بچہ پیدا ہوا جس کا ختنہ قدرتی طور پر ہو چکا تھا۔وہ شخص پریشان تھا کہ میں بچے کا ختنہ کیسے کرونگا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص کو فرمایا **اذا کان اللہ قد کفاک المؤنۃ فما غمک بھذا۔** جب رب تعالیٰ نے تمہیں اس بچے کے ختنہ کی مشقت سے آزاد کر دیا ہے تو تمہیں اس کا کیا غم ہے۔

فائدہ جلیلہ:

عن محمدبن حبیب الهاشمی خلق من الانبیاء اربعة عشر مختونین آدم وشیث ونوح وهودوصالح و لوط و شعیب و یوسف وموسیٰ و سلیمٰن و زکریاوعیسیٰ (و حنظلة بن صفوان نبی اصحاب الرس) ومحمد ﷺ۔

محمد بن حبیب ہاشمی کہتے ہیں کہ چودہ انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے، حضرت آدم علیہ السلام ،حضرت شیث علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام ،حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت سلیمٰن علیہ السلام ،حضرت زکریاعلیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، (حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام اصحاب الرس کے نبی علیہ السلام) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ختنہ شدہ ہونے کے قول کو ترجیح دی ہے۔

اعتراض:

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ختنہ ہوا ہے۔لہذا یہ کہنا کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے کیسے صحیح ہے؟

"عن ابن عباس ان عبدالمطلب ختن النبی ﷺ یوم سابعة وجعل له مأدبة وسماه محمدا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا ختنہ ساتویں دن کرایا اور اسی دن احباب کی دعوت کی اور اسی دن آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔

جواب:

یہ حدیث محمد بن ابی سری نے روایت کی ہے۔اس حدیث کے متعلق یحییٰ بن ایوب فرماتے ہیں:

طلبت هذا الحديث فلم اجده عند احد من اهل الحديث ممن لقيته الاعندابن ابى السرى۔

میں نے اس حدیث کو بہت تلاش کیا، لیکن حدیث بیان کرنے والے حضرات میں سے میں نے جس سے بھی ملاقات کی مجھے کسی کے پاس بھی یہ حدیث نہیں ملی سوائے ابن ابی السری کے۔

اس سے واضح ہوا کہ یہ حدیث دوسری معتبر احادیث کے مقابل قابل حجت نہیں، کیونکہ اس حدیث کے متعلق ابو عمرو نے فرمایا:

"هذاحديث مسندغريب"۔

یہ حدیث مسند غریب ہے۔

اس سے بھی اس کے قابل حجت نہ ہونے کا ذکر کیا گیا۔

یہ ذکر کرنے کے بعد ابو عمرو نے کہا:

"وقدقيل ان النبى صلى الله عليه وآله وسلم ولدمختونا"۔

تحقیق بیان کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے ہیں۔

فذكر ابو نعيم الحافظ فى "كتاب الحلية"، باسناده ان النبى صلى الله عليه وآله وسلم ولدمختونا۔

ابو نعیم رحمہ اللہ علیہ نے "کتاب الحلیۃ"، میں ذکر فرمایا ہے اسناد صحیحہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

مسئلہ:

ختنہ بالغ ہونے سے پہلے کر دیا جائے۔بچہ سات دن کا ہو تو ختنہ کرنا بہتر ہے۔اس مسئلہ پر مختلف روایات ہیں،علماء کے اقوال سے یہ بھی ملتا ہے۔"ختن ابراھیم اسماعیلَ لثلاث عشر سنة"کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ جب کیا تو ان کی عمر تیرہ سال تھی۔ "و ختن ابنه اسحاق لسبعة ایام"اور آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کا جب ختنہ کیا تو وہ سات دن کے تھے۔

"و روی عن فاطمة رضی اللہ عنھا انھا کانت تختن ولدھا یوم السابع"۔

اور روایات میں آتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہانے اپنے بچوں کا ختنہ ساتویں دن کرایا۔

و قال اللیث بن سعد: یختن الصبی مابین سبع سنین الی عشر۔

لیث بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بچوں کا ختنہ سات اور دس سال کے درمیان کرا دیا جائے۔

و قال احمد لم اسمع فی ذلک شیئا۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ختنہ کے متعلق معین مدت کے متعلق کوئی روایت سننے میں نہیں آئی،

بخاری میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

"سئل ابن عباس مثل من انت حین قبض رسول اللہ ﷺ قال انا یو مئذ مختون"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کتنے تھے۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت مختون تھا، آپ نے مختون کا معنی قریب البلوغ لیا ہے۔ واضح ہوا کہ بالغ ہونے سے پہلے ضرور ختنہ کرا دیا جائے، سات دنوں پر کرائیں یا بعد میں کرائیں جائز ہے۔

بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کرنے کیلئے:

اگرچہ مالکی مذہب میں تو اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ ختنہ کسی سے کرائے بعض حضرات نے زیادہ ہی کی تاکید کی ہے۔

لیکن احناف کے نزدیک بلا عذر شرعی کسی کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام ہے، اس لئے سنت پر عمل کرنے کیلئے حرام کا ارتکاب تو جائز نہیں۔ البتہ وہ شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو ختنہ کرنا جانتی ہو، تو وہ نکاح کے بعد اس کا ختنہ کر دے، کیونکہ زوجہ اپنے خاوند کی شرمگاہ کو دیکھ سکتی ہے، اس طرح نہ حرام کا ارتکاب ہو گا۔ اور نہ سنت کی ترک لازم آئے گی۔

غسل البراجم:

(باء کے فتح اور جیم کے کسرہ کے ساتھ) وہ گرہیں اور جھریاں جو انگلیوں کے جوڑوں کے ظاہری حصہ پر ہوتی ہیں اور جو باطنی حصہ پر ہوتی ہیں ان کو رواجب کہتے ہیں ابن العرافی رحمہ اللہ نے اسی طرح فرمایا ہے۔ علامہ تورپشتی نے فرمایا ہے کہ براجم سے مراد وہ جوڑ ہیں جو اساجع اور رواجب کے درمیان میں اور رواجب وہ جوڑ ہیں جو پوروں سے ملے ہوئے ہیں اور ان کے بعد براجم ہوتے ہیں اور براجم کے بعد اساجع۔ ابھری رحمہ اللہ نے اسی طرح نقل کیا ہے اور مراد اس سے (ہاتھ پاؤں) کے تمام قسم کے جوڑوں کی گرہیں اور پوشیدہ جگہوں کا دھونا ہے۔[912]

---

[912] (مرقاۃ)

بغلوں کے بال دور کرنا:

بغلوں کے بال دور کرنا بھی مرد وعورت دونوں کے لئے کسی بھی طریقے سے ضروری ہے البتہ اسمیں دونوں کو اکھیڑنا بہتر ہے۔

وفی الابط یجوز الحلق و النتف أولی۔

بغلوں کے بالوں کے بارے میں حلق کرنا جائز اور اکھیڑنا بہتر ہے۔[913]

قلت و لفظ الابط فی الحدیث یدّل علی العموم فتأمل۔[914]

حدیث میں لفظ ابط عموم پر دلالت کرتا ہے یعنی مرد وعورت دونوں کیلئے حکم ہے۔

ناخن کاٹنے کا حکم:

مرد وعورت دونوں کے لئے بڑے ناخن کاٹنا سنت موکدہ ہے۔ اور حدیث شریف نے اسے بھی انسان کے امور فطرت میں سے بتایا لہٰذا مرد وعورت کو بڑے بڑے ناخن رکھنا فیشن کی خاطر یا سستی کی وجہ سے مکروہ اور ناجائز ہے۔

قال العلامہ العینی رحمہ اللہ تحت قول الامام البخاری رحمہ اللہ باب تقلیم الأظفار هذا باب فی سنیّة تقلیم الخ۔[915]

وفی الهندية: و قلم الأظفار سنة اِلاّ فی دار الحرب فان تر کها مندوب الیه۔

ناخن کاٹنا سنت ہے مگر دار لحرب میں نہ کاٹنا مستحب ہے۔[916]

---

[913](الهندية ۵/۳۵۸)
[914](المنتقی للحرانی علیہ الرحمۃ ۱/۶۷)
[915](عمدة القاری ۵۴۵/ج۲۲)
[916](الهندية ۵/۳۵۷ و حقانية ۲/۴۲۰)

ناخن کاٹنے کا افضل طریقہ:

ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں علماء نے دو طریقے افضل قرار دیئے پہلا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں ابتداء اور انتہاء دونوں دائیں ہاتھ پر ہو جس کی ترتیب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرکے بالترتیب دائیں کے چھنگلی انگلی تک کاٹ لئے جائیں اور پھر بائیں ہاتھ کے چھنگلی انگلی سے لے کر بالترتیب بائیں کے انگوٹھے تک کاٹ لئے جائیں اور آخر میں دائیں کا انگوٹھا سے کاٹ لیں۔

قال فی الهداية عن الغرائب: وینبغی الابتداء باليد اليمنیٰ و الانتهاء بها فيبدأ بسبابتها ويختم بإبهامها۔

ہدایۃ میں غرائب کے حوالے سے ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ابتداءوانتہاء دونوں دائیں ہاتھ سے ہو، دائیں ہاتھ کے انگشت شہادت سے ابتداء ہو اور انگوٹھے پر اختتام ہو۔[917]

ہاتھ کے ناخن کاٹنے کا دوسرا افضل طریقہ:

اور وہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے شہادت کی انگلی سے شروع کیا جائے پھر دائیں ہی کے درمیانی پھر ساتھ والی اور پھر چھنگلی اورآخر میں دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے لے کر انگوٹھے تک۔

كذا ذكر العلامة العينى رحمة الله تعالیٰ عليه۔ عن الامام النووی رحمة الله تعالیٰ عليه۔[918]

---

[917](الشامية ٢٦٠/ ٥)

[918](عمدة القاری ۴۵/ ج ٢٢ والمرقاة ٢٩٠٢/ ٨)

پاؤں کے ناخن کاٹنے کا طریقہ:

ثمّ یبدا بخنصر الرجل الیمنیٰ و یختم ببنصر االیسریٰ۔

اس کے بعد دائیں پاؤں کے چھنگلی انگلی سے شروع کرکے بالترتیب بائیں کے چھنگلی انگلی تک کاٹ لیں۔[919]

مسئلہ:

یہ طریقہ محض افضل ہے اور بڑے ناخن کاٹنا ضروری ہے گو کسی بھی طریقے سے کاٹے جائیں نیز اگر دن میں فرصت نہ ملے یا رات کو بڑے معلوم ہوں تو رات کو بھی کاٹنا جائز ہے۔

حکی أن ھارون الرشید سأل أبا یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عن قص الاظافیر فی اللیل فقال ینبغی فقال ما الدلیل علی ذلک فقال قولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الخیر لا یؤخّر۔

ہارون الرشید نے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے رات کے ناخن کاٹنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ مناسب ہے کہ کاٹے جائیں۔ پوچھا اس پر کیا دلیل ہے؟ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھے کام کو مؤخر نہ کیا جائے۔[920]

ناخن کاٹنے اور زیر ناف بال کی صفائی کا وقت:

صحیح یہی ہے کہ اسلام میں ان چیزوں کی صفائی کا کوئی خاص وقت متعین نہیں بلکہ جب کبھی ناخن، مونچھ وغیرہ حد میعاد سے تجاوز کر جائیں اور بڑے ہو جائیں تو اسی وقت کاٹنے کا حکم ہے۔

---

[919] (الفتاویٰ الهندیة ۵/۳۵۸)

[920] (الفتاویٰ الهندیة ۵/۳۵۸)

قال القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: والمعنٰی أن لا تترک ترکا یتجاوز أربعین لا أنہ وقت لھم الترک أربعین لأن المختار أن یضبط الحلق والتقلیم والقص بالطول فإذا طال حلق وقص وقلم ذکرہ النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔[921]

ناخن اور زیر ناف بال کی صفائی کا مستحب وقت:

البتہ چونکہ اسلام میں صفائی کی بہت ہی تاکید آئی ہے۔ اس لئے فقہاء اسلام نے ہر ہفتہ یعنی جمعہ میں غسل کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کی صفائی کو بھی افضل و مستحب قرار دیا۔ کسی مجبوری کی وجہ سے دو ہفتوں کے بعد اور آخری حد چالیس دن تک ہے اور اس کے بعد بغیر کسی شدید مجبوری کے مؤخر کرنے والا گناہ اور وعید کا مستحق ہوگا۔

فالأسبوع ھو الأفضل والخمسۃ عشر الأوسط والأربعون الأبعد ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید۔

ایک ہفتے میں صفائی افضل ہے، درمیانی مدت پندرہ دن اور لمبی مدت چالیس دن کے بعد کوئی عذر قابل قبول نہیں اور تارک وعید (سزا) کا مستحق ہوگا۔[922]

ماحول کی صفائی کے بارے میں اسلام کے سنہری اصول:

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے انسانیت کو پاکی و صفائی کے سنہرے اصول بتائے ہیں۔ اے کاش کہ مسلمان ان سنہری اصولوں کو اپنائیں اور رب تعالٰی کی خوشنودی حاصل کریں بہرحال ان سنہری اصول میں سے یہ بھی ہے کہ کٹے ہوئے سر کے بال ہوں یا کسی اور جگہ کے اور ناخن وغیرہ مرد و عورت دونوں کے لئے مناسب اور بہتر یہی ہے کہ ان کو گھر یا دوسری جگہ کے ایک کونے میں

---

[921] (المرقاۃ ۸/۲۹۱)

[922] (الھندیۃ ۵/۳۵۷ والمرقاۃ ۸/۲۹۱ والشامیۃ ۵/۲۶۰)

دفن کر دے اور اگر ایسی جگہ پھینک دے کہ جہاں لوگوں کی آمد ورفت نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن بالوں اور ناخنوں کو غسل خانے، گندگی کے ڈھیر یا نالے یا ویسے ادھر ادھر پھینکنا اعضائے انسانی کی توہین ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں نیز فقہ کی کتابوں میں اسے بیماری پیدا ہونے کا سبب اور مکروہ کہا گیا۔ جیسے کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

فإذاقلم اظفاره۔أو جزّ شعره ينبغي أن يدفن ذلک الظفر و الشعر المجزور فإن رمى به فلابأس أى فى مكان طاهر لا يوطأ و إن القاه فى الكنيف أو فى المغتسل يكره ذالک لأن ذالک يورث داءً۔[923]

قبیلہ بنی ہاشم کے ایک شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے بالوں، ناخن اور خون کو دفنانے کا حکم دیا ہے۔

مسئلہ: حالت جنابت میں بال وناخن کاٹنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

ج: مطلق کراہت کا قول ملتا ہے جس سے بالعموم کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے مگر یہاں قرائن سے کراہت تنزیہیہ معلوم ہوتی ہے۔

قال فى الهندية حلق الشعر حالة الجنابة مكروه و كذاقص الاظافير۔كذافى الغرائب۔

ہندیہ میں ہے کہ جنابت کی حالت میں بالوں اور ناخن کا کاٹنا مکروہ ہے۔[924]

عن ابن عباس رضى الله عنهما: هى عشر خصال كانت فرضا فى شرعه وهن سنة فى شرعنا۔[925]

---

[923] (ايضاالفتاوىٰ الهندية عن الخانية ۵/۳۵۷ ومصنف ابن ابى شيبة ولفظه عن رجل من بنى هاشم اَن رسول الله ﷺ اَمر بدفن الشعر والظفر والدم انتهى ۲/۱۳۱)

[924] (عالمگيرية ص ۳۵۸ ج ۵)

[925] (تفسير ابى السعود، ج، ۱، ص، ۱۸۹، داراحياء التراث العربى بيروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: یہ دس خصلتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں فرض تھیں اور وہ ہماری شریعت میں سنت ہیں۔

انتقاص الماء (پاخانہ اور پیشاب کی جگہ کو پانی کے ساتھ دھونا یعنی پانی سے استنجاء کرنا)

انتقاص الماء قاف اور صاد کے ساتھ ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے "انتقاص البول بالماء" یعنی پیشاب کرنے کے بعد شرمگاہ وغیرہ کو پانی کے ساتھ دھونا تاکہ پانی کے روکنے کیوجہ سے پیشاب کے قطرات آنا بند ہو جائیں اور اگر یہ دھوئے گا نہیں تو بار بار کچھ نہ کچھ خارج ہو تا رہے گا تو پھر صفائی حاصل کرنا اور استنجاء کرنا مشکل ہو جائے گا، پہلی تشریح کے مطابق ماء سے مراد پیشاب ہے اور اس صورت میں ماء سے مراد مغسول بہ ہے (کہ جس کے ذریعے دھویا جائے) لیا جائے، تو اضعاف مصدر فاعل کی طرف ہو گی۔ ای انتقاص الماء بالبول۔ انتقاص: یہ لازم بھی استعمال ہو تا ہے اور متعدی بھی۔ اکثر لازم استعمال ہو تا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں تصحیف ہوئی ہے اصل میں یہ انتفاض الماء تھا (یعنی فا اور ضاد کے ساتھ یا صاد کے ساتھ) اور اس سے مراد ذکر پر پانی کا چھینٹا دینا ہے اور یہ معنی سے زیادہ قریب ہے کیونکہ ابو داؤد شریف میں الانتضاح ہے، انتقاص کو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ زین العرب نے سید رحمۃ اللہ علیہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ (الاستنجاء: یہ راوی کی تفسیر ہے وہ راوی عند البعض وکیع ہیں اور پہلی تفسیر وہ ابو عبید کا قول ہے۔[926]

---

[926] (مرقاۃ)

مونچھیں منڈانا احادیث و آثار کی نظر میں

مونچھیں مونڈنا سنت ہے

أخبرنا محمد بن عبداللہ بن یزید المقریء المکی قال حدثنا سفیان عن الزھری عن سعید بن المسیب عن أبی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال:الفطرۃ خمس:الختان و حلق العانۃ و نتف الابط و تقلیم الأظفار و حلق الشارب۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: دین میں پانچ چیزیں قدیم سنت ہیں:

(۱)ختنہ کرنا (۲)زیرِناف بالوں کو مونڈنا (۳)بغل کے بال نوچنا (۴)ناخن کاٹنا

(۵)مونچھیں مونڈنا۔[927]

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول الفطرۃ خمس:الختان و الاستحداد و قص الشارب و تقلیم الاظفار و نتف الابط۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ارشاد فرماتے سنا: پانچ چیزیں فطرت (قدیم سنت) سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا، (۲) زیر ناف بال مونڈنا، (۳) مونچھیں (جڑ سے) کاٹنا، (۴) ناخن کاٹنا، (۵) بغل کے بال اکھیڑنا۔[928]

---

927 (سنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الطھارۃ، ابواب الفطرۃ، ج، ۱، ص، ٦۵، رقم: ۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، کنز العمال، ج، ٦، ص، ٦۵۳، رقم: ۱۷۲۲۹، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

928 (اخرجہ البخاری فی صحیحہ، ج، ۱۰، ص، ۳۴۹، رقم: ۵۸۹۱، و مسلم، ج، ۱، ص، ۲۲۲، رقم: ۲۵۷، ۵۰، وابوداؤد فی السنن، ج، ۴، ص، ۴۱۲، رقم: ۴۱۹۸، والترمذی فی السنن، ج، ۵، ص، ۸۵، رقم: ۲۷۵٦، والنسائی فی السنن، ، ج، ۸، ص، ۱۸۱، رقم: ۵۲۲۵، وابن ماجہ فی السنن، ج، ۱، ص، ۱۰۷، رقم: ۲۹۲، ومالک فی الموطأ، ج، ۲، ص، ۹۲۱، رقم: ۳، من کتاب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، واحمد فی المسند، ج، ۲، ص، ۴۱۰، ومشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ص، ۳۸۰، قدیمی کتب خانہ کراچی، شعب الایمان، ج، ۵، ص، ۲۲۱، رقم: ٦۴۳۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، سنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الطھارۃ، ابواب الفطرۃ، ج، ۱، ص، ٦۵، رقم: ۱۰، دارالکتب العلمیہ بیروت)

عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواک واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماءقال مصعب ونسيت العاشرة الاتكون المضمضة۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں :(۱) مونچھیں (جڑ سے) کاٹنا، (۲) داڑھی بڑھانا، (۳) مسواک کرنا ، (۴) ناک میں پانی ڈالنا، (۵) ناخن کاٹنا، (۶) جوڑوں کو دھونا، (۷) بغلوں کے بال نوچنا، (۸) زیرِ ناف بال مونڈنا، (۹) اور پانی سے استنجاء کرنا، (۱۰) مصعب فرماتے ہیں دسویں چیز میں بھول گیا، الا یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔[929]

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ حلقوا الشوارب واعفوا اللحی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو منڈاؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ۔[930]

فائدہ:

اس حدیث مبارک میں داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کو فطرت بتلایا گیا، اور فطرت ان چیزوں کو کہا جاتا ہے کہ انسان کی طبیعتِ سلیمہ پیدائشی طور پر ان کو پسند اور قبول کرتی ہو اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام بھی لازماً اختیار اور پسند کرتے ہیں، اس لئے امور فطرت ایسے کاموں کو بھی

---

[929] (صحيح مسلم، كتاب الطهارة، ج، ۱، ص، ۱۲۹، نور محمد كار خانه كراچی، سنن ابو داؤد، كتاب الطهارة، باب السواک من الفطرة، ج، ۱، ص، ۸، مير محمد كتب خانه كراچی، سنن نسائی، ج، ۲، ص، ۲۳۷، نور محمد كراچی، سنن ابن ماجه، ص، ۲۵، نور محمد كراچی، سنن كبرىٰ للبيهقی، ج، ۱، ص، ۵۲، نشر السنة ملتان، كنزالعمال، ج، ۶، ص، ۶۵۴، رقم: ۱۷۲۳۴، مؤسسة الرسالة، بيروت، مشكوٰة المصابيح، كتاب الطهارة، باب السواک، ص، ۵۵، قديمی كتب خانه كراچی)

[930] (احكام المذاهب، ص، ۷، هداية الابرار الیٰ طريقة الاخيار، الفصل الثانی فی حرمة البقاء الشوارب ولزوم اخذها، ص، ۲۷، اسلامی كتب خانه قصه خوانی پشاور)

کہہ دیا جاتا ہے کہ جن پر تمام انبیاء اور رسولوں کا عمل ہو اور جو سب کا متفق علیہ طریقہ ہو اور ساتھ ہی ہم کو ان پر عمل کرنے کا بھی حکم ہو۔

داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کو فطرت اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کی فطرت اور پیدائش میں داخل ہے،یعنی انسان کی فطرتِ سلیمہ (سلامتی والی فطرت)داڑھی رکھنے کا اور مونچھیں کٹانے کا تقاضا کرتی ہے،اور جب فطرت کے ساتھ شریعت کا بھی حکم ہو تو اس کی تاکید اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

نیز حدیث میں داڑھی بڑھانے کو فطرت بتلایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی چھوٹی یا بالفاظ دیگر خشخشی داڑھی رکھنا فطرت اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا طریقہ نہیں ہے۔مذکورہ حدیث میں داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کو جو فطرت بتلایا گیا ہے، آگے چند مستند محدثین کی عبارات کی روشنی میں اسکی تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں ہے کہ:

وَأَرَادَ بالفطرة السّنة الْقَدِيمَة الَّتِي اخْتَارَهَا الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِم السَّلَام, واتفقت عَلَيْهَا الشَّرَائِع فَكَأَنَّهَا أَمر جلي فطروا عَلَيْهِ۔[931]

ترجمہ:اور فطرت سے مراد قدیم (وپرانا) طریقہ ہے، جس کو تمام انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا ہے، اور اس پر تمام شریعتیں متفق رہی ہیں، گویا کہ یہ ایسا واضح حکم ہے کہ جس پر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو پیدا کیا گیا ہے۔

---

[931] (عمدۃ القاری، ج ۲۲ ص ۴۵، کتاب اللباس)

اور ابن ماجہ کی شرح میں ہے:

والمراد هاهنا: هي السنةَ القديمة التي اختارها الله تعالى للأنبياء، فكأنها أمرُ جبلّي فُطِرُوا عليها۔[932]

ترجمہ: اور فطرت سے مراد پرانا طریقہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کیلئے اختیار کیا ہے، پس گویا کہ یہ ایک فطری حکم ہے کہ جس پر تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو پیدا کیا گیا ہے۔

وقال النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی شرح ھذا الحدیث قالوا معناہ انھا من سنن الانبیاء صلواۃ اللہ وسلامہ علیھم۔[933]

یعنی امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فطرت میں داخل ہونے کا مطلب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت مستمرہ رہی ہے۔

فرشتوں کی تسبیح:

نیز داڑھی مردوں کیلئے وقار وزینت کی چیز ہے صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں:

لان اللحیۃ فی اوانھا جمال۔[934]

یعنی داڑھی اپنے وقت میں جمال ہے اس کو منڈادینا زینت کو ختم کرنا ہے، آسمانوں میں فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے ان کی تسبیح درج ذیل ہے۔

---

[932] (شرح ابن ماجہ، باب الفطرۃ، ج ۱ ص ۱۰۷)

[933] (شرح مسلم شریف ج ۱ ص ۱۲۸)

[934] (البحر الرائق ص ۳۷۷ ج ۸)

قَوْلُهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً تَسْبِيحُهُمْ سُبْحَانَ مَنْ زَيَّنَ الرِّجَالَ بِاللِّحَىٰ وَالنِّسَاءَ بِالْقُدُودِ وَالذَّوَائِبِ۔[935]

یعنی فرشتے یہ تسبیح پڑھتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو چوٹیوں سے۔

پس کتنے افسوس کی بات ہے کہ کوئی مسلمان داڑھی منڈا کر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کے حکم کی تعمیل کرکے اس کے حصے میں چلا جائے اور خسران مبین اٹھائے۔

عن ابن عباس قال: قدم علی رسول اللہ ﷺ وفد من العجم قد حلقوا لحاهم وترکوا شواربهم، فقال رسول اللہ ﷺ: خالفوا علیهم فحفّوا الشوارب وأعفوا اللحی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عجمی وفد جنہوں نے اپنی داڑھیاں منڈا رکھی تھیں اور مونچھیں بڑھا رکھی تھیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کی مخالفت کرو مونچھیں منڈاؤ اور داڑھیاں چھوڑ دو۔[936]

داڑھی اور بالوں کے احکام

داڑھی منڈوانے اور کٹوانے کا حکم:

مردوں کیلئے داڑھی رکھنا واجب ہے اور اسکی مقدار شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے داڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت مسترہ ہے۔ اسلامی اور قومی شعار ہے شرافت وبزرگی کی علامت ہے چھوٹے بڑے میں فرق وامتیاز کرنے والی ہے۔ اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے آنحضرت ﷺ کا دائمی عمل ہے حضور ﷺ نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے

---

[935] (البحر الرائق ص ۳۷۷ ج ۸، ۳۳ ج ۸)

[936] (ابن النجار، کنز العمال، ج ۶، ص ۲۷۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

اورآپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایاہے۔لہٰذا داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس پر امت کا اجماع ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حلق کردن لحیہ حرام است۔

داڑھی منڈانا حرام ہے۔[937]

داڑھی مونڈنا منڈانا ممنوع ہے۔[938]

مرد کیلئے داڑھی مونڈنا حرام ہے۔[939]

مردوں کیلئے داڑھی کٹانا حلال نہیں۔[940]

اسی لیے مرد پر داڑھی کا مونڈنا حرام ہے۔[941]

نہ داڑھی کا منڈانا جائز ہے نہ اکھیڑنا اور نہ ہی کٹانا جائز ہے۔

داڑھی کا کٹانا جب کہ وہ قبضہ سے کم ہو جائے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں۔[942]

داڑھی کٹانا یہ عجمیوں کی روش تھی لیکن اس زمانہ میں بہت سے مشرکوں انگریزوں ہندوؤں اوران لوگوں کی روش ہے جن کا دین میں حصہ نہیں ہے۔[943]

---

[937] (اشعۃ اللمعات)

[938] (شرح شفا)

[939] (فتح العین از لمعۃ الضحیٰ)

[940] (دجیز کردری از لمعۃ الضحیٰ)

[941] (درمختار)

[942] (دردغرر از لمعۃ الضحیٰ)

[943] (از لمعۃ الضحیٰ)

آخرزمانہ میں ایسی قومیں ہوں گی جو داڑھیاں کٹائیں گی۔ان کا دین میں اور آخرت میں حصہ نہیں ہے۔[944]

اے مسلمان !داڑھی منڈوانے سے معاذاللہ رسول اللہ ﷺ کی دل شکنی ہوتی ہے حضور ﷺ ناراض ہوتے ہیں۔

وعَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَالِفُوا المُشْرِكِينَ: وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ" وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ، إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَه۔[945]

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔داڑھیاں بڑھاؤاور مونچھوں کو کٹاؤ۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کبھی حج یا عمرہ کرتے تھے تو داڑھی کو مٹھی میں پکڑ لیا کرتے تھے۔بس جو مٹھی سے زیادہ ہوتی اسکو کتروا دیتے۔

علامہ محمود خطاب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے تمام ائمہ مجتہدین جیسے امام ابو حنیفہ،امام مالک،امام شافعی اورامام احمد رحمہم اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک داڑھی منڈانا حرام ہے۔[946]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھاہے:داڑھی رکھناواجب ہے منڈانا کٹانا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے:

لقولہ علیہ السلام خالفوا المشرکین اوفروا اللحیٰ متفق علیہ وفی الدر المختار یحرم علی الرجل قطع لحیتہ و السنۃ فیہا القبضہ۔

[944] (سیدنا کعب رضی اللہ عنہ از لمعۃ الضحیٰ)

[945] (بخاری ص ۸۷۵ ج ۲)

[946] (المنہل ص ۱۸۶ ج ۱ فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۵ ج ۶)

آپ ﷺ نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ۔ الدر المختار میں ہے کہ مرد کیلئے داڑھی کاٹنا حرام ہے اور سنت ایک مشت داڑھی ہے۔[947]

داڑھی کا فلسفہ اور اسکے رکھنے کا حکم:

مسلم قوم ایک مستقل و ممتاز ملت ہے جو تمام اقوام و ملل سے بالکل علیحدہ فطرت سلیمہ کی حامل و مالک ہے اللہ نے اسکو اقوام عالم پر شاہد و عادل بنا کر بھیجا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ (البقرۃ ۱۴۳)

ہم نے تم کو ایک ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ شاہد ہوں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ (آل عمران ۱۱۰)

تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے ظاہر کی گئی ہے۔

لیکن افسوس کہ یہ قوم اپنی دینی و مذہبی خصوصیات کو تو عرصہ ہوا کھو چکی تھی آج اپنی تمدنی و معاشرتی امتیازات کو بھی فنا کرتی جارہی ہے۔ رسم و رواج میں ہنود کی اتباع اور تمدن و معاشرت میں اہل مغرب (انگریزوں) کی تقلید مسلمان کے رگ وریشہ میں سرایت کرتی جارہی ہے۔

آج جبکہ دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی اور اپنی قومی و ملی خصوصیت کے بقاء و تحفظ کیلئے سرگرم عمل نظر آرہی ہے لیکن مسلمان اپنی قومی و ملی خصوصیت و امتیازات کو فرنگیت کے بھینٹ چڑھا کر ان ہی میں جذب ہوتی جارہی ہے۔

---

[947] (امداد الفتاوی ص ۲۲۳ ج ۴)

یاللعجب، کل جو قوم اقوام عالم کیلئے جاذب و مصلح تھی، (مقتداء و رہنماء تھی، ہر قوم اسلام کے دامن میں پناہ کی متلاشی تھی)

وہ آج کس سرعت کے ساتھ دوسروں میں جذب ہوتی جارہی ہے۔ اور دوسروں کی نقالی ہی کو معیار ترقی خیال کیا جاتا ہے، حالانکہ اہل بصیرت کے نزدیک یہ انتہائی تنزل وانحطاط اور قومیت کیلئے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی　　　　کہ ایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

میں ڈرتا ہوں کہ تم کعبے تک نہیں پہنچو گے اے شخص کیونکہ جس راستے پر تم جارہے ہو وہ ترکستان کی طرف جاتا ہے۔

داڑھی اسلام کے اہم شعار میں سے ہے، بلکہ انسانی وفطری اصول سے خواص رجولیت میں سے ہے لیکن افسوس سب سے زیادہ مسلمان ہی اسکی صفائی کے درپے ہیں اور اس طور سے قومی و ملی امتیاز سے قطع نظر فطرت وانسانیت کیلئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ بن رہی ہے، اس لئے جب داڑھی اسلام کا شعار ہے، اور داڑھی کٹوانا یا منڈانا، اور مونچھوں کا بڑھانا یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا شعار ہے، آپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھ کر اس شعار کی حفاظت کا اور دوسری اقوام کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ: وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو، (وہ مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھی کٹاتے ہیں) تم داڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو منڈاؤ۔[948]

مرزا بیدل کا واقعہ

ہندوستان میں مرزا بیدل نامی ایک شاعر تھا اس نے جناب نبی کریم ﷺ کی شان میں فارسی میں نعتیہ قصیدہ کہا۔

اس سے ایک ایرانی بہت ہی متاثر ہوا کہ یہ کتنا بڑا عاشقِ رسول ﷺ ہو گا۔ لہٰذا اس شاعر کی زیارت کا شوق ہوا اس غرض سے ایران سے سفر کر کے ہندوستان پہنچے جب ان کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ نائی کی دوکان میں داڑھی منڈوا رہے ہیں۔ اس ایرانی شخص کو بہت افسوس اور دکھ پہنچا۔ اس نے تعجب سے کہا کہ "آغا می ریش تراشی؟" یعنی جناب داڑھی منڈوا رہے ہیں؟

شاعر نے جواب میں کہا کہ "بلے و لکن دل کسے نمی خراشم" یعنی جی داڑھی منڈوا رہا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا ہوں۔ (یعنی کسی کا دل دکھانا بہت بڑا گناہ ہے اس سے بچتا ہوں)

ایرانی مسافر نے برجستہ کہا کہ "آرے دل رسولِ خدا می خراشی" یعنی بلکہ تم رسولِ خدا ﷺ کے دل کو دکھا رہے ہو۔ تب جا کر شاعر کی آنکھیں کھلیں اور **قالاً یا حالاً** کہا:

جزاک اللہ چشمم باز کردی ... مرا با جانِ جاناں ہمراز کردی

[948] (صحیح بخاری، کتاب اللباس، با اعفاء اللحی، ج، ۲، ص، ۸۷۵، کراچی، ج، ۱۰، ص، ۳۵۱، رقم الحدیث: ۵۸۹۳، وصحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، ج، ۱ ص، ۱۲۹، کراچی، ج، ۱، ص، ۲۲۲، رقم: ۵۲، ۲۵۹، وابوداؤد فی السنن، ج، ۴، ص، ۴۱۳، رقم: ۴۱۹۹، والترمذی فی السنن، ج، ۵، ص، ۸۸، رقم: ۲۷۶۳، والنسائی فی السنن، ج، ۸، ص، ۱۸۱، رقم: ۵۲۲۶، واحمد فی المسند، ج، ۲، ص، ۵۲، ومشکوۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ص، ۳۸۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے جان جاناں (رسول اللہ ﷺ) سے ملادیا (پہنچادیا)، یعنی یقیناً داڑھی منڈانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے سید الکونین ﷺ کو زندگی میں تکلیف پہنچتی تھی اور وفات کے بعد بھی تکلیف پہنچے گی۔ جس کا مجھے اس سے قبل اندازہ نہیں تھا، آج آپ نے میری اس طرف رہنمائی کی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور اسی وقت سے داڑھی رکھ لی۔

داڑھی منڈوانے والا ہر حال میں گناہ گار ہے

مولوی محمد زکریا سہارن پوری نے کہا ہے: مجھے ایسے لوگوں کو دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور اس حالت میں اگر موت واقع ہوئی تو قبر میں سب سے پہلے سید الرسول ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت ہوگی تو کس منہ سے چہرہ انور کا سامنا کریں گے؟ اس کے ساتھ ہی بارہا یہ خیال بھی آتا ہے کہ گناہ کبیرہ زنا، لواطت، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ تو بہت سے ہیں مگر سب وقتی ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن (الحدیث) یعنی کوئی زنا نہیں کرتا اس حالت میں کہ وہ مؤمن ہو۔ مشائخ نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ زنا کے وقت ایمان کا نور اس سے جدا ہو جاتا ہے لیکن زنا کے بعد وہ نور ایمانی جو ہر وقت اسکے ساتھ رہتا ہے نماز پڑھتا ہے تو بھی یہ گناہ ساتھ ہے روزہ کی حالت میں، حج کی حالت میں غرضیکہ ہر عبادت کے وقت یہ گناہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ (داڑھی کا وجوب)

گناہ بے لذت

یہ اتنا عظیم گناہ ہونے کے باوجود بالکل بے لذت ہے۔ شراب وغیرہ میں تو وقتی لذت ہے، لیکن داڑھی منڈانے کے گناہِ کبیرہ میں کوئی لذت بھی نہیں ہے، اس میں وقت کا ضیاع ہے حالانکہ

مسلمان کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے مسلمان وقت کا کوئی حصہ بیکار ضائع نہیں کرتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے وقت کا جو حصہ بغیر یاد الٰہی کے گزر جائے وہ قیامت کے روز حسرت وندامت کا سبب بنے گا کیونکہ داڑھی منڈانے میں جو وقت ضائع ہورہا ہے وہ خالص گناہ کے کام میں ضائع ہورہا ہے۔

اور اس میں مال کو ضائع کرنا ہے اس لئے داڑھی خود مونڈے یا منڈوائے بہر حال مال کا بہت بڑا حصہ اس میں خرچ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو تکلیف پہنچاتا ہے، کبھی چمڑا چھیل گیا کبھی کھال کٹ گئی اور طرح طرح کی اپنے جسم کو بھی بلاضرورت تکلیف پہنچانا یہ ایک مستقل گناہ ہے۔

لہٰذا عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس قبیح فعل کو چھوڑ دیا جائے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھکوا الشوارب واعفوا اللحی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھیں منڈاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔[949]

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس۔[950]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم مونچھیں منڈاؤ اور داڑھیاں بڑھنے دو، آتش پرستوں کا خلاف کرو۔

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوس داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے جیسا کہ آجکل

---

[949] (شعب الایمان، ج۵، ص۲۱۹، رقم:۶۴۳۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، صحیح بخاری، ج۲، ص۸۷۵، نور محمد کراچی)

[950] (شعب الایمان، ج۵، ص۲۱۹، رقم:۶۴۳۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ، ج۱، ص۱۲۹، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، مسند احمد بن حنبل، ج۲، ص۳۶۲، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے شعار کی حفاظت کریں، ایک مٹھی کی مقدار داڑھی رکھے، اسکو ہر گز کم نہ کرے اور مونچھوں کو کٹوائے۔ در مختار کتاب الصوم میں ہے کہ

وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِکَ کَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ, وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌاھ۔مُلَخَّصًا۔

داڑھی کو مٹھی سے کم کرنا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے بھی جائز نہیں کہا اور ان کے ساتھ تشبہ حرام ہے۔[951]

عن عبدالله عمر قال: ذكر رسول الله ﷺ المجوس فقال: انهم يوفون سبالهم ويحلقون لحاهم فخالفوهم۔ قال: فكان ابن عمر يستعرض سبلته فيجزها كماتجز الشاة اويجز البعير۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجوسیوں کا ذکر کیا اور فرمایا: وہ لوگ اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں، اور داڑھیاں منڈواتے ہیں، تم لوگ ان کی مخالفت کرو، لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی مونچھوں کے کناروں کو پکڑتے تھے اور ان کو ایسے مونڈتے تھے جیسے بکری کو مونڈتے ہیں یا اونٹ کو مونڈتے ہیں۔[952]

ایک مشت سے زائد داڑھی کو کتروانا:

مٹھی سے زیادہ داڑھی کو کتروانا جائز ہے۔

والقصرسنة فيهاوهوان يقبض الرجل لحيته فان زادمنهاعلى قبضة قطعة كذاذكر محمدرحمه الله۔

---

951 (درمختار کتاب الصوم، ج ۲ ص ۴۱۸ وفتح القدیر) والتشبه بهم حرام۔ (الطحطاوی)

952 (رواه الطبرانی، فی الاوسط، رقم: ۱۰۵۱، وابن حبان، رقم: ۵۴۷۶، وابونعیم فی الحلية، ج، ۳، ص، ۹۴، السنن الكبرىٰ للبيهقی، كتاب الطهارة، ج، ۱، ص، ۳۱۹، رقم: ۶۹۶، دارالحديث القاهرة، وشعب الايمان، ج، ۵، ص، ۲۲۲، رقم: ۶۴۴۸، دارالكتب العلميه بيروت)

جب کوئی شخص اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے لے اور وہ مٹھی سے زائد (لمبی) ہو تو اس زائد حصے کو کاٹنا جائز ہے اور یہ سنت ہے۔[953]

داڑھی تینوں جانب سے ایک مٹھی ہو:

ہر جانب سے ایک مٹھی ہونا ضروری ہے یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے مٹھی پکڑ کر زائد کو کاٹے اسی طرح دونوں جانب سے بھی مٹھی بھر ہونا ضروری ہے۔

داڑھی کہاں سے شروع ہوتی ہے:

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوئی ہے یہاں سے داڑھی شروع ہے اس سے اوپر سر کا حصہ ہے۔ پس سر کی حد تک منڈانا درست ہے۔ داڑھی کی حد سے درست نہیں۔

داڑھی کے نام کی تحقیق اور چہرہ پر داڑھی کی حدود اربعہ:

داڑھی کو عربی میں "اللحية" اور پشتو میں گیرہ کہتے ہیں جس کی جمع عربی میں "اللحیٰ" آتی ہے۔ قرآن و سنت میں داڑھی کے بارے میں "اللحية" اور جمع کیلئے "اللحیٰ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یہ احادیث پہلے ذکر کی جاچکی ہیں۔ (اور "اللحیٰ" لام پر پیش اور زیر دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي (طه ۹۴)

کہا اے میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا۔

---

[953] (عالمگیری ص ۲۳۹ ج ۴)

عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب و اعفاء اللحية اھ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں:

(۱) مونچھیں (جڑ سے) کاٹنا (۲) داڑھی بڑھانا (۳) مسواک کرنا

(۴) ناک میں پانی ڈالنا

(۵) ناخن کاٹنا (۶) جوڑوں کو دھونا (۷) بغلوں کے بال نوچنا

(۸) زیرِ ناف بال مونڈنا

(۹) اور پانی سے استنجاء کرنا (۱۰) مصعب فرماتے ہیں دسویں چیز میں بھول گیا، الا یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔

اور عربی لغت میں "لحی" اور "لحی" (یعنی لام کے زبر اور زیر کے ساتھ) منہ کی اس ہڈی یا جبڑے کو کہا جاتا ہے، جس پر دانت اگتے ہیں۔[954]

اور جس ہڈی پر دانت اگتے ہیں، وہ انسانی چہرے میں دو قسم کی ہڈیاں ہیں، ایک اوپر کی ہڈی، جس کو اوپر کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے، اور ایک نیچے کی ہڈی، جس کو نیچے کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے۔ نیچے کی ہڈی یا جبڑے کو عربی زبان میں "الفک الاسفل" یا "الفک السفلیٰ" اور انگریزی میں

---

954 (اللحیان: العظمان فیھما منابت الاسنان (المحیط فی اللغۃ، مادۃ،، لحی،، حرف الحاء) قال اللیث: اللحیان العظمان اللذان فیھما الاسنان من کل ذی لحی (تھذیب اللغۃ، مادۃ،، لحی،، باب الحاء واللام) اللحیان: العظمان اللذان فیھما منابت الأسنان من کل ذی لحی، والجمیع: أَلحٍ واللحا مقصور۔ واللحاء ممدود: اللحیان: ان دونوں ہڈیوں (جبڑوں) کو کہتے ہیں جن پر دانت نکلتے ہیں۔ لیث نے کہا، اللحیان: وہ دو ہڈیاں (جبڑے) ہیں جن پر ہر جبڑے والے کے دانت نکلتے ہیں لحیۃ کی جمع الحٍ، لحیٰ اور لحآء ہے۔

(کتاب العین لخلیل بن احمد، ج۳ص۲۹۷،۲۹۶، مادۃ،، لحی،، باب الحاء واللام)

MANDIBLE کہاجاتاہے،اور اس کے مقابلے میں اوپر کی ہڈی یاجبڑے کو عربی زبان میں "الفک الاعلیٰ"یا"الفک العلوی" اور انگریزی زبان میں MAXILLA کہاجاتا ہے۔(کمپوزر:ڈاکٹر محمد افضل احمدی سیفی)

کئی احادیث میں منہ کے دونوں جبڑوں یادانت اگنے والی دونوں ہڈیوں کیلئے"لحیین،، کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

چنانچہ سہل بن سعدرضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ۔[955]

ترجمہ:جو میرے لئے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز(یعنی زبان)اوردونوں پاؤں (رانوں) کے درمیان کی چیز(یعنی شرمگاہ کی حفاظت) کی ضمانت دے، تو میں اس کیلئے جنت کی ضمانت دیتاہوں۔

اس طرح کی احادیث میں "لحیین"یا"لحییه" کے الفاظ سے منہ میں اوپرنیچے کے دونوں جبڑے یاوہ دونوں ہڈیاں مرادہیں،جن پر دانت اگتے ہیں۔

(لَحْيَيْهِ) : بِفَتْحِ اللَّامِ مَنْبَتُ الْأَسْنَانِ, أَيْ: مَنْ يَكْفُلُ لِي مُحَافَظَةَ مَا بَيْنَهُمَا مِنَ اللِّسَانِ وَالْفَمِ عَنْ تَقْبِيحِ الْكَلَامِ وَأَكْلِ الْحَرَامِ۔

ترجمہ:لام کے زبرکے ساتھ لحییه کا معنی ہے دانت اگنے کی جگہ (داڑھ)مرادیہ کہ جو مجھے زبان اور منہ کی قبیح کلام اور حرام خوری سے بچانے کی ضمانت دے گا۔[956]

---

[955](بخاری،باب حفظ اللسان،ج۸ص ۱۰۰)

[956](مرقاۃالمفاتیح،ج۷باب حفظ اللسان والغیبة والشتم)

اوراوپر، نیچے کے ان دونوں جبڑوں یادانت اگنے والی دونوں ہڈیوں کو عربی میں "لحیین،، کے علاوہ "فکّین،، بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔[957]

اوراسی مناسبت سے اس ہڈی پر اگنے والے بالوں کو عربی زبان میں "لحیۃ" اوراردوزبان میں "داڑھی" کہاجاتاہے۔

(وَاللَّحْيُ مَنْبِتُ اللِّحْيَةِ مِنْ الْإِنْسَانِ وَغَيْرِهِ وَالنِّسْبَةُ إلَيْهِ لَحَوِيٌّ, وَهُمَا لِحْيَانَ وَثَلَاثَةُ أَلْحٍ عَلَى أَفْعِلَ إلَّا إنَّهُمْ كَسَرُوا الْحَاءَ لِتَسْلَمَ الْيَاءُ وَالْكَثِيرُ لُحَيٌّ عَلَى فُعُولٍ وَفِي الْمُغْرِبِ اللَّحْيُ الْعَظْمُ الَّذِي عَلَيْهِ الْأَسْنَانُ.اھ

اللحیٰ ،انسان وغیرہ کی داڑھی کے اگنے (نکلنے) کی جگہ کو کہتے ہیں ۔جب اس لفظ کی طرف نسبت کریں گے تو "لحوی" (داڑھی والا) کہاجائے گا۔اس کی تثنیہ "لحیان" اور جمع "الح" بروزن "افعل" آتی ہے؟ لیکن علماء نے "حا" کوکسرہ دیا تاکہ "یاء" کے ساتھ مناسبت آجائے۔لفظ "لحیة" کی جمع کثرت "لحیی" بروزن "فعول" آتی ہے۔ "مغرب" (لغت کی کتاب میں ہے کہ "اللحی" اس کو ہڈی کو کہتے ہیں جس پر دانت نکلتے ہیں۔)[958]

داڑھی اور اس کی مقدار اطباء و حکماء کی نظر میں

اب تک داڑھی کے شرعی پہلو کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے، اور اگر طبی پہلو سے غور کیا جائے تو طبی اعتبار سے بھی داڑھی کی افادیت اور اس کے منڈانے کا ضرر اور نقصان طے شدہ ہے۔

---

[957] (الفکّان): اللحیان (المعرب فی ترتیب المعرب، ص ۳۶۵، باب الفاء مع الکاف)

[958] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب ارکان الطهارة)

چنانچہ قدیم طب میں تو یہ بات پہلے ہی طے شدہ تھی کہ داڑھی مرد کے لئے زینت اور گردن و سینہ کے لئے بڑھی محافظ ہے، مگر بعد کے تحقیق دانوں کی تحقیق سے بھی معلوم ہوا کہ داڑھی صحت کے لئے انتہائی مفید چیز ہے، اور اس کو منڈانے سے صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

چنانچہ ماہرین کی رائے ہے کہ:

داڑھی کے موجود ہونے سے مضر جراثیم حلق اور سینے میں پہنچنے سے رکے رہتے ہیں۔

اور اس کے برعکس متعدد ماہرین کی رائے کے مطابق داڑھی منڈانے سے مردانہ قوت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اور اسی وجہ سے ان کا کہنا ہے کہ اگر سات نسلوں تک داڑھی منڈانے کی عادت قائم رہے تو آٹھویں نسل بغیر ڈاڑھی کے پیدا ہوتی ہے۔

داڑھی مونڈنے سے دماغ پر برا اثر پڑتا ہے اور دماغ کمزور ہو جاتا ہے اور دیگر کئی دماغی بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

داڑھی منڈانے سے پھیپھڑوں کی متعدد بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

داڑھی کو بار بار مونڈنے سے آنکھوں کی رگوں پر برا اثر پڑتا ہے اور نظر کمزور ہو جاتی ہے۔

اور اگر داڑھی کو ایک مٹھی ہونے کے بعد بھی نہ کاٹا جائے اور اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو داڑھی کے بالوں کا اوپر والا حصہ پتلا ہوتا چلا جاتا ہے جس کے نتیجے میں سر میں اثر پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عقل اور دماغ میں فتور اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

حکماء وعقلاء نے بھی داڑھی کے متعلق شریعت کی معتدل تعلیم کو عقل و نظر میں انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔

حافظ جمال الدین ابو لفرج عبد الرحمٰن بن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اخبار الحمقٰی والمغفلین" میں غیر معتدل، طویل داڑھی کو جو شرعی مقدار سے زائد ہو، حماقت کی علامت میں شمار کیا ہے اور اس سلسلے میں حکماء واہل بصیرت کے اقوال اور احوال پیش فرمائے ہیں۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ومن العلامات التی لا تخطیء طول اللحیۃ فان صاحبھا لا یخلو من الحمق وقد روی انہ مکتوب فی التوراۃ ان اللحیۃ مخرجھا من الدماغ فمن افرط علیہ طولھا قل دماغہ ومن قل دماغہ قل عقلہ ومن قل عقلہ کان احمق۔

قال بعض الحکماء سماد اللحیۃ فمن طالت لحیتہ کثر حمقہ۔[959]

ترجمہ: اور حماقت کی ان علامات میں سے جو کبھی غلط ثابت نہیں ہو سکتیں، ایک علامت داڑھی کا غیر ضروری لمبا ہونا ہے، اس لئے کہ داڑھی کا مخرج دماغ ہے تو جو شخص اس کی لمبائی میں افراط و غلو کرے گا، تو اس کا دماغ کم ہو جائے گا، اور جس کا دماغ کم ہو گا، اس کی عقل کم ہو جائے گی۔ اور جس کی عقل کم ہو گی تو وہ احمق ہو گا۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ داڑھی کا لمبا ہونا حماقت ہے، پس جس کی داڑھی جتنی لمبی ہو گی اس کی حماقت اتنی ہی زیادہ ہو گی۔

نیز فرماتے ہیں:

وقال اصحاب الفراسۃ اذا کان الرجل طویل القامۃ واللحیۃ فاحکم علیہ بالحمق واذا انصاف الی ذٰلک ان یکون رأسہ صغیرا فلا تشک فیہ۔

وقال بعض الحکماء موضع العقل الدماغ وطریق الروح الانف ومعضع الرعونۃ طویل اللحیۃ۔

---

[959] (اخبار الحمقی والمغفلین لابن الجوزی، ص ۱۳، الباب الخامس فی ذکر صفات الاحمق)

وعن سعد بن منصور انه قال قلت لابن ادریس أرأیت سلام بن ابی حفصة قال نعم رأیته طویل اللحیة وکان احمق۔

وعن ابن سیرین انه قال اذا رأیت الرجل طویل اللحیة لم فاعلم ذالک فی عقله۔

قال زیاد ابن ربیة ما زادت لحیة رجل علی قبضته الا کان ما زاد فیها نقصا من عقله۔

ترجمہ: اور اصحاب فراست کا قول ہے کہ جب آدمی کا قد لمبا ہو اور اس کی داڑھی بھی لمبی ہو تو اس پر احمق ہونے کا حکم لگادو، اور اگر اس کے ساتھ اس کا سر بھی چھوٹا ہو تو اس کی حماقت میں کوئی شک نہیں۔

اور بعض حکماء کا قول ہے کہ عقل کی جگہ دماغ ہے اور روح کا راستہ ناک ہے، اور بے وقوفی کی جگہ لمبی داڑھی ہے۔

اور سعد بن منصور سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابن ادریس کو کہا کیا تم نے سلام بن ابی حفصہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں میں نے اس کو لمبی داڑھی والا دیکھا تھا اور وہ احمق تھا۔

اور حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تم کسی لمبی داڑھی والے کو دیکھو تو آپ یہ بات جان لو کہ اس کی عقل میں کچھ کمی ہے۔

اور زیاد بن ربیہ نے فرمایا کہ جس آدمی کی بھی داڑھی ایک مٹھی سے زیادہ ہو جائے وہ جتنی بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنا ہی اس کی عقل کو کم کرتی جاتی ہے۔

اس بحث کا خلاصہ

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ شریعت نے داڑھی رکھنے کا جو حکم دیا ہے اور اس میں کم از کم ایک مٹھی کی مقدار کو مقرر کر دیا ہے اور اس سے زیادہ کو ضروری یا سنت قرار نہیں دیا۔ یہ شریعت

کا معتدل حکم ہر قسم کی افراط تفریط سے پاک اور طب و حکمت کے اصولوں کے بھی عین مطابق ہے۔ اور جس طرح داڑھی منڈانا طب و حکمت کے اعتبار سے نقصان دہ اور مضر ہے اسی طرح اسے ایک مٹھی کے بعد لمبا چھوڑے رکھنا بھی عقلی و طبی اصولوں کے خلاف ہے۔

اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اعتدال ہر چیز میں مفید اور نفع بخش ہوتا ہے اور افراط و تفریط مضر و نقصان دہ ہوتی ہے۔ بحمد اللہ یہی حکم داڑھی کے بارے میں بھی کار فرما ہے۔

رخسار کے بالوں کا حکم:

جبڑے کی ہڈی پر جو بال ہوں وہ داڑھی میں شامل ہیں ان کو چھوڑ کر جبڑے کی ہڈی کے اوپر جہاں سے رخسار شروع ہوتا ہے ان کو برابر کر دینا خط بنوانا درست ہے۔ کیونکہ رخسار کے بال داڑھی کے حکم میں نہیں ہیں۔

كمافی بحر الرائق: قال: وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ أَنَّ الْمُرَادَ بِاللِّحْيَةِ الشَّعْرُ النَّابِتُ عَلَى الْخَدَّيْنِ مِنْ عِذَارٍ وَعَارِضٍ وَالذَّقَنِ وَفِي شَرْحِ الْإِرْشَادِ اللِّحْيَةُ الشَّعْرُ النَّابِتُ بِمُجْتَمَعِ اللَّحْيَيْنِ وَالْعَارِضِ مَا بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْعِذَارِ وَهُوَ الْقَدْرُ الْمُحَاذِي لِلْأُذُنِ يَتَّصِلُ مِنْ الْأَعْلَى بِالصُّدْغِ وَمِنْ الْأَسْفَلِ بِالْعَارِضِ۔[960]

قال ابن منظور فی لسان العرب قال ابن سیدہ اللحیۃ اسم یجمع من الشعر ما نبت علی الخدین و الذقن وقال فی تاج العروس و القاموس اللحیۃ مانبت علی الخدین و الذقن و ھی اسم لمانبت من شعر العارضین و الذقن۔ الخدھو مایبدأ من انف الانسان من الیمین و الشمال الی جانب العارضی الوجہ۔ (العارض قال فی مجمع البحار و فی النھایۃ العارض من اللحیۃ ماینبت علی عرض اللحیۃ فوق الذقن و قال فی مجمع البحار ایضاً جانبی الوجہ فوق الذقن الی ماتحت الاذن تسمیٰ العارضین) (الذقن قال فی القاموس و فی لسان العرب الذقن مجمع

---

[960] (بحر الرائق ص ١٦ ج ١)

اللحيين من اسفلهما وقال ابو عبيدة الذقن مجمع اطراف اللحية وقال فی تاج العروس الذقن ماينبت علی مجمع اللحيين من الشعر)(الحنک قال فی تاج العروس الحنک هو الاسفل من طرف مقدم اللحيين من اسفلهما وقال النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اما شعر العارضين ففيه وجهان الصحيح الذی قطع به الجمهور ان له حكم اللحية)(وقال الشيخ احمد الدهلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حد اللحية طولا من الانفقة ای من الشعر النابت علی الشفة السفلیٰ مع شعر الذقن الی اشعر النابت تحت الذقن وعرضاً من شعر الخدين وهما العارضان ای من جانبه الوجه مع شعر الصدغين الی ماتحت الحنک الاسفل من الشعر هذا كله لحية۔

ابن منظور نے لسان العرب میں کہا ہے کہ ابن سید نے کہا کہ "لحية" ان بالوں کے مجموعے کو کہتے ہیں کہ رخسار اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔ تاج العروس اور قاموس میں ہے کہ "لحية" رخسار اور تھوڑی کے بالوں کو کہتے ہیں۔ رخسار سے مراد چہرے کا وہ حصہ ہے جو ناک کے دائیں بائیں سے لے تھوڑی سے اوپر تک ہوتا ہے اور ٹھوڑی کے بارے میں قاموس اور لسان العرب میں ہے کہ جہاں پر دونوں جبڑے نیچے کی طرف ملتے ہیں ابو عبیدہ نے کہا کہ ٹھوڑی، داڑھی کے اطراف کے جمع ہونے کی جگہ ہے تاج العروس میں ہے کہ ٹھوڑی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پر دونوں جبڑوں کے بال مل کر اگتے ہیں اسی کو حنک بھی کہتے ہیں۔[961]

حلق کے بالوں کا حکم:

حلق کے بالوں کو کاٹنا یا منڈانا مکروہ ہے۔

وفی الشامية: قال: وَلَا يَحْلِقُ شَعْرَ حَلْقِهِ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ لَا بَأْسَ بِهِ۔

[961] (شمس الضحیٰ فی احکام الشعر واللحیٰ ص ۹۰)

حلق کے بالوں کو نہیں منڈوایا جائے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کے دور کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[962]

ریش بچہ کا حکم:

ریش بچہ تو داڑھی کا حصہ ہے اس کا حکم داڑھی کا حکم ہے۔ بچی کے دونوں جانب لب زیریں کے بال منڈوانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے:

وفی الشامیة قال: نَتْفُ الْفَنْبَكَيْنِ بِدْعَةٌ وَهُمَا جَانِبَا الْعَنْفَقَةِ وَهِيَ شَعْرُ الشَّفَةِ السُّفْلَى كَذَا فِي الْغَرَائِبِ۔

فنبکین یعنی بچی کے ارد گرد کے حصے کے بال اکھاڑنا بدعت ہے۔[963]

سفید بال اکھاڑنے کا حکم:

ایک دو سفید بال بغیر نیت زینت اکھاڑنے کی گنجائش ہے، یعنی اسکی عادت نہ بنائے کہ جب بھی کوئی بال سفید نظر آئے اسکو اکھاڑ دیا جائے کیونکہ حدیث میں سفید بال کو مومن کیلئے نور قرار دیا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بن شُعَيْب عَنْ أَبِيه عَنْ جده قَالَ قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لَا تنتفوا الشيب فَإِنَّهُ مَا من مُسلم يشيب شيبَة فِي الْإِسْلَام إِلَّا كَانَت لَهُ نورا يَوْم الْقِيَامَة۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفید بال نہ اکھاڑو کیونکہ جو بندہ حالت اسلام میں سفید ریش ہو جائے تو وہ سفیدی اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔[964]

لا تنتفوا الشیب فإنه نور المسلم یوم القیامة۔

---

[962] (شامی ص ۲۸۸ ج ۵ کتاب الحضر والاباحة)
[963] (شامی ص ۴۰۷ ج ۶ کتاب الحضر والاباحة)
[964] (الترغیب والترھیب ص ۱۸۳ ج ۴)

سفید بال نہ اکھاڑو کیونکہ یہ قیامت کے دن مسلمان کا نور ہو گا۔[965]

وفی الشامیة قال: وَلَا بَأْسَ بِنَتْفِ الشَّيْبِ، سفید بال اکھاڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[966]

کٹے ہوئے بالوں کا حکم:

کٹے ہوئے بال ہوں یا ناخن یا جسم کا کوئی اور حصہ ان کو دفن کر دینا چاہیئے اور اگر دفن نہ کرے بلکہ کسی محفوظ جگہ ڈال دے تو یہ بھی جائز ہے مگر نجس اور گندی جگہ نہ ڈالے۔اس سے بیماری کا اندیشہ ہے اور انسانی اعضاء کے احترام کے بھی خلاف ہے۔

وفی الشامیة قال: فَإِذَا قَلَّمَ أَظْفَارَهُ أَوْ جَزَّ شَعْرَهُ يَنْبَغِي أَنْ يَدْفِنَهُ فَإِنْ رَمَى بِهِ فَلَا بَأْسَ وَإِنْ أَلْقَاهُ فِي الْكَنِيفِ أَوْ فِي الْمُغْتَسَلِ كُرِهَ لِأَنَّهُ يُورِثُ دَاءً۔

کٹے ہوئے سر کے بال ہوں یا کسی اور جگہ کے اور ناخن وغیرہ مرد وعورت دونوں کے لئے مناسب اور بہتر یہی ہے کہ ان کو گھر یا دوسری جگہ کے ایک کونے میں دفن کر دے اور اگر ایسی جگہ پھینک دے کہ جہاں لوگوں کی آمد ورفت نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن بالوں اور ناخنوں کو غسل خانے، گندگی کے ڈھیر یا نالے یا ویسے ادھر ادھر پھینکنا اعضائے انسانی کی توہین ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں نیز فقہ کی کتابوں میں اسے بیماری پیدا ہونے کا سبب اور مکروہ کہا گیا۔[967]

[965] (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب جمعة ج ۱ ص ۵۲۶)

[966] (شامی ص ۴۰۷ ج ۶ کتاب الحضر و الاباحة)

[967] (ص ۲۸۷ ج ۱ مکتبہ ماجدیة)

داڑھی کو برا سمجھنا:

کسی ادنیٰ سے ادنیٰ سنت اور مستحب کو برا سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا در حقیقت اسلام اور حضور ﷺ کے ساتھ استہزاء ہے، جس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا:

وَ استقباح ما جعل اللہ مندوبا ایضاً کفر۔

یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب (جائز و مستحب) قرار دیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[968]

جب سنت اور مستحب کا مذاق اڑانا کفر ہے تو داڑھی تو واجب ہے، اور شعار اسلام ہے ایک مشت سے کم کرنا بالاجماع حرام ہے اسکا مذاق اڑانا بطریق اولیٰ کفر ہے۔

شرح عقائد میں ہے کہ:

الاستہانۃ و الاستہزاء علی الشریعۃ کفر۔ (ص ۱۲۰)

شرح مواقف میں ہے کہ شریعت کی اہانت اور مذاق اڑانا کفر ہے۔

(وَالتَّارِکُ لِسُنَّتِي) أَي: الْمُعْرِضُ عَنْهَا بِالْكُلِّيَّةِ، أَوْ بَعْضِهَا اسْتِخْفَافًا وَقِلَّةَ مُبَالَاةٍ كَافِرٌ وَمَلْعُونٌ، وَتَارِكُهَا تَهَاوُنًا، وَتَكَاسُلًا لَا عَنِ اسْتِخْفَافٍ عَاصٍ۔

میری سنت کا تارک یعنی اس سے مکمل یا بعض سنتوں سے اعراض کرنے والا بنیت اہانت و بے حیثیت سمجھنے والا کافر اور ملعون ہے اور بغیر اہانت کے سستی سے سنت کو ترک کرنے والا گناہگار ہے۔[969]

فی العلانیۃ قال: وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِکَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ، وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ اھ مُلَخَّصًا۔

---

[968] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸ ج ۱، مفتاح السلوک ص ۴۳۱)

[969] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح باب الایمان بالقدر، ج ۱ ص ۱۸۴)

داڑھی کو مٹھی سے کم کرنا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے بھی جائز نہیں کہا اور ان کے ساتھ تشبہ حرام ہے۔[970]

اسے دوبارہ مسلمان کر کے نکاح بھی دوبارہ کیا جائے۔

داڑھی منڈانے کی تاریخ:

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ عمل قوم لوط سے شروع ہوا۔ اغلب یہی ہے کہ وہ امرد پرست تھے۔ غالباً جب ان کے مردوں کی داڑھیاں آجاتی تھیں تو امرد ہی رہنے کی غرض سے وہ داڑھی منڈوایا کرتے تھے۔ چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ،،دس برے کاموں کی وجہ سے قوم لوط ہلاک کی گئی ہے جن میں سے ایک لواطت ہے اور شراب پینا اور داڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا بھی ہے۔[971]

اس آیہ کریمہ سے نیچے وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبَائِثَ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ (الانبیاء ۷۴) اور لوط کو ہم نے حکمت ،فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور علم دیا اور اسے اس بستی سے نجات بخشی جو گندے کام کرتی تھی بیشک وہ بُرے لوگ بے حکم تھے۔

تاریخ میں داڑھی منڈانے کا ابتدائی ثبوت تو شیطان لعین کے اس چیلنج سے ملتا ہے جو لعین نے اللہ تعالیٰ کو دیا تھا۔

لَعَنَهُ اللهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا (۱۱۸) وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ (النساء ۱۱۹)

---

[970] (درمختار کتاب الصوم، ج ۲ ص ۴۱۸ وفتح القدیر)
[971] (درمنثور ص ۲۲۴ ج ۴، روح المعانی ص ۶۴ ج ۱۷)

جس پر اللہ نے لعنت کی اور بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا ہوا حصہ لوں گا قسم ہے میں ضرور بہکادوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے۔

مفسرین کرام نے **فلیغیرن خلق اللہ** کی تفسیر میں لکھاہے کہ داڑھی منڈوانا بھی **تغییر خلق اللہ** ہے، یعنی اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں (شکلوں) کو بگاڑنا ہے تو ثابت ہو گیا کہ جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ شیطان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور شیطان ان کو اپنے بندے اوراپنا حصۂ مقررہ سمجھتا ہے شیطان لعین کے اس چیلنج کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بھی اعلان فرمادیا کہ:

وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا (النساء ۱۱۹)

اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ صریح ٹوٹے میں پڑا۔

پس کتنے افسوس کی بات ہے کہ کوئی مسلمان داڑھی منڈا کر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کے حکم کی تعمیل کرکے اس کے حصے میں چلا جائے اور **خسران مبین** اٹھائے۔(پناہ بخدا)

داڑھی میں گرہ لگانا:

عن رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُولُ بِکَ بَعْدِي، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا، أَوْ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ، أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ بَرِيءٌ۔

روایت ہے حضرت رویفع بن ثابت سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے رویفع شاید میرے بعد تمہاری زندگی لمبی ہو گی تو لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو اپنی داڑھی

میں گرہ لگائے یا تانت ﴿دھاگہ﴾ باندھے یا کسی جانور کی پلیدی یا ہڈی سے استنجاء کرے تو حضور انور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں۔[972]

تو معلوم ہوا کہ داڑھی لٹکانے کے بجائے اوپر چڑھانا یا اس پر گرہ لگانا بڑا گناہ ہے اس کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑنا چاہیئے۔

ملازمت کی خاطر داڑھی منڈانا:

ملازمت کرنا یا کسی اور ذریعۂ معاش کو اختیار کرنا شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ شریعت مطہرہ نے اسکا حکم دیا ہے کہ انسان فرائض کی ادائیگی کے بعد کوئی بھی حلال ذریعہ معاش اختیار کرے لیکن معاش کی خاطر شریعت مطہرہ کے کسی حکم کو چھوڑنا، حرام کا ارتکاب کرنا شرعاً اسکی قطعاً اجازت نہیں۔ داڑھی رکھنا شرعاً واجب اسکا منڈانا، مٹھی سے کم کرنا حرام ہے۔ لہٰذا ملازمت کی خاطر داڑھی منڈانے یا کٹانے کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں۔ اگر اسکے بغیر ملازمت نہ مل رہی ہو تو تب بھی داڑھی منڈانے کے جرم عظیم کا ارتکاب نہ کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اسی سے دعا مانگتے رہیں اور فراخیٔ رزق کا انتظار کریں۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (۲) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (الطلاق ۳)

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

---

[972] (ابوداؤد)

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

وَلَا يَحْمِلَكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ عَلَى أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللهِ۔[973]

یعنی تمھیں رزق دیر سے ملنا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعہ رزق طلب کرنے لگو۔

ہدایت الابرار میں ہے کہ:

فاخذ الاجرة لحلق اللحية او لقصها دون القبضة حرام و خبث۔(ص ۴۴)

وفی تنویر الایمان فی اتباع مذهب نعمان قال ﷺ من قصر او حلق لحيته فهو ملعون و مردود فی الدنيا و الآخرة و اذا كانت زائدة عن القبضة فلا بأس بتقصيرها و عن الطحاوی من شرب الخمر ثم تاب و لكن حلق اللحيته او قصها دون القبضة يقال له تارك و لا يقال له تائب و توبته ناقصة و اخذ الاجرة لحلق اللحية او لقصها دون القبضة حرام و خبيث و حلق اللحية و قصها دون القبضة و حلق المرأة رأسها كلها حرام۔

ترجمہ: ایک مٹھی سے کم داڑھی کاٹنے یا بالکل منڈوانے کی اجرت حرام اور ناپاک ہے۔

تنویر الایمان نامی کتاب میں ہے کہ جو شخص داڑھی منڈوائے یا ایک مٹھی سے کم کرے تو دنیا اور آخرت میں ملعون و مردود ہے اور اگر داڑھی مٹھی سے زیادہ ہو تو اس اضافی بال کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ طحاوی میں ہے کہ جو شخص شراب پیتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے تو اس کو توبہ کرنے والا کہا جاتا ہے لیکن جو داڑھی منڈواتا ہے یا مشت سے کم کرتا ہے اور پھر اس سے رک جاتا ہے تو اس کو چھوڑنے والا کہا جاتا ہے مگر توبہ کرنے والا نہیں کہا جاتا اور اس کی توبہ ناقص ہے۔ داڑھی منڈوانے یا مشت سے کم کرنے کی اجرت حرام و ناپاک ہے، داڑھی منڈوانا یا مشت سے کم کرنا یا عورت کا اپنے سر کو منڈوانا حرام ہے۔(ص ۳۴۶)

---

[973] (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۷ ص ۷۹)

لہٰذا داڑھی کی کٹائی پر اجرت لینے اور دینے والا دونوں گناہگار ہیں اور مسرفین میں داخل ہیں اللہ جل شانہ شیطان کو کہتا ہے۔

وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ (الاسریٰ ٦٤)

اور ان کا ساتھی ہو مالوں میں۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

ھو امرھم بہ من انفاق الاموال فی معاص اللہ تعالیٰ ابن کثیر (ص ٩٦ ج ٣)

یعنی شیطان اسے حکم کرتا ہے کہ ناجائز کاموں میں پیسہ خرچ کر دو۔

داڑھی کٹانے والا شفاعت سے محروم ہے:

مَنْ تَرَکَ سُنَّتِي لَمْ يَنَلْ شَفَاعَتِي۔[974]

ترجمہ: دوسری حدیث میں ہے

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى) قِيلَ: وَمَنْ أَبَى؟ قَالَ: (مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى. رَوَاهُ الْبُخَارِيّ۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منکر کے سوا میری ساری امت جنت میں جائے گی عرض کیا گیا منکر کون ہے؟ فرمایا جس نے میری فرمانبرداری کی بہشت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً وہ منکر ہوا۔ (بخاری)

داڑھی منڈوانے والے پر سلام کرنا:

قال العلامة علاؤ الدين صاحب الخازن المسألة الرابعة في الأحوال التي يكره السلام فيها: فمن ذلک الذي يبول أو يتغوط أو يجامع و نحو ذلک لا يسلم عليه فلو سلم فلا يستحق

[974] (الشامية ج ٦ ص ٣٣٧)

المسلّم جوابا لما روي عن ابن عمر: أن رجلا مر ورسول الله صلّى الله عليه وسلّم يبول فسلم عليه فلم يرد عليه» أخرجه مسلم قال الترمذي إنما يكره إذا كان على الغائط أو البول ويكره التسليم على من في الحمام وقيل إن كانوا متزرين بالميآزر سلم عليهم وإلّا فلا، ويكره التسليم على النائم والناعس والمصلي والمؤذن والتالي في حال الصلاة والأذان والتلاوة ويكره الابتداء بالسلام في حال الخطبة لأن الجالسين مأمورون بالإنصات للخطبة ويكره أن يبدأ المبتدع بالتسليم عليه وكذلک المعلن بفسق وكذلک الظلمة ونحوهم فلا يسلم على هؤلاء۔

ترجمہ: علامہ خازن چوتھے مسئلے میں ان حالات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ جن میں سلام کرنا مکروہ ہے۔وہ یہ ہیں جو شخص بول وبراز (پیشاب وپاخانہ کرنے) میں مشغول ہو یا ہمبستری کر رہا ہو تو اس پر سلام نہ کرے، اگر کوئی سلام کرے گا تو جواب کا مستحق نہیں ہے جیسے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس سے گزرا اور سلام کیا جبکہ آپ ﷺ مبارک پیشاب فرمارہے تھے تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص بول وبراز میں مصروف ہو تو اس پر سلام کرنا مکروہ ہے اس طرح جو شخص نہارہا ہو تو بھی اس پر سلام کرنا مکروہ ہے۔ہاں اگر اس نے ستر عورت کیا ہو تو پھر جائز ہے۔ سوتے ہوئے شخص کو، اونگھنے والے، نمازی، موذن اور تلاوت کرنے والے پر ان ہی حالات میں مصروف ہوتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے، خطبہ سننے والے پر سلام کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ لوگ خطبہ سننے پر مامور ہیں، بدعتی پر سلام میں پہل کرنا مکروہ ہے اسی طرح علی الاعلان فسق وفجور کرنے والے اور ظالموں پر سلام نہیں کیا جائے گا۔[975]

عن ام عاش قالت كان رسول الله ﷺ يحفى شاربه۔

[975] (تفسیر خازن سورۃ النساء آیت ۸۸، ج ا ص ۴۰۶)

حضرت ام عائش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مونچھوں کو مونڈتے تھے۔[976]

عن عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع انہ رای اباسعید الخدری و جابر بن عبداللہ و عبداللہ بن عمر و سلمة بن الاکوع و ابا اسید البدری و رافع بن خدیج و انس بن مالک :یاخذون من الشوارب کاخذ الحلق ویعفون اللحی وینتفون الآباط، و فی روایة: ویقصون الاظفار۔

حضرت عثمان بن عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو سعید خدری، جابر بن عبد اللہ ، عبد اللہ بن عمر، سلمہ بن اکوع، ابو اسید بدری، رافع بن خدیج اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ: مونچھیں مونڈنے کی طرح جڑ سے ختم کرتے تھے اور داڑھی بڑھاتے تھے اور بغلوں کے بال صاف کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ: ناخنوں کو کاٹتے تھے۔[977]

عن عبداللہ بن بسر قال رایت رسول اللہ ﷺ یطرّ شاربہ طرّا۔

حضرت عبد اللہ بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا: آپ اپنی مونچھوں کو خوب کاٹتے تھے۔[978]

قال رسول اللہ ﷺ: طرّوا الشوارب طرّا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو خوب کاٹو۔[979]

عن رجل من بنی غفار ان النبی ﷺ قال: من لم یحلق عانتہ ویقلم اظفارہ ویجز شاربہ فلیس منا۔

---

976 (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب واللحیة، ج،۵، ص، ۱۶۹، مؤسسة المعارف بیروت)

977 (رواہ الطبرانی فی معجم الکبیر، ج، ا، ص ۲۸۹، رقم:۶۲۸، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب واللحیة، ج،۵، ص، ۱۶۹، مؤسسة المعارف بیروت)

978 (رواہ الطبرانی فی مسند الشامیین، رقم: ۱۰۲۶، الاحادیث المختارہ، رقم: ۲۹۲۹، فوائد تمام، ج،۳، ص،۴۷، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب واللحیة، ج،۵، ص، ۱۷۰، مؤسسة المعارف بیروت)

979 (قوت القلوب، الفصل السادس والثلاثون فی فضائل اهل السنت والطریقة، ج،۲، ص، ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، اتحاف السادة المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، کتاب اسرار الطهارة، القسم الثالث، ج، ۲، ص، ۶۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

نبی غفار کے ایک شخص ص سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے زیرناف بال نہ مونڈے اور اپنے ناخن نہ کاٹے اور اپنی مونچھیں نہ مونڈے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[980]

عن ابن عمر عن النبی ﷺ انہ امر باحفاء الشوارب و اعفاء اللحیۃ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مونچھوں کو مونڈنے اور داڑھی کے بڑھانے کا حکم دیا۔[981]

لمبی مونچھیں رکھنا مجوسیوں کا دین ہے

عن عبیداللہ بن عتبۃ قال: جاء رجل من المجوس الی رسول اللہ ﷺ و حلق لحیتہ و اطال شاربہ فقال لہ النبی ﷺ ماھذا؟ قال: ھذا فی دیننا، قال: فی دیننا ان نجز الشارب و ان نعفی اللحیۃ۔

حضرت عبید اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مجوسی آیا اس حال میں کہ اس نے داڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی ہوئی تھیں، نبی کریم ﷺ اس سے ارشاد فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ ہمارے دین میں ہے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں منڈائیں اور داڑھی بڑھائیں۔[982]

عن ابن عباس قال: اخذ الشارب من الدین۔

---

[980] (رواہ احمد فی المسند، ج۵، ص، ۴۱۰، وزوائد المسند، رقم: ۴۳۰۳، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب و اللحیۃ، ج۵، ص، ۱۷۰، مؤسسۃ المعارف بیروت)

[981] (صحیح مسلم، ج، ۱، ص، ۱۲۹، نور محمد کراچی، سنن ابو داؤد، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب ج، ۲، ص، ۵۷۷، میر محمد کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ، ج، ۱، ص، ۱۲۹، قدیمی کتب خانہ کراچی، جامع ترمذی، ابواب الادب، باب ماجاء فی اعفاء اللحیۃ، ۲، ص، ۱۰۰، آفتاب عالم پریس لاھور، و، ص، ۳۹۴، نور محمد کراچی، مؤطا امام مالک، ص، ۷۲۱، مجتبائی لاھور)

[982] (مصنف ابن ابی شیبہ، ج، ۸، ص، ۳۷۹، ادارۃ القرآن کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مونچھیں کٹوانا دین میں سے ہے۔[983]

عن مغیرة شعبةان رسول اللہ ﷺ رأی رجلا طویل الشارب فدعا بسواک وشفرة فقص شاربه علی عود السواک۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لمبی مونچھوں والے ایک شخص کو دیکھا تو آپ ﷺ نے ایک مسواک اور چھری منگوائی پھر مسواک کی لکڑی پر (رکھ کر) مونچھوں کو کاٹا۔[984]

محمد بن عبیداللہ عن المغیرة بن شعبة ان رجلا اتی النبی ﷺ طویل الشارب فدعا النبی ﷺ بسواک ثم دعا بشفرة فقص شارب الرجل علی سواک۔

حضرت محمد بن عبید اللہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک لمبی مونچھوں والا آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے مسواک منگوائی پھر چھری منگوا کر اس آدمی کی مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر کاٹا۔[985]

عن المغیرة بن شعبة قال اخذ رسول اللہ ﷺ من شاربی علی سواک۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے میری مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر کاٹا۔[986]

---

[983](شعب الایمان، ج،۵، ص، ۲۲۴، رقم: ۶۴۵۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[984](شرح معانی الآثار، کتاب الکراھة، ج، ۲، ص، ۳۰۷، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[985](شعب الایمان، ج، ۲۲۲، ۵، رقم: ۶۴۴۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، شرح معانی الآثار، کتاب الکراھة، ج، ۲، ص، ۳۰۷، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[986](شعب الایمان، ج، ۵، ص، ۲۲۰، رقم: ۶۴۴۷، شرح معانی الآثار، کتاب الکراھة، ج، ۲، ص، ۳۰۷، مکتبہ حقانیہ ملتان)

مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ :ان اھل الشرک یعفون شواربھم ویحفون لحاھم فخالفوھم فاعفوا اللحی واحفوا الشوارب۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں منڈواتے ہیں ،سو تم ان کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں منڈاؤ۔[987]

عن ابن عباس قال لما فتح رسول اللہ ﷺ مکۃ قال:ان اللہ ورسولہ حرم شرب الخمر وثمنھا وقال وقصوا الشوارب واعفوا اللحی ولا تمشوا فی الاسواق الا وعلیکم الازر انہ لیس منا من عمل بسنۃ غیرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ارشاد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے شراب پینے اور اس کی قیمت لینے کو حرام کر دیا اور ارشاد فرمایا: مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور بغیر تہبند پہنے بازاروں میں مت چلو، کیونکہ جو شخص ہمارے غیر کے طریقہ پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[988]

فائدہ : یہ حدیث حسن درجے میں داخل ہو کر معتبر ہے۔کیونکہ مونچھیں بڑھانا اور داڑھی منڈوانا غیروں کا طریقہ ہے۔جیسا کہ آگے احادیث میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔اس لئے جو شخص

---

[987] (رواہ الطبرانی، کشف الاستار، کتاب الزینۃ،رقم:٢٧٩٨،مجمع الزوائد، کتاب اللباس ،باب ماجاء فء الشارب واللحیۃ، ج،٥ ،ص،١٢٩ ،موسسۃالمعارف بیروت)

[988] (طبرانی فی الاوسط ،رقم: ٩٤٢٤،مجمع الزوائد ،کتاب اللباس ،باب ماجاء فء الشارب واللحیۃ،ج،٥، ص،١٧٠،١٢٩ ،موسسۃالمعارف بیروت)

مونچھیں بڑھائے یا داڑھی کٹائے تو اس کے لئے وعید ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنی جماعت سے باہر کا شخص قرار فرمایا جو کہ ان دونوں گناہوں پر بہت سخت وعید ہے۔

عن یحییٰ ابن کثیر قال اتی رجل من العجم المسجد وقد وفر شاربه و جزّ لحیته، فقال له رسول اللهﷺ ماحملک علی هذا؟ فقال ان ربی امرنی بهذا، فقال له رسول اللهﷺ: ان الله تعالٰی امرنی ان اوفر لحیتی و احفی شاربی۔

حضرت یحیٰ ابن کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عجمی شخص مسجد میں آیا اور اس نے اپنی مونچھیں بہت زیادہ بڑھا رکھی تھیں اور داڑھی کٹوائی ہوئی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا تمہیں ایسا کرنے کا کس نے کہا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میرے آقا نے مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی داڑھی کو بڑھاؤں اور اپنی مونچھوں کو منڈاؤں۔[989]

عن ابن عمر قال قال رسول اللهﷺ انا آل محمد نعفی لحانا و نحفی شاربنا و ان آل کسریٰ یحلقون لحاهم و یعفون شوار بهم هدینا مخالف لهدیهم۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم آلِ محمد اپنی داڑھیوں کو بڑھاتے ہیں اور اپنی مونچھوں کو منڈواتے ہیں۔ اور آلِ کسریٰ اپنی داڑھیوں کو منڈواتے ہیں اور اپنی مونچھوں کو چھوڑ دیتے ہیں، ہمارا طریقہ ان کے طریقے کے مخالف ہے۔[990]

عن عبد الله بن عبد الله مرسلاً قال قال رسول اللهﷺ: لکن ربی أمرنی أن أحفی شاربی و أعفی لحیتی۔

---

[989] (مسند الحارث، کتاب اللباس و الزینة، باب ماجاء فی الاخذ من الشعر، رقم الحدیث: ۵۸۳، المطالب العالیه: رقم: ۲۳۰۸)

[990] (مسند الفردوس، ج، ۱، ص، ۵۴، رقم: ۱۴۸، جامع الاحادیث، ج، ۹، ص، ۲۱۴، رقم: ۸۷۰۶)

حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مگر مجھے میرے رب نے حکم فرمایا کہ اپنی مونچھیں منڈاؤں اور اپنی داڑھی بڑھاؤں۔[991]

نحن نحت الشوارب و نعفی اللحی و ھی الفطرۃ۔

ہم لوگ (یعنی اہل بیت) مونچھوں کو کاٹتے ہیں اور داڑھیوں کو چھوڑ دیتے ہیں یہی فطرت ہے۔(یعنی دین اور سنت)[992]

مونچھوں کے کناروں کو یہود، نصاریٰ اور مجوسی بڑھاتے ہیں

عن ابی امامۃ باھلی قال: خرج رسول اللہ ﷺ علی قوم من الانصار بیض لحاھم فقال: یا معشر الانصار حمروا و صفروا و خالفوا أھل الکتاب، قال: قلنا یا رسول ﷺ ان اھل الکتاب یتسرولون و لا یأتزرون، فقال رسول اللہ ﷺ: تسرولوا و اتزروا و خالفوا اھل الکتاب، قال قلنا یا رسول اللہ ﷺ ان اھل الکتاب یتخففون و لا ینتعلون، قال: فقال النبی ﷺ: تخففوا و انتعلوا و خالفوا اھل الکتاب، قال یا رسول اللہ ﷺ ان اھل الکتاب یقصون عثانینھم و یوفّرون سبالھم، قال فقال النبی ﷺ: قصوا سبالکم و وفروا عثانینکم و خالفوا اھل الکتاب۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کی ایک قوم کے پاس تشریف لائے جن کی داڑھیاں سفید تھیں، ارشاد فرمایا: اے انصار کے گروہ! (اپنے سفید بالوں کو) سرخ کرو اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اہل کتاب شلواریں پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم شلواریں بھی پہنو اور تہبند بھی باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اہل کتاب

[991](الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ذکر اخذ رسول اللہ ﷺ من شاربہ، ج، ۱، ص، ۴۴۹، دار صادر بیروت، کنز العمال، ج، ۶، ص، ۶۵۷، رقم: ۱۷۲۴۸، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

[992](لغات الحدیث، کتاب "ف"، ج، ۳، ص، ۹۳، میر محمد کتب خانہ کراچی)

موزے پہنتے ہیں اور جوتے نہیں پہنتے ؟تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:تم موزے بھی پہنو اور جوتے بھی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو،ہم نے عرض کیا:یارسول اللہ ﷺ اہل کتاب اپنی داڑھیوں کو کاٹتے ہیں اور اپنی مونچھوں کے کنارے بڑھاتے ہیں ۔تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:تم اپنی مونچھوں کے کناروں کو(بھی جڑ سے)کاٹو اوراپنی داڑھیوں کو بڑھاؤ اور اہل کتاب (یہود ونصاریٰ)کی مخالفت کرو۔[993]

عن عبداللہ ابن عمر قال:ذکر لرسول اللہ ﷺ المجوس فقال:انهم یوفرون سبالهم ویحلقون لحاهم فخالفوهم۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:رسول اللہ ﷺ سے مجوس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا:وہ اپنی مونچھوں کے کنارے بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تم ان کی مخالفت کرو۔[994]

عن الحکیم بن عمیر الیمانی قال قال رسول اللہ ﷺ قصوا الشارب مع الشفاہ۔

حضرت حکیم بن عمیر یمانی رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو اس کے کناروں سمیت کاٹو۔[995]

---

[993] (طبرانی فی الکبیر ،ابو نعیم فی حلیۃالاولیاء ،مسند احمد بن حنبل ،ج،۵،ص،۲۶۵ ،بیروت،وشعب الایمان ،ج،۵،ص،۲۱۴ ،رقم: ۶۴۰۵ ،دارالکتب العلمیہ بیروت ،اتحاف السادۃ المتقین شر ح احیا ء العلوم الدین کتاب اسرار الطهارۃ ،القسم الثالث،،ج،۲،ص،۶۵۱ ،دارالکتب العلمیۃبیروت،کنزالعمال،ج،۶،ص،۶۵۸ ،رقم:۱۷۲۵۷ ،مؤسسۃالرسالۃبیروت)

[994] (الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان،ج،۸،ص،۴۰۸ ،طبرانی،السنن الکبریٰ کتاب الطہارۃ باب کیف الاخذ من الشارب،ج،۱ ، ص،۱۵۱ ،مطبوعہ دارصادر بیروت)

[995] (رواہ احمد فی المسند ،ج،۲،ص،۲۲۹ ،و الطبرانی فی الکبیر،ج،۱۱ ،ص،۱۵۲ ،والاوسط،ج،۹،ص،۱۶۲ و کشف الخفاء ،ج،۳،۱۱۲ ،مکتبۃ العلم الحدیث دمشق ، کنزالعمال ،ج،۶،ص،۶۵۳ ،رقم :۱۷۲۲۷ ،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،مجمع الزوائد ،کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب واللحیۃ،ج،۵،ص،۱۷۰ ،مؤسسۃالمعارف بیروت)

قربانی کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں مونچھیں کاٹنے پر قربانی کا ثواب

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص ان النبی ﷺ قال امرت بیوم الاضحی عیدا جعلہ اللہ لھذہ الامۃ۔قال رجل یارسول اللہ ﷺ ارأیت ان لم اجد الا منحیۃ انثی افاضحی بھا قال لا ولکن تاخذ من شعرک واظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فتلک تمام اضحیتک عند اللہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے یوم اضحی کا حکم دیا گیا کیونکہ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے عید بنایا۔ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ! یہ بتایئے اگر میرے پاس منحیہ (دودھ دینے والے جانور) کے سوا کوئی جانور نہ ہو تو کیا اس کی قربانی کروں فرمایا: نہیں ،ہاں تم اپنے بال اور ناخن ترشواؤ اور مونچھیں کٹاؤ اور زیرناف بال مونڈو اسی میں تمہاری قربانی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری ہو جائے گی ۔(یعنی جس کو قربانی کی توفیق نہ ہو اسے ان چیزوں کے کرنے سے قربانی کا ثواب حاصل ہو جائے گا)۔[996]

روی عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی علیہ السلام انہ قال من ارادان یدرک فضل الاضحیۃ وھو لا یستطیع فلیصل صلٰوۃ العید ثم یرجع الی بیتہ ولیقلم اظفارہ ولیحلق عانتہ ولیقصر شاربہ فانک یدرک فضل الاضحیۃ فلیصل رکعتین فی تلک الیوم بعد صلوٰۃ العید فلیقراء فی کل رکعۃ فاتحۃ الکتاب مرۃ وانا اعطیناک الکوثر خمس مراۃ فاذا سلم فلیسجد ولیقل اللھم اعطنی ثواب القربان فان اللہ تعالیٰ یعطی لہ ثواب الاضحیۃ فی تلک الیوم وقبلھا الی آدم صلٰوۃ اللہ علیہ السلام وبعدھا الی یوم القیامۃ۔

---

[996] (سنن النسائی ،وسنن ابی داؤد ،کتاب الضحایا،ص، ۳۸۵،میر محمد کتب خانہ کراچی،ومشکوٰۃ ص،باب الاعتیرۃ،ص، ۱۲۹ ،قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں: ارشاد فرمایا: جو شخص قربانی کی فضیلت کو پانا چاہتا ہے اور اس کی طاقت نہیں رکھتا، تو اس کو عید کی نماز پڑھنی چاہئیے پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے اور اس کو اپنے ناخن کاٹنے چاہئیں اور اس کو اپنے زیر ناف بال مونڈنے چاہئیے اور اپنی مونچھیں کاٹنی چاہئیے تو بے شک اس نے قربانی کی فضیلت کو پالیا، تو پھر نماز عید کے بعد اس دن میں دو رکعتیں پڑھنی چاہئیے، پس ہر رکعت میں سورت فاتحہ ایک بار اور إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔ پانچ بار پڑھنی چاہئیے تو جب سلام پھیرے تو سجدہ کرنا چاہئیے اور یہ دعا پڑھنی چاہئیے: اے اللہ مجھے قربانی کا ثواب عطاء فرما تو اللہ تعالیٰ اس دن میں اس کو قربانی کا ثواب عطاء فرمائے گا اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اور اس کے بعد قیامت تک اس کو قبول فرمائے گا۔[997]

جس نے مونچھوں کو کاٹا اللہ تعالیٰ اسے چار نور عطاء فرمائے گا

قال علیہ السلام: من قصّ شاربہ اعطاء اللّٰہ تعالیٰ اربعۃ انوار: نورا فی وجھہ و نورا فی قلبہ و نورا فی قبرہ و نورا فی یوم القیامۃ۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی مونچھوں کو (جڑ سے) کاٹا اللہ تعالیٰ اسے چار نور عطاء فرمائے گا:

(۱) اس کے چہرے میں نور　　(۲) اور اس کے دل میں نور

(۳) اور اس کی قبر میں نور　　(۴) اور قیامت کے دن میں نور۔[998]

---

[997] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج، ا، ص، ۸۰، درطبع محمدی تاجران کتب بمبئی)

[998] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج، ا، ص، ۸۰، درطبع محمدی تاجران کتب بمبئی، تذکرۃ الابرار والاشرار ص، ۲۴۵، ۲۴۴، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، ہدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص، ۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

مونچھیں کاٹنے پر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے

وفی بعض الرویات: ان من قص شاربہ یعطی بکل شعرہ حسنۃ۔

اور بعض روایات میں ہے: بے شک جس شخص نے اپنی مونچھوں کو کاٹا اس کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی عطاء کی جائے گی۔[999]

مونچھوں کو نوچنا اللہ کی راہ میں ہزار غلام آزاد کرنے کی طرح ہے

قال علیہ السلام: من نتف (شفت) شاربہ فکانما اعتق الف رقبۃ فی سبیل اللہ۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی مونچھوں کو نوچا (اکھیڑا) تو گویا کہ اس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار غلام آزاد کیا۔[1000]

واز روے ثواب چنان بود کہ از اشتر موئ سرخ خریدہ و در راہِ خدا اشتر و جل صدقہ دادہ۔

اور ثواب میں ایسے ہوتا ہے کہ سرخ بالوں والا اونٹ خریدہ اور خدا کی راہ میں اونٹ اور زین کو صدقہ کر دیا۔[1001]

"من أخذ من أظفارہ وشاربہ کل جمعۃ، وقال حین یأخذ: بسم اللہ وباللہ وعلی سنۃ محمد وآل محمد۔ لم یسقط منہ حصۃ ولا جزازۃ الا کتب اللہ بھا عتق نسمۃ ولم یمرض الا مرضہ الذی یموت"۔

---

[999] (فتاویٰ ابراھیم شاھی، ھدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص، ۲۱، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[1000] (صلوٰۃ مسعودی، باب ھشتم در بیان طھارت، ج، ۱، ص، ۸۰، درطبع محمدی تاجران کتب بمبئی، ھدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص، ۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[1001] (تذکرۃ الابرار والاشرار ص، ۲۴۵، ۲۴۴، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

جو شخص ہر جمعہ کو اپنے ناخن اور اپنی مونچھیں کاٹے اور کاٹتے وقت یہ دعا پڑھے:

بسم اللہ و باللہ و علی سنۃ محمد و اٰل محمد۔ تو جو ٹکڑا یا کٹا ہوا بال گرے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک جان آزاد کرنے کا ثواب لکھے گا اور وہ کبھی بیمار نہ ہو گا مگر اسی بیماری سے جس میں موت لکھی ہو گی۔[1002]

جمعہ کے دن مونچھیں کاٹنے پر ہر بال کے بدلہ دس نیکیاں ملیں گی

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ: من أخذ شاربه یوم الجمعة کان له بکل شعرة تسقط منه عشر حسنات۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن اپنی مونچھیں کاٹے گا، ہر بال جو گرے گا اس کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔[1003]

جمعہ کو مونچھیں کاٹنے پر ہزار فرشتوں کی شفاعت و دعائے مغفرت

عن انس بن مالک عن النبی ﷺ قال: من قلم اظفاره یوم الجمعة و اخذ من شاربه و استاک و افرغ علی نفسه من الماء و توجه الی المسجد یتبعه الف ملک کلهم یشفعون و یستغفرون له۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن اپنے ناخن کاٹے اور اپنی مونچھیں کاٹے اور مسواک کرے اور اچھی طرح غسل

[1002] (لغات الحدیث کتاب الجیم، ج، ۱، ص، ۱۵، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[1003] (الدیلمی، مسند الفردوس، ج، ۳، ص، ۵۸۳، رقم: ۵۸۲۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، کنز العمال، ج، ۶، ص، ۶۵۷، رقم: ۱۷۲۵۰، مؤسسة الرسالة، بیروت، وموسوعة اطراف الحدیث النبوی الشریف، ج، ۹، ص، ۴۵، دارالکتب العلمیہ بیروت)

کرے اور مسجد کی طرف جائے اس کے پیچھے ہزار فرشتے چلتے ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ سے اس کی شفاعت اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔[1004]

جمعہ کو مونچھیں کاٹنے سے اللہ تعالیٰ مرض کو نکال کر شفاء داخل کرے گا

ابن مسعود: من اخذ من شاربه واظفاره فی کل جمعة ادخل اللہ فیه شفاء واخرج منه داء۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے ہر جمعہ میں اپنے ناخن اور اپنی مونچھوں کو کاٹا اللہ تعالیٰ اس میں شفاء کو داخل فرمائے گا اور اس بیماری کو نکال دے گا۔[1005]

روی ابن شهاب عن رسول اللہ ﷺ انه قال: من قلّم اظفاره یوم الجمعة کان اماناً من الجذام ومن قصّ شاربه واستاک فیه اخرج اللہ منه الدّاء وادخل فیه الشفاء۔

حضرت ابن شہاب رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص جمعہ کے دن ناخن کاٹے وہ مرضِ جذام سے امن میں رہے گا اور جو اسی روز مونچھیں کاٹے اور مسواک کرے اللہ تعالیٰ اس کے اندر سے مرض کو نکال دے گا اور اس میں شفاء داخل کرے گا۔[1006]

عن محمد بن حاطب کان النبی ﷺ یأخذ من شاربه وظفره یوم الجمعة۔

محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن اپنی مونچھیں اور اپنے ناخن کاٹتے تھے۔[1007]

[1004] (تذکرۃ الواعظین، ص، ۱۰۱، ۱۰۰، مکتبہ حبیبیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[1005] (العلل المتناهیه، ج، ۱، ص، ۴۶۴، وموسوعة اطراف الحدیث النبوی الشریف، ج، ۹، ص، ۴۸۲، دارالکتب العلمیه بیروت، الدیلمی، مسند الفردوس، ج، ۳، ص، ۵۸۴، رقم: ۵۸۲۶، دارالکتب العلمیه بیروت)

[1006] (تذکرۃ الواعظین، ص، ۱۰۱، مکتبہ حبیبیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[1007] (ابو نعیم، کنز العمال، ج، ۲، ص، ۲۸۱، رقم: ۱۷۳۷۹، مؤسسة الرسالة، بیروت)

عن انس، قال: وقت لنا فی قص الشارب وتقلیم الأظفار ونتف الابط وحلق العانة أن لانترک أکثر من أربعین لیلة۔ وقال مرة اخری: اربعین یوما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مونچھیں کاٹنے اور ناخن کاٹنے اور بغل کے بال نوچنے اور زیر ناف بال مونڈنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن مقرر فرمائی ہے۔[1008]

عن ابن عمر وأبی عبداللہ الأغر رضی اللہ عنہما: ”ان رسول اللہ ﷺ کان یقص شاربه ویأخذ من أظفاره کل جمعة قبل ان یخرج الی صلاة الجمعة“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبد اللہ الاغر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بے شک رسول اللہ ﷺ ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ سے پہلے اپنی مونچھیں کاٹتے تھے اور اپنے ناخن کاٹتے تھے۔[1009]

أخرج البیهقی من مرسل أبی جعفر الباقر قال: ”کان رسول اللہ ﷺ یستحب أن یأخذ من أظفاره وشاربه یوم الجمعة۔

[1008] (صحیح مسلم کتاب الطهارة باب خصال الفطرة، ج۱، ص۲۲۲، رقم: ۲۵۸، ۵ ۱، والترمذی فی السنن، ج۵، ص۸۶، رقم: ۲۷۵۹، والنسائی فی السنن، ج۱، ص۱۵، رقم: ۱۴، وابن ماجه، ج۱، ص۱۰۸، رقم: ۲۹۵، واحمد فی المسند، ج۳، ص۵۰۵ ۲، ومشکوٰۃ، کتاب اللباس باب الترجل، ص۳۸۰، قدیمی کتب خانہ کراچی، سنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الطهارة، ابواب الفطرة، ج۱، ص۲۶، رقم: ۱۵، دارالکتب العلمیه بیروت)

[1009] (مسند امام احمد بن حنبل، ج۱، ص۳۰۱، شرح السنة للبغوی، ج۱۲، ص۱۱۳، المکتب الاسلامی، فتح الباری شرح صحیح البخای، ج۱۰، ص۳۴۷، دارالفکر بیروت، تهذیب تاریخ دمشق لابن عساکر، ج۲، ص۱۴۹، بیروت، اخلاق النبوة، ص۲۵۶، النهضة المصریة، مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ج۸، ص۲۷۵، مکتبه رشیدیه کوئٹه)

حضرت امام ابو جعفر باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن اپنی مونچھیں کاٹنے اور اپنے ناخن کاٹنے کو مستحب سمجھتے (یعنی پسند فرمایا کرتے) تھے"۔[1010]

عن أبی هریرة قال: أن رسول الله ﷺ کان یقلم أظفاره و یقص شاربه یوم الجمعة قبل أن یروح الی الصلاة۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز کی طرف جانے سے پہلے اپنے ناخن تراشتے تھے اور اپنی مونچھیں کاٹتے تھے۔[1011]

عن ابن عمر رضی الله عنهما: "أن النبی ﷺ کان یأخذ أظفاره ویحفی شاربه فی کل جمعة، ویحلق العانة عشرین یوماً، وینتف الابط فی کل أربعین یوماً۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ ہر جمعہ کو ناخن کاٹتے تھے، اور مونچھوں کو جڑ سے ختم کرتے تھے اور زیر ناف بالوں کو بیس دنوں میں مونڈتے تھے اور بغلوں کے بال چالیس دن میں نوچتے تھے۔[1012]

حدیث علی: "خذ من الشارب فان الملائکة اذا تلا العبد القرآن أدنت أفواهها منه فاذا کان طویل الشارب لم تدن منه"۔

[1010] (بیهقی، شعب الایمان، شرح الزرقانی علی موطأ الامام مالک، کتاب صفة النبی ﷺ، باب ماجاء فی سنة فی الفطرة، ج، ۴، ص، ۳۷۸، دار الحدیث القاهرة، فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج، ۲۹۳، ۱۱، دار الکتب العلمیه بیروت)

[1011] (الطبرانی فی المعجم الاوسط، ج، ۱، ص، ۲۵۷، رقم: ۸۴۲، السنن الکبریٰ للبیهقی، ج، ۳، ص، ۲۴۴، رقم: ۵۷۵۸، شرح الزرقانی علی موطأ الامام مالک، کتاب صفة النبی ﷺ، باب ماجاء فی سنة فی الفطرة، ج، ۴، ص، ۳۷۸، دار الحدیث القاهرة، ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء، ج، ۹، ص، ۵۸۱، دار الکتب العلمیه بیروت، شرعة الاسلام، ص، ۱۵۰، دار البشائر الاسلامیة، بیروت)

[1012] (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ج، ۸، ص، ۲۷۴، مکتبه رشیدیه کوئٹه)

حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

مونچھوں کو کاٹو جب بندہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو فرشتے اپنے منہ اس کے قریب کر دیتے ہیں اگر لمبی مونچھوں والا ہوتا ہے تو منہ اس کے قریب نہیں کرتے۔[1013]

وفی الخبر أن ابراھیم أول من قص الشارب ،واول من اختتن ،واول من قلم الاظافیر ،واول من رأی الشیب ،فلمارااہ قال یارب ماھذا؟ قال :الوقار۔قال :یارب زدنی وقارا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے:بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جس نے مونچھوں کو کاٹا،اور پہلے جس نے ختنہ کیا،اور پہلے جس نے ناخنوں کو کاٹا،اور پہلے جن کے بال سفید ہوئے،پس جب دیکھا ان کو تو عرض کیا اے میرے رب یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:(یہ) وقار ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا:اے میرے رب میرے وقار میں اضافہ فرما۔[1014]

مونچھیں کاٹنے پر ہر بال کے بدلہ میں ایک ہزار شہر کا ثواب ہے

"ومن قص شاربہ فلہ عنداللہ بکل شعرۃ من الثواب ألف مدینۃ من درویاقوت فی کل مدینۃ ألف قصر فی کل قصر ألف دار من الرحمۃ فی کل دار ألف حجرۃ من الزعفران فی کل حجرۃ ألف صفۃ من الزبرجد فی کل صفۃ ألف بیت من المسک فی کل بیت ألف سریر فوق کل سریر جاریۃ من الحور العین علی رأسھا تاج من النور مکلل بالدر و یاقوت وھی تنادی کل یوم ألف مرۃ أنت طالبی و قرۃ عینی و أنت صاحبی وینظر اللہ الیہ فی کل یوم نظرۃ من فوق عرشہ

[1013] (الدیلمی،مسند الفردوس،۲۶۶۴،ومیزان الاعتدال،ج،۵۹۸،۱،تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ،ج،۲،ص،۳۰۷،الکمتبۃ التوفیقیۃ القاھرۃ،مصر)

[1014] (حاشیہ الجمل علی الجلالین ،ج،۱،ص،۱۵۳،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ،حاشیہ العلامۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین ،ج،۱،ص،۱۰۸،قاسم ببلی کیشنز کراتشی)

ویقول لملائکته: ألا تنظرون الی عبدی قص شاربه من مخافتي و عزتي و جلالي لأضعن علیه من نور کرامتي و لأزیننه بین الناس و لأدخلنه جنتي"

"اور جس شخص نے اپنی مونچھوں کو کاٹا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر بال کے بدلہ میں موتی اور یاقوت کے بنے ہوئے ایک ہزار شہر بطور ثواب ملیں گے اور ہر شہر میں ایک ہزار محل ہیں، ہر محل میں رحمت کے ایک ہزار گھر ہیں، ہر گھر میں زعفران کے ایک ہزار حجرے ہیں، ہر حجرے میں زبرجد کا ایک ہزار صفہ (چبوترہ) ہے، ہر صفہ (چبوترہ) میں مشک کا ایک ہزار کمرے ہیں، ہر کمرے میں ایک ہزار تخت ہے، ہر تخت پر ایک حور عین میں لونڈی ہے اس سر پر موتی اور یاقوت سے آراستہ کیا ہوا تاج ہے اور وہ اپنے عرش سے پکارتی ہے کہ تم میرے طلبگار اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو تم میرے ساتھی (رفیق) ہو اور اللہ تعالیٰ روزانہ عرش کے اوپر سے اپنے اس بندے کی طرف دیکھتا ہے اور اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے: کیا میرے بندے کی طرف نہیں دیکھتے کہ میرے جلال اور میری عزت اور میرے خوف کی وجہ سے اپنی مونچھوں کو کاٹا، اپنی کرامت کا نور اس پر رکھوں گا اور لوگوں کے درمیان اس کو زینت دوں گا اور اس کو اپنی جنت میں داخل کروں گا۔[1015]

بنی اسرائیلی مونچھیں نہ کاٹتے تھے تو ان کی عورتیں زناکار ہو گئیں

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ: قصوا شاربکم فان بنی اسرائیل لم یفعلوا ذلک فزنت نساؤهم۔

1015 (الموضوعات ،ابن الجوزی، ج،۳، ص،۵۳، تنزیه الشریعة المرفوعة عن الأخبار الشنیعة الموضوعة ،کتاب اللباس و الزینة والطب، الفصل الاول، ج، ۲، ص، ۲۹۳ ،رقم: ۱۶۴۴ ،المکتبة التوفیقیة، القاهرة مصر، الفوائد المجموعة، باب الخضاب و الطب و قص الظفر و الشارب، ص، ۱۶۷ ،رقم: ۱۱ ،المکتبة العصریة بیروت، میزان الاعتدال، ج، ۲، ص، ۵۸۴، الرسالة العالمیة بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی مونچھیں کاٹو، کیونکہ بنی اسرائیل ایسا نہ کرتے تھے پس ان کی عورتیں زناکاری میں مبتلا ہو گئیں۔[1016]

لمبی مونچھوں والے کو حضور اکرم ﷺ نے ڈانٹا

وروی ان رجلا دخل فی مسجد رسول اللہ ﷺ وشاربه طویل فزجره عن ذلک فذهب الرجل وقص نصف شاربه ثم دخل المسجد فقال علیه السلام وجدت نصف الایمان او کلاما هذا معناه۔

روایت کیا گیا ہے کہ بے شک ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں داخل ہوا، اس حال میں کہ اس کی مونچھیں لمبی تھیں، تو انہوں سے اس کو ڈانٹا، تو وہ شخص گیا اور اپنی آدھی مونچھوں کو کاٹ دیا، پھر مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو نے آدھا ایمان پا لیا یا فرمایا: کلام کو ۔یہ اس کا معنی ہے۔[1017]

مونچھیں نہ کاٹنے پر جبریل علیہ السلام کی ناپسندیدگی

عن ابن عباس عن النبی ﷺ انه قیل یارسول اللہ أبطأ علیک خبر جبریل قال ولم لا تبطیء عنی وأنتم حولی لا تستنون (أی لاتستاکون) ولا تقلمون أظافرکم ولا تقصون شواربکم ولا تنقون رواجبکم (هی مابین عقد لأصابع من داخل)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نبی کریم ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ تحقیق جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے پاس خبر لانے میں دیر کر دی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے پاس آنے میں کیوں دیر نہ کرتے، اور جب کہ تم میرے ارد گرد

[1016] (الدیلمی، مسند الفردوس، ج۵، ۲۰۵، ۳، رقم: ۸۷۵۴، دارالکتب العلمیه بیروت، الجامع الکبیر، ج۱، ص۷، ۲۰۷، کنزالعمال ، ج۶، ص، ۶۵۶، رقم: ۱۷۲۴۷، مؤسسة الرسالة، بیروت)

[1017] (ابراهیم شاهی، هدایة الابرار الیٰ طریقة الاخیار، الفصل الثانی فی حرمة البقاء الشوارب ولزوم اخذها، ص، ۲۱، اسلامی کتب خانه قصه خوانی پشاور)

رہنے والے نہ مسواک کرتے ہو، اور نہ تم اپنے ناخن کاٹتے ہو، اور نہ تم اپنی مونچھیں کاٹتے ہو اور نہ تم اپنے ہاتھوں کے جوڑ اندر سے صاف کرتے ہو۔[1018]

وروی الاعمش عن مجاهد قال: ابطاء جبرائیل علیه السلام علی رسول الله ﷺ ثم اتاه فقال علیه السلام ماجئتنا یاملک (حبسک، عن الاتیان، یاجبریل) قال کیف أتیکم وانتم لاتقصون اظفارکم ولاتأخذون من شواربکم ولاتنقون براجمکم ولاتستاکون، ثم قرأ، ومانتنزل الا بامر ربک عزوجل۔

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے میں دیر کی، پھر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام آپ کو کس چیز نے (آنے سے) روکا ہے؟ عرض کیا: میں کیسے آتا، اس حال میں کہ تم (یعنی تمہارے ساتھ رہنے والے) نہ اپنے ناخن کاٹتے ہو اور نہ اپنی مونچھیں کاٹتے ہو اور نہ تم اپنے ہاتھوں کے جوڑ اندر سے صاف کرتے ہو۔ اور نہ مسواک کرتے ہو۔ پھر یہ آیت پڑھی:

وَمَانَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ۔ (سورۃ مریم: ۶۴)

یعنی ہم اسی وقت زمین پر اترتے ہیں جب ہمیں رب تعالیٰ حکم دیتا ہے۔[1019]

جو مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں

عن زید بن ارقم ان رسول الله ﷺ قال: من لم یاخذ من شاربه فلیس منا۔

[1018] (رواه احمد، و الطبرانی فی معجم الکبیر، ج، ۱۱، ص، ۲۳۴، رقم: ۱۲۲۲۴، وفی زوائد المسند، رقم: ۴۳۰۲، والسیوطی فی الدرالمثور، ج، ۱، ص، ۱۱۲، والمغنی عن حمل الاسفار، ج، ۱، ص، ۱۳۷، مجمع الزوائد، کتاب اللباس باب فی تقلیم الاظفار، ج، ۵، ص، ۱۷۰، مؤسسة المعارف بیروت، کنزالعمال، ج، ۶، ص، ۶۵۹، رقم: ۱۷۲۶۱، مؤسسة الرسالة بیروت)

[1019] (تفسیر روح البیان، البقره: آیت: ۱۲۴، کے تحت، وتذکرة الواعظین، ص، ۱۰۱، مکتبه حبیبیه، کانسی روڈ، کوئٹہ، وهدایة الابرار الیٰ طریقة الاخیار، الفصل الثانی فی حرمة البقاء الشوارب ولزوم اخذها، ص، ۲۱، اسلامی کتب خانه قصه خوانی پشاور)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اپنی مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں ۔(یعنی اس کی موت غیر ملت اسلامیہ پر بھی آسکتی ہے)۔[1020]

البتہ، میدانِ جہاد میں بر سرِ پیکار مجاہدین کے لئے فقہاء نے لبوں کے برابر کر کے لمبی مونچھیں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ علماء نے کہا کہ مجاہدین کیلئے لمبی مونچھیں ضروری ہیں تاکہ دشمن مرعوب ہو جائیں۔

قالوا لا بد عن طول الشارب للغزاة ليكون اهيب في عين العدو، كذا في الغياثية۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مبارک نے بھی دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے مونچھیں چھوڑ دی تھیں۔

عن عامر بن عبدالله الزبير ان عمر رضي الله عنه كان اذا غضب فطل شاربه و نفخ، رواه الطبراني في الكبير۔[1021]

اسی طرح اگر محلہ کے بااثر، دیندار شخصیات فساق وفجار بدمذہب لوگوں پر رعب قائم رکھنے کے لئے شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے معاشرے میں برائی کے سدِباب کے لئے لمبی مونچھیں رکھیں تو ان کو بھی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

قلت و الله اعلم لان العلة التي ذكروها توجدهٰهنا ايضاً و في الهندية و كان بعض السلف يترك سباليه وهما اطراف الشوارب۔

[1020] (سنن ترمذی ،ج،۵،ص،۸۷،رقم:۲۷۶۱،سنن نسائی ،ج،۱،ص،۱۵،رقم:۱۳،مسند امام احمد بن حنبل ،ج،۴،ص،۳۶۶،شعب الایمان، ج،۵،ص، ۲۲۲،رقم:۶۴۳۵،دارالکتب العلمیہ بیروت ،مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس،باب الترجل،ص،۳۸۱،قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1021] (جلد ۱ صفحہ ۴)

جو علت علماء نے ذکر کی ہے وہ یہاں بھی پائی جاتی ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے بعض سلف صالحین مونچھوں کے دونوں کنارو ں کو چھوڑتے تھے اور یہ جواز صرف مجاہدین کے لئے دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے ہے، ورنہ مونچھیں حلق کرنا ہی افضل ہے۔

فتاویٰ حمادیہ میں ہے :غازیوں کو مونچھیں بڑھانا جائز و مستحب ہے۔

واما الغازی فی دار الحرب یندب الی تطویل الشارب لیکون اھیب فی عین العدو۔

مجاہدین کیلئے دارالحرب میں لمبی مونچھیں مستحب ہیں تاکہ دشمنوں کی نظر میں ہیبت ناک نظر آئیں۔[1022]

مونچھیں لمبی رکھنے والے کے لئے چار سزائیں

قال النبی ﷺ:من طوّل شاربه عوقب بأربعة أشياء:لایجد شفاعتی و لایشرب من حوضی ویعذب فی قبرہ ویبعث اللہ الیہ المنکر و النکیر فی غضب۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی مونچھیں لمبی رکھیں اسے چار سزائیں ملیں گی:(۱)میری شفاعت سے محروم رہے گا،(۲)میرے حوض سے نہیں پیئے گا،(۳) قبر میں عذاب دیا جائے گا،(۴)منکر اور نکیر نہایت غصہ میں اس کے پاس آئیں گے۔[1023]

حدیث:"من طول شاربه في دار الدُّنیا طوّلَ اللّٰہُ نَدَامَتَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَسَلَّطَ عَلَیْهِ بِکُلِّ شَعْرَةٍ عَلَی شَارِبِهِ شَیْطَانَانِ فَإِنْ مَاتَ عَلَی ذَلِکَ الْحَالِ لا تُسْتَجَابُ لَهُ دَعْوَةٌ وَلا تَنْزِلُ عَلَیْهِ رَحْمَةٌ ۔إلخ۔

[1022](کذافی الغیاثیة،عالمگیری،ج۵ص۳۸)

[1023](تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس نفیس، کتاب النبی ﷺ الی الکسریٰ،ج،۲،ص،۵ ۹ ۳،دار الکتب العلمیه بیروت)

جس شخص نے اپنی مونچھیں دنیا میں لمبی رکھیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ندامت کو لمبا کرے گا اور اس کی مونچھوں کے ہر بال کے بدلے میں اس پر دو شیطان مسلط کرے گا پس اگر اسی حالت پر مر گیا تو اس کی دعا قبول نہیں کی جائے گی اور نہ اس پر رحمت نازل کی جائے گی۔[1024]

قال علیہ السلام: من طوّل شاربہ عوقب بالثلاث لم ینل شفاعتی و لم یشرب من حوضی و سلطہ اللہ تعالی منکرا و نکیرا بالغضب۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی مونچھیں لمبی رکھیں اسے تین سزائیں ملیں گی: (۱) میری شفاعت نہیں پائے گا، (۲) اور میرے حوض سے نہیں پئے گا، (۳) اور اس پر اللہ تعالیٰ منکر اور نکیر کو غصہ کے ساتھ مسلط کرے گا۔[1025]

من طول شاربہ فی دار الدنیا طول اللہ ندامتہ یوم القیامۃ و سلط علیہ بکل شعرۃ علی شاربہ شیطانان فان مات علی الحال لا یستجاب لہ دعوۃ و لا تنزل علیہ رحمۃ و لا ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ۔

"جس شخص نے دنیا میں اپنی مونچھوں کو لمبا رکھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ندامت کو لمبا کر دے گا اور اس کی مونچھوں کے ہر بال کے بدلے دو شیطان مسلط کر دے گا تو اگر اسی حالت پر مر گیا تو اس کی دعا قبول نہیں کی جائے گی اور نہ اس پر رحمت نازل کی جائے گی اور نہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا۔[1026]

[1024] (مرویات السیرۃ المسفر الدمینی، ج، ۱، ص، ۱۳۱، الفوائد المجموعۃ، رقم، ۱۱)

[1025] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج، ۱، ص، ۸۰، درطبع محمدی تاجران کتب بمبئی، تذکرۃ الابرار والاشرار ص، ۲۴۵، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، ہدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص، ۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[1026] (الالی المصنوعہ، ج، ۲، ص، ۱۴۳، الموضوعات، ابن الجوزی، ج، ۳، ص، ۵۳، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ، کتاب اللباس والزینۃ والطب، الفصل الاول، ج، ۲، ص، ۲۹۳، رقم: ۱۶۴۴، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاھرۃ مصر، الفوائد المجموعۃ، باب الخضاب والطب وقص الظفر والشارب، ص، ۱۶۷، رقم: ۱۱، المکتبۃ العصریۃ بیروت، میزان

ومن أطال شاربه تسميه الملائكة نجساً وان مات مات عاصياً وقام من قبره مكتوباً بين عينيه آيس من رحمة الله ولا يطول شاربه الا ملعون على لسان الملائكة والنبيين ويمشي على الأرض تلعنه من تحته۔

اور جس شخص نے اپنی مونچھوں کو لمبا رکھا فرشتے اس کا نام ناپاک رکھتے ہیں اور اگر مر گیا تو نافرمان مرا اور جب اپنی قبر سے کھڑا ہو گا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا اللہ کی رحمت سے مایوس ہے اور انبیاء اور فرشتوں کی زبان سے اس پر لعنت کی گئی اور جب زمین پر چلتا ہے زمین اس کے نیچے سے اس پر لعنت کرتی ہے۔[1027]

ومن طول شاربه فلايصيب شفاعتي ولا يشرب من حوضي وضيق الله عليه قبره وتنزل عليه ملك الموت وهو غضبان۔

اور جس شخص نے اپنی مونچھوں کو لمبا کیا تو اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہو گی اور نہ میرے حوض سے پیئے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو اس پر تنگ کر دے گا اور اس پر ملک الموت کو نازل کرے گا اس حال میں کہ وہ غضبناک ہو گا۔[1028]

ابن مسعود: من طول شاربه لم يستجب الله دعائه۔

الاعتدال،ج،۲،ص، ۵۸۴،الرسالة العالميةبيروت،وموسوعة اطراف الحديث النبوى الشريف،ج، ۹،ص، ۴۸۸،دارالكتب العلميه بيروت)

[1027] (الالى المصنوعه ،ج،۲،ص، ۱۴۳ ،الموضوعات ،ابن الجوزى،ج،۳،ص، ۵۳،تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة ،كتاب اللباس والزينة والطب،الفصل الاول،ج،۲،ص، ۲۹۳،رقم:۱۶۴۴ ، المكتبةالتوفيقية،القاهرةمصر، الفوائدالمجموعة،باب الخضاب والطب وقص الظفر والشارب،ص، ۱۶۷، رقم: ۱۱ ،المكتبة العصرية بيروت،ميزان الاعتدال،ج، ۲،ص، ۵۸۴،الرسالة العالميةبيروت،وموسوعة اطراف الحديث النبوى الشريف، ج، ۹،ص، ۴۸۸،دارالكتب العلميه بيروت)

[1028] (الالى المصنوعه ،ج،۲،ص، ۱۴۳ ،الموضوعات ،ابن الجوزى،ج،۳،ص، ۵۳،تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة ،كتاب اللباس والزينة والطب،الفصل الاول،ج،۲،ص، ۲۹۳،رقم:۱۶۴۴ ، المكتبةالتوفيقية،القاهرةمصر، الفوائدالمجموعة، باب الخضاب والطب وقص الظفر والشارب،ص، ۱۶۷، رقم: ۱۱، المكتبة العصرية بيروت،ميزان الاعتدال،ج، ۲،ص، ۵۸۴،الرسالة العالميةبيروت،وموسوعة اطراف الحديث النبوى الشريف،ج، ۹،ص، ۴۸۸،دارالكتب العلميه بيروت)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی مونچھیں لمبی رکھیں اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہیں فرمائے گا۔[1029]

لمبی مونچھیں نزع کے وقت کلمہ شہادت سے رکاوٹ ہیں

قال رسول اللہ ﷺ خمسة نفر لم یروا وجھی یوم القیامة: الاول من طال شاربه منع اللہ تعالٰی لسانه عن کلمة الشھادة عند النزع و الثانی من جلس باھل البدعة لعنه اللہ و الملائکة و الانبیاء علیھم السلام و الثالث عاق الوالدین لا یریح رائحة الجنة و الرابع من نام قبل العشاء منع اللہ تعالٰی لسانه من کلمة الشھادة عند الموت و الخامس من لم یزک عن امواله لا یخفف عنه عذاب القبر الی یوم القیامة۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ قسم کے لوگ قیامت کے دن میرا چہرہ نہیں دیکھ سکیں گے: (۱) جس شخص نے اپنی مونچھوں کو لمبا رکھا اللہ تعالیٰ نزع کے وقت اس کی زبان کو کلمہ شہادت سے روک دے گا۔ (۲) جو شخص بدمذہب کے ساتھ بیٹھا اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کی لعنت ہے۔ (۳) والدین کا عاق (نافرمان) جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ (۴) جو شخص عشاء سے پہلے سو گیا یہاں تک کہ عشاء کی نماز قضاء ہو گئی اللہ تعالیٰ موت کے وقت اس کی زبان کو کلمہ شہادت پڑھنے سے روک دے گا۔ (۵) جس شخص نے اپنے اموال سے زکوٰۃ ادا نہ کی، قیامت کے دن تک اس سے عذابِ قبر کی کمی نہیں کی جائے گی۔[1030]

[1029] (مسند الفردوس، الدیلمی، ج۳، ص۵۲۷، رقم: ۵۶۴۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1030] (دلیل الاحسان، ص۲۱، ھدایة الابرار الیٰ طریقة الاخیار، الفصل الثانی فی حرمة البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

نبی ﷺ کو لمبی مونچھوں والے کی طرف نظر کرنے سے کراہت آئی

جب حضور پر نور سید یوم النشور ﷺ نے ہدایت اسلام کے فرامین بنام سلاطین جہاں نافذ فرمائے، قیصر ملک روم نے تصدیقِ نبوت کی مگر بجہت دنیا اسلام نہ لایا، مقوقس بادشاہِ مصر نے خط مبارک کی کمال تعظیم کی اور ہدایا حاضر بارگاہِ رسالت کیا سگِ ایران خسرو پرویز قتلہ اللہ نے فرمانِ اقدس چاک کر دیا اور باذان صوبہ یمن کو لکھا، دو مضبوط آدمی بھیج کر انہیں یہاں بلائے، باذان نے اپنے داروغہ بانویہ اور ایک پارسی خر خسرہ نامی کو مدینہ طیبہ روانہ کیا۔

أنهما حين دخلا على رسول الله ﷺ كانا قد حلق لحاهما وأعفيا شواربهما حتى وارت شفاههما فكره النظر اليهما وقال: ويلكما من أمركما بهذا۔ قال: أمر بهذا ربنا يعنيان كسرىٰ فقال رسول الله ﷺ لكن ربي امرني باعفاء لحيتي وقص شواربي۔

یہ دونوں جب بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو داڑھیاں منڈائے اور مونچھیں اتنی بڑھائے ہوئے تھے کہ دونوں کے ہونٹوں کو چھپائے ہوئے تھیں تو سید عالم ﷺ کو ان کی طرف نظر فرمانے میں کراہت آئی اور فرمایا خرابی ہو تمہارے لئے کس نے تمہیں اس کا حکم دیا، وہ بولے ہمارے رب یعنی کسریٰ (خسرو پرویز خبیث) نے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مگر مجھے میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں (جڑ سے) کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔[1031]

اس حدیث کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضاخان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۳۴۰ھ، لکھتے ہیں:

مسلمان اس حدیث کو یاد رکھیں کہ بانویہ و خر خسرو اس وقت تک نہ اسلام لائے تھے نہ احکامِ اسلام سے آگاہ تھے ان کی یہ وضع دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے ان کی صورت دیکھنے سے کراہت

[1031] (تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس نفیس، کتاب النبی ﷺ الی الکسریٰ، ج، ۲، ص، ۳۹۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)

کی تو جو مسلمان احکامِ حضور جان بوجھ کر مصطفی ﷺ کے خلاف مجوسیوں کے موافق ایسی گندی صورت بنائے وہ کس قدر حضور اعلیٰ ﷺ کی کراہت وبیزاری کا باعث ہوگا، آدمی جس حال پر مرتا ہے اسی حال پر اٹھتا ہے، اگر روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ نے یہ مجوسیوں کی صورت دیکھ کر نگاہ فرمانے سے کراہت فرمائی تو یقین جان کہ تیرا ٹھکانا کہیں نہ رہا۔ مسلمان کی پناہ، امان، نجات، رستگاری جو کچھ ہے ان کی نظرِ رحمت ہے، اللہ کی پناہ اس بری گھڑی سے کہ وہ نظر فرماتے کراہت لائیں ،والعیاذ باللہ ارحم الراحمین۔ اس کے بعد حدیث میں معجزۂ مصطفی ﷺ کا ظہور خسرو پرویز مردود کا ہلاک، باذان وبانویہ وخسرہ وغیرہم بہت اہلِ یمن کا مشرف باسلام ہونا مذکور ہے۔[1032]

لمبی مونچھیں قیامت کو سجدہ کرنے میں رکاوٹ ہوں گی

روی النبی ﷺ قال یومر الناس یوم القیامة بالسجود فمن کان فی الدنیا شاربه طویلا صارت شعوره کاوتاد الحدید لا یستطیع ان یسجد۔

ومثله فی الغرائب وزاد فیه وروی: ان من کان شاربه طویلا لا یصعد له عمل صالح الی السماء۔

بے شک نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو قیامت کے دن سجدہ کا حکم دیا جائے گا تو جس شخص کی دنیا میں مونچھیں لمبی تھیں اس کے بال لوہے کے کیلوں کی طرح ہو جائیں گے جس کی وجہ سے وہ سجدہ نہیں کر سکے گا۔

اور غرائب میں اس کی مثل ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ: جو شخص لمبی مونچھوں والا ہوتا ہے اس کا نیک عمل آسمان تک نہیں چڑھتا ہے۔[1033]

[1032] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۶۴۸، رضافاؤنڈیشن لاھور)

[1033] (فتاویٰ الحجة ،فتاویٰ مجمع الغرائب ،ھدایة الابرار الیٰ طریقة الاخیار ،الفصل الثانی فی حرمة البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص، ۲۰ ،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

رسول علیہ السلام فرمودہ کہ فردای قیامت اہل عرصات سجدہ آرند پروردگار را سجدۂ تحیت مگر کافران کہ موئے لب ایشان چون سرون گاوی راست ماندہ باشند وکسانیکہ موی سبلت دراز داشتہ باشند موہائ لبہائے ایشان درزمین رسد ہمچون تیرہاوایشان رامانع باشدازآوردن سجدہ۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ کل قیامت کو اہلِ قیامت پروردگار کو سجدۂ تحیت کریں گے مگر کافر کہ ان کی مونچھوں کے بال بیل کے سینگوں کی طرح ہوں گے،اور وہ شخص کہ جس نے مونچھوں کے کناروں کے بال لمبے رکھے ہوں گے ان کی مونچھوں کے بال تیروں کی طرح زمین تک پہنچے ہوں گے،ان کو سجدہ کرنے سے رکاوٹ ہو گی۔[1034]

بڑی مونچھیں کلمہ شہادت کے لیے عرش تک پہنچنے میں رکاوٹ

رسول اللہ ﷺ فرمودہ کہ چون بندۂ مومن موئے لب پست دارد وکلمۂ شہادت گوید آن کلمۂ شہادت ہفت اسمانہارا حجاب نکند وہمچنان میرودتاباساقِ عرش رسد چنانکہ زنبور عسل غَرِندہ می غرد تاخطاب حضرت رب العزت آید کہ چرا ساکن نباشی کلمہ گوید(مناجات کند)ای پروردگار من چگونہ ساکن باشم تا گویندۂ مرانیامرزی امرآید ازخدای عزوجل کہ گونیدۂ توراامرزیدم آن گاہ ساکن شود کہ اگر موئے لب دراز دارد کلمۂ شہادت گوید آن کلمہ گردِ دہانِ او میگردد و بیرون

[1034](حجۃالہند،تذکرۃالابراروالاشرارص،۲۴۵،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

نیاید تا کاتبانِ اعمال آن را گونید کہ چرا بیرون نمے آئی (نیائی) تا ثوابِ ترا بنویسیم کلمہ گوید چگونہ بیرون آیم کہ چون این پردہ پلید در راہ است۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب مومن بندہ مونچھوں کے بال پست رکھتا ہے اور کلمہ شہادت پڑھتا ہے، اس کلمہ شہادت کو سات آسمان پردہ نہیں کرتے (یعنی روکاوٹ نہیں بنتے) اور اسی طرح ساقِ عرش تک پہنچ جاتا ہے، جیسا کہ شہد کی مکھی ترنم کرتی ہے ترنم کرتا ہے یہاں تک کہ رب العزت کا خطاب آتا ہے کہ تو کیوں نہیں ٹھہرتا (خاموش کیوں نہیں ہوتا؟)، کلمہ عرض کرتا ہے اے پروردگار میں کس طرح ٹھہر جاؤں (خاموش ہو جاؤں) جب تک کہ آپ میرے پڑھنے والے کو بخش نہ دیں، خدا عزوجل کی طرف سے حکم آتا ہے تجھے پڑھنے والے کو میں نے بخش دیا، اس وقت وہ ٹھہر جاتا ہے (خاموش ہو جاتا ہے)، اگر لمبی مونچھوں والا شخص کلمہ شہادت پڑھتا ہے، وہ کلمہ اس کے منہ میں پھر تا رہتا ہے، باہر نہیں آتا، یہاں تک کہ اعمال کے لکھنے والے اس کو کہتے ہیں تو باہر کیوں نہیں آتا؟ تاکہ ہم تیرا ثواب لکھیں، کلمہ کہتا ہے میں باہر کس طرح آؤں کہ جو یہ پلید پردہ راہ میں ہے۔[1035]

دلیری دل میں ہوتی ہے نہ کہ مونچھوں کو بڑھانے میں

در حجۃ الھند آوردہ است دیگر نشانۂ بدبختیٔ اہل کفر آنکہ سببِ زشتیٔ وجودِ ایشان و وجودِ دیگران است مقرر میدارند یعنی موئے سبلت نگاہ میدارند مانند خرس کہ ہمہ دہانِ وی بزیر موئے ماندہ است وبعضے ازین مسلمانِ گمراہان نیز رسم بجامی

[1035] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج ۱، ص ۸۱، ۸۰، در طبع محمدی تاجران کتب بمبئی، حجۃ الھند، تذکرۃ الابرار والاشرار، ص ۲۴۵، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، ہدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص ۲۰، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

آرند بنا بر آن کہ غازیانیم تا خصم را مہابت باشد این نوع یکے از جہل است زیرا کہ دلیری در دل است نہ در سبلت۔

حجۃ الھند میں آیا ہے کہ دوسری اہلِ کفر کی بد بختی کی نشانی وہ ہے کہ ان کے وجود کی برائی و بد شکلی کا سبب ہے اور دوسروں میں پائی جاتی ہے کہ بر قرار رکھتے ہیں یعنی مونچھوں کے کناروں کو محفوظ رکھتے ہیں ریچھ کی طرح کہ اس کا پورا منہ بالوں کے نیچے رہتا ہے۔اور بعض گمراہ مسلمان بھی اس رسم کو بجالاتے ہے،اس بنا پر کہ ہم غازی (مجاہدین) ہیں تا کہ دشمن کو ہیبت ہو،یہ جہالت میں سے ایک قسم ہے،اس لیے کہ دلیری دل میں ہے نہ کہ مونچھوں کے کنارے بڑھانے میں۔[1036]

وبعض ازیں مسلمانان عقل جوے باریک موئے لب مے ستانند بگمانِ آنکہ من سنت بجاآوردہ ام این نوع نیز جہل است زیرا کہ سنتِ رسول ﷺ را تمام بجا می باید آورد تا حکمِ اسلامِ او بتمام باشد و معلوم عاقلان است کہ اصحابِ رسول کریم ﷺ شجاع ترینِ مردمان بودند و بجہتِ آشکارا کردنِ دینِ اسلام تا بچہ حد کوشش نمودہ اند وا گر دراز داشتن سبلت چیزے بودی ایشاں نگاہ میداشتند چون نکو نبود (اے دراز کردن) اعراض کردند وسنتِ رسول ﷺ را بتمام وکمال بجاآوردند۔

اوران میں سے بعض مسلمان عقل جوی مونچھوں کے بال باریک لیتا ہے،اس گمان پر کہ میں سنت بجالایا ہوں،یہ بھی جہالت کی ایک قسم ہے،اس لیے کہ سنتِ رسول ﷺ تمام بجالانی چاہیے تا کہ اس کے اسلام کا حکم پورا ہو جائے،اور عقلمندوں کو معلوم ہے کہ اصحابِ رسول کریم ﷺ شجاع ترین لوگ تھے اور دینِ اسلام کو اشکارا (ظاہر) کرنے کی جہت سے انہوں نے کس حد تک کوشش کی

[1036] (حجۃ الھند،تذکرۃ الابرار والاشرار ص،۲۴۴،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور،ھدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار،الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا،ص،۲۰،۱۹،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

اور اگر مونچھوں کے کناروں کو لمبا رکھنا کوئی چیز ہوتی تو وہ ان کو محفوظ رکھتے جب اچھی نہ تھی (یعنی لمبی مونچھیں رکھنا) توانہوں نے اعراض کیا، سنتِ رسول ﷺ کو تمام اور کمال طور پر بجالائے۔[1037]

علامہ نظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وکان بعض السلف یترک سبالیہ وھما اطراف الشوارب کذافی الغرائب۔

اور بعض پہلے بزرگ لوگ مونچھوں کے کنارے چھوڑ دیتے تھے، جیسا کہ غرائب میں ہے۔[1038]

شیخ داؤد ابن یوسف حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور علامہ نظام حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قالوا ولا باس یطول الشارب للغزاۃ لیکون اھیب فی عین العدو۔

اور مشائخ نے فرمایا کہ غازیوں کے لیے مونچھیں بڑھانے میں حرج نہیں ہے تاکہ دشمنوں کی آنکھوں میں ہیبت ناک معلوم ہوں۔[1039]

امام محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی،۵۰۵ اور علامہ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(ولا بأس بترک سبالیه وهما طرفا الشارب) عن یمین وعن شمال (فعل ذلک عمر) بن الخطاب رضی اللہ عنه (وغیره) من الصحابۃ والتابعین منهم الحسن بن سالم کمافی القوت (لأن ذلک لایستر الفم) لبعدهما عنه (ولا یبقی فیه غمر الطعام) ای زفره (اذلا یصل الیه) وقت الاکل۔

[1037] (تذکرۃ الابرار والاشرار ص،۲۴۵، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، ھدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص،۲۰، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[1038] (عالمگیری کتاب الکراھیۃ، ج،۵، ص،۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1039] (الفتاوی الغیاثیۃ، کتاب الاستحسان والکراھیۃ، ص،۱۰۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع عشر، ج،۵، ص،۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

سبالیہ: چھوڑنے میں حرج نہیں اور وہ مونچھوں کے دونوں کنارے ہیں دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے،(بعض سلف کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مونچھوں کا درمیانی حصہ خوب کٹوادیتے اور مونچھوں کے آخری دونوں کنارے چھوڑ دیتے۔"قوت القلوب" حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ صحابہ اور تابعین یونہی کیا کرتے تھے،ان میں ابوالحسن بن سالم ہیں جیسا کہ قوت القلوب میں ہے،کیونکہ یہ سبالیہ نہ تو منہ کو ڈھانپتا ہے،دونوں کناروں کا منہ سے دور ہونے وجہ سے اور نہ ہی اس میں کھانے کی کوئی چیز رہ سکتی ہے،بلکہ کھاتے وقت وہاں تک پہنچتی ہی نہیں۔[1040]

مونچھوں کے دونوں کناروں کو باقی رکھنا مکروہ ہے

علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

واختلفوا اهل يقص طرفاه ايضا وهما المسميان بالسبالين ام يتركهما كما يفعله كثير من الناس؟قيل لاباس بترك سباليه فعل ذلك عمر وغيره،وقيل كره بقاء السبال لما فيه من التشبه بالاعاجم بل بالمجوس واهل الكتاب۔(قال العراقى فى شرح التقريب)وهذا اولى بالصواب لما رواه ابن حبان فى صحيحه من حديث ابن عمر قال:ذكر رسول الله ﷺ المجوس فقال انهم يوفرون سبالهم ويحلقون لحاهم فخالفوهم۔

کیا مونچھوں کے دونوں کناروں کو بھی کاٹا جائے یا مونچھوں کے دونوں کناروں کو چھوڑ دیا جائے جیسا کہ اس کو بہت سے لوگ کرتے ہیں؟ایک قول ہے کہ مونچھوں کے دونوں کناروں کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے،اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ نے کیا،اور ایک قول ہے کہ مونچھوں کے کناروں کو باقی رکھنا مکروہ ہے،کیونکہ اس میں پارسیوں بلکہ مجوسیوں اور اہل کتاب (یہود،نصاریٰ)سے مشابہت ہے۔(علامہ عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح التقریب میں فرمایا)اور

[1040] (قوت القلوب،الفصل السادس والثواثون،ج،۲،ص ۲۴۲،دارالکتب العلمیہ بیروت،اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین،کتاب اسرار الطہارۃ،القسم الثالث،ج،۲،ص،۶۵۰،دارالکتب العلمیۃ بیروت)

یہ درستگی کے زیادہ قریب ہے ،اس واسطے کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کیا:حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجوس کا ذکر فرمایا:وہ اپنی مونچھوں کے کنارے بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تم ان کی مخالفت کرو۔[1041]

قال فکان ابن عمر یستقرض سبلته فیجزھا کما تجز الشاۃ او البعیر۔

فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی مونچھوں کے کناروں کو پکڑتے اور اس طرح مونڈتے تھے جیسا کہ بکری یا اونٹ کو مونڈا جاتا ہے۔[1042]

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ھ ،لکھتے ہیں:

واما الشارب فھو الشعر النابت علی الشفۃ العلیا, واختلف فی جانبیه وھما السبالان فقیل ھما من الشارب فیشرع قصھما معه, وقیل من جملۃ شعر اللحیۃ۔

اورشارب(مونچھیں) تو وہ اوپر والے ہونٹ پر اگنے والے بال ہیں ، اور اس کے دونوں کناروں میں اختلاف ہے اور وہ "سبالان" ہیں تو ایک قول ہے کہ یہ دونوں مونچھوں میں داخل ہیں تو مونچھوں کے ساتھ ان دونوں کا کاٹنا مشروع ہے ،ایک قول ہے کہ یہ دونوں منجملہ داڑھی کے بال ہیں۔[1043]

[1041](منحۃ الخالق علی البحر الرائق،ج،۳،ص،۱۹،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ،اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین کتاب اسرار الطھارۃ،القسم الثالث،ج،۲،ص،۶۵۱،۶۵۰،دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1042](شعب الایمان ،ج،۵،ص،۲۲۰،رقم: ۶۴۴۸،فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس ،باب قص الشارب ،ج،۱۰،۲۹۳،دار المعرفۃ بیروت)

[1043](فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس باب قص الشارب ،ج،۱۰،ص،۲۹۳،دار المعرفۃ بیروت،منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الحج باب الجنایات،ج،۳،ص،۱۹،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فعلی ھذا یحمل ماروی عن عمر ان ثبت انہ یذھب الی الثانی۔

اسی بات پر وہ محمول ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو داڑھی کے زمرے میں لا کر چھوڑ دیا ہے۔[1044]

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

ولہٰذا مجاہدین کو لبیں بڑھانے کی اجازت ہوئی حالانکہ اوروں کو بالاتفاق مکروہ۔[1045]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مونچھیں منڈواتے تھے

امام ابو جعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

وقد روی عن جماعۃ من المتقدمین ماحدثنا ابن ابی عقیل قال ثنا ابن وھب قال اخبرنی اسمٰعیل بن عیاش قال حدثنی اسمٰعیل بن ابی خالد قال رایت انس بن مالک وواثلۃ بن اسقع :یحفیان شواربھما ویعفیان لحھما ویصفّرانھا۔

متقدمین کی ایک جماعت سے مروی ہے حضرت اسمٰعیل بن ابی خالد فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ دیکھا کہ: وہ اپنی مونچھوں کو منڈواتے اور داڑھیوں کو بڑھاتے، اور انہیں (مہندی کے ذریعے) زرد کرتے تھے۔[1046]

قال اسمٰعیل وحدثنی عثمان بن عبید اللہ بن رافع المدنی قال رایت عبداللہ بن عمر وابا ھریرۃ وابا سعید الخدری واباسید الساعدی ورافع بن خدیج وجابر بن عبداللہ وانس بن مالک وسلمۃ بن الاکواع :یفعلون ذلک۔

[1044](منحۃ الخالق علی البحر الرائق، ج،۳،ص،۱۹،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1045](فتاویٰ رضویہ، ج،۲۲،ص،۵۹۲،رضافاؤنڈیشن لاھور)

[1046](شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ،ج،۲،ص،۳۰۸،مکتبہ حقانیہ ملتان)

حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عثمان بن عبید اللہ بن رافع المدنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو اسید ساعدی، حضرت رافع بن خدیج، حضرت جابر بن عبد اللہ ، حضرت انس بن مالک اور حضرت سلمہ بن اکواع رضی اللہ عنہ کو دیکھا: وہ اسی طرح کرتے تھے۔[1047]

حدثنا محمد بن النعمان قال ثنا ابو ثابت قال ثنا عبدالعزیز بن محمد ان عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع قال رایت اباسعید الخدری و ابا اسید ورافع بن خدیج وسهل بن سعد وعبداللہ بن عمر و جابر بن عبداللہ و اباهریرة: یحفون شواربهم۔

حضرت عثمان بن عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت ابو سعید خدری، ابو اسید، رافع بن خدیج، سہل بن سعد، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا: وہ مونچھوں کو منڈواتے تھے۔[1048]

حدثنا بن ابی داؤد قال ثنا احمد بن عبداللہ بن یونس قال ثنا عاصم بن محمد عن ابیه عن ابن عمر انه: کان یحفی شاربه حتی یری (فی روایة: ینظر) بیاض الجلد۔

حضرت عاصم بن محمد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: وہ اپنی مونچھوں کو منڈواتے تھے حتیٰ کہ جلد کی سفیدی نظر آتی۔[1049]

حدثنا بن ابی داؤد قال ثنا حامد بن یحی قال ثناسفیان ان ابراهیم بن محمد بن حاطب قال رایت بن عمر: یحفی شاربه۔

[1047] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراهة، ج، ۲، ص، ۳۰۸، مکتبه حقانیه ملتان)

[1048] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراهة، ج، ۲، ص، ۳۰۸، مکتبه حقانیه ملتان)

[1049] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراهة، ج، ۲، ص، ۳۰۷، مکتبه حقانیه ملتان، عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج، ۲۲ ص، ۴۳، دار الفکر بیروت)

حضرت ابراہیم بن محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ: وہ اپنی مونچھوں منڈواتے تھے۔[1050]

حدثنا فهد قال ثنا محمد بن سعيد الاصبهانى قال شريک ان عثمان بن ابراهيم الحاطبى قال رايت ابن عمر: يحفى شاربه وانه ينتفه۔

حضرت عثمان بن ابراہیم حاطبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ: آپ مونچھوں کو منڈواتے تھے، گویا ان کو اکھیڑتے تھے۔[1051]

عن عثمان بن ابراهيم بن ابراهيم بن محمد بن حاطب قال رأيت عبدالله بن عمر: قد احفى شاربه حتى كانه نتفه۔

عثمان بن ابراہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا: انہوں نے اپنی مونچھوں اتنا مونڈا ہوا تھا کہ جیسے نوچا ہو۔[1052]

حدثنا ابن مرزوق قال ثنا وهب قال ثنا شعبة ان عبدالله بن دينار عن ابن عمر: انه كان يحفى شاربه۔

حضرت عبداوللہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ: مونچھوں کو منڈواتے تھے۔[1053]

حدثنا يونس قال ثنا عبدالله بن يوسف ان ابن لهيعة ان عقبة بن مسلم قال: ما رايت احدا اشد احفاء شاربه من ابن عمر كان يحفيه حتى ان الجلد ليرى۔

[1050] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراهة، ج، ۲، ص، ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[1051] (مصنف ابن ابی شیبة کتاب الادب، ج، ۸، ص، ۳۷۷، ادارة القران والعلوم الاسلامیة کراتشی، شرح معانی الآثار، کتاب الکراهة، ج، ۲، ص، ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[1052] (ابن عساکر، شعب الایمان، ج، ۱۳، ص، ۵۸۷، رقم: ۶۱۷۶، طبقات ابن سعد، ج، ۴، ص، ۱۷۶، زادالمعاد، ج، ۱ ص، ۱۷۱، تاریخ دمشق، ج، ۳۸، ص، ۳۱۵، رقم: ۴۵۷۳)

[1053] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراهة، ج، ۲، ص، ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

حضرت عقبہ بن مسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو مونچھیں صاف کرنے والا نہیں دیکھا، آپ منڈواتے حتیٰ کہ چمڑے کی سفیدی دیکھائی دیتی۔[1054]

حدثنا كثير بن هشام عن جعفر بن برقان عن حبيب قال :رايت ابن عمر : قد جزّ شاربه كانه قد حلقه۔

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اپنی مونچھوں کو صاف کیا ہوا ہے گویا کہ ان کو مونڈوایا ہوا ہو۔[1055]

ابو بكر الاثرم من طريق عمر بن ابى سلمة عن ابيه قال رأيت ابن عمر :يحفى شاربه حتى لا يترک منه شيأ۔

امام ابو بکر بن اثرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطریق عمر بن ابی سلمھص عن ابیہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ: وہ اپنی مونچھوں کو اتنا مونڈتے، یہاں تک کہ اس میں سے کچھ نہ چھوڑتے تھے۔[1056]

عن عبدالله بن عمر قال: أمرنا أن نبشر الشوارب بشرا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: ہمیں مونچھیں مونڈ کر کھال ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[1057]

عن نافع قال قيل لابن عمر انک تحفی شاربک قال رأيت رسول الله ﷺ يفعله۔

[1054](شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج، ۲، ص، ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[1055](مصنف ابن ابی شیبة کتاب الادب، ج، ۸، ص، ۳۷۷، ادارۃ القران و العلوم الاسلامیة کراتشی)

[1056](فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج، ۱۰، ۲۸۱، دار المعرفۃ بیروت)

[1057](مصنف ابن ابی شیبہ، ج، ۸، ص، ۳۷۸، رقم: ۱ ۵۵۵، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیة کراتشی)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی مونچھیں مونڈتے ہیں ؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔[1058]

أخبرنا عبید اللہ بن عمر عن سعید المقبری عن ابن جریج:أنہ قال لابن عمر :رأتک تحفی شاربک؟قال:رأیت النبیﷺ یحفی شاربہ۔

حضرت جریج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں نے آپ کو اپنی مونچھیں مونڈتے دیکھا ہے ؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی مونچھیں مونڈتے دیکھا ہے۔[1059]

حدثنا سفیان عن محمد بن عجلان عن عبیداللہ بن ابی رافع قال رایت اباسعید و رافع بن خدیج و سلمۃ ابن الاکوع و ابن عمر و جابر بن عبداللہ و ابا اسید :ینھکون شواربھم کالحلق۔

حضرت عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ابو سعید اور رافع بن خدیج اور سلمہ بن اکوع اور ابو اسید رضی اللہ عنہ کو دیکھا:وہ اپنی مونچھوں کو مونڈنے کی طرح کاٹنے میں مبالغہ کرتے تھے۔[1060]

عبدالاعلی عن ھشام عن الحسن و محمد : انھما کانا یحفیان شواربھما۔

[1058] (دار قطنی فی الافراد ،ومعجم کبیر طبرانی،ج،۱۱ص،۳۱۵،رقم:۶۹۱،واطراف الغرائب ولافراد،ج،۳،ص،۴۷۲،رقم:۳۳۱۳،طبقات الکبریٰ،ابن سعد:رقم:۱۱۵۲)

[1059] (طبقات ابن سعد،ج،۱،ص،۳۳۹،سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعۃ،ج،۱۱،ص،۳۹۸،مکتبۃ المعارف الریاض)

[1060] (العلل لابن ابی حاتم،ج،۱،ص،۲۲۷۶،رقم:۲۲۲۳،سنن الکبریٰ للبیھقی،ج،۱،ص،۱۵۱،رقم:۷۱۷،معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم،ج،۴،ص،۴۱۴،رقم:۱۳۸۸،مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الادب،ج،۸،ص،۳۷۷،ادارۃ القران و العلوم الاسلامیۃ کراتشی،فتح الباری،کتاب اللباس،باب قص الشارب،ج،۱۰،ص،۲۹۴،المکتبۃ الاسلامیۃ،دار المعرفۃ بیروت)

عبد الاعلی از ہشام از حسن اور محمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ: وہ دونوں اپنی مونچھوں کو مونڈتے تھے۔[1061]

اخرجه الطبری من طرق عن عروة وسالم والقاسم وابی سلمة انهم يحلقون شواربهم۔

طبری نے عروہ، سالم، قاسم اور ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے لکھا ہے: وہ اپنی مونچھوں کو مونڈتے تھے۔[1062]

امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

نقل عن الصحابة: نظر بعض التابعين الى رجل احفى شاربه فقال: ذكرتنی اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

صحابہ سے منقول ہے کہ کسی تابعی نے کسی کو دیکھا کہ اپنی مونچھوں کو مونڈا ہوا ہے، فرمایا کہ تو نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی یاد دلائی۔[1063]

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی المکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ لکھتے ہیں:

وقد كان كثير من أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يحفى شاربه۔ ونظر بعض التابعين الى رجل أحفى شاربه۔ فقال: ذكرتنی أصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: فقلت هكذا كانوا يحفون شواربهم؟ فقال نعم وأشد من هذا كالحلق۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مونچھوں کو خوب طرح کٹوا دیتے۔ ایک تابعی نے ایک آدمی کو جس کی مونچھیں خوب اچھی طرح کٹی ہوئی تھیں، فرمایا: تو نے مجھے جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یاد تازہ کرا دی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں

[1061] (مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الادب، ج۸، ص۳۷۷، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراتشی)

[1062] (فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج۱۰، ص۲۹۴، المکتبۃ الاسلامیۃ، دار المعرفۃ بیروت)

[1063] (اتحاف السادة المتقين بشرح احياء العلوم الدين، كتاب اسرار الطهارة، القسم الثالث، ج۲، ص۶۵۰، دار الكتب العلمية بيروت)

نے عرض کیا: کیا وہ اپنی مونچھوں کو خوب صاف کرا لیتے تھے؟ فرمایا: ہاں، اور اس سے بھی خوب تر جیسے مونڈر کھی ہوں۔[1064]

مونچھیں منڈانے میں جو فضیلت ہے وہ کاٹنے میں نہیں ہے

امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

فھولاء اصحاب رسول اللہ ﷺ قد کانوا یحفون شواربھم وفیھم ابوھریرۃ وھو ممن روینا عنہ عن رسول اللہ ﷺ انہ قال: من فطرۃ قص الشارب فدل ذلک ان قص الشارب من الفطرۃ وھو مما لا بد منہ وان ما بعد ذلک من الاحفاء ھو افضل وفیہ من اصابۃ الخیر لیس فی القص۔

تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو مونچھوں کو منڈواتے تھے اور ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا تو آپ نے فرمایا: مونچھوں کو کٹوانا فطرت سے ہے، تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ مونچھوں کا کاٹنا فطرت سے ہے اور یہ ضروری بات ہے اور اس کے بعد منڈوانا افضل ہے، اور اس میں وہ فضلیت ہے جو کاٹنے میں نہیں ہے۔[1065]

حضرت امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

فذھب قوم من اھل المدینۃ الی ھذا الاثار واختاروا لھا قص الشارب علی احفائہ وخالفھم فی ذلک آخرون فقالوا بل تستحب احفاء الشوارب ونراہ افضل من قصھا واحتجوا فی ذلک بما حدثنا محمد بن علی بن محرز قال ثنا یحی بن ابی بکر قال ثنا الحسن

[1064] (قوت القلوب، الفصل السادس والثلاثون، ج۲، ص۲۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت)
[1065] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج۲، ص۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

بن صالح عن سماک بن حرب عن عکرمة عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یجز شاربه و کان ابراهیم ﷺ یجز شاربه۔

اہل مدینہ میں سے ایک جماعت ان روایات کی طرف گئی ہے اور انہوں نے مونچھوں بالکل صاف کرنے پر کاٹنے کو ترجیح دی ہے لیکن دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ مونچھوں کو منڈوانا مستحب ہے اور ہمارے خیال میں یہ کٹوانے سے افضل ہے انہوں نے اس سلسلے میں اس طرح استدلال کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ اپنی مونچھوں کو منڈواتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی مونچھوں کو منڈواتے تھے۔[1066]

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

فقال الطحاوی ذهب قوم من اهل المدینة الی ان قص الشارب هو المختار علی احفاء قلت اراد بالقوم هؤلاء سالما و سعید بن المسیب و عروه بن الزبیر و جعفر بن الزبیر و عبداللہ بن عبداللہ بن عتبة و ابابکر بن عبدالرحمن بن الحارث فانهم قالوا المستحب هو ان یختار قص الشارب علی احفائه و الیه ذهب حمید بن هلال و الحسن البصری و محمد بن سیرین وعطاء بن ابی رباح وهو مذهب مالک ایضا وقال عیاض ذهب کثیر من السلف الی منع الحلق و الاستئصال فی الشارب و هو مذهب مالک ایضا و کان یری حلقه مثلة ویامر بادب فاعله و کان یکره ان یاخذ من اعلاه و المستحب ان یاخذ منه حتی یبدو الاطار و هو طرف الشفة وقال الطحاوی و خالفهم فی ذلک آخرون فقالوا بل یستحب احفاء الشوارب و نراه افضل من قصها قلت اراد بقوله الآخرون جمهور السلف منهم اهل الکوفة ومکحول و محمد بن عجلان و نافع مولی ابن عمر و ابو حنیفة و ابو یوسف و محمد رضی اللہ عنهم فانهم قالوا المستحب احفاء الشارب وهو افضل من قصها وروی ذلک عن فعل ابن عمر و ابی

[1066] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراهة، ج، ۲، ص، ۳۰۷، مکتبه حقانیه ملتان)

سعید الخدری و رافع بن خدیج و سلمۃ بن اکوع و جابر بن عبداللہ و ابی اسید و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھم و ذکر ذلک کلہ ابن ابی شیبۃ باسنادھم الیھم۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ بعض اہل مدینہ کے نزدیک مونچھیں ترشوانا "احفاء" (بہت زیادہ کاٹنے) سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ میں (علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں ان لوگوں سے مراد سالم، سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، جعفر بن زبیر، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ اور ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مونچھوں کے مونڈنے پر مونچھوں کے کاٹنے کو اختیار کرنا مستحب ہے، اور وہ حمید بن ہلال، حسن بصری، محمد بن سرین، عطاء بن ابی رباح اور امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور عیاض نے فرمایا سلف میں سے کثیر لوگوں کا مذہب مونچھوں کو مونڈنے اور جڑ سے ختم کرنے سے منع کا ہے اور امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک مونچھیں منڈوانے کو مثلہ قرار دیتے تھے، اور مونچھیں مونڈنے والے کو سزا دینے کا حکم دیتے تھے اور اس کے اوپر سے کاٹنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ اور مونچھیں کاٹنا مستحب ہے حتی کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اور دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کرتے فرمایا کہ مونچھوں کو منڈوانا مستحب ہے اور ہمارے خیال میں یہ کٹوانے سے افضل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ طحاوی کے قول الآخرون سے مراد جمہور سلف ہیں، جن میں اہل کوفہ، مکحول، محمد بن عجلان، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نافع، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پس انہوں نے فرمایا: مونچھوں کو مونڈنا مستحب (یعنی سنت) ہے اور یہ کاٹنے سے افضل ہے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے، ابو سعید خدری، حضرت رافع بن خدیج، حضرت

سلمہ بن اکوع، حضرت جابر بن عبد اللہ ، حضرت ابو اسید اور حضرت عبد اللہ بن عمرث سے مروی ہے، اس تمام کو ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ ان کے عمل کو روایت کیا ہے۔[1067]

حلق کی لغوی تحقیق

الحلق: الازالۃ، یقال: حلق رأسہ حلقاو تحلاقا اذاأزال شعرہ۔

حلق: کا معنی ہے، زائل کرنا، اس نے اپنے سر کا حلق کیا، اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اپنے بالوں کو زائل کر دے۔ یعنی مونڈ کر ختم کر دے۔[1068]

احفاء کے معنی کی لغوی تحقیق

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

احفاء: أحفیت الشارب أخذتہ أخذاً متناھیاً۔

احفاء: احفیت الشارب۔ کا معنی ہے، میں نے مونچھوں کو انتہا سے کاٹا۔ یعنی مونڈ دیا۔[1069]

علامہ زبیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

حفا (شاربہ) حفوا: (بالغ فی أخذہ) والزق جزّہ، (کأحفاہ)، ومنہ الحدیث: "أمر أن تحفی الشوارب وتعفی اللحی" أی یبالغ فی قصھا۔ وفی بعض الآثار: "من أحفی شاربیہ نظر اللہ الیہ"۔ وبہ تمسک الصوفیۃ فی احفاء الشوارب۔

حفا شاربہ حفوا: کا معنی ہے اس نے اپنی مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کیا اور حدیث شریف میں ہے: **ان تحفی الشوارب۔** یعنی مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کرنا۔ اور آثار میں ہے: جس شخص نے اپنی

[1067] (عمدۃ القاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، الجزء الثانی والعشرون، ج۲۲، ص۴۴، دار الفکر بیروت)

[1068] (القاموس المحیط)

[1069] (معجم مفردات الفاظ القرآن، ص۱۲۴، میر محمد کتب خانہ کراچی)

مونچھوں کو کاٹنے میں مبالغہ کیا یعنی مونڈ دیا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر فرمائے گا اور اس سے صوفیاء نے مونچھیں مونڈانے کے بارے میں استدلال کیا۔[1070]

الاحفاء: الاستئصال، یقال: أحفى الرجل شاربه اذا بالغ في أخذه وقصه۔

احفاء: کا معنی ہے، استئصال کرنا یعنی جڑ سے اکھاڑ کر ختم کرنا، مرد نے اپنی مونچھوں کا احفاء کیا ،اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ مونچھوں کے کاٹنے میں مبالغہ کرے۔[1071]

استیصال: کا معنی ہے، بیخ کنی کرنا۔ جڑ سے اکھیڑنا۔[1072]

استیصال: کا معنی ہے، جڑ سے اکھاڑنا، تباہ کرنا۔[1073]

احفاء: بروت را بسیار گرفتن۔

احفاء: کا معنی ہے، مونچھوں کو بہت زیادہ دور کرنا۔ یعنی مونچھوں کو کاٹنے میں خوب مبالغہ کرنا۔[1074]

امام جلال الدین سیوطی، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما، متوفی، ۹۱۱ھ، اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حنفی متوفی، ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں: **قال في النهاية: احفاء الشوارب أن يبالغ في قصها۔**

[1070] (تاج العروس، ۳۷، ص، ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1071] (لسان العرب، المصباح المنیر)

[1072] (جامع حسن اللغات، فارسی اردو، ص، ۴۲، اورینٹل بک سوسائٹی گنپت روڈ لاہور، لغات کشوری، ص، ۲۲، میر محمد کتب خانہ کراچی، فیروز اللغات، اردو، جامع، ۹۵، فیروز سنز، لاہور، راولپنڈی، کراچی)

[1073] (فیروز اللغات، فارسی اردو، ۴۸، فیروز سنز، لاہور، راولپنڈی، کراچی)

[1074] (منتخب اللغات، ص، ۸، میر محمد کتب خانہ کراچی)

"النہایہ" میں ہے: احفاء الشوارب کا مطلب ہے کہ مونچھوں کو کاٹنے میں خوب مبالغہ کیا جائے۔[1075]

ملا علی قاری "واحفوا الشوارب" کے تحت لکھتے ہیں:

ای بالغ فی جزہ۔قیل: الاحفاء قریب من الحلق۔

یعنی اس کے کاٹنے میں خوب مبالغہ سے کام لینا۔بعض نے کہا ہے کہ "احفاء" حلق (مونڈنے) کے قریب ہے۔(یعنی اتنا کاٹنا کہ وہ حلق معلوم ہو)[1076]

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یقال احفیٰ شعرہ اذا استاصلہ حتی یصیر کالحلق۔

اس نے اپنے بالوں کا احفاء کیا، اس وقت کہا جاتا ہے جب ان کو جڑ سے ختم کر دیا جائے یہاں تک کہ مونڈنے کی طرح ہو جائے۔[1077]

امام محمد بن محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

وفی لفظ آخر: "احفوا" وھذا یشعر بالاستئصال۔

ایک روایت میں "احفوا" ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (مونچھوں کو) جڑ سے اکھاڑنا مقصود ہے۔[1078]

[1075] (مجموعہ رسائل سیوطی، بلوغ المآرب فی قص الشوارب، ج، ۱، ص، ۱۲۴، دارالاخلاص لاھور، الفتاویٰ تنقیح الحامدیة، ج، ۲، ص، ۳۶۳، المکتبة الحبیبیة، کوئٹہ)

[1076] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج، ۸، ص، ۲۷۳، مطبوعہ المکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ)

[1077] (عینی عمدۃ القاری شرح البخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج، ۱ الجزء الثانی والعشرون، ۲۲، ص، ۴۳، دارالفکر بیروت)

[1078] (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، ج، ۲، ص، ۶۴۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

امام محمد بن محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

الاحفاء القریب من الحلق۔

احفاء مونڈنے کے قریب ہے۔[1079]

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی المکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ "احفوا الشوارب" کے تحت لکھتے ہیں:

والاحفاء: ہو الاستئصال۔

"احفاء" کا معنی یہ ہے کہ انہیں جڑ سے ختم کرنا ہے۔[1080]

الاحفاء: الاستقصاء۔

احفاء: کا معنی ہے۔ استقصاء۔[1081]

احفاء واحفی شاربہ، ای استقصی فی اخذہ والزق جزہ۔

احفاء واحفی شاربہ، اس نے اپنی مونچھوں کا احفاء کیا، یعنی وہ اپنی مونچھوں کے کاٹنے میں انتہا کو پہنچ گیا۔[1082]

استقصاء: کا معنی ہے، انتہائی کوشش کرنا۔ پوری کوشش کرنا۔[1083]

استقصاء: کا معنی ہے، کوشش تمام کرنا۔ اور کسی چیز کی انتہا کو پہنچنا۔[1084]

[1079] (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، ج، ۲، ص، ۶۵۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[1080] (قوت القلوب، ج، ۲، ص، ۱۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1081] (الصحاح ، ج، ۵، ص، ۱۳۷۴، دار الاحیاء التراث العربی بیروت ،فتح الباری شرح صحیح البخاری ، کتاب اللباس ، ج، ۱۱، ص، ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1082] (الصحاح، ج، ۵، ص، ۱۳۷۵، ۱۳۷۴، دار الاحیاء التراث العربی بیروت)

[1083] (فیروز اللغات، اردو، جامع، ۹۴، فیروز سنز، لاہور، راولپنڈی، کراچی)

[1084] (لغات کشوری، ص، ۲۰، میر محمد کتب خانہ کراچی)

استقصاء: کا معنی ہے، بہت کوشش کرنا۔ کسی چیز کی انتہا کو پہنچنا۔[1085]

نہک، کے معنی کی لغوی تحقیق

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

النھک: المبالغۃ۔ "أنھکوا" أی: بالغوا فی القص, و النھک: المبالغۃ۔

نہک: کا معنی ہے، مبالغہ کرنا۔ "**انھکوا**" یعنی: (مونچھیں) کاٹنے میں مبالغہ کرو۔[1086]

علامہ زبیدی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

النھک: المبالغۃفی کل شیء۔

نہک: کا معنی ہے کہ ہر چیز میں مبالغہ کرنا۔[1087]

نہک: کا معنی ہے فنا کرنا۔[1088]

انھکوا الشوارب: مونچھوں کو خوب کاٹو۔[1089]

حافظ الحدیث علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

و النھک: المبالغۃفی الازالۃ۔

نہک: (مونچھوں کے بالوں کو) دور کرنے، زائل کرنے، مٹانے میں مبالغہ کرنا۔[1090]

[1085] (جامع حسن اللغات، فارسی اردو، ص، ۱۴، اورینٹل بک سوسائٹی گنپت روڈ لاہور)

[1086] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج، ۲۲، ص، ۴۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، ج، ۴، ص، ۱۷۴، مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ، الوسیلۃ الاحمدیۃ و الذریعۃ السرمدیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ علی ھامش بریقہ، ج، ۴، ص، ۱۷۴، مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ)

[1087] (تاج العروس، ۲۷، ص، ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1088] (تاج العروس، ۲۷، ص، ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1089] (لغات الحدیث، کتاب "ن"، ج، ۲، ۱۷۴، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[1090] (فتح الباری شرح صحیح البخای، کتاب اللباس، ج، ۱۱، ص، ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

جز: کے لغوی معنی کی تحقیق

حافظ الحدیث علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

الجزّ: وھو قص الشعر والصوف الی ان یبلغ الجلد

"**الجز**" وہ بالوں اور اون کو اس حد تک کاٹنا کہ وہ جلد تک پہنچ جائے۔[1091]

قص، کے معنی کی لغوی تحقیق

القص: أصل القص القطع، یقال: قصصت ما بینھما أی: قطعت، وقص الشعر قطعه، وأخذه بالمقص۔

قص: کا معنی ہے، قص کی اصل قطع یعنی کاٹنا ہے، کہا جاتا کہ میں نے ان دونوں کے درمیان کو کاٹ دیا یعنی: میں نے قطع کیا، بالوں کا قص ان کا قطع کرنا ہے، اور ان کو قینچی کے ساتھ کاٹا۔[1092]

والطرّ کا لغوی معنی

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۳۸۶ھ، علامہ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

والطرّ: أن یؤخذ من فوق الشارب ومن تحته حتی یستدق۔

مونچھوں کو اوپر اور ان کے نیچے سے کاٹنا یہاں تک کہ باریک ہو جائیں۔[1093]

[1091] (فتح الباری شرح صحیح البخای، کتاب اللباس، ج۱۱، ص۲۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)
[1092] (القاموس المحیط)
[1093] (قوت لقلوب، ج۲، ص۲۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، کتاب اسرار الطھارۃ، القسم الثالث، ج۲، ص۶۵۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

سبالتان کا لغوی معنی

السبالتان طرفا الشارب۔ سباله کہتے ہیں مونچھ کے کنارے کو۔(جو لب کے دونوں طرف ہوتا ہے اس کا کتروانا مستحب ہے، اگر نہ کترائے تو بھی کچھ قباحت نہیں ہے کیونکہ وہ منہ کو نہیں چھپاتا نہ کھانے کی چکنائی ان میں لگتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سبالہ رکھتے تھے اس کو نہیں کترتے تھے۔)[1094]

ہروی نے کہا سبالہ وہ بال ہیں: جو نیچے کے جبڑے کے تلے ہوتے ہیں سبلہ داڑھی کے سامنے کے حصے کو اور جو داڑھی سینہ پر لٹکی ہو اس کو بھی کہتے ہیں۔[1095]

مونچھیں منڈانے کے متعلق احادیث کی شرح

حافظ الحدیث علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

واما القص فهو الذی فی اکثر الاحادیث کما هنا وفی حدیث عائشة وحدیث انس کذلک کلاهما عند مسلم وکذا حدیث حنظلة عن ابن عمر فی اول الباب وورد الخبر بلفظ الحلق وهی روایة النسائی عن محمدبن عبدالله بن یزید عن عینیة بسند هذا الباب رواه جمهور اصحاب بلفظ القص وکذا سائر روایات عن شیخه الزهری ووقع عندا النسائی من طریق سعید المقبری عن ابی هریرة بلفظ تقصیر الشارب نعم وقع الامر بمایشعر بان روایة الحلق محفوظة کحدیث العلاء بن عبدالرحمٰن عن ابیه عن ابی هریرة عند مسلم بلفظ "جزوا الشوارب" وحدیث ابن عمر المذکور فی الباب الذی یلیه بلفظ "احفوا الشوارب" وفی الباب الذی یلیه بلفظ "انهکوا الشوارب" فکل هذه الالفاظ تدل علی ان المطلوب

[1094] (لغات الحدیث، کتاب "س"، ج، ۲، ص، ۳۴، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[1095] (لغات الحدیث، کتاب "س"، ج، ۲، ص، ۳۳، میر محمد کتب خانہ کراچی)

المبالغة فی الازالة،لان الجز وھو بالجیم والزای الثقیلة قص الشعر والصوف الی ان یبلغ الجلد والاحفاء بالمھملة والفاء الاستقصاء ومنه حتی احفوہ بالمسئلة،قال ابو عبید الھروی معناہ الزقوا الجز بالبشرۃ وقال الخطابی ھو بمعنی الاستقصاء والنھک باالنون والکاف المبالغةفی الازالة۔

لفظ "قص" اکثر احادیث میں مروی ہے جیسا کہ یہاں مذکور ہے، امام مسلم کی دو روایات حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی "قص" مذکور ہے اس باب کی ابتداء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بھی "قص" ہے اور امام نسائی نے حلق (مونڈنا) کی روایت اپنی سند سے ابن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی ہے وہ سند باب کی ابتداء میں محمد بن عبداللہ بن یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ دیگر اصحاب،جمہور اصحاب ابن عیینہ نے "قص" ذکر کیا ہے اور اس کے شیخ امام زہری سے جو روایات ہیں ان میں بھی "قص" ہی مذکور ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ " حلق "کی روایت محفوظ ہے ،علاء بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی طرح،انہوں اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسلم کے الفاظ ہیں "جزواالشوارب" اور باب کی ابتداء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کہ "احفوا الشوارب" اور آئندہ باب میں آرہاہے اس میں ہے "انھکوا الشوارب" اور یہ تمام عبارات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان سے مقصود بالوں کو کاٹنے میں مبالغہ کرنا ہے، کیونکہ اور "الجز" جیم اور زاء ثقیلہ کے ساتھ ،بالوں اور اون کو اس حد تک کاٹنا کہ وہ جلد تک پہنچ جائے اور "احفاء" حاء مہملہ اور فاء کے ساتھ ،بالوں کو اکھاڑنے میں شدید مبالغہ کو کہتے ہیں اورامام ابوعبید اللہ الہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اتنا کاٹو کہ چمڑا ظاہر ہو جائے اور امام خطابی رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد بالوں کو اکھاڑنے اور صاف کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔ اور "نہک" نون اور کاف کے ساتھ، بالوں کے ازالہ میں مبالغہ کرنا ہے۔

احفاء، انہاک، تقصیر، حلق، ان تمام الفاظ کا مفہوم بنتا ہے اوپر والے ہونٹ پر اگنے والے بالوں کے ازالہ میں خوب مبالغہ کرے۔[1096]

علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ھ، علامہ شیخ قاری علی بن سلطان محمد القاری النقشبندی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

(وقص الشارب)، وهو الشعر النابت على طرف الشفة العليا، وللنسائی " وحلق الشارب" وله ايضا "تقصير الشارب"۔ وقال النووی: المختار فی قص الشارب ان يقصه حتى يبدو طرف الشفة ولا يحفيه، واما رواية احفوا فمعناها ازيلوا ما طال على الشفتين۔ وقال القرطبی: "قص الشارب" ان ياخذ ما طال على الشفة بحيث لا يوذی الآكل، ولا يجتمع فيه الوسخ۔ وقال والجز والاحفاء هو القص المذكور وليس بالاستئصال عند مالک، وذهب الكوفيون ای بعضهم الى انه الاستئصال، وذهب الطبری الى التخيير فی ذلک فقال: ذكر السنة على الامرين ولا تعارض، فان القص يدل على اخذ البعض، والاحفاء يدل على اخذ الكل وكلاهما ثابت ۔وقال العسقلانی: ورجح ذلک ثبوت الامرين فی الاحاديث المرفوعة۔ كذا حققه السيوطی۔

وقص الشارب: اس سے مراد وہ بال ہیں جو اوپر والے ہونٹ کے کنارے اگتے ہیں۔ نسائی کی روایت میں "حلق الشارب" "مونچھیں مونڈنا" بھی ہے اور ایک روایت "تقصیر الشارب" کے الفاظ بھی ہیں۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "قص الشارب" کے بارے میں قول مختار یہ ہے کہ مونچھوں کے بال اس طرح کاٹے کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔ لیکن "احفاء" نہ

[1096](فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج۱۰، ص۲۹۳، دار المعرفۃ بیروت)

کرے۔البتہ جو روایت ”احفوا“تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہونٹوں سے آگے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹ ڈالو۔امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ”قص الشارب“ یہ ہے کہ ہونٹوں سے آگے بڑھے ہوئے بالوں کو تراشا جائے اس طور پر کہ کھانے والے کو تکلیف نہ دیں اور نہ ہی اس میں میل کچیل جمع ہو اور فرمایا کہ ”احفاء“ سے مراد بھی یہی ”قص“ مذکور ہے اور امام مالک کے ہاں اس سے مراد ”استیصال “(جڑوں سے ختم کرنا) نہیں ہے اور بعض کوفیوں کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد استئصال (جڑوں سے ختم کرنا) ہے۔امام طبری اس میں تخیر (دونوں میں اختیار) کے قائل ہیں ،چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ ”احفاء“کا معنیٰ ”استئصال“(جڑوں سے ختم کرنا) ہے۔اور ”نہک“ بھی اسی طرح ہے ”نہک“نون اور کاف کے ساتھ ہے۔اس (بال دور کرنے)میں مبالغہ ہے۔سنت کی دلالت ان دونوں امور پر ہے اور ان دونوں میں تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ ”قص“ بعض بالوں کے ختم کرنے پر دلالت کرتا ہے جب کہ ”احفاء“ سب بالوں کے ختم کرنے پر دلالت کرتا ہے اور دونوں ثابت ہیں اور عسقلانی فرماتے ہیں کہ احادیث مرفوعہ میں ان دونوں امور کے ثبوت کو ترجیح حاصل ہے۔اسی طرح امام سیوطی نے (اپنے رسالہ ’بلوغ المآرب فی قص الشوارب، میں) تحقیق کی ہے۔[1097]

علامہ سید محمد بن محمد حسینی زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۰۵ھ اس روایت کے تحت لکھتے ہیں:

والیه ذهب ابن عمر و بعض التابعين ،وهو قول الكوفيين و اكثر الصوفية ، حتى قال بعضهم من احفى شاربيه نظر الله عليه۔

[1097] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس ،باب قص الشارب ،ج،۹۳ ۲۹۶۴۲۹۳،۱۰ ملخصاً،دارالمعرفۃ بیروت،مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس ،باب الترجل ،ج،۸،ص، ۲۷۲،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض تابعین کا مذہب ہے اور کوفیوں اور اکثر صوفیاء کا قول ہے، حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے فرمایا: جس شخص نے اپنی مونچھوں کو مونڈا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر فرمائے گا۔[1098]

علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی،۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اکثر احادیث میں "قص" ہے، نسائی نے "حلق" اور "تقصیر" روایت کیا ہے مسلم نے "جز" اور "قص" روایت کیا، امام بخاری نے اس باب میں "قص" اور اگلے باب میں "نہک" روایت کیا ہے، جن سے مقصود ازالہ میں مبالغہ ہے "احفاء" کا معنی ازالہ اور استقصاء یعنی بال کاٹنے میں انتہاء کو پہنچنا، انہاک کا معنی ہے مبالغہ فی الازالہ ہے یعنی بال زائل کرنے میں مبالغہ کرنا۔ "جز" کا معنی اتنا کم کرنا کہ چمڑا نظر آئے۔

امام محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی،۸۲۷، یا،۸۲۸ھ اور امام محمد بن یوسف سنوسی حسینی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی لکھتے ہیں:

(قص الشارب)وفی الآخر "واحفاء الشارب" وفی الآخر "جزالشارب" وفی البخاری "انهكوا الشوارب" (ع)قال الكوفيون:وكثير من السلف يستأصل شعر الشارب لظاهر هذا الألفاظ،وأباه مالك وكثير،وكان مالك رحمه الله يرى حلقه مثلة يؤدب فاعله۔وفسرت هذه الألفاظ بالأخذ منه حتى يبدو الاطار وهو طرف الشفة وخير بعض العلماء بين الفعلين۔قلت:ليس فى هذه الألفاظ ماهو نص فى استئصاله بالموسى والمشترك بين جميعها التخفيف والتخفيف أعم من أن يكون بالأخذمن طول الشعر أومن مساحته،والألفاظ ظاهرة فى أنه من الطول۔وروى أن عمر رضى الله عنه كان اذا اهمه أمر جعل يفتل شاربه،وهو يقتضى أنه لم يكن يأخذ طوله۔واذا كان القصد انما هو التخفيف لتنظيف

[1098](اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، ج،۲، ص، ۶۴۹، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

مدخل الطعام ومخالفة المجوس اذهم يحلقونه فالأحسن ماعليه العرب اليوم من الأخذ من طوله ومساحته حتى يبدو الأطار۔ وما يفعله بعض المغاربة من ترك شعر طرف شاربه المسمي بالأقفال فمخالف للأمر بالاحفاء، فان الاحفاء هو أخذ ماطال مع أنه لا زينة فيه، وانما شرع الأخذ منه للتزين۔ وقد قال بعض العلماء: ان الاحفاء واجب للأمر به في قوله: "احفوا الشوارب"۔ واما الشعر النابت على الخد فكان الشيخ رحمه الله وهو الشيخ الصالح الفقيه أبو الحسن المنتصر لا يزيله وكان غيره يزيله۔ واختاره الشيخ رحمه الله۔ ويزال أيضاً ماعلى الحلق بخلاف (النابت) ماعلى اللحى الأسفل۔

(وقص الشارب، اور مونچھیں کاٹنا) اور دوسری روایت میں ہے: "واحفاء الشارب" اور مونچھیں جڑ سے اکھاڑنا اور دوسری میں ہے "وجز الشارب" مونچھیں جڑ سے ختم کرنا۔ اور بخاری کی روایت میں ہے: "انهكوا الشوارب" مونچھوں کو بالکل ختم کرو۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ علماء کوفیین اور سلف میں سے کثیر نے یہ فرمایا ہے کہ مونچھوں کے بال جڑ سے اکھاڑ دیے جائیں جیسا کہ ان احادیث کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے، اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مونچھیں مونڈنے کو مثلہ قرار دیتے تھے اور مونچھیں مونڈنے والے کو سزا دیتے تھے، اور ان الفاظ کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ مونچھیں کاٹ کر اتنی کم کر لی جائیں کہ اوپر والے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے اور بعض علماء نے دونوں کاموں میں اختیار دیا ہے۔ میں (یعنی علامہ ابی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں: ان الفاظ میں یہ نص (تصریح) نہیں ہے کہ مونچھوں کو استرے کے ساتھ جڑ سے مونڈ دیا جائے اور ان تمام الفاظ میں جو معنی مشترک ہے وہ تخفیف ہے یعنی ہلکا کرنا، کم کرنا ہے اور تخفیف عام ہے بالوں کو لمبائی سے یا مساحت کاٹا جائے، اور ظاہری الفاظ لمبائی کی جانب سے (کاٹنے کے بارے میں دلالت کرتے) ہیں، یعنی مونچھوں کے لمبے بالوں کو کاٹ کر کم کیا جائے اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی معاملہ پر غور کرتے تو اپنی مونچھوں کو بل دیا کرتے تھے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مونچھوں کو طول کی جانب سے کم نہیں کیا کرتے تھے، الغرض مقصد یہ ہے کہ مونچھیں کم کر کے منہ کو صاف رکھا جائے اور مجوس کی مخالفت کی جائے کیونکہ وہ مونچھوں کو مونڈتے تھے، لہٰذا مستحسن یہ ہے کہ مونچھوں کو طول اور مساحت کی جانب سے کم کیا جائے حتی کہ ہونٹ کے کنارے ظاہر ہو جائیں۔ اور وہ جس کو بعض مغاربہ کرتے ہیں اپنی مونچھوں کے بالوں کے کناروں کو چھوڑ دیتے ہیں وہ احفاء کے امر کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ احفاء کا معنی لمبی مونچھوں کو کاٹ کر کم کیا جائے باوجود اس کے مونچھیں بڑھانے میں کوئی زینت نہیں ہے، اور مونچھوں کو کاٹنا زینت کی وجہ سے ہی مشروع کیا گیا ہے، اور بعض علماء نے فرمایا: احفاء، مونچھوں کو جڑ سے ختم کرنا واجب ہے کیونکہ اس حدیث شریف میں احفاء کا امر کیا گیا ہے: "احفوا الشوارب" مونچھوں کو جڑ سے ختم کرو۔ اور رہے رخسار پر جو بال ہوتے ہیں شیخ صالح فقیہ ابو الحسن المنتصر ان کو زائل نہیں کرتے تھے اور دوسرے علماء ان کو زائل کرتے تھے۔ اور شیخ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور حلق پر جو بال ہیں ان کو بھی زائل کیا جائے اس کے بر خلاف داڑھی کے نچلے بالوں کو زائل نہ کیا جائے۔[1099]

علامہ عبد الغنی نابلسی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

وفی شرح المناوی علی الجامع الصغیر فی قولہ "احفوا الشوارب" وفی معناہ "انھکوا الشوارب" فی الروایۃ الاخری والمراد بالغوا فی ازالۃ ماطال منھا حتی یتبین الشفۃ بیانا ظاھرا ندبا وقیل وجوبا۔

اور شرح المناوی علی الجامع الصغیر میں ہے "احفوا الشوارب" کہ اسی معنی میں "انھکوا الشوارب" دوسری روایت ہے اور اس سے مراد جو بال ہونٹ پر ظاہر ہوں ان کو زائل

[1099] (اکمال اکمال المعلم، کتاب الطھارۃ، باب خصال الفطرۃ، ج۲، ص۶۳،۶۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ومکمل اکمال الاکمال، کتاب الطھارۃ، باب خصال الفطرۃ، ج۲، ص۶۳،۶۲، دارالکتب العلمیہ بیروت)

کرنے میں مبالغہ کرو تاکہ ہونٹ بالکل واضح نظر آئے یہ مستحب ہے اور بعض نے کہا واجب ہے۔[1100]

علامہ ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

والاحفاء یقتضی ظهور الجلد بازالة الشعر کما یقال رجل حاف اذا لم یکن فی رجله شیء ویقال حفیت رجله۔

اور "**احفاء**" اس امر کا مقتضی ہے کہ بال دور کرنے میں جلد ظاہر ہو جائے جس طرح ننگے پاؤں والے شخص کو: **رجل حاف**، جب اس کے پاؤں کوئی چیز نہ ہو۔ کہا جاتا ہے۔ اس لیے "**حفیت رجله**" اس کا پاؤں ننگا ہے۔ کا فقرہ بھی بولا جاتا ہے۔[1101]

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۴۴ھ، علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۷۶ھ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۵۲ھ، عبد الرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ، لکھتے ہیں:

ذهب بعضهم بظاهر قوله "احفوا الشوارب" الی استیصاله وحلقه وهو قول الکوفیین واهل الظواهر وکثیر من السلف۔

[1100] (الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیه، ج۲، ص۵۸۴، الکمتبة النوریة الرضویة الجامع البغدادی لائلبور (فیصل آباد) پاکستان)

[1101] (احکام القرآن، ج۱، ص۲۸، سہیل اکیڈیمی لاہور)

اور بعض حدیث کے ان الفاظ "احفوا الشوارب" کے ظاہر سے اس کے استیصال (جڑ سے اکھیڑنے) اور حلق (مونڈنے) کی طرف گئے ہیں اور یہ کوفی حضرات اور اہل ظواہر اور سلف میں سے اکثر کا قول ہے۔[1102]

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۷۰ھ "احفوا الشوارب" کے تحت لکھتے ہیں:

وهو المبالغة فی القطع ,فای شیء حصل المقصود غير انه بالحلق بالموسی ايسر منه بالقصة فلذا قال الطحاوی: الحلق احسن من القص۔

اور وہ کاٹنے میں مبالغہ کرنا ہے، کسی بھی چیز سے حاصل ہو، مونڈنا مقصود ہے، اس کے علاوہ کہ قینچی سے کاٹنے کی بنسبت استرے سے مونڈنے میں زیادہ آسانی ہے، اس لیے امام طحاوی نے فرمایا: مونڈنا، کاٹنے سے زیادہ اچھا ہے۔[1103]

متعارضہ احادیث کے درمیان تطبیق

امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

فهذا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد امر باحفاء الشوارب فثبت بذلک الاحفاء علی ما ذكرنا فی حديث ابن عمر وفی حديث ابن عباس وابی هريرة رضی الله عنهم جزوا الشوارب فذاک يحتمل ان يكون جزا معه الاحفاء ويحمل ان يكون علی مادون ذلک فقد ثبت معارضة حديث ابن عمر بحديث ابی هريرة وعمار وعائشة الذی ذكرنا فی اول هذا الباب واما حديث المغيرة فليس فيه دليل علی شیء لانه يجوز ان يكون النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فعل ذلک لم يكن

[1102] (لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الطهارة، باب السواک، ج۲، ص۶۷، المکتبة الحقانیة کوئیته، شرح مسلم، کتاب الطهارة باب خصال الفطرة، ج۲، ص۵۵، مکتبة البشریٰ کراتشی، تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی، کتاب الآداب، باب ماجاء فی قص الشارب، ج۸، ص۴۳، دار الضیاء بیروت)

[1103] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج۳، ص۱۹، ۱۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

بحضرته مقراض يقدر على احفاء الشارب ويحتمل ايضاً حديث عمار وعائشة وابی هريرة رضی الله عنهم فی ذلک معنی أخر يحتمل ان يکون الفطرة هی التی لابدّ منها وهی قص الشارب وما سوی ذلک فضل حسن فثبت الاٰثار کلها التی روينا ها فی هذا الباب ولاتضاد ويجب بثبوتها ان الاحفاء افضل من القص وهذا معنی هذا الباب من طريق الاٰثار۔

تو رسول اکرم ﷺ نے موچھوں کو منڈوانے کا حکم دیا اس سے منڈوانا ثابت ہو گیا جیسا کہ ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ذکر کیا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں ہے کہ موچھوں کو کاٹو، تو اس میں احتمال ہے کہ ایسا کاٹنا ہو جس کے ساتھ مونڈنا بھی ہو اور یہ احتمال ہے کہ اس مونڈنے کے بغیر ہو تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ان روایات سے جنہیں ہم نے باب کے شروع میں ذکر کیا ٹکراؤ لازم ہوا، جہاں تک حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا تعلق ہے تو اس میں کسی بات پر دلیل نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے نبی اکرم ﷺ نے اس لئے ایسا کیا ہو کہ اس وقت آپ کے پاس قینچی نہ ہو جس کے سبب آپ موچھوں کو مونڈنے پر قادر ہوتے حضرت عمار ،حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات میں ایک دوسرے معنیٰ کا بھی احتمال ہے وہ یہ کہ فطرت وہی بات ہوتی ہے جو لازمی اور ضروری ہے اور موچھوں کو کاٹنا ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ حسن ہے، افضل ہے، بس وہ تمام روایات جو ہم نے اس باب میں ذکر کی ہیں ،ثابت ہو جائیگی اور تضاد لازم نہیں آئے گا اور ان کے ثابت ہونے سے لازم آئے گا کہ کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے۔ اس باب میں روایات کے طور پر یہ بیان ہے۔[1104]

[1104] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراهة، ج ۲، ص ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

وانما قال بعدروایاته الاحادیث المذکورة والتوفیق بینهما ان الاحفاء افضل من القص ،ثم قال نعم باب حلق الشارب۔وانما اراد بذلک الاحفاء حتی یصیر کالحلق۔وفی المختار حلقه سنة وقصه حسن،وفی المحیط الحلق سنة وهو احسن من القص، وهو قول ابی حنیفة وصاحبیه رحمهم الله۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احادیث مذکورہ بالا کی روایات کے بعد ان احادیث متعارضہ کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ "احفاء" "قص" سے افضل ہے پھر باب "حلق الشارب" (مونچھیں مونڈنا)عنوان دینا بھی اس کی طرف مشیر ہے۔اور"احفاء" اتنا کہ "حلق" (مونڈنے) کی طرح ہو جائے۔اور مختار میں ہے کہ مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور مونچھیں باریک کرنا حسن ہے اور محیط میں ہے:مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور وہ کاٹنے سے زیادہ اچھا ہے اور یہ امام ابوحنیفہ،امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا قول ہے۔[1105]

احفاء،والی احادیث کو، قص،والی احادیث پر ترجیح حاصل ہے

شوکانی،متوفی،۱۲۵۵ھ،اور عبدالرحمن مبارک پوری متوفی،۱۳۲۵ھ،لکھتے ہیں:

قال ابن قیم:واحتج من لم یر احفاء الشوارب بحدیث عائشة ,وابی هریرة المرفوعین:عشرة من الفطرة۔فذکر منها قص الشارب۔وفی حدیث ابی هریرة:ان الفطرة خمس,وذکر منهاقص الشارب۔واحتج المحفون باحادیث الامر بالاحفاء,وهی صحیحة ,وبحدیث ابن عباس,ان رسول الله ﷺ کان یحفی شاربه۔قال الشوکانی:[1106] والاحفاء لیس کما ذکر النووی من أن معناه أحفوا ماطال عن الشفتین,بل الاحفاء الاستئصال کمافی الصحاح(ص,۱۴۶) والقاموس(,ج,۱,ص,۷۲۳) والکشاف

[1105](بنایه شرح هدایه,کتاب الحج,باب الجنایات,ج,۴,ص,۲۵۵,دارالفکر بیروت)

[1106](النیل,ج,۱,ص,۱۱۵)

وسائر کتب اللغة،قال ورواية القص لا تنافيه لأن القص قد يكون على جهة الاحفاء وقد لايكون،ورواية الاحفاء معينة للمراد وكذلك حديث "من لم يأخذ من شاربه فليس منا" لايعارض رواية الاحفاء فيها زيادة يتعين المصير اليها،ولوفرض التعارض من كل وجه لكانت رواية الاحفاء أرجح لأنها في الصحيحين۔

ابن قیم نے کہا: جو احفاء الشوارب کے قائل نہیں ہیں انہوں نے حدیث حضرت سیدہ عائشہ اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں فطرت سے ہیں۔ تو ان میں قص الشارب کو ذکر کیا اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے: پانچ چیزیں فطرت ہیں اور اس میں قص الشارب کو ذکر کیا۔ سے استدلال کیا اور احفاء کرنے کے قائلین نے ان احادیث سے جن میں احفاء کا حکم دیا گیا ہے سے استدلال کیا ہے اور وہ احادیث صحیحہ ہیں، اور ابن عباس کی حدیث سے، بے شک رسول اللہ ﷺ اپنی مونچھوں کا احفاء کرتے تھے۔ شوکانی نے کہا : اور احفاء اس طرح نہیں ہے جس طرح نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا کہ احفوا کا معنی دونوں ہونٹوں سے بڑھے ہوئے بال کاٹ دو، بلکہ احفاء، استئصال یعنی مونچھوں کے بالوں کو جڑ سے ختم کرنا ہے، جیسا کہ صحاح (ص،۱۴۶) اور قاموس (،ج،۱،ص،۱۷۳۶) اور کشاف اور باقی لغت کی کتب میں ہے، فرمایا اور قص کی روایت اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ قص کبھی احفاء کے طور پر ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اور احفاء کی روایت کی مراد معین ہے اور اسی طرح حدیث "جو مونچھیں نہ کاٹے وہ ہم میں سے نہیں" احفاء کی روایت کے معارض نہیں ہے کیونکہ اس میں زیادتی ہے اسی کی طرف لوٹنا متعین ہوتا ہے، اور اگر تمام صورتوں میں تعارض کو فرض کر لیا جائے تو احفاء کی روایت کو زیادہ ترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ صحیحین (بخاری، مسلم) میں ہے۔[1107]

[1107] (نیل الاوتار من احادیث سید الاخیار شرح منقی الاخبار، باب اخذ الشارب واعفاء اللحیة،،ج،۱،ص،۱۱۵،دار الکتب العلمیه ،بیروت، تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی، کتاب الآداب، باب، ماجاء فی ص الشارب، ج،۸،ص،۴۴،دار الضیاء بیروت)

شیخ شلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قال فخر الاسلام البزدوی فی شرح الجامع الصغیر و من الناس من قال بان الحلق بدعة احتجاجا بحدیث النبی ﷺ عشر من فطرتی و ذکر منها الشارب و احتج اصحابنا رحمهم الله بحدیث ابی هریرة وعبدالله بن عمر رضی الله عنهم عن النبی ﷺ انه قال: احفوا الشوارب و اعفوا اللحی۔ و الاحفاء الاستئصال محتمل فیحمل علی ماروینا لانه محکم۔

حضرت امام فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح الجامع الصغیر میں فرمایا ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ مونڈنا بدعت ہے، اور استدلال نبی کریم ﷺ کی حدیث سے کیا کہ "دس امور میری سنت میں سے ہیں اور اس میں مونچھوں کا ذکر کیا، اور ہمارے اصحاب (احناف) رحمہم اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھیں مونڈاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ اور "احفاء" استئصال (جڑ سے ختم کرنا) ہے اور قص (کاٹنا) محتمل (اس میں احتمال) ہے تو وہ اس پر محمول ہے جس کو ہم نے روایت کیا، اس لیے کہ وہ بے شک محکم ہے۔[1108]

احادیث میں قص (کاٹنے) کا ذکر ہے، مراد جڑ سے ختم کرنا ہے

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۹۷۰ھ، اور محقق احناف شیخ ابن ہمام، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

واما ذکر القص فی بعض الاحادیث فالمراد منه المبالغة فی الاستئصال۔

[1108] (حاشیه شلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الحج باب الجنایات، ج، ۲، ص، ۵۵، مکتبه امدادیه ملتان)

اور رہا بعض احادیث میں قص (کاٹنے) کا ذکر، تو اس سے مراد جڑ سے ختم کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔[1109]

مونچھیں منڈانے میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مذاہب

احناف کے مجتہد فقہاء کا فیصلہ مونچھیں مونڈنا سنت ہے

علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

وقع فی بعض العبارات بالقص و فی بعضها التعبیر بالحلق ففی الھندیۃ ذکر الطحاوی فی شرح معانی الآثار ان قص الشارب حسن و تفسیرہ ان یوخذ منہ حتی ینقص من الاطار و ھو الطرف الاعلی من الشفۃ العلیا۔ قال و الحلق سنۃ و ھو احسن من القص ھذا قولہ رحمہ اللہ تعالی و صاحبیہ رحمھم اللہ تعالی کذافی محیط السرخی و عبارۃ المجتبی و حلق الشارب بدعۃ و السنۃ فیہ القص صح حلقہ سنۃ نسبہ الی ابی حنیفۃ و صاحبیہ۔

بعض عبارات میں مونچھوں کے کاٹنے کو قص سے تعبیر کیا ہے اور بعض میں حلق (مونڈنے) سے تعبیر کیا گیا ہے ، فتاویٰ ہندیہ[1110] میں ہے کہ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں (ج،۲، ص،۳۰۸) بیان کیا ہے کہ مونچھوں کے بالوں میں قص (کم) کرنا حسن ہے اور اس کی تفسیر کہ اوپر والے ہونٹ کے بالوں کو اتنا باریک اور کم کیا جائے کہ چمڑا نظر آئے اور ان کا مونڈنا سنت ہے۔ اور یہ کاٹنے سے احسن (بہت اچھا) ہے ، یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین (ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تینوں آئمہ) کا قول ہے اور اسی طرح محیط سرخسی میں ہے۔ اور مجتبیٰ کی عبارت ہے مونچھوں کا مونڈنا بدعت ہے قص (کاٹنا) سنت ہے لیکن

[1109] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج،۳، ص، ۱۹، ۱۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، فتح القدیر شرح ھدایہ، کتاب الحج، باب الجنایات، ۲، ص، ۴۴۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1110] (عالمگیری کتاب الکراھیۃ، ج، ۵، ص، ۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

مونچھوں کے مونڈنے کا سنت ہونا صحیح ہے یہ قول امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین (امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف منسوب ہے۔[1111]

درج ذیل عبارت کو کثیر کتب میں ذکر کیا گیا ہے ایک عبارت نقل کر کے کچھ کتب کے حوالہ جات نقل کرتا ہوں:

ان حلق الشارب هو سنة عند ابی حنیفة و ابی یوسف و محمد رحمهم الله تعالی۔

بے شک مونچھیں مونڈنا وہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سنت ہے۔[1112]

علامہ شیخ مجد الدین عبد اللہ بن محمود بن مودود حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حنفی، متوفی، ۹۵٦ھ لکھتے ہیں:

والسنة تقلیم الأظفار، و نتف الابط، و حلق العانة و الشارب و قصه حسن۔

[1111] (طحطاوی علی در المختار، کتاب الحظر و الاباحۃ، باب الاستبراء، فصل فی البیع، ج، ۴، ص، ۲۰۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[1112] (علامہ عثمان بن زیلعی، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج، ۲، ص، ۵۵، مکتبہ امدادیہ ملتان، وعلامہ ابن نجیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج، ۳، ص، ۱۹، ۱۸، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، وعلامہ ابو جعفر طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الکراهۃ، ج، ۲، ص، ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان، وعلامہ نظا الدین، عالمگیری کتاب الکراهیة، ج، ۵، ص، ۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی، وعلامہ ابن همام فتح القدیر، کتاب الحج، باب الجنایات، ج، ۱، ص، ۴۴٦، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، وعلامہ ابن عابدین شامی، ردالمختار، ج، ۲، ص، ۲۲۱، وکتاب الحظر والاباحۃ، ج، ۹، ص، ۵۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، وعلامہ بدرالدین عینی، البنایة فی شرح الهدایه، کتاب اکحج، باب الجنایات، ۲۵۵، دارالفکر بیروت، ومحیط، سرخسی، وعلامہ احمد بن محمد طحطاوی، حاشیہ الطحطاوی علی در المختار، کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء فصل فی البیع، ج، ۴، ص، ۲۰۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، والحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیه، ج، ۲، ص، ۵۸۳، الکمتبة النوریة الرضویة الجامع البغدادی لائلبور (فیصل آباد) پاکستان، وفتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج، ۱۰، ص، ۲۹۳، دارالمرفة بیروت، احکام القرآن، ج، ۱، ص، ٦۷، سهیل اکیڈیمی لاهور، وحاشیه جلالین ص، ۱۸، حاشیہ نمبر ۳۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور ناخنوں کو کاٹنا اور بغل کے بالوں کو نوچنا سنت ہے اور زیر ناف بال اور مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور مونچھیں کاٹنا اچھا ہے۔[1113]

علامہ عبد الغنی نابلسی نقشبندی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

واخذہ الحنفیۃ والحنابلۃ بظاہر الحدیث فسنوا حلقہ۔

اور احناف اور حنابلہ نے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسے مونڈنا سنت کہا ہے۔[1114]

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

وفی المختار حلقہ سنۃ وقصہ حسن۔

اور مختار میں ہے کہ مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور مونچھیں باریک کرنا حسن (اچھا) ہے۔[1115]

احناف کے نزدیک مونچھیں کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے

علامہ ابو جعفر طحاوی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۳۲۱ھ، اور علامہ ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۳۷۰ھ، اور عبد الرحمن مبارک پوری متوفی، ۱۳۲۵ھ، و محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مالکی، متوفی ۱۱۲۲ھ، لکھتے ہیں:

وأما أبو حنیفۃ رضی اللہ عنہ وزفر، وأبو یوسف، ومحمد: فکان مذہبہم فی شعر الرأس والشارب أن الاحفاء افضل من التقصیر۔

[1113] (المختار الفتوی، کتاب الکراهیة، ص، ۲۴۶، مکتبة نزار ا مصطفی الباز مکة المکرمة، الریاض، الاختیار لتعلیل المختار، الجز الرابع، کتاب الکراهیة، فصل، فیما ینبغی للمومن من الآداب، ج، ۲، اص، ۴۲۳، شرکة دار الارقم بن ابی الارقم، بیروت، ص، مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الکراهیة، فصل فی المتفرقات، ج، ۲۲۶، ۲۲۵، ۴، مکتبة المنار کانسی روڈ، کوئٹہ)

[1114] (الحدیقة الندیة شرح طریقة المحمدیه، ج، ۲، ص، ۵۸۴، الکمتبة النوریة الرضویة الجامع البغدادی لائلبور (فیصل آباد پاکستان)

[1115] (بنایه شرح هدایه، کتاب الحج، باب الجنایات، ج، ۴، ص، ۲۵۵، دار الفکر بیروت)

اور رہا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو مونچھوں اور سر کے بالوں کے بارے میں ان کا مذہب کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے۔[1116]

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حنفی متوفی، ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

و کان ابو حنیفۃ یقول ان احفاء افضل من القص۔

اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مونڈنا، کاٹنے سے افضل ہے۔[1117]

مولانا ابو سعید خادمی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۱۶۸، اور شیخ رجب بن احمد، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۰۶۳، لکھتے ہیں:

وسئل عمر بن عبدالعزیز عن السنۃ فی قص الشارب فقال یقص حتی یبدو الاطار و قیل الافضل حلقہ و القص من عجزھا استدلا بحدیث انھکوا الشوارب۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مونچھوں کے کاٹنے میں سنت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کاٹنا یہاں تک کہ اوپر والے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے اور کہا گیا کہ مونچھوں کو مونڈنا افضل ہے اور مونچھوں کو جڑ سے کاٹنا اس کی دلیل یہ حدیث ہے: مونچھوں کو کاٹنے میں مبالغہ کرو یعنی مونچھوں کو مونڈو۔[1118]

[1116] (مختصر اختلاف العلماء، کتاب الکراھۃ، ج، ۴، ص، ۳۸۲، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، کشف الغمۃ، ص، ۲۲۸، احکام المذاھب، ص، ۴۵، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، ص ۲۵، اسلامی کتب خانہ پشاور، شرح الزرقانی علی موطأ الامام مالک، کتاب صفۃ النبی ﷺ، باب ماجاء فی سنۃ فی الفطرۃ، ج، ۴، ص، ۳۸۲، دار الحدیث القاھرۃ، و احکام القرآن للجصاص، ج، ۱، ص، ۷۶، سھیل اکیڈیمی لاھور، تحفۃ الاحوذی، ج، ۸، ص، ۴۳، دار الضیاء بیروت)

[1117] (الفتاویٰ تنقیح الحامدیۃ، ج، ۲، ص، ۳۶۴، المکتبۃ الحبیبیۃ، کوئٹہ)

[1118] (بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، ج، ۴، ص، ۱۷۴، مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ، الوسیلۃ الاحمدیۃ و الذریعۃ السرمدیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ علی ھامش بریقہ، ج، ۴، ص، ۱۷۴، مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ)

بعض متاخرین احناف کے نزدیک مونچھوں کا قص (کاٹنا) سنت ہے

علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

واختلف فی المسنون فی الشارب، هل هو القص أو الحلق؟ والمذهب عند بعض المتأخرين من مشائخنا أنه القص۔قال فی البدائع:وهو الصحيح ۔وقال الطحاوی:القص حسن، والحلق احسن، وهو قول علمائنا الثلاثة۔نهر۔

اور اس میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ مونچھوں کو کاٹنا سنت ہے یا مونڈنا ؟ اور ہمارے بعض متاخرین مشائخ کا مذہب کاٹنا ہے۔ اور بدائع الصنائع میں (علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں :یہی صحیح ہے۔ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے: کاٹنا اچھا اور مونڈنا بہت اچھا ہے اور یہ ہمارے تینوں ائمہ (امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا قول ہے۔ نہر الفائق۔[1119]

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ، اور علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

والمذهب عند بعض المتاخرين من مشائخنا ان السنة القص۔

اور متاخرین مشائخ میں سے بعض کے نزدیک کاٹنا سنت ہے۔[1120]

شیخ داؤد ابن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ویاخذ من شاربه حتی یصیر مثل الحاجب۔

[1119] (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحج، باب الجنایات، ج، ۳، ص، ۵۸۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1120] (فتح القدیر شرح هدایه ، کتاب الحج ، باب الجنایات ، ۲، ص، ۴۴۲، مکتبه رشیدیه کوئٹه، عنایه شرح هدایه، علی حاشیه فتح القدیر، ۲، ص، ۴۴۲، مکتبه رشیدیه کوئٹه)

اور اپنی مونچھوں کو کاٹو یہاں تک کہ آبرو کی طرح ہو جائیں۔[1121]

علامہ سراج الدین ابی محمد بن عثمان بن محمد التیمی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۵۶۹، وعلامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۰۸۸ھ، وغیرہ لکھتے ہیں:

حلق الشارب بدعة، وقيل: سنة۔

مونچھیں منڈانا بدعت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سنت ہے۔[1122]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مشى عليه في الملتقى، وعبارة المجتبى بعد ما رمز للطحاوى: حلقه سنة، ونسبه الى ابى حنيفة وصاحبيه، والقص منه حتى توازى الحرف الاعلى من الشفة العلية سنة بالاجماع۔

ملتقی اور مجتبی میں لکھا ہے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مونچھوں کو مونڈنا سنت ہے اور یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبین (امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا قول ہے اور قص کا بالاتفاق معنی بالوں کو کوتاہ کرنا کہ اوپر والے ہونٹ کا کنارہ نظر آئے اور ظاہر ہو جائے بالاجماع سنت ہے۔[1123]

1121 (الفتاوىٰ الغياثية، كتاب الاستحسان والكراهية، ۱۰۹، مكتبه رشيديه كوئٹه، فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الكراهية، ج، ۵، ص، ۴۳۸، قديمى كتب خانه كراچى، الفتاوىٰ البزازية، كتاب الاستحسان، ج، ۲، ص، ۴۹۵، قديمى كتب خانه كراچى، فتاوىٰ قاضى خان كتاب الحظر والاباحة، ج، ۳، ص، ۳۱۴، قديمى كتب خانه كراچى، الفاوىٰ السراجية، كتاب الكراهة والاستحسان، ص، ۳۳۷، زمزم پبليشرز كراچى، الفتاوىٰ التاتارخانية كتاب الكراهية، الفصل الختان والخضاب، ج، ۱۸، ص، ۲۱۰، مكتبه فاروقيه كوئٹه)

1122 (در مختار على هامش الردالمحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصل فى البيع، ج، ۹، ص، ۵۸۳، دارالكتب العلميه بيروت، فتاوىٰ برهنه، ج، ۱ ص، ۳۹، مكتبه عربيه كوئٹه، الفتاوىٰ السراجية، كتاب اكراهية والاستحسان، ص، ۳۳۷، زمزم كراچى)

1123 (ردالمختار، كتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء فصل فى البيع، ج، ۹، ص، ۵۸۳، دارالكتب العلميه بيروت)

شوافع کے نزدیک مونچھیں مونڈنا مکروہ ہے

علامہ عبد الغنی نابلسی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

واما حلقه بالكلية فمكروه على الاصح عند الشافعية۔

شوافع کے نزدیک بالکل مونڈنا اصح قول کے مطابق مکروہ ہے۔[1124]

علامہ ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ متوفی ۳۷۰، علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

وقال الطحاوى لم نجدفى ذلک عن الشافعى شيأ منصوصا واصحابه الذى رأيناهم المزنى والربيع كانايحفان شواربهم فدل على انهما اخذا ذلک عن الشافعى۔

ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے اس سلسلے میں کوئی منصوص قول منقول نہیں ، تاہم امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اصحاب، امام مزنی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے دستِ راست اور فقہ شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ائمہ میں سے تھے) اور ربیع کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اپنی مونچھوں کا "**احفاء**" (خوب کاٹا) کرتے تھے، یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان دونوں حضرات نے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے یہ چیز اخذ کی تھی۔ (یعنی آپ کو دیکھ کر یا آپ کے متعلق پڑھ کر ہی یہ عمل کرتے ہوں گے)[1125]

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

واغرب ابن العربى فنقل عن الشافعى انه يستحب حلق الشارب وليس ذلک معروفا عنداصحابه قال الطحاوى الحلق هو مذهب ابى حنيفة وابى يوسف ومحمد۔

[1124] (الحديقة الندية شرح طريقة المحمديه، ج۲، ص ۵۸۴، الكمتبة النورية الرضوية الجامع البغدادى لائلبور (فيصل آباد پاكستان)

[1125] (احكام القرآن للجصاص، ج ۱، ص ۲۸، سهيل اكيڈيمى لاهور، فتح البارى ، كتاب اللباس ، باب قص الشارب، ج ۱۰، ص ۲۹۳، دارالمرفةبيروت)

اور ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عجیب بات کہی کہ انہوں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک موچھوں کا مونڈنا مستحب ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایاہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مونڈنا ہے۔[1126]

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مونچھیں مونڈنا مکروہ اور بدعت ہے

علامہ عبد الغنی نابلسی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

وصرح مالک بانہ بدعۃ۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے۔[1127]

علامہ ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

وقال ابن الھیثم عن مالک احفاء الشارب عندی مثلۃ قال مالک وتفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی احفاء الشارب الاطار وکان یکرہ ان یؤخذ من اعلاہ وانما کان یوسع فی الاطار منہ فقط وذکر عنہ اشھب قال وسألت مالکا عمن احفی شاربہ قال اری ان یوجع ضرباً لیس حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الاحفاء کان یقول لیس یبدی حرف الشفتین الاطار ثم قال لم یحلق شاربہ ھذا بدع تظھر فی الناس کان عمر اذا حزبہ امر نفخ فجعل یفتل شاربہ۔

اورابن الہیثم نے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ موچھوں کا "احفاء" (صاف کرنا) میرے نزدیک مثلہ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے موچھوں کے "احفاء" کے بارے میں حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فرمان کی تفسیر "اطار" سے کی ہے، یعنی امام مالک

1126 (فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج۱۰، ص۲۹۳، دار المرفۃ بیروت)

1127 (الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ المحمدیہ، ج۲، ص۵۸۴، الکمتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی لائلپور (فیصل آباد) پاکستان)

مونچھوں کے بال اوپر کی طرف سے کاٹنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور چاروں طرف سے کاٹنے میں توسع کے قائل تھے۔ اشہب نے کہا ہے کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنی مونچھیں پوری طرح کاٹ دیتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے خیال میں ایسے شخص کی زبردست پٹائی ہونی چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ کی حدیث "احفاء" یعنی پوری طرح کاٹ کر پست کرنے کے بارے میں نہیں ہے۔ گویا امام مالک رضی اللہ عنہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ "اطار" یعنی چاروں طرف کترنے کا عمل لبوں کے کنارے ظاہر کر دیتا ہے۔ پھر امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مونچھیں مونڈ دینا ایک بدعت ہے جو لوگوں کے اندر ظہور پذیر ہو گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہو جاتا تو آپ کا چہرہ تمتما جاتا اور آپ اپنی مونچھوں کو تاؤ دینا شروع کر دیتے۔[1128]

علامہ ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

وقال الليث: لاأحب أن يحلق احد شاربه، حتى يبدو الجلد وأكرهه، ولكن يقص الذى على طرف الشارب، وأكره ان يكون طويل الشاربين۔

اور حضرت لیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ہے کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص اپنی مونچھیں اس طرح مونڈ ڈالے کہ اس کی جلد نظر آنے لگے، میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں، لیکن وہ مونچھوں کے کنارے والے بال کاٹ دے، اور مجھے ایک شخص کا لمبی مونچھوں والا ہونا پسند نہیں ہے۔[1129]

[1128] (احکام القرآن، ج، ۱، ص، ۶۷، سہیل اکیڈمی لاہور)

[1129] (احکام القرآن، ج، ۱، ص، ۶۸، ۶۷، سہیل اکیڈیمی لاہور، مخصر اختلاف العلماء، کتاب الکراھۃ، ج، ۴، ص، ۳۸۲، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مونچھیں مونڈنا سنت ہے

علامہ عبد الغنی نابلسی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

واخذہ الحنفیۃ والحنابلۃ بظاہر الحدیث فسنوا احلقہ۔

اور احناف اور حنابلہ نے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسے مونڈنا سنت کہا ہے۔[1130]

حافظ الحدیث علامہ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ ھ، وعلامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

وقال الاثرم کان احمد یحفی شاربہ احفاء شدیدا ونص علی انہ اولی من القص۔

اور امام اثرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شدید مبالغہ کے ساتھ مونچھیں مونڈا کرتے تھے، اور یہ نص ہے کہ کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے۔[1131]

علامہ زرقانی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

وقال الأثرم: کان احمد یحفی شاربہ احفاء شدیدا ویقول: ہو سنۃ۔

اور امام اثرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شدید مبالغہ کے ساتھ مونچھیں مونڈا کرتے تھے، اور فرماتے: یہ سنت ہے۔[1132]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

ویخیر عند الحنابلۃ بین القص والاحفاء، والحف أولی نصاً۔

[1130] (الحدیقة الندیة شرح طریقة المحمدیه، ج،۲، ص، ۵۸۴، الکمتبة النوریة الرضویة الجامع البغدادی لائلبور (فیصل آباد) پاکستان)

[1131] (فتح الباری، کتاب اللبا س، باب، قص الشارب ج،۱۰، ص، ۲۹۳، دارالمعرفة بیروت، وتنقیح الفتاویٰ الحامدیة، ج،۲، ص، ۵۷۰، قدیمی کتب خانه کراچی)

[1132] (شرح الزرقانی علی موطأ الامام مالک، کتاب صفة النبی ﷺ، ج،۴، ص، ۳۸۲، دار الحدیث القاهرة)

فقہاء حنبلیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک مونچھوں کو کاٹ کر کم کرنا اور ان کو مونڈنا دونوں میں اختیار ہے اور مونڈنا نص کے زیادہ قریب ہے۔[1133]

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم، متوفی، ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر میت کی مونچھیں لمبی ہوں تو ان کو کاٹ کر کم کرنا مستحب ہے، یہ حسن، بکر بن عبداللہ، سعید بن جبیر اور اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا فرمان ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ میت کی کسی چیز کو کاٹا نہیں جائے گا، کیونکہ میت کی کسی چیز کو کاٹنا غیر مستحب ہے، مثلاً ختنہ کرنا، فقہاء شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے مردوں کو اس طرح سنوارو جس طرح اپنی دلہنوں کو سنوارتے ہو، اور دلہن کو حسین بنایا جاتا ہے اور مونچھوں میں جو چیز قبیح ہو اس کو زائل کیا جائے گا، کیونکہ اس کو اس طرح چھوڑنے سے میت کی شکل قبیح المنظر ہو گی، اس لیے اس کا ازالہ مشروع ہے جس طرح میت کے کھلے ہوئے منہ اور کھلی ہوئی آنکھوں کو بند کیا جاتا ہے، البتہ اگر وہ غیر مختون ہو تو اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس سے میت کو ضرر ہو گا۔ (مونچھیں کاٹنے کے بعد بال میت کے ساتھ کفن میں رکھ دیے جائیں گے)[1134]

مولوی رحمت اللہ ابن ملا موسیٰ مندو خیل لکھتے ہیں:

او دامام اعظم و صاحبانو او د امام احمد بن حنبل رحمہم للہ او اہل کوفی او د صوفیانو کرا موخریل دی داسنت او احسن دی۔

[1133](الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج، ۱، ص، ۳۹۶، دارالفکر بیروت)
[1134](المغنی، ج، ۲، ص، ۲۱۰، دارالفکر بیروت)

اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبین (امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اہل کوفہ اور صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو (مونچھیں) مونڈنا پسند ہے اور اسے اچھا سمجھتے ہیں اور فرمایا کہ یہ سنت ہے اور احسن ہے۔[1135]

قیاس کے تقاضا کے مطابق بھی مونچھیں کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ (الفتح ۲۷)

بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے امن وامان سے اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے۔

عن ابن عمر: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قال فی حجۃ الوداع: "اللھم ارحم المحلّقین"۔ قالوا: والمقصّرین یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قال: "اللھم ارحم المحلّقین"۔ قالوا: والمقصّرین یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قال: "والمقصّرین"

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں دعا فرمائی: اے اللہ سر مونڈنے والوں پر رحم فرما، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور کتروانے والوں کے لیے بھی رحمت کی دعا فرمائیں، یارسول اللہ ﷺ، فرمایا: اے اللہ سر منڈانے والوں رحم فرما، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، بالوں کے کتروانے والوں کے لیے بھی

[1135] (رحمتِ بیان شرح رشید البیان، باب دی پہ بیان دسنتو داسلام کیبی، ص، ۳۲۰، صدیقی کتب خانہ کوئٹہ)

رحمت کی دعا فرمادیں، یارسول اللہ ﷺ ، حضور اکرم ﷺ نے عرض کیا اور کتروانے والوں پر بھی رحم فرما۔[1136]

امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

واما من طریق النظر فانا راینا الحلق قد امر فی الاحرام ورخص فی التقصیر فکان الحلق افضل من التقصیر وکان التقصیر من شاء فعله ومن زاد علیه الا انه یکون بزیادته علیه اعظم اجرا ممن قص۔فالنظر علی ذلک ان یکون کذلک حکم الشارب قصه حسن واحفاءه احسن وافضل وھذا مذھب ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد۔

اور قیاس کے طور پر یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں احرام کے سلسلے میں (سر) منڈانے کا حکم ہے اور کاٹنے کی اجازت دی گئی ہے بس کاٹنے سے منڈوانا افضل ہے اب جو چاہے کٹوائے اور جو چاہے اس پر اضافہ کرے البتہ اس اضافہ سے کاٹنے کے مقابلے میں زیادہ عظمت وفضیلت ہے تو اس پر قیاس کا تقاضاہے کہ مونچھوں کا بھی یہی حکم ہے کاٹنا اچھاہے اور منڈوانا زیادہ اچھاہے اور افضل ہے یہ حضرت امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا مذہب ہے۔[1137]

علامہ ابو بکر جصاص حنفی ص متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ولما کان التقصیر مسنونا فی الشارب عند الجمع کان الحلق افضل قال النبی علیه السلام رحم الله المحلقین ثلاثا ودعا للمقصرین مرة فجعل حلق الرأس افضل من التقصیر۔

اور جب مونچھوں کے بال چھوٹے کرنا سب کے نزدیک مسنون ہے تو پھر حلق یعنی مونڈ دینا افضل ہو گا کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ مونڈنے والوں پر رحم فرمائے۔ آپ

[1136] (صحیح البخاری، ج۳،ص ۵۶۱،رقم: ۱۷۲۷،وصحیح مسلم، ج۲،ص۹۴۵،رقم:۱۳۰۱،۳۱۷،و مشکوٰۃ المصابیح،کتاب المناسک،باب الحلق ص۲۳۲،قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1137] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھة،ج۲،ص۳۰۸،مکتبہ حقانیہ ملتان)

ﷺ نے تین بار یہ دعا کی اور چھوٹے کرانے والوں کے لئے ایک دفعہ دعا کی تھی۔اس لیے آپ ﷺ نے سر کے بال مونڈنے کو سر کے بال چھوٹے کرانے سے افضل قرار دیا۔[1138]

مولوی رحمت اللہ ابن ملا موسیٰ مندوخیل لکھتے ہیں:

بریتونہ د حاجی پر سر قیاس دی چی مقصود لہ دواوصفائي او ازلہ داذی دہ نو اچی د حاجی لپارہ قصر رواوو حلق افضل دی، ھمداسی د بریتو کتیل رواوو خریل یي بھتر دی۔ طحاوی، دعامہ، محیط، ہندیہ، عینی، اختیار ، وغیرہ۔

مونچھوں کو حاجی کے سر کے بالوں پر قیاس کیا گیا ہے، یعنی جس طرح حاجی کے لئے بال تراشنا جائز اور مونڈنا افضل واحسن وبہتر ہے۔ طحاوی، دعامہ، محیط، ہندیہ، عینی، اختیار، وغیرہ۔[1139]

مونچھیں مونڈنے میں دینی اور دنیاوی حکمت

امام جلال الدین سیوطی، شافعیص، متوفی، ۹۱۱ھ، اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامیص ، حنفی متوفی، ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

قال الشیخ ولی الدین العراقی فی شرح سنن ابی داؤد الحکمۃ فی قص الشوارب أمر دینی وهو مخالفۃ شعار المجوس فی احفائہ کما ثبت التعلیل بہ فی الصحیح و أمر دنیوی وھو تحسین الھیئۃ و التنظیف مما یعلق بہ من الدھن و الاشیاء التی تلتصق بالمحل کالعسل والاشربۃ ونحوھا وقد یرجع تحسین الھیئۃ الی الدین أیضا لانہ یؤدی الی قبول قول صاحبہ وامتثال أمرہ من أرباب الامر کالسلطان و المفتی والخطیب ونحوھم ولعل فی قولہ تعالٰی: وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔(المؤمن: ۶۴، التغابن: ۳) اشارۃ الیھا فانہ یناسب الامر بما یزید فی ھذا کأنہ قال قد أحسن صورکم فلا تشوّھا بما یقبحھا و کذا قولہ تعالی حکایۃ عن

[1138] (احکام القرآن، ج، ۱، ص، ۲۸، سھیل اکیڈیمی لاھور)

[1139] (رحمتِ بیان شرح رشید البیان، باب دی پہ بیان دسنتو داسلام کیی، ص، ۳۲۱، صدیقی کتب خانہ کوئٹہ)

ابلیس: وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ۔(النساء: ۱۱۹) فان ابقاء مایشوّہ الخلقة تغییر لها لکونه تغییر الحسنها ذکر ذلک کله الشیخ تقی الدین السبکی و مقتضاء تأدی السنة بحصول مسمی القص لکن فی الصحیحین من حدیث ابن عمر احفوا الشوارب وهو دال علی استحباب قدر زائد علی القص ویساعده المعنی الذی شرع قص الشارب لاجله وهو اما مخالفة شعار المجوس اوزوال المفاسد المتعلقة ببقائه فاخذ بعضهم بظاهر قوله احفوا وذهب الی استئصاله وحلقه والیه ذهب ابن عمر وبعض التابعین وهو قول الکوفیین ومنع آخرون الحلق والاستئصال وهو قول مالک واختاره النووی وفی المسئلة قول ثالث انه مخیر بین الامرین حکاه القاضی عیاض۔

شیخ ولی الدین عراقی ص شرح سنن ابی داوٗد میں مونچھیں کاٹنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مونچھیں مونڈنا خالص دینی معاملہ ہے اور یہ مجوسیوں کے شعار کی مخالفت ہے، کیونکہ وہ مونچھیں بڑھاتے ہیں جیسا کہ روایات صحیحہ سے اس کی علت ثابت ہے اور یہ دنیوی معاملہ بھی ہے کہ اس سے شکل و صورت اچھی دکھائی دیتی ہے جبکہ اس میں منہ کے متعلق امور میں نفاست کا بھی اہتمام ہے اور وہ چیزیں اس مقام سے چھوتی ہیں جیسے شہد اور پینے کی چیزیں وغیرہ (ان سے بھی حفاظت ہوتی ہے) اسی طرح اچھی وضع قطع دین سے بھی تعلق رکھتی ہیں کیونکہ اس طرح دین والے کے احکام کی بجاآوری بھی ہوتی ہے اور اس میں اہلِ اقتدار جیسے حاکم وقت، مفتی اور خطیب وغیرہ کے لیے بھی تعمیلِ ارشاد کا سامان ہے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہو:

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔اور تمہاری صورتیں بنائیں تو تمہاری اچھی صورتیں بنائیں۔[1140]

[1140] (المؤمن:٦٤، التغابن:٣)

پس بے شک اس امر کے مناسب ہے جو اس میں اضافہ ہے گویا کہ فرمایا تحقیق تمہاری صورتیں بہت اچھی ہیں تو تم ان کو بد شکل نہ بناؤ جس کے سبب وہ قبیح ہو جائیں اور اسی طرح ابلیس کے متعلق اس آیت میں ہے: وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ (النساء: ۱۱۹)

اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دینگے۔

پس بے شک بری صورت کو باقی رکھنا اس کے حسن کی تبدیلی کی وجہ سے اس کی پیدا کی ہوئی چیز کو تبدیل کرنا ہے۔ یہ سب کلام شیخ تقی الدین (ابن دقیق العید) سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (بالمعنی "شرح الالمام" میں) بیان کیا ہے۔ (شیخ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے :) اس کا مقتضی یہ ہے کہ مونچھیں کاٹنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی، لیکن صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت "مونچھیں جڑ سے کاٹو" تراشنے سے زیادہ کاٹنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے اور اس سے ان مقاصد کی بھی تائید ہوتی ہے جن کے حصول کے لیے مونچھوں کو کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ مقاصد یا تو مجوسیوں کے طریقے کی مخالفت ہے یا پھر مونچھیں رکھنے کی قباحتوں کا ازالہ ہے لہٰذا "احفوا" کے ظاہری الفاظ سے بعض علماء (احناف وغیرہ) نے استدلال کیا اور مونچھوں کو جڑ سے اکھاڑنے اور مونڈنے کا موقف اختیار کیا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، بعض ائمہ تابعین اور اہل کوفہ (یعنی ائمہ احناف) نے اسی کو اختیار کیا ہے، جبکہ بعض دوسرے علماء نے جڑ سے اکھاڑنے اور مونڈنے سے منع کیا ہے اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی کو اختیار ہے، اسی مسئلہ میں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ آدمی کو ان دونوں

امور میں سے کسی ایک کو اپنانے کا اختیار ہے یہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا ہے۔[1141]

امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی ص، متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ویتعلق بهذه الخصال مصالح دينية ودنيوية تدرك ذلك بالتتبع، منها تحسين الهيئة، وتنظيف البدن جملة وتفصيلاً، والاحتياط للطهارتين، والاحسان الى المخالط والمقارن بكف مايتأذى به من رائحة كريهة، ومخالفة شعار الكفار من المجوس واليهود والنصارىٰ وعباد الأوثان، وامتثال أمر الشارع، والمحافظة على ما أشار اليه قوله تعالى: وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ (المؤمن: ٦٤، التغابن: ٣) لمافي المحافظة على هذه الخصال من مناسبة ذلك۔ وكان قيل قد حسنت صوركم فلاتشوهوها بمايقبحها، أو حافظوا على مايستمر به حسنها، وفي المحافظة عليها على المروءة وعلى التآليف المطلوب، لأن الانسان اذابدافي الهيئة الجميلة كان أدعى لانبساط النفس اليه، فيقبل قوله، ويحمد رأيه، والعكس بالعكس۔

اوران خصلتوں کے ساتھ دینی اور دنیاوی مصلحتیں تعلق رکھتی ہیں جو تلاش کرنے سے پائی جاتی ہیں، اور ان میں شکل وصورت کو آراستہ کرنا ہے، اور بدن کو اجمالی اور تفصیلی طور پر پاک، ستھرا کرنا ہے، اور دونوں پاکیزگیوں کے لیے احتیاط ہے، اور جو بدبو تکلیف دیتی ہے ہم نشین اور ملنے والوں کو اس کو دور کر کے احسان کرنا ہے، اور کفار، مجوس، یہود، نصاریٰ اور بت پرستوں کے شعار کی مخالفت کرنا ہے، اور شارع کا حکم بجالانا ہے، اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایاہے اس کی حفاظت کرناہے: وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ اور تمہاری تصویر کی تو تمہاری اچھی صورت بنائی۔[1142]

[1141] (مجموعہ رسائل سیوطی، بلوغ المآرب فی قص الشوارب، ج، ا، ص، ۱۲۷، ۱۲۶، دار الاخلاص لاہور، الفتاویٰ تنقیح الحامدیة، ج، ۲، ص، ۳۶۳، ۳۶۴، المکتبة الحبیبیة، کوئٹه)

[1142] (المؤمن: ٦٤، التغابن: ٤)

اس لیے کہ ان خصائل کی حفاظت کرنے میں اس کی مناسبت ہے،اور گویا کہ ارشاد فرمایا گیا میں نے تمہاری صورتوں کو حسین بنایا ہے تو تم ان کو بد صورت نہ بناؤ جس کے سبب صورتیں قبیح ہو جائیں ،یا جس کے ساتھ صورتوں کے حسن کا تسلسل قائم رہتا ہے اس کی حفاظت کرو،اور ان کی حفاظت کرنے میں مطلوب کی الفت پر اور مروءت پر حفاظت کرنا ہے،اس لیے کہ انسان جب خوبصورتی کی حالت میں ظاہر ہوتا ہے تو نفس اس کو خوشی سے بلاتا ہے،تو اس کی بات کو قبول کرتا ہے ،اور اس کی رائے کی تعریف کرتا ہے،اور عکس ہو تو معاملہ بر عکس ہوتا ہے۔[1143]

امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

وأغرب القاضی أبو بکر بن العربی فقال:عندی أن الخصال الخمس المذکورة فی هذا الحدیث کلها واجبة،فان المرء لو ترکها لم تبق صورته علی صورة الآدمیین فکیف من جملة المسلمین،کذا قال "شرح الموطأ" وتعقبه أبو شامة بأن الأشیاء التی مقصودها مطلوب لتحسین الخلق وهی النظافة لاتحتاج الی ورود أمر ایجاب للشارع فیها اکتفاء بدواعی الأنفس فمجرد الندب الیها کاف۔

قاضی ابو بکر بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زیادہ غریب بات فرمائی:میرے نزدیک اس مذکورہ حدیث میں پانچوں خصلتیں تمام واجب ہیں،اس لیے کہ اگر آدمی ان کو چھوڑ دے تو اس کی شکل آدمیوں کی شکل پر نہیں رہتی تو وہ منجملہ مسلمانوں میں سے کیسے ہو گا،اسی طرح "شرح الموطا" میں فرمایا ہے۔اور ابو شامہ اس کا تعاقب کیا ہے جن چیزوں کا مقصود بدن کی تحسین کے لیے مطلوب ہے اور وہ نظافت،ستھرائی ہے،امرِ ایجابی کے ورود کا محتاج نہیں ہوتا،اس میں شارع کے لیے نفوس کے دواعی پر اکتفاء کرنا ہوتا ہے تو اس کی طرف صرف بلانا کافی ہے۔[1144]

[1143] (فتح الباری شرح صحیح البخاری،کتاب اللباس باب قص الشارب،ج،۱۱،ص،۲۸۷،دار لکتب العلمیہ بیروت)

[1144] (فتح الباری شرح صحیح البخاری،کتاب اللباس باب قص الشارب،ج،۱۱،ص،۲۸۸،دار لکتب العلمیہ بیروت)

مونچھیں منڈوانے کو قبیح سمجھنا کفر ہے

علامہ ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ، اور علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۷۰ھ، اور علامہ شیخ قاری علی بن سلطان محمد القادری النقشبندی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ، علامہ بن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

كفّر الحنفية بألفاظ كثيرة، وأفعال تصدر من المتهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمداً، بل بالمواظبة على ترك سنة استخفافا بها بسبب أنها فعلها النبيّ ﷺ زيادة، أو استقباحها، كمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه أو احفاء شاربه۔

احناف نے ان کثیر الفاظ اور افعال کے ساتھ آدمی کے کافر ہو جانے کا ذکر فرمایا جو بے پرواہ اور جری لوگوں سے صادر ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ الفاظ اور افعال دین کے استخفاف پر دلالت کرتے ہیں ۔مثلاً جان بوجھ کر بغیر وضو کے نماز پڑھنا، بلکہ اس شخص کی بھی تکفیر کی ہے جو شخص سنت کو ہلکا (بے وقعت) سمجھتے ہوئے اس کے ترک کرنے پر اس لئے ہمیشگی اختیار کرتا ہے کہ یہ تو نبی علیہ السلام کا ایک اضافی اور زائد عمل ہے، یا اس سنت کو قبیح سمجھتے ہوئے جیسے کہ کوئی شخص کسی کے عمامہ کے ایک حصہ کو حلق کے نیچے رکھنے کو قبیح سمجھے یا مونچھوں کے منڈوانے کو قبیح سمجھے۔[1145]

[1145] (المسامرۃ الخاتمۃ فی بحث الایمان، ص، ۲۹۶، ۲۹۵، مکتبہ نوریہ رضویہ، لاھور، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب السیر ،باب احکام المرتدین ، ج، ۵، ص، ۲۰۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، شرح فقہ اکبر ،استحلال المعصیۃ ،ص، ۱۵۲ ،میر محمد کتب خانہ کراچی، ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الجہاد، باب المرتد، ج، ۶، ص، ۳۵۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ شیخ قاری علی بن سلطان محمد القادری النقشبندی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

وفی الظهيرية: من قال لفقيه أخذ شاربه: ماأعجب قبحا أو أشدّ قبحا ولفّ طرف العمامة تحت الذقن يكفر، لأنه استخفاف بالعلماء، يعنى مستلزم لاستخفاف الانبياء عليهم السلام، لأن العلماء ورثة لأنبياء عليهم السلام، وقصّ الشارب من سنن الأنبياء عليهم السلام، فتقبيحه كفر بلا اختلاف بين العلماء۔ وفی الخلاصة: من قال قصصت شاربک وألقيت العمامة على العاتق استخفافا يعنى بالعالم أو بعلمه فذلک كفر، أو قال ماأقبح امرأ قص الشارب ولفّ طرف العمامة على العنق، كذا فی الخلاصة للحميدى، وفيه: ان عادته للتاكيد۔

اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے جس شخص نے کسی ایسے فقیہ سے کہا جس نے مونچھیں کاٹی ہوئی ہوں ، کتنی عجیب وغریب شکل ہے یا کتنی بری شکل ہے کہ مونچھیں کاٹی ہوئی ہیں ، اور اپنے عمامے کا پلو (کنارہ) ٹھوڑی کے نیچے سے لپیٹا ہوا ہے تو ایسا شخص کافر ہو جائے گا ، کیونکہ اس نے علماء کا استخفاف (توہین) کیا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کے استخفاف کو مستلزم ہے کیونکہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور مونچھیں کاٹنا انبیاء کی سنت ہے۔ پس اس کو برا سمجھنا بلا اختلافِ علماء کفر ہے۔ اور خلاصہ میں ہے جس نے کسی عالم دین سے کہا تو نے اپنی مونچھیں کاٹی ہوئی ہیں اور عمامہ کندھے پر لٹکایا ہوا ہے استخفاف کے طور پر یعنی کسی عالم کے ساتھ یا اس کے علم کی وجہ سے تو یہ کافر ہو گیا، یا اس نے کہا کتنا ہی برا ہے یہ شخص جس نہ مونچھیں کاٹی ہوئی ہیں اور عمامے کا کنارہ اپنی گردن پر لپیٹا ہوا ہے ۔ اور ایسے ہی خلاصہ حمیدی میں ہے ،اس صورت میں اگر اس نے اپنے جملے کو تاکید کے لیے دہرایا۔[1146]

[1146] (شرح فقہ اکبر، فصل فی العلم والعلماء، ص، ۱۷۳ ، میر محمد کتب خانہ کراچی)

وفی مجموع النوازل رجل قال چه بکار آید سبلت پست کافر شود۔ لانه استخفاف بالسنة۔

اور مجمع النوازل میں ہے ایک شخص نے کہا مونچھوں کے کنارے پست کرنا کیا کام آئے گا، کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ سنت کا استخفاف ہے۔[1147]

مونچھیں بڑھانا شیعہ کی علامت ہے

علامہ محمد شہاب الدین بن بزار کردری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حنفی، متوفی، ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

قص الشارب امارة اهل السنة والجماعة وتركه امارة الرفض۔

مونچھیں کا ٹنا اہل سنت و جماعت کی علامت ہے اور مونچھوں کو چھوڑنا (یعنی بڑی رکھنا) روافض (شیعہ) کی علامت ہے۔[1148]

علامہ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

فسبحانه ماسخف عقول قوم طرحوا الشارب واحفوا اللحى عكس ماعليه فطرة جميع الامم، قدبدلوا فطرتهم نعوذ بالله۔

سبحان اللہ کس قدر ناقص عقل ہے ان لوگوں کی جنہوں نے مونچھیں بڑھائیں اور داڑھیاں چھوٹی کیں بر عکس اس خصلت کے جس پر تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں کی فطرت ہے انہوں نے اپنی اصل خلقت ہی بدل دی خدا کی پناہ۔[1149]

[1147] (خلاصة الفتاوىٰ، ج، ۴، ص، ۳۸۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، فتاوىٰ برهنه، ج، ۱ ص، ۱۲۵، مکتبہ عربیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

[1148] (الفتاوىٰ البزازية، كتاب السير فی الحظر والاباحة، ج، ۲ ۴۳۲، ۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، الوسيلة الاحمدية والذريعة السرمدية فی شرح الطريقة المحمدية على هامش بريقه، ج، ۴، ص، ۱۷۳، مكتبة العلوم الدينية كوئٹہ)

[1149] (كواكب الدرارى شرح صحيح بخارى امام كرمانى، ومجمع بحار الانوار، باب الفا مع الطاء، تحت لفظ "فطر"، ج، ۴، ص، ۱۵۸، مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ)

مونچھیں بڑھانا مکروہ ہے

مولانا ابو سعید خادمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور شیخ رجب بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فی شرح شرعة الاسلام اراد به النهی عما یفعله الاعاجم و الافرنج من قص اللحیة وتوفیر الشارب فانه مکروہ۔

شرعۃ الاسلام کی شرح میں ہے کہ اس منع کرنے سے مراد اس چیز سے منع کرنا ہے جس کو پارسی اور فرنگی کرتے ہیں ،داڑھی کاٹتے ہیں اور مونچھیں بڑھاتے ہیں ،پس بے شک یہ مکروہ ہے۔[1150]

لمبی مونچھیں رکھنا بدعت ہے

موئے لب راپست داشتن سنت است و دراز داشتن بدعت است دراز نشاید داشتن کہ بشومی بدعت بود (ای شاید) کہ آب بحرف ای کنارۂ لب نرسد طہارت درست نبود و نماز روانی۔

مونچھوں کو پست رکھنا سنت ہے اور لمبی رکھنا بدعت ہے، لمبی نہیں رکھنی چاہیے ،بدعت کی نحوست ہوتی ہے (یعنی شاید) کہ پانی ہونٹ کے کنارے کو نہ پہنچے ، طہارت نہ ہوئی ،نماز جائز نہیں۔[1151]

[1150] (بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة ،ج، ۴،ص، ۱۷۴ ،مکتبة العلوم الدینیة کوئٹہ، الوسیلة الاحمدیة و الذریعة السرمدیة فی شرح الطریقة المحمدیة علی هامش بریقه ،ج، ۴،ص، ۱۷۴ ،مکتبة العلوم الدینیة کوئٹہ)

[1151] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت ،ج، ۱ ،ص، ۸۰ ،درطبع محمدی تاجران کتب بمبئی، هدایة الابرار الیٰ طریقة الاخیار ،الفصل الثانی فی حرمة البقاء الشوارب و لزوم اخذها ،ص، ۱۹ ،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

مونچھیں کاٹنا سنت مؤکدہ ہے

وأما الأخذ من الشارب فليس كالأخذ من اللحية والرأس لكنه سنة مؤكدة۔

اور بہر حال مونچھیں کاٹنا داڑھی اور سر کے کاٹنے کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔[1152]

مونچھیں دائیں جانب سے کاٹنا شروع کرنا مستحب ہے

امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

يستحب أن يبدأ في قص الشارب باليمين۔

مونچھیں کاٹنے میں دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے۔(اس لیے کہ نبی کریم ﷺ دائیں جانب سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے)[1153]

جمعہ کے دن مونچھیں مونڈنا، افضل و مستحب ہے

ملا علی قاری حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۱۰۱۴ھ، اور علامہ نظام الدین حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

وفي القنية الأفضل أن يقلم أظفاره ويحفي شاربه ويحلق عانته وينظف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة ،فان لم يفعل ذلک ،ففي كل خمسة عشر يوماً ولاعذر في تركه وراء الأربعين۔فالأسبوع هو الأفضل والخمسة عشر هو الأسط،والأربعون هو لأبعد ولا عذر فيما وراء الأربعين،ويستحق الوعيد عندنا۔

[1152](شعب الایمان، ج،۵،ص، ۲۲۱،رقم:۶۴۴۰،دار الکتب العلمیہ بیروت)

[1153](فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج،۱۰،ص،۲۹۵،دار المرفۃ بیروت)

اور "القنیہ" میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ آدمی یہ درج ذیل کام ہر ہفتہ میں ایک بار کر لیا کرے :(۱)اپنے ناخن کاٹنا(۲)اپنی مونچھوں کو جڑ سے ختم کرنا(۳)اپنے زیر ناف بال مونڈنا(۴)اپنے بدن کو غسل کر کے صاف کرنا۔ اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر ہر پندرہ دن میں ایک بار کرے،اور چالیس دن تک چھوڑنے میں کوئی عذر قبول نہیں ہو گا۔لہٰذا ایک ہفتہ کی مدت افضل ہے،پندرہ دن کی درمیانی مدت ہے اور چالیس دن کی مدت انتہائی مدت ہے اور چالیس دن سے زیادہ مؤخر کرنا کوئی عذر قبول نہیں ہو گا،ہمارے نزدیک وعید کا مستحق ٹھہرے گا۔[1154]

کبار علماء اسلام لکھتے ہیں:

ذهب الفقهاء الى أنه يستحب لمن يريد حضور الجمعة تحسين هيئته بقص الشارب وغير ذلك من الأمور المندوبة في ذلك اليوم۔

فقہاء کا مذہب ہے کہ یہ مستحب ہے اس شخص کے لیے جو جمعہ کی حاضری کا ارادہ رکھتا ہے وہ مونچھیں کاٹ کر اور اس دن اس کے علاوہ جو کام مندوب، مستحب ہیں کر کے اپنی شکل و صورت کو حسین بنالے۔[1155]

کبار علماء اسلام لکھتے ہیں:

وذهب جمهور الفقهاء الى ان الأخذ من الشارب يكون قبل حضور صلاة الجمعة، ولكن الحنفية قالوا:ان حلق الشعر يوم الجمعة بعد الصلاة افضل لتناله بركة الصلاة۔

[1154] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ،کتاب اللباس ،باب الترجل ،ج،۸،ص،۲۷۵، ۲۷۴،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ،فتاویٰ عالمگیری،کتاب الکراھیۃ باب الختان و الخصاء،ج،۵،ص،۴۳۷،قدیمی کتب خانہ کراچی)

[1155](الموسوعۃ الفقھیۃ،ج،۲۵،ص،۳۲۲،مکتبہ علوم اسلامیہ بلوچستان)

اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ نماز جمعہ میں حاضر ہونے سے پہلے مونچھیں کاٹی جائیں، اور لیکن احناف فرماتے ہیں: بے شک بالوں کو مونڈنا جمعہ کے دن نماز کے بعد افضل ہے تا کہ وہ نماز کی برکت کو حاصل کر لیں۔[1156]

کبار علماء اسلام لکھتے ہیں:

وعللوا الأخذ من الشارب كل جمعة بأنه اذا ترك يصير وحشا۔

اور فقہاء کرام نے ہر جمعہ کو مونچھیں کاٹنے کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ جب چھوڑ دے گا تو وحشی ہو جائے گا۔ (یعنی شکل وحشیانہ نظر آئے گی)[1157]

لمبی مونچھوں والے کے جھوٹے پانی کا شرعی حکم

سوال: یہ کہ لبوں کے بال بڑھے ہوئے شخص کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے؟

جواب: اگر اسے وضو نہ تھا اس حالت میں اس نے پانی پیا اور لبوں کے بال پانی کو لگے تو پانی مستعمل ہو گیا، مستعمل پانی کا پینا ہمارے امام (ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اصل مذہب میں حرام ہے، ان کے نزدیک وہ پانی ناپاک ہو گیا خود اس نے جو پیا، ناپاک پیا اور اب جو پیئے گا ناپاک پیئے گا، اور مذہب مفتٰی بہ پر مستعمل پانی پینا مکروہ ہے، اس نے جو پیا مکروہ پیا اور اب جو بچا ہوا پیئے گا مکروہ پیئے گا، ہاں اگر اسے وضو تھا یا منہ دھلا تھا تو شرعاً حرج نہیں، اگرچہ اس کی مونچھوں کا دھوون پینے سے قلب کراہت کرے گا۔[1158]

[1156] (بدائع الصنائع ،ج،۱،ص،۲۶۹،جواهر الاكليل ،ج،۱،ص،۹۶،كفاية الطالب ،ج،۱،ص،۲۹۶،اسنی المطالب ،ج،۱،ص،۲۶۶،كشاف القناع،ج،۲،ص،۴۲،مطالب اولی النهی،ج،۱،ص،۸۷،ردالمحتار،ج،۱،ص،۵۸۱،دارالکتب العلمیه بیروت،الموسوعةالفقهية،ج،۲۵،ص،۳۲۳،مکتبہ علوم اسلامیہ بلوچستان)

[1157] (مطالب اولی النهی ،ج،۱،ص،۸۷،۸۵،،ج،۲،ص،۴۲۵،الموسوعة الفقهية ،ج،۲۵،ص،۳۲۲،مکتبہ علوم اسلامیہ بلوچستان)

[1158] (فتاویٰ رضویہ،ج،۲۲،ص،۶۰۶،رضافاؤنڈیشن لاہور)

لمبی مونچھیں رکھنے والے کا شرعی حکم

سوال: داڑھی منڈوانے والے، کترنے والے، لبوں (مونچھوں) کے بال بڑھانے والے کس خطا کے مرتکب ہیں ان کی نسبت کیا حکم ہے؟

جواب: حدِ شرع سے کم داڑھی رکھنا یا حدِ شرع سے زیادہ مونچھیں رکھنا سب خلافِ شرع اور مجوسیوں کی سنت اور نصرانیوں کی عادت ہے، آدمی اس سے گنہگار ہوتا ہے اور اس کی عادت رکھنے سے فاسق ہوجاتا ہے۔[1159]

ورسول علیہ السلام فرمودہ است کہ فردای قیامت آمنا وصدقنا اہل عرصات سجدہ آرند مر پروردگار را سجدہ تحیت مگر کافران را ایشان سجدہ آوردن نتوانند و سرہای ایشان ہمچو سرون گاؤ راست ماندہ باشد و کسانی کہ در دنیا لب را دراز داشتہ اند آن مویہای ایشان در زمین استوار شدہ باشند ہمچون نیزہ ہا وایشان مانع باشب از آوردن سجدہ تا اہل عرصات فرق نتوانند کرد میان ایشان ومیان کافران۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کل قیامت پر ہم ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی اہل قیامت خاص پروردگار کو سجدہ تحیت کریں گے مگر کافر اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کر سکیں گے اور ان کے سر بیل کے سینگوں کی طرح ہوں گے اور جس شخص نے دنیا میں مونچھیں لمبی رکھی ہوں گی ان کے

[1159](فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۲۰۶، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

بال نیزوں کی طرح زمین میں مضبوط ہوں گے اور انہیں سجدہ کرنے سے رکاوٹ ہو گی، یہاں تک کہ اہل قیامت ان میں اور کافروں میں فرق نہیں کر سکیں گے۔[1160]

وسید امام ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ ،در سیر کبیر آوردہ است کہ اگر در معرکہ گاہ مؤمنان باکافران کشتہ شوند مؤمنان راازکافران بچہ طریق فرق کنند مومنان رابچہار چیز فرق توان کردن بموی روی رنگ کردہ وسنت فرج وموی لب پست بود وجامہ سیاہ تا اگر یکے راسنت فرج (ای ختنہ کردہ نشدہ) نبود ولیکن موئ لبش پست بود ویرا حکم کنیم باسلام وی ودر گورستان مؤمنان دفن کنند واگر موئ لب وی دراز بود ولیکن بسنتِ فرج نبود ویرا حکم نکنیم باسلام وی وبحناک دفن نہ کنند۔

اورسید امام ناصر الدین فرماتے ہیں کہ، سیر کبیر میں آیاہے کہ اگر مومن، کافروں کے ساتھ میدان جنگ میں قتل کئے جائیں، تومومنوں کو کافروں سے کس طریقہ کے ساتھ فرق کریں گے ؟مومنوں میں چار چیزوں کے ساتھ فرق کیا جاسکتا ہے۔(۱) چہرہ کے بالوں کو رنگ کیے ہونے کے ساتھ ،(۲)اور شرمگاہ کی سنت یعنی ختنہ کیاہوا ہو ،(۳)اور مونچھوں کے بال پست ہوں ،(۴)اور کپڑے سیاہ پہنے ہوئے ہو۔ یہاں تک کہ اگر ایک کی شرمگاہ کی سنت (ختنہ کیاہوا) نہ تھااور لیکن اس کی مونچھوں کے بال پست تھے اس کے مسلمان ہونے کا حکم لگائیں گے اور مومنوں کے قبرستان میں

[1160] (صلوٰۃمسعودی،باب ھشتم دربیان طھارت،ج،۱ ،ص،۸۱ ،درطبع محمدی تاجران کتب بمبئی)

دفن کریں گے، اور اگر اس کی مونچھوں کے بال لمبے ہوں اور ختنہ نہ کیا ہوا ہو اس پر مسلمان ہونے کا حکم نہیں لگائیں گے اور مٹی میں دفن نہیں کیا جائے گا۔[1161]

مونچھیں منڈانے کے متعلق سوالات کے جوابات

مونچھیں مونڈنا بدعت ہے؟ کا جواب

سوال: مونچھیں مونڈنا ممنوع اور بدعت ہے، اس لیے اسے ترک کرنا چاہیے۔

علامہ اسماعیل حقی، حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، متوفی، ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

والسنۃ تقصیر الشارب وحلقہ بدعۃ۔

مونچھوں کا پست کرنا سنت ہے اور ان کو مونڈنا بدعت ہے۔[1162]

مونچھیں مونڈنا بدعت ہے جیسا کہ درج ذیل کتابوں میں بھی لکھا ہے۔[1163]

جواب: علامہ ابن عابدین شامی حنفی ص، متوفی، ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

لابد للمفتی أن یعلم حال من یفتی بقولہ، ولا یکفیہ معرفتہ باسمہ ونسبہ، بل لابد من معرفتہ فی الروایۃ، ودرجتہ فی الدرایۃ، وطبقتہ من طبقات الفقہاء، لیکون علی بصیرۃ فی التمییز بین القائلین المتخالفین وقدرۃ کافیۃ فی الترجیح بین القولین المتعاضین:

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اسے اس کا حال معلوم ہو کہ وہ جس کے قول پر فتویٰ دے رہا ہے، اور صرف اس کے نام اور اس کے نسب کی معرفت کافی نہیں ہے، بلکہ روایت میں اس کی معرفت

1161 (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج، ۱، ص، ۸۱، درطبع محمدی تاجران کتب بمبئی، وھدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص، ۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

1162 (تفسیر روح البیان، ج، ۱، ص، ۲۲۲)

1163 (الفتاویٰ السراجیۃ، کتاب الکراھۃ ولاستحسان، باب المتفرقات، ص، ۳۳۷، زم زم پبلشرز کراچی، حاشیہ جلالین ص، ۱۸، حاشیہ نمبر ۳۳، قدیمی کتب خانہ کراچی، روح البیان، ج، ۱، ص، ۲۲۲، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ج، ۸، ص، ۲۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

،اور درایت (عقل و فہم) میں اس کے درجہ سے واقفیت ضروری ہے،اور یہ کہ طبقات فقہاء میں سے وہ کون سے طبقہ سے تعلق رکھتاہے،تاکہ بصیرت کے طور پر دو مخالف اقوال کے درمیان تمیز کرسکے اور دو متعارض اقوال کے درمیان ایک قول کو ترجیح دینے میں کافی قدرت رکھتاہو۔[1164]

فقہاء کے سات طبقات

الأولى: طبقة المجتهدين فى الشرع كلأئمة الأربعة رضى الله عنهم ومن سلك مسلكا فى تأسيس قواعد الأصول، واستنباط أحكام الفروع عن الأدلة الأربعة من غير تقليد لأحد، لا فى الفروع ولا فى الأصول۔

الثانية: طبقة المجتهدين فى المذهب، كأبى يوسف ومحمد وسائر أصحاب أبى حنيفة، القادرين على استخراج الأحكام عن الأدلة المذكورة على حسب القواعد التى قررها أستاذهم، فانهم وان خالفوه فى بعض أحكام الفروع، لكنهم يقلدونه فى قواعد الأصول۔

الثالثة: طبقة المجتهدين فى المسائل التى لا رواية فيها عن صاحب المذهب، كالخصاف، وأبى جعفر الطحاوى، وأبى الحسن الكرخى، وشمس الأئمة الحلوانى، وشمس الأئمة السرخى، وفخر الاسلام البزدوى، وفخر الدين قاضى خان وغيرهم، فانهم لا يقدرون على مخالفة الامام لا فى الأصول ولا فى الفروع، لكنهم يستنبطون الأحكام فى المسائل التى لا نص فيها على حسب الأصول قررها ومقتضى قواعد بسطها۔

الرابعة: طبقة أصحاب التخريج من المقلدين كالرازى وأضرابه، فانهم لا يقدرون على الاجتهاد أصلاً، لكنهم لاحاطتهم بالأصول، وضبطهم للمأخذ يقدرون على تفصيل قول مجمل ذى وجهين، وحكم محتمل لأمرين، منقول عن صاحب المذهب، أوعن أحد من أصحابه المجتهدين، برأيهم ونظرهم فى الأصول، والمقايسة على أمثاله ونظائره من

[1164] (ردالمحتار علیٰ الدر المختار شرح تنویر الابصار، ۱، ص، ۱۸۰، ۱۷۹، دارالکتب العلمیہ بیروت)

الفروع ۔ وما وقع فی بعض المواضع من "الهداية" من قوله" كذا فی تخريج الكرخی، وتخريج الرازی" من هذا القبيل۔

الخامسة : طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين، كأبی الحسن القدوری، وصاحب "الهداية" وأمثالهما، وشأنهم تفضيل بعض الروايات على بعض آخر، بقولهم هذا أولى، وهذا أصح رواية، وهذا أوفق للقياس وهذا أرفق للناس۔

والسادسة :طبقة المقلدين القادرين على التمييز بين الأقوى والقوی والضعيف، وظاهر الرواية، وظاهر المذهب والرواية النادرة، كأصحاب المتون المعتبرة كصاحب "الكنز"، وصاحب "المختار"، وصاحب "الوقاية"، وصاحب "المجمع"، وشأنهم أن لا ينقلوا الأقوال المردودة، والروايات الضعيفة۔

والسابعة: طبقة المقلدين الذين لا يقدرون على ما ذكر، ولا يفرّقون بين الغث والسمين ۔ولا يميزون الشمال من اليمين، بل يجمعون مايجدون كحاطب ليل، فالويل لمن قلدهم كل الويل۔

پہلا طبقہ:

مطلق مجتہدین کا ہے جنہوں نے شریعت میں اجتہاد کیا جیسے ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک بن انس، امام محمد بن ادریس شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور وہ مجتہدین جو ان کی روش پر چلے ہیں جنہوں نے اصول فقہ کے قواعد کی بنیاد رکھی ہے اور اصول و فروع میں کسی کی تقلید کے بغیر ادلہ اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع، قیاس) سے فروعی احکام مستنبط کئے ہیں۔

دوسرا طبقہ:

مذہب میں مجتہدین کا ہے جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دوسرے تلامذہ جو اپنے استاد کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کی روشنی میں ادلہ اربعہ سے احکام

مستنبط کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔ ان حضرات نے اگرچہ بعض جزئیات میں اپنے استاذ کی مخالفت کی ہے مگر اصول میں وہ اپنے استاذ کی پیری کرتے ہیں۔

تیسرا طبقہ:

مسائل میں مجتہدین کا ہے:

جن جزئیات میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے تلامذہ سے کوئی روایت منقول نہیں یہ حضرات اپنے اجتہاد سے ان کے احکام بیان کرتے ہیں۔

جس طرح امام خصاف، اور امام ابو جعفر طحاوی، اور امام ابو الحسن کرخی ، اور امام شمس الائمہ حلوانی، اور امام شمس الائمہ سرخسی ، اور امام فخر الاسلام بزدوی ، اور امام فخر الدین قاضی خان اور ان جیسے یہ حضرات امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں اور نہ فروع میں البتہ امام عظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجویز کردہ اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھ کر ان جزئیات کے احکام مستنبط کر سکتے ہیں جن کے بارے میں امام عظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی قول مروی نہیں ہے۔

چوتھا اصحابِ تخریج کا طبقہ:

یہ حضرات مقلد ہوتے ہیں مثلاً جصاص رازی اور ان کے ہم رتبہ حضرات ان حضرات میں اجتہاد کی صلاحیت مطلق نہیں ہوتی مگر چونکہ یہ حضرات اصول کو اچھی طرح محفوظ کئے ہوئے ہوتے ہیں اور ان اصول کے ماخذ سے بھی واقف ہوتے ہیں اس لئے صاحب مذہب سے یا ان کے کسی مجتہد شاگرد سے منقول کسی ایسے قول کی جو مجمل اور ذو وجہین ہوتا ہے یا کسی ایسے حکم کی جس میں دو احتمال ہوتے ہیں اپنی خداداد صلاحیت سے اور اپنے امام کے اصول کو پیش نظر رکھ کر اور نظائر و امثال پر

قیاس کر کے تفصیل و تعین کر سکتے ہیں ہدایہ میں جو کہیں آتا ہے کہ یعنی امام کرخی اور امام حصاص رازی نے ان مسائل کی تخریج و تفصیل کی ہے۔

پانچواں اصحابِ ترجیح کا طبقہ:

یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں ان میں بھی اجتہاد کی مطلق صلاحیت نہیں ہوتی جیسے قدوری ،صاحب ہدایہ اوران ہی جیسے دوسرے حضرات۔ ان فقہاء کا کام مختلف روایتوں میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا ہے جس کے لئے عام طورپر یہ تعبیرات اختیار کی جاتی ہے۔ یہ بہتر ہے اس کی روایت زیادہ صحیح ہے۔یہ دلائل کے اعتبار سے زیادہ واضح ہے۔یہ قیاس سے زیادہ ہم آہنگ ہے،اس میں لوگوں کے لئے زیادہ سہولت ہے۔

یہ علماء مقلدین کا وہ طبقہ ہے جنہیں مختلف اقوال میں کسی ایک کو ترجیح دینے کی قدرت ہوتی ہے ،جس طرح ابو الحسن قدوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ،اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ،ان کی شان یہ ہے کہ یہ بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، جیسے ان کا فرمان ہے۔

هذااولی،وهذااصح روایة،وهذاارفق للناس۔

چھٹا اصحابِ تمیز کا طبقہ:

یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں مگر اقویٰ، قوی اور ضعیف کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں نیز ظاہر روایت ظاہر مذہب اور روایت نادرہ کے درمیان فرق کر سکتے ہیں مثلاً متون معتبرہ کنز، مختار، وقایہ اور مجمع کے مصنفین ان حضرات کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں مردود اقول اور ضعیف روایتیں نقل نہیں کرتے۔

ساتواں مقلدین کا طبقہ:

ان فقہاء کا ہے جو مقلد محض ہوتے ہیں اور جو مختلف اقوال میں تمیز بھی نہیں کر سکتے نہ کارآمد اور نکمے کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں، نہ دائیں بائیں میں فرق کر سکتے ہیں بلکہ جو کچھ مل جاتا ہے سب اپنی کتابوں میں جمع کر لیتے ہیں ان کا حال رات میں لکڑیاں چننے والے جیسا ہے اور ان لوگوں کیلئے بڑی خرابی ہے جو ان کی تقلید کرتے ہیں۔

صاحبِ در مختار فرماتے ہیں: ساتویں طبقہ کی مثال ہم ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ان علماء کی ہر اس مسئلہ میں اتباع کریں جس میں انہوں نے کسی حکم کو ترجیح دی ہے یا جس کی تصحیح کی ہے۔ جس طرح وہ زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے۔ (تو ہم اسی پر عمل کرتے، بس اب ہمارا کام نقل کرنا ہے۔)[1165]

علامہ اسماعیل حقی، حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، متوفی، ۱۱۳۷ھ صاحبِ تفسیر روح البیان مذکورہ بالا سات طبقاتِ فقہاء میں سے کسی طبقہ میں نہیں ہیں اس لیے ان کا قول مجتہد فقہاء کے خلاف معتبر نہیں ہے۔

مونچھیں مونڈنے پر بدعت کا اطلاق کرنا باطل ہے۔ کیونکہ بدعت کی تعریف مونچھیں مونڈنے پر سچی نہیں آتی جیسا کہ درج ذیل تعریف میں واضح ہو جائے گا۔

شیخ احمد بن محمد رومی، حنفی، متوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۰۴۳ھ لکھتے ہیں:

البدعة السيئة التى ليس لها من الكتاب و السنة اصل وسند ظاهر اوخفى ،ملفوظ اومستنبط۔

[1165] (ردالمحتار علیٰ الدر المختار شرح تنویر الابصار، ۱، ص، ۱۸۰، ۱۷۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

بدعت سیئہ وہ ہے جس کی اصل نہ قرآن مجید میں اور نہ حدیث شریف میں ہو اور نہ ظاہر یا خفی ،لفظوں سے یا مضمون سے ملتی ہو۔[1166]

اور مونچھیں مونڈنے کو بدعت کہنا اس لیے بھی درست نہیں کہ یہ قول حدیث نبوی ﷺ کے صریح مخالف ہے،اس کے الفاظ اور اصل سنت میں ہے اور وہ سنن کبریٰ،نسائی کی روایت ہے۔

مونچھیں مونڈنا سنت ہے

أخبرنا محمد بن عبداللہ بن یزید المقریء المکی قال حدثنا سفیان عن الزہری عن سعید بن المسیب عن أبی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال:الفطرۃ خمس:الختان و حلق العانۃ و نتف الابط و تقلیم الأظفار و حلق الشارب۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:دین میں پانچ چیزیں قدیم سنت ہیں:

(۱)ختنہ کرنا،(۲)زیرِناف بالوں کو مونڈنا ،(۳) بغل کے بال نوچنا ،(۴)ناخن کاٹنا،(۵)مونچھیں مونڈنا۔[1167]

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ:حلقو االشوارب و اعفو االلحی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:مونچھیں منڈاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔[1168]

[1166] (مجالس الابرار و مسالک الاخیار،المجلس الثامن عشر،ص،۱۴۸ ،سہیل اکیڈیمی،لاہور)

[1167] (سنن الکبریٰ للنسائی،کتاب الطہارۃ،ابواب الفطرۃ، ج،۱،ص،۲۵،رقم:۹،دارالکتب العلمیہ بیروت،کنزالعمال،ج،۶،ص،۶۵۳،رقم:۱۷۲۲۹،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

[1168] (حاشیہ،ہدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار،الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا،ص،۲۷،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

اور اس لیے بھی مونچھوں کے بال مونڈنے پر بدعت کا اطلاق کرنا درست نہیں ہے کیونکہ فقہ حنفی کی معتبر کتب کی تصریحات کے خلاف بھی ہے۔ فقہ حنفی کی کثیر کتب میں مونچھیں مونڈنا سنت لکھا ہے۔ جس کو باحوالہ اس رسالہ میں پہلے ذکر کر دیا گیا ہے وہاں مطالعہ فرمالیں۔

اور مونچھوں کو مونڈنا مقصود ہوتا ہے، صوفیاء اور ان کے علاوہ لوگ کرتے ہیں، جیسا کہ الفتح القدیر اور البحر الرائق اور کفایہ اور عنایہ اور مستخلص میں کتاب الحج باب الجنایات میں ہے۔

اور رہی یہ بات کہ حنفی فقہ کی کتب میں مونچھیں مونڈنا بدعت ہے کا قول مذکور ہے تو اس کا جواب یہ ہے اس قول کو قیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جو کہ اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ملتقی الابحر میں مونچھیں مونڈنے کو سنت لکھا گیا ہے اس کی شرح میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قول ضعیف کی طرف اشارہ کیا۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی، متوفی لکھتے ہیں:

وقیل حلقہ بدعۃ۔

اور قول ضعیف ہے کہ مونچھیں مونڈنا بدعت ہے۔[1169]

اور بدعت کا قول حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے اور یہ دلیل صرف امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے لئے ہے۔ ہم احناف کے لیے نہیں ہے کیونکہ ہم حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں، اور مقلد کے لیے اپنے امام کا قول ہی حجت ہوتا ہے ہم مقلدین کے لیے دوسرے امام کے قول پر بلا ضرورت عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

[1169] (الدر المنتقی فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الکراھیۃ، فصل فی المتفرقات، ج ۴، ۲۲۶، مکتبۃ المنار کانسی روڈ، کوئٹہ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فاما المقلد فانما ولاہ لیحکم بمذہب ابی حنیفۃ فلا یملک المخالفۃ فیکون معزولا بالنسبۃ الی ذلک۔

مقلد کو قاضی صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ وہ اپنے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے آپ کے مذہب کی وہ مخالفت نہیں کر سکتا، اگر کرے تو وہ اس فیصلہ میں معزول ہو گا۔[1170]

علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں:

والعجب من المشایخ کیف یختارون خلاف ظاہر المذہب مع انہ واجب الاتباع علی مقلدی ابی حنیفۃ۔

ان مشائخ پر تعجب ہے کہ وہ کیسے ظاہر مذہب کے خلاف اختیار کرتے ہیں (فتویٰ دیتے ہیں) جبکہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلدین کے لیے آپ ہی کی اتباع لازم ہے۔(نہ کہ دوسرے مذہب کی)۔[1171]

جب سنت وبدعت کے درمیان تردد ہو؟ کا جواب

سوال: فقہاء کے نزدیک مقرر ہے کہ جب سنت اور بدعت کے درمیان حکم متردد ہو تو فعلِ بدعت پر ترکِ سنت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

جواب: قلنا ان رجحان ترک السنۃ علی فعل البدعۃ او المکروہ فیما اذا کان الروایتان منسوبتین الی صاحب المذہب وھنا لیس الامر کذلک، لان روایۃ بدعیۃ حلق الشارب غیر

[1170](ردالمختار، ج،۳، ص، ۳۲۷، جدید ایڈیشن، ج،۵، ص، ۴۵۸)

[1171](البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب المفقود، ج،۵، ص،۲۷۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

منسوبة الیہ لانہ لم یوجد عن ابی حنیفة روایة بدعیة اصلا ,لا فی فی کتب المتقدمین ولا فی کتب المتاخرین بل روایةبدعیةمنسوبةالی مالک۔۔وروایة کراھیةمنسوبةالی الشافعی۔

فعلِ بدعت یا مکروہ پر ترکِ سنت کا رجحان اس صورت میں ہوتا ہے جب صاحب مذہب کی طرف دو روایتیں منسوب ہوں ،اور یہاں اس طرح کا معاملہ نہیں ہے،اس لیے کہ مونچھیں مونڈنا بدعت کی روایت صاحبِ مذہب کی طرف منسوب نہیں ہے،اس لیے کہ بدعت کی روایت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اصلاً پائی ہی نہیں گئی،نہ متقدمین کی کتب میں اور نہ متاخرین کی کتب میں ،بلکہ بدعت کی روایت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہے۔۔۔اور مکروہ کی روایت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہے۔[1172]

اختلاف سے نکلنا مستحب ہے؟کا جواب

سوال:فقہاء کے نزدیک اختلاف کی جگہ سے خروج مستحب ہے تو مونچھیں منڈانے سے بچنا مناسب ہے،اس لیے کہ اس میں امام مالک کا اختلاف ہے،ان کے نزدیک مونچھیں منڈانا بدعت ہے۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے،ان کے نزدیک مونچھیں منڈانا مکروہ ہے؟

جواب:قلنا ان الخروج عن موضع الخلاف مستحب, بشرط ان لایکون فی ذلک الخروج ترک مستحب المذھب وفی الخروج عن خلافھما بان یحترز عن حلق الشارب ویختار قصہ بان یبدو اطار الشفة ای ملتقی جلدتھا ولحمتھا من غیر ان یحفی من اصلہ علی حلقہ الذی ھو مدلول احفائہ بان یاخذ الشعر من الاصل بالحلق بالموسی او بالقص بالمقراض

1172 (ھدایة الابرار الیٰ طریقة الاخیار ,الفصل الثانی فی حرمة البقاء الشوارب ولزوم اخذھا,ص,۲۸،۲۷,اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

بطریق المبالغۃ بحیث یشبہ بالنتف فی ظہور الجلد ویصیر مثلہ ای الاحفاء بالمعنی المذکور مسنون عند الحنفیۃ یلزم ترک مستحب المذھب والخروج المستلزم لترک المستحب غیر مندوب ولھذا قال الفقھاء ان صوم یوم الشک حرام عند الشافعی وافضل للخواص عندنا ولم یقل احد من علمائنا باستحباب الافطار للخواص لرعایۃ الخروج عن خلاف الشافعی لان فیھا یلزم ترک مستحب المذھب وھو الصوم۔

ہم کہتے ہیں بے شک اختلاف کی جگہ سے نکلنا مستحب ہے، شرط یہ ہے کہ اس نکلنے میں مذہب کا مستحب ترک نہ ہو۔ ان دونوں (امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے اختلاف سے نکلنے میں، یہ کہ مونچھیں مونڈنے سے پرہیز کیا جائے اور مونچھیں کاٹنے کو مونچھوں کے مونڈنے پر اختیار کیا جائے "اس طور پر کہ (کاٹنے کی تفسیر) ہونٹ کا کنارا ظاہر ہو جائے یعنی اس کا چمڑا اور اس کا گوشت مونچھوں کا جڑ سے صاف کرنے کے بغیر"، وہ جو "مونچھوں کے احفاء" کا مدلول ہے ،(احفاء کا معنیٰ) یہ ہے کہ بالوں کو جڑ سے مونڈنا ہے استرے کے ساتھ یا قینچی کے ذریعے کاٹنا ہے مبالغہ کے طریقہ پر اس حیثیت سے کہ چمڑے کے ظاہر ہونے میں نوچنے کے مشابہ ہو جائے، اور اس کی مثل ہو جائے جیسا کہ وہ ہے یعنی احفاء مذکور معنیٰ میں مسنون ہے۔(یعنی قص سے افضل ہے) حنفیہ کے نزدیک مذہب کے مستحب کا ترک لازم آتا ہے اور جو نکلنا مستحب کے ترک کو لازم کر دے مستحب نہیں ہے۔ اور اس لیے یہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ شک کے دن کا روزہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حرام ہے اور ہمارے نزدیک خواص کے لیے افضل ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اختلاف سے نکلنے کی رعایت کے لیے ہمارے علماء میں سے کسی نے خواص کے لیے افطار کو مستحب نہیں کہا، اس لیے کہ مذہب کے مستحب کا ترک لازم آتا ہے اور وہ روزہ ہے۔[1173]

[1173] (ھدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار ،الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص،۲۸،۲۷، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

مونچھیں مونڈنا مکروہ ہے؟ کا جواب

سوال: مونچھیں مونڈنا مکروہ ہے جیسا کہ درج ذیل کتابوں میں لکھا ہے۔[1174]

جواب: یہ قول شوافع کا ہے نہ کہ احناف کا جیسا کہ پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔

مونچھیں مونڈنا حرام ہے؟ کا جواب

سوال: مونچھیں مونڈنا حرام اس لیے کہ یہ مثلہ ہے جیسا کہ درج ذیل کتابوں لکھا ہے۔[1175]

جواب: یہ بھی امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے۔ان کے لیے دلیل ہے ہمارے لیے نہیں ہے اس لیے کہ اس عاجز نے تفصیل کے ساتھ احناف کا مذہب لکھ دیا ہے جسے امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ ایک عظیم مجتہد ہیں انہوں نے سنت ہونا ثابت کیا ہے،مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ امام کے قول سے تجاوز نہ کرے۔

[1174] (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح ،کتاب الطھارۃ ،باب السواک ،ج،۲،ص ، ۸۳،کتاب اللباس ،باب الترجل ،ج،۸،ص، ۲۷۴،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ،الفتاویٰ الغیاثیۃ ،کتاب الاستحسان و اکراھیۃ فصل فی الضیافات و الولائم،ص، ۱۰۹ ،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ،احکام القرآن،ج، ۱ ،ص، ۱۵۵ ،شریعہ اکیڈمی اسلام آباد)

[1175] (مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح، کتاب الطھارۃ،باب السواک ،ج، ۲ ،ص، ۸۳،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، □ ،احکام القرآن ،ج، ۱ ،ص، ۱۵۵ ،شریعہ اکیڈمی اسلام آباد)

مونچھیں مونڈنا خوارج کی علامت کی وجہ سے منع ہے ؟کا جواب

سوال : بعض لوگوں کا کہنا ہے مونچھیں خارجی منڈواتے ہیں اس لیے مونچھیں نہیں منڈوانی چاہیے کیونکہ ان کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے ؟

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے:

اور احادیث میں مونچھیں منڈانے کو خارجیوں کی علامت قرار دیا ہے۔[1176]

جواب: یہ عاجز علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت نقل کرتا ہے اور اس کا ترجمہ کرتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو مونچھیں منڈانے کو خارجیوں علامت قرار دینے کے اعتراض کا جواب دیا ہے نہ کہ اس کو خارجیوں علامت قرار دیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

فان قلت جاء فی الحدیث انه قال فی الخوارج سیماهم التسبید و هو حلق الشارب من اصله قلت قال ابن الاثیر معناه الحلق و استئصال الشعر و لم یقید بالشارب و هو اعم منه و من غیرهو قال ایضا التسبید هو ترک التدهن و غسل الرأس قلت یدل علی صحته حدیث آخر و هو قوله سیماهم التحلیق و التسبید بعطف التسبید علی التحلیق و هو غیره۔

پس اگر تو کہے کہ حدیث میں آیا ہے خوارج کے بارے میں ان کی علامت تسبید ہے اور وہ جڑ سے مونچھیں مونڈنا ہے ؟ میں (علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں، ابن اثیر نے فرمایا: اس کا معنی مونڈنا اور بال کو جڑ سے ختم کرنا ہے۔ اور وہ مونچھوں کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ اور وہ اس سے عام ہے اور اس کے علاوہ سے۔ اور یہ بھی فرمایا: ایک قول ہے کہ تسبید، وہ تیل لگانے کو چھوڑ دینا ہے، اور سر کا دھونا ہے، میں (علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس کی صحت پر دوسری حدیث دلالت کرتی

[1176](عمدۃ القاری، قص الشارب، ج ۲۲، ص ۴۴، مصر)

ہے، اور وہ آپ ﷺ کا فرمان: ان کی علامت تحلیق و تسبید ہے، تسبید کے عطف کے ساتھ تحلیق پر ہے۔[1177]

تسبید کا لغوی معنی

تیل لگانا چھوڑ دینا، سر منڈانا، بالوں کو تر کر کے جمالینا پھر چھوڑ دینا۔

التسبید فیھم فاش: خارجیوں میں سر کا منڈانا بہت ہو گا۔ (اکثر سر منڈے ہوں گے) بعضوں نے کہا بالوں میں تیل نہیں ڈالیں گے نہ سر دھوئیں گے۔

دوسری روایت میں: سیماھم التحلیق ہے یعنی ان کی نشانی سر منڈانا ہو گا۔ بعضے علماء نے اس حدیث کے روسے حج کے سوا اور وقتوں میں سر منڈانا مکروہ رکھا ہے سر پر بال رکھنا مسنون ہے مگر جس کو تکلیف ہو یا بالوں کی خبر گیری نہ کر سکے اس کو منڈانا بھی جائز ہے۔[1178]

علامہ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۰۵، لکھتے ہیں:

وکان الحلق سیما الخوارج ،و قد ورد فی حدیث فی وصف الخوارج سیماھم التحالیق أی حلق شعر الرأس۔

اور منڈانا خارجیوں کی علامت ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے خوارج کی نشانی منڈانا ہے یعنی سر کے بالوں کو منڈانا۔[1179]

[1177] (عمدۃ القاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، الجزء الثانی والعشرون، ج ۲۲، ص ۴۴، دار الفکر بیروت)
[1178] (لغات الحدیث، کتاب "س"، ج ۲، ص ۲۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)
[1179] (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین ، کتاب أسرار الطھارۃ ، القسم الثالث، ج ۲، ص ۴۲۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

علامہ شیخ علی بن سلطان محمد قاری حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۰۱۴ھ، لکھتے ہیں:

ای علامتھم التحلیق ,وھو استئصال الشعر, و المبالغة فی الحلق کما ھو مستفاد من صیغة التفعیل التی للتکریر و التکثیر ۔قال الطیبی:و انما أتی بھذا البناء ,اما لتفریق متابعتھم فی الحلق ,او لاکثارھم منه ,وفیه وجھان: احدھما استئصال الشعر من الرأس,وھو لایدل علی أن الحلق مذموم ,فان الشیم والحلی المحمودة قد یتزیا بھاالخبیث ترویجا لخبثه,و افساده علی الناس,وھو کوصفھم بالصلاۃ ولقیام۔وثانیھا أن یرادبه تحلیق القوم واجلاسھم حلقا حلقا۔

التحلیق :یعنی ان کی علامت ''تحلیق'' ہے،اور وہ بالوں کو جڑ سے ختم کرنا ہے اور منڈانے میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ سر منڈانے کے معنی کو بیان کرنے کے لئے مجرد کے بجائے مزید فیہ کا باب تفعیل ذکر کرنا تکریر و تکثیر کے لیے ہے۔(کہ ان میں سے اکثر لوگ اپنا سر بار بار منڈاتے ہیں)امام طیبی فرماتے ہیں :آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ صیغہ شاید اس لیے فرمایا کہ منڈانے میں ان کی متابعت (مطابقت)میں فرق کرنے لیے،یا یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ لوگ بکثرت سر منڈاتے ہیں۔اور اس کے دو مطلب ہیں :ان دونوں میں سے ایک یہ ہے سر سے بالوں کو جڑ سے ختم کرنا ہے ،اور وہ مقصد منڈانے کی برائی یا تحقیر کرنا نہیں ہے،کیونکہ سر منڈانا طاعت میں سے ایک عمل ہے اور نیک لوگوں کی عادات میں سے ہے،بعض خبیث لوگ بھی بعض مرتبہ اپنی خباثت اور اپنا فساد لوگوں میں پھیلانے کے لئے اچھی عادات و اطوار اپنا لیتے ہیں ،مثلاً بعض لوگ نماز اور تہجد وغیرہ پڑھتے ہیں (تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ بڑے تہجد گزار ہیں)دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ قوم کے حلقے بنانا اور لوگوں کو''حلقہ درحلقہ بٹھانا'' مراد ہے۔(جو محض نمائش اور تکلف کے طور پر ہوگا)[1180]

[1180](مرقاۃالمفاتیح شرح مشکوٰۃالمصابیح، کتاب الدیات، باب قتل اھل الردۃ، ج،۷،ص، ۲۰۱، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

وقولہ سیماھم التحلیق کتب فی تقریر المکی ای بان التحلیق کان واجباعندھم اھ۔قال الکرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قولہ سیمابکسر المھملۃ مقصوراًوممدوداًالعلامۃ ز والتحلیق ازالۃ الشعر فان قلت یلزم من وجود العلامۃ وجود ذی العلامۃ فکل محلوق الرأس منھم لکنہ خلاف الاجماع قلت کان فی عھد الصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیھم لایحلقون رؤسھم الافی النسک اوالحاجۃ ونحوھاواماھؤلاءفقدجعلواالحلق شعارھم لجمیع اعیانھم فی جمیع ازمانھم ویحتمل ان یراد بہ حلق الرأس واللحیۃ وجمیع شعورھم وان یراد الافراط فی القتل او فی مخالفۃ الدین ۔قلت ولکون التحلیق شعارھم استدل الموفق علی احدی روایتی احمدان التحلیق مکروہ والاخری عنہ لایکرہ لکن ترکہ افضل وقال ابن عبدالبر قداجمع الناس علی اباحۃ وکفی بہ حجۃ اھ۔قال البجیرمی قال ابن القیم لم یحلق علیہ الصلوۃ والسلام رأسہ الااربع مرات اھ۔وقال فی الھدیٰ ولم یحفظ عنہ ﷺ حلقہ الافی نسک۔اھ۔وماستدل الطیبی من قول علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومن ثم عادیت راسی علی سنیۃ دوام الحلق تعقب علیہ القاری وابن الحجر المکی کمابسط فی البذل وقال ابن عابدین وفی الروضۃ السنۃ فی شعر الرأس اماالفرق اوالحلق وذکر الطحاوی ان الحلق سنۃ ونسب ذلک الی العلماء الثلاثۃ ۔اھ۔وقال ابن تیمیہ فی فتاویہ حلق الرأس علی اربعۃ انواع احدھاحلقہ فی الحج والعمرۃ والثانی للحاجۃ وھماجائزان بالکتاب والسنۃ والاجماع والثالث حلقہ علی وجہ التعبدوالتدین والتزھدمن غیر حج ولاعمرۃ وھذابدعۃ لم یامر اللہ بھاورسولہ ولافعلھااحدمن الصحابۃ والتابعین ولاشیوخ المسلمین المشھورین بالزھدوالرابع ان یحلق فی غیر النسک بغیر حاجۃ ولاعلی وجہ التقرب والتدین فھذافیہ قولان للعلماءوھماروایتان عن احمداحدھماانہ مکروہ وھومذھب مالک وغیرہ والثانی انہ مباح وھو المعروف عنداصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اھ۔مختصراً۔[1181]

[1181](ص۲۶۵،۲۶۴،لامع الدراری علی جامع البخاری جلد۳)

مونچھیں منڈانے کو خارجیوں علامت قرار دینا یہ بات صحیح نہیں ہے اگر اس طرح ہو تو پھر امام اعظم رضی اللہ عنہ اور صاحبین اور افغانستان اور بخارا تاشقند، سمرقند، غزنی، اور کثیر احناف، علماء اور صوفیاء، صوبہ سرحد کے علماء و صلحاء اور عالم اسلام کے مقتدر علماء اور صوفیاء اور حضرت قائدِ ملت اسلامیہ الشاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ان تمام حضرات پر خوارج ہونے اور کافر ہونے کا فتویٰ لگتا ہے اور فتاویٰ عالمگیری کے چار سو جید علماء پر خوارج ہونے کا الزام آتا ہے جب کہ یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ بالا تمام علماء کرام اور صوفیاء کرام صحیح العقیدہ حنفی سنی مسلمان تھے۔

اور مطلوب شرعی کو کسی مشابہت کی وجہ سے چھوڑا نہیں جاسکتا، مثلاً گمراہ فرقے عمامہ باندھتے ہیں، عصا پکڑتے ہیں، دعا کرتے ہیں، شلوار قمیص پہنتے ہیں، داڑھی رکھتے ہیں، اذکار و اوراد وغیرہ یہ تمام گمراہ فرقے بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام کام اسلام کے ہیں اور جو بھی مسلمان ہو وہ یہ کام کرسکتا ہے۔ اصل اختلاف عقیدے کا اختلاف ہے۔ وہ کفریہ عقائد ہیں اور اہل سنت وجماعت کے خلاف ہیں اور ہم الحمد للہ اہلِ سنت وجماعت کے صحیح اور مضبوط عقائد پر ہیں، اور اگر وہ لوگ مونچھیں منڈاتے ہیں اور عمامہ باندھتے ہیں تو صرف مومنین کو دھوکہ دینے کے لیے، لیکن ہم ان کی وجہ سے یہ اچھے اعمال ترک نہیں کرسکتے، اور ان کا عمل ہمارے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔

مو نچھیں مونڈنے کی روایت شاذ ہے؟کا جواب

سوال :مونچھوں کو کاٹنا افضل ہے نہ کہ مونڈنا کیونکہ مونڈنے کی روایت شاذ ہے۔[1182]

جواب: علامہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۲۲۹ھ لکھتے ہیں:

جب سنن کبریٰ کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو امیر وقت نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کی یہ کتاب تمام صحیح ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں، اس میں حسن اور صحیح دونوں موجود ہیں۔ امیر نے عرض کیا کہ ان تمام احادیث میں سے جو صحت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچی ہوں میرے لئے ان سب کا مجموعہ مرتب فرمادیجئے، تو انہوں نے مجتبیٰ تصنیف فرمائی۔[1183]

وہ ہم میں سے نہیں جو مو نچھیں مونڈے (الحدیث) کا جواب

سوال: حدیث شریف میں ہے: لیس منا من حلق الشارب۔ وہ ہم میں سے نہیں جو مونچھیں مونڈے۔[1184]

اس لیے مونڈنا منع ہے؟

جواب: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کو اس عاجز نے کتب احادیث میں تلاش کیا تو اس کی کوئی اصل نہ مل سکی، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ روایت خود غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

[1182] (حاشیہ الفتاویٰ السراجیۃ، کتاب الکراھۃ و لا ستحسان، باب المتفرقات، ص، ۳۳۷، زمزم پبلشرز کراچی)

[1183] (بستان المحدثین، ص، ۱۸۹، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[1184] (غنیۃ الطالبین، ص، ۱۴، مطبوعہ مصر)

حنبلی ہیں اور حنابلہ کے مذہب میں مونچھیں مونڈنا سنت ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اس عاجز نے پہلے مذاہب ائمہ کے ذکر میں بیان کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو پھر اس کا جواب یہ ہے:

فیحمل علی النسخ او التاویل او الترجیح ولا یجوز العمل للحنفیة لما فی التنقیح کل آیة او خبر یخالف قول اصحابنا یحمل علی النسخ او التاویل او الترجیح فیلزم رعایة المذهب والصلابة فیه وعدم العدول عنه۔

پس اس کو نسخ پر محمول کیا جائے گا یا اس کی تاویل ہوگی یا اس پر دیگر احادیث کو ترجیح دی جائے گی اور حنفیہ کے لیے عمل کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ تنقیح میں ہے کہ ہر آیت یا حدیث جو ہمارے اصحاب کے قول کے مخالف ہو، نسخ پر محمول کیا جائے گا یا اس کی تاویل کی جائے گی یا اس پر دوسری احادیث کو ترجیح دی جائے گی، پس مذہب کی رعایت کرنا لازمی ہوتی ہے اور مضبوطی اسی میں اور اس سے عدول نہ کرنے میں ہے۔[1185]

مونچھیں منڈوانے کی افضلیت میں تردد؟ کا جواب

سوال: شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

ولیکن بودن مذہب حنفی در افضلیت حلق شارب محل تردد است باآنکہ ظاہر از کتب ایشان آنست قص اوست۔

لیکن حنفی مذہب مونچھیں مونڈنے کی افضلیت میں محلِ تردد ہے، ان کی کتب سے ظاہری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت کو تاہ کرنا یعنی قص ہے۔[1186]

1185 (حاشیہ، ہدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص،۲۷، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

1186 (شرح سفر سعادت، ص،۴۹۴، مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور)

جواب: لیکن یہ کلام قابل تحقیق ہے کیونکہ علامہ ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

فمن اصحابنا من يقول اذا حلق شاربه يلزم الدم لانه مقصود بالحلق تفعله الصوفية وغيرهم والاصح انه لا يلزم الدم لانه طرف من اللحية وهو مع اللحية كعضو واحد واذا كان الكل عضوا واحدا لا يجب بما دون الربع منه الدم والشارب دون الربع من اللحية فتكفيه الصدقة في حلقه۔

ہمارے کچھ فقہاء فرماتے ہیں اگر اپنی مونچھوں کو مونڈا تو دم لازم آتا ہے اس لیے کہ مونچھوں کا مونڈنا مقصود ہوتا ہے، اس کو صوفیائے کرام اور ان کے علاوہ لوگ کرتے ہیں۔ اور اصح (زیادہ صحیح) قول یہ ہے کہ دم لازم نہیں آتا کیونکہ یہ داڑھی کا کچھ حصہ ہے لب اور داڑھی مل کر ایک مکمل عضو بنتا ہے اور صرف لب عضو کے چوتھائی حصہ سے کم ہے، لہٰذا دم لازم نہیں ہوتا لیکن اس کے مونڈنے میں صدقہ کفایت کر جائے گا۔[1187]

نیز لکھتے ہیں:

(ولفظة الاخذ تدل على انه هو السنة فيه دون الحلق) يشير الى خلاف ما ذكر الطحاوى في شرح معانى الآثار ۔۔۔قال والحلق احسن وافضل هذا قول ابى حنيفة وابى يوسف ومحمد والمذهب عند بعض المتاخرين من مشايخنا ان السنة القص۔

صاحب ہدایہ کا حلق کے بجائے اخذ کا لفظ ذکر کرنے سے مقصود امام طحاوی کا رد ہے حلق سنت نہیں اخذ اور قص سنت ہے کہ انہوں نے فرمایا حلق احسن اور افضل ہے اور یہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور مشائخ میں سے بعض متاخرین کے نزدیک قص سنت ہے۔[1188]

[1187] (فتح القدير شرح هدايه، كتاب الحج، باب الجنايات، ۲، ص، ۴۴۶، مکتبہ رشیدیه کوئٹه)
[1188] (فتح القدير شرح هدايه، كتاب الحج، باب الجنايات، ۲، ص، ۴۴۶، مکتبہ رشیدیه کوئٹه)

نیز لکھتے ہیں:

فالمصنف ان حکم بکون المذهب القص اخذا من لفظ الاخذ فی الجامع الصغیر فهوا عم من الحلق اخذ و الذی لیس اخذ هو النتف انه المتبادر لکثرة استعماله فیه منعناه و ان سلم فلیس المقصود هنا فی الجامع بیان ان السنة هو القص او لا بل بیان ما فی ازالة الشعر علی المحرم الا تری انه ذکر فی الابط الحلق و لم یذکر کون المذهب فیه استنان الحلق فعلم ان المقصود ذکر ما یعید الازالة بای طریق حصلت لتعیین حکمه۔ و اما الحدیث و هو قوله علیه السلام خمس من الفطرة الختان و الاستحداد و قص الشارب و تقلیم الاظفار و نتف الآباط فلا ینافی ما یریده بلفظ الحلق فان المراد منه المبالغة فی الاستئصال عملا بقوله علیه السلام فی الصحیحین " احفوا الشوارب " وهو المبالغة فی القطع وبای شیء حصل حصل المقصود غیر انه بالحلق بالموسی ایسره منه بالقصة۔ فقول الطحاوی الحلق احسن من القص یرید القص الذی لم یبلغ ذلک المبلغ فی المبالغة فان اهل الصناعة قصا یسمونه قص حلاقة۔

اور مصنف نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی الجامع الصغیر سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے (قص والا) قص حلق سے عام ہے اس لیے کہ حلق بھی اخذ میں شامل ہے اور جو اخذ میں شامل نہیں، اس کو نتف (نوچنا) کہتے ہیں۔ اگر مصنف کی مراد کثرت استعمال میں قص، حلق میں شامل نہیں تو اسے ہم تسلیم نہیں کرتے اگر تسلیم بھی کرلیں تو امام محمد کا الجامع الصغیر میں سنت کا بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ جنایت ہے خواہ تمام بال دور کرے یا بعض کو، اسی لیے بغل کے مونڈنے کا ذکر کیا اور اس کا سنت ہونا بیان نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں تمام بالوں کو دور کرے یا بعض کو، مقصود صرف ازالہ ہے جس طرح بھی ازالہ ہو سکے اس پر حکم متعین ہو جائے گا۔ باقی رہا کہ حدیث شریف میں ہے کہ پانچ چیزیں فطرت سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا، (۲) زیر ناف بال مونڈنا، (۳) مونچھیں کاٹنا، (۴) ناخن کاٹنا، (۵) بغل کے بال اکھیڑنا۔ تو اس میں **قص الشارب** کا لفظ ہے تو یہ حلق کے منافی نہیں کیونکہ

استئصال میں مبالغہ ہے، بخاری و مسلم کی حدیث **"احفوا الشوارب"** قطع میں مبالغہ کرنا مقصود ہے جس طرح حاصل ہو قینچی سے ہو یا استرے سے البتہ استرے سے ازالہ میں مبالغہ کرنا آسان ہے۔ امام طحاوی کا قول حلق قص سے احسن ہے، مقصد یہی ہے جس طرح بھی ہو ازالہ میں مبالغہ کرنا ہے اور اہل لغت کے نزدیک قص، حلق کو بھی شامل ہے اسلئے وہ قص کو **"حلاقة"** کہتے ہیں یعنی کاٹنا مونڈنا ہے۔[1189]

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۷۰ھ جن کا لقب ثانی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے لکھتے ہیں:

وقدظن صاحب الهداية من تعبير محمد فی الجامع الصغير هنا بالاخذ ان السنة قص الشارب لاحلقه رداعلى الطحاوى القائل بسنية الحلق وليس كماظن لان محمدا لم يقصد هنابيان السنة وانماقصدبيان حكم هذاالجناية بازالة الشعر باى طريق كان۔

صاحب ہدایہ نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول جو کہ الجامع الصغیر میں مذکور ہے سے گمان کیا ہے کہ مونچھوں کو کاٹنا سنت ہے مونڈنا نہیں اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ مونڈنے کی سنیت کے قائل ہیں کا رد کیا ہے، لیکن صاحب ہدایہ کا یہ گمان درست نہیں کیونکہ الجامع الصغیر میں زیر بحث قول میں سنت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ جنایت اور اس کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ جس طرح بھی لبوں کے بال دور کرے اس میں جنایت ہو گی۔[1190]

علامہ ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ جن کا لقب ثانی ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے، لکھتے ہیں:

وبماقررناه اندفع مافی البدائع من ان الصحيح ان السنة فيه القص۔

[1189] (فتح القدير شرح هدايه، كتاب الحج، باب الجنايات، ۲، ص، ۴۴۷، ۴۴۶، مکتبہ رشیدیه کوئٹه)
[1190] (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، كتاب الحج، باب الجنايات، ج، ۳، ص، ۱۹، ۱۸، مکتبہ رشیدیه کوئٹه)

اور جو ہم نے تقریر کی اس سے وہ قول دفع ہو گیا جو بدائع میں ہے کہ قص (کاٹنا) سنت ہے۔ (حلق نہیں)۔[1191]

مونچھیں منڈوانے کی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے؟ کا جواب

علامہ غلام رسول سعیدی نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں کہ مونچھیں منڈوانے کی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے اور مونچھیں منڈوانا سنت کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ نبی ﷺ نے منڈانے کو خارجیوں کی علامت قرار دیا ہے۔[1192]

جواب: علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مبارک نور اللہ مرقدہ کا یہ لکھنا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف مونچھیں منڈوانے کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ عرض یہ ہے کہ مونچھیں منڈوانے کی نسبت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف مجتہد امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۳۲۱ھ، نے کی ہے جو قدوہ العلماء، علماء متقدمین میں سے ہیں اور مذہب حنفی کو بہتر جانتے ہیں۔

عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجتہد ہیں اور ان کا مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کم نہیں۔[1193]

اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مونچھیں مونڈوانے کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرنا اور اس کو سنت کہنا ایک قوی دلیل ہے۔

[1191] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج، ۳، ص، ۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
[1192] (شرح صحیح مسلم، ج، ۲، ص، ۴۵۲، فرید بک سٹال لاھور)
[1193] (فوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ، ص، ۳۲)

و اما المقلد فعندہ قول مجتہدہ۔

مقلد اپنے مجتہد کے قول سے استدلال کرے گا۔[1194]

و لذا کان دلیل المقلد ھو قول المجتہد۔

مقلد کے لیے دلیل مجتہد کا قول ہے۔[1195]

و من شان المقلد ان لا یخرج عن قول امامہ۔

مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے قول سے تجاوز نہ کرے۔[1196]

نعمل بقول المجتہد و ان لم نعلم من این قال۔

ہم عمل مجتہد کے قول پر کریں گے اگرچہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حکم کہاں سے نکالا۔[1197]

ان تما دلائل سے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مجتہد ہونا اور مجتہد کے قول کا دلیل قوی ہونا ثابت ہوا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مونچھیں مونڈنے کی نسبت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف کرنا اور اس کو سنت قرار دینا ایک قوی دلیل ہے اور اس کے بعد مجتہد امام ابو بکر جصاص ،۳۷۰،نے بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف نسبت کی ہے۔اور اس کے بعد مجتہد امام شمس الدین محمد بن احمد سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،متوفی،۴۸۳،نے کی ہے۔ اور اس کے علاوہ مونچھیں منڈوانے کی نسبت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف کثیر کتب میں موجود ہے جس کا کچھ اندازہ عاجز کے اس رسالہ سے کیا جاسکتا ہے۔رہا سعیدی صاحب کا مونچھیں منڈوانے کو خارجیوں کی علامت قرار دینا اور اس کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے مونچھیں مونڈنے کو خاجیوں کی علامت قرار نہیں دیا بلکہ نبی کریم ﷺ نے تو

[1194](کشف المبھم،ص،۱۱)

[1195](شرح طریقہ محمدیہ،ج،۲،ص،۲۵)

[1196](میزان شعرانی،ص،۱۳)

[1197](بحر الرائق،،ج،۵،ص،۲۶۹)

مونچھیں مونڈنے کو سنت قرار دیا ہے جیسا کہ سنن کبریٰ للنسائی، میں ”حلق الشارب“ مونچھوں کو مونڈنا“ موجود ہے جو کہ رسالہ کے شروع میں ذکر کر دی گئی ہے، تو معلوم ہوا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مونچھیں منڈوانے کو خارجیوں کی علامت قرار نہیں دیا، جیسا کہ پہلے ذکر دیا گیا ہے وہاں تفصیل معلوم کر لیں۔

فقہاء احناف کی عبارات کا خلاصہ مونچھیں مونڈنا کاٹنے سے افضل ہے

وان ماذکر فی الھندیة ناقلاً من المحیط ان حلق الشارب سنة فی قول ابی حنیفة وصاحبیه وفی شرح معانی الاٰثار من قوله قصه حسن واحفاء احسن وھذا مذھب ابی حنیفة وابی یوسف ومحمدرحمهم الله و فی تنقیح الحامدیة من قوله :وکان ابو حنیفة یقول ان احفاء افضل من القص۔وفی العینی علی البخاری من قوله:ولکون احفاء الشارب افضل من قصه عبر الطحاوی بقوله باب حلق الشارب الی قوله :جمهور السلف، قالوا المستحب احفاء الشارب وهو افضل من قصها الخ وفی العینی علی الهداية من قوله:وفی المختار حلقه سنة وقصه حسن ۔وفی المحیط :احسن من القص وهو قول ابی حنیفة و صاحبیه ۔وفی ردالمحتار من قوله:القص حسن والحلق احسن وهو قول علماء الثلٰثة۔وفی الحدیقة بظاهر الحدیث فسنوا حلقه ۔وفی الفتح والبحر والکفایة والعنایة والمستخلص من قولهم :ان المقصود بالحلق یفعله الصوفیة وغیرهم ۔وفی البحر من قوله :فبایٔ شیٔ حصل الاحفاء حصل المقصود غیر انه بالحلق بالموسی ایسره منه بالقصة۔الی قوله بماقررنااندفع ما فی البدائع من ان الصحیح ان السنة فیه القص دون الحلق۔وفی احکام المذاهب من قوله:واما ابو حنیفة وصاحبیه رحمهم الله فمذهبهم فی شعر الرأس والشارب ان الاحفاء ای الحلق افضل من التقصیر صرح فی ان حلق الشارب وقصه بان یبدو طرف الشفة، کلاهما مشرعان فی مذهب الحنفیة وان حلقه افضل من قصه۔

اور(۱)عالمگیری میں (۲) محیط سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ مونچھیں مونڈنا سنت ہے یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبین کا قول ہے اور (۳) شرح معانی الآثار میں ہے کہ قص حسن ہے اور احفاء احسن و افضل ہے اور یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے اور (۴) تنقیح حامدیہ میں ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مونڈنا، کاٹنے سے افضل ہے۔ اور (۵) عمدۃ القاری میں ہے "احفاء" قص سے افضل ہونے کی وجہ امام طحاوی نے باب حلق الشارب (مونچھوں کو مونڈنا) سے تعبیر کیا ہے اور اپنے قول جمہور سلف تک، انہوں نے کہا: احفاء الشارب مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کرنا یعنی مونڈنا مستحب ہے اور وہ قص سے افضل ہے الخ اور (۶) عینی علی الھدایۃ میں کہا ہے، اور (۷) مختار میں ہے: مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور مونچھیں کاٹنا اچھا ہے اور محیط میں ہے کہ مونچھیں کاٹنے سے مونڈنا زیادہ اچھا اور افضل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا قول ہے اور (۸) ردالمحتار میں ہے کاٹنا اچھا ہے اور مونڈنا زیادہ اچھا ہے اور یہی ہمارے تینوں ائمہ کا قول ہے اور (۹) حدیقہ میں ہے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے احناف نے مونڈنے کو سنت کہا ہے اور (۱۰) فتح القدیر، اور (۱۱) بحر الرائق، اور (۱۲) کفایہ علی الھدایہ، اور (۱۳) عنایہ علی الھدایہ اور (۱۴) مستخلص میں ایک ہی قول ہے ۔ مونچھیں مونڈنا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ صوفیاء کرام اور ان کے علاوہ لوگ کرتے ہیں اور بحر الرائق میں ہے کہ مقصود بالوں کو زائل کرنا ہے جس چیز سے بھی ہو قینچی ہو یا استرا لیکن استرے سے آسانی ہوتی ہے اور ہمارے اس بیان سے، بدائع میں جو قول ہے کہ "کاٹنا سنت ہے مونڈنا نہیں" کا دفع ہو گیا ۔(۱۵) اور احکام المذاہب میں ہے "سر کے بالوں اور مونچھوں کے بارے میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا مذہب احفاء ہے یعنی مونڈنا کاٹنے سے افضل ہے، اس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ مذہب

حنفیہ میں مونچھوں کو مونڈنا اور کاٹنا کہ ہونٹ کے کنارے ظاہر ہو جائیں، دونوں مشروع ہیں، اور بے شک مونچھوں کو مونڈنا، کاٹنے سے افضل ہے۔[1198]

آخر میں چھ اعتراضات کا جواب:

فان قیل ان حلق الشارب بدعة کمافی السراجیه والترغیب وابی المکارم وغیرها فلایکون سنة۔

قلنا بوجوه۔الوجه الاول:ان تعریف البدعةبقولهم البدعةاعتقاد خلاف المعروف عن الرسول علیه السلام بمعاندةبل بنوع شبهةاه۔[1199]

لایصدق علی حلق الشارب لانه معروف عن الرسول ﷺ بالاحادیث الصحیحة۔

الوجه الثانی:ان هذاالقول مخالف عن صریح حدیث ابی هریرة رضی الله عنه حلقوا الشوارب واعفوا اللحیٰ اخرجه النسائی ثم احکام المذاهب فلایکون الحلق بدعة۔

والوجه الثالث:انه مخالف عن صریح حدیثَی ابن عمر رضی الله عنه وابی عمر رضی الله عنه مرفوعاًانه ﷺ قال احفوا الشوارب الخ کمامن البخاری ومسلم ومشکوٰة وترمذی وغیرهم فی اثبات اعفاء اللحیة۔

والوجه الرابع:ان استنان حلق الشارب مع کونه احسن مذهب ابی حنیفة وابی یوسف ومحمدوزفر۔ومذهب الامام الشافعی واصحابه ومذهب الامام احمدواتباعه ومذهب کثیرمن السلف ومذهب جمهور السلف (رضی الله عنهم اجمعین)

فعلم منه ان القول بکون حلق الشارب بدعة لیس الاقول الامام مالک لاسیماوقدصرح به القاضی عیاض رحمة الله تعالیٰ علیه ثم عینی علی البخاری ص ۲۸۲ ج ۲، الحدیقةالندیةص ۲۹۳ ج ۲ وغیرها۔

[1198] (هدایة الابرار الیٰ طریقة الاخیار، الفصل الثانی فی حرمة البقاء الشوارب ولزوم اخذها، ص ۲۷، اسلامی کتب خانه قصه خوانی پشاور)

[1199] (درمختار جلداول ص ۳۷۷ امامة شرح النخبة ص ۵۶، المراقی ص ۱۸۱ امامة، ردالمحتار ص ۳۷۷ امامة وغیرها۔)

لاجرم يكون غيرمقبول لمخالفته لجمهورالسلف (رضى الله عنهم)ولقولهم لايردبمذهب على مذهب اه۔

تحرير ص ۳۵۷ ج ۲ ولقولهم لايلزم الحنفى ان يجرى على مقتضى مذهب الشافعى بل يجرى بمذهبه اه۔[1200]

فان قيل ان حلق الشارب مكروه كمافى السراجيه والترغيب وابى المكارم فلايكون سنة۔

قلنابوجوه الاول انه مخالف عن حديث حلقوا الشوارب المذكورآنفاوالثانى انه منافى لحديث احفوا الشوارب المذكورالان۔الثالث انه قول بعض متاخرى اتباع الامام الشافعى ولهذاعبرعنهم بالشافعية فى قوله واماحلقه بالكلية فمكروه على الاصح عند الشافعية اه۔[1201]

الوجه الرابع:انه لايصدق تعريف المكروه بقولهم ماثبت منعه بدليل ظنى اه۔كتاب الفقه على حلق الشارب لانه مامور به بحلقوا واحفوا وانهكوا ولانهى فيه۔والمطلق محمول على الاطلاق۔

فان قيل:انه قدتقررعندالفقهاءان الخروج عن موضع الخلاف مندوب فينبغى ان يحترزعن حلق الشارب لقول مالک بالبدعة وقول بعض متاخرى اتباع الشافعى بالمكروه كمامر۔

قلنا۔ان اطلاق هذاالمتقررغيرصحيح لماقالوا:يندب الخروج من الخلاف لاسيماللامام لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه مذهبه اه۔[1202]

الظاهران المرادبالكراهةهنامايعم التنزيه(اى ترک المستحب)كماان التغليس فى صلوٰة الفجرسنة عندالشافعى رحمة الله تعالىٰ عليه لايندب مراعاته لان الافضل

[1200] (تحرير ص ۱۷۳ ج ۲ باب فسخ الاجارة)

[1201] (حديقه ص ۲۹۳ ج ۲،ولم يقل عندالشافعى ولم يقل عنداصحاب الشافعى لمامرفتذكره۔)

[1202] (درمختارنواقض الوضوء ص ۱۰۸ ج ۱)

عندناالاسفارالخ شامی نواقض الوضوء۱۰۸ ج ۱ ـفلایترک حلق الشارب لانه سنةاحسن عندالاحناف والجمهور کمامرـ

فان قیل ـان لفظةالاخذتدل علی انه السنةفی الشارب القص دون الحلق اهـ[1203]

قلنابوجوهـالاول :ان المصنف ان حکم بکون المذهب القص ـاخذمن لفظ الاخذفی الجامع الصغیر (فی قوله وان اخذشاربه فعلیه طعام حکومة عدل)فهوای الاخذأعم من الحلق لان الحلق اخذ(وقطع الشارب الذی لایکون کالحلق فردآخرللاخذ)والذی لیس اخذاًهوالنتف ـفان ادعی انه المتبادرلکثرةاستعماله فیهمنعناه اهـ[1204]

الثانی :انه لیس کماظن صاحب الهدایة لانه لیس مقصود الامام محمد فی الجامع الصغیر بیان ان السنة هوالقص بل انماقصدبیان حکم هذه الجنایة علی المحرم بازالة الشعربای طریق کان ـوالدلیل علیه انه ذکرالحلق فی الابط ولم یلزم منه استنان حلق الابط ولهذااختارفی الهدایة سنیةالنتف لاالحلق ـفعلم ان المقصودذکرمایفیدالازالة بای طریق حصلت لتعیین حکمه اهـ[1205]

والثالث:ان الاخذوالقص محتمل والاحفاءوالانهاک والحلق محکم فلاجرم یحمل المحتمل علی المحکم کماهوالاصل وبماقررناه اندفع مافی البدایع من ان الصحیح ان السنةفیهالقص دون الحلق اهـبحرص ۲ ۱ ج۳جنایات الحج ثم هدایةالابرارص ۲ ۶ ـ

فان قیل:قدذکرالقص والاخذوالجزفی بعض الاحادیث وهذا لایتصورمع الاحفاءاهـ کشف الغمةص ۲۲۸ـ

قلنابوجه :الاوّل :هوالتوفیق بین الاحادیث بان الحلق (الماموربه)احسن ـوالقص حسن جائزاهـ اتقانی ثم شبلی ص ۵۵ ج ۲ حج، وقدمرّمن احدعشرکتاباـ

[1203] (ملخصاهدایه،فتح القدیرص ۱ ۲ ۵ ،بحرص ۲ ۱ ج۳،زیلعی ص ۵۵ ج ۲ ،شرح الصدرالشهیدحاشیه الجامع الصغیرص ۳۳)

[1204] (فتح القدیرص ۱ ۲ ۵ ج ۱ ،جنایات،بحرص ۲ ۱ ج۳جنایات،فبطل الاستدلال لانه اذاالاحتمال بطل الاستدلال)

[1205] (فتح القدیرص ۱ ۲ ۵ ج ۱ جنایات،بحرص ۲ ۱ ج۳جنایات)

الوجہ الثانی:ان الاحفاءوالنہک فی الاحادیث ہوالاستیصال کمامرفی تعریف الاحفاءمن عشرۃ کتب فیکون محکما۔والقص محتمل (ای یحتمل ان یقص حتی یوازی الاطار۔)ویحتمل ان یبالغ فی القص حتی یتبین الشفۃ بیاناظاہراوینظرالی بیاض الجلدویصیرکالحلق)فیحمل القص علی ماورویناہ لانہ محکم اہ۔اتقانی ثم شبلی ص۵۵ ج۲۔حج وہو مفہوم البحرص ۱۲ ج۳جنایات،فتح القدیرص ۱۲۵ ج۱ جنایات شامی جنایات۔ولہذاقالوا۔واماذکرالقص فی بعض الاحادیث فالمرادمنہ المبالغۃ والاستیصال اہ۔بحرص ۱۲ ج۳،فتح القدیرص ۱۲۵ ج۱۔

الوجہ الثالث:ان القص لماکان محتملاًکمامر۔والحلق المذکورفی حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الذی اخرجہ النسائی ثم احکام المذاہب ص۷۔حلقوا الشوارب واعفوااللحی اہ۔صریح محکم فلابدمن ان یحمل القص والاخذوالجزعلی الحلق توفیقا۔ولہذاقالوا ان القص لاینافی مایریدہ بلفظ الحلق۔فان المراد من القص المبالغۃ فی الاستیصال عملاًبقولہ علیہ السلام فی الصحیحین احفوا الشوارب وہو المبالغۃفی القطع اہ۔[1206]

فان قیل :عن مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رأی رجلا طویل الشارب فدعا بسواک وشفرۃ فقص شارب الرجل علی عوذ السواک۔وہذالایتصورمع الحفاء اہ۔کشف الغمۃص ۲۲۸۔

قلنا:الاول لیس فیہ دلیل علی شئ لانہ یجوزان یکون النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فعل (ذلک بشفرۃ غیرحادۃ لایمکن بہاالحلق بقرینۃ طلب السواک مع الشفرۃ لانہالوکانت حادۃ لکفت وحدہاللحلق ولہذاقال)ولم یکن بحضرتہ مقراض یقدربہ علی احفاء الشارب اہ۔شرح معانی الاثارللطحاوی ص ۳۳۱۔

الوجہ الثانی:ان فعلہ علیہ السلام المذکورفی ہذاالحدیث دلیل جوازالقص وحسنہ وقدمرفی بیان المذاہب۔

[1206](فتح القدیرص ۱۲۵ ج۱ جنایات)

فلاینافی کون الاحفاء احسن ۔فبماقررناہ ظہردفع قول من قال ان الاحفاءوالجزوالقص بمعنی واحدوھوالاخذمنه حتی یبدوطرف الشفة اہ۔نووی ص ۱۲۹ ج ۱۔
لانه عکس الموضوع اذفیه حمل المحکم علی المحتمل بل فیه اخراج الاحفاءعن حقیقته۔[1207]

اعتراضات وجوابات کی عبارات کاترجمہ:

اعتراض نمبر ا:مونچھوں کومنڈوانابدعت ہے جیسے کہ سراجیہ وغیرہ میں ہے لہٰذا یہ سنت نہیں رہا۔

جواب:ہم اس کے کئی وجوہ سے جواب دیں گے۔

ا۔علماءکےبقول بدعت کی تعریف یہ ہے کہ کسی عنادیاشبہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے منقول ومعروف کام کے خلاف اعتقادرکھنایہ تعریف مونچھیں منڈوانےپرصادق نہیں آتی کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ یہ عمل فرماتےتھے۔(یعنی مونچھیں منڈواتےتھے۔)

۲۔یہ بدعت کاقول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس صریح قول کے مخالف ہے جس میں فرمایامونچھیں منڈواؤاورداڑھی بڑھاؤ۔

۳۔یہ ابن عمر رضی اللہ عنہمااورابوعمررضی اللہ عنہماکی مرفوع وصریح حدیث کے مخالف ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایاکہ مونچھیں منڈواؤ۔

[1207] (بحوالہ حلق الشوارب من السنن الرواتب۔مصنفۃ شیخ الاسلام الحاج مولاناشائستہ گل)

۴۔ مونچھیں منڈوانا یہ امام و جمھور کا مذہب ہے اس سے معلوم ہوا کہ بدعت قرار دینے کا قول صرف امام مالک کا ہے جو یقیناً قابل قبول نہیں ہے کیونکہ یہ جمھور سلف کے خلاف ہے اور علماء کا فرمان ہے کہ کسی مذہب سے دوسرے مذہب پر اعتراض نہیں ہو سکتا اور علماء کا قول ہے کہ حنفی پر لازم نہیں کہ وہ شافعی مذہب کے مطابق چلے بلکہ وہ اپنے مذہب پر چلے گا۔

اعتراض نمبر ۲:

اگر کہا جائے کہ مونچھوں کا حلق مکروہ ہے جیسے کہ سراجیہ وغیرہ میں ہے لہٰذا یہ سنت نہ ہوا۔ (قلنا) کئی وجوہ سے ہم جواب دیں گے۔

۱۔ یہ قول اس حدیث کے مخالف ہے جس میں حلق کا ذکر ہے جو اوپر گزر گئی۔

۲۔ یہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے کہ مونچھیں کاٹو جیسے کہ گزر گیا۔

۳۔ یہ شافعی مذہب کے بعض متاخرین علماء کا قول ہے اس وجہ سے اس میں تعبیر شافعیہ سے کی، جیسے کہ کہا کہ مکمل منڈوانا شافعیہ کے نزدیک اصح قول کی بناء پر مکروہ ہے، یہ نہیں کہا کہ اصحاب شافعی کے نزدیک مکروہ ہے۔

۴۔ اس پر مکروہ کی تعریف صادق نہیں آتی جو یہ ہے کہ مکروہ وہ عمل ہے جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو، کیونکہ مونچھیں کاٹنے کا حکم ہوا ہے حلق، احفاء، نھک کے الفاظ سے اور اس میں ممانعت نہیں ہے اور مطلق کو اپنے اطلاق پر محل کریں گے۔

اعتراض نمبر ۳:

اگر کہا جائے کہ علماء نے فرمایا کہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے لہٰذا مونچھوں کو حلق کرنے سے بچنا چاہیئے تاکہ اختلاف ختم ہو جائے کیونکہ امام مالک کے نزدیک بدعت ہے اور متاخرین شوافع کے نزدیک مکروہ ہے۔

(قلنا) یہ قانون صحیح نہیں ہے جیسے کہ علماء نے فرمایا کہ اختلاف سے بچنا اور نکلنا صحیح اور مستحب ہے مگر اس شرط پر کہ اپنے مذہب کے مکروہ کا مرتکب نہ ہو جائے، ظاہر ہے یہاں مکروہ سے مراد تنزیہی ہے یعنی مستحب کا ترک کرنا۔ جیسے کہ شوافع کے نزدیک فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا سنت ہے لیکن ہم حنفی اس کا لحاظ نہیں کریں گے کیونکہ ہمارے احناف کے ہاں فجر کی نماز روشنی کر کے پڑھنا افضل ہے۔ اس طرح مونچھوں کے حلق کو ہم ترک نہیں کریں گے کیونکہ یہ احناف وجمہور کے ہاں سنت ہے۔

(فان قیل) لفظ "اخذ" سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مونچھیں کاٹنا سنت ہے نہ کہ مونڈوانا۔

(قلنا) ہم کئی وجوہ سے جواب دیں گے۔

۱۔ اگر مصنف نے جامع صغیر کے حوالے سے لفظ اخذ سے مراد کاٹنا لیا ہو جیسے کہ جامع صغیر میں ہے کہ اگر کسی محرم نے حالت احرام میں مونچھیں لے لیں (کاٹ دیں) تو اس پر دو عادلوں کے فیصلے کے مطابق فدیہ دینا ہے تو یہاں اخذ سے مراد عام ہے یعنی حلق بھی اس میں داخل ہے کیونکہ مونڈنا اور کاٹنا دونوں سے مراد مونچھیں لینا ہے اور جو "اخذ" کے زمرے میں داخل نہیں ہے وہ نوچنا ہے۔

۲۔ایسی بات نہیں جو صاحب ہدایہ نے سمجھا ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کا مقصود یہاں یہ بتانا نہیں ہے کہ موچھیں کاٹنا سنت ہے بلکہ وہ یہاں محرم (احرام والے) کی جنایت (غلطیوں)کا ذکر کر رہے ہیں کہ محرم جس طرح بھی بال کاٹے گا اس کی گرفت ہو گی اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے بغل کے بالوں کے بارے میں حلق کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ بغل کے بالوں کا حلق سنت ہے اس وجہ سے ہدایہ میں اس کے نوچنے کو سنت قرار دیا ہے نہ کہ حلق کو۔

۳۔لفظ اخذ و قص احتمالی ہے اور احفاء، انھاک اور حلق محکم ہے لہٰذا احتمالی کو محکم پر محل کریں گے لہٰذا ابدائع میں جو ہے کہ کاٹنا سنت ہے نہ کہ حلق، تو اس قول کا رد ہو گیا۔

(فان قیل) مونچھوں کے بارے میں احادیث میں لفظ اخذ، جز اور قص آیا ہے اور یہ حلق کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

(قلنا) ہم کئی وجوہ سے جواب دیں گے۔

ا۔احادیث کے مابین تطبیق یہ ہے کہ حلق جس کا حکم ہوا ہے وہ احسن ہے اور کاٹنا حسن و جائز ہے۔

۲۔احادیث میں احفاء و نھک سے مراد بالوں کی بیخ کنی کرنا ہے جیسے کہ دس کتب سے احفاء کی تعریف میں گزر چکا ہے لہٰذا یہ حکم محکم ہے اور قص میں احتمال ہے یعنی اتنا کم کیا جائے کہ ہونٹ نظر آئے اور اس کی جلد کی سفیدی بھی نظر آئے اور حلق کے مانند ہو جائے لہٰذا قص کو بھی حلق پر محل کریں گے کیونکہ وہ محکم ہے۔اس وجہ سے علماء نے فرمایا کہ احادیث میں جو کاٹنے کا حکم آیا ہے اس سے مراد مبالغ اور جڑوں سے کاٹنا ہے۔

۳۔ کاٹنا جو کہ احتمالی حکم ہے اور حلق کرنا جیسا کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ مونچھوں کا حلق کرو یہ محکم حکم ہے لہٰذا ضروری ہے کہ احتمالی حکم یعنی قص، اخذ، جز کو حلق پر حمل کریں گے تاکہ تطبیق آجائے۔ اس وجہ سے علماء نے فرمایا کہ لفظ قص، حلق کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ قص (کاٹنے) سے مراد کاٹنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

(فان قیل) مغیرہ بن سقبہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لمبی مونچھوں والے شخص کو دیکھا اور مسواک اور قینچی منگوا کر اس کی مونچھوں پر مسواک رکھ کر مونچھیں کاٹ دی، معلوم ہوا کہ یہ حلق نہ تھا۔

(قلنا) ا۔ اس روایت میں کوئی بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی مونچھ کے کند قینچی سے بال کاٹے ہوں جس سے حلق کرنا ممکن نہیں اسی وجہ سے تو مسواک بھی منگوایا، اگر وہ تیز ہوتی تو مسواک کی ضرورت نہ تھی بلکہ قینچی کافی تھی۔ اس وجہ سے علماء نے فرمایا کہ ایسی تیز قینچی نہ تھی کہ جس سے حلق ممکن ہوتا۔

۲۔ آپ ﷺ کے اس فعل سے مونچھیں کاٹنے کے جواز اور حسن پر دلالت ہے جو مونڈنے کے احسن ہونے کے منافی نہیں ہے اس سے اس شخص کی بات رد ہوگئی جو احفاء، جز اور قص کو ایک ہی معنٰی میں سمجھتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

گلے کے بال نہیں مونڈنے چاہئیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔

مطالب المؤمنین میں ہے:

لا یحلق شعر حلقہ وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لا بأس بذالک۔

گلے کے بال نہیں مونڈنے چاہئیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور عالمگیریہ میں بھی اسی طرح ہے۔

داڑھی میں خضاب لگانے کا حکم:

صحیح مذہب میں ہے کہ داڑھی اور سر کے بالوں پر کالا رنگ لگانا حرام ہے۔ علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو گناہ کبیرہ کہا ہے۔ صرف مجاہدین کے لئے اجازت کا جواز ہے۔ سیاہ رنگ کی حرمت اور کراہت پر احادیثِ صحیحہ اور عباراتِ فقہاء موجود ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ یکون قوم یخضبون فی أخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ۔[1208]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے جیسے جنگلی کبوتروں کے پوٹے، وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انّ النّبیّ ﷺ قال یکون فی أخر الزمان قوم یسودون اشعارھم لا ینظر اللہ الیھم۔

[1208] (مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۷۳، بیھقی ج۷ ص ۳۱۱، خلاصہ الفتاویٰ مع مجموعۃ الفتاویٰ ج۴ ص ۳۵۱، الترغیب و الترھیب ج۳ ص ۶۸، سنن ابو دائود ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاھور ۱۴۰۵ ھ، شرح صحیح مسلم للسعیدی ج۶ ص ۴۱۴، سنن ابی دائود ج ۲ ص ۲۲۶ مطبع کابل، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۷۷، احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۴۳)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہو گی جو اپنے بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگے گی۔ اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ان کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔[1209]

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ الصفرۃ خضاب المؤمن و الحمرۃ خضاب المسلم و السواد خضاب الکافر۔[1210]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زرد رنگ مؤمن کا خضاب ہے، سرخ رنگ مسلم کا خضاب ہے اور سیاہ رنگ کافر کا خضاب ہے۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیامۃ۔

ترجمہ: حضرت ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سیاہ خضاب لگایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا چہرہ سیاہ کر دے گا۔[1211]

عن مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کرہ الخضاب بالسواد وقال اول من خضب بہ فرعون۔

ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سب سے پہلے فرعون نے سیاہ خضاب لگایا تھا۔[1212]

[1209] (رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ جید، مجمع الزوائد ج۵ ص ۱۶۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

[1210] (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۴۳، المستدرک للحاکم ج۳ ص ۵۲۶، جامع الاحادیث ج۴ ص ۲۳ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ)

[1211] (خلاصۃ الفتاویٰ مع مجموعۃ الفتاویٰ ج۴ ص ۳۵۱، مجمع الزوائد للھیثمی ج۵ ص ۱۶۳، جامع الاحادیث ج۴ ص ۲۳)

[1212] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ ص ۲۵۱)

عن ایوب قال سمعت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسئل عن الخضاب بالوسمة فکرھہ فقال یکسو اللہ العبد فی وجھہ النور ثمّ یطفئه بالسواد۔[1213]

ترجمہ: ایوب بیان کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیاہ خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے چہرے میں نور کا لباس پہناتا ہے اور وہ اس نور کو سیاہی سے چھپادیتا ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ غیّر وا الشیب ولا تقربوا السواد۔[1214]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بڑھاپا (داڑھی کی سفیدی) تبدیل کرو اور سیاہ رنگ کے قریب نہ جاؤ۔

عن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلاً: قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ تعالیٰ لا ینظر الیٰ من یخضب بالسواد یوم القیامة۔[1215]

ترجمہ: حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو سیاہ خضاب لگائے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی بابی قحافة یوم فتح مکه ورأسه ولحیته کالثغامة بیاضاً قال رسول اللہ ﷺ غیر وا ھذا بشیئٍ واجتنبوا السواد۔[1216]

[1213] (مصنف ابن ابی شیبہ ج۸ ص ۲۵۲)

[1214] (المسند لاحمد بن حنبل ج۳ ص ۲۴۷، جامع الاحادیث ج۴ ص ۲۵)

[1215] (کنز العمال للمتقی ج۶ ص ۱۷۶، جامع الاحادیث ج۴ ص ۲۵)

[1216] (سنن ابی دائود ج ۲ ص ۲۲۲، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۷۷، ریاض الصالحین ص ۵۶۸ باب ۲۹۴)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لایا گیا اور آں حالانکہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید پھولوں کی طرح سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو کسی چیز سے متغیر کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ اول من خضب الحناء والکتم ابراھیم علیہ السلام و اول من اخضب بالسواد فرعون۔[1217]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے حنا اور کتم سے خضاب کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور سب سے پہلے سیاہ خضاب کرنے والا فرعون تھا۔

عن واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ شر کھولکم من تشبہ بشبابکم۔[1218]

ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے اُدھیڑوں میں سب سے بدتر وہ ہے جو جوانوں کی سی صورت بنائے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال نہیٰ رسول اللہ ﷺ عن الخضاب بالسواد۔[1219]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاہ خضاب سے منع فرمایا۔

حدیث: حضور انور ﷺ نے فرمایا: **ان اللہ تعالیٰ یبغض الشیخ الغربیب۔**

[1217] (الدر المنثور للسیوطی ج ۱ ص ۱۱۵، کنز العمال للمتقی ج ۶ ص ۶۶۸، الجامع الصغیر للسیوطی ج ۱ ص ۱۶۹، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۶، مسند الفردوس للدیلمی ج ۱ ص ۲۹)

[1218] (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۷۰)

[1219] (الطبقات الکبریٰ لابن سعد)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے کوے کو دشمن (ناپسند) رکھتا ہے۔[1220]

اس حدیث شریف میں سیاہ خضاب کے شوقین کو حضور نبی کریم ﷺ "بوڑھے کوے" کا لقب دے رہے ہیں اور یہ لقب ہمارے اور سب کے آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ محبت سے نہیں بلکہ غصے اور غضب سے دے رہے ہیں۔ یہ وقعت کی نگاہ سمجھتی ہے کہ جس لقب سے کسی کا آقا رنجیدہ ہو وہ غلام اور نوکر جان تو دے سکتا ہے لیکن اپنے آقا کا رنج بھرا کلمہ اپنے لیئے گوارا نہیں کر سکتا۔ اس سے ہم اپنے ضمیر کو جھنجھوڑیں کہ سیاہ خضاب سے ہمارے آقا کریم ﷺ کی مرضی کیا ہے اور ہم کس شوق سے اپنے آقا کو ناراض کر رہے ہیں۔

تعلیقاتِ علامہ حنفی میں ہے:

"الغرغیب ای الذی یسود شیبہ"۔

عزیزی میں ہے:

"الغربیب الذی لا یشیب او الذی یسود بشیبہ بالخضاب"۔

یعنی غربیب وہ ہے جو چہرے کو سیاہ کرے یا غربیب وہ ہے جس کا بڑھاپا ظاہر نہ ہو یا وہ اپنے بڑھاپے کو کالے خضاب سے سیاہ کرے۔

ویکرہ الخضاب بالسواد لما روی الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ "ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال فی قوم یغیرون بالسواد یسود اللہ تعالیٰ وجوھھم یوم القیامۃ۔"[1221]

ترجمہ: اور سیاہ خضاب مکروہ ہے ہیں جیسا کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک نبی اکرم ﷺ نے ایک قوم کے بارے میں فرمایا جو سیاہ خضاب سے (داڑھی کو سیاہ) کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے چہرے کو بروز قیامت سیاہ کر دے گا۔

[1220] (رواہ ابن عدی کامل و دیلمی مسند الفردوس ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

[1221] (غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۶)

ان تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ داڑھی کا سیاہ کرنا حرام اور ناجائز ہے۔ صرف مجاہدین کے لئے اس کی اجازت ہے ۔ لیکن آج کے مسلمان داڑھی کالی کرنے کے لئے مختلف حیلے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور ہونے والی بیوی جوان ہے، اس لئے میں داڑھی کالی کرتا ہوں تاکہ جوان نظر آؤں۔ لیکن میرے عزیز بھائیو! یہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے بلکہ یہ اس صورت میں حرام اور ناجائز ہے اور دھوکہ ہے۔ اس لئے اس چیز سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمارا چہرہ سیاہ کر دے (العیاذ باللہ!)۔

بعض جہلاء اور بے دین لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں عالم یا فلاں مولوی صاحب داڑھی کالی کرتے ہیں تو کیا اس عالم یا مولوی صاحب کے اس طرح کرنے سے یہ جائز ہو گا؟ در آں حالیکہ شریعت کسی عالم یا اس کے عمل و کردار کا نام تو نہیں ہے بلکہ شریعت تو محبوبِ خدا ﷺ کے ارشادات کا نام ہے لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ارشادات و احکامات پر عمل کریں۔

عباراتِ فقہاء کرام

محیط میں ہے:

"الخضاب بالسواد قال عامة المشائخ انه مکروه"۔

عام علماء فرماتے ہیں کہ کالا خضاب مکروہ ہے۔

ذخیرہ میں ہے:

"علیه عامة المشائخ"۔

یہ عام (تمام) مشائخ کا مذہب ہے۔

در مختار میں ہے:

”یکرہ بالسواد وقیل لا“۔

کالا خضاب مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ عامہ مشائخ کرام اور جمہور ائمہ اعلام کے نزدیک سیاہ خضاب منع ہے۔

جب علماء کرام کراہت مطلقہ کی بات کرتے ہیں تو اس سے کراہت تحریمہ مراد لیتے ہیں، جس کا مرتکب گنہگار اور مستحقِ عذاب ہے۔(العیاذ باللہ)

علامہ حموی علامہ سید طحطاوی اور علامہ شامی رحمہم اللہ تعالیٰ، یہ حضرات علماء کرام فرماتے ہیں:

”ھٰذا فی حق غیرہ الغزاۃ ولا یحرم فی حقھم للارھاب“۔

یعنی سیاہ خضاب کا حرام ہونا غیر غازی کے حق میں ہے اور غازی کے حق میں کافروں کو ڈرانے کے لئے حرام نہیں ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

”پیری نورالٰہی است وتغیر نورالٰہی بظلمت مکروہ ووعید در باب خضاب سیاہ شدید آمدہ۔اہ ملخصاً“۔

یعنی پیری (سفید بال) بڑھاپا نورِ الٰہی ہے۔نور الٰہی کو سیاہی سے تبدیل کرنا مکروہ ہے۔خضاب سیاہ کے متعلق وعید شدید وارد ہے۔

اسی میں ہے:

”خضاب بسواد حرام است وصحابہ وغیرہم خضاب سرخ میکردند وگاہے زرد نیز اہ ملخصاً“۔

یعنی سیاہ خضاب حرام ہے، ہاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرخ مہندی یا کبھی کبھی زرد مہندی کا بھی خضاب لگاتے تھے۔

حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ویکرہ الخضاب بالسواد۔[1222]

یعنی سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے۔

فقہ کی مشہور کتاب قدوری کی شرح "**جوھرۃ النیرۃ**" میں ہے:

ویکرہ تغیر الشیب بالسواد۔[1223]

ترجمہ: سفید بالوں کو سیاہ خضاب سے کالا کرنا مکروہ ہے۔

شرح در مختار (ج۴ ص۳۶۳) میں ہے، فرماتے ہیں:

ویکرہ بالسواد وعلیہ عامۃ المشائخ۔

یعنی اور سیاہ خضاب مکروہ ہے اور یہی عام مشائخ کا مذہب ہے۔

مولانا عبد الحئ لکھنوی "**التعلیق الممجد علی موطا محمد**" میں لکھتے ہیں:

"واما الخضاب بالسواد الخالص فغیر جائز۔"

یعنی خالص سیاہ خضاب ناجائز ہے۔

امام طحطاوی نے امام نووی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ:

قال النووی ومذھبنا استحباب الشیب للرجل والمرأۃ بصفرۃ أو حمرۃ وتحریم خضابہ بالسواد علی الاصح۔

[1222] (غنیۃ الطالبین ج۲ ص۱۶)

[1223] (جوھرۃ النیرۃ ج۲ ص۳۸۳)

یعنی مرد و عورت دونوں کو سرخ و زرد خضاب لگانا مستحب ہے اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ سیاہ خضاب حرام ہے۔

امام شعرانی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لواقع للانوار القدسیہ (ص ۳۳۳) میں لکھا ہے:

اخذ علینا العهد العام من رسول اللہ ﷺ ان لا نخضب لنا لحیة بالسواد و لا نقر زوجتنا و لا غیرها علیٰ خضب رأسها الا لغرض شرعی کالجهاد فی سبیل اللہ۔

ترجمہ: اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عہد لیا کہ ہم داڑھی وغیرہ کالے خضاب سے سیاہ نہ کریں گے اور نہ ہی اپنی عورتوں وغیرہ کو خضاب سے سر سیاہ کرنے دیں گے سوائے غرضِ شرعی کے جیسے کہ **جهاد فی سبیل اللہ۔**

الزواجر لابن حجر شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ج ۱ ص ۱۴۴) میں ہے کہ:

الکبیرة الحادیة عشر بعد مائة خضب نحو اًلحیة بالسواد لغیر غرض جهاد۔

ترجمہ: ایک سو گیارہواں کبیرہ گناہ سیاہ خضاب ہے جو بغیر جہاد کی غرض سے داڑھی کو لگایا جاتا ہے۔

اہل علم تو گناہ کو سمجھتے ہیں اور عوام کو بھی معلوم ہو گا کہ زنا، قتل، اور چوری وغیرہ گناہوں کو گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب خود سمجھ لیں کہ سیاہ خضاب سے روسیاہی پر آپ کس کھاتے میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ مظہری میں لکھا ہے کہ:

"سیاہ خضاب ممنوع ہے۔ سرخی مائل ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں"۔[1224]

[1224] (فتاویٰ مظہری ص ۲۹۵)

فتاویٰ عالمگیری کتاب الکراھیۃ(ص ۳۶۹ج ۵) میں ہے:

الخضاب بالسواد فمن فعل ذالک من الغزاۃ لیکون اھیب فی عین العدو فھو محمود ومن فعل ذٰلک لیزین نفسه للنساء ولیحبب نفسه الیھن فذالک مکروہ وعلیه عامة المشائخ۔

ترجمہ: سیاہ خضاب غازی، دشمنوں پر ہیبت ڈالنے کے لئے کرے تو اچھا ہے، لیکن اس غرض سے مکروہ ہے کہ اپنی عورت کو اچھا لگوں اور وہ مجھ سے محبت کرے۔عام مشائخ کا یہی فتویٰ ہے۔

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ "جمع الوسائل شرح الشمائل للترمذی" ج ۱ ص ۱۰۲ میں لکھتے ہیں:

اختلفوا فی انه ھل یجوز الخضاب بالسواد مذھب اکثر العلماء الیٰ کراھة الخضب بالسواد ورجح النووی رحمة اللہ تعالیٰ علیه الیٰ انھا کراھة التحریم وان من علماء من رخص فیه فی الجھاد ولم یرخص فی غیرہ۔

ترجمہ: سیاہ خضاب کے متعلق اختلاف ہے لیکن اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سیاہ خضاب مکروہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہی ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ بعض علماء صرف جہاد کے لئے اس کی اجازت دیتے ہیں، جہاد کے علاوہ اس کی رخصت نہیں ہے۔

امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ احیاء العلوم (ج ۱ ص ۱۴۳) میں فرماتے ہیں:

الخضاب بالسواد منھی عنه لقوله صلی اللہ علیه وآله وسلم خیر شبابکم من تشبه بشیوخکم وشر شیوخکم من تشبه بشبابکم۔

ترجمہ: سیاہ خضاب ممنوع ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے وہ نوجوان بہتر ہیں جو بوڑھوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور تمارے بوڑھوں میں سے وہ بوڑھا برا ہے جو تمہارے نوجوانوں سے مشابہت کرے۔

حضرت علامہ ابراہیم بن محمد البیجوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وعندنامعاشر الشافعیةبغیر بالسواد السنةوبالسواد حرام۔

ترجمہ: ہمارے علماء شوافع کے نزدیک سیاہ خضاب حرام اور کالے کے علاوہ دیگر رنگ سنت ہے۔[1225]

داڑھی سیاہ کرنا اس لئے کہ اپنی بیوی کو جوان نظر آؤں یا اس لئے کہ مزدور اپنے مالک کو جوان نظر آئے اور درحقیقت وہ جوان نہ ہو تو یہ دھوکہ ہے اور ہماری شریعت میں دھوکہ بالاتفاق حرام ہے اور منافقت کی علامات میں سے ہے۔

امام طبرانی اپنی معجم صغیر وکبیر میں جید اسناد کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من غش فلیس مناو المکر والخداع فی النار۔

جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں اور مکر وفریب اور دھوکہ دینے والا دوزخ میں جائے گا۔

احیاء العلوم (ج ۱ ص ۱۴۳) میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکایت نقل کی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے سیاہ خضاب لگاکر خود کو جوان ظاہر کر کے کسی عورت سے نکاح کیا۔ چند دن کے بعد اس کے سیاہ بال سفیدی سے بدل گئے تو اس عورت نے اس کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کا نکاح بھی رد کر دیا اور اسے کوڑے بھی لگوائے۔

[1225] (شرح الشمائل للترمذی للسید محمد امیر البشاوری)

فائدہ:

خدا کرے ہمارے دور میں بھی کوئی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا عادل حاکم پیدا ہو پھر ہم دیکھیں کہ کن صاحب کو کالے خضاب کا شوق چڑھتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ فرعون کو فرمایئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ گے تو زندگی بھر تمہیں بادشاہی سے نہیں ہٹایا جائے گا اور تمہیں از سر نو جوانی بخشی جائے گی لیکن ہامان نے اسے روکا اور کہا کہ میں تجھے از سر نو جوان بنا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر سیاہ خضاب تیار کر کے فرعون کی داڑھی کو سیاہ کر دیا۔ سیاہ خضاب سب سے پہلے فرعون نے استعمال کیا۔

اسی وجہ سے ہمارے نزدیک سیاہ خضاب استعمال کرنا حرام ہے۔

ان دلائل کے علاوہ وہ کتابیں جن میں سیاہ خضاب لگانا حرام مکروہ و ممنوع لکھا ہے وہ یہ ہیں:

ریاض الصالحین ص ۴۶۴ تا ۴۶۵، غایۃ الاوطار ج ۴ ص ۴۶۸، ہدایۃ النور لعبد الحیؒ لکھنوی مرحوم، نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۱۴، نزہۃ الناظرین ص ۵۹، مسئلہ سیاہ خضاب مفتی محمد فیض احمد اویسی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ملفوظات اعلیٰ حضرت ج ۲ ص ۹۷، ج ۳ ص ۱۶۔

۱۔عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال اتی بأبی قحافۃ یوم فتح مکّۃ و رأسہ و لحیتہ کالثّغامۃ بیاضًا فقال رسول اللہ ﷺ غیّر و اھذا بشیئٍ و اجتنبو ا السواد۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لایا گیا اور آں حالانکہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید پھولوں کی طرح

سفید تھے۔ رسول اللہ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ان کو کسی چیز سے متغیر کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔[1226]

۲۔عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ انہ سئل من خضاب رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم فقال ان رسول اللہ لم یکن شابّ الا یسیراً ولٰکن أبا بکر و عمر بعدہ قد خضبا بالحناء و الکتم قال و جاء أبو بکر بأبیہ ابی قحافۃ الی رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم یوم فتح مکّۃ یحملہ حتی وضعہ بین یدی رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم و رأسہ کالثّغامہ بیاضًا فقال رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم غیروہ و جنبوہ السواد۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بہت کم موئے مبارک سفید ہوگئے لیکن آپ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما مہندی اور کتم کا خضاب لگاتے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے دن آپ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس لائے اور سامنے بٹھا دیا۔[1227]

۳۔عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم غیروا الشّیب و لا تشبّھوا بالیھود واجتنبوا السّواد۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ سفید بالوں کو بدلو اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو اور کالے رنگ سے بچو۔[1228]

۴۔عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم غیروا الشّیب و لا تقربو السّواد۔

[1226] (رواہ أحمد فی مسندہ ۳/۲۲۲-۳۱۶ ۲ومسلم ۱۵۵/۶ والنسائی ۱۳۸/۸ و ۱۸۵ وأبو داود ۸۵/۴ وابن ماجہ ۱۱۹۷/۲ ومصنف ابن أبی شیبۃ ۴۳۲/۸ ومصنف عبدالرزاق ۱۵۴/۱۱ والحاکم ۲۴۴/۳ والبیھقی ۳۱۰/۷)

[1227] (اخرجہ الامام احمد ۱۶۰/۳ وابن حبان موارد الظمأن ص ۳۵۶ والبزار کشف الأستار ۳۷۳/۳ رقم ۲۹۸۱ وھٰذا صحیح رجالہ کلھم ثقات)

[1228] (رواہ البیھقی ۳۱۱/۷ ورجلہ ثقات)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بڑھاپا (داڑھی کی سفیدی) تبدیل کرو اور سیاہ رنگ کے قریب نہ جاؤ۔[1229]

۵۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال قال رسول الله ﷺ یکون قومٌ یخضبون فی أخر الزّمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة۔[1230]

۶۔ عن انس بن مالک رضی الله عنه قال کنا یومًا عند النبی ﷺ فدخلت علیه الیهود فراهم بیض اللحی فقال ما لکم لا تغیرون فقیل انهم یکرهون فقال النبی ﷺ ولکنکم غیروا وایای والسواد۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم آپ ﷺ کے پاس تھے کہ یہودی آپ ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ نے ان کی سفید داڑھیاں دیکھیں تو فرمایا تم لوگ اس سفیدی کو کیوں نہیں بدلتے؟ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ لوگ مکروہ سمجھتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ سفیدی کو بدلو مگر کالے رنگ سے بچو۔[1231]

۷۔ عن ابن عباس رضی الله عنهما انّ النبی ﷺ قال یکون فی أخر الزّمان قومٌ یسودون أشعارهم لا ینظر الله الیهم۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اپنے بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگے گی۔ اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[1232]

[1229] (رواہ احمد ۳/۲۳۷ بسند جید وصححه السیوطی فی الجامع الصغیر ۲/۲۰۲ والالبانی فی صحیح الجامع الصغیر وزیادته ۴/۷۳ وقال البانی والذی أرحجه ان الحدیث صحیح لان رواته کلهم ثقات وللحدیث شواهد فی مسلم وغیره)

[1230] (رواہ الامام أحمد ۱/۲۷۳ والنسائی ۸/۱۳۸ وأبو داؤد ۴/۸۷ والبیهقی ۷/۳۱۱)

[1231] (مجمع الزوائد للهیثمی ۵/۱۶۰ والطبرانی فی الأوسط وفیه ابن لهیعة وبقیه رجاله ثقات وابن لهیعة وثقه الذهبی فی تذکرة الحفاظ ۱/۲۳۷ وتهذیب لابن حجر ۵/۳۷۵ وهو حدیث حسن)

[1232] (رواہ الطبرانی فی الأوسط والهیثمی فی مجمع الزوائد ۵/۱۶۱ واسناده جید)

۸۔عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من خضب بالسّواد سوّد اللہ وجھہ یوم القیامۃ۔

ترجمہ: حضرت ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سیاہ خضاب لگایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا چہرہ سیاہ کر دے گا۔[1233]

۹۔ عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہٖ قال قال رسول اللہ ﷺ من غیر البیاض بالسواد لم ینظر اللہ الیھم۔

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے داڑھی پر کالا رنگ لگایا اللہ تعالیٰ اس کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔[1234]

۱۰۔ وعن عامر الشّعبی رفعہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ لا ینظر الی من یخضب بالسواد یوم القیامۃ۔

ترجمہ: حضرت عامر الشعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو سیاہ خضاب لگائے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا۔[1235]

۱۱۔عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ کان یکرہ عشر خصالٍ الصفرۃ یعنی الخلوق وتغیر الشّیب وجرّ الازار والتختم بالذھب۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ دس خصلتوں کو ناپسند فرماتے تھے پیلا رنگ، سفید بال پر رنگ لگا کر بدلنا، شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اور سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا۔[1236]

[1233](مجمع الزوائد ۵/۱۶۳ والطبرانی)

[1234](أوردہ الحافظ ابن حجر فی ترجمۃ محمد بن مسلم العنبری فی لسان المیزان ۵/۳۸۰ وکنز العمال ۶/۶۷۲)

[1235](الطبقات الکبری لابن سعد ۱/۴۴۱ والجامع الصغیر للسیوطی ۱/۲۸۱)

[1236](الحدیث أخرجہ أحمد ۱/۳۹۷-۴۳۹-۳۸۰أبو داؤد ۴/۸۹ برقم ۴۲۲۲ النسائی ۸/۱۴۱ ابن حبان ۳۵۵ والحاکم ۴/۱۹۵ وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاہ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۴۴۰)

۱۲۔عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انہ حدث ان رسول اللہ ﷺ نہی عن خضاب السواد۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے کالے خضاب سے منع فرمایا۔[1237]

۱۳۔عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ انّ اللہ یبغض الشّیخ الغربیب۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے کوے کو دشمن (ناپسند) رکھتا ہے۔[1238]

۱۴۔عن مجاہد قال رای النبی ﷺ رجلاً اسود الشعر قد راہ بالأمس أبیض الشّعر قال من أنت قال أنا فلانٌ قال بل انت شیطان۔

ترجمہ: مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے بالوں پر کالا رنگ لگایا ہوا تھا جبکہ کل گزشتہ اس کے بال سفید تھے آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں فلاں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تم شیطان ہو۔[1239]

ذم اوبدی بیانول دسلف صالحینو پہ بارہ دگیری تورولو کنبے — ترجمہ: سلف صالحین کا داڑھی پر کالے خضاب لگانے کی مذمت کرنا۔

۱) وسُئِلَ عَن أَبِی ھُریرۃ رضی اللہ تعالیعنہ عَنِ الخِضَابِ بِالوَسمَۃِ فَقَالَ لَایَجِدُ الْمُخْتَضِبُ بِھَارِیْحَ الْجَنَّۃِ۔

[1237] (البخاری ۷/۳۰۷ومسلم ۶/۱۵۵ ومسندأحمد ۵/۲۶۴)
[1238] (کنزالعمال ۲۸ ۶/۱۷۱۲۶ الجامع الصغیر للسیوطی ۱/۲۸۳)
[1239] (الطبقات الکبری لابن سعد ۱/۴۴۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰعنہ سے کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ کالا خضاب لگانے والا جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔[1240]

۲) وعن مجاهدٍ قال يكون فی أخر الزّمان قومٌ يصبغون بالسّواد لا ينظر الله اليهم أو قال لا خلاق لهم۔

ترجمہ: مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو کالا خضاب لگائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا یا ان کا جنت میں حصہ نہیں ہو گا۔[1241]

۳) وعن مجاهد أيضاً أنّه كره الخضاب بالسواد وقال أوّل من خضب به فرعون۔

ترجمہ: حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سب سے پہلے فرعون نے سیاہ خضاب لگایا تھا۔[1242]

۴) وعن عطاء بن أبی رباحٍ أنّه سئل من الخضاب بالوسمة فقال هو ممّا أحدث الناس وقد رأيت نفرًا من أصحاب رسول اللهﷺ ما رأيت واحدًا منهم يختضب بالوسمة۔

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگوں کا ایجاد کردہ عمل ہے میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا دیدار کیا ہے مگر کسی نے بھی کالا خضاب نہیں لگایا تھا۔[1243]

۵) وعن أيوب قال سمعت سعيد بن جبير حين سئل عنه عن الخضاب بالوسمة فقال يعمد أحدكم الیٰ نورٍ جعله الله فی وجهه فيطفئة هٰذا لفظ عبد الرزاق ولفظ ابن ابی شيبة وسئل عن الخضاب بالوسمة فكرهه فقال يكسو الله العبد فی وجهه النور ثم يطفئه بالسواد ورجاله رجال الصحيح۔

[1240](رواه ابن أبی شيبة وفی سنده مقال لان فيه موسی بن نجدة الحنفی اليماسی وهو مجهول (تقريب))

[1241](رواه عبد الرزاق فی المصنف ورجاله الصحيح)

[1242](رواه ابن أبی شيبة ۸/ ۴۳۹ وفی سنده أبو رباح وهو مجهول وبقية رجاله ثقات)

[1243](رواه ابن ابی شيبة ۸/۴۳۸ وابن سعد فی الطبقات الكبری ۱/ ۴۴۱ وسنده قوی)

ترجمہ: حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے چہرے میں نور پیدا کیا اور تم لوگ اس کو بجھانے کا ارادہ کرتے ہو سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیاہ خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے چہرے میں نور کا لباس پہناتا ہے اور وہ اس نور کو سیاہی سے چھپا دیتا ہے۔[1244]

٦) وعن المکحول أنّه کرہ الخضاب بالوسمة وقال خضب أبو بکرٍ بالحناء والکتم۔

ترجمہ: حضرت مکحول رضی اللہ عنہ کالے خضاب کو مکروہ کہتے تھے اور فرمایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مہندی اور کتم کا خضاب لگایا۔[1245]

٧) وعن الشعبی أنه سئل عن الخضاب بالوسمة فکرهه۔

حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے جب کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مکروہ ہے۔[1246]

٨) وعن فرقد السبخی أنه سئل من الصباغ بالسواد فقال بلغنا أنه یشتعل فی رأسه ولحیته نارٌ یوم القیامة۔

فرقد سبخی سے جب کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی کہ اس شخص کے سر اور داڑھی میں قیامت کے دن آگ ہو گی۔[1247]

٩) وعن الزهری قال مکتوبٌ فی التوراة ملعونٌ من غیّرها بالسّواد یعنی اللّحیة۔

[1244] (مصنف عبدالرزاق ١٥٤/١)

[1245] (مصنف ابن أبی شیبه ٤٣٩/٨ و سندہ جید)

[1246] (رواہ ابن ابی شیبه ٤٣٩/٨ بسند فیه مقال من اجل عبیدۃ بن حمید و صاعد لکن شهید له کثیر من الروایات)

[1247] (مصنف عبدالرزاق ١٥٦/١١ و رجاله الصحیح)

زہری نے کہا کہ تورات میں لکھا ہے کہ جو کالا خضاب لگائے گا وہ ملعون ہے۔[1248]

۱۰) قال ابن قیم قیل للامام احمد تکرہ الخضاب بالسواد قال أی واللہ ھذہ من المسائل اللّتی حلف علیھا أحمد۔

ترجمہ: ابن قیم نے کہا کہ امام احمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کالے خضاب کو مکروہ سمجھتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔ اللہ کی قسم یہ ان مسائل میں سے ہے جن پر امام احمد نے قسم کھائی ہے۔[1249]

داڑھی کالی کرنا اور اس کا حکم مذاہب اربعہ میں مذہب الاحناف یہ ہے:

قال محمد أمین المشھور بابن عابدین فی حاشیة رد المختار علی الدر مختار شرح شرح تنویر الأبصار ویستحب للرجل خضاب شعرہ ولحیته ولو فی غیر حرب فی الأصح ویکرہ بالسواد۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ مرد کیلئے مستحب ہے کہ داڑھی پر رنگ لگائے اگرچہ جہاد میں نہ ہو اور کالا مکروہ ہے۔[1250]

قال علامہ بدر الدین العینی رحمہ اللہ: والاذن فیہ مقید بغیر السواد وقال فی موضعٍ اخر الجمھور علی ان الخضاب بالحمرۃ والصفرۃ دون السواد۔

علامہ عینی لکھتے ہیں داڑھی رنگنے کی اجازت ہے مگر کالا رنگ نہیں ایک اور مقام پر فرمایا جمہور کا قول ہے کہ سرخ اور پیلا خضاب لگائے اور کالے سے بچے۔[1251]

[1248] (رواہ ابن سعد فی الطبقات الکبری ۱/۴۴۱ وفیہ رجل مجھول وبقیة رجاله لا بأس لھم)

[1249] (تھذیب السنن ۶/۱۰۴ المغنی لابن قدامہ ۱/۹۲ الأداب الشرعیة والمخ المرعیة ۳/۳۵۲)

[1250] (ردالمختار علی در المختار ۶/۴۲۲/ط ۲)

[1251] (عمدۃ القاری ۱۶/۴۶)

و قال علامه ابن مفلح رحمه الله: ویکره بالسواد اتفاقا و المراد بالاتفاق هو اتفاق المذاهب الأربعة والمکروه عند أئمة الأحناف حرام کما صرح به صاحب أبی حنیفة محمد بن الحسن الشیبانی بقوله ان المکروه هو حرام۔

علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ نے فرمایا کالا خضاب بالاتفاق مکروہ ہے اور اتفاق سے مراد چاروں مذاہب کا اتفاق ہے اور احناف کے ہاں مکروہ سے مراد حرام ہے جیسے امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکروہ سے مراد حرام ہے۔[1252]

قال امام النووی رحمه الله: فی المجموع علی ذمّ خضاب الرّأس و اللحیة بالسّواد۔

نووی نے فرمایا کہ مجموعی طور پر سر اور داڑھی پر کالا رنگ لگانا مذموم ہے۔[1253]

وقال امام نووی رحمه الله فی شرح مسلم: ویکره خضاب بالسواد علی الأصح وقیل یکره تنزیه والمختار التحریم لقوله علیه السلام واجتنبوا السواد وهٰذا مذهبنا۔

نووی نے فرمایا کہ صحیح ترین قول کے مطابق کالا خضاب مکروہ ہے ایک قول مکروہ تنزیہی کا ہے مگر مختار قول تحریمی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کالے رنگ سے بچو۔[1254]

وقال علامه سفارینی رحمه الله: ویکره بالسّواد اتفاقًا نصّ علیه أحمد رحمه الله۔

علامہ سفارینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اتفاقی طور پر کالا خضاب مکروہ ہے۔[1255]

وقال علامه المرادوی رحمه الله فی الانصاف: ویکره بالسواد نص علیه۔

علامہ المرادوی رحمہ اللہ نے الانصاف میں لکھا ہے کہ کالا خضاب مکروہ ہے۔[1256]

خضاب رسول اللہ ﷺ

[1252] (الفروع لابن مفلح ۱/۱۳۱)
[1253] (المجموع ۱/۳۲۳)
[1254] (شرح مسلم ۸۰/۱۴)
[1255] (شرح ثلاثیات سند الامام احمد ۵۳/۲ وغذاء الالباب ۱/ ۴۰۹)
[1256] (الانصاف ۱/ ۱۲۳ الاداب الشرعیة لابن مفلح ۳۵۳/۳)

۱) عن عثمان بن عبد اللہ ص: قال دخلت علی أم سلمة فاخرجت شعرًا من شعر النّبی ﷺ مخضوبًا بالحناء او الکتم۔

عثمان بن عبد اللہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا موئے مبارک نکال کر دکھایا جو مہندی اور کتم سے رنگا ہوا تھا۔[1257]

۲) عن عبد اللہ بن زید ص: أنّہ شھد النّبی ﷺ عند المنحر ھو و رجل من الأنصار فقسم النبی ﷺ ضحایا فلم یصبہ و لا صاحبہ شیئٌ و حلق رأسہ فی ثوبہٖ فأعطاہ و قسم منہ علی رجالٍ و قلم أظفارہ فأعطاہ صاحبہ فانّ شعرہ عندنا مخضوبٌ بالحناء و الکتم۔

ترجمہ: عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اور انصار قبیلے کا ایک شخص آپ ﷺ کے پاس قربان گاہ میں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت تقسیم فرمایا مگر مجھے اور میرے دوست کو کچھ بھی گوشت نہ ملا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کا حلق فرمایا اپنے کپڑے میں، تو مجھے اور چند افراد کو سر مبارک کے موئے مبارک عطا فرمائے، پھر آپ ﷺ نے ناخن مبارک کاٹے اور میرے دوست کو عطا کیے آپ ﷺ کے موئے مبارک ہمارے پاس موجود تھے جو مہندی اور کتم سے رنگے ہوئے تھے۔[1258]

۳) عن ابی رمثة ص: قال أتیت النبی ﷺ و قد لطخ لحیتہ بالحناء۔

ابو رمثہ نے کہا کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ ﷺ نے داڑھی مبارک پر مہندی لگائی تھی۔[1259]

[1257] (رواہ احمد ۲۹۶/۶، ۳۲۲، ۳۱۹، والبخاری ۲۰۷/۷ وابن ماجہ ۱۱۹۶/۲ وابن ابی شیبہ ۴۳۴/۸)

[1258] (راجع رواہ احمد و اتحاف الامجاد ص ۵۱)

[1259] (رواہ احمد ۱۶۳۴ والنسائی ۱۴۰/۸ ابو داؤد ۸۶/۴)

۴) عن عبید بن جریح ص: أنّہ قال لعبد اللہ بن عمر یا أبا عبد الرّحمٰن رأیتک تصنع أربعًا لم أر أحدًا من أصحابک یصنعھا و فیہ و رأیتک تصبغ بالصّفرۃ قال عبد اللہ و أمّا الصّفرۃ فانی رأیت رسول اللہ یصبغ بھا فأنا أحبّ أن أصبغ۔

عبید بن جریج نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا اے ابو عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ وہ چار کام کرتے ہیں جو آپ کے باقی دوست نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پیلا رنگ لگاتے ہیں تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پیلے رنگ کی وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ بالوں پر استعمال کرتے دیکھا اس لئے میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں۔[1260]

جو یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خضاب استعمال نہ فرمایا، اس کے دلائل

۱) عن انس بن مالک ص: أن رسول اللہ ﷺ لم یخضب قط انما کان البیاض فی مقدّم لحیتہ و فی العنفقۃ و فی الرّأس و فی الصّدغین شیئٔ لا یکاد یریٰ و انّ أبا بکرٍ خضب بالحناء۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی خضاب نہیں لگایا کیونکہ آپ ﷺ نے کبھی بھی خضاب نہیں لگایا کیونکہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک کے سامنے والے بالوں میں اور بچی میں اور سر کے بالوں میں اور کنپٹی میں چند بال سفید تھے جو دکھائی نہیں دے رہے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مہندی لگاتے تھے۔[1261]

۲) وعن جابر بن سمرۃ ص: و قیل لہ أکان فی رأس رسول اللہ ﷺ شیب قال لم یکن فی رأسہ و لا فی لحیتہ الّا شعراتٌ فی مفرق رأسہ اذا دھنھنّ و أراھنّ الدّھن۔

[1260] (رواہ احمد ۲/۱۷/۱۱۰ والبخاری ۱/۱۵۱ و۱۹۸/۷ ومسلم ۹/۴ والنسائی ۱۴۰/۸ و۱۸۶ وابو داؤد ۱۵۰/۲ و۸۶/۴ والمصنف لابن ابی شیبۃ ۴۴۳/۸ وابن ماجہ ۱۱۹۸/۲)

[1261] (رواہ أحمد ۱۰۰/۳ و۱۸۰/و ۱۴۵ و ۱۶۰ و ۱۷۸ و۱۹۲ و ۱۹۸ و۲۰۶ و۲۱۶ و۲۲۳ و۲۲۷ و۲۵۱ و۲۵۴ و ۲۶۲ والبخاری ۲۰۶/۷ ومسلم ۸۴/۷ و ۸۵ والنسائی ۱۴۱/۸ وأبو داؤد ۸۶/۴ وابن ماجہ ۱۱۹۸/۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ فرمایا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سر اور داڑھی مبارک میں مانگ میں چند سفید بال تھے جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تیل لگاتے تھے تو ہمیں تیل نظر آتا تھا۔[1262]

۳) عن ابی جحیفة ص: قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أبیض قد شاب کان الحسن بن علی یشبهه۔

ابوجحیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خوبصورت دیکھا جب کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جوان تھے حضرت حسن بن علی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مشابہ تھے۔[1263]

خضاب کے احکام اور اس کی اقسام کا بیان:

سرخ و زرد خضاب مردوں، عورتوں دونوں کیلئے جائز و مستحب ہے۔ اسکی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ سے بسند حسن نقل کیا ہے کہ: ایک دن حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم چند عمر رسیدہ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف تشریف لائے جن کی داڑھی سفید تھی تو فرمایا:

یا معشر الانصار حمروا وصفروا وخالفوا أهل الكتاب۔[1264]

اے انصار کے گروہ! (اپنے سفید بالوں کو) سرخ کرو اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ کیونکہ اہل کتاب خضاب نہیں کرتے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں کئی اقوال ہیں صحیح تر یہ ہے کہ بوڑھے، مرد و عورت دونوں کیلئے خضاب کرنا مستحب ہے اور سیاہ خضاب کرنا حرام ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں فرمایا ہے:

[1262] (رواہ الامام احمد ۵/۱۰۴)

[1263] (رواہ مسلم ۷/۸۵)

[1264] (مسند احمد بن حنبل، ج۵، ص۲۶۵، بیروت)

ولا نریٰ بالوسمۃ والحناء والصفرۃ بأسأ وان ترکہ ابیض فلا بأس وکل ذلک حسن۔

ہم کوئی حرج نہیں سمجھتے وسمہ، حنا اور زرد رنگ کے خضاب میں اور بالوں کو سفید بھی چھوڑے تب بھی کوئی حرج نہیں ہر طرح صحیح ہے۔

قاضی خان فرماتے ہیں:

الخضاب بالحناء والوسمۃ حسن۔[1265]

حنا اور وسمہ سے خضاب کرنا بہتر ہے۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ:

أَنَّ الْخِضَابَ حَسَنٌ لَكِنْ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ وَالْوَسْمَةِ وَأَرَادَ بِهِ اللِّحْيَةَ وَشَعْرَ الرَّأْسِ وَالْخِضَابُ فِي غَيْرِ حَالِ الْحَرْبِ لَا بَأْسَ بِهِ فِي الْأَصَحِّ۔[1266]

ترجمہ: تحقیق مہندی، وسمہ اور کتم سے خضاب کرنا پسندیدہ عمل ہے مراد سر اور داڑھی کو خضاب کرنا ہے اور جہاد کے علاوہ بھی خضاب کرنے میں کوئی حرج نہیں یہی زیادہ صحیح روایت ہے۔

میرے پیارے! بالکل سیاہ خضاب جو حقیقی سیاہی کے مشابہ ہو سوائے غازیوں کے باقی سب کے لئے حرام ہے۔

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: رَأَى النَّبِيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - رَجُلًا أَسْوَدَ الشَّعْرِ قَدْ رَآهُ بِالْأَمْسِ أَبْيَضَ الشَّعْرِ قَالَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: أَنَا فُلَانٌ. قَالَ: بَلْ أَنْتَ شَيْطَانٌ۔

[1265] (قاضی خان علی ھاش الھندیہ ج۳ ص ۴۱۲ باب مایکرہ من الثیاب الحلی والزینۃ۔)

[1266] (فتاوی الھندیۃ، الْبَابُ الْعِشْرُونَ فِي الزِّينَةِ وَاتِّخَاذِ الْخَادِمِ لِلْخِدْمَةِ، ج۵ ص ۳۵۹)

ترجمہ: مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال کالے تھے اور ایک دن پہلے اسے سفید بالوں میں دیکھا تھا تو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے پوچھا آپ کون ہیں ؟ اس نے کہا کہ میں فلاں ہوں تو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ فلاں نہیں بلکہ تو شیطان ہے۔[1267]

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ مَلْعُونٌ مَنْ غَيَّرَهَا بِالسَّوَادِ. يَعْنِي اللِّحْيَةَ۔

ترجمہ: زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات میں لکھا گیا ہے کہ جو اپنی داڑھی کو کالا کرے وہ ملعون ہے۔[1268]

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ فَرْقَدًا السَّبَخِيَّ، عَنِ الصِّبَاغِ بِالسَّوَادِ، قَالَ بَلَغَنَا أَنَّهُ يَشْتَعِلُ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ نَارٌ يَعْنِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: ہمیں عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی، معمر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے فرقد سبخی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، کالے رنگ سے رنگنا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس یہ بات پہنچی ہے کہ قیامت کے دن اس کے سر اور داڑھی سے آگ سے شعلے نکلیں گے۔[1269]

الخضاب بالسواد خضاب اهل النار۔

ترجمہ: سیاہ خضاب کرنا جہنمیوں کا خضاب ہے۔[1270]

الخضاب بالسواد خضاب الكفار۔

ترجمہ: سیاہ خضاب کافروں کا خضاب ہے۔[1271]

اور پیچھے گزر چکا کہ پہلا شخص جس نے سیاہ خضاب کیا تھا فرعون تھا۔[1272]

[1267] (الطبقات الکبری، باب ذکر ما قال رسول اللہ ﷺ و اصحابہ عن تغییر الشیب، ج ۱ ص ۳۴۰)
[1268] (الطبقات الکبری، ج ۱ ص ۳۴۰)
[1269] (جامع معمر بن راشد، باب صباغ و نتف الشعر، ج ۱۱ ص ۱۵۶)
[1270] (اخرجه الطبرانی و الحاکم من حدیث ابن عمر بلفظ الکافر، قال ابن ابی حاتم منکر (تخریج احادیث الاحیاء للعراقی ج ۱ ص ۳۵۰)
[1271] (اخرجه الطبرانی و الحاکم من حدیث ابن عمر بلفظ الکافر، قال ابن ابی حاتم منکر (تخریج احادیث الاحیاء للعراقی ج ۱ ص ۳۵۰)
[1272] (مرقاۃ ج ۸ ص ۳۰۶)

اورابن حجر رحمہ اللہ نے (اپنی کتاب)"الزواجر"میں سیاہ خضاب کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیاہے۔اور محدث دہلوی رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایاہے کہ مہندی کا خضاب بالاتفاق جائزہے۔اور سیاہ خضاب میں قول مختار حرمت کاہے اور سیاہ خضاب کی ممانعت کی علت کے بارے میں لکھاہے کہ اس سے بالوں کی اصلی سیاہی سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔[1273]

یہ توجیہ قریب اور مناسب ہے اس لئے وصل اشعار(بالوں میں مصنوعی بال ملانے)کی ممانعت وارد ہوئی ہے اوراسے جھوٹ ودھوکہ فرمایاہے۔

اوراسی لئے سیاہ خضاب کرنے والے کو"کاذب فی اللحیۃ" کہتے ہیں برخلاف زردوسرخ رنگ کے کہ اس سے اصلی بالوں کے ساتھ مشابہت لازم نہیں آتی۔[1274]

حاصل یہ ہے کہ سیاہ خضاب لگاناسوائے مجاہداورغازی کے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اوراسے "کاذب فی اللحیۃ"کہتے ہیں ،لہذاایسے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں اگر کسی نے پڑھ لی تو واجب الاعادہ ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ بالاتفاق اعلم بمذہب ابی حنیفہ رحمہ اللہ ہیں ، آپ رحمہ اللہ کی تحریر کے مطابق باتفاق ائمتنا الثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ حلق شوارب مسنون ہے،ترجمہ الباب "حلق الشارب" کے تحت احادیث احفاءلانے سے مقصد یہ ہے کہ ان احادیث میں احفاء بمعنی حلق ہے،چنانچہ فتح الباری کی ایک روایت میں صراحۃً لفظ حلق مذکور ہے،وسیجیء نصہ۔حافظ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں حلق سے احفاء یعنی استیصال کالحلق مراد ہے،جس کو بغرض اظہار مبالغہ حلق سے تعبیر کیاہے۔ولایخفی ان ھذاالتحمل تمحل وتأویل القول بمالایرضیٰ بہ قائلہ وتفردبہ

[1273] (مرقاۃ ج۸ص ۳۰۴)

[1274] (کذافی شرح الوجیزفی فقہ الحنابلۃ)

الحافظ العینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ،ثم نقل ہونفسہ فی البنایۃ سنیۃ الحلق عن المختار و المحیط و سیجئ نصہ۔ یہ تأویل بوجوہ ذیل ناقابل قبول ہے۔ صنیع مصنفین میں اصل مقصود ترجمۃ الباب ہوتا ہے،اس کے اثبات کیلئے اس کے تحت احادیث لائی جاتی ہیں ،ترجمۃ الباب میں مصنف اپنا دعوی پیش کرتا ہے پھر اس کے تحت مندرجہ احادیث سے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرتا ہے،اس سے ثابت ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث احفاء سے سنیت حلق ثابت کررہے ہیں ۔اس کے برعکس حلق سے احفاء مراد لینا اصول تصنیف کے خلاف ہے اور قلب موضوع۔ حلق کا استیصال کالحلق سے ابلغ فی المعنیٰ و الیسر فی العمل ہونا ظاہر ہے،اس لئے حلق پر احفاء بمعنی الا ستیصال بالقص کالحلق کو ترجیح دینا خلاف معقول ہے۔

قال الحافظ العسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :وَوَرَدَ الْخَبَرُ بِلَفْظِ الْحَلْقِ وَهِيَ رِوَايَةُ النَّسَائِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ بِسَنَدِ هَذَا الْبَابِ وَرَوَاهُ جُمْهُورُ أَصْحَابِ بن عُيَيْنَةَ بِلَفْظِ الْقَصِّ وَكَذَا سَائِرُ الرِّوَايَاتِ عَنْ شَيْخِهِ الزُّهْرِيِّ وَوَقَعَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ مِنْ طَرِيقِ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِلَفْظِ تَقْصِيرِ الشَّارِبِ نَعَمْ وَقَعَ الْأَمْرُ بِمَا يُشْعِرُ بِأَنَّ رِوَايَةَ الْحلق محفوظه كَحَدِيثِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عِنْدَ مُسْلِمٍ بِلَفْظِ جُزُّوا الشوارب وَحَدِيث بن عُمَرَ الْمَذْكُورِ فِي الْبَابِ الَّذِي يَلِيهِ بِلَفْظِ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَفِي الْبَابِ الَّذِي يَلِيهِ بِلَفْظِ انْهَكُوا الشَّوَارِبَ فَكُلُّ هَذِهِ الْأَلْفَاظِ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمَطْلُوبَ الْمُبَالَغَةُ فِي الْإِزَالَةِ لِأَنَّ الْجَزَّ وَهُوَ بِالْجِيمِ وَالزَّايِ الثَّقِيلَةِ قَصُّ الشَّعْرِ وَالصُّوفِ إِلَى أَنْ يَبْلُغَ الْجِلْدَ وَالْإِحْفَاءُ بِالْمُهْمَلَةِ وَالْفَاءِ الِاسْتِقْصَاءُ وَمِنْهُ حَتَّى أَحْفَوْهُ بِالْمَسْأَلَةِ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ الْهَرَوِيُّ مَعْنَاهُ الْزَقُوا الْجَزَّ بِالْبَشَرَةِ وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ هُوَ بِمَعْنَى الِاسْتِقْصَاءِ وَالنَّهْكُ بِالنُّونِ وَالْكَافِ الْمُبَالَغَةُ فِي الْإِزَالَةِ وَمِنْهُ مَا تَقَدَّمَ فِي الْكَلَامِ عَلَى الْخِتَانِ قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْخَافِضَةِ أَشِمِّي وَلَا تُنْهِكِي أَيْ لَا

تُبَالِغِي فِي خِتَانِ الْمَرْأَةِ وَجَرَى عَلَى ذَلِکَ أهل اللُّغَة وَقَالَ بن بَطَّالٍ النَّهْکُ التَّأْثِيرُ فِي الشَّيْءِ وَهُوَ غَيْرُ الِاسْتِئْصَالِ۔[1275]

وقال:قال الطحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :قَالَ الطَّحَاوِيُّ الْحَلْقُ هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ اھ۔[1276]

وَقَدْ رَجَّحَ الطَّحَاوِيُّ الْحَلْقَ عَلَى الْقَصِّ بِتَفْضِيلِهِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحلق على التَّقْصِيرِ فِي النّسک۔

لفظ "قص" اکثر احادیث میں مروی ہے جیسا کہ یہاں مذکور ہے، امام مسلم کی دو روایات حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی "قص" مذکور ہے اس باب کی ابتداء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بھی "قص" ہے اور امام نسائی نے حلق (مونڈنا) کی روایت اپنی سند سے ابن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی ہے وہ سند باب کی ابتداء میں محمد بن عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ دیگر اصحاب، جمہور اصحاب ابن عیینہ نے "قص" ذکر کیا ہے اور اس کے شیخ امام زہری سے جو روایات ہیں ان میں بھی "قص" ہی مذکور ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ "حلق" کی روایت محفوظ ہے ،علاء بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی طرح، انہوں اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسلم کے الفاظ ہیں "جزوا الشوارب" اور باب کی ابتداء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کہ "احفوا الشوارب" اور آئندہ باب میں آرہاہے اس میں ہے "انھکوا الشوارب" اور یہ تمام عبارات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان سے مقصود بالوں کو کاٹنے میں مبالغہ کرنا ہے، کیونکہ اور "الجز" جیم اور زاء ثقیلہ کے ساتھ ،بالوں اور اون کو اس حد تک کاٹنا کہ وہ جلد تک پہنچ

[1275] (فتح الباری ص ۲۸۵ ج ۱۰ ،باب قص الشارب)

[1276] (فتح الباری ۲۸۶ ج ۱۰ ،باب قص الشارب)

جائے اور ”**احفاء**“ حاء مہملہ اور فاء کے ساتھ، بالوں کو اکھاڑنے میں شدید مبالغہ کو کہتے ہیں اور امام ابو عبید اللہ الہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اتنا کاٹو کہ چمڑا ظاہر ہو جائے اور امام خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد بالوں کو اکھاڑنے اور صاف کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔ اور ”**نہک**“ نون اور کاف کے ساتھ، بالوں کے ازالہ میں مبالغہ کرنا ہے۔

احفاء، انہاک، تقصیر، حلق، ان تمام الفاظ کا مفہوم بنتا ہے اوپر والے ہونٹ پر اگنے والے بالوں کے ازالہ میں خوب مبالغہ کرے۔[1277]

وقال: قال الطحاوی رحمه الله: قَالَ الطَّحَاوِيُّ الْحَلْقُ هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ اه۔

ترجمہ: امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ مونچھوں کو حلق کرنا امام ابو حنیفہ، ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول و مذہب ہے۔

وَقَدْ رَجَّحَ الطَّحَاوِيُّ الْحَلْقَ عَلَى الْقَصِّ بِتَفْضِيلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحلق على التَّقْصِيرِ فِي النّسک۔

ترجمہ: اور طحاوی رحمہم اللہ نے حلق کو قص پر ترجیح دی ہے کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حج میں حلق کو قصر پر ترجیح دی ہے۔

قوْله: (يحفي) من الإحفاء بِالْحَاءِ الْمُهْملَة وَالْفَاءِ، يُقَال: أحفى شعره إِذا استأصله حَتَّى يصير كالحلق وَلكَون إحفاء الشَّارِب أفضل من قصه عبر الطَّحَاوِيّ بقوله: بَاب حلق الشَّارِب۔

[1277] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج، ۱۰، ص، ۳۴۲، دار المعرفۃ بیروت)

یحفی ,احفاء سے ہے جس کا معنیٰ ہے اس نے اپنے بالوں کو جڑوں سے ایسا ترشوایا جیسے کہ حلق کر دیا ہو، کیونکہ بالوں کا مونڈنا، کاٹنے سے افضل ہے جس کی تعبیر امام طحاوی نے باب حلق الشارب سے کی ہے۔[1278]

فَصْلٌ (وَالسُّنَّةُ: تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَالشَّارِبِ، وَقَصُّهُ أَحْسَنُ) وَهَذِهِ مِنْ سُنَنِ الْخَلِيلِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَفَعَلَهَا نَبِيُّنَا - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَأَمَرَ بِهَا، وَقِيلَ أَوَّلُ مَنْ قَصَّ الشَّارِبَ وَاخْتَتَنَ وَقَلَّمَ الْأَظْفَارَ وَرَأَى الشَّيْبَ إِبْرَاهِيمُ - عَلَيْهِ السَّلَامُ -. قَالَ الطَّحَاوِيُّ فِي شَرْحِ الْآثَارِ: قَصُّ الشَّارِبِ حَسَنٌ، وَهُوَ أَنْ تَأْخُذَ حَتَّى يَنْتَقِصَ عَنِ الْإِطَارِ وَهُوَ الطَّرَفُ الْأَعْلَى مِنَ الشَّفَةِ الْعُلْيَا. قَالَ: وَالْحَلْقُ سُنَّةٌ وَهُوَ أَحْسَنُ مِنَ الْقَصِّ وَهُوَ قَوْلُ أَصْحَابِنَا. قَالَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ: أَحْفُوا الشَّارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى؛ وَالْإِحْفَاءُ الِاسْتِئْصَالُ، وَإِعْفَاءُ اللِّحَى، قَالَ مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ: تَرْكُهَا حَتَّى تَكِثَّ وَتَكْثُرَ وَالتَّقْصِيرُ فِيهَا سُنَّةٌ، وَهُوَ أَنْ يَقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْيَتَهُ فَمَا زَادَ عَلَى قَبْضَتِهِ قَطَعَهُ لِأَنَّ اللِّحْيَةَ زِينَةٌ وَكَثْرَتَهَا مِنْ كَمَالِ الزِّينَةِ وَطُولَهَا الْفَاحِشَ خِلَافُ السُّنَّةِ.

وَالسُّنَّةُ النَّتْفُ فِي الْإِبِطِ وَلَا بَأْسَ بِالْحَلْقِ، وَيَبْتَدِئُ فِي حَلْقِ الْعَانَةِ مِنْ تَحْتِ السُّرَّةِ؛ وَإِذَا قَصَّ أَظْفَارَهُ أَوْ حَلَقَ شَعْرَهُ يَنْبَغِي أَنْ يَدْفِنَهُ؛ قَالَ تَعَالَى {أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا (المرسلات: 25) أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا} (المرسلات: 26) وَإِنْ أَلْقَاهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَيُكْرَهُ إِلْقَاؤُهُ فِي الْكَنِيفِ.

وَالْمُغْتَسَلِ، قَالُوا لِأَنَّهُ يُورِثُ الْمَرَضَ. وَتَوْفِيرُ الْأَظْفَارِ وَالشَّارِبِ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ فِي دَارِ الْحَرْبِ لِيَكُونَ أَهْيَبَ فِي عَيْنِ الْعَدُوِّ، وَالْأَظَافِيرُ سِلَاحٌ عِنْدَ عَدَمِ السِّلَاحِ۔[1279]

وقال الكاكي - رَحِمَهُ اللَّهُ - وذكر الطحاوي في "شرح الآثار" أن حلقه سنة ونسب ذلک إلى العلماء الثلاثة، انتهى قلت: لم يذكر الطحاوي كذلک وإنما قال بعد روايته الأحاديث المذكورة والتوفيق بينها أن الإخفاء أفضل من القص، ثم قال نعم باب حلق

[1278] (عمدة القاری ص ۴۳، ج ۲۲، باب قص الشارب)
[1279] الاختيار لتعليل المختار ج ۴ ص ۱۶۷، فَصْلٌ فِي آداب للمؤمن ينبغي أن يحافظ عليها

الشارب. وإنما أراد بذلک الإحفاء حتی يصير کالحلق. وفي "المختار" حلقه سنة وقصه حسن. وفي "المحيط" الحلق أحسن من القص, وهو قول أبي حنيفة وصاحبيه رحمهم الله-

يحفی، احفاء سے ہے جس کا معنٰی ہے کہ اس نے اپنے بالوں کو جڑوں سے ایسا ترشوایا جیسے کہ حلق کر دیا ہو، کیونکہ بالوں کا مونڈنا کاٹنے سے افضل ہے جس کی تعبیر امام طحاوی نے باب حلق الشارب سے کی ہے۔

فصل ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال نوچنا، موئے زیر ناف صاف کرنا، مونچھیں مونڈوانا سنت ہے، مونچھوں کو کاٹنا احسن ہے۔ یہ امور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنن میں سے ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس پر عمل بھی فرمایا ہے اور حکم بھی دیا ہے کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے مونچھیں کاٹنے والے، ختنہ کرنے والے، ناخن کاٹنے والے اور سفید بال دیکھنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ امام طحاوی نے فرمایا۔ مونچھیں کاٹنا حسن ہے جو اتنا کاٹا جائے کہ اوپر والے ہونٹ کے اوپر کی طرف سے کم ہو جائے (یعنی ہونٹ مکمل نظر آجائے) فرمایا: منڈوانا سنت اور ترشوانے سے اچھا ہے۔ یہ ہمارے آئمہ احناف کا قول ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: مونچھ کم کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔ احفاء بالوں کو ختم کرنا ہے اور داڑھی بڑھانے سے مراد یہ ہے کہ داڑھی کو چھوڑو کہ بڑی ہو جائے اور داڑھی میں قصر (چھوٹی) کرنا سنت ہے اور قصر یہ ہے کہ مرد داڑھی کو مٹھی میں پکڑے جو مٹھی سے زائد بال ہوں ان کو کاٹ دے کیونکہ داڑھی حسن وجمال ہے اور اس کی کثرت (بڑی ہونا) کمال حسن وزینت ہے اور انتہائی لمبی جو نازیبا لگے خلاف سنت ہے۔

بغلوں کے بالوں کی صفائی میں نوچنا سنت ہے جبکہ استرے سے صاف کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، موئے زیر ناف کی صفائی میں ابتداء ناف کی طرف سے کرنا ہے، جب ناخن کاٹے یا بال صاف کرے تو بہتر ہے کہ اس کو دفنایا جائے۔

فرمان الٰہی ہے: "کیا ہم نے زمین کو چھپانے والا نہیں بنایا۔" اور اگر کسی نے ان بالوں اور ناخن کو گرایا تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن غسل خانے اور ناپاک جگہ گرانا مکروہ ہے کہ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔ دارالحرب میں ناخن اور مونچھوں کو بڑا کرنا مستحب ہے تاکہ دشمن گھبرا جائے کیونکہ اسلحہ پاس نہ ہونے کی صورت میں ناخن اسلحہ کا کام دیتا ہے۔

کاکی نے کہا کہ امام طحاوی نے ذکر کیا کہ ہمارے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مونچھوں کا حلق کرنا سنت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی نے ایسا ذکر نہیں کیا بعد احادیث مذکورہ روایت کرنے کے بعد ان میں تطبیق یوں کی کہ مونڈانا، ترشوانے سے افضل ہے، پھر کہا ہاں، اور اس سے مراد یہ ہے کہ مونچھیں اتنی کم کی جائیں کہ حلق نظر آئے۔ مختار میں ہے کہ مونچھوں کا مونڈوانا سنت اور کاٹنا اچھا ہے۔ محیط میں ہے کہ حلق کرنا کاٹنے سے احسن ہے اور یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کا قول ہے۔

متن میں قصہ احسن کتابت کی غلطی ہے، صحیح لفظ "حسن" ہے، اس پر دو دلائل ہیں:

عینی رحمہ اللہ کی مختار سے منقولہ عبارت مذکورہ میں وقصہ حسن ہے۔ مصنف نے شرح میں خود امام طحاوی رحمہ اللہ سے حلق کا احسن ہونا نقل کیا ہے، عینی رحمہ اللہ نے حلق کے احسن من القص ہونے کے بارے میں مختار اور محیط کا حوالہ دیا ہے، عبارت مختار کی تحقیق اوپر گزر چکی، محیط سے بظاہر محیط سرخسی مراد ہے، اس لئے کہ حاشیہ طحطاوی علی الدر میں اسکی تصریح ہے۔

فصل دربیان

نعت خوانی کے ساتھ ذکر اللہ کرنا

بعض علماء نعت خوانی کے ساتھ ذکر کرنے کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں حالانکہ حضور اکرم ﷺ کی مدح وثنا میں نعت خوانی اور اس کے ساتھ ذکر الٰہی کرنا بشرطیکہ اس میں دف ڈھول وغیرہ نہ ہو، بلا شک وشبہ جائز ہے۔ اور نعت خوان بھی شریعت کا پابند ہو، کسی کتاب میں نہیں ہے کہ نعت خوانی کے ساتھ ذکر کرنا یا ذکر کے ساتھ نعت خوانی کرنا منع ہے اور اگر ہے تو وعلیہ البیان والبرہان۔ اور یہ فی نفسہٖ ایک نہایت اچھا کام ہے، اور اس حدیث شریف کے تحت داخل ہے:

ما راہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن وما راہ المسلمون قبیحا فھو عنداللہ قبیح۔[1280]

من سن سنةً حسنة فعمل بھا بعدہ کتب لہ من اجر من عمل ولا ینقص من اجورھم شیئا۔[1281]

لہٰذا نعت خوانی کرنا اور اس کے ساتھ ذکر کرنا یہ باعث ثواب ہے اور اس سے منع کرنے والا ”مناع الخیر“ ہے، اور منع کرنے والا اس آیت کا مصداق بن رہا ہے:

وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ۔۔۔الآیۃ۔ (النساء ۱۵۰)

”اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے رسول ﷺ کو جدا کر دیں۔“

فصل در بیان
اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنا

[1280] (مجمع الزوائد ص۱۷ ، ج ۱ مرقات باب الاعتصام رد المحتار ص۵۱۸، ج۳ تفسیر مواهب الرحمن، کتاب الروح ص ۱۰ ، همعات فارسی لشاہ ولی اللہ ص ۲۹ ، عمدۃ التحقیق ص ۹۵ ، ابو دائود طیالسی ص ۳۳، کتاب الموافق ص ۹۵ ج ۱ ، قرۃ العینین ص ۳۳، مجموعہ الرسائل والمسائل للنجدی ص۲۰۷ ج ۱ ، جاء الحق ص ۲۱۱ ، ج ۱ ، بستان العارفین للسمرقندی ص ۹ ، مستدرک ص ۷۸ ج۳، اخبار اهل حدیث امرتسر ص ۱۹ ، اعلام الموقعین ص ۴۹ ج ۱ ، موطا امام مالک ص ۱۰۴ ، مقاصد الحسنۃ ص ۳۶۷، فتاویٰ ستاریہ، تفسیر کبیر، اسنی المطالب، ریاض النفرہ ص ۱۹۸ ج ۱)

[1281] (صحیح مسلم)

بعض علماء اذان سے قبل اور بعد میں درود شریف، خصوصاً "الصلوۃ و السلام علیک یا رسول اللہ" پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں حالانکہ یہ ایک جائز و مستحب عمل ہے، جس پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کے دلائل قرآن و احادیث اور فقہاء کرام کی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب ٥٦) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو درود و سلام پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو یہاں نہ تو کسی خاص درود شریف کی قید ہے اور نہ زمان و مکان کی کوئی تخصیص و قید، بلکہ حکم مطلق ہے کہ کسی بھی فارغ وقت میں درود و سلام پڑھ سکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص بدعت یا ناجائز کہتا ہے کہ آذان سے پہلے یا بعد میں درود و سلام نہ پڑھے کیونکہ یہ بدعت ہے تو اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اس مطلق حکم کی تقیید کے لئے کوئی دلیل شرعی پیش کرے کہ اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنے کی ممانعت قرآن، حدیث، اجماع امت یا قیاس سے ثابت ہے۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (البقرۃ ١١١)

مخالف جواب نہ دے سکے تو ہم کہتے ہیں کہ آیت کریمہ سے حکم علی الاطلاق ثابت ہے اور یہ قاعدہ علمیہ ہے کہ "المطلق یجری علی اطلاقہ" کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے جب تک شارع سے کوئی تقیید موجود نہ ہو اور شارع سے قرآن و حدیث میں اذان سے پہلے یا بعد میں درود و سلام پڑھنے کے بارے میں کوئی ممانعت نہیں آئی۔

بلکہ حدیث شریف سے تو مسئلہ مذکورہ کی تائید ملتی ہے:

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول ثم صلوا علیّ فانہ لیس من احد یصلی علی واحدۃ الاّ صلی اللہ علیہ بھا عشرا، ثم

سلو اللہ لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ، لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ عز و جلّ و أرجو أن أکون أنا ھو فمن سألھا لی حلت لہ شفاعتی۔

”حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم موذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو اسی طرح کہو، جس طرح وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو پس جو بھی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو بے شک وسیلہ جنت میں ایک منزل ہے جو کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گی اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا، پس جس نے اس وسیلہ کو میرے لئے طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔“[1282]

فصل دربیان
عاشورہ کے دن حلیم وغیرہ پکا کر صدقہ کرنا

بعض علماء عاشورہ کے دن حلیم پکانے کو، اور جو ہمارے صوبہ سرحد میں لوگ گونگڑی (جسے اردو میں کھچڑا کہتے ہیں) پکاتے ہیں، اس کو حرام اور بدعت کہتے ہیں حالانکہ یہ سنت ہے۔

تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:

و اعلم ان نوحا علیہ السّلام ھبط بمن معہ فی السّفینۃ یوم عاشورا و امر من معہ بصیامہ شکراً للہ تعالیٰ و کان قد فرغت ازوادھم فجاء ھٰذا بکف حنطۃ و ھذا بکف عدس و ھذا بکف حمص الیٰ ان بلغت الیٰ سبعۃ حبوب فطبخھا نوح علیہ السّلام لھم فافطروا علیھا و شبعوا

[1282] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۸، کتاب الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعہ ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یسأل اللہ لہ ﷺ الوسیلۃ، رقم: ۳۸۴، نسائی السنن، ج ۲ ص ۲۵، کتاب الاذان، باب الصلاۃ علی النبی ﷺ بعد الاذان رقم ۶۷۷، ابن خزیمہ، الصحیح، ج ۱ ص ۲۱۸، باب فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ بعد افطر سماع الاذان، رقم ۴۱۸، عبد بن حمید، المسند ج ۱ ص ۱۳۹، رقم ۳۵۴، ابو عوانہ المسند، ج ۱ ص ۲۸۱، رقم ۹۸۳، ابو نعیم المسند المستخرج، ج ۲ ص ۷ رقم ۸۴۲، نسائی عمل الیوم و اللیلۃ، ج ۱ ص ۱۵۸، رقم ۴۵، باب الترغیب فی الصلاۃ علی النبی ﷺ و مسئلۃ الوسیلۃ لہ ﷺ بین الاذان و الاقامۃ، طبرانی مسند الثامین ج ۱ ص ۱۵۳، رقم ۲۴۶)

جمیعا ببرکات نوح علیہ السلام و کان اوّل طعام طبخ علیٰ وجہ الارض بعد الطوفان ھذا فا تخذہ الناس سنۃ یوم عاشورا و فیہ اجرٌ عظیم لمن یفعل و یطعم الفقراء و المساکین۔

فیوض الرحمان ترجمہ روح البیان میں لکھا ہے:

"مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام دسویں محرم میں اپنے ساتھیوں سمیت کشتی سے اترے تو آپ نے اس دن شکر کا روزہ رکھا اور اپنے تمام ساتھیوں کو بھی روزے کا حکم دیا۔ (چھ ماہ کے طویل عرصے میں) خرچ ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے آج کے روز افطار کے لئے ساتھیوں کو حکم فرمایا کہ جو کچھ بھی ملے لاؤ، تاکہ اسی سے افطار کریں۔ کوئی گندم، کوئی مسور اور کوئی چنے لایا۔ یہاں تک کہ کل سات قسم کے دانے ہوئے۔ آپ نے انہیں پانی میں ابال کر ساتھیوں سمیت روزہ افطار کیا۔ نوح علیہ السلام کی برکت سے اس تھوڑے سے طعام سے سب سیر ہو گئے"۔

اہلسنت اسی عاشورا کے روز طعام پکا کر غرباء و مساکین کو کھلاتے ہیں۔ اس پر وہابی طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ صاحب روح البیان مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں:

"اسی وجہ سے لوگ (اہلسنت) عاشوراء کے دن طعام پکا کر غرباء و مساکین کو کھلاتے ہیں۔ ان کی سند یہی نوح علیہ السلام کا فعل ہے۔"[1283]

ثم ان نوح علیہ السّلام اخرج ما بقی معہ من افراد فجمع سبعۃ اصناف من الحبوب وھی البسلۃ و العدس و الفول و القمح و الشعیر و الارز فخلط بعضھا بعضاً و طبخھا فی ذالک الیوم فصارت الحبوب من ذالک سنۃ نوح علیہ السلام و ھی مستحبۃ۔[1284]

[1283] (فیوض الرّحمان اردو ترجمہ تفسیر روح البیان، ج ۱۱ ص ۱۲۴) (تفسیر روح البیان ج ۴ ص ۱۴۲)

[1284] (بدائع الظھور ص ۶۴)

نزہۃ المجالس میں لکھا ہے:

اجمعو ما معکم من افراد فجاء ھذا بکف زرۃ و ھذا بکف شعیر و ھذا بکف حنطۃ و ھذا باقلا وھذا بعدس فقال اطبخوہ جمیعا من ذالک الیوم اتخذ المسلمون طعام الحبوب۔[1285]

فصل دربیان
کسی مسلمان پر شرک وکفر کا فتویٰ لگانا

بعض علماء سُنّی مسلمانوں پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں اور ہر آدمی کو مشرک کہتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ کو اپنے بعد امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔

عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہ قال: صلّی رسول اللہ ﷺ علی قتلی احدٍ، بعد ثمانی سنین کالمودّع للاحیاء و الاموات، ثمّ طلع المنبر، فقال: انّی بین ایدیکم فرط و انا علیکم شھید، و انّ موعدکم الحوض، و انّی لانظر الیہ من مقامی ھذا، و انّی لست اخشی علیکم ان تشرکوا، ولکنّی اخشی علیکم الدّنیا ان تنافسوھا قال: فکانت آخر نظرۃٍ نظرتھا، الی رسول اللہ ﷺ۔ متفق علیہ و ھذا لفظ البخاری۔

ترجمہ: ”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شہداء احد پر آٹھ سال بعد (دوبارہ) اس طرح نماز پڑھی گویا زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: میں تمہارا پیش رو ہوں، میں تمہارے اوپر گواہ ہوں

[1285](نزھۃ المجالس ج ا ص ۱۴۶)

، ہماری ملاقات کی جگہ حوضِ کوثر ہے، اور میں اس جگہ سے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے تمہارے متعلق اس بات کا توڈر ہی نہیں ہے کہ تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ تمہارے متعلق مجھے دنیاداری کی محبت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ یہ میرا حضور نبی اکرم ﷺ کا آخری دیدار تھا۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے نیز الفاظ بخاری کے ہیں۔[1286]

عن عقبة بن عامر رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ انّی فرطٌ لکم و انا شهیدٌ علیکم وانّی والله لانظر الی حوضی الآن، وانّی اعطیت مفاتیح خزائن الارض، أو مفاتیح الارض، وانّی والله ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تتنافسوا فیها۔ متفق علیه۔

ترجمہ: "حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں تمہارا پیش رو اور تم پر گواہ ہوں۔ اللہ رب العزت کی قسم! میں اپنے حوض کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور بیشک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں (یا فرمایا: زمین کی کنجیاں) عطا کر دی گئی ہیں اور اللہ رب العزت کی قسم! مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے بلکہ مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ تم دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے۔[1287]

فصل دربیان
ماہ صفر کے آخری چارشنبہ کوصدقہ کرنا

[1286] (الحدیث رقم ٣٦: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: المغازی، باب: غزوة احد، ١٤٨٦/٤، الرقم: ٣٨١٦، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الفضائل، باب: اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، ١٧٩٦/٤، الرقم: ٢٢٩٦، وأبوداؤد فی السنن، أول کتاب: الجنائز، باب: المیت یصلی علی قبره بعد حین، ٢١٦/٣، الرقم: ٣٢٢٤، وأحمد بن حنبل فی المسند، ١٥٤/٤، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ٢٧٩/١٧، الرقم: ٧٦٨، والبیهقی فی السنن الکبری، ١٤/٤، الرقم: ٦٦٠١، والشیبانی فی الآحاد والمثانی، ٤٥/٥، الرقم: ٢٥٨٣)

[1287] (الحدیث رقم ٣٧: أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: المناقب، باب: علامات النبوّة فی الاسلام، ١٣١٧/٣، الرقم: ٣٤٠١، وفی کتاب: الرقاب، باب: مایحذر من زهرة الدّنیا والتّنافس فیها، ٢٣٦١/٥، الرقم: ٦٠٦١، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الفضائل، باب: اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، ١٧٩٥/٤، الرقم: ٢٢٩٦، وأحمد بن حنبل فی المسند، ١٥٣/٤)

بعض علماء آخری چار شنبہ ماہ صفر میں خیرات کرنے، تصدق کرنے، کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں حالانکہ انیس الواعظین تصنیف مولانا ابو بکر بن محمد علی القریشی نے لکھا ہے: "حضرت رسول خدا ﷺ علیل تھے، آخری چار شنبہ کو، ستائیس یا اٹھائیس تاریخ تھی، قریب صبح آپ ﷺ نے آنکھ کھول کر فرمایا: من عندی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: بابی انت و امی انا عائشة، یعنی میرے ماں باپ آپ پر تصدق ہوں، میں ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا خوش ہوئیں اور پانی منگا کر آپ ﷺ کا سر دھویا۔ تمام جسم پر پانی ڈالا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: چاول پکے ہوئے موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دو، کہ وہ مع حضرات حسنین رضی اللہ عنہما حاضر خدمت ہوں۔ آپ ﷺ نے ان کو گلے لگایا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کھانے میں انہیں شریک کیا۔ ایک لقمہ آپ ﷺ نے بھی کھایا، اس اثناء میں تمام ازواج و اصحاب رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اصحابی و اخوانی کیف حالکم بفراقی من بعدی۔ اے میرے صحابہ اے میرے بھائیو! تمہارا میرے بعد فراق میں کیا حال ہو گا۔ سب کے سب رونے لگے۔ آپ ﷺ نے سب کو دلاسہ دیا پھر مسجد میں تشریف لا کر امامت کرائی۔ سب صحابہ خوش ہوئے۔ اس خوشی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ہزار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانچ ہزار دینار، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین ہزار دینار صدقہ دیا۔ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سو گھوڑے اور سو اونٹ خیرات کئے۔"[1288]

1288 (انیس الواعظین اردو ص ۲۵۱، فارسی ص ۱۸۰، تذکرۃ الواعظین، الباب الحادی والخمسون فی شدائد شھر صفر مع یوم الاربعاء، ص ۱۲۳)

فصل در بیان
عبدالنبی اور عبدالرسول وغیرہ نام رکھنا

بعض علماء "عبد النبی"، "عبد الرسول"، "عبد المصطفیٰ"، "عبد علی"، "غلام رسول"، "غلام علی"، "علی بخش"، "پیر بخش"، "مدار بخش" وغیرہ نام کو شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث و اقوالِ فقہاء اور خود علماء دیوبند کی کتب سے ثابت ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے:

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ (نور ۳۲)

یعنی "اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔"

اس عبارت میں "عباد" کو "کم" کی طرف مضاف کیا گیا۔ یعنی تمہارے بندے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ (الزمر ۵۳)

ترجمہ: اے محبوب فرمادو کہ میرے وہ بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

اس "یاعبادی" میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو۔ دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرمادو "اے میرے بندو"۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنی کو بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

بندہ خود خواند احمد در رشاد — جملہ را بخواں قل یاعباد

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پڑھ لو **قل یا عباد**۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ سارے دیوبند اکابرین کے پیر و مرشد ہیں، نے لکھا ہے: ''چونکہ آنحضرت اواصل بہ حق ہیں۔ **عباد اللہ** کو **عباد الرسول** کہہ سکتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **قُلۡ یَاعِبَادِیَ الَّذِینَ أَسۡرَفُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوا مِن رَّحۡمَةِ اللَّهِ (الزمر ۵۳)** مرجع ضمیر متکلم آں حضرت ﷺ ہیں۔[1289]

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی: ''قُلۡ یَاعِبَادِیَ الَّذِینَ الآیة'' ''آپ کہہ دو کہ میرے بندو''۔

ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرۃ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بر سر منبر خطبہ میں فرمایا: **قد کنت مع رسول اللہ ﷺ فکنت عبدہ و خادمہ**۔ یعنی ''میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔''

مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جب کہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں لائے (رضی اللہ عنہما) تو عرض کیا:

گفت ما دو بندگان کوئے تو کردمش آزاد ہم برروئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں ان کو آپ کی خاطر آزاد کرتا ہوں۔

صاحب در مختار خطبہ در مختار میں اپنا شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں:

فانی ارویه عن شیخنا الشیخ عبد النبی الخلیلی۔

''میں اس کو اپنے شیخ عبد النبی خلیلی سے روایت کرتا ہوں۔''[1290]

[1289] (شمائم امدادیہ، ص ۱۳)

[1290] (در مختار علی ھامشہ کشف الاستار ص ۳ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان)

معلوم ہوا کہ صاحب در مختار کے استاد کا نام عبد النبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے:

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں۔

غرض کہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن و حدیث و اقوال فقہاء اور اقوال مخالفین سے ثابت ہے عرب والے عام طور پر کہتے ہیں عبدیحرّ ، شاعر کہتا ہے الواهب الماء تته الهجان وعبده۔

رشید احمد گنگوہی کے نانا "فرید بخش" اور دادا "پیر بخش بن غلام حسین بن غلام علی" ہیں۔[1291]

قاسم نانوتوی صاحب کے دادا "غلام شاہ بن محمد بخش"، اور دادا کا بھائی "خواجہ بخش" ہے۔[1292]

وحید الزمان غیر مقلد وہابی لکھتا ہے: عبد الحسین، عبد النبی نام شرک نہیں۔ غلام علی، غلام محی الدین، اور غلام غوث نام رکھنا حدیث کی رُو سے بلا کراہیت جائز ہے۔[1293]

اے وہابیو! بتاؤ، کیا رشید احمد گنگوہی کے آباؤ اجداد مشرک تھے یا نہیں۔ اور اگر تھے تو مشرک کی اولاد حلالی ہے یا حرامی؟

کتاب "الصارم المسلول علی من انکر التسمیة بعبد النبی و عبد الرسول" تالیف الامام فقیه المحدث الشیخ محمد عابد السندهی ، الانصاری رئیس العلماء المدینة المنورة فی عصره۔

اگر کوئی یہ پڑھ لے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمام شکوک و شبہات ختم ہو جائیں گے۔

[1291] (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۳)

[1292] (سوانح قاسمی ج ۱ ص ۲۵)

[1293] (هدیة المهدی ج ۱ ص ۳۷)

فصل در بیان مصافحہ بعد از نماز عید
نماز عید کے بعد مصافحہ کرنے کا بیان

بعض علماء عید کی نماز کے بعد ایک مسلمان کا خلوص و محبت کے ساتھ اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرنے یا گلے ملنے کو حرام، ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ مصافحہ اور معانقہ جناب رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے۔ اور حضور ﷺ کے فعل یا قول کو حرام ناجائز یا بدعت کہنے والے کے ایمان کو خطرہ ہے۔ ایسے لوگ اسلام سے خارج ہیں اس کے برعکس کلبوں اور ثقافتی میلوں میں نیم عریاں ڈانس اور مردوں اور عورتوں کے گلے مل کر ناچنے کے خلاف ان نام نہاد علماء نے کبھی نہ تو شور مچایا، نہ اعتراض کیا، نہ اسے حرام اور ناجائز کہا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ ان کا مقصد دین کی خدمت یا مسلمانوں کی اصلاح کرنا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا اور شر فساد پیدا کرنا ہے۔

عید کے دن مصافحہ کرنا اہلسنت والجماعت کا طریقہ ہے، یہ حرام نہیں:

فتاویٰ کاملیہ میں لکھا ہے:

سئلت عن المصافحة یوم العید و الجمعة ما حکمه؟ فالجواب ان حکمها الاستحباب قال ﷺ من صافح اخاه المسلم و حرک یده تناثرت ذنوبه اه من الهدایة و روی الحافظ السیوطی فی الجامع الصغیر عن ابی داؤد عن البراء اذا التقی المسلمان فصافحا و حمدالله و استغفروا غفر لهما و روی ایضا فیه عن الحکیم عن عمر ص اذا التقی المسلمان فسلم احدهما علی صاحبه کان احبهما الی الله احسنهما بشرا بصاحبه و اذا تصافحا انزل الله علیهما مائة رحمة للبادی تسعون و للمصافح عشرة و فی شرح العینی علی الهدایة قال النبی ﷺ ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیه و اخذ بیده فصافحه تناثرت خطایاهما کما یتناثر ورق الشجر۔[1294]

[1294] (رواه الطبرانی و البیهقی کذافی فتاوی کاملیه ص ۲۶۲، شربنلالی ص ۱۴۲)

اذکار نووی میں بھی مصافحہ کو سنت لکھا ہے:

کقولہ وفی الشامی کما افادہ النووی فی اذکارہ حیث قال اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء و اما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلوۃ الصبح و العصر فلا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ ولکن لا بأس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ و کونھم حافظوا علیھا فی بعض الاحوال و فرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرھا لا یخرج ذلک البعض عن کونہ من المصافحۃ التی ورد الشرع باصلھا۔[1295]

خلاصہ یہ ہے کہ اصل مصافحہ سنت ہے اور وقت کی خصوصیت بدعت حسنہ ہے۔[1296]

وفی الجامع الصغیر فی استقبال المصحف تشبیہ باھل الکتاب ولکن تشبیھھم لا یکرہ فی کل فعل فانا ناکل و نشرب کما یاکلون ویشربون و انما یکون الشبیہ مکروھا فی ما کان مذموما وفی قطب الارشاد ص ۲۸۰ و اما المصافحۃ المتعارفۃ فی یوم العید بعد الصلوۃ فمباح الی مستحب۔

مصافحہ سنت ہے اور اس کا ثواب تواتر سے ثابت ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور ہاتھ کو حرکت دی اس کے تمام گناہ گر جائینگے۔ جتنی بار ملاقات ہو ہر بار مصافحہ کرنا مستحب ہے۔ مصافحہ کے مطلق جواز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر یا عصر کے بعد جو اکثر جگہ مصافحہ کرنے کا مسلمانوں میں رواج ہے یہ بھی جائز ہے اور بعض کتابوں میں جو اس کو بدعت کہا گیا ہے اس سے مراد بدعت حسنہ ہے۔[1297]

[1295](شامی ص ۲۶۲، ج۵، کذافی الطحطاوی)
[1296](غایت الاوطار ترجمہ درمختار، ص ۲۱۸، ج۴، کذافی الطحطاوی ص ۲۸۹)
[1297](درمختار، ردالمحتار)

فتاوی شامی میں ہے:

وقال المحقق ابن أمير حاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارا بأسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلک ثم قال: والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارک عليک ونحوه وقال يمکن أن يلحق بذلک في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم فإن من قبلت طاعته في زمان کان ذلک الزمان عليه مبارکا على أنه قد ورد الدعاء بالبرکة في أمور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أيضا. اھ۔[1298]

شعب الایمان للبیھقی میں ہے۔

عن أدهم مولى عمر بن عبد العزيز قال کنا نقول لعمر بن عبد العزيز في العيدين تقبل الله منا ومنک يا أمير المؤمنين فيرد علينا ولا ينکر ذلک علينا۔[1299]

غنیۃ الاوطار میں ہے: جس طرح فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے، اسی طرح باقی نمازوں کے بعد بھی جائز ہے کیونکہ اصل مصافحہ کرنا جائز ہے تو جس وقت بھی کیا جائے، تو جائز ہے۔ جب تک شریعت مطہرہ میں ممانعت نہ آئی ہو، والتهنية يتقبل الله منا ومنکم لا تنکر رد المحتار۔ اور مستحب ہے کہ اس لفظ سے مبارکباد دی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی عبادت قبول فرمائے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یعنی اس طرح مبارکباد دینا جائز ہے۔[1300]

حاشیۃ الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح میں ہے:

والتهنئة بقوله تقبل الله منا ومنکم لا تنکر بل مستحبة لورود الأثر بها کما رواه الحافظ ابن حجر عن تحفة عيد الأضحى لأبي القاسم المستملي بسند حسن۔

[1298] (رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۱۶۹ کتاب الصلوۃ باب العيدين مطلب يطلق المستحب على السنة وبالعکس)

[1299] (شعب الایمان للبیھقی باب فی الصیام فی لیلۃ العیدین ویومھا ج ۳ ص ۳۴۵ رقم ۳۴۴۶)

[1300] (غنیۃ الاوطار ج ۱ ص ۳۸۵)

وكان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنكم قال وأخرجه الطبراني أيضا في الدعاء بسند قوي اه قال والمتعامل به في البلاد الشامية والمصرية قول الرجل لصاحبه عيد مبارك عليك ونحوه ويمكن أن يلحق هذا اللفظ بذلك في الجواز الحسن واستحبابه لما بينهما من التلازم اه وكذا تطلب المصافحة فهي سنة عقب الصلاة كلها وعند كل لقي۔[1301]

صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) کے مشہور عالم استاذِ کل علماء دیوبند کے مولوی عبدالہادی شاہ منصوری تسهيل المشكوة میں باب المصافحه میں لکھتے ہیں:

قوله قال نعم آه هذا دليل سنيتها عند اللقاء اما بعد الصلوة مثلا فلا اصل له ولكن لا باس بها فهى بدعة مباحة كما قال النووى واعلم من هذا ان المصافحة فى يوم العيدين من هذا القبيل جائزة لا باس بها على ان فيها اظهار المحبة فباعتبار الغاية حسنها الناس والاعتبار للغاية وفى تركها ترك المحبة والتباغض بين الناس كما هو ظاهر فى هذا الزمان فالحاصل ان فعلها حسن وفى تركها قبح فهى جائزة لا خير فى منعها كما ان تقبيل يد الغير لاظهار المحبة وتعظيمه جائز وبغير هذا الوجه لا يجوز۔[1302]

اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو "الادلة الواضحه لاستنان المصافحه" للعلامۃ الاَجل مولانا الحاج شائستہ گل قادری المعروف متہ باباجی صاحب رحمہ اللہ۔ کا مطالعہ فرمائیں۔ تمام شکوک وشبہات ختم ہو جائیں گے۔

[1301](حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ص ٢٨٩)

[1302](تسهيل المشكوٰة ص ٨٣)

فصل دربیان
صحابہ کرام پر تنقیص اور جرح کرنے کی مذمت

بعض علماء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تنقیص اور جرح کرتے ہیں حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح کرنے والے زندیق ہیں۔

امام ابوزرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۶۴ھ) کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے:

إذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه زنديق، لأن الرسول صلى الله عليه وسلم عندنا حق، والقرآن حق، وإنما أدى إلينا هذا القرآن والسنن أصحاب رسول الله، وإنما يريدون أن يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم أولى، وهم زنادقة۔[1303]

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے نزدیک برحق ہیں اور قرآن کریم برحق ہے۔ جو تعلیمات آپ ﷺ لے کر آئے وہ برحق ہیں اور یہ سب چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سوا کوئی نہیں، اور یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ ہماری شہادتوں کو مجروح کردیں تاکہ کتاب وسنت باطل ہو جائیں، ان کے اوپر جرح اولیٰ ہے، اور یہی زنادقہ ہیں۔

[1303] العواصم من القواصم في تحقيق مواقف الصحابة بعد وفاة النبي صلى الله عليه وسلم، ج ۱، ص ۳۴

فصل در بیان
انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتوں کو
حالت بیداری میں دیکھنا

بعض علماء رسول کریم ﷺ انبیاء کرام اور ملائکہ کے حالت بیداری میں رؤیت سے انکار کرتے ہیں حالانکہ اللہ ربّ العزت کے دوست یعنی اولیاء اللہ بحالتِ بیداری، انبیاء کرام اور ملائکہ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حضور اکرم ﷺ سے پڑھا:

فلو سألتني فأنا تلميذ القرآن العظيم بلا واسطة، كما أني أويسي الروح النبوية - على صاحبها ألف سلام وتحية۔

"پس اگر تو مجھ سے پوچھے تو میں نے روح نبی اکرم ﷺ سے بلاواسطہ قرآن مجید پڑھا جیسا کہ میں نے باطنی فیض نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک سے بلاواسطہ حاصل کیا۔"[1304]

مزید تفصیل کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی فیوض الحرمین اور تفہیمات الٰہیہ ملاحظہ ہوں:

دیوبند مسلک کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے: حضرت شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی۔ ان کو حضور ﷺ کی رویت بیداری میں بھی ہوتی تھی۔[1305]

[1304] (الفوز الکبیر ص ۴۷)

[1305] (الکلام الحسن ج ۲ ص ۱۷۵، افاضات یومیہ ج ۷ ص ۱۲۲)

علماء دیوبند کے شیخ الحدیث اور معتمد عالم مولوی انور شاہ کشمیری صاحب، فیض الباری میں لکھتے ہیں: کہ آیا آپ ﷺ کو بیداری میں دیکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ لکھتے ہیں:

"ویمکن عندی رویته ﷺ یقظة لمن رزقه الله سبحانه کما نقل عن السیوطی رحمه الله انه راه ﷺ اثنین وعشرین مرة"۔

میرے نزدیک آپ ﷺ کو عالم بیداری میں دیکھنا ان حضرات کیلئے جن کو اللہ تعالیٰ اس نعمت سے مشرف فرمائے جائز ہے۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کو بائیس مرتبہ دیکھا ہے۔[1306]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"والشعرانی رحمه الله تعالیٰ ایضا کتب انه راه ﷺ وقرا علیه البخاری فالرؤیة یقظة متحققة وانکارها جهل"۔

یعنی "امام شعرانی قدس سرہ نے لکھا کہ آپ نے حضور ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کے سامنے بخاری شریف پڑھی پس آپ ﷺ کا بیداری میں دیدار کرنا حق اور ثابت ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔"[1307]

سبحان اللہ! یہ ہے اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ کہ بیداری میں آپ ﷺ کا دیدار کرنا ثابت اور اس کا انکار جہالت ہے۔

[1306] (فیض الباری ص ۲۰۴، ج ۱)
[1307] (فیض الباری ص ۲۰۴، ج ۱)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی عظمت شان فیض الباری کے حوالہ سے بیان کی گئی) فرماتے ہیں:

قال البارزی: وقد سمع من جماعۃ من الاولیاء فی زماننا وقبلہ انھم راؤ النبی ﷺ فی الیقظۃ حیا بعد وفاتہ وقال الشیخ عبد القادر الکیلانی رأیت رسول اللہ ﷺ قبل الظھر الخ۔ وقال الشیخ ابو العباس المرسی واللہ ماصافحت بکفی ھذہ الا رسول اللہ ﷺ وقال لو حجب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ماعددت نفسی من المسلمین۔

"امام بارزی فرماتے ہیں: اور آپ نے ما قبل اور اپنے زمانے کے اولیاء کی جماعت سے سنا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو بعد الوفات بیداری میں زندہ دیکھا ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو ظہر سے پہلے دیکھا۔ شیخ ابو العباس المرسی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے بغیر آپ ﷺ کے کسی سے مصافحہ نہیں کیا۔ اور اگر آپ ﷺ مجھ سے ایک لمحہ بھی غائب ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتا۔"[1308]

سبحان اللہ! یہ ہیں اکابر علماء دین اولیاء اللہ کا مذہب کہ ہر وقت آپ ﷺ کے ساتھ رابطہ رہتا ہے۔ نظروں سے غائب نہیں ہوتے۔ اب علماء دیوبند کی بھی سنیں کہ ان کا عقیدہ اس بارے میں کیا ہے۔

شیخ الکل حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ فرماتے ہیں: "رہا اعتقاد کہ مجلس مولد میں حضور پر نور ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں، اس اعتقاد کو کفر و شرک کہنا حد سے بڑھنا ہے۔ کیونکہ یہ امر ممکن عقلاً و نقلاً بلکہ بعض مقامات پر اس کا وقوع بھی ہوتا ہے۔[1309]

[1308] (الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۳۱۱)

[1309] (کلیات امدادیہ ص ۷۹)

آگے فرماتے ہیں:[1310]

مشرف کر کے دیدار مبارک سے مجھ کو یک دم میرے غم دین و دنیا کے بھلاؤ یار سول اللہ

دیوبند مسلک کے حکیم الامت علامہ تھانوی صاحب حاجی صاحب کا قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: "اگر میلاد میں احتمال تشریف آوری کا کیا جائے تو مضائقہ نہیں، کیونکہ عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے، لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔"[1311]

اشرف السوانح میں لکھا ہے:

"تھانوی جی کے پر دادا قتل کے بعد اپنے گھر واپس آتے تھے اور اپنی بیوی کو مٹھائی بھی لا کر دیتے تھے۔"[1312]

اگر ہم یہ عقیدہ حضور اکرم ﷺ اور اولیاء اللہ کے بارے میں رکھیں تو یہ کفر و شرک کہلاتا ہے اور یہ خود اپنے نانا دادا کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ عجیب انصاف ہے ان لوگوں کا۔

حضرت مولانا بادشاہ گل صاحب بخاری مہتمم و بانی جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک اپنے رسالہ زیارۃ القبور میں لکھتے ہیں:

"ایک دن شیخ عبد القادر جیلانی سید الاولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ظہر سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹے کیوں لوگوں سے بولتے نہیں۔ حضرت سید الاولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ابا جان میں عجمی ہوں اور یہ سب مجمع فصحاء بلغاء بغداد کا ہے، تو میں کس طرح ان کے سامنے آزادی اور بے تکلفی سے بیان کروں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے

[1310] (کلیات امدادیہ ص ۲۰۶)

[1311] (امداد المشتاق ص ۵۴)

[1312] (اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۵)

فرمایا کہ اچھا منہ کو قریب کر کے کھولو، فرماتے ہیں کہ میں نے منہ کو کھول کر پیش کیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے سات مرتبہ تف تف فرما کر میرے منہ میں لعاب مبارک کا حصہ ڈال کر مشرف فرمایا اور ارشاد فرمانے لگے کہ لوگوں سے خطاب کرو اور نہایت حکمت عملی اور پسندیدہ مواعظ سے دین کی طرف لوگوں کو بلائیں۔"

"اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ایک موقعہ پر اپنے دیدار پر انوار سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کو عالم بیداری میں مشرف فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ظہر کی نماز کے بعد وعظ کی غرض سے بیٹھ کر بولنے لگا مگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے کچھ پریشانی جیسی محسوس ہوئی۔ یک دم دیکھتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سامنے تشریف فرما ہیں۔ مجھے فرمانے لگے اے بیٹے کیا بات ہے، بولتے نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ابا جان! کچھ پریشانی محسوس کرتا ہوں۔ فرمانے لگے اچھا منہ کو کھولدو۔ میں نے منہ کو کھولدیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ مرتبہ اپنی لعاب میں سے کچھ حصہ تف تف کر کے عنایت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت سات مرتبہ پوری فرمادیں۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں، ادبا مع رسول اللہ ﷺ، چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ سات مرتبہ مہربانی فرما چکے ہیں تو میں چھ مرتبہ کروں گا تا کہ برابری سے بے ادبی نہ ہو جائے۔"[1313]

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"والحکایات فی ذلک عن اولیاء اللہ کثیرۃ جدا ولا ینکر ذلک الا معاند او محروم"۔

[1313](زیارۃ القبور ص ۶۲، ۶۵)(روح المعانی مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان، ج ۱۱، سورۃ الاحزاب، ص ۵۱، تفسیر آیات ۴۱ تا ۴۳)

یعنی اس باب میں اولیاء اللہ سے بہت حکایات منقول ہیں جس کا انکار سوائے معاند یا اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص سے محروم کے نہیں کرتا۔[1314]

فصل در بیان افضلیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا بیان

بعض علماء حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت سے انکار کرتے ہیں حالانکہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مبارک فرماتے ہیں:

لا اجد احدًا فضلنی علیٰ ابی بکرٍ و عمر اا لا جلدته حدّ المفتری۔

یعنی میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہتا ہے، اسے الزام تراشی کی سزا کے طور پر اسّی کوڑے ماروں گا۔[1315]

عن علیٍّ رضی اللہ عنہ قال خیر النّاس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکرٍ و خیر النّاس بعد ابی بکرٍ عمر۔

یعنی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔[1316]

[1314] (زیارۃ القبور ص ۲۶)

[1315] (دار القطنی، صواعق، محرقہ ص ۶۰)

[1316] (ابن ماجہ حدیث رقم ۱۰۶، مسند احمد حدیث رقم ۸۳۶)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔[1317]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں:

کنّا معاشر اصحاب رسول اللہ ﷺ ونحن متوافرون نقول افضل ھٰذہ الامّۃ بعد نبیّنا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رواہ ابن عساکر۔

یعنی ہم صحابہ رسول کا گروہ اور ہم وافر تعداد میں ہوتے تھے، کہا کرتے تھے کہ اس امت میں ہمارے نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔[1318]

نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں اجماع کی ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا کسی مسئلہ پر متفق ہونا منع تھا۔یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت نے اس حدیث میں مذکور اجماع کو تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قولہ ﷺ کنّا نخیر تصریح علی الاجماع۔

یعنی اس حدیث کے الفاظ کنا نخیر میں اجماع پر تصریح موجود ہے۔[1319]

[1317] (بخاری حدیث رقم ۳۶۹۷، ابو دائود حدیث رقم ۴۶۲۷)

[1318] (مرام الکلام ص ۴۶ از علامہ پرھاروی علیہ الرحمہ)

[1319] (مراحم الکلام ص ۴۶)

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے الفصل الاول فی الاجماع کا عنوان قائم کر کے سب سے پہلے اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نقل فرمایا ہے۔[1320]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں:

وعنہ قال اجتمع المہاجرون والانصار علیٰ ان خیر ھذہ الامّۃ بعد نبیھا ابو بکر و عمر و عثمان۔

یعنی تمام مہاجرین اور انصار کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم۔[1321]

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر الصّدّیق رضی اللہ عنہ ثم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ثم عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ ثم علیّ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

یعنی رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بعد سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ۔[1322]

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل سنت کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ شیخین کو افضل مانا جائے اور ختنین سے محبت کی جائے۔ گویا یہ مسئلہ امام صاحب کے نزدیک قطعی ہے اسی لئے اس کا منکر سنیت کی علامت کھو بیٹھتا ہے۔

[1320] (مطلع القمرین قلمی ص ۶۷)
[1321] (مرقاۃ جلد ۱۱ ص ۳۳۴)
[1322] (فقہ اکبر مع شرح ص ۶۱، ۶۲)

حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فی کلامہٖ دلالۃ علیٰ انّ من فضل علیّا علی الشّیخین فھو خارج من اھل السنّۃ والجماعۃ۔

یعنی امام صاحب کے کلام میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل کہا وہ اہل سنت سے خارج ہے۔[1323]

تمام علماء وصوفیاء اہلسنت کا اجماع:

امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اتّفق اھل السّنّۃ انّ افضلھم ابو بکر ثم عمر۔

یعنی اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ۔[1324]

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اجمع اھل السنۃ ان افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علیّ ثم سائر العشرۃ ثم باقی اھل البدر ثم باقی اھل احد ثم باقی اھل البیعۃ ثم باقی الصحابۃ، ھٰکذا حکی الاجماع علیہ ابو منصور البغدادی۔

یعنی اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر علی رضی اللہ عنہ، پھر باقی عشرہ

[1323] (الطریقۃ الاحمدیہ فی حقیقۃ القطع بالافضلیہ ص ۶)

[1324] (شرح نووی ج ۲ ص ۲۷۲)

مبشرہ پھر باقی اہل البدر، پھر باقی اہل احد پھر باقی اہل بیعت، پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم۔ ابو منصور بغدادی نے بھی اسی ترتیب پر اجماع نقل کیا ہے۔[1325]

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

هو افضل الاولیآء من الاوّلین والاخرین وقد حکی الاجماع علیٰ ذٰلک ولا عبرة بمخالفة الروافض هنالک۔

یعنی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اگلے پچھلے تمام اولیاء سے افضل ہیں، اس پر اجماع ہے اور اس کی مخالفت کرنے والے رافضی ہیں۔ ان کی مخالفت کا یہاں کوئی اعتبار نہیں۔[1326]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل نہ ماننے والا رافضی ہے اور اس کا عقیدہ خبیث ہے۔[1327]

امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وفی الروافض انّ من فضل علیّاً علیٰ الثلاثة فمبتدع۔

یعنی روافض کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جس نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تین خلفاء پر فضیلت دی تو وہ بدعتی ہے۔[1328]

اس عبارت میں ایسے تفضیلیوں کو رافضی کہا گیا ہے۔ تبیین الحقائق میں بھی یہی عبارت ہے:

وفی الروافض انّ من فضل علیّاً علیٰ الثلاثة فمبتدع۔[1329]

[1325] (تاریخ الخلفاء ص ۳۷)

[1326] (شرح فقہ اکبر ص ۶۱)

[1327] (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۸)

[1328] (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۶۰)

[1329] (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۳۵)

امام سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انّ رافضی اذا کان یسبّ الشیخین ویلعنھما فھو کافر وان کان یفضل علیا علیھما فھو مبتدع۔

یعنی رافضی اگر شیخین کو گالی دیتا ہو اور ان پر لعنت بھیجتا ہو تو کافر ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتا ہو تو بدعتی ہے۔[1330]

فصل دربیان
داڑھی کا وجوب

بعض علماء وجوبِ لحیہ یعنی قبضہ (ایک مٹھی) داڑھی رکھنے سے انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآن و احادیث میں داڑھی کی اہمیت کے علاوہ آئمّہ عظّام فقہاء کرام کا اجماع ہے کہ داڑھی قبضہ (مٹھی) بھر واجب ہے۔اس کے آگے بڑھانا مباح اور کم کرنا گناہِ کبیرہ اور مونڈھوانا مثلہ (عضو کا کاٹنا)یعنی خود کو عیب دار کرنا ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي (طٰہٰ ۹۴)

"میری داڑھی نہ پکڑ"۔

فائدہ: اخذ یعنی پکڑنا دلالت کرتا ہے کہ داڑھی خشخشی فیشنی نہیں بلکہ مٹھی میں آنے والی تھی۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام، جتنے پیغمبر ان عظام علیہم السلام گزرے ہیں سب کی داڑھی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

عشرٌ من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ الخ"۔

[1330] (فتاویٰ شامی ج۳ ص ۳۲۱)

یعنی دس چیزیں فطرت سے ہیں: (۱) مونچھوں کا کٹوانا، (۲) داڑھی کا بڑھانا، (۳) مسواک کرنا، وغیرہ۔

یہ حدیث واضح طور پر بتا رہی ہے کہ بارگاہِ خداوندی عزّ و جلّ کے خاص مقرّبین انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے شعار میں سے مونچھوں کا کتروانا اور داڑھی کا بڑھانا ہے۔ کیونکہ فطرت اِن ہی امور کو اس جگہ کہا گیا ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے تھے۔ جیسا کہ بعض روایات میں بجائے "فطرت" کے "سنن المرسلین" اور اس کا ہم معنٰی لفظ موجود ہے۔[1331]

دیگر تفصیلی احادیث علامہ محمد الحامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ "حکم اللحیۃ فی الاسلام" ملحقہ مختصر القدوری مع حلّہ المسمیٰ التوضیح الضروری مع اضافات مفیدہ مطبوعہ "المعراج کمپنی" ملاحظہ کیجئے۔

داڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے، اس سے کم کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ محقق علی الاطلاق شیخ ابن ہمام جن کا درجہ آئمہ مجتہدین کے قریب ہے وہ فتح القدیر شرح ہدایہ صفحہ ۲۷۰ جلد ۲ میں لکھتے ہیں:

وامّا الاخذ منها وهی دون ذالک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه احد و اخذ کلّها فعل الیهودی والهنودی والمجوسی والاعاجم (در) والتشبه بهم حرام۔[1332]

[1331] (ابو داؤد ص ۸)

[1332] (طحطاوی)

یعنی ایک قبضہ سے کم داڑھی کے کترنے کو جیسے کہ بعض مغربی عیسائی اور ہیجڑے کرتے ہیں، کسی نے بھی جائز نہیں کہا اور ساری کا کترنا یا مونڈھنا تو یہودیوں، ہندوؤں اور عجمیوں و مجوسیوں کا فعل ہے (در مختار) اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنی مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔[1333]

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

وقیل حرامٌ لانّہ مثلةٌ، قصّ اللحیة من صنع الاعاجم وھو الیوم شعارٌ کثیرٌ من المشرکین کالافرنج والھنود ومن لا خلاق لہ فی الدّین من طائفة القلندریة۔[1334]

ترجمہ: اور کہا گیا کہ داڑھی مونڈھوانا حرام ہے کیونکہ یہ مُثلہ میں داخل ہے، اور داڑھی کا کتروانا اور چھوٹا کرنا عجمیوں کا کام تھا۔ اور ان دنوں یہ کام مشرکین کی علامت بن گیا ہے۔ جیسا کہ فرنگی اور ہندو اور ان لوگوں کا جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ جنہیں قلندریہ کہتے ہیں۔

داڑھی ایک مشت سے زیادہ لمبی بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جس نے اپنی داڑھی ایک مُٹھی سے زائد رکھی ہوئی تھی اور وہ بہت بڑھی ہوئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو پکڑ کر کھینچنے لگے اور فرمایا قینچی لاؤ، پھر ایک شخص کو حکم دیا جس نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے نیچے سے بال کاٹ دیئے تاکہ مٹھی کے برابر ہو جائے۔[1335]

الحمد للہ! اس سنّت پر ہمارے مرشد قیّوم الزّمان مجدّد عصرِ حاضر حضرت خواجہ سیف الرحمن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عمل پیرا تھے۔ اگر کسی کی شلوار لمبی ہوتی تھی تو اس کو بھی کٹوا دیتے، اور اگر کسی کی داڑھی ایک مشت سے زیادہ لمبی ہوتی، تو اسی وقت ایک مشت تک کٹوا دیتے تھے۔

اور در مختار اور شامی میں بھی زائد از قبضہ کے کاٹنے کو واجب کہا ہے۔

[1333] (طحطاوی)

[1334] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۴ باب السواک فصل اول مطبوعہ امدادیہ ملتان)

[1335] (عینی شرح بخاری، ص ۲۷۸، ج ۱۰)

عبارت یہ ہے:

ویحرم علی الرجل قطع لحیۃ وصرح فی النھایۃ بوجوب قطع مازاد علیٰ القبضۃ وھو فعل النبی ﷺ کما رواہ الترمذی فی جامعہٖ انہ ﷺ کان یاخذ من اللحیۃ من طولھا وعرضھا۔

الکواکب فی حلق الشوارب میں لکھاہے جو کہ ہماری تالیف ہے

مردوں کیلئے داڑھی رکھناواجب ہے اوراسکی مقدارشرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے داڑھی رکھناتمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے۔اسلامی اور قومی شعارہے شرافت وبزرگی کی علامت ہے چھوٹے بڑے میں فرق وامتیازکرنے والی ہے۔اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اورصورت نورانی ہوتی ہے آنحضرت ﷺ کادائمی عمل ہے حضور ﷺ نے اسے فطرت سے تعبیرفرمایاہے اورآپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے کاتاکیدی حکم فرمایاہے۔لہٰذاداڑھی رکھناواجب اورضروری ہے منڈاناحرام اورگناہ کبیرہ ہے اس پرامت کااجماع ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

حلق کردن لحیہ حرام است۔

داڑھی منڈاناحرام ہے۔[1336]

داڑھی مونڈنامنڈاناممنوع ہے۔[1337]

مردکیلئے داڑھی مونڈناحرام ہے۔[1338]

[1336](اشعۃاللمعات)

[1337](شرح شفا)

[1338](فتح العین ازلمعۃالضحیٰ)

مردوں کیلئے داڑھی کٹانا حلال نہیں۔[1339]

اسی لیے مرد پر داڑھی کا مونڈنا حرام ہے۔[1340]

نہ داڑھی کا منڈانا جائز ہے نہ اکھیڑنا اور نہ ہی کٹانا جائز ہے۔

داڑھی کا کٹانا جب کہ وہ قبضہ سے کم ہو جائے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں۔[1341]

داڑھی کٹانا یہ عجمیوں کی روش تھی لیکن اس زمانہ میں بہت سے مشرکوں انگریزوں ہندوؤں اوران لوگوں کی روش ہے جن کا دین میں حصہ نہیں ہے۔[1342]

آخر زمانہ میں ایسی قومیں ہوں گی جو داڑھیاں کٹائیں گی۔ان کا دین میں اور آخرت میں حصہ نہیں ہے۔[1343]

اے مسلمان !داڑھی منڈوانے سے معاذاللہ رسول اللہ ﷺ کی دل شکنی ہوتی ہے حضور ﷺ ناراض ہوتے ہیں۔

وعَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ: وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ" وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ، إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ۔[1344]

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب

[1339] (دجیز کردری از لمعۃ الضحیٰ)

[1340] (درمختار)

[1341] (دردغرر از لمعۃ الضحیٰ)

[1342] (از لمعۃ الضحیٰ)

[1343] (سیدنا کعب رضی اللہ عنہ از لمعۃ الضحیٰ)

[1344] (بخاری ص ۸۷۵ ج ۲)

کبھی حج یا عمرہ کرتے تھے تو داڑھی کو مٹھی میں پکڑ لیا کرتے تھے۔بس جو مٹھی سے زیادہ ہوتی اسکو کتروا دیتے۔

علامہ محمود خطاب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے تمام ائمہ مجتہدین جیسے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک داڑھی منڈانا حرام ہے۔[1345]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے:

داڑھی رکھنا واجب ہے منڈانا کٹانا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔

لقولہ علیہ السلام خالفوا المشرکین اوفروا اللحیٰ متفق علیہ وفی الدر المختار یحرم علی الرجل قطع لحیتہ والسنۃ فیھا القبضہ۔

آپ ﷺ نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ۔الدر المختار میں ہے کہ مرد کیلئے داڑھی کاٹنا حرام ہے اور سنت ایک مشت داڑھی ہے۔[1346]

داڑھی کا فلسفہ اور اسکے رکھنے کا حکم:

مسلم قوم ایک مستقل و ممتاز ملت ہے جو تمام اقوام و ملل سے بالکل علیحدہ فطرت سلیمہ کی حامل و مالک ہے اللہ نے اسکو اقوام عالم پر شاہد و عادل بنا کر بھیجا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرۃ ۱۴۳)

ہم نے تم کو ایک ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ شاہد ہوں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران ۱۱۰)

[1345] (المنہل ص ۱۸۶ ج ۱ فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۵ ج ۶)
[1346] (امداد الفتاویٰ ص ۲۲۳ ج ۴)

تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے ظاہر کی گئی ہے۔

لیکن افسوس کہ یہ قوم اپنی دینی ومذہبی خصوصیات کو تو عرصہ ہوا کھو چکی تھی آج اپنی تمدنی ومعاشرتی امتیازات کو بھی فنا کرتی جارہی ہے۔رسم ورواج میں ہنود کی اتباع اور تمدن ومعاشرت میں اہل مغرب(انگریزوں) کی تقلید مسلمان کے رگ وریشہ میں سرایت کرتی جارہی ہے۔

آج جبکہ دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی اوراپنی قومی وملی خصوصیت کے بقاء وتحفظ کیلئے سرگرم عمل نظر آرہی ہے۔لیکن مسلمان اپنی قومی وملی خصوصیت وامتیازات کو فرنگیت کے بھینٹ چڑھا کر ان ہی میں جذب ہوتی جارہی ہے۔

یاللعجب ،کل جو قوم اقوام عالم کیلئے جاذب و مصلح تھی،(مقتداء و رہنماء تھی،ہر قوم اسلام کے دامن میں پناہ کی متلاشی تھی)۔

وہ آج کس سرعت کے ساتھ دوسروں میں جذب ہوتی جارہی ہے اوردوسروں کی نقالی ہی کو معیار ترقی خیال کیا جاتا ہے،حالانکہ اہل بصیرت کے نزدیک یہ انتہائی تنزل وانحطاط اور قومیت کیلئے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی   کہ ایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

میں ڈرتا ہوں کہ تم کعبے تک نہیں پہنچو گے اے شخص کیونکہ جس راستے پر تم جارہے ہو وہ ترکستان کی طرف جاتا ہے۔

داڑھی اسلام کے اہم شعار میں سے ہے،بلکہ انسانی وفطری اصول سے خواص رجولیت میں سے ہے لیکن افسوس سب سے زیادہ مسلمان ہی اسکی صفائی کے درپے ہیں اوراس طور سے قومی و ملی

امتیاز سے قطع نظر فطرت وانسانیت کیلئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ بن رہی ہے، اس لئے جب داڑھی اسلام کا شعار ہے ،اورداڑھی کٹوانایامنڈانا، اور مونچھوں کابڑھانایہودونصارٰی اور مشرکین کا شعارہے، آپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھ کر اس شعار کی حفاظت کا اوردوسری اقوام کی مخالفت کا حکم فرمایاہے۔

چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ: وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ"۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو ،(وہ مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھی کٹاتے ہیں)تم داڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو منڈاؤ۔[1347]

مرزا بیدل کا واقعہ:

ہندوستان میں مرزا بیدل نامی ایک شاعر تھا اس نے جناب نبی کریم ﷺ کی شان میں فارسی میں نعتیہ قصیدہ کہا۔

اس سے ایک ایرانی بہت ہی متاثر ہوا کہ یہ کتنا بڑا عاشقِ رسول ﷺ ہو گا۔ لہٰذا اس شاعر کی زیارت کا شوق ہوا اس غرض سے ایران سے سفر کرکے ہندوستان پہنچے جب ان کے گھر پہنچے تو معلوم

[1347] (صحیح بخاری، کتاب اللباس ،با اعفاء اللحی ،ج، ۲،ص، ۸۷۵، کراچی ،ج، ۱۰،ص، ۳۵۱،رقم الحدیث:۵۸۹۳،وصحیح مسلم، کتاب الطھارۃ،ج، ۱ص، ۱۲۹، کراچی، ج، ۱،ص، ۲۲۲،رقم:۲۵۹،۵۲، وابوداؤدفی السنن،ج، ۴،ص، ۴۱۳،رقم: ۴۱۹۹ ،والترمذی فی السنن،ج،۵،ص ،۸۸، رقم: ۳۷۶۳،والنسائی فی السنن،ج،۸،ص، ۱۸۱،رقم:۵۲۲۶،واحمدفی المسند،ج، ۲،ص، ۵۲،ومشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ص، ۳۸۰،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ہوا کہ نائی کی دوکان میں داڑھی منڈوا رہے ہیں۔ اس ایرانی شخص کو بہت افسوس اور دکھ پہنچا۔ اس نے تعجب سے کہا کہ ”آغا ریش می تراشی؟“ یعنی جناب داڑھی منڈوا رہے ہیں؟

شاعر نے جواب میں کہا کہ ”بلے ولکن دل کسے نمی خراشم“ یعنی جی داڑھی منڈوا رہا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا ہوں۔ (یعنی کسی کا دل دکھانا بہت بڑا گناہ ہے اس سے بچتا ہوں)

ایرانی مسافر نے برجستہ کہا کہ ”آرے دل رسولِ خدا می خراشی“ یعنی بلکہ تم رسولِ خدا ﷺ کے دل کو دکھا رہے ہو۔ تب جاکر شاعر کی آنکھیں کھلیں اور قالاً یا حالاً کہا:

جزاک اللہ چشمم باز کردی مرا با جان جاناں ہمراز کردی

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے جان جاناں (رسول اللہ ﷺ) سے ملا دیا (پہنچا دیا)۔ یعنی یقیناً داڑھی منڈانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے سید الکونین ﷺ کو زندگی میں تکلیف پہنچتی تھی اور وفات کے بعد بھی تکلیف پہنچے گی۔ جس کا مجھے اس سے قبل اندازہ نہیں تھا، آج آپ نے میری اس طرف رہنمائی کی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور اسی وقت سے داڑھی رکھ لی۔

داڑھی منڈوانے والا ہر حال میں گناہ گار ہے

مولوی محمد زکریا سہارن پوری نے کہا ہے: مجھے ایسے لوگوں کو دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور اس حالت میں اگر موت واقع ہوئی تو قبر میں سب سے پہلے سید الرسل ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت ہوگی تو کس منہ سے چہرہ انور کا سامنا کریں گے؟ اس کے ساتھ ہی بارہا یہ خیال بھی آتا ہے کہ گناہ کبیرہ زنا، لواطت، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ تو بہت سے ہیں مگر سب وقتی ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے **لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن (الحدیث)** یعنی کوئی زنا

نہیں کرتا اس حالت میں کہ وہ مؤمن ہو۔ مشائخ نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ زنا کے وقت ایمان کا نور اس سے جدا ہو جاتا ہے لیکن زنا کے بعد وہ نور ایمانی جو ہر وقت اسکے ساتھ رہتا ہے نماز پڑھتا ہے تو بھی یہ گناہ ساتھ ہے روزہ کی حالت میں، حج کی حالت میں غرضیکہ ہر عبادت کے وقت یہ گناہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ (داڑھی کا وجوب)

گناہ بے لذت

یہ اتنا عظیم گناہ ہونے کے باوجود بالکل بے لذت ہے۔ شراب وغیرہ میں تو وقتی لذت ہے، لیکن داڑھی منڈانے کے گناہِ کبیرہ میں کوئی لذت بھی نہیں ہے، اس میں وقت کا ضیاع ہے حالانکہ مسلمان کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے مسلمان وقت کا کوئی حصہ بیکار ضائع نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے وقت کا جو حصہ بغیر یاد الٰہی کے گزر جائے وہ قیامت کے روز حسرت و ندامت کا سبب بنے گا کیونکہ داڑھی منڈانے میں جو وقت ضائع ہو رہا ہے وہ خالص گناہ کے کام میں ضائع ہو رہا ہے۔

اور اس میں مال کو ضائع کرنا ہے اس لئے داڑھی خود مونڈے یا منڈوائے بہر حال مال کا بہت بڑا حصہ اس میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو تکلیف پہنچاتا ہے، کبھی چمڑا چھیل گیا کبھی کھال کٹ گئی اور طرح طرح کی اپنے جسم کو بھی بلا ضرورت تکلیف پہنچانا یہ ایک مستقل گناہ ہے۔

لہٰذا عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس قبیح فعل کو چھوڑ دیا جائے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ انھکوا الشوارب و اعفوا اللحی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مونچھیں منڈاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔[1348]

[1348](شعب الایمان، ج۵، ص ۲۱۹، رقم: ۶۴۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، صحیح بخاری، ج۲، ص ۸۷۵، نور محمد کراچی)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم مونچھیں منڈاؤ اور داڑھیاں بڑھنے دو، آتش پرستوں کا خلاف کرو۔[1349]

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوس داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے جیسا کہ آجکل عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے۔ تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے شعار کی حفاظت کریں، ایک مٹھی کی مقدار داڑھی رکھے، اسکو ہرگز کم نہ کرے اور مونچھوں کو کٹوائے۔ درمختار کتاب الصوم میں ہے کہ

وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ، وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ اھ مُلَخَّصًا۔

داڑھی کو مٹھی سے کم کرنا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے بھی جائز نہیں کہا اور ان کے ساتھ تشبہ حرام ہے۔[1350]

عن عبداللہ عمر قال: ذکر رسول اللہ ﷺ المجوس فقال: انھم یوفون سبالھم ویحلقون لحاھم فخالفوھم۔ قال: فکان ابن عمر یستعرض سبلتہ فیجزھا کما تجز الشاۃ او یجز البعیر۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجوسیوں کا ذکر کیا اور فرمایا: وہ لوگ اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں، اور داڑھیاں منڈواتے ہیں، تم لوگ ان کی مخالفت

[1349] (شعب الایمان، ج۵، ص، ۲۱۹، رقم: ۶۴۳۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ، ج، ۱۲۹، ۱، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، مسند احمد بن حنبل، ج، ۲ ص، ۳۶۲، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

[1350] (درمختار کتاب الصوم، ج۲ ص۴۱۸ وفتح القدیر) والتشبہ بھم حرام۔ (الطحطاوی)

کرو، لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی مونچھوں کے کناروں کو پکڑتے تھے اور ان کو ایسے مونڈتے تھے جیسے بکری کو مونڈتے ہیں یا اونٹ کو مونڈتے ہیں۔[1351]

ایک مشت سے زائد داڑھی کو کتروانا:

مٹھی سے زیادہ داڑھی کو کتروانا جائز ہے۔

والقصرسنة فيهاوهوان يقبض الرجل لحيته فان زادمنهاعلى قبضة قطعه كذاذكر محمدرحمه الله۔

جب کوئی شخص اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے لے اور وہ مٹھی سے زائد (لمبی) ہو تو اس زائد حصے کو کاٹنا جائز ہے اور یہ سنت ہے۔[1352]

داڑھی تینوں جانب سے ایک مٹھی ہو:

ہر جانب سے ایک مٹھی ہونا ضروری ہے یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے مٹھی پکڑ کر زائد کو کاٹے اسی طرح دونوں جانب سے بھی مٹھی بھر ہونا ضروری ہے۔

داڑھی کہاں سے شروع ہوتی ہے:

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوئی ہے یہاں سے داڑھی شروع ہے اس سے اوپر سر کا حصہ ہے۔ پس سر کی حد تک منڈانا درست ہے۔ داڑھی کی حد سے درست نہیں۔

[1351] (رواه الطبرانی،فی الاوسط ،رقم: ۱۰۵۱ ،وابن حبان ،رقم: ۵۴۷۶ ،وابونعیم فی الحلیة ،ج، ۳،ص، ۹۴ ،السنن الکبریٰ للبیهقی ،کتاب الطهارة،ج، ۱ ،ص، ۳۱۹ ،رقم: ۶۹۶ ،دارالحدیث القاهرة،و شعب الایمان ،ج، ۵ ،ص، ۲۲۲ ،رقم: ۶۴۴۸ ،دار الکتب العلمیه بیروت)

[1352] (عالمگیری ص ۲۳۹ ج ۴)

داڑھی کے نام کی تحقیق اور چہرہ پر داڑھی کی حدود اربعہ:

داڑھی کو عربی میں "اللحیۃ" اور پشتو میں گیرہ کہتے ہیں جس کی جمع عربی میں "اللحیٰ" آتی ہے۔ قرآن و سنت میں داڑھی کے بارے میں "اللحیۃ" اور جمع کیلئے "اللحیٰ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ، یہ احادیث پہلے ذکر کی جاچکی ہیں ۔(اور "اللحیٰ" لام پر پیش اور زیر دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي (طه ۹۴)

(کہا اے میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا۔)

عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب و اعفاء اللحية اھ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں:

(۱) مونچھیں (جڑ سے) کاٹنا، (۲) داڑھی بڑھانا، (۳) مسواک کرنا، (۴) ناک میں پانی ڈالنا، (۵) ناخن کاٹنا، (۶) جوڑوں کو دھونا، (۷) بغلوں کے بال نوچنا، (۸) زیرِ ناف بال مونڈنا، (۹) اور پانی سے استنجاء کرنا، (۱۰) مصعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دسویں چیز میں بھول گیا، الا یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔

اور عربی لغت میں "لَحی" اور "لِحی" (یعنی لام کے زبر اور زیر کے ساتھ) منہ کی اس ہڈی یا جبڑے کو کہا جاتا ہے، جس پر دانت اگتے ہیں۔

اللحیان :العظمان فیھمامنابت الاسنان(المحیط فی اللغۃ،مادۃ ،، لحی،،حرف الحاء)قال اللیث:اللحیان العظمان اللذان فیھماالاسنان من کل ذی لحی(تھذیب اللغۃ،مادۃ،،لحی،،باب الحاء و اللام)اللحیان:العظمان اللذان فیھمامنابت الأسنان من کل ذی لحی،و الجمیع:ألحِ و اللحامقصور۔و اللحاءممدود:

اللحیان: ان دونوں ہڈیوں (جبڑوں) کو کہتے ہیں جن پر دانت نکلتے ہیں۔

لیث نے کہا،اللحیان:وہ دوہڈیاں (جبڑے)ہیں جن پر ہر جبڑے والے کے دانت نکلتے ہیں لحیة کی جمع الحِ،لحیٰ اور لحآء ہے۔[1353]

اور جس ہڈی پر دانت اگتے ہیں ،وہ انسانی چہرے میں دو قسم کی ہڈیاں ہیں ،ایک اوپر کی ہڈی، جس کو اوپر کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے، اور ایک نیچے کی ہڈی، جس کو نیچے کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے۔نیچے کی ہڈی یاجبڑے کو عربی زبان میں ’’الفک الاسفل ‘‘ یا’’الفک السفلیٰ‘‘ اورانگریزی میں MANDIBLE کہا جاتاہے،اور اس کے مقابلے میں اوپر کی ہڈی یاجبڑے کو عربی زبان میں ’’الفک الاعلیٰ ‘‘یا’’الفک العلوی‘‘ اور انگریزی زبان میں MAXILLA کہا جاتا ہے۔(کمپوزر ڈاکٹر محمد افضل سیفی)

کئی احادیث میں منہ کے دونوں جبڑوں یادانت اگنے والی دونوں ہڈیوں کیلئے ’’لحیین‘‘ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

چنانچہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ یَضْمَنْ لِي مَابَیْنَ لَحیَیْهِ وَمَابَیْنَ رِجْلَیْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ۔[1354]

[1353](کتاب العین لخلیل بن احمد،ج۳ص۲۹۷،۲۹۶،مادۃ،،لحی،،باب الحاء و اللام)

[1354](بخاری،باب حفظ اللسان،ج۸ص۱۰۰)

ترجمہ: جو میرے لئے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (یعنی زبان) اور دونوں پاؤں (رانوں) کے درمیان کی چیز (یعنی شرمگاہ کی حفاظت) کی ضمانت دے، تو میں اس کیلئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس طرح کی احادیث میں "لحیین" یا "لحییہ" کے الفاظ سے منہ میں اوپر نیچے کے دونوں جبڑے یا وہ دونوں ہڈیاں مراد ہیں، جن پر دانت اگتے ہیں۔

(لَحْيَيْهِ) : بِفَتْحِ اللَّامِ مَنْبَتُ الْأَسْنَانِ، أَيْ: مَنْ يَكْفُلُ لِي مُحَافَظَةَ مَا بَيْنَهُمَا مِنَ اللِّسَانِ وَالْفَمِ عَنْ تَقْبِيحِ الْكَلَامِ وَأَكْلِ الْحَرَامِ۔

ترجمہ: لام کے زبر کے ساتھ لحییہ کا معنیٰ ہے دانت اگنے کی جگہ (داڑھ) مراد یہ کہ جو مجھے زبان اور منہ کی قبیح کلام اور حرام خوری سے بچانے کی ضمانت دے گا۔[1355]

اوراوپر، نیچے کے ان دونوں جبڑوں یا دانت اگنے والی دونوں ہڈیوں کو عربی میں "لحیین" کے علاوہ "فکّین" بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔[1356]

اور اسی مناسبت سے اس ہڈی پر اگنے والے بالوں کو عربی زبان میں "لحیۃ" اور اردو زبان میں "داڑھی" کہا جاتا ہے۔

وَاللَّحْيُ مَنْبِتُ اللِّحْيَةِ مِنَ الْإِنْسَانِ وَغَيْرِهِ وَالنِّسْبَةُ إِلَيْهِ لَحَوِيٌّ، وَهُمَا لِحْيَانِ وَثَلَاثَةُ أَلْحٍ عَلَى أَفْعُلٍ إِلَّا إِنَّهُمْ كَسَرُوا الْحَاءَ لِتَسْلَمَ الْيَاءُ وَالْكَثِيرُ لُحِيٌّ عَلَى فُعُولٍ وَفِي الْمُغْرِبِ اللَّحْيُ الْعَظْمُ الَّذِي عَلَيْهِ الْأَسْنَانُ. اه

اللحیٰ، انسان وغیرہ کی داڑھی کے اگنے (نکلنے) کی جگہ کو کہتے ہیں۔ جب اس لفظ کی طرف نسبت کریں گے تو "لحوی" (داڑھی والا) کہا جائے گا۔ اس کی تثنیہ "لحیان" اور جمع "الح" بروزن "افعل"

[1355] (مرقاۃ المفاتیح، ج۷ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم)

[1356] (الفکّان): اللحیان (المعرب فی ترتیب المعرب، ص ۴۶۵، باب الفاء مع الکاف)

آتی ہے؟ لیکن علماء نے "حا" کو کسرہ دیا تاکہ "یاء" کے ساتھ مناسبت آجائے۔ لفظ "لحیۃ" کی جمع کثرت "لحیی" بروزن "فعول" آتی ہے۔ "مغرب" (لغت کی کتاب میں ہے کہ "اللحی" اس کو ہڈی کو کہتے ہیں جس پر دانت نکلتے ہیں۔)[1357]

داڑھی اور اس کی مقدار اطباء و حکماء کی نظر میں

اب تک داڑھی کے شرعی پہلو کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے، اور اگر طبی پہلو سے غور کیا جائے تو طبی اعتبار سے بھی داڑھی کی افادیت اور اس کے منڈانے کا ضرر اور نقصان طے شدہ ہے۔

چنانچہ قدیم طب میں تو یہ بات پہلے ہی طے شدہ تھی کہ داڑھی مرد کے لئے زینت اور گردن و سینہ کے لئے بڑھی محافظ ہے، مگر بعد کے تحقیق دانوں کی تحقیق سے بھی معلوم ہوا کہ داڑھی صحت کے لئے انتہائی مفید چیز ہے، اور اس کو منڈانے سے صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

چنانچہ ماہرین کی رائے ہے کہ:

داڑھی کے موجود ہونے سے مضر جراثیم حلق اور سینے میں پہنچنے سے رکے رہتے ہیں۔

اور اس کے برعکس متعدد ماہرین کی رائے کے مطابق داڑھی منڈانے سے مردانہ قوت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اور اسی وجہ سے ان کا کہنا ہے کہ اگر سات نسلوں تک داڑھی منڈانے کی عادت قائم رہے تو آٹھویں نسل بغیر ڈاڑھی کے پیدا ہوتی ہے۔

داڑھی مونڈنے سے دماغ پر برا اثر پڑتا ہے اور دماغ کمزور ہو جاتا ہے اور دیگر کئی دماغی بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

[1357] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب ارکان الطہارۃ۔)

داڑھی منڈانے سے پھیپھڑوں کی متعدد بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

داڑھی کو بار بار مونڈنے سے آنکھوں کی رگوں پر برا اثر پڑتا ہے اور نظر کمزور ہو جاتی ہے۔

اور اگر داڑھی کو ایک مٹھی ہونے کے بعد بھی نہ کاٹا جائے اور اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو داڑھی کے بالوں کا اوپر والا حصہ پتلا ہوتا چلا جاتا ہے جس کے نتیجے میں سر میں اثر پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عقل اور دماغ میں فتور اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

حکماء وعقلاء نے بھی داڑھی کے متعلق شریعت کی معتدل تعلیم کو عقل و نظر میں انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔

حافظ جمال الدین ابو لفرج عبد الرحمٰن بن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "اخبار الحمقٰی والمغفلین" میں غیر معتدل، طویل داڑھی کو جو شرعی مقدار سے زائد ہو، حماقت کی علامت میں شمار کیا ہے اور اس سلسلے میں حکماء و اہل بصیرت کے اقوال اور احوال پیش فرمائے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ومن العلامات التی لا تخطیء طول اللحیۃ فان صاحبھا لا یخلو من الحمق وقد روی انہ مکتوب فی التوراۃ ان اللحیۃ مخرجھا من الدماغ فمن افرط علیہ طولھا قل دماغہ ومن قل دماغہ قل عقلہ ومن قل عقلہ کان احمق۔

قال بعض الحکماء سماد اللحیۃ فمن طالت لحیتہ کثر حمقہ۔

ترجمہ: اور حماقت کی ان علامات میں سے جو کبھی غلط ثابت نہیں ہو سکتیں، ایک علامت داڑھی کا غیر ضروری لمبا ہونا ہے، اس لئے کہ داڑھی کا مخرج دماغ ہے تو جو شخص اس کی لمبائی میں افراط و غلو کرے گا، تو اس کا دماغ کم ہو جائے گا، اور جس کا دماغ کم ہو گا، اس کی عقل کم ہو جائے گی۔ اور جس کی

عقل کم ہو گی تو وہ احمق ہو گا۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ داڑھی کا لمبا ہونا حماقت ہے، پس جس کی داڑھی جتنی لمبی ہو گی اس کی حماقت اتنی ہی زیادہ ہو گی۔[1358]

نیز فرماتے ہیں:

وقال اصحاب الفراسة اذا كان الرجل طويل القامة واللحية فاحكم عليه بالحمق واذا انصاف الى ذٰلک ان يكون رأسه صغير افلاتشک فيه۔

وقال بعض الحكماء موضع العقل الدماغ وطريق الروح الانف ومعضع الرعونة طويل اللحية۔

وعن سعد بن منصور انه قال قلت لابن ادريس أرأيت سلام بن ابی حفصة قال نعم رأيته طويل اللحية وكان احمق۔

وعن ابن سيرين انه قال اذا رأيت الرجل طويل اللحية فاعلم ذالک فی عقله۔

قال زياد ابن ربية ما زادت لحية رجل على قبضته الا كان ما زاد فيها نقصا من عقله۔

ترجمہ: اور اصحاب فراست کا قول ہے کہ جب آدمی کا قد لمبا ہو اور اس کی داڑھی بھی لمبی ہو تو اس پر احمق ہونے کا حکم لگادو، اور اگر اس کے ساتھ اس کا سر بھی چھوٹا ہو تو اس کی حماقت میں کوئی شک نہیں۔

اور بعض حکماء کا قول ہے کہ عقل کی جگہ دماغ ہے اور روح کا راستہ ناک ہے، اور بے وقوفی کی جگہ لمبی داڑھی ہے۔

اور سعد بن منصور سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابن ادریس کو کہا کیا تم نے سلام بن ابی حفصہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں میں نے اس کو لمبی داڑھی والا دیکھا تھا اور وہ احمق تھا۔

[1358] (اخبار الحمقی والمغفلین لابن الجوزی، ص ۳۱، الباب الخامس فی ذکر صفات الاحمق)

اور حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تم کسی لمبی داڑھی والے کو دیکھو تو آپ یہ بات جان لو کہ اس کی عقل میں کچھ کمی ہے۔

اور زیاد بن ربیہ نے فرمایا کہ جس آدمی کی بھی داڑھی ایک مٹھی سے زیادہ ہو جائے وہ جتنی بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنا ہی اس کی عقل کو کم کرتی جاتی ہے۔

اس بحث کا خلاصہ

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ شریعت نے داڑھی رکھنے کا جو حکم دیا ہے اور اس میں کم از کم ایک مٹھی کی مقدار کو مقرر کر دیا ہے اور اس سے زیادہ کو ضروری یا سنت قرار نہیں دیا۔ یہ شریعت کا معتدل حکم ہر قسم کی افراط تفریط سے پاک اور طب و حکمت کے اصولوں کے بھی عین مطابق ہے۔ اور جس طرح داڑھی منڈانا طب و حکمت کے اعتبار سے نقصان دہ اور مضر ہے اسی طرح اسے ایک مٹھی کے بعد لمبا چھوڑے رکھنا بھی عقلی و طبی اصولوں کے خلاف ہے۔

اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اعتدال ہر چیز میں مفید اور نفع بخش ہوتا ہے اور افراط و تفریط مضر و نقصان دہ ہوتی ہے۔ بحمد اللہ یہی حکم داڑھی کے بارے میں بھی کارفرما ہے۔

فصل دربیان
نورمحمدی صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہ واصحابہ وَسلَّم

بعض علماء حضور ﷺ کی نورانیت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ مبارک بے مثل نور و بے مثل بشر ہیں اور یہ دونوں قرآن پاک سے ثابت ہیں۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: انّ المراد بِالنّورِ محمدٌ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعنی بیشک نور سے مراد محمد ﷺ ہیں۔[1359]

سیّد المفسّرین سیّدنا عبد اللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُورٌ رسول یعنی محمدٌ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

"بیشک آیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی رسول کریم ﷺ"۔[1360]

علّامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُورٌ ھو النّبیّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

یعنی بے شک آیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور وہ نور نبی پاک احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔[1361]

امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُورٌ یعنی بِالنّورِ محمّدًا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم الّذی انار اللہ بہ الحقّ و اظھر بہ الاسلام و محق بہ الشّرک فھو نورٌ لمن استنار بہ یبیّن الحقّ۔

"بے شک آ گیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی نور سے مراد محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن فرمایا اور جن کی طفیل اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور آپ کی جلوہ نمائی سے ہی اسلام غالب ہوا۔ آپ ﷺ کے صدقہ سے شرک کو مٹایا گیا۔ تو آپ ﷺ نور ہیں جن کے ساتھ روشنی ہوئی اور حق ظاہر ہوا۔"

[1359] (تفسیر کبیر ص ۵ ۹ ۳ ج ۳ مطبوعہ مصر)
[1360] (تفسیر ابن عباس ص ۷۲، مطبوعہ مصر)
[1361] (تفسیر جلالین ص ۹۷)

امام علاؤالدین علی بن محمد الخازن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُورٌ یعنی محمدًا ﷺ انّما سمّاہ اللہ نورًا لانّہ یھتدیٰ بہٖ کما یھتدیٰ بالنّورِ فی الظّلام۔

"بیشک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کا اسم مبارک نور اس لئے رکھا کیونکہ جس طرح نور سے اندھیروں میں ہدایت پائی جاتی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی نورانیت سے راہ ہدایت پائی جاتی ہے۔[1362]

امام عبد الرحمن بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُورٌ یرید بالنّور محمّدًا ﷺ۔

یعنی "نور سے مراد سرکارِ دوعالم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں"۔[1363]

امام ابو محمد الحسین الفراء اللبغوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُورٌ یعنی محمدً ﷺ۔

"بے شک آیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی حضرت محمد مصطفی ﷺ"۔[1364]

امام محمود آلوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُورٌ ای عظیمٌ وھو نور الانوار و النّبیّ المختار ﷺ۔

یعنی بیشک آگیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور جو کہ عظیم نور ہے۔ اور وہ نور الانوار نبی مختار محمد مصطفی ﷺ کی ذات والاصفات ہے۔[1365]

[1362](تفسیر خازن ص ۴۴۷، ج ۱ مطبوعہ مصر)

[1363](تفسیر بیضاوی ص ۹۲)

[1364](تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۳، بر حاشیہ تفسیر خازن)

[1365](تفسیر روح المعانی ص ۹۷، ج ۱)

امام احمد الصاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللہِ نُورٌ وھو النبیّ ﷺ وسمّی نورًا لانّہ ینوّر البصائر ویھدیھا للارشاد ولانّہ اصل کلّ نورٍ حسّیٍّ ومعنویٍّ۔

یعنی بے شک آ گیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور وہ نور نبی اکرم ﷺ ہی ہیں۔ آپ کا اسم شریف نور اس لئے رکھا گیا کہ آپ دلوں کو نورِ بصیرت بخشتے ہیں اور ان کو ارشاد فرما کر ہدایت دیتے ہیں کیونکہ آپ ہر حسّی اور معنوی نور کی اصل اور بنیاد ہیں۔[1366]

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللہِ نُورٌ یعنی محمّدًا ﷺ او الاسلام۔

"بیشک آ گیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی محمد ﷺ یا اسلام"۔[1367]

سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کا عقیدہ

سید المرسلین خاتم النبیّین محمّد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا ہے:

اوّل ما خلق اللہ نوری۔

یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو شے پیدا فرمائی وہ میرا نور تھا۔[1368]

جلیل القدر صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آقائے نامدار مدنی تاجدار ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے کس شے کو پیدا فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا جابرُ انّ اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیآء نور نبیّک من نورہٖ۔

[1366](تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۷۵)

[1367](تفسیر مظھری ص ۶۷ ج ۳ مطبوعہ دھلی)

[1368](تفسیر نیشاپوری ص ۵۵ ج ۸، تفسیر عرائس البیان ص ۲۳۸، ج ۱، تفسیر روح البیان ص ۵۴۸ ج ۱، زرقانی شریف ص ۳۷ ج ۱ مدار النبوت فارسی ص ۲، جواھر البحار، بیان المیلاد النبوی ص ۲۴، مطالع االمسرّات ص ۲۷، شرح قصیدہ امالی ص ۳۵، فتاویٰ رشیدیہ، اخبار اھلحدیث امرتسر ص ۱۲۶ اپریل ۱۹۰۹ء، عطر الوردہ ص ۲۴، تفسیر حسینی ص ۱۴)

"اے جابر اللہ تعالیٰ نے بے شک سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔"[1369]

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے صوم وَصال سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور! بیشک آپ ﷺ صوم وصال رکھتے ہیں۔ فرمایا: بیشک میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ بیشک میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں۔[1370]

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا نبی ﷺ سے آپ ﷺ نے فرمایا: وصلی روزہ نہ رکھو، تم سے جس کا ارادہ ہو وصلی روزہ رکھنے کا تو سحری تک رکھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ وصلی روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میں رات گزارتا ہوں، میرا کھلانے والا مجھے کھلا دیتا ہے اور مجھے پلانے والا مجھے پلا دیتا ہے۔[1371]

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصلی روزہ سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ وصلی روزہ رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میں کھلایا پلایا جاتا ہوں۔[1372]

حدثنا محمد بن سلام قال انا عبدة عن هشام عن ابيه عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ امرهم من الاعمال بمايطيقون قالوا انا لسنا كهيأتک يارسول الله ﷺ۔

[1369](مصنف عبدالرزاق، مواھب اللدنیہ ص ۹، زرقانی شریف ص ۴۶ ج ۱، سیرت حلبیہ ص ۳۷ ج ۱، مطالع المسرات ص ۲۱۰، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۸، انوار المحمدیہ ص ۹، عقیدہ الشھدہ ص ۱۰۰، نشر الطیب ص ۶، ۵، از اشرف علی تھانوی دیوبندی، فتاویٰ حدیثیہ ص ۵۱ از ابن حجر مکّی)

[1370](بخاری شریف ص ۲۶۳ ج ۱)

[1371](بخاری شریف ۲۶۳ ج ۱)

[1372](ابو دائود ص ۳۲۹ ج ۱، ترمذی شریف ص ۹۷۱، مسند امام احمد ابن حنبل ص ۱۲۷، ج ۲)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان اعمال کا ارشاد فرماتے ہیں جو لوگ طاقت رکھتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم آپ کی طرح نہیں ہیں۔ [1373]

محمّدٌ بشرٌ لا کالبشر　　　　یاقوتٌ حجرٌ لا کالحجر

حضور ﷺ بشر ہیں مگر عام بشر نہیں یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں

احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے کہ مصطفی ﷺ پیدائشی ناف بریدہ اور مختون تھے۔

وقدتواترات الاخبار انّ رسول اللہ ﷺ ولد مختونًا ومسرورًا۔

اور تحقیق متواترات سے ثابت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ ختنہ کیے گئے اور ناف بریدہ پیدا کیے گئے۔ [1374]

ومنہا انّہ ولد مختونًا مقطوع السرّۃ فقدقال الحاکم بہ تواترت الاخبار۔

"اور ان احادیث متواترہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ ختنہ کیے ہوئے ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ حاکم نے کہا ہے کہ اس بارے میں احادیث متواترہ ہیں۔"

وعن ابن جوزی لا شک انّہ ولد مختونًا۔

رواہ الطبرانی وابو الصحیح وابن عساکر اور ابن جوزی سے ہے کہ بلاشک آپ مختون پیدا ہوئے۔

عن انسٍ رفعہ من کرامتی علی ربّی انی ولدت مختونا۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ مصطفی ﷺ نے فرمایا میرے رب کی طرف سے میری کرامت ہے کہ میں پیدا کیا گیا ہوں ختنہ کیا ہوا۔"

[1373] (بخاری شریف ج ۱ ص ۷)
[1374] (مستدرک ج ۲ ص ۶۰۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ختنہ کئے ہوئے ناف کٹے ہوئے پیدا ہوئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ناف بریدہ اور ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے۔

کیوں جناب نور مصطفی ﷺ کے منکرو! بتاؤ کوئی دنیا میں ایسا پیدا ہوا ہے جس کو ماں کے پیٹ میں ماں کے گندے خون سے خوراک نہ ملی ہو۔ صرف میرے پیارے مصطفی ﷺ ہیں جو والدہ ماجدہ کے شکم سے ہی ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں بھی آپ ﷺ کی خوراک نور ہی رہی ہے۔ والدہ کے خون کی غذائیت سے آپ ﷺ مبرّا تھے اور پیدا ہوئے۔ مؤمن کے لئے یہ آپ ﷺ کے وجود نوری ہونے کا یقینی ثبوت ہے اور جبلّت نوری ہونے کی واضح دلیل ہے اور مختون اس لئے کہ آپ ﷺ کے نوری جسم کا ٹکڑا کاٹ کر پھینکا نہ جاسکتا تھا۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مصطفی ﷺ ظاہر و باطن میں حقیقتاً نور تھے۔

حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔

خصائص کبریٰ میں لکھا ہے:

اخرج الحکیم الترمذی عن زکوان انّ رسول اللہ ﷺ لم یکن یرا لہ ظلٌ فی شمسٍ ولا قمرٍ۔

بے شک رسول اللہ ﷺ کا سایہ سورج اور چاند میں نہیں دیکھا جاتا تھا۔

اور ابن سبع نے کہا ہے کہ مصطفی ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہ ہوتا تھا اور بیشک آپ ﷺ نور تھے اور جب سورج اور چاند کی روشنی میں آپ ﷺ چلتے

تو آپ ﷺ کا سایہ نہ دیکھا جاتا تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ مصطفی ﷺ کا فرمان اس کی شہادت دیتا ہے۔ آپ ﷺ کی دعا میں کہ: ''اے اللہ مجھے نور بنا دے۔''[1375]

شرح شفاء لعلی قاری میں لکھا ہے:

کان من خصائصہ انّہ کان نورًا و کان اذا مشیٰ فی الشمس او القمر لا یظھر لہ ظلٌّ۔

یعنی مصطفی ﷺ کے خصائص سے ہے کہ آپ ﷺ نور تھے اور جب سورج اور چاند کی روشنی میں چلتے تو مصطفی ﷺ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا۔[1376]

و قال عثمان رضی اللہ عنہ انّ اللہ ما اوقع ظلک علی الارض لئلّا یضع انسانٌ قدمہ علیٰ ذلک ظلّ۔

یعنی فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہ بیشک یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں ڈالا تاکہ اس سایہ پر کوئی انسان قدم نہ رکھے۔[1377]

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی السرہندی ص کا عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ مکتوبات شریف امام ربانی، دفتر سوم حصہ نہم، معرفت الحقائق ۵۷: ''جب سرور علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام عالم ممکنات میں نہ تھے بلکہ اس عالم سے وراء تھے۔ ضرور آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا اور عالمِ شہادت میں آدمی کا سایہ آدمی سے بہت لطیف ہوتا ہے اور جب مصطفی ﷺ سے زیادہ لطیف دنیا میں کوئی شے نہیں ہے تو مصطفی ﷺ کا سایہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

حضور ﷺ احتلام سے مبرّا تھے۔[1378]

[1375](خصائص کبریٰ ص ٦٨ ج ١)
[1376](شرح شفاء لعلی قاری، ص ٥٠٥)
[1377](تفسیر النسفی ج ٣ ص ١٠٣)
[1378](خصائص کبریٰ ج ١ ص ٧٠، رواہ طبرانی مواہب و زرقانی ج ٥ ص ٢٤٩، کشف الغمہ ج ٢ ص ٥١، مدارج النبوۃ ج ١ ص ١١٨، تفسیر عزیزی پ ٣٠، ص ٢١٨، حیاۃ الحیوان لدمیری ج ٢ ص ٣٨٨، سیرت رسول عربی ا ص ٦٤٧)

خصائص کبریٰ میں لکھا ہے:

اخرج البخاری فی التاریخ و ابن ابی شیبۃ فی المصنف و ابن سعد عن یزید ابن الاصم قال و ماتثاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قط۔

یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے بالکل جمائی نہیں لی۔ [1379]

انوارِ مصطفی ﷺ سے قلب و نظر، بصر و بصیرت کو منور کرنے کے بعد سایۂ مصطفی کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کیونکہ نور اور سایہ کا اتفاق نہیں ہو سکتا، قادرِ مطلق نے سیدِ عالم ﷺ کو جن بے شمار معجزات سے سرفراز فرمایا ہے، ان میں سے ایک عظیم الشان معجزہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جسمِ انور کا سایہ نہیں تھا۔ آج تک کسی ایک بھی مسلمان کا نام پڑھنے سننے میں نہیں آیا جس نے کسی بھی نبی کے کسی معجزہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہو تو پھر خیر البشر ﷺ کے کسی معجزہ سے ایماندار کے انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اکابرِ امت نے ملتِ اسلامیہ کو اس مسئلہ پر بے پناہ مواد عطا فرمایا ہے، اختصار کے پیشِ نظر یہاں چند تصریحاتِ احادیث اور محدثین و مفسرینِ کرام کے اقوال و ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔ ممکن ہے منکرین کے لئے خضرِ راہ ثابت ہوں۔

حضرت امام نسفی (م ۷۰۱ھ) فرماتے ہیں:

قال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اللہ ما اوقع ظلک علی الارض لئلا یضع انسان قدمہ علیٰ ظلک۔ [1380]

ترجمہ: "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہ ڈالا تاکہ کوئی انسان اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔"

[1379] (ج ۱ ص ۶۵)

[1380] (تفسیر مدارک التنزیل ج ۳ ص ۱۰۳)

فرماتے ہیں:

لم یکن للنبی ﷺ ظل ولم یقم مع الشمس قط الاغلب ضوئہ ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قط الاغلب ضوئہ ضوء السراج۔[1381]

"حضور نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ کہ آپ کا نور آفتاب کی روشنی پر غالب آگیا۔ نہ قیام فرمایا چراغ کی ضیاء میں مگر یہ کہ آپ کے انوار نے اس کی چمک کو مغلوب کر دیا۔"

حضرت حکیم الترمذی حضرت ذکوان تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یریٰ لہ ظل فی شمس ولا قمر۔

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ دھوپ میں نظر آتا اور نہ ہی چاندنی میں۔"[1382]

حافظ الحدیث علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ الخصائص الکبریٰ میں ایک مستقل باب مرتب فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

باب الاٰیۃ انہ ﷺ لم یکن لہ ظل فی شمس ولا قمر۔

اور پھر اس میں حکیم ترمذی سے حضرت ذکوان رحمہ اللہ کی حدیث نقل فرمانے کے بعد حضرتِ امام ابنِ سبع سے اس پر شہادت پیش فرماتے ہیں:

قال ابن سبع من خصائصہ ﷺ ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نورا فکان اذا مشیٰ فی الشمس او القمر لا ینظر لہ ظل۔[1383]

[1381] (جمع الوسائل (للقاری) ج ۱ ص ۱۷٦۔زرقانی علی المواہب ج۴ ص ۲۲۰۔شرح شمائل للمناوی ج ۱ ص ۴۷)

[1382] (ترمذی، نوادرالاصول، زرقانی، ج۴ ص ۲۴۰)

[1383] (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ٦۸)

"ابن سبع نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے خصائص کریمہ سے ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا کیونکہ آپ ﷺ نور تھے۔ جب آپ ﷺ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو سایہ نہیں دیکھا جاتا تھا۔"

حضرتِ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۴۴ھ) یوں ارقام پذیر ہیں:

وما ذکر من انہ کان لا ظل لشخصہ فی شمس و لا قمر لانہ کان نورا و ان الذباب کان لا یقع علیٰ جسدہ و لا ثیاب۔[1384]

"نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیلوں میں سے یہ دلیل بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے جسمِ انور کا سایہ آفتاب کی روشنی اور چاند کی چاندنی میں نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ آپ ﷺ نور تھے اور بیشک آپ ﷺ کے جسمِ اقدس اور لباسِ اطہر پر کبھی مکھی نہ بیٹھتی تھی۔"

شارح بخاری حضرت امام احمد بن محمد قسطلانی علیہ الرحمہ (م ۹۲۳ھ) سے منقول ہے:

لم یکن لہ ﷺ ظل فی شمس و لا قمر۔[1385]

امام محمد زرقانی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا شمس و قمر کی روشنی اور چاندنی میں سایہ کے نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ **لانہ کان نورا** اس لئے کہ حضور ﷺ نور تھے۔

شیخ حسین بن محمد دیار الکبریٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لم یقع ظلہ علی الارض و لا یریٰ لہ ظل فی شمس و لا قمر۔[1386]

"آپ ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوا اور نہ سورج اور چاند کی روشنی میں دیکھا گیا۔"

[1384] (شفاءشریف ج ۱ ص ۲۴۲)

[1385] (زرقانی علی المواھب ج ۴ ص ۲۲۰)

[1386] (کتاب الخمیس)

حضرت امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ (م ۴۵۰ھ) نے یوں رقم فرمایا:

روی ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان اذا مشی لم یکن لہ ظل۔

"مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ ہوتا۔"[1387]

حضرت امام شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۹۶ھ) تحریر فرماتے ہیں:

لا ظل لشخصہ ای جسدہ الشریف اللطیف۔

"حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپائے لطیف کا سایہ نہیں۔"

حضرتِ علامہ برہان الدین احمد حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا مشیٰ فی الشمس او فی القمر لا یکون لہ ظل لشخصہ لانہ کان نورًا۔

"بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم انور کا سایہ نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں۔"[1388]

علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

و مما یؤید انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صار نورا انہ کان اذا مشی فی الشمس و القمر لا یظھر لہ ظل لانہ لا یظھر الا للکثیف و ھو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد خلصہ اللہ من سائر الکثافات الجسمانیۃ و صیرہ نورا صرفا لا یظھر لہ ظل اصلا۔[1389]

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نوری ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضور جب چاند، سورج کی روشنی میں چلتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا اس لئے کہ سایہ کثیف کا ظاہر ہوتا ہے

[1387] (مفردات امام راغب ص ۳۱۷)

[1388] (سیرت حلبیہ، ج ۲ ص ۴۳۲)

[1389] (افضل القریٰ، ص ۴۷)

اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو تو اللہ تعالیٰ نے تمام کثافتوں سے پاک فرما کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو نورِ خالص بنا دیا تھا۔ اس لئے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا سایہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا تھا۔"[1390]

میں اسی مضمون کو بالفاظِ متقاربہ علی الترتیب اس طرح لائے ہیں:

لا یظھر له ظل لم یکن له صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظل فی شمس و لا قمر لم یکن للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن ابن عباس رضی اللہ عنه لم یکن له صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظل۔

اسی طرح سیرت شامی میں صاحب شامی یہی مضمون ارقام فرماتے ہیں، یوں ہی امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر روح البیان میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ سیرتِ حلبیہ ج ۲ ص ۹۴ پر امام تقی الدین سبکی کا یہ شعر بھی اسی عقیدہ پر شاہد ہے:

لقد نزہ الرحمٰن ظلک ان یریٰ　　　علی الارض ملقی فانطویٰ لمزیة

"رحمن نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سایہ کو زمین پر واقع ہونے سے پاک فرمادیا اور پائمالی سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عظمت و فضیلت کی بناء پر اسے لپیٹ دیا۔"

صاحب الوفاء کی یہ حقیقت افروز رباعی بھی ملاحظہ فرمائیے:

ماجر لظل احمد اذیال　　　فی الارض کرامة کما قد قالوا

ھٰذا عجب و کم بمن عجب　　　و الناس لظله جمیعا قالوا

"حضور سیدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سایہ کا دامن بہ سبب بزرگی زمین پر نہیں کھینچا گیا، یہ بات کس قدر تعجب خیز ہے کہ تمام لوگ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زیر سایہ آرام بھی فرماتے ہیں۔"

[1390] (علامہ شیخ محمد طاھر مجمع البحار ج ۳ ص ۴۰۵، علامہ شیخ سلیمان جمل فتوحاتِ احمدیہ شرح ھمزیہ ص ۵، امام احمد مناوی شرح شمائل ج ۱ ص ۴۷، ملاعلی قاری جمع الوسائل بشرح الشمائل ج ۱ ص ۱۷۶)

اس روح پرور، ایمان افروز رباعی کو علامہ خفاجی علیہ الرحمہ نسیم الریاض ج۳ ص۳۱۹ میں بھی لائے ہیں اور پھر نتیجہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

وقد نطق القرأن بانه النور المبین و کونه بشرا لا ینافیه۔

"اس پر قرآن کریم شاہد و ناطق ہے کہ حضور ﷺ نورِ مبین ہیں اور حضور ﷺ کا جامۂ بشریت میں ہونا سایہ نہ ہونے کے منافی نہیں۔"

امام ربانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ یوں ارقام پذیر ہیں:

ناچار اورا سایہ نبود۔۔۔۔ نیز در عالم شہادت سایۂ ہر شخص از شخص لطیف تراست وچوں لطیف تر ازوے در عالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد۔[1391]

"بے شک نبی کریم ﷺ کا سایہ نہیں تھا کیونکہ اس جہاں میں ہر شخص کا سایہ اس سے زیادہ لطیف ہے اور نبی کریم ﷺ سے زیادہ لطیف جہان میں کچھ بھی نہیں تو پھر آپ ﷺ کے لئے سایہ کس وجہ سے ہو سکتا ہے۔"

نیز ایک اور مقام پر فرمایا:

ہر گاہ محمد رسول اللہ از لطافت ظل نبود خدائے محمد چگونہ ظل باشد۔

یعنی "جب محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے بسبب لطیف ہونے کے سایہ نہیں ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کے خدا کے لئے سایہ کیسے ہو سکتا ہے؟"[1392]

لم یخلق الرحمٰن مثل محمد ﷺ ابدا و علمی انه لا یخلق

[1391] (مکتوبات شریف ج ۲ ص ۱۸۷)

[1392] (مکتوبات شریف ج ۲ ص ۲۳۷)

"اللہ تعالیٰ نے حضرتِ محمد مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مثل پیدا ہی نہیں کیا اور میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا ہی نہیں کرے گا۔"

حضرتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

"نبود مر آنحضرت را سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاصول الیٰ ان قال و نور یکے از اسمائے آنحضرت است و نور را سایہ نباشد۔"[1393]

نیز دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"و نمی آفتاد آنحضرت را سایہ بر زمین کہ محل کثافت و نجاست است و دیدہ نہ شد او را سایہ در آفتاب (الیٰ ان قال) چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عین نور باشد نور را سایہ نباشد۔"

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے سایہ نہیں تھا اس لئے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نور ہیں اور نور کے لئے سایہ نہیں ہوتا۔[1394]

اسی طرح مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶ میں ہے:

"عثمان بن عفان گفت کہ سایہ شریف تو بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد"۔

"حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا سایہ شریف زمین پر واقع نہیں ہوتا کہ کبھی پلید زمین پر واقع نہ ہو جائے۔"

[1393](مدارج النبوہ ج ۱ ص ۲۱)
[1394](مدارج النبوۃ، ص ۱۱۸)

نیز معارج النبوۃ رکن چہارم ص ۱۰۰ میں حضرت ذی النورین رحمہ اللہ سے ہے:

"ذی النورین گفت باں دلیل کہ خدائے تعالیٰ روانمی دارد کہ سایۂ تو برزمین افتد وسبب او آنست کہ مباداز مین نجس باشد یاآنکہ کسے پائے قدم پر سایۂ تو نہد۔"

"حضرت ذوالنورین رحمہ اللہ نے عرض کی کہ خداوند تعالیٰ یہ جائز نہیں رکھتا کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر واقع ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ زمین پلید ہو یا کوئی آپ ﷺ کے سایہ پر قدم رکھے۔"

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ اسی مضمون کو بایں الفاظ درج فرماتے ہیں:

"از خصوصیاتیکہ آنحضرت ﷺ رادر بدنِ مبارکش دادہ بودند کہ سایۂ ایشاں برزمین نمے افتاد۔"[1395]

"جو خصوصیتیں نبی کریم ﷺ کے بدن مبارک میں عطا کی گئی تھیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔"

شیخ المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

می گویند کہ رسولِ خدارا سایہ نبود۔[1396]

"اولیائے امت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ تھا۔"

[1395] (تفسیر عزیزی پ ۳۰، سورۃ عمّ، ص ۲۱۸)

[1396] (تذکرہ الموتیٰ والقبور ص ۳۱)

الفاضل الکامل ملا محمد معین الواعظ الکاشفی الہروی علیہ الرحمہ یوں رقم طراز ہیں:

قال العلماء قدس ارواحھم کان فی نفسہ علیہ السلام عشر معجزات یعلم بکل من لہ عقل انہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و اٰلہٖ و سلّم۔

یعنی در ذاتِ بابرکات آنحضرت ﷺ دہ چیز بود از معجزات و آیہ برسالت او، اول آنکہ ذاتِ بابرکات مقدس نبوی ﷺ چند انکہ در آفتاب تردد کردے دور ماہتاب آمد و شد نمودی سایۂ وی بر زمین نے افتاد زیرا کہ آنحضرت ﷺ اصلا سایہ نبود و دریں باب اشارت چند حکمت گفتہ اند یکے آنکہ چوں ذاتِ بابرکاتش نوری بود مجسم گشتہ و تمامی نیّرات از ذاتِ عالی صفات او استفاضۂ انوار صوری و معنوی نمودہ و ظل چوں از ظلمتے خالی نیست ملایم ذاتِ نورانی صفات آں آفتاب فلک سروری دخورشید سپہر پیغمبر ﷺ نبود:

ذاتِ تو خورشید سپہر صفاست | لا جرمش سایہ نہ اندر قفاست
سایہ حسپاں با تو کند ہمسری | رد کہ تو خود سایہ نور اللّٰہی

حکمت دیگر آنکہ نورِ آفتاب لمعۂ بود از نورِ ذاتِ عالی صفات آنحضرت ﷺ دورا نارۂ نورِ او غالب بود بر نورِ آفتاب تابمرتبۂ کہ آفتاب عکسے بود از سایۂ وجود بوجودِ او:

اے خواجہ کہ عشقِ ازلی مایہ تست | بر ہفت فلک کمینہ یک پایۂ تست

جسمت زلطافت چوندارد سایہ   زانست کہ آفتاب در سایۂ تست

حکمت دیگر آنکہ در ظل ہر چیزی مثل اوست چوں آنحضرتﷺ را از زمان ایجاد خلق تا وقت افناء آں مثل ونظیر نبود لا جرم سایہ کہ مثل شخص است از ذاتِ آنحضرتﷺ مختفی است:

سایہ چوں با شخص کند ہمسری   نیست ترا در خورد مہ ہمسری

چونکہ نظیرت نبود در جہاں   سایہ ترا نیست ازاں ہمعناں

حکمتِ دیگر آنست کہ زمین از آلائش خالی نیست حق تعالیٰ نمیخواست کہ سایۂ ذاتِ پاک محمدیﷺ بر خاک افتد نباید کہ بر جائے ناپاک افتد صیانت این معنیٰ نمودہ بدیں خصیصہ اش مخصوص گردانید:

سایہ ندیدت بر زمیں ہیچ کس   نور بود سایۂ خورشید بس

جانت از آلائش تن پاک بود   سایہ نیند اخت بریں خاک بود

حکمتِ دیگر آنکہ ظل ظلیل و سایۂ نبیل آن پغامبر با لتجبیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بر زمین افتادی واقدام کافراں ومنافقاں برآں محل رسیدی مناسب علوِ مرتبت و رفعت و منزلت آنحضرتﷺ نبودی لا جرم آنحضرتﷺ جلال احدیت جل وعلا سایہ گرانمایہ آنحضرت محمدیہﷺ را ازیں نوع اہانت وضیانت فرمود کہ ولا یقع ظلہ علی الارض:

من آں نیم کہ قدم بر قدم نہم لیکن — بہر زمین کہ تو می نہی سرم آنجا است

حکمتِ دیگر آنکہ چنانکہ در دنیا وعامی خودرا از برائے شفاعتِ امت ذخیرہ ساخت چنانچہ فرمود لِكُلِّ نبيٍّ دَعْوَةٌ مُستَجَابَةٌ وإنّما اختبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَتِي لاهل الكبائر من امتی ہمچنیں سایہ خود را در دنیا ذخیرہ ساخت از برائے آفتاب قیامت گذاشت۔[1397]

حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کس خوبصورت انداز سے ارشاد فرماتے ہیں:[1398]

چوں فناش از فقر پیرایہ شود — او محمد وار بے سایہ شود

اس کی شرح میں مولانا بحر العلوم ارقام پذیر ہیں کہ:

"در مصرعۂ ثانی اشارہ بہ معجزہ آں سرور ﷺ کہ آں سرور را سایہ نمی افتاد۔"

یعنی دوسرے مصرعہ میں سرورِ عالم ﷺ کے مشہور معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔

امام عاشقاں، محقق دوراں، علامۂ زماں، فخر الاعیاں، کثیر الاحسان، معتمد عالماں، معلم فقیہاں، مخدوم العلماء، تاج الفقہاء، صاحب فہم وزکاء، امام المشائخ والفقہاء، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، تاج الفحول، کشتۂ عشق رسول ﷺ، جامع المعقول والمنقول، محب اولاد بتول (رضی اللہ عنہم) فاضل

[1397] (تتمۃ معراج النبوۃ فی مدارج النبوۃ ص ۱۳-۱۲)

[1398] (مثنوی شریف دفتر پنجم)

جلیل،عالم نبیل، محدث عدیل، شمشیر بے نیام، رہنمائے ہر خاص وعام، سید العلماء الاعلام، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، حجۃ السالکین، پیشوائے کاملین، سلطان العاشقین، سند المحدثین، رہنمائے رجال دین، شیخ ارباب یقین، علم وحکمت کے بحر بیکراں، امام اعظم کے تدبر کا نشاں، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، کنز الکرامت، جبل استقامت، آفتاب رشد وہدایت، پیکر شرافت، مخزن علوم شریعت و معرفت، وارث تاج مجددیت، فقیہ العصر، علامۃ الدھر، مجدد مائۃ حاضرۃ وسابقہ، مؤید ملت طاہرہ، صاحب حجت قاہرۃ، کاسر ہر فتنہ، مطلع انوار رحمانی، منبع اسرار صمدانی، کاشف رموز پنہانی، فانوس نور حقانی، نائب غوث جیلانی، جانشین امام ربانی، حق وصداقت کی نشانی، مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان قندھاری افغانی ثم بریلوی کی اس مسئلہ پر بڑی مؤثر اور مدلل تصانیف موجود ہیں جن میں بڑی وضاحت سے تحریر کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے جسم انور کا سایہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ نورِ مبین ہیں اور نور کا سایہ نہیں۔اسی طرح آپ نے نعتیہ کلام میں اس مشہور معجزہ کو نہایت ایمان پرور الفاظ میں منظوم فرمایا۔تفصیل کے لئے دیکھئے آپ کی گرانقدر تصانیف میں سے ”قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام“، ”نفی الغیی عمن انار کل شیئ“، ”صلاۃ الصفاء“، ”حدائق بخشش“ وغیرہ۔البتہ یہاں آپ کے والد ماجد امام الاصفیاء حضرت مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ کی ایک حسین و جمیل تحریر پیش کی جاتی ہے جس میں اس مسئلہ کو وہ ایسے رنگ میں لائے ہیں کہ سبحان اللہ! ذرا اندازِ بیان کی خوبی و لطافت دیکھئے اور اپنے عقیدہ کو جلا بخشیے

”سایہ بلند پایہ اس قدِ زیبا کا عنقاء قاف نایاب ہے یا سرمہ چشم عدم، اور ظل ہمایوں اس سایۂ خدا کا عینِ نور یا نور عین نیر اعظم، ماہ نور کے قریب اندھیرا کسی نے دیکھا ہے؟ اور مہر انور کے پاس سایہ کب آسکتا ہے:

فتادہ سایہ زاں خورشید رخ دور   کہ باہم راست ناید ظلمت و نور

اگر جسمِ نورانی کے لئے سایہ فرض کیا جائے تو نور کے سوا کیا نظر آئے گا، اگر وہ سایہ دیدۂ اہلِ بصیرت میں نہ سماتا، نورِ معرفت انہیں نظر آتا؟ اور جو وہ ظل ہمایوں سراپا عظمت کا اس سے برتر اور اعلیٰ ہے کہ ہمسر اس کا پایا جائے اور مرتبہ اس جسم مبارک کا اس سے بہت بالا ہے کہ پیرو اس کا چاکر افتادہ نظر آئے:

یا ایھا المشتاقون بجمالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ اللھم صل علیٰ نور الھدیٰ و بدر الدجیٰ و سلم تسلیما۔ [1399]

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی یوں لکھتے ہیں:

وحق تعالیٰ آں جناب سلامہ علیہ رانور فرمود و بہ تواتر ثابت شد کہ آنحضرت عالی سایہ نداشتند و ظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند۔ [1400]

"اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو نور فرمایا نیز یہ تواتر سے ثابت ہے کہ آپ کا سایہ نہیں تھا کیونکہ آپ نور ہیں اور نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔"

جناب مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کا بیان بھی ملاحظہ ہو:

"یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا حضور ﷺ کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک بہ ہو سکتی ہیں۔" [1401]

[1399] (سرور القلوب فی ذکر المحبوب، ص ۸۱)

[1400] (امداد السلوک ص ۸۵)

[1401] (میلاد النبی ج ۴ المریع فی الربیع ص ۵۷۲)

دوسری جگہ یہ الفاظ ملتے ہیں:

"یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے حضور ﷺ کے سایہ نہیں تھا (اس لئے کہ) ہمارے حضور ﷺ سر تاپا نور ہی نور تھے، حضور ﷺ میں ظلمت نام کو بھی نہ تھی، اس لئے آپ ﷺ کے سایہ نہ تھا کیونکہ سایہ کے لئے ظلمت لازمی ہے۔"[1402]

لگے ہاتھوں مفتی دیوبند عزیز الرحمن کے قلم سے ایک فتویٰ بھی دیکھ لیجئے:

سوال: وہ حدیث کونسی ہے جس میں یہ ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوتا تھا؟

الجواب: امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یریٰ لہ ظل فی الشمس والقمر الخ۔

اور تواریخِ حبیبِ الٰہ میں مفتی عنایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ کا بدن نور تھا اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا، مولوی جامی رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کے سایہ نہ ہونے کا خوب نکتہ لکھا ہے اس قطعہ میں:

پیغمبرِ مانداشت سایہ — تاشک بدل یقیں نیفتد
یعنی ہر کس کہ پیرو است — پیدا است کہ پاز میں نیفتد

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ۔[1403]

[1402](شکر النعمۃ بذکر الرحمہ ص ۳۹، بحوالہ ذکر جمیل از مفتی محمد شفیع اوکاڑوی)

[1403](عزیز الفتاویٰ، ج ٦ ص ۲۰۲)

حافظ محمد لکھنوی وہابی یوں رقمطراز ہے:

خدائے تعالیٰ در آخر سورۂ انبیاء فرمود وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء ۱۰۷) یعنی نہ فرستادہ ایم ترا یا محمد مگر رحمت برائے جہانیاں، پس گویا سایۂ آنحضرت ﷺ ہمیں ست، ہر کہ قابلِ رحمت است زیرِ سایۂ اور در آید و مصنف سیزدہ وجہ بیان کردہ برائے عدم سایہ آں حضرت ﷺ در سیزدہ بیت کہ از قول او:

اس رحمتِ عالم سند اسایا دھرتی مول نہ پوندا! تا قولہ: بس کر، نور محمد کیونکر سایہ سرور کتھرا

یکے آنکہ تا کافرے یامنافقے براں پائے نہ نہند، دوم آنکہ سایہ خالی از ظلمت و تاریکی نباشد و جسمِ آنحضرت ﷺ نورانی است، سوم آنکہ سایہ خود را برائے شفاعت روزِ محشر ذخیرہ داشتہ چنانکہ دعائے خود را ذخیرہ داشتہ کہ در حدیث بخاری و مسلم مسطور است، چہارم آنکہ سایہ او رحمت ست، پنجم آنکہ آنحضرت ﷺ پیشوائے جہاں ست مبادا کہ سایہ پیشِ او شود، ششم آنکہ سایہ ہر چیز نزدیک او باشد و سایہ تاریک است و آں حضرت، روشن ترین جملہ اشیاء ست پس مناسب نیست کہ تاریکی نزدیک انوار آید، ہفتم آنکہ دلیل سایہ آفتاب و سایہ ہر چیز بہ بلند شدن آفتاب گم میگردد و مناسب نبود کہ آفتاب سایہ آنحضرت ﷺ را کم سازد، ہشتم آنکہ در علمِ الٰہی مردم دو گروہ اند قولہ تعالیٰ: فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (الشوریٰ ۷) پس

مناسب نبود کہ در سایہ آنحضرت ﷺ کسے در آید، نہم آنکہ سایہ ہر شخصے بہ سجدہ باشد بر زمین و اکثر شخصہا خود از سجدہ محروم می باشند و آنحضرت ﷺ سردارِ رکوع و سجود کنندگان بود پس حاجت سجود و سایہ نبود، دہم آنکہ خدائے تعالیٰ مومناں را از ظلمت بر آوردہ بسوئے نور می آردو اگر آنحضرت ﷺ را سایہ ظاہر بودے عکس ایں مرشد، یازدہم آنکہ بر جوہر صافی را سایہ روشن تر باشد و آنحضرت ﷺ انوارِ ہمہ بودند، دوازدہم آنکہ سایہ ہر کسے بر زمین بہ سایہ دیگرے می آمیزد و مناسب نبود کہ سایہ دیگراں بیامیزد، سیزدہم آنکہ سایہ بر چیز صافی صافی می نماید و بر چیز ناپاک ناپاک می نماید پس مناسب نبود کہ سایہ آنحضرت ﷺ ناپاک نماید (واللہ اعلم)۔"[1404]

"مسئلہ سایہ میں حضرت فقیہ اعظم استاذی المکرم مولانا الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی دامت برکاتہم نے مذکورہ فارسی عبارت کا اردو میں ترجمہ فرمایا ہے، تبرکاً اسی کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے، آپ فرماتے ہیں: "مولانا نور محمد صاحب جوڑوی نے اپنی مشہور کتاب "شہباز شریعت" میں ۲۱۰، ۲۱۱ کے تیرہ شعروں میں سایہ نہ ہونے کی تیرہ دلیلیں بیان کی ہیں جن کی تفصیلی تقریر جناب حافظ محمد صاحب لکھی والے اس کے حاشیہ "شیر طریقت" میں بایں الفاظ ذکر فرماتے ہیں: خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۂ انبیاء کے آخر میں فرمایا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء ۱۰۷) یعنی اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے جہانوں کے، پس گویا سایہ آنحضرت

[1404] (در شیرِ طریقت بر حاشیہ شہباز شریعت)

ﷺ کا یہی ہے اس لئے کہ جو شخص قابلِ رحمت ہے وہ اس سایہ کے نیچے آجاتا ہے۔ مصنف نے آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں تیرہ وجوہ تیرہ بیتوں میں بیان کی ہیں، ابتداء ان تیرہ بیتوں کی اس مصرعہ سے ہے:

اس رحمتِ عالم سند اسایا دھرتی مول نہ پوندا!

اور آخری مصرعہ ان تیرہ بیتوں کا یہ ہے:

بس کر، نور محمد اکیونکر سایہ سرور کتھرا

پھر تیرہ وجوہ ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں: اول یہ کہ کافر یا منافق اس سایہ پر پاؤں نہ رکھے۔ دوسرے یہ کہ سایہ تاریکی اور سیاہی سے خالی نہیں ہوتا اور آنحضرت ﷺ کا جسم نورانی ہے، تیسرے یہ کہ اس نے اپنا سایہ واسطے آخرت کے ذخیرہ رکھا ہے جیسا کہ اپنی دعا کو شفاعت کے لئے ذخیرہ رکھا، چنانچہ حدیث بخاری و مسلم میں لکھا ہوا ہے۔ چوتھے یہ کہ سایہ اس کا رحمت ہے۔ پانچویں یہ کہ آنحضرت ﷺ جہاں کے پیشوا ہیں، ایسا نہ ہو کہ سایہ ان کے آگے ہو۔ چھٹے یہ کہ سایہ ہر چیز کا اس کے نزدیک ہوتا ہے، اور سایہ تاریک ہے اور آنحضرت ﷺ تمام چیزوں سے زیادہ روشن ہیں پس مناسب نہیں کہ تاریکی اس کی اس کے نزدیک آئے جو بہت روشن ہے۔ ساتویں یہ کہ سایہ کی دلیل آفتاب ہے اور سایہ ہر چیز کا بسبب بلند ہونے کے آفتاب کے کم ہو جاتا ہے اور مناسب نہ تھا کہ آفتاب آنحضرت ﷺ کے سایہ کو کم کر دے۔ آٹھویں یہ کہ علم الٰہی میں لوگ دو گروہ ہیں، فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (الشوریٰ ۷) یعنی ایک گروہ جنتی اور ایک گروہ دوزخی، پس مناسب نہ تھا کہ کوئی شخص اس کے سائے کے نیچے آئے اور پھر دوزخی ہو جائے۔ نویں یہ کہ سایہ ہر شخص کا زمین پر سجدہ میں ہوتا ہے اور اکثر لوگ آپ ہی سجدہ سے محروم ہوتے ہیں، اور آنحضرت ﷺ

رکوع اور سجود کرنے والوں کے سردار تھے، پس حاجت سجود سایہ کی نہ تھی۔ دسویں یہ کہ خدا تعالیٰ مؤمنوں کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور اگر آنحضرت ﷺ کا سایہ ظاہر ہوتا تو اس کا عکس ہوتا۔ گیارہویں یہ کہ جوہر صافی کا سایہ بہت روشن ہوجاتا ہے اور انحضرت ﷺ سب سے زیادہ روشن تھے۔ بارہویں یہ کہ سایہ ہر ایک دوسرے کے سایہ سے مل جاتا ہے اور مناسب نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ دوسروں کے سایہ سے خلط ملط ہوتا۔ تیرہویں یہ کہ صاف چیز پر سایہ صاف دکھائی دیتاہے اور ناپاک چیز پر سایہ بھی ناپاک نظر آتا ہے، پس مناسب نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ ناپاک دکھائی دیتا۔"

ان عبارات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ صحابہ کرام، تابعین، مجتہدین، ائمہ کرام، محدثین ومفسرینِ عظام، علماء وصوفیاء اور اولیاء اللہ کا مذہب وعقیدہ یہ ہے کہ حضور پُر نور ا کا جسم انور بے سایہ تھا۔

فصل دربیان
نبی کریم صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا علمِ ماکان ومایکون

بعض علماء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علمِ ماکان ومایکون سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شرک ہے (العیاذ باللہ)۔ حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو علم ماکان ومایکون عطافرمایا۔ دلائل ملاحظہ کیجئے:

آیت اولیٰ:

خَلَقَ الْإِنْسَانَ (٣) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمن ٤)

"اللہ نے انسان کوپیدا کیا اور اس کو بیان سکھایا"۔

۱)علامہ بغوی تفسیر معالم التنزیل میں تحت آیہ کریمہ فرماتے ہیں:

(خَلَقَ الْإِنْسَانَ) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (علّمه البیان) یعنی بیان ما کان وما یکون لانه کان یبین عن الاولین والاخرین۔[1405]

۲)علامہ محی السنۃ علاء الدین علی ابن محمد بغدادی تفسیر خازن میں تحت آیہ کریمہ فرماتے ہیں:

اراد بالانسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم (علمه البیان) یعنی بیان ما یکون وما کان لانه صلی اللہ علیہ وسلّم ینبئ عن خبر الاولین والاٰخرین وعن یوم الدّین۔[1406]

یعنی آیۃ میں انسان سے محمد ﷺ کو مراد لیا اور ان کو مایکون وماکان کا بیان سکھایا۔ کیونکہ حضور اوّلین وآخرین اور روزِ قیامت کی خبر دیتے ہیں۔

۳)علامہ احمد تفسیر صاوی میں تحت آیت کریمہ فرماتے ہیں:

وقیل هو محمد صلی اللہ علیہ وسلّم لانه الانسان الکامل والمراد بالبیان علمه ما کان ومایکون وماهو کائن۔

یعنی بعض نے کہا کہ انسان تو محمد ﷺ ہیں کہ وہی انسان کامل ہیں اور بیان سے علم ماکان وما یکون مراد ہے (یعنی جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے)۔[1407]

۴)علامہ جمل تفسیر جمل میں تحت آیہ کریمہ فرماتے ہیں:

وقیل اراد بالانسان محمد صلی اللہ علیہ وسلّم (علمه البیان) یعنی بیان ما یکون وما کان لانه صلی اللہ علیہ وسلم ینبئ عن خبر الاولین والاٰخرین وعن یوم الدین۔

[1405](معالم مصری ص ا ج ۷)
[1406](خازن مصری ص ۲ ج ۷)
[1407](از تفسیر صاوی مصری ص ۱۲۹ ج ۴)

یعنی آیت میں انسان سے محمد ﷺ مراد ہیں، اور بیان سے ماکان ومایکون کا بیان مراد لیا۔ اس لئے کہ حضور اولین و آخرین وروزِ قیامت کی خبر دیتے ہیں۔[1408]

۵)علامہ حسین واعظ تفسیر حسینی میں تحت آیت کریمہ فرماتے ہیں:

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیاموزندے بیان آنچہ بودوھت وباشد چنانچہ مضمون فعلمت علمہ الاولین و الاٰخرین از معنی خبر میدہد۔[1409]

آیت ثانیہ:

وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (النساء ۱۱۳)

”اور تمہیں سکھا دیا جو تم نہیں جانتے تھے، اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے۔“

۲)(۱)امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ خدا نے حضور اکرم ﷺ کو احکام اور غیب کی تعلیم فرمائی۔[1410]

(۲) نسفی، عبد اللہ بن احمد مدارک التنزیل جلد ا ص ۲۵۰ سطر ۲۳ دار احیاء الکتب العربی مصر:

من امور الدین و الشرائع او من خفیّات الامور و ضمائر القلوب۔

یعنی آپ ﷺ کو امور دین اور مخفی امور اور دلوں کے راز بتائے گئے۔

(۳) کاشفی، حسین واعظ تفسیر حسینی، ص ۱۵۵ سطر ۲۴ مطبع محمدی ممبئی: یہ ماکان اور مایکون کا علم ہے کہ خدائے ذوالجلال نے معراج کی رات میں نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے معراج کے واقعے میں ہے کہ میں عرش کے نیچے تھا ایک قطرہ میرے حلق میں ڈالا۔ پس میں

[1408](تفسیر جمل مصری ص ۲۵۳ ج ۴)

[1409](تفسیر حسینی بر حاشیہ قرآن ص ۲۱۴)

[1410](تفسیر کبیر جلد ۱۱ ص ۴۰ سطر ۸ مصر)

نے تمام گزرے ہوئے اور ہونے والے واقعات معلوم کر لئے۔ پس میں گزشتہ کو بھی جانتا ہوں اور آئندہ کے سب امور کو بھی۔[1411]

وعلمک مالم تکن تعلم من خبر الاولین والاخرین وما کان وماھو کائن قبل ذلک من فضل اللہ علیک یا محمد مذ خلقک۔

اور اللہ نے آپ کو ان چیزوں کی تعلیم دی جو آپ ﷺ نہ جانتے تھے اولین و آخرین کی تمام خبریں اور جو کچھ گزر گیا اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ پہلے اس سے کہ آپ پر خدائے ذوالجلال کا بڑا فضل ہے۔ اے محمد ﷺ جب آپ کو خدائے ذوالجلال نے پیدا فرمایا۔[1412]

وعلّمک ما لم تکن تعلم ای علوم عواقب الخلق علم ما کان وما سیکون۔ اور اللہ نے اس سب کی آپ کو تعلیم دے دی جو کہ آپ نہیں جانتے تھے یعنی تمام خلقت کے عواقب اور جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، سب کا علم مرحمت فرمادیا۔[1413]

علمک ما لم تکن تعلم من الاحکام والغیب۔ احکام اور غیب میں سے جو کچھ تم نہ جانتے تھے ان سب کی آپ ﷺ کو تعلیم دے دی۔[1414]

وعلمک مالم تکن تعلم یعنی من احکام الشرع وامور الدین وقیل علمک من علم الغیب مالم تکن تعلم ۔ وقیل معناہ وعلمک من خفیات الامور واطلعک علی ضمائر القلوب من احوال المنافقین وکیدھم۔

اے رسول ﷺ جو احکام شرع اور امور دین آپ ﷺ نہ جانتے تھے، ان کی آپ ﷺ کو تعلیم دی گئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ غیب میں سے جو آپ ﷺ نہ جانتے تھے ان کی تعلیم دی گئی۔

[1411] (طبری، ابن جریر جامع البیان جلد ۵ ص ۲۷۵ سطر آخر مصطفی البابی مصر ۱۹۵۴ء)

[1412] ابن روزبہان عرائس البیان جلد ۱ ص ۱۵۹ سطر ۵ منشی نولکشور لکھنؤ

[1413] (سیوطی، محلی، جلالین ص ۸۷، سطر ۱۴ اصح المطابع کراچی)

[1414] (خازن، علاؤ الدین، خازن جلد ۱ ص ۴۳۰ سطر ۱۹ المطبعۃ الخیریہ، مصر)

ایک قول کے مطابق یہ معنی ہیں کہ آپ کو چھپی ہوئی چیزیں سکھادیں اور دلوں کے رازوں کا علم عطا فرمایااور منافقین کے مکر و فریب کا علم دیا گیا۔[1415]

علم الانسان مالم یعلم وقیل الانسان ھھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وبیانہ علمک ما لم تکن تعلم۔ علم الانسان مالم یعلم میں کہا گیا ہے کہ یہاں انسان سے مراد محمد ﷺ ہیں اور اس کا بیان آیت علمک مالم تکن تعلم میں ہے۔

خدائے ذوالجلال نے مالم تکن تعلم کی تعلیم فرمائی۔ لفظ ما عموم پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ جتنے بھی علوم اور جتنے بھی مخلوق کے مسائل تھے وہ سب خدا نے اپنے نبی کو تعلیم فرمادیئے۔ اتنی وضاحت کے بعد یہ کہنا کہ فلاں چیز کا نبی اکرم ﷺ کو علم نہیں تھا یا فلاں کا، تو یہ قرآن کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے، ورنہ آیت تو واضح ہے کہ خدا نے حضور اکرم ﷺ کو تمام امور کی تعلیم دے دی۔

(۸) مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب تفسیر نعیمی کی جلد ۵ کے ص ۴۲۱ کی سطر ۸ پر رقمطراز ہیں کہ اس جملہ میں یا تو نئے انعام و فضل کا ذکر ہے یا انزل اللہ کے نتیجہ کا بیان۔ علم تفعیل کا ماضی مبالغہ کے لئے ہے یعنی تم کو خوب اور بہت سکھادیا۔ جیسے آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ ما سے مراد احکام شرع، امور دین، علوم غیبیہ چھپی ہوئی چیزیں، دلوں کے ارادے و بھید، سینوں کے اسرار۔ اگلے پچھلوں کی خبریں سب ہی کچھ ہیں (تفسیر خازن، بیضاوی، مدارک، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، روح البیان غرضیکہ اس میں کوئی قید نہیں۔ سارے علوم غیبیہ مراد ہیں لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ اس کا بیان ہے یعنی آپ نزول وحی یا نزول قرآن یا ہمارے بتانے سے پہلے جو کچھ نہ جانتے تھے، وہ سب کچھ آپ کو رب نے اچھی طرح خوب سکھادیا۔ خیال رہے کہ سکھانے اور بتانے میں بڑا فرق

[1415] (بغوی، ابو محمود معالم التنزیل ص ۲۵۳ سطر ۲۰ مطبع حیدری ممبئی)

ہے۔ واعظ لوگوں کو آدھ گھنٹے میں بہت سے مسائل سنا دیتا ہے، بتا دیتا ہے مگر سامعین اس وعظ سے عالم نہیں بن جاتے۔ مدرس طلبا کو برسوں میں علوم سکھاتا ہے۔ جس سے وہ عالم بن جاتے ہیں۔ یہاں عَلَّمَ فرمایا اور اَخْبَرَ نہ فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ ہم نے سب کچھ سکھا دیا۔ تم نے سب کچھ سیکھ لیا۔

۹) تفسیر عرائس البیان میں تحت آیہ کریمہ ہے: وعلمک مالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ای علوم عواقب الخلق وعلم ما کان وما سیکون۔ یعنی اور تمہیں وہ کچھ سکھا دیا جو تم نہیں جانتے تھے یعنی مخلوق کے عاقبتوں کے علوم اور ما کان وما یکون کا علم۔[1416]

۱۰) تفسیر حسینی میں تحت آیہ کریمہ ہے: در بحر الحقائق میفرماید کہ آں علم ما کان وما سیکون است۔ یعنی اور بحر الحقائق میں فرمایا کہ وہ علم ماکان ومایکون کا ہے۔[1417]

آیت ثالثہ:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ (النحل ۸۹)

یعنی اور ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور یہ ہدایت اور رحمت اور بشارت ایمان والوں کے لئے ہے۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں کل شئے یعنی ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

۱۱) تفسیر عرائس البیان میں تحت آیہ کریمہ ہے:

یخبر عما کان وما یکون من کل حدو کل علم ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو المبین لتبیان الکتاب۔

[1416] (عرائس البیان ص ۱۵۹ ج ۱)

[1417] (از تفسیر حسینی بر حاشیہ قرآن ص ۱۰۸)

یعنی کتاب ماکان ومایکون کی ہر حد اور ہر علم کی خبر دیتی ہے، اور محمد ﷺ کتاب کے بیان کرنے والے ہیں[1418]

آیت رابعہ:

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (سورہ انعام ۳۸)

یعنی اور ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔

۱۲) تفسیر جمل میں تحت آیہ کریمہ ہے:

فقيل اللوح المحفوظ وعلىٰ هذا فالعموم ظاهر لان الله تعالىٰ اثبت ما كان وما يكون فيه۔

یعنی کہا گیا کہ لوح محفوظ ہے اور اس بناء پر عموم ظاہر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماکان ومایکون کو اس میں ثابت کیا ہے۔[1419]

۱۱) تفسیر صاوی میں تحت آیہ کریمہ ہے:

اريد بالكتاب اللوح المحفوظ فالعموم ظاهر فان فيه تبيان كل شيء ما كان وما يكون وما هو كائن۔

یعنی کتاب سے لوحِ محفوظ مراد ہے کہ عموم ظاہر ہے کہ تبیان کل شیء کو قید ما کان وما یکون کو شامل یعنی جو ہو گیا اور جو ہو گا اور جو ہونے والا ہے، یہ ما کان ومایکون کی مراد ہے۔[1420]

آیت خامسہ:

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (اقراء ۵)

یعنی اور انسان کو سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

[1418](عرائس البیان ص ۵۳۶ جلد ۱)
[1419](تفسیر جمل ص ۲۷ ج ۲)
[1420](تفسیر صاوی ص ۱۳ ج ۲)

۱۲) تفسیر معالم میں تحت آیہ کریمہ ہے:

قیل الانسان ھھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیانہ وعلّمک مالم تکن تعلم۔

یعنی کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور بیان سے وہ جو آیت وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ میں گزرا۔[1421]

حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے علوم خمسہ بھی حضور ﷺ عطا کیے۔ علوم خمسہ سے مراد ایک یہ ہے کہ قیامت کب ہوگی؟ دوسرا بارش کب ہوگی؟ تیسرا ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ چوتھا کل کیا کرے گا؟ پانچواں یہ کہ کہاں مرے گا؟ یہ علوم مراد ہے جو علوم غیب سے ہیں۔ وہابیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب یہ علوم غیبیہ ہیں تو ان کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان پر مطلع ماننا شرک ہے۔ حالانکہ عقیدۂ اہل سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پانچوں باتیں حضور ﷺ کو عطا فرمادی ہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ان پانچوں کو جانتے ہیں۔

إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (لقمان ۳۴)

ترجمہ: بیشک اللّٰہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینھ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللّٰہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

تفسیر احمدی میں علامہ احمد جیون تحت آیۃ کریمۃ فرماتے ہیں:

ویجوز ان یعلمھا من یشاء من محبیہ و اولیاء ہ قولہ تعالیٰ: إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ. علی ان یکون الخبیر بمعنی المخبر۔

[1421] (تفسیر معالم ص ۲۲۴ ج ۷)

ترجمہ: اور جائز ہے کہ اللہ انہیں جس کو چاہے تعلیم کر دے اپنے محبوبوں اور اولیاؤں میں سے بسبب قرینہ اس کے قول کہ اللہ جاننے والا خبر دینے والا ہے بایں معنی کہ خبیر بمعنی مخبر کے ہو۔[1422]

تفسیر عرائس البیان میں تحت آیۃ کریمۃ فرماتے ہیں:

وعلم خاص الخاص علم السر وهو علم الغيب ومن علم الغيب مايطلع عليه الانبياء والاولياء والملئكة بقوله: عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا (٢٦) إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ (الجن٢٧)

ترجمہ: اور علم خاص الخاص علم سر ہے جو علم غیب ہے جس پر انبیاء اور اولیاء اور فرشتوں کو مطلع کرنا ہے اپنے اس قول کی بناء پر کہ غیب کا جاننے والا اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر پسندیدہ رسولوں کو۔[1423]

تفسیر صاوی میں تحت آیۃ کریمۃ میں ہے:

فلامانع من كون الله يطلع بعض عباده الصلحين على بعضه المغيبات فتكون معجزة للنبی و كرامة الولی۔

یعنی تو یہ ممنوع نہیں ہے کہ اللہ اپنے بعض نیک بندوں کو اس غیب پر مطلع کر دے تو وہ نبی کیلئے معجزہ اور ولی کیلئے کرامت ہو جائے۔[1424]

وايضاًفی تفسير الصاوی فليس فی الآيات مايدل على نفی كرامات الاولياء المتعلقة بالكشف ولكن اطلاع الانبياء على الغيب اقوىٰ من اطلاع الاولياء۔

[1422] (تفسیر احمدی مطبوعۃ دھلی ص ٣٣٧ ج ٢)
[1423] (تفسیر عرائس البیان ص ١٢٨ ج ٢)
[1424] (تفسیر صاوی ص ٢١٥ ج ٣)

ترجمہ: آیات میں اولیاء کی کرامات کی نفی نہیں ہے جو کشف کے طور پر ہو لیکن غیب پر نبیوں کا مطلع کرنا اولیاء کے مطلع کرنے سے زیادہ قوی ہے۔[1425]

ای وقت وقوع القیمۃ من الغیب الذی لایظھرہ اللہ لاحد فان قیل فاذا احملتم ذلک علی القیمۃ فکیف قال الا من ارتضی من رسول مع انہ لا یظھر ھذا الغیب لاحد قلنا بل یظھرہ عند قریب القیمۃ۔

ترجمہ: یعنی قیامت کے آنے کا وقت ان غیبوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں فرماتا پس اگر کہا جاوے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا تو اب رب تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا مگر پسندیدہ رسولوں کو حالانکہ یہ غیب تو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا تو ہم کہیں گے کہ رب تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرماوے گا۔[1426]

تفسیر صاوی میں ہے:

قال العلماء الحق انہ لم یخرج نبینا من الدنیا حتی اطلعہ علی تلک الخمس ولکنہ امر بکتمھا۔

علماء نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے ہیں یہاں تک آپ ﷺ ان پانچ باتوں پر مطلع کر دیا گیا مگر چھپانے کا حکم دیا گیا۔[1427]

علامہ ابراہیم بیجوری شرح قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں کہ:

انہ ﷺ لم یخرج من الدنیا الا بعد ان اعلمہ اللہ تعالیٰ بھذا الامور۔

[1425] (تفسیر ص ۲۰۸ ج ۴)

[1426] (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[1427] (تفسیر ساوی ص ۲۱۵ ج ۳)

ترجمہ: حضور ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے مگر بعد اس کے اللہ نے انہیں یہ امور تعلیم کر دیئے۔[1428]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انہ ﷺ اوتی علم الخمس و ایضا وعلم وقت الساعۃ و الروح و انہ امر بکتم ذلک۔

ترجمہ: حضور ﷺ کو ان پانچ کا علم دیدیا گیا اور علم قیامت اور علم روح بھی اور ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔ اور اس کے بارے میں بے شمار دلائل ہیں۔

قال اللہ الرّحمان فی القراٰن: عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن ۲٦)

ترجمہ: غیب کا جاننے والا وہی ہے پس اپنے غیب پر وہ کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جس کو وہ رسول میں سے علم غیب کے لئے منتخب کرے۔

علم کسی چیز کو کما حقّہ جاننا۔ پہچاننا۔ حقیقت کا ادراک کرنا۔ یقین حاصل کرنا۔ محسوس کرنا۔ محکم طور پر معلوم کرنا۔ اس طرح ادراکِ حقیقت کرنے والے کو عالم کہتے ہیں۔ جس کی جمع عَالِمُوْن آتی ہے اور عَلِیْم کی جمع عُلَمَاء یعنی گہرا اور پختہ علم رکھنے والے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز پر ایسے نشان کے ہیں جس سے وہ شے دیگر اشیاء سے متمیز ہو سکے۔

عربوں کے نزدیک علم کا درجہ معرفت اور شعور سے زیادہ بلند ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے علم کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ معرفت یا شعور کا نہیں۔ چنانچہ خدا کو عالم یا علیم کہہ سکتے ہیں عارف یا شاعر نہیں کہہ سکتے علم اور معرفۃ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ معرفت کسی چیز کے آثار و قرائن میں غور و فکر کر کے اس کا ادراک کرنے کو کہتے ہیں لیکن علم کے لئے یہ ضروری نہیں۔ ثانیاً معرفت کا لفظ

[1428] (شرح قصیدہ بردہ شریف ص ۷٦)

پیشتر اس موقع پر استعمال ہوتا ہے جب کوئی چیز ادراک کے بعد دھیان سے نکل جائے اور پھر دوبارہ اس کا ادراک ہو، لیکن علم میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

قرآن کریم نے سمع، بصر اور قلب کو حصول علم کے ذرائع قرار دیا ہے، دوسرے مقام پر قَلَبٌ کی جگہ فُوَادٌ بھی کہا ہے۔ اس میں علم بذریعہ حواس اور بذریعہ تصورات دونوں آجاتے ہیں۔ اور فواد کی نسبت سے اس میں احساسات بھی آجاتے ہیں۔ لیکن چونکہ علم اس وقت علم کہلا سکتا ہے جب وہ یقین کے درجے تک پہنچ جائے۔ اس لئے قرآن کریم نے وحی کو علم کہا ہے اور اس کی ضد کو اھواء یعنی انسان کے خود ساختہ تصورات یا جذباتی عقیدت مندیاں جن کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل و برھان نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم خارجی کائنات کے متعلق علم حاصل کرنے پر بڑا زور دیتا ہے۔ جذباتی عقیدت مندی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ہر دعوے کو دلیل و برھان کے زور پر پیش کرتا ہے اور ان دعاوی سے انکار کرنے والوں سے بھی دلائل و براہین طلب کرتا ہے۔ اسے اپنے دعاوی کی محکمیت پر اتنا یقین ہے کہ وہ ان دعاوی سے انکار کرنے والوں کے متعلق اعلانیہ کہہ دیتا ہے کہ وہ ان کی تردید میں کوئی برھان پیش نہیں کر سکتے اسی لئے قرآن کریم کی دعوت عَلٰی وَجْہِ الْبَصِیْرَت دعوت ہے۔

علماء نے علم کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے چند کا ذکر امام راغب نے المفردات میں یوں کیا ہے۔

العلم کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا اور یہ دو قسم پر ہے۔

اول: یہ کہ کسی چیز کی ذات کا ادراک کر لینا۔

دوم: ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا جو (فی الواقع) اس کے لئے یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو (فی الواقع) اس سے منفی ہو۔ پہلی صورت میں یہ لفظ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے لَا تَعْلَمُوْنَهُمُ اللّٰہُ یَعْلَمُهُم جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے۔

اور دوسری صورت میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے فرمایا فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَات اگر تم کو معلوم ہو کہ مؤمن ہیں۔

ایک دوسری حیثیت سے علم کی دو قسمیں ہیں (۱) نظری اور (۲) عملی۔

علم نظری: وہ ہے جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے جیسے وہ علم جس کا تعلق موجودات عالم سے ہے۔

علم عملی: اور علم عملی وہ ہے جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے جیسے عبادات کا علم۔

ایک اور حیثیت سے بھی علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) عقلی (۲) سمعی۔

علم عقلی: یعنی وہ علم جو صرف عقل سے حاصل ہو سکے۔

علم سمعی: یعنی وہ علم جو محض عقل سے حاصل نہ ہو بلکہ بذریعہ نقل و سماعت کے حاصل کیا جائے۔

منطقی حضرات نے علم کی تعریف اور تقسیم یوں فرمائی ہے۔

علم: کسی شے کی صورت کا تمہارے ذہن میں آنا۔

اور علم کی دو قسمیں ہیں۔ تصور اور تصدیق۔

تصدیق: جس میں اس بات کا علم ہو کہ فلاں شے فلاں شے سے ہے۔

تصور: جس میں اس بات کا علم نہ ہو۔

تصور کی بھی دو قسمیں ہیں اور تصدیق کی بھی۔

تصور بدیہی: جو بغیر تعریف (غور و فکر) کے سمجھ میں آجائے۔

تصور نظری: جو بغیر تعریف() کے سمجھ میں نہ آئے۔

تصدیق بدیہی: جو بغیر غور و فکر کے حاصل ہو۔

تصدیق نظری: جو غور و فکر کے بعد حاصل ہو۔

قرآن مجید میں علم کی ایک اور تقسیم بھی پیش کی گئی ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم غیب اور دوسری علم شہادت۔ غیب کے جاننے والے کو عالم الغیب اور شہادت کے جاننے والے کو عالم الشہادۃ کہتے ہیں (جس کا ذکر قرآن مجید کے سورہ انعام کی آیت ۷۴ میں یوں ہے:

عالم الغیب و الشھادۃ۔

اور اس کتاب میں عالم الغیب کے بارے میں بحث ہو گی کہ غیب کسے کہتے ہیں اور اس کا جاننے والا کون ہے۔

معنیٔ غیب

کسی بھی لفظ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے لفظی اور اصطلاحی معانی سمجھے جائیں اور اس کے استعمالات سے آگاہی حاصل کی جائے۔لہٰذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے ہم لفظ غیب کے لفظی اور اصطلاحی معانی کتب لغاتِ عرب سے معلوم کر لیں۔ اس کے بعد اس کے عالم پر بحث کریں گے کہ کوئی غیب کا جاننے والا ہے یا نہیں اور اگر کوئی جانتا ہے تو کیسے؟[1429]

الغیب مصدر غابت الشمس وغیرھا اذا استترت عن العین یقول غاب عنی کذا قال تعالیٰ: ام کان من الغائبین و استعمل فی کل غائب عن الحاسۃ و عما یغیب عن علم الانسان

[1429] (اصفھانی راغب ص ۳۷۲ سطر آخر، المطبعۃ المیمنۃ۔ مصطفیٰ البابی الحلبی و اخویہ مصر)

بمعنی الغائب قال: وما من غائبة فی السماء والارض الا فی کتاب مبین ویقال للشیء غیب وغائب باعتبار بالناس لا باللہ تعالیٰ فانه لا یغیب عنه شیء کما لا یعزب عنه مثقال ذرة فی السمٰوات ولا فی الارض وقوله عالم الغیب والشهادة ای ما یغیب عنکم وما تشهدونه والغیب فی قوله یؤمنون بالغیب مالا یقطع تحت الحواس ولا تقتضیه بداهة العقل العقول وانما یعلم بخبر الانبیاء علیهم السلام وبدفعه یقع علی الانسان اسم الحاد ومن قال الغیب هو القرآن ومن قال هو القدر فاشارة منهم الی بعض ما یقتضیه لفظه وقال بعضهم معناه یؤمنون بالغیب اذا غابوا عنکم ولیسوا کالمنافقین الذین قیل فیهم واذا خلوا الی شیاطینهم قالوا انا معکم انما نحن مستهزؤن وعلی هذا قوله الذین یخشون ربهم بالغیب من خشی الرحمٰن بالغیب وللہ غیب السمٰوات والارض اطلع الغیب ولا یظهر علی غیبه احدا لا یعلم من فی السمٰوات والارض۔ الغیب الا اللہ۔

ترجمہ: الغیب۔ غابت الشمس وغیرھا کا مصدر ہے جس کے معنی کسی چیز کے نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے غاب عنی کذا۔ فلاں چیز میری نگاہ سے اوجھل ہوگئی۔ قرآن میں ہے۔ ام کان من الغائبین کیا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ اور ہر وہ چیز جو انسان کے علم اور حواس سے پوشیدہ ہو اس پر غیب کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی غیب بمعنی غائب ہے۔

قرآن میں ہے:

وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (النمل ۷۵)

اور آسمانوں اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے مگر وہ کتاب روشن میں ہے۔

اور کسی چیز کو غیب یا غائب لوگوں کے لحاظ سے کہا جاتا ہے ورنہ باری تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

جیسے فرمایا:

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّکَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (یونس ۶۱)

ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔

لہٰذا آیت کریمہ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے میں الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ سے مراد وہ اشیاء ہیں جو انسان کے علم وہ حواس سے پوشیدہ ہیں اور جو اس کے سامنے موجود ہیں۔ اور آیۃ کریمہ يُؤْمِنونَ بِالْغَيْبِ غیب پر ایمان لاتے ہیں میں الغیب سے وہ تمام اشیاء اور حقائق مراد ہیں جو انسانی حواس سے ماوراء ہیں اور ہدایت عقل سے ان کا علم حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہی ان کا علم ہوتا ہے اور انہیں نہ ماننے سے انسان ملحد ہو جاتا ہے اور جن لوگوں نے غیب سے مراد قرآن یا تقدیر لی ہے تو انہوں نے اس کے جزوی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اور بعض نے يُؤْمِنونَ بِالْغَيْبِ کے معنی یہ کئے ہیں کہ تم سے غائب ہونے کی حالت میں بھی وہ ایمان لاتے ہیں۔

یعنی وہ ان منافقوں کی طرح نہیں ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِؤُنَ (البقرة ۱۴)

چنانچہ مندرجہ ذیل آیات:

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ (ملک ۱۲) اور وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وغیرہا میں بھی غیب کے معنی خلوت اور تنہائی کے ہیں وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ اور اطَّلَعَ الْغَيْبَ اور فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴿الجن ٢٦﴾ اور لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ اور تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ یہ آیات من جملہ غیب کی خبروں کے متعلق ہیں۔[1430]

[1430](اردو ص ۱۸۱، کالم ۱ سطر ۱۳)

[1431](غاب یغیب غیبا و غیبۃ و غیابا و غیوبا و مغیبا) عنہ: بعد عنہ و باینہ (غابت الشمس غیابا و غیوبۃ) غربت و استترت عن العین۔ الشیء عن فلان: استتر ضد حضر۔ عن بلادہ: سافر۔

ترجمہ: (غاب یغیب غیبا و غیبۃ و غیابا و غیوبا و مغیبا) عنہ: دور ہونا، جدا ہونا، غابت الشمس غیابا و غیوبۃ سورج کا ڈوبنا، چھپنا۔ الشیء عن فلان پوشیدہ ہونا۔ غیر حاضر ہونا۔ عن بلادہ سفر کرنا۔

[1432]غاب یغیب غیبا و غیبۃ و غیابا و غیوبا و مغیبا: عن: غائب ہونا، دور ہونا جدا ہونا۔ غیر حاضر ہونا۔ پوشیدہ ہونا، کسی جگہ کا فاصلہ بعید پر ہونا۔[1433]

الغیب: الشک۔ کل ماغاب عنک (سمعت صوتاً من وراء الغیب) ای من موضع لا اراہ۔ السر۔ مااطمأن من الارض۔ ج: غیاب و غیوب۔

[1434]الغیب ج: غیوب و غیاب (۱) مص۔ غاب (۲) کل ماغاب عن الانسان (ھو عالم بالغیب) (۳) السر (۴) الشک (۵) ماسھل و انخفض من الارض۔

[1435]غاب یغیب غیبا و غیبۃ و غیابا و غیوبا و مغیبا۔

غیر حاضر ہونا، دور ہونا، کسی جگہ سے فاصلہ بعیدہ پر ہونا، پوشیدہ ہونا۔

[1436]غاب عنہ۔ یغیب غیبا و غیبۃ و غیابا و غیوبا و مغیبا۔ بعد عنہ و بانیہ الشمس و غیرھا من النجوم غیابا و غیوبۃ غربت و استترت عن العین و فلان ضد حضر و فلان عن بلادہ سافر۔

[1431](لوبس معلوف المنجد ص ۵۹۲ کالم ۲ سطر آخر المطبعۃ الکاثولیکیۃ بیروت)

[1432]ازھری، اعظمی، محمد حسین، معجم الاعظمی ص ۱۴۵۳ سطر آخر کالم ۲ مکتبۂ غزالی کراچی۔

[1433](الدکتور خلیل البحر لاروس ص ۸۸۸ کالم ۱ سطر ۱ مکتبہ لاروس فرانس ۱۹۷۳ء)

[1434]جبران مسعود الرائد ص ۱۰۹۲ کالم ۱ سطر ۲۵ دار العلم للملایین بیروت

[1435]ولیم ٹامسن ورٹے باٹ ص ۷۱۷، کالم ۲، سطر ۳ پنجاب ایڈوایزری بورڈ، لاھور۔

[1436] ابن خلف تبریزی برھان قاطع ص ۸۰۵ کالم ۱ موسسۃ مطبوعاتی امیر کبیر، ایران۔ عبارت: فیروز اللغات۔ البستانی اللبناتی، الشیخ عبداللہ، البستان ج ۲ ص ۱۷۶۱ کالم ۲ سطر ۶ المطبعۃ الامیر بیروت ۱۹۳۰

[1437]الغیب الشک و جمعه غیاب و غیوب۔ قال

انت نبی تعلم الغیابا　　لا قائلا افکا و لا مرتابا

و الغیب کل ماغاب عنک

[1438]الغیب ماغاب عنک الغائب خلاف الحاضر۔

ہر وہ شئ غیب ہے جو آپ سے غائب ہو، غائب کا لفظ حاضر کے خلاف استعمال ہوتا ہے۔ الحاضر۔

[1439]الغیب ماغاب عن العیون و ان کان محصلا فی القلوب او غیر محصل۔

غیب وہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہو اگرچہ دلوں میں حاصل ہو یا نہ۔

[1440]غ-ی-ب۔ ہر وہ چیز جو نگاہوں سے اوجھل ہو، غیب کہلاتی ہے۔ اگر وہ چیز تصور میں موجود ہے لیکن نگاہوں سے پوشیدہ ہے تو پھر غیب ہی کہلائے گی۔ غیب نشیبی زمین کو بھی کہتے ہیں غابۃ ایسی نشیبی زمین جس سے پہلے اونچی زمین آجائے اور اس لئے وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ غابۃ گھنے جنگل کو بھی کہتے ہیں جس میں درختوں کی وجہ سے زمین نظر نہیں آتی۔ گڑھے اور کنویں کی ترائی اور گہرائی، نیز ہر چیز جو کسی کو چھپالے، اسی لئے غیابۃ کہلاتی ہے۔ غیبات الشجر۔ درختوں کی ان جڑوں کو کہتے ہیں جو زمین کے اندر پھیلی ہوئی ہوں اور نظر نہ آئیں۔

قرآن کریم نے غیب کے مقابلے میں شھادۃ کا لفظ لا کر اس کے معنی واضح کر دیئے ہیں۔ یعنی غائب وہ ہے جو مشاہدہ میں نہ آیا ہو۔ جو مشہود نہ ہو۔

فَرَسٌ غَائِبٌ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو دوڑ میں اپنی کچھ قوت چھپا کر (reserve) رکھ لے اور فَرَسٌ شَاھِدٌ وہ جو ساری قوت کو نمایاں طور پر سامنے لے آئے۔

[1437]ابن منظور لسان العرب ج ۲ ص ۱۴۶ سطر آخر المطبعة المیریه بولاق مصر ۱۳۰۰ھ

[1438]طریحی، شیخ فخر الدین مجمع البحرین ص ۱۱۰ طبع ایران

[1439]ابن اثیر النهایه ص ۱۷۷ ج ۳ المکتبة المنیریه مصر

[1440]پرویز، غلام محمد لغات القرآن ج ۳ ص ۱۲۴۹ سطر ۱۵ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۶۱

غیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہیں موجود ضرور ہو لیکن آنکھوں سے اوجھل ہو۔ جب غیب آنکھوں کے سامنے آجائے تو مشہود ہو جائے گا۔[1441]

غیب: گمان، پوشیدگی۔ پوشیدہ چیز[1442]

غاب غیبا و غیابا و غیبۃ و غیوبا و مغیبا۔ کسی چیز سے غائب ہونا، پوشیدہ ہونا۔[1443]

غیب ۔ غیر حاضری، پوشیدگی، پوشیدہ، عالم الغیب، غیب دان: پوشیدہ حال جاننے والا، خدا تعالیٰ۔ غیب کی خبر: آئندہ واقعات کی خبر۔[1444]

الغیب۔ شک۔ ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو۔ بھید۔ پست زمین۔[1445]

غیب: ضد حضور، غیر موجودگی، غیر حاضری، غائب، پوشیدہ، پوشیدگی۔[1446]

پوشیدہ ہونا، غیر حاضر ہونا، انسان کے علم و احساس سے بالاتر ہونا۔ وہ چیزیں جو آدمی کی حسی اور عقلی رسائی سے خارج ہیں اور جن کا علم انبیاء کی اطلاع کے بغیر نہیں ہو سکتا، انبیاء پر آنے والی وحی، اندرون اور باطن غیب کا استعمال قرآن مجید میں ان تمام معانی میں ہوا ہے۔ لفظ غیب پورے قرآن مجید میں بصورت نکرہ کہیں نہیں آیا، مضموم بھی آیا ہے مفتوح بھی اور مکسور بھی مگر ہر جگہ معرفہ ہے۔ کل ۴۹ مقامات پر لفظ غیب آیا ہے۔ ایک جگہ ضمیر کی طرف اضافت کی گئی ہے۔ یعنی غیبہ فرمایا ہے، باقی ۴۸ مقامات میں یا الف لام کے ساتھ آیا ہے یا اسم ظاہر کی طرف اضافت کی شکل میں[1447]

[1441] (عزیزی، ابو الفتح، مفتاح اللغات ص ۱۰۶، کالم ۱ سطر ۱۹ محمد سعید کراچی)

[1442] (مجلس علماء، المعجم ص ۴۸۴ کالم ۱ دار الاشاعت کراچی عبارت فیروز اللغات۔ فیروز دین فیروز اللغات ص ۵۰۹ کالم ۱ سطر ۱۰ فیروز سنز پاکستان ۱۹۷۹ء)

[1443] (نسیم امروھوی و سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل۔ نسیم اللغات ص ۶۵۸ کالم ۲ سطر ۱۴، شیخ غلام علی لاھور ۱۹۵۵ء)

[1444] بلیاوی، عبد الحفیظ، مصباح اللغات ص ۶۱۳ کالم ۱ سطر ۳۰ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

[1445] دھلوی سید احمد فرھنگ آصفیہ ص ۳۱۸ کالم ۱ سطر ۲۲ جلد ۳ مکتبہ حسن سھیل لاھور۔

[1446] نعمانی، محمد عبد الرشید۔ لغات القرآن ص ۲۴ کالم ۲ سطر ۱ جلد ۵ دینی کتب خانہ لاھور۔

[1447] رازی، فخر الدین ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۷ سطر ۱۴ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر

(المسئلۃ الرابعۃ) قیل (الغیب) مصدر اقیم مقام اسم الفاعل، کالصوم بمعنی الصائم، والزور بمعنی الزائر، ثم فی قولہ تعالیٰ (یُؤْمِنُونَ بِالْغَیب) قولان (الاول) وھو اختیار ابی مسلم الاصفھانی ان قولہ (بالغیب) صفۃ المؤمنین معناہ انھم یؤمنون باللّٰہ حال الغیب کما یؤمنون بہ حال الحضور، لا کالمنافقین الذین اذا لقو الذین امنوا قالوا أمنا واذا خلوا الی شیطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن۔ ونظیرہ قولہ تعالیٰ (ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب) ویقول الرجل لغیرہ: نعم الصدیق لک فلان بظھر الغیب وکل ذلک مدح للمؤمنین یکون ظاھرھم موافقا لباطنھم ومباینتھم لحال المنافقین الذین یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم (والثانی) وھو قول جمھور المفسرین ان الغیب ھو الذی یکون غائبا عن الحاسۃ ثم ھذا الغیب ینقسم الی ماعلیہ دلیل، والی مالیس علیہ دلیل۔

ترجمہ: (چوتھا مسئلہ) ایک قول یہ ہے کہ "الغیب" مصدر ہے اور اسم فاعل کا قائم مقام ہے جس طرح "صوم" بمعنی "صائم" اور "الزور" بمعنی "الزائر"۔ پھر فرمان خداوندی "بالغیب" مؤمنین کی صفت ہے بایں معنی کہ وہ حالت غیب میں بھی اللہ تعالیٰ پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں، جس طرح حالت حضور میں ایمان رکھتے ہیں۔ مؤمنین کا ایمان منافقین کی طرح نہیں ہے جو مؤمنین سے مل کر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین سے علیٰحدگی میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مؤمنین سے استہزاء کرتے ہیں اور اس کی مثال قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں نے غیب میں اس سے خیانت نہیں کی۔ اور جیسے ایک آدمی دوسرے سے کہتا ہے۔ "کتنا اچھا ہے تیرا وہ دوست جو غیب میں تیری پشت پناہی کرتا ہے۔" یہ مؤمنین کی مدح ہے کہ ان کا ظاہر اور باطن ایک ہے، منافقوں کی طرح نہیں ہے جو منہ سے کچھ کہتے ہیں اور ان کے دلوں

میں کچھ پنہاں ہوتا ہے۔ (قول دوم) جمہور مفسرین کا قول ہے کہ "غیب" وہ ہے جو حواس سے غیب ہو۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ کہ جس پر دلیل ہو اور دوسرا وہ جس پر دلیل نہ ہو۔[1448]

يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

المراد به الخفی الذی لا یدرکه الحس و لا تقتضیه بداهة العقل۔

یعنی غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے کہ جسے حواس نہ پاسکیں اور نہ بداھۃً اسے عقل چاہے۔[1449]

وھو ما غاب عن الحس و العقل غيبة كاملة بحيث لا يدرك بو احد منها ابتداء بطريق البداهة وهو قسمان قسم لا دليل عليه وهو الذی اريد بقوله عنده مفاتح الغيب و قسم نصب عليه دليل كالصانع و صفاته وهو المراد۔

ترجمہ: غیب وہ ہے جو حس اور عقل سے تمام تر چھپا ہوا ہو ایسے کہ کسی بھی ذریعے سے بھی ابتداء کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو، وہی اس آیت سے مراد ہے کہ خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ دوسری ہو کہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات۔ وہی اس جگہ مراد ہیں۔[1450]

قوله تعالىٰ: (بالغيب) الغيب فی كلام العرب: كل ماغاب عنک، وهو من ذوات الياء يقال منه غابت الشمس تغيب، و الغيبة وغيابة، ای هبطة من الارض، و الغيابة الاجمة۔ وهی جماع الشجر يغاب فيها و يسمّى المطمئن من الارض: الغيب لانه غاب عن البصر۔

کلام عرب میں غیب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو آپ سے غائب ہو، لفظ غیب یائی ہے واوی نہیں۔ کہا جاتا ہے "غابت الشمس تغيب" اور غیبہ مشہور ہے۔ عرب "اغابة المراة" اس عورت کے بارے میں کہتے ہیں جس کا شوہر اس سے غائب ہو اور وقعنا فی غيبة و غيابة سے مراد زمین کی پست

[1448] بیضاوی، عبداللہ بن عمر تفسیر انوار التنزیل جلد ۱ ص ۵۵ سطر ۱۹ مصطفیٰ البابی مصر

[1449] حقی، شیخ اسماعیل، روح البیان ج ۱ ص ۳۲ سطر ۱۰ مطبعہ عثمانیہ مصر ۱۳۳۰ھ

[1450] قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد۔ الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۶۳ سطر ۲ دار الکاتب العرب مصر ۱۹۶۷ء

جگہ ہے اور ''غیابہ'' سے مراد اجمہ ہے یعنی درختوں کا جھنڈ جس میں چھپا جائے۔ زمین کی جائے اطمینان کو بھی غیب کہتے ہیں کیونکہ وہ جگہ آنکھوں سے غیب ہوتی ہے۔[1451]

(بالغیب) بماغاب عنهم من البعث و الجنة و النار۔[1452]

(بالغیب) بماغّب عنهم مما انباهم به النبی علیه السلام من امرا لبعث و النشور و الحساب و غیره ذلک فهو بمعنی الغائب تسمیة بالمصدر من قولک غاب الشیء غیبا هذا ان جعلته صلة للایمان و ان جعلته حالاً کان بمعنی الغیبة و الخفاء ای یومنون غائبین عن المؤمن به۔

یعنی وہ ان امور پر ایمان رکھتے ہیں جن سے حضرت مصطفی ﷺ نے انہیں آگاہ کیا ہے اگرچہ وہ ان سے غائب ہیں مثلاً بعثت، یوم محشر و حساب وغیرہ لفظ ''غائب'' صیغہ اسم فاعل بمعنی مصدر ہے۔ ''غاب الشئ غیباً'' اکثر مستعمل ہے۔ اگر ''غیب'' کو ''ایمان'' کا صلہ یا حال قرار دیا جائے تو معنی غیبت اور ''خفاء'' ہو گا یعنی مومنین ایمان رکھتے ہیں اگرچہ غیب ہیں ان چیزوں سے جن پر ایمان رکھا جاتا ہے۔[1453]

و اصل الغیب: کل ماغاب عنک من شئ و هو من قولک: غاب فلان یغیب غیباً۔[1454]

(بالغیب) اگرچہ بظاہر ترکیباً جار مجرور واقع ہوا ہے لیکن حقیقت میں یؤمنون کا مفعول بہ ہے۔ اور بازائد ہے یا یوں کہو مصدر فاعل کے معنی میں ہے اور یؤمنون کے فاعل سے حال واقع ہوا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے یؤمنون غائبین عنکم اس بنا پر جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ متقی وہ صاف باطن لوگ ہیں جو اے مسلمانوں تم سے غائب ہونے کی حالت میں بھی ویسے ہی ایمان کا دلی اعتراف

[1451] سیوطی، محلی، جلالین ص ۲ سطر ۱۰ مصطفی البابی مصر

[1452] نسفی، عبداللہ بن احمد محمود، تفسیر النسفی ص ۱۳ سطر ۱۲ جلد ۱، عیسی البابی مصر

[1453] طبری، ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ جامع البیان جلد ۱ ص ۱۰۲ سطر مصطفی البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۴ء

[1454] تفسیر مظہری اردو مطبع ندوۃ المصنفین دھلی ص ۲۹ سطر ۱۲ جلد ۱

کرتے ہیں جیسے منہ در منہ اور سامنے، وہ ان بدباطن اور دغاباز منافقوں جیسے نہیں ہیں جو مسلمانوں کے سامنے تو ان کی رضاجوئی کے لئے ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر پیٹھ پیچھے صاف انکار کر جاتے ہیں۔

یا یوں کہیئے کہ مؤمن بہ (یعنی رسول اللہ ﷺ سے غائب ہونیکی حالت مراد ہے، اس وقت مفعول بہ سے حال ہو گا۔[1455]

غیب مصدر ہے اور اس کا تعلق یؤمنون کے ساتھ مبالغۃً ہوا ہے جیسے شہادت کے لفظ کا قال اللہ تعالیٰ: عالم الغیب و الشھادۃ غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آدمیوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ مثلاً خدا کی ذات و صفات، فرشتے، آدمیوں کا مرے پیچھے زندہ اٹھ کھڑا ہونا، جنت و دوزخ، پل صراط، میزان، عذاب قبر وغیرہ۔[1456]

والغیب مصدر وصف به للمبالغة كالشهادة قال الله تعالىٰ عالم الغيب والشهادة والمراد به ما غاب عن ابصارهم من ذات الله وصفاته والملائكة والبعث والجنة والنار والصراط والميزان وعذاب القبر وغير ذلك فهو واقع موقع المفعول به للايمان والباء صلة او بمعنى الفاعل وقع حالا من فاعل يؤمنون يعنى يؤمنون غائبين عنكم لا كالمنافقين فى حضور المؤمنين خاصة دون الغيبة۔[1457]

(بالغيب) اى ماهو غائب كامور الاخرة والقدر ومحمد عليه الصلوة والسلام من غير رويته۔[1458]

(بالغيب) الغيب فى الاصل مصدر غاب، بمعنى استتر واحتجب وخفى وهو بمعنى الفاعل۔ كالزور للزائر۔ اطلق عليه مبالغة، ولامراد به مالا يقع تحت الحواس، ولا تقتضبه بداهة العقل، وانمايعلم بخبر الانبياء عليهم السلام۔

[1455] (طبع دهلى ص ۲۹ سطر ۱۲)(۲۸) ص ۲۹ سطر ۸)

[1456] قاضى ثناء الله پانى پتى رحمة الله عليه۔ تفسير مظهرى جلد ۱ ص ۱۳ سطر ۱۳ مفبع الغزيب حصار (طبع قديم)

[1457] الايجى، معين الدين محمد بن عبدالرحمن م ۸۹۴ھ جامع البيان جلد ۱ ص ۷ سطر ۴ دار النشر الكتب الاسلاميه گوجرانواله

[1458] القسمى، محمد جمال الدين متوفى ۱۳۳۲ھ محاسن التاويل جلد ۱ ص ۳۵ سطر ۳ عيسىٰ البابى مصر ۱۹۵۷ء

”غیب“ دراصل ”غاب“ کا مصدر ہے بمعنی استتر، احتجب اور خفی (چھپنا) اور بمعنی ”فاعل“ ہے جیسے ”زور“ زائر کے لئے۔ مطلقاً اس کا تذکرہ مبالغہ کے لئے کیا گیا ہے۔ اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حس کے تحت واقع نہ ہو اور عقلِ بدیہی جس کو نہ پاسکے اور انبیاء علیہم السلام کی اطلاع سے معلوم ہو۔[1459]

الرابعة: یجوز ان یکون بالغیب صلة للایمان: ای یعترفون او یثقون به۔ و علی هذا یکون الغیب بمعنی الغائب، اما تسمیة بالمصدر کما سمی الشاهد بالشهادة قال اللّٰہ تعالیٰ (عالم الغیب و الشهادة) و العرب تسمی المطمئن من الارض غیبا، و اما ان یکون مخفف فیعل ویجوز ان یکون بالغیب حالا و الغیب، بمعنی الغیبة و الخفاء ای یؤمنون غائبین عن المؤمن به۔

جائز ہے کہ لفظ غیب ایمان کا صلہ ہو۔ یعنی وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں یا اس پر اعتماد کرتے ہیں تو اس صورت میں لفظ غیب کے معنی میں ہو گا۔ اور اس کا مصدر نام رکھنا ایسے ہے جیسے شاہد کا نام شہادت رکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”عالم الغیب و الشهادة“ اور عرب اطمینان والی زمین کو بھی غیب کہتے ہیں اور غیب کا مخفف فیعل ہے۔ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ لفظ غیب کو حال تسلیم کیا جائے اور غیب غیبة اور خفاء کے معنی میں سمجھا جائے یعنی وہ ایمان رکھتے ہیں اس حال میں کہ وہ اس چیز سے غائب ہیں جس پر ایمان رکھا جاتا ہے۔[1460]

ماغاب عن الابصار منکشفا بنعت الانوار لعیون الاسرار۔

جو آنکھوں سے غائب ہو لیکن اسرار سے آگاہ بصارت پر صفت انوار سے منکشف ہو۔[1461]

[1459] نیشاپوری، نظام الدین متوفی ۷۲۸ھ غرایب القرآن جلد ۱ ص ۱۴۹ سطر ۱۱ مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۹۶۲ء
[1460] ابن روزبھان، تفسیر عرائس البیان جلد ۱ ص ۱۳ سطر ۵ منشی نولکشور لکھنؤ
[1461] ابن کثیر، تفسیر جلد ۱ ص ۴۱ سطر ۸ عیسیٰ البابی مصر

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ وعن ناس من اصحاب النبی ﷺ اما الغیب فما غاب عن العباد من امر الجنّۃ و امر النار و ما ذکر فی القرآن۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر اصحابِ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت دوزخ وغیرہ وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں۔[1462]

قول ابو مسلم اصفہانی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔[1463]

والغیب مصدر اقیم مقام الوصف وھو غائب للمبالغة بجعله کانه ھو وجعله بمعنی المفعول یردہ کما فی البحران الغیب مصدر غاب وھو لازم لایبنی منه اسم مفعول وجعله تفسیرا بالمعنی لان الغائب یغیب بنفسه تکلف من غیر داع او فیعل خفف کقیل ومیت وفی البحر لا ینبغی ان یدعی ذلک الا فیما سمع مخففا ومثقلا وفسرہ جمع ھنا بما لا یقع تحت الحواس ولا تقتضیه بداھة العقل فمنه مالم ینصب علیه دلیل وتفرد بعلمه اللطیف الخبیر سبحانه وتعالیٰ کعلم القدر مثلا ومنه ما نصب علیه دلیل کالحق تعالیٰ وصفاته العلا فانه غیب یعلمه من اعطاہ اللہ نوراً علی حسب ذلک النور۔[1464]

والغیب فی کلام العرب: کل ما غاب عنک۔

کلام عرب میں ”غیب“ ہر اس چیز کے لئے مستعمل ہے جو آپ سے غائب ہو۔[1465]

واصل الغیب: المکان المطمئن الذی یستتر فیه لنزوله عما حوله، فسمی کل مستتر: غیبا۔

[1462] آلوسی، سید محمود، روح المعانی جلد ۱ ص ۹۸ سطر ۴ المطبعة الکبری المیریه بولاق مصر

[1463] سطر ۸ قول ابن مسعود حسب سابق عبارت تفسیر ابن کثیر۔ آلوسی، سید محمود، تفسیر روح المعانی جلد ۱ ص ۹۷ سطر ۲۰ المطبعة الکبری المیریه بولاق مصر

[1464] شوکانی، محمد بن علی ۱۲۵۰ ھ فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۴، سطر ۱۲ مصطفی البابی مصر ۱۹۶۴ء

[1465] جمل، شخ سلیمان، تفسیر جمل جلد ۱ ص ۱۴ سطر ۱۰ مطبع مرتضوی انڈیا۔عبارت تفسیر مظہری بعینه۔ ابن جوزی ۶۵۶ھ تفسیر زاد المسیر جلد ۱ ص ۲۴ سطر ۱۱ المکتبة الاسلامی بیروت ۱۹۶۴ء

اصل میں "غیب" اس جائے اطمینان کو کہتے ہیں جس میں ارد گرد سے چھپا جائے، اسی لئے ہر پوشیدہ کو "غیب" کہتے ہیں۔[1466]

ان جعلته صلة کان بمعنی الغائب اما تسمیة بالمصدر من قولک غاب الشیء غیبا کما سمی الشاھد بالشھادة قال اللہ تعالیٰ عالم الغیب و الشھادة و العرب تسمی المطمئن من الارض غیبا۔

اگر اس کو صلہ قرار دیں تو معنی "غائب" ہوگا اور اس کو غاب الشئ غیبا سے مصدر قرار دیا جاسکتا ہے، جس طرح فرمان خداوندی "عالم الغیب و الشھادة" میں "شاھد" کو شھادة کہا گیا ہے، اور عرب جائے اطمینان زمین کو غیب کہتے ہیں۔[1467]

الغیب مصدر غاب یغیب اذا تواری و سمی المطمئن من الارض غیبا لذلک او فیعل من غاب فاعله غیب۔

"غیب" باب غاب یغیب سے مصدر ہے جس کا معنی ہے "چھپنا"۔ اسی لئے پست زمین کو غیب کہتے ہیں یا اس کا وزن فیعل ہے، باب غاب جس کا فاعل "غیب" ہوگا۔[1468]

قوله بالغیب و حقیقة ما غاب عن الحواس مما لا یوصل الیه الا بالخبر دون النظر۔

فرمان باری تعالیٰ "بالغیب" حقیقت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اس سے غائب ہو اور بغیر خبر دون النظر اس تک پہنچنا محال ہو۔[1469]

(یؤمنون بالغیب) ای یصدقون بما غاب عنهم من البعث و الجزاء و الجنة و النار الخ۔

[1466] زمخشری، جار اللہ ۵۳۸ھ تفسیر کشاف جلد ۱ ص ۱۲ سطر آخر طبع قدیم مطبع لیسی کلکتہ ۱۸۵۶ء

[1467] اندلسی، ابن حیان البحر المحیط جلد ۱ ص ۳۸ ص ۱۵ مطبعة السادة مصر ۱۳۲۸ھ

[1468] ابن عربی متوفی ۵۴۲ھ احکام القرآن جلد ۱ ص ۵ سطر ۶ مطبعة السعادة مصر ۱۳۳۱ھ

[1469] شربینی، محمد، سراج المنیر جلد ۱ ص ۱۵ سطر آخر منشی نولکشور لکھنؤ۔

یعنی وہ مؤمنین بعث، جزا، جنت دوزخ وغیرہ کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ یہ چیزیں ان سے غائب ہیں۔[1470]

الغیب مصدر وضع موضع الاسم فقیل للغائب غیب کما قیل للعادل عدل وللزائر زور والغیب ما کان مغیبا من العیون۔

"**الغیب**" مصدر ہے جس کو اسم کی جگہ پر رکھا گیا ہے جس طرح عادل کو عدل، زائر کو زور کہتے ہیں اسی طرح "**غائب**" کو غیب کہتے ہیں۔ اور جو کچھ آنکھوں سے غائب ہو اسے غیب کہا جاتا ہے۔[1471]

ابو اسحاق یؤمنون بالغیب ای یؤمنون بما غاب عنھم مما اخبرھم بہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من امر البعث والجنۃ والنار وکل ماغاب عنھم مما انبأھم بہ فھو غیب۔[1472]

(الذین یؤمنون بالغیب) ای یصدقون بما غاب عنھم من الجنۃ والنار والصراط والمیزان۔[1473]

(الغیب) ماغاب عنھم من حساب وجزاء وجنۃ ونار وغیر ذلک۔[1474]

الغیب۔ ماغاب علمہ عنھم۔[1475]

(الذین یؤمنون بالغیب) یصدقون بماغاب عنھم کامر البعث والحساب۔

وہ ان تمام امور کی تصدیق کرتے ہیں جو ان سے غائب ہیں، مثلاً بعث وحساب وغیرہ۔[1476]

[1470] بغوی، ابو محمود حسین بن مسعود معالم التنزیل، ص ۱۳ سطر ۱۲ المطبع الحیدر ممبئی ۱۲۸۳ھ۔

[1471] ابن منظور لسان العرب جلد ۲ ص ۱۴۷ سطر ۱ المطبعۃ المیریہ بولاق مصر ۱۳۰۰ھ

[1472] سطر ۱۳ عبارت ابن عربی۔ نووی، شیخ محمد، التفسیر المنیر ج ۱ ص ۴ سطر ۳ مصطفی البابی مصر ۱۳۷۴ھ

[1473] واحدی، ابو الحسن، تفسیر الوجیز ج ۱ ص ۴ سطر ۶ بر حاشیہ تفسیر منیر عبارت مذکورہ۔ حجازی، محمد محود، التفسیر الواضح ج ۱ ص ۱۴ سطر ۷ مطبعۃ الاستقلال مصر ۱۹۶۴ء۔

[1474] رشید، تفسیر المنار جلد ۱ دار المنار مصر ۱۳۷۳ھ

[1475] طنطاوی، جوھری شیخ الجواھر ج ۱ ص ۲۷ سطر آخر مصطفی البابی مصر ۱۳۵۰ء

[1476] کاشفی، کمال الدین حسین واعظ، تفسیر حسینی ص ۳ سطر ۱۶ بندرہ معمور ممبئی ۱۲۷۸ھ عبارد مدرجہ ذیل۔ قادری ترجمہ تفسیر حسینی جلد ۱ ص ۳ سطر ۱۹ ملک دین محمد لاہور۔

یؤمنون ایمان لاتے ہیں بالغیب ساتھ بے دیکھے ہوئے کے کہ حق تعالیٰ ہے اور فرشتے اور قیامت یا اس کے متعلقات یا ساتھ چھپی ہوئی چیز کے کہ وحی ہے۔

(۵۳) دہلوی، محمد رحیم بخش، اعظم التفاسیر ج ا ص ۴۷، سطر ۵ مطبع نامی دہلی فیضی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

بالغیب ما اعلمهم الرسول وما ادرکه حواسهم کالاسلام للّٰہ الاحد مع ما امره اللّٰہ وما هو محسوسهم کامر المعاد واحواله وهو مصدر ورد محل الاسم اطراء وورد المراد هو الروع والحاصل هم رهط اسلموا روعا و مر الاکر هط اسلموا مسحلا لا روعا۔

غیب اس چیز کو کہتے ہیں جس کی اطلاع لوگوں کو پیغمبر نے دی ہو اور ان کے حواس وہاں تک نہ پہنچیں ہوں جیسے خدائے واحد کے ساتھ ایمان لانا اور جس چیز کا حکم اس نے پیغمبر کو فرمایا ہے اور جو چیزیں آدمیوں کے ادراک سے باہر ہیں ان کی تصدیق کرنا جیسے قیامت اور اس کے احوال اور غیب مصدر ہے اسم فاعل کی جگہ مبالغہ واقع ہو گیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ غیب سے مراد دل ہے اور معنی یہ ہیں کہ پرہیز گار وہ لوگ ہیں جو دل سے تصدیق کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں نہ ان لوگوں کی طرح جو زبان سے اسلام لاتے ہیں اور دل سے اعتقاد نہیں کرتے۔[1477]

غیب اس چیز کو بولتے ہیں جو تیری نظر سے غائب ہو اور یہ بات بلحاظ آدمیوں کے مختلف ہوتی ہے چنانچہ امت کے واسطے اللہ تعالیٰ و ملائکہ و کتابوں و رسولوں و روز قیامت و تقدیرِ الٰہی و عذابِ قبر و دوزخ و جنت و بعث و حشر و صراط و میزان ان سب پر ایمان بالغیب ہے اور آنحضرت ﷺ نے جب معراج شریف میں دوزخ و جنت و طوبیٰ و حور و قصور وغیرہ کو دیکھ لیا تو اس وقت آپ کے واسطے یہ

[1477] ملیح آباد، مواہب الرحمن ج ا ص ۹۴ سطر ۵ مکتبۂ رشیدیہ لاہور۔

غیب نہیں رہا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو انکشاف عطا فرمایا اور آپ نے اس کی خبر دی تو وہ آپ کے واسطے معائنہ ہے اور ہم لوگوں کے واسطے غیب ہے۔[1478]

والغیب ما غاب عنهم علمه كذات الله وملائكته والدار الاخرة وما فيها من البعث والنشور والحساب۔[1479]

(قوله بما غاب) اشار بذلک الی اطلاق المصدر وارادة اسم الفاعل وما غاب عنا قسمان مادل علیه دلیل عقلی او سمعی کالجنة والنار والملائکة والعرش والکرسی واللوح والقلم والمولی سبحانه وتعالیٰ وصفاته ومالم یدل علیه دلیل کالساعة ووقت نزول المطر ومافی الارحام وباقی الخمسة المذکورة۔[1480]

والغیب فی کلام العرب کل ماغاب عنک۔[1481]

ان الغیب ما غاب من العباد علمه من امر الجنة والنار والارزاق والاعمال وغیر ذلک۔[1482]

قرآن میں لفظ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ان کا علم بداہت عقل اور حواس خمسہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات بھی آجاتی ہیں، تقدیری امور، جنت و دوزخ کے حالات، قیامت اور اس میں پیش آنے والے واقعات بھی، فرشتے، تمام آسمانی کتابیں، اور تمام انبیاء سابقین بھی۔[1483]

[1478] المراغی، احمد مصطفی، تفسیر المراغی ج ۱ ص ۴۱ سطر ۱۰ مصطفی البابی مصر ۱۳۷۳ھ

[1479] الصاوی، شیخ احمد، الصاوی علی الجلالین ج ۱ ص ۷ سطر آخر عیسی البابی مصر

[1480] صدیق حسن خان، فتح البیان ج ۱ ص ۴۸ سطر ۱۰، بولاق مصر

[1481] سطر ۱۱ عبارت تفسیر قرطبی۔ طوسی، شیخ ابو جعفر متوفی ۴۶۰ھ تفسیر التبیان، ص ۲۰ سطر ۲۵ ایران

[1482] سطر ۱۱ عبارت تفسیر قرطبی۔ طوسی، شیخ ابو جعفر متوفی ۴۶۰ھ تفسیر التبیان، ص ۲۰ سطر ۲۵ ایران

[1483] کاندھلوی، محمد علی صدیقی، معالم القرآن ج ۱ ص ۱۰۷ سطر آخر طبع سیالکوٹ، عبارت لغات القرآن. مناظر اهل سنت جناب مولانا الحاج مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی اپنی مایۂ ناز تفسیر اشرف التفاسیر (تفسیر نعیمی) کی پهلی جلد کے ص ۱۲۴ کی سطر ۳ پر تحریر فرماتے هیں۔

غیب کے معنیٰ ہیں غائب یعنی چھپی ہوئی چیز۔ اصطلاح میں غیب وہ چیز کہلاتی ہے جو کہ ظاہری و باطنی حواس اور عقل سے چھپی ہو۔ یعنی نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ سے معلوم ہو سکے اور نہ غور و فکر سے عقل میں آسکے۔ غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل بھی قائم نہ ہو۔ جیسے کسی کی موت کا وقت قیامت کے آنے کی تاریخ۔ پیٹ کے بچے کی تحقیق کہ یہ چیزیں دلائل سے بھی نہیں معلوم ہو سکتیں۔ اسی کا نام ہے مفاتیح الغیب اسی کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ یعنی غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اسے کوئی بھی اپنے پاس معلوم نہیں کر سکتا۔ جس کو رب بتائے جیسے انبیاء کرام اور خالص اولیاء اللہ اس تک پہنچ سکتے ہیں۔ دوسرا وہ غیب جس پر دلیل قائم ہو۔ یعنی دلائل سے اس کا پتہ لگ جائے۔ جیسے حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات انبیاء کی نبوت اور ان کے متعلق احکام وغیرہ۔ یہ غیب وہ ہے کہ غور و فکر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ رب کو ہم نے نہ دیکھا لیکن دنیا کا ذرہ ذرہ اس کے ہونے کا پتہ دے رہا ہے۔ یہاں غیب سے مراد یہی ہے۔ اب اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ متقی وہ ہیں جو ان غیبوں پر ایمان رکھتے ہوں جو دلائل سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اللہ کی ذات اس کے صفات انبیاء کرام کی نبوت، قیامت، حساب، سزا و جزا، جنت و دوزخ یہ سب اسی غیب میں داخل ہیں جو شخص ان میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

تفسیر روح البیان میں فرمایا: کہ غیب دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو تجھ سے غائب ہو جیسے کہ عالمِ ارواح کہ پہلے تو وہاں موجود تھا اور جب تو یہاں آگیا تو وہ تجھ سے غائب ہو گیا۔ دوسرا وہ جس سے تو غائب یعنی وہ تیرے پاس اور حواس سے دور جیسے حق تعالیٰ کہ وہ ہم سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن ہم اس سے دور ہیں۔

یار نزدیک تر از من بمن ست ۔۔۔ ویں عجب تر کہ من از وے دورم

اس آیت کے تین معنی ہیں ایک یہ کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی حق تعالیٰ کو اور جنت دوزخ وغیرہ کو بغیر دیکھے مانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ غیب یعنی دل سے ایمان لاتے ہیں، زبان ظاہر ہے اور دل چھپا ہوا ہے۔ زبان سے تو منافقین بھی ایمان لے آئے تھے مگر وہ قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ غیب یعنی دل سے ایمان نہ تھا۔ تیسرے یہ کہ غیب میں یعنی مسلمانوں کے پیٹھ پیچھے بھی ایمان لاتے ہیں۔ منافقین مسلمانوں کے سامنے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے مگر آپس میں کافروں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ انّا معکم ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تو اس میں یہ فرمایا گیا کہ مؤمن وہ ہے جو کہ ہر حال میں یعنی مسلمانوں کے سامنے بھی اور مسلمانوں کے پیٹھ پیچھے بھی ایماندار رہے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ غائب چیز پر ایمان لانا معتبر ہے نہ کہ ظاہر پر قرآن پاک کے ظاہری حروف کو مان لینا کہ یہ ایک کتاب ہے۔ عربی زبان کی ہے۔ لاہور میں چھپی ہے۔ فلاں کاغذ پر لکھی گائی ہے۔ یہ ایمان نہیں کیونکہ یہ باتیں بالکل ظاہر ہیں بلکہ قرآن پاک کے چھپے ہوئے وصف پر ایمان لانا ضروری ہے، وہ یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں، حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر آیا ہے۔ کیونکہ اوصاف ظاہراً محسوس نہیں ہوتے اسی طرح حضور علیہ السلام کی ظاہری صفات کو مان لینا ایمان نہیں کہ وہ بشر تھے، مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ کھاتے پیتے تھے، سیدنا عبد اللہ کے فرزند تھے۔ آمنہ خاتون کے لختِ جگر نورِ نظر تھے۔ کیونکہ یہ تو ان کے ظاہری اوصاف ہیں، ان کے کفار بھی قائل ہیں۔ بلکہ حضور پاک ﷺ کے چھپے ہوئے اوصاف کو ماننے کا نام ایمان ہے۔ یعنی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اس کے پیارے ہیں، تخت و تاج والے ہیں، شفیع المذنبین ہیں، رحمۃ اللعالمین ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ اوصاف ظاہر میں محسوس نہیں اس لئے ان کو ماننا ہی ایمان بالغیب ہو گا۔ وہابیہ اور دیوبندیہ کا حضور علیہ السلام کی

بشریت کے پیچھے پڑ جانا محض بے دینی ہے، ان کو بشر ماننا ایمان نہیں، بلکہ ان کو مصطفی ماننا، رحمۃ اللعالمین ماننا ایمان ہے۔ اسی لئے کلمہ میں پڑھا جاتا ہے "محمد رسول اللہؐ" نہ کہ "محمد بشرٌ" بلکہ حق تو یہ ہے کہ اللہ کو صرف خالق عالم ماننے کا نام بھی ایمان نہیں ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ (الاخلاص ۱) جس سے معلوم ہوا مصطفی ﷺ کے ذریعہ لائی ہوئی توحید ایمان ہے اور فرمایا وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ (الاعراف ۱۷۲) جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن ساری اولاد آدم کو اپنی پہچان ہی اس طرح کرائی، کہ ہم ربِّ محمد ہیں۔ سب باتیں ایمان بالغیب میں داخل ہیں۔ رب نے اپنی مخلوقات میں غیب و شہادت رکھے ہیں۔ ہمارا بدن شہادت ہے، قلب وروح غیب۔ درخت اور اس کی سبزی شہادت ہے۔ جڑ اور درخت کا وہ رس جس کے سوکھ جانے سے درخت خشک ہو جاتا ہے، یہ غیب ہے۔ ایسے ہی ایمانیات کے لئے غیب و شہادت ہے۔ ابلیس نے آدم علیہ السلام کا ظاہر شہادت کی چیز دیکھی یعنی ان کا جسم اور جسم کی ساخت مگر ان اندرونی وصفِ خلافت الٰہیہ نہ دیکھی جو غیب تھی، اسی لئے مارا گیا۔ اب بھی جن کی نظر حضور ﷺ کی بشریت پر ہے وہ ابلیس کی طرح بد نصیب ہیں۔ اس لئے یہاں پر ارشاد ہوا: يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔

حاصل نظر

قارئین کرام! آپ نے مذکورہ صفات میں کتب لغات و تفاسیر سے ملاحظہ فرمایا کہ غیب کے معنی ہیں کسی چیز کا نگاہوں سے اوجھل ہونا، کسی چیز کا انسان کے علم و حواس سے پوشیدہ ہونا، دور ہونا، جدا ہونا، پوشیدہ ہونا، غیر حاضر ہونا، فاصلۂ بعید پر ہونا، آنکھوں سے غائب ہونا، اگرچہ دلوں میں موجود ہو وغیرہ وغیرہ۔

اقسامِ غیب

علماء کرام نے غیب کی متعدد اقسام تحریر فرمائی ہیں۔ ان میں سے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ کبیر کی جلد ۲ صفحہ ۲۷ کی سطر ۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''غیب'' کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: علم غیب کی پہلی قسم وہ ہے جس پر کوئی دلیل ہو (جیسے خدا کی ذات وغیرہ، یہ وہ غائب ہیں کہ غور و فکر سے معلوم ہو جاتے ہیں)

دوسری قسم: علمِ غیب کی دوسری قسم وہ ہے کہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ (جیسے قیامت کب آئے گی، وغیرہ۔ یہ چیزیں دلائل سے بھی معلوم نہیں ہوتیں۔)[1484]

قسم اول: وہ جو تجھ سے غائب ہو۔ جیسے تم سے عالم ارواح غائب ہے حالانکہ ایک ایسا زمانہ تھا کہ تم وہاں تھے۔

قسم دوم: وہ جس سے تم غائب ہو، یعنی وہ تیرے پاس ہے اور تو اس سے پھر بھی دور ہے، جیسے خدا کی ذات شہ رگ سے بھی قریب ہے لیکن تم اس سے پھر بھی دور ہو۔

مولانا عبد الباسط محمد عبد السلام علمِ غیب کی یوں تقسیم فرماتے ہیں کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک علمِ غیبِ ذاتی اور ایک علمِ غیبِ عطائی۔

علمِ غیبِ ذاتی: قدیم بالذات ازلی جو تمام کلیات و جزئیات ممکن الوجود کو حاوی ہو، صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم ذاتی کو غیر خدا کا علم حاوی نہیں ہو سکتا۔

تمام اولین و آخرین، انبیاء مرسلین اور ملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر بھی علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑھا سمندروں سے ایک ذرہ بھی بوند کے کروڑویں حصہ کو ہے کیونکہ وہ

[1484] تفسیر روح المعانی جلد ۱ ص ۹۷، سطر ۲۵ الصاوی جلد ۱ ص ۷ سطر آخر پر بھی مذکورہ تقسیم تحریر ھے۔علامہ حقی نے تفسیر روح البیان کی جلد ۱ کے ص ۳۲ پر یہ تقسیم تحریر کی ھے۔

تمام سمندر اور اس بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی ہیں۔علومِ الٰہیہ غیر متناہی ہیں (یعنی خدا کے علم کی کوئی انتہا نہیں) مخلوق کے علم اگرچہ عرش وفرش، شرق و غرب، جملہ کائنات از روزِ اول تا روزِ آخر کو محیط ہو جائیں آخر متناہی ہیں۔جملہ علومِ خلق کو علمِ الٰہی سے کوئی نسبت نہیں۔

علمِ غیبِ عطائی: جو اللہ تعالیٰ کے اعلام اور سکھانے سے حاصل ہو۔یہی علم انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کا ہے اور بعض خواص اولیاء کرام کو حضور ﷺ کے فیض وعطا سے حاصل ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو کثیر غیبوں کا علم ہے مگر اس فضل جلیل میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا حصہ تمام انبیاء کرام وتمام جہاں سے اتم واعظم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کو جمیع اشیاء جملہ کائنات یعنی تمام ممکنات حاضرہ وغائبہ کا علم مرحمت فرمایا۔

تمام کائنات انبیاء ومرسلین اور تمام ملائکہ مقربین کے علم کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے وہی نسبت ہے جو ایک قطرہ کے کروڑویں حصے کو کروڑہا سمندروں سے ہے۔یعنی آپ ﷺ اپنی صفتِ علم میں لامثال ہیں۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علم کو علمِ الٰہی سے کوئی نسبت نہیں، نہ ہم مماثلت ومساوات کے قائل اور نہ عطائے خداوندی کے منکر، اللہ و نبی کی مماثلت کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔

مساوات تو جب لازم آئے کہ اللہ کے لئے اتنا علم ثابت کیا جائے۔ذرات عالم متناہی ہیں اور اس کا علم لامتناہی ورنہ جہل لازم آئے گا۔اور یہ محال ہے کہ خدا جہل سے پاک ہے نیز ذاتی وعطائی کا فرق بیان کرنے پر بھی مساوات کا الزام دینا صراحۃً ایمان واسلام کے خلاف ہے۔

اس فرق کے ہوتے ہوئے مساوات ہو جایا کرے تو لازم آتا ہے کہ ممکن اور واجب وجود ہیں معاذ اللہ مساوی ہو جائیں کہ ممکن بھی موجود ہے اور واجب بھی موجود ہے اور وجود میں مساوی کہنا صریح کفر و کھلا شرک ہے۔

فصل در بیان
نبی کریم صَلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم
کا دلوں کے حال جاننا

بعض علماء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا لوگوں کے دلوں کا حال جاننے سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور ﷺ کو دل کی باتیں بعطائے الٰہی معلوم ہو جاتی تھیں۔

حدیث مبارک میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا ارادہ رکھتا تھا۔ مجھے میری کنیز نے کہا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے عرض کیجئے۔ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن ہیبت سے کچھ نہ بول سکا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: "اے علی، کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہو"۔ لیکن میں بدستور خاموش رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے لئے میرے پاس آئے ہو؟" میں نے عرض کی: "یہی ارادہ ہے۔" اس حدیث میں حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دل کی بات بتادی۔

جمہور علماء محققین بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اب بھی اپنی امّت کو دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کی حالتوں اور ان کی نیّتوں اور ان کے ارادوں اور ان کے دل کے خیالوں سے اللہ ربّ العزّت نے آپ ﷺ کو باخبر کیا ہے۔ اور یہ

سب امور آپ ﷺ پر اس طرح روشن اور واضح فرمائے کہ ان میں کوئی پوشیدگی باقی نہیں رہی۔[1485]

غزوہ بدر میں جب مشرکین مکہ کو شکست فاش ہوئی اور وہ مکہ پہنچ گئے۔ عمیر بن وہب مقام حجر میں صفوان بن امیہ کے پاس آکر بیٹھا۔ صفوان نے کہا مقتولین بدر کے بعد عیش حرام ہے۔ عمیر نے کہا واللہ! ان کے قتل ہو جانے کے بعد زندگی میں خیر نہیں اگر میرے ذمہ قرض نہ ہوتا اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے نہ ہوتے تو میں ضرور مدینہ جا کر محمد ﷺ کو قتل کر ڈالتا۔ اگر وہاں پہنچ کر مجھے حالات ناسازگار پیش آئیں تو میں یہ بہانہ کر سکتا ہوں کہ میں اپنے فرزند کے پاس آیا ہوں جو اسیر ہے۔ صفوان عمیر کے اس قول سے خوش ہوا اور اس سے کہا تیرا قرض میرے ذمہ ہے اور تیرے عیال کے نان و نفقہ اور کفالت کا میں ذمہ دار ہوں، صفوان نے عمیر کو سواری دی اس کے لئے سامان مہیا کیا اور عمیر کی تلوار پر صیقل کرایا گیا اور اس کو زہر کا بجھاؤ دیا گیا۔ عمیر نے صفوان سے کہا چند روز تک تو مجھے چھپا دے پھر عمیر مدینہ طیبہ پہنچا اور مسجد نبوی کے دروازے پر اترا اور اپنی سواری کو باندھ دیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر رسول اکرم ﷺ کا قصد کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب عمیر کو اس قبیح ارادے سے آتے دیکھا تو اس کو پکڑ کر بارگاہ نبوت ﷺ میں پیش کر دیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عمیر سے پوچھا تو کس ارادے سے آیا ہے، عمیر نے کہا میں اپنے قیدی فرزند کے پاس آیا ہوں جو آپ ﷺ کے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سچ بتا تو کس نیت سے آیا ہے؟ عمیر نے کہا میں اپنے قیدی کے بارے میں آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے مقام حجر کے پاس صفوان کے ساتھ کیا شرط طے کی تھی۔ عمیر سن کر ڈر گیا اور اس نے پوچھا میں نے صفوان سے کیا شرط طے کی

[1485] (تجلّیاتِ مدینہ از الحاج مولوی محمد احتشام الحسن دیوبندی کاندھلوی، ص ۱۹، اثبات الاغراض ص ۶۲، مقامِ رسول ﷺ ص ۲۶۷، مواہب اللدنیہ ص ۳۸۷، زرقانی ص ۳۰۵، ج۸، جاءالحق ص ۱۴۸)

تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے صفوان کو اس شرط سے میرے قتل پر برانگیختہ کیا تھا کہ وہ تیری اولاد کا متکفل رہے اور تیرا قرض ادا کردے لیکن خدا تعالیٰ نے تمہارے ان ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا، عمیر نے یہ سن کر کہا **اشھد انک رسول اللہ**، تحقیق گفتگو میرے اور صفوان کے درمیان حجر میں ہوئی اور اس گفتگو کو میرے اور صفوان کے سوا تیسرا کوئی نہ جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس گفتگو کی خبر دے دی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا۔ پھر مکہ کی طرف پلٹ کر گیا اور اس نے لوگوں کو دعوت اسلام دی اس کے ہاتھ پر بہت سے آدمی مسلمان ہوئے۔ پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے صحابہ کرام کو فرمایا اسے دین کی باتیں سکھاؤ اور اس کے قیدی چھوڑ دو۔[1486]

لأن روحه (ﷺ) شاهد على جميع الأرواح والقلوب والنفوس لقوله ﷺ (أول ما خلق الله روحي۔

یعنی اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کو دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میری روح کو خلق فرمایا۔[1487]

(۲) حقی، شیخ محمد اسماعیل، روح البیان، جلد ۲ ص ۲۱۱ سطر ۱۱، مصر:

واعلم انه يعرض على النبى عليه السلام اعمال امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم اعمالهم فلذلک يشهد عليهم۔

اور تم جان لو کہ نبی کریم ﷺ پر ان کی امت کے اعمال صبح اور شام پیش کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ امت کو ان کی علامات سے جانتے ہیں اور ان کے اعمال کو بھی اس لئے آپ ﷺ ان پر گواہی دیں گے۔

[1486] (رواہ البیھقی والطبرانی، بحوالہ فتاویٰ اویسیہ ج ۱ ص ۱۲۵، ۱۲۴)

[1487] (تفسیر نیشاپوری ص ۳۰۴ ج ۴ دار الکتب العلمیہ - بیروت)

(۳) نسفی، تفسیر مدارک التنزیل میں آیہ مذکورہ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

ای شاهدا علی من أمن بالایمان و علی من کفر بالکفر و علی من نافق بالنفاق۔

یعنی نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مؤمنوں کے ایمان، کافروں کے کفر، اور منافقوں کے نفاق پر گواہ ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ ختم الانبیاء والمرسلین صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم یوم اوّل سے لے کر یوم قیامت تک تمام لوگوں کے ایمان و اعمال سے واقف ہیں، اسی لئے تو آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم گواہی دیں گے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "چوتھی توجیہہ قوی ہے کیونکہ قرآن کریم کی دوسری آیت اس کی تائید کر رہی ہے، رب العالمین فرماتا ہے:

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔[1488]

پہلا فائدہ: تمام انبیاء کرام اپنی امت کے ظاہری و باطنی اعمال پر مطلع و خبردار ہوتے ہیں۔ بغیر علم کے گواہی کیسی، یہ فائدہ "بشهيد" سے حاصل ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ (ال عمران ۴۹)

میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے بچاتے ہو۔

دوسرا فائدہ: حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی امت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی گواہ ہے جیسا کہ یہاں تفسیر سے اور دوسری جگہ آیت قرآنی سے ثابت ہوا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ اور مدعی کو گواہ پیارا ہوتا ہے، کہ اس کے مقدمہ کا فیصلہ گواہ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ امت محبوب الانبیاء ہے ہم کو چاہیئے کہ اچھے اعمال اختیار کریں تاکہ کل حضرات انبیاء علیہم السلام کی گواہی دے سکیں، فاسق قابل گواہی نہیں ہوتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا (النور ۴)

[1488] (تفسیر نعیمی ج ۵ ص ۸۵، سطر آخر)

تیسرا فائدہ: اس امت کی گواہی ان انبیاء کرام کے حق میں سن کر ہوگی نہ کہ دیکھ کر جیسا کہ ان امتوں کے اعتراض سے معلوم ہوا۔

چوتھا فائدہ: حضور ﷺ کی نگاہ نے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے حالات تفصیل وار اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائے ہیں اور آپ ﷺ کی گواہی اپنی امت کی طرح سمعی نہ ہوگی، بلکہ عینی ہوگی۔ اگر آپ ﷺ کی گواہی بھی محض سنی سنائی ہوتی تو جو اعتراض امت کی گواہی پر ہوا تھا آپ ﷺ کی گواہی پر بھی ہوتا۔

پانچواں فائدہ: حضور ﷺ اپنی ساری امت کے ہر ایک حال کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ قیامت میں اپنی امت کی تائید کے ساتھ اس کی توثیق بھی فرمائیں گے جیسا کہ علی ھؤلاء سے معلوم ہوا۔

چھٹا فائدہ: قیامت میں کفار بھی حضور ﷺ کے علم غیب وحاضر وناظر کے قائل ہوں گے۔ اس لئے وہ حضور ﷺ کی گواہی پر یہ جراح نہ کر سکیں گے کہ حضور ﷺ بغیر مشاہدہ کے گواہی کیسے دے رہے ہیں۔

فصل دربیان
رسول اللّٰہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم
کا خاتم النبیین ہونا

بعض گمراہ ترین فرقے والے علماء اغلظ ترین کافر، اگر کوئی ان کے کفر میں بھی شک کرے، تو وہ بھی کافر ہو جائے، کہتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام خاتم النبیین نہیں، اور خاتم النبیین کا عقیدہ عوام کا عقیدہ ہے۔ العیاذ باللہ! حالانکہ تمام اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ بلا شک خاتم

النبیین بمعنی آخر الانبیاء ہیں۔یعنی آپ ﷺ کا زمانہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانہ کے بعد، اور آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔اس پر نصوص صریحہ بکثرت دلالت کرتی ہیں۔

خاتم النبیین کا ثبوت قرآن پاک سے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۴۰)

ترجمہ: "محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ہاں، اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔"

مفسرین اہل سنت کے قلم سے لفظ "خاتم النبیین" کی تشریح

اولاً صاحبِ تفسیر معالم التنزیل نے تفسیر سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر نقل کی:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان اللہ تعالیٰ لمّا حکم أن لا نبیّ بعدہ لم یعطہ ولدًا ذکرًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حکم فرمایا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو انہیں کوئی لڑکا نہ عطا فرمایا۔[1489]

ثانیاً، علامہ خازن تفسیر لباب التاویل فی معان التاویل میں تحت آیتِ کریمہ فرماتے ہیں:

(خاتم النبیین) ختم اللہ بہ النبوۃ فلا نبوّۃ بعدہ۔ أی ولا معہ (وکان اللہ بکل شیءٍ علیما)۔أی دخل فی علمہٖ أنہ لا نبیّ بعدہ۔خاتم النبیین

[1489] (معالم ص ۲۱۸، ج۵)

یعنی اللہ نے ان پر نبوت کو ختم کیا تو ان کے بعد کوئی نبی نہیں، نہ ان کے زمانے میں اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ یعنی یہ اس کے علم میں ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ [1490]

ثالثاً، علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں خاتم النبیین کے معنی یہ ذکر کئے:

(خاتم النبیین) ختم به النبوة و قرء ابن عامر و عاصم خاتم بفتح التاء أی آخرهم۔ [1491]

(خاتم النبیین) یعنی ان پر نبوت ختم کی گئی اور ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاتم کو تا کے زبر سے پڑھا یعنی آخر الانبیاء، سب انبیاء علیہم السلام میں سب سے آخری نبی۔

رابعاً، علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت آیۂ کریمہ فرماتے ہیں:

(خاتم النبیین) بفتح التاء عاصم بمعنی الطابع أی آخرهم یعنی لا ینبأ احد بعده۔

(خاتم النبیین) کو عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تا کے زبر سے پڑھا یعنی آخر الانبیاء جن کے بعد کوئی نبی نہ کیا جائے۔ [1492]

خامساً، شیخ احمد جیون تفسیر احمدی میں تحت آیت کریمہ فرماتے ہیں:

هذه الاية فی القرأن تدل علی ختم النبوة علی نبینا صریحا و خاتم النبیین ای لم یبعث بعده نبی قط و یختم به ابواب النبوة و یغلق الی یوم القیمة ملخصًا۔

"یہ آیت قرآن ہمارے نبی ﷺ کے ختمِ نبوّت پر صراحۃً دلالت کرتی ہے اور خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی ہرگز مبعوث نہ ہوگا۔ ان کے ساتھ نبوّت کے دروازے قیامت تک ختم اور بند کر دیئے گئے۔"

[1490] (خازن مصری، ج۵، ص ۲۱۸)
[1491] (معالم التنزیل مصری، ج۵، ص ۲۱۸)
[1492] (مدارک ج۳، ص ۲۳۴)

سادسًا، امام المفسرین ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم الذی ختم اللہ علیہ النبوۃ فلا تفتح لأحدٍ بعدہ الیٰ قیام ساعۃ۔

یعنی خاتم النبیین وہ ذات ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے نبوّت کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔ پس قیامت تک اب کسی کے لئے نہ کھولا جائے گا۔

سابعاً، امام المحققین قاضی ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں:

آخرھم الذی ختمھم أو ختم بہ علیٰ قراءۃ عاصم بالفتح۔

یعنی حضور ﷺ انبیاء علیہم السلام میں سب سے آخری ہیں۔ یا حضرت عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قرأت کے مطابق تا کے فتح کے ساتھ (خَاتَم) اس کا معنی ہو گا کہ آپ ﷺ کے آنے سے بابِ نبوّت ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

ان تفاسیر سے ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ پر ختمِ نبوّت ثابت ہونے کے لئے یہ آیت صریح دلیل ہے۔ اس میں یہ فرمایا گیا کہ حضور ﷺ ہی خاتم النبیین ہیں اور انہی پر نبوت کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ یہ آخر الانبیاء ہیں، تو قیامت تک اب دروازۂ نبوت بند ہو گیا۔ لہٰذا اب ان کے زمانے میں یا ان کے بعد کوئی اور نبی ہر گز نہیں ہو سکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ جو ہر شیء کا عالم ہے، اس کے علم میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔

بالجملہ یہ تو خالقِ عالم جل جلالہ کا فرمان، واجب الاذعان تھا۔ اب خود حضور اکرم ﷺ کی آحادیث بھی سنیں۔

لفظ "خاتم النبیین" کی تشریح مصطفی ﷺ کی زبان مبارک سے

مسلم شریف وترمذی شریف میں یہ حدیث مروی ہے:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طهورا ومسجدا وارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیّون۔

"مجھے تمام انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دی گئی۔ مجھے جامع باتیں عطاء ہوئیں اور مخالفوں کے دل میں میرا رعب ڈالنے سے میری مدد کی گئی۔ اور میرے لئے غنیمتیں حلال ہوئیں، اور میرے لئے زمین پاک کرنے والی اور نماز کی جگہ قرار دی گئی۔ اور میں تمام خلق کی طرف رسول ہوا اور مجھ پر انبیاء ختم کئے گئے۔"[1493]

بخاری شریف ومسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

مثلی و مثل الانبیاء کمثل قصر حسن بنیانه ترک منه موضع لبنة فطاف به النظار یتعجبون من حسن بنیانه الا موضع تلک اللبنة فکنت انا جئت موضع اللبنة، ختم بی البنیان و ختم بی الرسل (وفی روایة) فانا اللبنة وانا خاتم النبیین۔

ترجمہ: "رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میری اور تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہایت عمدہ محل بنایا گیا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی۔ دیکھنے والے اس کے آس پاس پھرتے اور اس کی خوبی تعمیر سے تعجب کرتے ہیں مگر وہی ایک اینٹ کی جگہ کہ نگاہوں میں کھٹکتی ہے۔ میں نے تشریف لاکر جگہ بند کر دی، مجھ سے عمارت پوری کر دی گئی۔ مجھ سے رسولوں کی انتہا ہوئی۔ میں عمارت نبوت کی وہ پچھلی اینٹ ہوں میں تمام انبیاء کا خاتم ہوں۔"[1494]

[1493](جامع الصغیر مصری ج ۲ ص ۶۳)
[1494](مشکوٰۃ شریف، ص ۵۱۱)

علامہ شیخ ابن نجیم الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

اذا لم یعرف أن محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر الأنبیاء فلیس بمسلمٍ لأنہ من الضروریات۔

"جب کوئی شخص یہ نہ جانے کہ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آخر الانبیاء ہیں تو وہ مسلمان نہیں، کہ یہ ضروریاتِ دین سے ہے۔"[1495]

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ جو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو آخری نبی نہ جانے یا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کسی اور نبی کا پیدا ہونا ممکن بتائے، وہ بلا شک کافر و مرتد ہے اور آیت کریمہ "**خاتم النبیین**" میں خاتم کا معنی باعتبار لغت کے "**آخر**" ہے اور "**خاتم النبیین**" کا لغوی ترجمہ "**آخر النبیین**" ہے۔

علامہ ابو بکر سجستانی کے "**غرائب القرآن**" میں ہے:

"**قولہ خاتم النبیین آخر النبیین۔**

یعنی خاتم النبیین کا ترجمہ **آخر النبیین** ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام محدثین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نبوت ختم ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ: مسلم شریف ص ۲۴۸، ج ۲ پر باب مقرر فرمادیا: **ذکر کونہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین۔** اور اس کے تحت فرمانِ مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تحریر فرمائی کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: **جئت فختمت الانبیاء** یعنی میں آیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا، اب کسی کی نبوت نہیں چل سکتی، اور **لیس بعدہ نبی عاقب** کے معنی ثابت کر دیئے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترمذی شریف میں صفحہ ۵۱، جلد ۲ پر باب "**ذھبت النبوۃ**" مقرر فرما کر **أن الرسالۃ و النبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبیَ۔** کی حدیث نقل فرما کر اجرائے نبوت کا رد کیا جس سے ثابت ہوا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی تھا کہ مصطفی

[1495] (الاشباہ والنظائر، ص ۲٦۷)

ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ ۴۵ جلد ۲ پر بھی از روئے احادیث صحیحہ مصطفی ﷺ کے بعد مدعیٔ نبوت کو دجال اور کذاب ثابت کیا ہے۔

الحاصل عقیدۂ ختم نبوت اسلام کا ایک متفقہ اصولی اساسی اور بنیادی عقیدہ ہے جس پر پورے دین کی حفاظت اور بقاء کا انحصار ہے اگر عقیدہ ختم نبوت محفوظ ہے تو دین محفوظ ہے اگر یہ عقیدہ ٹوٹ جائے اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد کسی اور کو نبی تسلیم کر لیا جائے تو دین کے کسی ایک جز کو منسوخ کر دے۔ جیسا مرزا قادیانی کافر نے جہاد کو منسوخ کر دیا۔ پورے دین کو منسوخ کر کے نیا دین پیش کیا۔ جیسے بہاء اللہ ایرانی نے پورا دین منسوخ کر کے اپنے متبعین کو نیا دین، دین بہا دیا ہے تو اس نبی کے متبعین کو یہ ماننا پڑتا ہے اگر پورے دین کو جسم سے تشبیہہ دی جائے تو ختم نبوت کا عقیدہ اس کی اور حفاظت کیلئے روح کا درجہ رکھتا ہے۔ بہر حال عقیدہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ سلف وخلف نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ سب سے اول نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔

جیسا کہ وکیل الاحناف ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ:

دعویٰ النبوۃ بعد نبینا کفر بالاجماع الامۃ۔[1496]

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فتویٰ بھی موجود ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو جو اس سے نبوت کی دلیل طلب کرے وہ بھی کافر ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ من طلب منہ علامۃ فقد کفر یعنی جس نے مدعی نبوت سے معجزہ طلب کیا وہ بھی کافر ہو گیا۔[1497]

[1496] (شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲ طبع دھلی)

[1497] (مسلک الختام ص ۲۶)

اس طرح امام عبد الرشید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ولو ادعیٰ رجل النبوۃ وطلب رجل المعجزۃ قال بعضھم یکفر وقال بعضھم ان کان غرضہ اظہار عجزہ وافتضاحہ لایکفر۔

یعنی اگر کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس سے معجزہ طلب کیا تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ طالب معجزہ بھی مطلقاً کافر ہو جائیگا اور بعض نے یہ تفصیل فرمائی ہے کہ اگر اس نے اس کو عاجز اور رسوا کرنے کیلئے طلب کیا تھا تو کافر نہ ہو گا۔[1498]

نیز حضرت شیخ ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

من ادعیٰ النبوۃ فی زماننا فانہ یصیر کافرا ومن طلب منہ المعجزات لأنہ لاشک فی النص۔

یعنی جو شخص ہمارے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہو جائے گا اور جو شخص اس سے معجزہ طلب کرے وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ قرآن مجید کی نص قطعی میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔[1499]

کیوں کہ دلیل طلب کرنا بھی شک کی علامت ہے جیسا کہ کوئی انسان خدا نہیں ہو سکتا اور خدا کے دعویدار سے دلیل طلب کرنا کفر ہے اس طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا اور جو مدعی نبوت سے دلیل طلب کرے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس سے آپ ختم نبوت کے عقیدے کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اسلام کے اس اساسی عقیدے کی حفاظت جو کہ پورے دین کی روح اور جان ہے ہر مسلمان کا فرض ہے لہٰذا خاتم النبیین سے انکار کرنے والا کافر مرتد واجب القتل ہے۔

[1498] (خلاصۃ الفتاویٰ منقول از ختم نبوت کامل ص ۳۲۴)

[1499] (خلاصۃ الفتاویٰ منقول از ختم نبوت کامل ص ۳۲۸)

خدا چاہے تو کروڑوں محمد پیدا کر دے

امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی قتیل نے ایسا عقیدہ لکھا ہے کہ جس سے ختم نبوت کے انکار کا دروازہ کھلا ہے۔

عقیدہ:

اس شہنشاہ اللہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی ،جن و فرشتہ ،جبریل اور محمد ﷺ پیدا کر ڈالے۔[1500]

وہابیوں کے امام کے اس عقیدے سے ختم نبوت کا انکار واضح ہے۔نزد دہلوی کی علمی قابلیت اور قرآن دانی کا سارا راز بھی فاش ہو جاتا ہے۔دراصل اس میں دہلوی نے یہ گستاخی إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرۃ ۲۰) کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بناء پر کی ہے۔حالانکہ اس بیچارے کو اتنا علم نہیں کہ مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں ۔إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مایشاء قَدِيرٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے اس پر قادر ہے۔رب کریم کا یہ بھی اعلان ہے۔مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۴۰) محمدؐ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔" جب اللہ کریم نے فرمایا کہ محمد ﷺ کے بعد نبوت ختم ہے آپ ﷺ خاتم النبین ہیں پھر اس کی وضاحت اعلانیہ طور پر تاجدار ختم نبوت ﷺ نے فرمادی۔ لانبی بعدی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ۔" قرآن و حدیث کے ان واضح فرامین کے باوجود اسماعیل دہلوی یہ عقیدہ رکھے کہ خدا کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے

[1500] تقویت الایمان ص ۱۳مطبوعۃدھلی۔

توکروڑوں محمد ﷺ پیدا کر ڈالے۔ خدا اوس کے پیارے رسول ﷺ سے بغاوت نہیں تو اور کیاہے۔ کیونکہ اگر محمد پیدا کرے گا تو نبوت بھی دے گا اور اگر نبوت دے گا تو خاتم النبیین جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وہ غلط ہوتا ہے۔ (العیاذ باللہ) جبکہ پروردگار عالم کا یہ بھی اعلان ہے۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا (النساء ۸۷)

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔

لَاتَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ (یونس ۶۴)

اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔

وہابیوں کے امام اسماعیل قتیل نے مرزاغلام قادیانی کو یہ راستہ دکھایا۔رہنمائی دہلوی نے کی اور دعویٰ قادیانی نے کیا کہ

منم مسیح زماں منم کلیم خدا — منم محمد واحمد کہ مجتبےٰ باشد[1501]

تمام محدثین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مصطفےٰ ﷺ پر نبوت ختم ہے

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین۔اوراس کے ماتحت حدیثیں فرمان مصطفےٰ ﷺ کی تحریر فرمایئں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جئت فختمت الانبیاء۔ میں آیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا۔اب کسی کی نبوت نہیں چل سکتی اور لیس بعدہ نبی عاقب۔ کے معنی ثابت کر دیئے۔[1502]

[1501] تریاق القلوب ص ۵۔

[1502] مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۸ پر باب مقرر فرمادیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

بخاری شریف میں مصطفےٰ ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ سے فرمایا ہے اور باب خاتم النبیین مقرر فرمایا۔[1503]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابو داؤد شریف پر مصطفےٰ ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ ثابت فرمایا ہے۔[1504]

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ترمذی شریف ،باب ذهبت النبوة مقرر فرما کر ان الرسالة و النبوة قدانقطعت فلارسول بعدی و لانبی۔ کی حدیث نقل فرما کر اجرائی نبوت کارد کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ امام ترمذی رحم اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی یہی تھا کہ مصطفیٰ ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر بھی ازروئے احادیث صحیحہ مصطفیٰ ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب ثابت کیا ہے۔[1505]

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

مصطفےٰ ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ ثابت کیا ہے۔[1506]

[1503] بخاری شریف ج ا ص ۵۰۹، ج ۲ ص ۱۰۴،

[1504] ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۳۳،

[1505] ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۵ و ج ۲ ص ۴۵۔

[1506] بیہقی شریف ج ۹ ص ۱۸۱،

شیخ علاؤالدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

صاحب کنزالعمال شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ان الرسالۃ والنبوۃ قدانقطعت فلارسول بعدی ولانبی ۔کی حدیث نقل فرماکر اجرائی نبوت کی ایک حدیث یاقول بیان نہیں فرمایاجس سے ثابت ہوا کہ ان کاعقیدہ بھی ختم نبوت پر تھا۔

ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلائل النبوت میں پرحدیث نقل فرمائی جس سے ثابت کیاہے کہ مصطفیٰ ﷺ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے قبل ہی خاتم النبیین ﷺ منتخب ہوچکے تھے۔[1507]

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب استیعاب میں نبی کریم ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے دلائل ازروئے احادیث صحیحہ انا الخاتم الذی ختم بی النبوۃ وانا العاقب فلیس بعدی نبی وانا المقفیٰ بعدالانبیاء۔بیان فرمائی اوراجرائے نبوت کے متعلق ذراسااشارہ بھی بیان نہیں فرمایا۔جس سے صاف ظاہر ہے کہ عبدالبر کامذہب بھی ختم نبوت پرہی تھا۔[1508]

[1507] دلائل النبوت میں ج ا ص ۹

[1508] استیعاب کے ج ا ص ۱۲

ابن حجر صاحب فتح الباری شارح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

وان اللہ ختم بہ المرسلین واکمل بہ شرائع الدین۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ تمام رسولوں کو ختم کر دیا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی دین کو مکمل کر دیا۔ معلوم ہوا کہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی ختم نبوت پر ہی تھا۔[1509]

امام قسطلانی شارح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

وانا العاقب لانہ جاء عقب الانبیاء فلیس بعدہ نبی۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمان مصطفیٰ ﷺ کی تشریح فرماتے ہوئے انا العاقب کی تشریح فرماتے ہیں کہ مصطفیٰ ﷺ عاقب اس لئے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیچھے تشریف لائے ہیں، تو آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی بن سکتا۔

اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

(باب خاتم النبیین) ای آخرھم الذی ختمھم اوختموا بہ وقیل من لانبی بعدہ....ولایقدح فیہ نزول عیسیٰ علیہ السلام بعدہ لانہ اذانزل یکون علی دینہ مع ان المراد انہ اخر من نبی۔[1510]

امام قسطلانی نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ باب خاتم النبیین کے تحت مصطفیٰ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے معنی فرمائے ہیں یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کے آخری نبی جس نے تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا ہے۔ یہ تمام انبیاء علیہم السلام مصطفیٰ ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی ختم ہو گئے اور بعض نے خاتم النبیین کے معنی بیان کئے ہیں کہ وہ شخص کہ جس کے بعد نبی نہ

[1509] فتح الباری ج ۱۴ ص ۳۱۴۔
[1510] قسطلانی ج ۶ ص ۲۱۔

ہو۔ثابت ہوا کہ جو مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین مانتا ہے اس کو آپ ﷺ کے بعد ختم نبوت کو ختم تسلیم کرنا پڑے گا اور جو آپ ﷺ پر نبوت کو ختم نہیں سمجھتا اور اجرائے نبوت کا قائل ہے وہ خاتم النبیین کا منکر ہے اور پھر علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے تشریف لانا مخالف نہیں کیونکہ جب وہ اتریں گے تو وہ آپ ﷺ کے دین پر ہی تشریف فرما ہوں گے۔اپنی نبوت کے مبلغ نہ ہوں گے باوجودیکہ مراد خاتم النبیین سے یہی ہے کہ مصطفیٰ ﷺ آخری نبی ہیں۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ختم نبوت پر عقیدہ تھا

زرقاني ج٥ص٢٦٧، ومنها: أنه خاتم الأنبياء والمرسلين" كما قال تعالى: {وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ}، أي: آخرهم الذي ختمهم أو ختموا به على قراءة عاصم بالفتح، وروى أحمد والترمذي والحاكم بإسناد صحيح عن أنس مرفوعًا: "إن الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي"، وقيل: من لا نبي بعده يكون أشفق على أمته وهو كالوالد لولد ليس له غيره، ولا يقدح نزول عيسى بعده؛ لأنه يكون على دينه مع أن المراد أنه آخر من نبئ۔[1511]

ترجمہ پہلے گزر چکا ہے صرف ایک جملہ علامہ زرقانی نے فرمایا ہے جو قابل غور ہے۔ وهو كالوالد لولد ليس له غيره، کہ مصطفیٰ ﷺ باپ کی طرح ہیں اپنے بیٹے کیلئے جیسا کہ بیٹے کیلئے باپ ایک ہے ایسے ہی آپ ﷺ اب ایک ہی نبی ہیں کیونکہ پہلے نبوت جاری تھی اب ختم ہو چکی۔

تمام مفسرین اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی ختم نبوت پر عقیدہ تھا

ولكنه رسول الله وخاتم النبيين، الذي ختم النبوة فطبع عليها، فلا تفتح لأحد بعده إلى قيام الساعة۔

[1511] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج٧ص٢٣٥۔

ترجمہ:اور لیکن محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تما م نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نبوت کو ختم کر دیا، اور تمام پر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مہر لگا دی۔ پھر کسی کیلئے قیامت تک نہیں کھل سکتی۔[1512]

حدثنا بشر، قال: ثنا يزيد، قال: ثنا سعيد، عن قتادة قوله (مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ) قال: نزلت في زيد، إنه لم يكن بابنه، ولعمري ولقد ولد له ذكور، إنه لأبو القاسم وإبراهيم والطيب والمطهر (وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ) أي: آخرهم[1513]

اور لیکن آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں یعنی تمام کے آخر ہیں۔

فَقَرَأَ ذَلِكَ قُرَّاءُ الْأَمْصَارِ سِوَى الْحَسَنِ وَعَاصِمٍ بِكَسْرِ التَّاءِ مِنْ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ، بِمَعْنَى أَنَّهُ خَتَمَ النَّبِيِّينَ۔[1514]

اور تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے سوائے حسن وعاصم کے تمام شہروں کے قراء نے اس کو خاتِم النبیین پڑھا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

(وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ) وَذَلِكَ لِأَنَّ النَّبِيَّ الَّذِي يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيٌّ إِنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنَ النَّصِيحَةِ وَالْبَيَانِ يَسْتَدْرِكُهُ مَنْ يَأْتِي بَعْدَهُ، وَأَمَّا مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ يَكُونُ أَشْفَقَ عَلَى أُمَّتِهِ وَأَهْدَى لَهُمْ وَأَجْدَى، إِذْ هُوَ كَوَالِدٍ لِوَلَدِهِ الَّذِي لَيْسَ لَهُ غَيْرُهُ مِنْ أَحَدٍ وَقَوْلُهُ: وَكانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً يَعْنِي عِلْمَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ دَخَلَ فِيهِ أَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔[1515]

(اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام نبیوں کے خاتم ہیں)اور یہ اس لئے کہ ایسے نبی ہیں کہ جس کے بعد اور کوئی نبی ہو اگر (پہلے نبی) نصیحت اور بیان سے کچھ چھوڑ جائے تو اس کا بعد کا نبی اس کو لے لیتا ہے

[1512] تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۲۳۹۔

[1513] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۲۲۔

[1514] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۲۲۔

[1515] مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر ج ۶ ص ۲۸۶۔

اور لیکن ایسا شخص جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو تو ایسا نبی اپنی امت پر زیادہ مہربان ہوتا ہے اوران کیلئے زیادہ ہادی ہوتا ہے اورزیادہ صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ایسے والد کی مانند ہے جس کا بیٹا اس کے سوا اور کوئی نہ ہو اوراللہ تعالیٰ کا فرمان (اللہ تعالیٰ ہر شئے کو جاننے والا ہے)یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا علم ہے۔اس میں (یہ بھی)داخل ہو گیا کہ مصطفےٰ کے بعد کوئی نبی ﷺ نہیں۔

{وَخَاتَمَ النبيين}بفتح التاء عاصم بمعنى الطابع أي آخرهم يعني لا ينبأ أحد بعده وعيسى ممن نبئ قبله وحين ينزل عاملا على شريعة محمد صلى الله عليه وسلم كأنه بعض أمته۔ [1516]

(اور خاتم النبیین)تاء کے فتح کے ساتھ عاصم کی قرأت ہے۔ بمعنی مہر لگانے والے کے یعنی سب کے آخر یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا اور عیسیٰ علیہ السلام وہ شخص ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نبی ہو چکے ہیں اور جب اتریں گے محمد ﷺ کی شریعت کے عامل ہوں گے گویا کہ وہ آپ ﷺ کے امتی ہیں۔

وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ ختم الله به النبوة فلا نبوة بعده أي ولا معه قال ابن عباس: يريد لو لم أختم به النبيين لجعلت له ابنا ويكون بعده نبيا وعنه قال: إن الله لما حكم أن لا نبي بعده، لم يعطه ولدا ذكرا يصير رجلا وَكانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً أي دخل في علمه أنه لا نبي بعده. [1517]

وَكانَ خاتَمَ النَّبِيِّينَ يعنى أنه لو كان له ولد بالغ مبلغ الرجال لكان نبيا ولم يكن هو خاتم الأنبياء، كما يروى أنه قال في إبراهيم حين توفى. لو عاش لكان نبيا «1». فإن قلت: أما كان أبا للطاهر والطيب والقاسم وإبراهيم؟ قلت: قد أخرجوا من حكم النفي بقوله مِنْ رِجالِكُمْ من وجهين، أحدهما: أنّ هؤلاء لم يبلغوا مبلغ الرجال. والثاني: أنه قد أضاف الرجال إليهم وهؤلاء رجاله لا رجالهم. فإن قلت: أما كان أبا للحسن والحسين؟ قلت: بلى ولكنهما لم يكونا رجلين حينئذ، وهما أيضا من رجاله لا من رجالهم، وشيء آخر: وهو أنه إنما قصد ولده

[1516] تفسير النسفي (مدارک التنزيل وحقائق التأويل) ج۳ ص ۲۳۴

[1517] تفسير خازن ج۵ ص ۲۱۸۔

خاصة، لا ولد ولده، لقوله تعالى وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ ألا ترى أن الحسن والحسين قد عاشا إلى أن نيف أحدهما «2» على الأربعين والآخر على الخمسين. قرئ. ولكن رسول الله بالنصب، عطفا على أَبا أَحَدٍ وبالرفع على: ولكن هو رسول الله. ولكنّ، بالتشديد على حذف الخبر، تقديره: ولكنّ رسول الله من عرفتموه، أى: لم يعش له ولد ذكر. وخاتم بفتح التاء بمعنى الطابع، وبكسرها بمعنى الطابع وفاعل الختم. وتقوّيه قراءة ابن مسعود: ولكنّ نبيا ختم النبيين. فإن قلت: كيف كان آخر الأنبياء وعيسى ينزل في آخر الزمان؟ قلت: معنى كونه آخر الأنبياء أنه لا ينبأ أحد بعده، وعيسى ممن نبئ قبله، وحين ينزل ينزل عاملا على شريعة محمد، مصليا إلى قبلته، كأنه بعض أمّته۔ [1518]

یعنی آپ ﷺ کا اگر کوئی لڑکا آدمیوں کی عمر کا بالغ ہوتا تو نبی ہوتا اور ہوا نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے فرمایا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا،(چونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اس لئے زندہ نہیں رہا۔) پس اگر تو سوال کرے کہ مصطفٰے ﷺ آخر الانبیاء کیسے ہوئے حالا کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں اتریں گے میں کہتا ہوں

{وَلكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ} [الأحزاب: 40] ختم الله به النبيين، وقرأ ابن عامر وابن عاصم: {وَخاتَمَ} [الأحزاب: 40] بِفَتْحِ التَّاءِ عَلَى الِاسْمِ، أَيْ آخِرَهُمْ، وَقَرَأَ الْآخَرُونَ بِكَسْرِ التَّاءِ عَلَى الْفَاعِلِ لِأَنَّهُ خَتَمَ بِهِ النَّبِيِّينَ فَهُوَ خَاتَمُهُمْ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُرِيدُ لَوْ لَمْ أَخْتِمْ بِهِ النَّبِيِّينَ لَجَعَلْتُ لَهُ ابْنًا يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيًّا. وَرُوِيَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمَّا حَكَمَ أَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ لَمْ يُعْطِهِ وَلَدًا ذَكَرًا يَصِيرُ رَجُلًا۔ [1519]

{وَخَاتَمَ النَّبِيينَ} ختم الله بِهِ النَّبِيين قبله فَلَا يكون نَبِي بعده۔ [1520]

[1518] تفسیر کشاف زمخشری ج۳ ص ۲۳۹۔

[1519] معالم التنزیل ج۵ ص ۳۱۸۔

[1520] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ج ۱ ص ۲۶۲۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ساتھ نبیوں کو جو آپ ﷺ سے پہلے تھے ختم کر دیا تو آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

{رَسُول الله وخاتم النبيين} فلايكون له بن رَجُل بَعْده يكُون نَبيًّا وَفِي قِرَاءَة بِفَتْح التَّاء كَآلَةِ الْخَتْم أَيْ بِهِ خُتِموا {وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْء عَلِيمًا} مِنْهُ بِأَنْ لَا نَبِيّ بَعْده۔[1521]

وقوله تعالى: وَلكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكانَ اللّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً كقوله عز وجل: اللّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسالَتَهُ [الْأَنْعَام: 124] فَهَذِهِ الْآيَةُ نَصٌّ فِي أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَإِذَا كَانَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ فَلَا رَسُولَ بعده بالطريق الْأَوْلَى۔[1522]

تو یہ آیت نص ہے اس امر میں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو رسول بطریق اولیٰ نہیں ہو سکتا۔" پھر علامہ ابن کثیر آگے رقمطراز ہیں،

وَقَدْ أَخْبَرَ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ، وَرَسُولِهِ فِي السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنْهُ: أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، لِيَعْلَمُوا أَنَّ كُلَّ مَنِ ادعى هذا المقام بعده فَهُوَ كَذَّابٌ أَفَّاكٌ، دَجَّالٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ، وَلَوْ تَخَرَّقَ وَشَعْبَذَ، وَأَتَى بِأَنْوَاعِ السِّحْرِ وَالطَّلَاسِمِ والنيرجيات، فَكُلُّهَا مُحَالٌ وَضَلَالٌ عِنْدَ أُولِي الْأَلْبَابِ، كَمَا أَجْرَى اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى، عَلَى يَدِ الْأَسْوَدِ الْعَنْسِي بِالْيَمَنِ، وَمُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ بِالْيَمَامَةِ، مِنَ الْأَحْوَالِ الْفَاسِدَةِ وَالْأَقْوَالِ الْبَارِدَةِ، مَا عَلِمَ كُلُّ ذِي لُبٍّ وَفَهْمٍ وحجى أَنَّهُمَا كَاذِبَانِ ضَالَّانِ، لَعَنَهُمَا اللهُ. وَكَذَلِكَ كُلُّ مُدَّعٍ لِذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخْتَمُوا بِالْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔[1523]

اور ضرور خبر دی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ نے احادیث متواترہ میں جو مصطفیٰ ﷺ سے مروی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہر وہ شخص جو اس مقام (نبوت) کا آپ کے بعد دعویٰ کرے تو وہ کذاب ہے۔ بڑا

[1521] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ج ۱ ص ۲۶۲۔
[1522] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ج ۱ ص ۲۶۲۔
[1523] تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) ج ۳ ص ۴۹۳۔

بہتانی ہے۔ دجال ہے۔ گمراہ ہے اور گمراہ کن ہے۔ خواہ آگ جلا کر دکھائے اور شعبدہ بازی کرے اور مختلف اقسام کے جادو اور طلاسم اور نیر نجیات دکھائے پس یہ تمام مشکلات ... گمراہی ہے، عقلمندوں کے نزدیک جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسود عنسی کے یمن میں ظاہر فرمائے اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں ،احوال فاسدہ واقوال باردہ جاری فرمائے جو ہر ایک عقل و فہم والا معلوم نہیں کر سکتا اور میرے نزدیک دلیل یہ ہے کہ وہ دونوں جھوٹے ہیں۔ گمراہ ہیں، دونوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے اور اسی طرح قیامت تک ہر مدعی نبوت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو حتی کہ (ایسے جھوٹے نبی) مسیح دجال کے زمانے میں ختم کئے جائیں گے۔"

دلائل ختمِ نبوت از اقوال سلف صالحین

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

الاجماع علی انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث الی جمیع الانس و الجن۔

اس بات پر اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔[1524]

اعلم ان اللّٰہ تعالیٰ قد سد باب علی کل مخلوق بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مخلوق سے دروازہ (نبوۃ) بند کیا گیا ہے۔[1525]

و کل من ادّعاھا النبوۃ بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نھو مدّ ع شریعۃ او حیٰ بھا الیہ سواء و افق شرعنا او خالف فان کان مکلّفا ضر بنا عنقہ و الّا ضر بنا عنہ صفحا۔[1526]

و اشھد ان محمداً عبدہ و رسو لہ و صلی اللّٰہ علی سیدنا محمد ن الذی ارسلہ الی الناس کافۃ بشیرا و نذیرا[1527]

[1524](خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۸)
[1525](الیواقیت والجواھر ج ۲ ص ۷۲)
[1526](جواھر البھار ج ۲ ص ۴۱۵)
[1527](نخبۃ الفکر صفحہ ۳)

محمدن الذی ھو اٰخر الوجود ختم دائرتہ و متصل باولھا ولھذا ختم۔[1528]

کتبِ عقائد میں بھی نبی ﷺ پر نبوت ختم ہے

واول الانبیاء اٰدم علیہ السلام و اٰخرھم محمد علیہ السلام۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے پہلے اٰدم علیہ السلام ہیں اور ان کے اٰخر محمد علیہ (الصلوۃ و) السلام ہیں۔[1529]

وکلام اللہ المنزل علیہ علی انہ خاتم النبیین وانہ مبعوث الی کافۃ الناس بالالی الجن والانس ثبت انہ اٰخر الانبیاء۔۔۔فان قیل قد ورد فی الحدیث نزول عیسیٰ بعدہ قلنا نعم لا کنہ یتابع محمد علیہ السلام لان الشریعۃ قد نسخت ۔[1530]

ترجمہ: اور اللہ کے کلام جو مصطفی ﷺ پر اتارا گیا ہے، اس بات پر شاہد ہے کہ مصطفی ﷺ تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور بلاشک آپ بھیجے گئے ہیں تمام لوگوں کی طرف بلکہ جن وانس کی طرف ثابت ہوا کہ مصطفی ﷺ تمام نبیوں کے آخری نبی ہیں پھر اگر سوال کیا جائے کہ حدیثِ صحیح میں مذکور ہے آپ ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا، تو ہم جواب دیتے ہیں ہاں ضرور اتریں گے لیکن وہ محمد ﷺ کے تابع ہوں گے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت یقیناً منسوخ ہو چکی ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام امتِ محمدیہ ﷺ کا اجماعی عقیدہ مصطفی ﷺ پر نبوت ختم ہونے پر ہے اور اس سے مخالفت کرنے والا بلاشک وشبہ کافر ہے۔

قد ان قطع الوحی۔

[1528] (تفسیر ابن عربی)
[1529] (شرح عقائد نسفی، ص ۹۹)
[1530] (شرح عقائد نسفی، ص ۱۰۱)

ضرور وحی منقطع ہو چکی ہے۔[1531]

(و اٰخرھم فی البعث) ای لکونہ خاتم النبیین۔

(اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مبعوث ہونے میں) یعنی واسطے ہونے ان کے نبیوں کے ختم کرنے والے۔[1532]

فاوحی اللہ تعالیٰ الیہ وعزتی وجلالی انہ لاٰخر النبیین من ذریتک ولو لاہ ما خلقتک۔[1533]

ترجمہ: تو اللہ تعالیٰ نے اُدم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ قسم ہے مجھ کو میری عزت کی اور میرے جلال کی بے شک مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام انبیاء علیہم السلام کے آخری نبی ہیں تیری اولاد سے اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں کچھ بھی پیدا نہ کرتا۔

و الصلوۃ و السلام علی من لا نبی بعدہ۔[1534]

اور صلوۃ اور سلام اس ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

فقہاء کرام کا عقیدہ بھی ختمِ نبوّت پر تھا

عقیدۂ خیر الدین رحمۃ اللہ علیہ:

محمد خاتم النبیین و المرسلین۔[1535]

ترجمہ: محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تمام نبیوں اور رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

[1531](حیات الحیوان، ج ۱ ص ۴۳)
[1532](شرح شفاء شریف ج ۱ ص ۱۰۹)
[1533](فتاویٰ حدیثیہ، ص ۱۳۴)
[1534](الانسان الکامل ص ۵)
[1535](فتاویٰ خیریہ، ج ۱ ص ۲)

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ:

العلماء ورثۃ الانبیاء بعد انقطاع النبوۃ وھذہ درجۃ اعلی النھایۃ فی القوۃ۔[1536]

ترجمہ: علماء ربانی نبیوں کے وارث ہیں اور نبوت کے منقطع ہونے کے بعد قوت میں یہ آخری اعلیٰ درجہ ہے۔

محمد اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی عقیدہ ختم نبوت پر تھا:

الذی بعثہ اللہ حجۃ علی الجاحدین وختم بہ باب النبوۃ علی المرسلین۔[1537]

ترجمہ: وہ ذات (مصطفی ﷺ) جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا منکرین پر حجت اور آپ ﷺ کے ساتھ تمام رسولوں پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا۔

مصطفی ﷺ کے بعد مدعی نبوت دجال ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ فَيَكُونَ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ، دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ، وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ، قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ۔[1538]

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا الأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔[1539]

[1536] (کتاب المبسوط، ج ۱ ص ۲)

[1537] (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲)

[1538] (بخاری شریف، ج ۱ ص ۵۰۹، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

[1539] (سنن الترمذی، باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، ج ۲ ص ۴۵)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ" هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔[1540]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا۔۔۔میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیاہوں اور میرے ساتھ تمام انبیاء علیہم السلام ختم کئے گئے ہیں۔یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِينَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ شافعٍ وَمُشَفَّعٍ وَلَا فخر». رَوَاهُ الدَّارِمِيّ۔[1541]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں کرتا۔ اور میں تمام نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں اور فخر نہیں کرتا۔۔۔الخ۔

یوم میثاق سے ہی اللہ جل شانہ نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ بند کر دیا

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ (81) فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (82) (آل عمران، آیت ۸۱)

ترجمہ: اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے حلفیہ وعدہ لیا جو میں تم کو کتاب اور دانائی عنایت کروں گا، پھر آئے گا تمہاری طرف ایک رسول ﷺ اور مصدق ہوں گے اس شئ کی

[1540](سنن الترمذی، باب ماجاءفی الغنیمة)

[1541](مشکوۃالمصابیح، ص ۵۱۴)

جو شیٔ (میری انعام کردہ) تمہارے پاس ہوں گے اس رسول کے ساتھ تم ضرور ایمان لاؤ اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا رب العزت نے کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر تم نے میرا پکا وعدہ قبول کیا؟ تمام انبیاء علیہم السلام نے عرض کیا کہ ہم تمام نے اقرار کیا خداوند کریم نے فرمایا تم تمام انبیاء بھی گواہی دو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں تو جس نبی نے اس کے بعد اعراض کیا تو یہی وہ فاسق ہوں گے۔

بہائم نے بھی مصطفیٰ ﷺ پر نبوت کے ختم ہونے کی شہادت دی

وَأخرج ابْن عَسَاكِر عَن أبي مَنْظُور قَالَ لما فتح رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خَيْبَر أصَاب فِيهَا حمارا أسود فَوقف بَين يَدَيْهِ فَكلم رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الْحمار فَكَلمهُ الْحمار فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَا اسْمك قَالَ يزِيد بن شهَاب أخرج الله تَعَالَى من نسل جدي سِتِّينَ حمارا كلهم لَا يركبه إِلَّا نَبِي قد كنت أتوقعك أَن تركبني لم يبْق من نسل جدي غَيْرِي وَلَا من الْأَنْبِيَاء غَيْرك قد كنت قبلك لرجل يَهُودِيّ وَكنت أتعثر بِهِ عمدا وَكَانَ يجيع بَطْني وَيضْرب ظَهْري فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَأَنت يَعْفُور فَكَانَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يبْعَث بِهِ إِلَى بَاب الرجل فيأتي الْبَاب فيقرعه بِرَأْسِهِ فَإِذا خرج إِلَيْهِ صَاحب الدَّار أومىء إِلَيْهِ أَن أجب رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَلَمَّا قبض النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جَاءَ إِلَى بِئْر كَانَت لأبي الْهَيْثَم بن التيهَان فتردى بهَا جزعا على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم۔[1542]

جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو فتح خیبر عنایت فرمائی .... تو آپ ﷺ کے ساتھ دراز گوش نے کلام کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ دراز گوش نے عرض کی یزید بن شہاب میری نسل کی جد سے کل ۶۰ ساٹھ دراز گوش نکلے ہیں۔ نہیں سوار ان پر سوائے نبی کے، میری

[1542] خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۴۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۵۱۔ مقیاس نبوت ج ۲ ص ۲۴۵

جد کی نسل سے سوائے میرے کوئی دراز گوش باقی نہیں رہا، اور نہیں باقی نبیوں سے سوائے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے، الخ۔ "اگر سچ سچ ہے تو مرزائیو! قادنیو! اغلظ ترین کافرو! یقین سمجھو، کہ جو شخص مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سوا اب اجرائے نبوت کا قائل ہے وہ گدھے سے بھی زیادہ احمق ہے۔

ضب (گوہ) نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نبوت ختم ہونے کی شہادت دی

أخرج الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَالصَّغِير وَابْن عدي وَالْحَاكِم فِي المعجزات وَالْبَيْهَقِيّ وابو نعيم وَابْن عَسَاكِر عَن عمر بن الْخطاب أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ فِي محفل من أَصْحَابه إِذْ جَاءَ إعرابي من بني سليم قد صَاد ضبا فَقَالَ وَاللات والعزى لَا آمَنت بك حَتَّى يُؤمن بك هَذَا الضَّب فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم من أَنا يَا ضَب فَقَالَ الضَّب بِلِسَان عَرَبِيّ مُبين يفهمهُ الْقَوْم جَمِيعًا لبيْك وَسَعْديك يَا رَسُول رب الْعَالمين قَالَ من تعبد فَقَالَ الَّذِي فِي السَّمَاء عَرْشه وَفِي الأَرْض سُلْطَانه وَفِي الْبَحْر سَبيله وَفِي الْجنَّة رَحمته وَفِي النَّار عَذَابه قَالَ فَمن أَنا قَالَ أَنْت رَسُول رب الْعَالمين وَخَاتم النَّبِيين قد أَفْلح من صدقك وَقد خَابَ من كَذبك۔ [1543]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے بعض اصحاب کی محفل میں تشریف فرما تھے اچانک ایک اعرابی آیا بنی سلیم کے قبیلے سے جس نے گوہ کا شکار کیا ہوا تھا.... تو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اے گوہ میں کون ہوں؟ تو گوہ نے عرض کیا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم رب العالمین کے رسول اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں، ضرور فلاح پائے جس شخص نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نبوت کے ختم ہونے کی تصدیق کی اور ضرور خسارے میں رہا جو ختم نبوت کا منکر ہوا۔

[1543] خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۴۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۵۱۔ مقیاس نبوت ج ۲ ص ۴۵ ۲۔

اے خبیث قادنیو! مرزائیو! گدھا اور گوہ تو مصطفےٰ ﷺ پر نبوت ختم ہونے کو تسلیم کر لیں لیکن مرزائی منحرف ہے۔

فصل در بیان
ایصال ثواب کے لئے کلمہ طیبہ پڑھنا

بعض علماء میت کے ایصال ثواب کے لئے کلمہ طیبہ کے ختم کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ ختم کلمہ طیبہ میت کے لئے باعثِ انس اور سببِ مغفرت ہے۔ حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ مرقاۃ شرح مشکوۃ[1544] اول حدیث کی تشریح میں نقل فرمایا ہے: شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا اس کی بخشش کر دی جائے گی، اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ میں نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور میں نے کسی کو اس کا ثواب بخشنے کی نیت نہ کی تھی۔ اتفاقاً میں ایک دعوت میں شریک ہوا اس میں ایک نوجوان جس کو کشف کا درجہ حاصل تھا، شریک تھا۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان میں رونے لگا۔ میں نے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ وہ نوجوان ہنسنے لگا۔ اور کہنے لگا، کہ اب میں اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس کے کشف کو حدیث کی صحت سے جان لیا۔[1545]

[1544] (صفحہ ۹۸ جلد ۳ مکتبہ امدادیہ، باب ماعلی المأموم من المتابعت وحکم المسبوق، الفصل الثانی)

[1545] (صفحہ ۹۸ جلد ۳)

یہی واقعہ منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی للفقیہ المحدث علامہ وصی احمد السورتی میں بھی لکھا ہے:

كما قال الشيخ محی الدين بن العربی انه بلغنی عن النبی ﷺ انه قال من قال لا اله الا الله سبعين الفاً غفر الله تعالىٰ له ومن قيل له غفر له ايضا فكنت ذكرت التهليلة بالعدد المروی من غير ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت مع بعض الاصحاب وفيهم شباب مشهور بالكشف فاذا هو فی اثناء الاكل اظهر البكاء فسألته عن السبب فقال اری امی فی العذاب فوهبت فی باطنی ثواب التهليلة المذكورة فضحك وقال انی اراها الآن فی حسن المآب فقال الشيخ فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه وصحة كشفه بصحة الحديث انتهى۔[1546]

خود علماء دیوبند کے "استاذ الکل" مولوی قاسم نانوتوی نے بھی تحذیر الناس میں ایسا ہی ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے: حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ایک مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں، حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ کی، مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی صحت اس کے مکاشفہ سے ہوئی۔[1547]

[1546] (ص ۷۱۴)

[1547] (از تحذیر الناس ص ۳۴)

فصل در بیان
بزرگان دین کے عرس کا جواز

بعض علماء زیارتِ عرسِ بزرگان اور زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنے کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں حالانکہ عرسِ بزرگان اور زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔ جیسا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام، جائز کے لئے جائز، سنت کے لئے سنت، فرض کے لئے فرض۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ جہاد و تجارت کے لئے سفر سنت ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفی ﷺ کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے، کیونکہ یہ زیارت واجب ہے۔ دوستوں کی ملاقات، شادی ختنہ میں اہل قرابت کی شرکت، اطباء سے علاج کے لئے سفر کرنا جائز، کیونکہ یہ کام خود جائز ہے۔ چوری ڈکیتی کیلئے سفر حرام کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرض کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہو گا۔

قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں:

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللهِ (النساء ۱۰۰)

"جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لئے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اس کو موت آگئی، تو اس کا اجر عند اللہ ثابت ہو گیا۔

درج بالا آیت سے سفر ہجرت ثابت ہوا۔

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ (۱) إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿قریش ۲﴾

اس لئے کہ قریش کو میل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿الکهف ٦٠﴾

ترجمہ: اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ رہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لئے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کے لئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يَابَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ﴿یوسف ٨٧﴾

یعنی اے میرے بیٹو جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لئے حکم دیا۔ تلاش محبوب کے لئے سفر ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿یوسف ٩٣﴾

ترجمہ: میرا یہ کرتہ لے جاؤ، میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

علاج کے لئے سفر ثابت ہوا۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ آوَى إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ ﴿یوسف ٩٩﴾

ترجمہ: پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔

ملاقات فرزند کے لئے سفر ثابت ہوا۔ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا:

فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿یوسف ۶۳﴾

ترجمہ: ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم غلہ لائیں گے اور ان کی ضرور حفاظت کریں گے۔

روزی حاصل کرنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا:

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿طه ۲۴﴾

ترجمہ: فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

تبلیغ کے لئے سفر ثابت ہوا۔

مشکوۃ کتاب العلم میں ہے:

من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ۔

ترجمہ: جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

حدیث میں ہے:

اطلبوا العلم ولو کان بالصین۔

ترجمہ: علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔[1548]

[1548](جامع الصغیر ج ۱ ص ۷۲ رقم الحدیث ۱۱۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کریما میں ہے:

طلب کردن علم شد بر تو فرض دگر واجب است از پیش قطع ارض

علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اس کے لئے سفر بھی ضروری ہے۔

طلب علم کے لئے سفر بھی ثابت ہوا۔

گلستان میں ہے:

بر داندر جہاں تفرح کن! پیش ازاں روزکز جہاں بردی

جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے، سیر کے لئے سفر ثابت ہوا۔

قرآن مجید میں ہے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿الانعام ۱۱﴾

”(کفار سے) فرمادو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہوا۔“

جن ملکوں پر عذاب الٰہی آیا ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیاء کی زیارت کے لئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا، یہ حضرات طبیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الٰہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دنیا پر راج کرتے ہیں، اس سے ذوق عبادت پیدا ہوتا ہے، ان کے مزارات پر دعا قبول ہوتی ہے۔

شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے:

وهل تندب الرحلة لها كما اعتيد من الرحلة الى زيارة خليل الرحمن وزيارة السيد البدوى لم أر من صرح به من ائمتنا ومنع منه بعض الائمة الشافعية قياسا على منع الرحلة بغير المسجد الثلث ورده الغزالى بوضوح الفرق۔

ترجمہ: اور آیا زیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل خلیل الرحمن اور سید بدوی علیہ الرحمہ کی زیارت کے لئے سفر کرنے کا رواج ہے، میں نے اپنے ائمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی جبکہ بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے فرق واضح فرما کر اس منع کی تردید کر دی۔[1549]

شامی میں اسی جگہ ہے:

واما الاولیاء فانهم متفاوتون فی القرب الی اللہ ونفع الزائرین بحسب معارفهم واسرارهم۔

"لیکن اولیاء تقرب الی اللہ وزائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معارف و اسرار کے۔"[1550]

مقدمہ شامی میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

انی لاتبرک بابی حنیفة واجیء الی قبره فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وسالت اللہ عند قبره فتقضی سریعا۔

ترجمہ: میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔[1551]

[1549] (ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الجنائز مطلب فی زیاۃ القبور ج ۱ ص ۶۶۵ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
[1550] (ج ۱ ص ۶۶۵)
[1551] (ردالمحتار علی در المختار، ج ۱ ص ۴۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اس سے چند امور ثابت ہوئے: زیارت قبور کے لئے سفر کرنا، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے۔ صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جاکر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روائی جاننا۔ نیز زیارت روضہ رسول اللہ ﷺ کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخطر والاباحۃ صفحہ ۵۹ میں ہے:

"زیارت بزرگان کے لئے سفر کرکے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض ناجائز دونوں اہل سنت کے علماء ہیں۔ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔ رشید احمد عفی عنہ"

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرماسکتے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو، اس لئے کہ ہم عرض کرچکے سفر کی حلت و حرمت اس کے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر، اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقاً ہے۔ الا فزوروھا تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ نیز دینی و دنیاوی کاروبار کے لئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟

مولوی عبد الہادی صاحب شاہ منصوری جو کہ صوبہ خیبر پختون خواہ کے علماء دیوبند کے استاد کل ہیں، انہوں نے تسہیل المشکوۃ میں لکھا ہے: "حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روضۂ کے لئے سفر کرنا اسی طرح اولیاء، علماء کے لئے ہمارے نزدیک بلکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے:

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا۔

پھر لکھتے ہیں:

وهذا مطلقٌ يجري على اطلاقه۔[1552]

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

"طلب علم تجارت نیک لوگوں ، اور متبرک مقامات کی زیارت کے لئے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ نیز لکھا ہے کہ قاضی ابن کج نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے"۔[1553]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے، اور یہ تکفیر صحت اور ثواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو، اس کو حرام کہنا بھی کفر ہے۔ تو جس کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اس کو حرام کہنا بہ طریقۂ اولیٰ کفر ہو گا۔[1554]

مولوی انور شاہ کشمیری "اکفار الملحدين فی ضروريات الدين" میں لکھتے ہیں:

فقديكون استحباب شيء او اباحته ضروريًا يكفر جاحده۔[1555]

[1552] (تسهيل المشكوة ص ۱۵)

[1553] (عمدة القاری ج ۷ ص ۲۵۴، مطبوعه ادارة الطباعة المنيريه، مصر ۱۳۴۸ھ)

[1554] (شرح شفاء ج ۳ ص ۱۶۱، ۱۶۰، بحواله تبيان القرآن (علامه غلام رسول سعيدی) ج ۲ ص ۲۶۳)

[1555] ("اكفار الملحدين فی ضروريات الدين" ص ۳)

مولوی محمد ادریس میرٹھی، استاذِ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، مترجم "اکفار الملحدین" لکھتے ہیں:

"مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخلِ ایمان ہے۔ اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجبِ کفر ہے۔ مثلاً مسواک کرنا تو مستحب ہے مگر اس کے مستحب ہونے پر ایمان لانا فرض ہے۔ جو شخص مسواک کے مستحب ہونے سے انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے۔"[1556]

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا:

واستقباح ماجعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔

یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[1557]

فصل دربیان تقلید
تقلید کے بیان میں

بعض علماء تقلید اور مذاہب سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن پاک، احادیث مبارک سے ثابت ہے۔

"مذہب" اصطلاحاً کہتے ہیں احکام شرعیہ کو متفقہ ہوں یا راجحہ اجتہادیہ جو ایک خاص امام نے ادلہ ظنیہ سے مستفاد کیا ہو۔ احکام متفقہ کو جزء مذہب کرنے کے واسطے کسی قول یا عبارت کو نقل کرنا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا علماء اسلام نے مذہب تعریفی عبارات میں ان کی طرف توجہ نہیں کی ہے کیونکہ اگر ان (احکام متفقہ) کو مذہب کا جزء قرار نہ دیا گیا تو مذہب کا اہم جزء گرا کرنا قص سمجھا جائیگا۔

اس لئے علماء امناء الشریعۃ نے فرمایا۔

[1556] (ترجمہ اکفار الملحدین، ص ٦٤)
[1557] (حاشیہ بیضاوی ص ٤٨)

"المذهب لغةً موضع الذهاب فحاصله الطريق۔ ثم نقل منه الى الاحكام الشرعية الاجتهادية التى هى طرائق المجتهدين يمرون عليها باقدام عقولهم الراجحة لتحصيل الظن بها۔ واما معناه فى العرف فهو ما اختص به المجتهد من الاحكام الشرعية الفرعية الاجتهادية المستفادة من الادلة الظنية وهٰذا اشتمل مذاهب جميع المجتهدين۔ والتعريف الخاص لمذهب امامنا هو ما اختص به من تلک الاحکام اه"۔

یعنی مذہب لغۃً میں جانے کی جگہ یعنی اس سے مراد راستہ ہے۔ پھر یہ احکام شرعیہ اجتہادیہ کی طرف منقول ہوا جن پر مجتہدوں کی عقلیں چلتی ہیں ایسے احکام جو راجحہ ہوں جن کو مجتہدوں کی ظن نے حاصل کیا ہو۔ اور عرفِ شرع میں مذہب کا معنی وہی احکام شرعیہ فرعیہ اجتہادیہ ہیں جن کو آئمہ اربعہ نے دلائل ظنیہ سے حاصل کیا ہو یہ تمام مذاہب کو شامل ہے اور ہمارے امام اعظم کے مذہب کی خاص تعریف وہی احکام (مذکورہ) ہیں جو امام مذکور کے ساتھ خاص ہوں۔[1558]

المذهب الصحيح المفتى به الذى مشت عليه اصحاب المتون الموضوعة لنقل الصحيح من المذهب اه۔

یعنی مفتٰی بہ صحیح مذہب وہ ہے کہ جس پر متون کے مصنفین گئے ہیں جو مذہب سے صحیح قول نقل کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔[1559]

"المذهب ما فى المتون لانه ظاهر الرواية"۔

مذہب وہ مسائل ہیں جو متون میں مذکور ہیں اس لئے کہ وہ ظاہر الروایۃ ہے۔[1560]

"ولانها صارت متواترةً۔اه"۔

متون کے علماء نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ مذہب میں سے جو صحیح قول ہو۔ ذکر کرینگے[1561]

[1558] (حموی الاشباہ: ص: ۱۲)
[1559] (رسالہ رسم المفتی ابن عابدین: ص: ۳۶، ص: ۴۰)
[1560] (بحر ج ۱ ص ۲۸۴ ثم شامی ص ۲۷۲، ۲۷۱، ص ۳۷)
[1561] (شامی ج ۱ ص ۴۹، رسم المفتی)

حاصل: اقوال راجحہ مذہب کے جزء باتفاق المذاہب واجب الاتباع ہیں۔

تنبیہ: ایسا ہی اصول عقائد میں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب صرف وہی عقائد شرعیہ اصلیہ ہیں جو تمام فِرق اسلامیہ کی متفقہ ہو یا عقائد اختلافیہ میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ کے متقررہ مسائل ہوں۔ ان عقائدِ مذہب کا مخالف یا تو کافر ہے (مشرک ہو یا نہ ہو) اور یا مبتدع وضال ہے۔ جن سے احتراز ضروری ہے تا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کو جو حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ میں منحصر ہیں گمراہ نہ کریں جیسا کہ وہابیہ کی عادۃ شنیعہ ہے۔

مذہب کی تقلید فرض ہے

مذہب کی تقلید کے فرض ہونے پر دلائل قرآن وحدیث اور اجماعِ امۃ محمدیہ سے ہیں۔

(۱) کقولہ تعالٰی: وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿النساء ۸۳﴾

اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف یا ذی اختیار لوگوں کی طرف جو ان میں سے ہیں لوٹاتے تو ضرور جان لیتے اس کی حقیقت اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالٰی کا اور رحمت تم پر تو ضرور متبع شیطان کے ہو جاتے مگر تھوڑے۔

وجہ الاستدلال: امر اللہ تعالی الجاهلين باطاعة العلماء وامر العلماء باطاعة المجتهدين رحمهم اللہ تعالی۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے علم لوگوں کو امر کیا ہے کہ علما کی تابعداری کریں۔ اور علماء کو امر فرمایا کہ مجتہدوں کی تقلید کریں۔[1562]

حضرات: افسوس ہے کہ مشکوٰۃ شریف کے لفظی معنیٰ جاننے والے آج کل اجتہاد کے مرتبہ پر ڈاکہ ڈال کر غصب کرتے ہوئے حدیث "یلعن آخر ھٰذہ الامة اولھا" کا مصداق بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ!)

(۲) وقوله تعالى: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿توبة ۱۲۲﴾

اور نہیں مؤمنین پر یہ کہ نکلیں سب کے سب تو کیوں نہ ہوا یہ کہ نکلتا ہر ایک سے ایک فرقہ تاکہ سمجھ اور تفقہ حاصل کرتا دین میں اور ڈراتا اپنی قوم کو جب لوٹ کر واپس آتا تاکہ وہ (برے کاموں سے) بچتے۔"

وجہ الاستدلال: انھم ذکروا فی الآیة توجیھین وعلیھما فاللہ تعالی اوجب علی المنذَر (اسم مفعول) تقلید المنذِر (اسم فاعل) اھ۔[1563]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ مفسرین نے اس آیت کی دو توجیہ بیان فرمائی ہیں۔ جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ڈرائے ہوئی قوم کو ڈرانے والی قوم کی تقلید کو ضروری فرمایا۔

(۳) وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿لقمان ۱۵﴾

[1562] (تفسیر احمدی، مدارک، خازن، معالم التنزیل وغیرھا)

[1563] (ملخص تفسیر احمدی: ص: ۲۸۲)

اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں۔ تو ان کا کہنا نہ مان اور انکا ساتھ دے دنیا میں اچھی طرح اور اس کی راہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع لایا۔"

وجہ الاستدلال: ان اللّٰہ تعالی امر باتباع العلماء و الصلحاء۔ اھ۔[1564]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ باری اقدس نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے علماء مجتہدین اور صلحاء کی تابعداری پر امر فرمایا ہے۔

حضرات! جو لوگ تقلید کو حرام اور بدعت اور شرک جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں وہ لوگ قرآن وحدیث کے صحیح مقصد سے ناواقف ہیں۔ اپنی خواہش نفسانی کے پیرو ہو کر قرآن وحدیث کو برائے نام وناموس مقتدیٰ بتاتے ہیں۔

(۴) وقولہ تعالٰی: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿النحل ۴۳﴾

اور نہیں بھیجے ہم نے تم سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو پوچھ لو اہلِ ذکر سے اگر تم خود نہیں جانتے۔"

وجہ الاستدلال: الاخذ بقول الفقیہ ھو المرجع الواجب علی من لم یعلم وھو التقلید اھ۔[1565]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جن لوگوں میں اجتہاد مطلق کی علمی لیاقت نہ ہو تو ان پر مجتہد مطلق کی تقلید کرنے کا فریضہ ضرور عائد ہو جاتا ہے۔ اور یہی تقلید ہے۔

فان قیل: ھٰذہ الآیۃ نزلت فی علماء اھل الکتاب (فقط) فلا یصح الاستدلال بھا۔

[1564](تبصیر الرحمٰن: ج:۲: ص: ۱۴۵، خازن: ج:۳: ص: ۴۴۰ بالمعنی ملخصا)

[1565](عنایہ ثم چلپی فصل البیر: ص: ۱۵، اتحاف المرید وحاشیۃ الامر: ص: ۱۱۵، فتح المبین لابن حجر: ص: ۲۸۴، ۵۰۶)

اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے رھبان اور احبار کے بارے میں نازل ہوئی۔اس سے علمائے اسلام کیلئے استدلال صحیح نہیں ہے۔

قلنا:اولًا انھا نزلت فی علماء الاسلام اھ۔[1566]

ثانیاً انھا نزلت فی اھل الشرف من علماء الامم اھ۔[1567]

فشملت علماء الاسلام۔

ہم جواب دینگے کہ یہ آیت علمائے اسلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔(خازن)دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت علماء میں سے مشرف (صاحب شرافت) لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔(تبصیر)تو یہ تمام علمائے اسلام کو شامل ہے۔

وثالثًا ان العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب اھ۔[1568]

فاوجب اللہ تعالی علی کل واحد من المجتھد فی المذھب والمجتھد فی المسئلۃ وغیرھما تقلید المجتھد المطلق لعلمہ بما لا یعلمونہ اھ۔[1569]

تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے لفظ کا عموم معتبر ہے۔شانِ نزول کی کسی خصوصیت کا اعتبار نہیں۔(اسلئے قرآن عظیم کے جوامع الکلم ہونے کو تمام فِرقِ اسلامیہ مانتے ہیں)پس اللہ تعالیٰ نے مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی المسئلہ وغیرھا پر مجتہد مطلق کی تقلید فرض فرمایا کیونکہ وہ جانتا ہے اجتہاد مطلق کی وجہ سے ان معلومات کو کہ جن کو باقی لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

[1566](خازن:ج:۳:ص:۲۵۴)،

[1567](تبصیر الرحمٰن:ج:۲:ص:۲۸)

[1568](مدارک:سورہ الفجر:ج:۴:ص:۳۷۹واحمدی فاتحہ:ص:۲۶)

[1569](بالمفھوم تحریر الاصول وشرحہ وشرح عقود رسم المفتی:ص:۳۰،مسلم الثبوت وغیرھا)

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب اس پُر فتن دَور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ ان کی علمی لیاقت کچھ بھی نہیں۔ اور غلط دعویٰ کے لحاظ سے امام اعظم سے اپنے آپ کو بڑھ کر تصور کرتے ہوئے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

۱۔روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ قالا خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجہ فی رأسہ فاحتلم۔ فسأل اصحابہ ھل تجدون لی رخصۃ فی التیمم۔ قالوا ما نجدک رخصۃ و انت نقدر علی الماء۔ فاغتسل فمات۔ فلما قدمنا علی النبی ﷺ فاخبر بذلک فقال قتلوہ قتلھم اللہ تعالی الا سألوا اذ لم یعلموا افانما شفاء العی السوال۔ [1570]

حضرات ابن عباس و جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ سفر میں نکلے۔ ہم میں سے ایک شخص کا سر زخمی ہوا اور احتلام بھی ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تیمم کرنے کی اجازت ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کو رخصت نہیں کیونکہ آپ پانی پر قدرت رکھتے ہیں۔ پس اس نے غسل کیا اور انتقال ہو گیا جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو انہوں نے قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو قتل کر دے۔ جب خود نہیں جانتے تو پوچھتے کیوں نہیں؟ بیشک جہالت کا علاج سوال (پوچھنا) ہے۔

حضرات محترم: انصاف فرمایئے۔ آپ ﷺ کی حدیث میں چار جملے ہیں:

۱-قتلوہ ۲-قتلھم اللہ, ۳-الا سألوا, ۴-فانما شفاء العی السوال۔ کہ مجتہد مطلق مستقل کی تقلید کرنا اہم ضروری فرض ہے۔ جس کے بغیر گنہگار ہو کر اللہ تعالی اور حضور ﷺ کے مخالف ہو گیا۔ (وہابیہ حضرات اپنی جان کی فکر کریں!)۔

[1570] (رواہ ابو داؤد ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب التیمم: ص:۴۷)

۲۔ وروی عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ لما بعثہ الی الیمن قاضیا قال کیف تقضی قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فیہ قال فبسنۃ رسول اللہ ﷺ قال فان لم تجد فیہ قال اجتہد برائی و لا آلو۔ قال فضرب رسول اللہ ﷺ علی صدری و قال الحمد للہ الذی وفق رسول رسولہ ﷺ لما یرضی بہ رسولہ ﷺ۔[1571]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ تو فرمایا کہ آپ فیصلہ کیسے کرینگے تو میں نے کہا کہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کی کتاب پر فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں اگر فیصلہ (حکم) نہ پائے تو حضرت معاذ ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول ﷺ میں حکم موجود نہ ہو تو حضرت معاذ نے فرمایا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرونگا۔ پس آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور فرمایا کہ حمد ثابت ہے اس ذات کیلئے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کے رسول (قاضی) کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول ﷺ راضی ہے۔[1572]

اس حدیث میں اجتہاد اور تقلید صریح موجود ہے۔ وہابیہ کا توجہ کرنا ضروری ہے۔

۳۔ روی عن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی بعدی فاوحی الیَّ یا محمد ﷺ ان اصحابک عندی بمنزلۃ النجوم فی السماء بعضھم اقوی من بعض و لکل نور۔ فمن اخذ بشیٔ سماھم علیہ من اختلافھم فھو عندی علی ھدًی۔ قال قال رسول اللہ ﷺ اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

[1571] (رواہ الترمذی، ابو داؤد، الدارمی اہ، مشکوۃ باب العمل فی القضاء: ص: ۳۱۶)

[1572] (رواہ الترمذی، ابو داؤد، الدارمی اہ، مشکوۃ باب العمل فی القضاء: ص: ۳۱۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اپنے صحابہ کے میرے بعد اختلاف کرنے کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ آپ ﷺ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں اور بعض بعض سے قوی ہیں۔ اور ہر ایک کیلئے نور ہے۔ پس جس نے بھی ان اصحاب کے اختلاف میں کوئی چیز (یعنی کسی بھی طریقے پر عمل کیا) تو وہ میرے نزدیک صاحب ہدایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں پس جس کی بھی تم اقتداء کروگے ہدایت پاؤگے۔

عزیزانِ گرامی: مندرجہ بالا حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوئیں ۔ (۱) اجتہاد شرع ہے۔ (۲) مقلد ہدایت یافتہ ہے۔ (۳) صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے حسن اور اچھا فرمایا ہے۔ اور ہدایت بنایا ہے۔ اور حضور ﷺ نے اسی اختلاف کو ہدایت قرار دیکر تقلید کا نجات فرمایا۔ آئمہ اربعہ کے اختلاف کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف پر یقیناً مبنی ہے صحیح اور رحمت ماننا ضروری ہے۔

صرف چار مذاہب کی تقلید کی فرضیت اجماعِ امت سے بخوبی ظاہر اور صریح ہے

۱ -انه وقع الاجماع علی ان الاتباع ای التقلید انما یجوز للآئمة الاربعة رضی الله عنهم۔ فلا یجوز الاتباع لمن حدث مجتهدا مخالفًا لهم اھ۔[1573]

اُمّتِ مرحومہ نے آئمہ اربعہ کی تقلید پر اجماع فرمایا ہے۔ اور جو شخص ان آئمہ اربعہ کی مخالفت کرے تو ان کی تقلید ضروری بلکہ جائز بھی نہیں۔

[1573] (تفسیر احمدی، اشباہ، تحریر الاصول لابن الهمام، مسلم الثبوت لمحب الله بهاری، نهایة المراد شرح مقدمه ابن الغماد، فتح المبین شرح الاربعین لابن حجر، شرح سفر السعادة لعبد الحق الدهلوی، الفتوحات الوهبیة لابراهیم المالکی، رسائل ابن عابدین شامی: ج:اول قبیل رسم المفتی، نور الهدی من شرح جامع الصغیر، اذکار النووی ثم فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین: ص:۲۶۴، اتحاف المرید شرح جوهرة التوحید، شرح جمع الجوامع للسیوطی، شرح الاربعین للنووی من امام الحرمین، عین العلم للقاری، میزان الکبرٰی للشعرانی، طحطاوی، حجة الله البالغة لولیالله الدهلوی)

۲-الاجماع قد حصل علی حقیقة المذاهب الاربعة وتخلف ذٰلک فیما سواها وان الامة جمیعها قد تلقت المذاهب الاربعة بالقبول ولم یحصل ذٰلک لغیرها اھ۔ (مزید وتجنیس علی مافی فتوی الحرمین الشریفین، عقدالجید لولی اللہ الدهلوی، عمدة المرید، خیرات الحسان الکفایة، تقریر شرح التحریر، شرح سفر السعادة، صراط مستقیم، میزان الکبرٰی وغیرها)

امۃ مرحومہ کا اجماع چاروں مذاہب کے حق ہونے پر ہے۔ اور باقی مذاہب حق سے جدا ہیں۔ اور ساری امت نے چاروں مذاہب کو قبول کیا۔ یہ قبولیت کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔

۳-الاجماع قدانعقدعلی عدم العمل بمذهب محدث بعدالآئمةالاربعةاھ۔[1574]

امۃ مرحومہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آئمہ اربعہ کے بعد کسی نئے مذہب پر عمل نہ کریں حضرات وہابیہ، نیچریہ، قادیانیہ وغیر ھم کے مذاہب پر عمل کرنا اجماعًا حرام ہے۔

۴-فقد انعقد الاجماع المرکب علی بطلان قول یخالف کلهم وقد قال اللہ تعالی وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿النساء ۱۱۵﴾[1575]

مذاہب اربعہ کے مخالف قول کے باطل ہونے پر اجماع مرکب ہے۔ (اجماع کی مثبت دلیل) اور جو خلاف کرے رسول کا بعد اس کے کہ حق کھل گیا اور پیروی کرے مؤمنین کی راہ سے جدا تو ہم اسے اسی گمراہی پر چھوڑ دیں گے اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

قارئین حضرات: حاصلِ کلام یہ ہے کہ اجماع مسلمانوں کا راستہ ہے اس پر جانا واجب ہے اور مخالفت حرام ہے۔

[1574] (تحریر ابن الهمام ثم الاشباہ فن اول، قاعدہ اولی، ثم فتوی الحرمین: ص:۱۵، جواب الحرمین: ص:۴۲)

[1575] (تفسیر مظهری ثم عقدالجید: ص:۱۱)

۵-و الانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعة و اتباعهم فضل الهی و قبولیة من عنداللّٰہ تعالی۔ لا مجال فیه۔ (ای لا ضرورة فیه) (للتوجیهات و الادلة۔ تفسیر احمدی: ص:۵۲۷)
قول بسبب هٰذا الفضل الالهی و القبولیة انعقد الاجماع المذکور فظهر ان خلاف التقلید خلاف الفضل الالٰهی و خلاف القبولیة من عنداللّٰہ تعالی۔

انصاف یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہونا اور ان کی تقلید کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل اور قبولیت ہے۔ اس کی توجیہات اور دلائل کی ضرورت نہیں۔ مگر وہابیہ ہمیں مجبور کرتے ہیں اس لئے قرآن وحدیث اور اجماع سے دلائل ذکر کرنا پڑتا ہے۔ وہابیہ نے مذہب سے انکار کرتے ہوئے اصل میں قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے انکار کیا۔ (اعاذنا اللّٰہ تعالی منه)

حضراتِ محترم: آپ انصاف فرمایئے کہ جب قرآن وحدیث منیف اور اجماعِ امت چار مذاہب کی تقلید ضروری بتا کر ان کی مخالفت کی تقلید کو حرام اور ناجائز فرماتے ہیں تو پھر اس سے غفلت اور خلاف کرنا کیسا ہے؟ آپ خود اندازہ لگایئے۔

مذہب کے فوائد اور اس کی مخالفت میں نقائص

مذہب کے فوائد کثیرہ ہیں اور اس کے بالمقابل مخالفتِ مذہب میں نقصان ہے۔

(۱) قال ولی اللّٰه الدهلوی اعلم ان الاخذ بهٰذه المذاهب الاربعة فیه مصلحة عظیمة وفی الاعراض عنها مفسدة عظیمة۔

(عقد الجید) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ چاروں مذہبوں پر عمل کرنے میں بہت فوائد ہیں۔ اور مخالفتِ مذاہب اربعہ میں بہت فساد ہے۔

(۲) هٰذه المذاهب الاربعة المدوّنة المحررة قد اجمعت الامة علی جواز تقلیدها الی یومنا هٰذا۔ وفی ذٰلک من المصالح ما لا یخفی۔ لا سیما فی هٰذه الایام التی قصرت الهمم جدا۔ و اشربت النفوس الهویٰ و اعجب کل ذی رأی برأیه۔

مروّج اور مدوّن چار مذاہب کی تقلید کے جواز پر امت کا اجماع ہوا ہے۔ جو آج تک منعقد ہے۔ اور اس میں وہ عظیم مصلحتیں ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ خاص کر یہ زمانہ کہ اس میں لوگوں کی ہمتیں کم پڑ گئی ہیں۔ اور نفوس خواہشات نفسانی کے تابع ہو گئے۔ اور ہر آدمی اپنی رائے کو پسند کرتا ہے۔[1576]

(۳) قال الامام الشعرانی نقلا عن سیدی علی الخواص رحمه الله تعالی و جب علیک التقلید بمذهب واحد خوفا من الوقوع فی الضلال أه۔

"امام شعرانی اپنے مرشد حضرت علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مذہب کی تقلید تم پر واجب ہے۔ تاکہ گمراہی میں گر نہ جائیں۔"[1577]

تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ تقلید کرنے میں: (۱) قرآن کی اتباع ہے۔ (۲) حدیث صحیح کی اتباع ہے۔ (۳) اجماع امت کا اتباع ہے۔ (۴) فضلِ الٰہی اور قبولیتِ خداوندی کی تسلیم ہے۔ (۵) قاصر ہمّت مکلفوں کو فارغ کرنا ہے۔ (۶) خواہشاتِ نفسانی (اعدی عدوک ما بین جنبیک) سے بچنا ہے۔ (۷) اپنی رائے کو پسند کرنا (جو فتن میں سے ہے) سے محفوظ ہو جانا ہے۔ (۸) گمراہی سے بچنا یعنی گمراہی سے پاک وصاف رہو گے۔

یہ آٹھ امور مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہو گئے (۹) اپنی دینی امانت میں خیانت کرنے سے مامون ہو نگے۔ بمصداق " إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿الاحزاب ۷۲﴾

(۱۰) اپنے مشغول ذمہ کو بذریعہ تقلید پاک وصاف کرو گے۔

[1576] (حجۃ اللہ البالغة)

[1577] (میزان الصغریٰ)

(۴) لایجوز تقلید غیر الآئمة الاربعة ابی حنیفه، مالک، الشافعی، واحمد بن حنبل لان ھٰولاء عرفت مذاھبھم واستقرت احکامھم وخدمھا تابعوھم وحرروھا فرعا فرعا وانطبقت بالنصوص وجمعوا المسائل فی الفصول وفصلت مجملاتھا واوضحوا طرق النظر ودونوا االمذاھب بالنقل المتواتر شرقاوغربا، شمالاوجنوبا۔ بخلاف مذاھب غیرھم فی جمیع ذٰلک۔[1578]

آئمہ اربعہ کے سواء کسی کی تقلید جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے مذاہب معروف اور احکام مقرر ہیں ۔ اور ان کے تابعین نے ان کی خدمت کی ہے۔ اور الگ الگ مسائل صاف بیان کر کے اپنی اپنی فصل میں جمع کیا ہے۔ اور دلائل کے مطابق کر دیا۔ مجملات کو واضح وظاہر کر کے نظر کے طریقوں کو صاف بتایا۔ اور تمام دنیا میں مذاہب کو نقل متواتر سے مروّج کیا۔ اور باقی علماء کے مذاہب اس مقام کے نہیں۔

انہی مذاہب کی تقلید عین شریعت ہے اس کے علاوہ شریعت سے خلاف ہے۔

حضرات:

اول: اس فوائد عشرہ کے علاوہ اور فوائد بھی ہیں اسی پر اکتفا ہوا۔

دوم: ہر فائدہ کے مقابل نقصان ہے۔

دیکھئے تقلید کو شرک کہنے میں: (۱) قرآن کی مخالفت۔ (۲) حدیث کی مخالفت۔ (۳) اجماع کی مخالفت۔ (۴) فضلِ الٰہی کی مخالفت۔ (۵) قاصر مکلّف کا ذمہ مشغول رہنا۔ (۶) ہوائے نفسانی میں گرنا۔ (۷) گمراہ ہونا۔ (۸) امانتِ اسلامی میں خیانت کرنا۔ (۹) غیر منضبط تقلید سے پلید ہونا۔

[1578] (الفتح المبین لابن حجر: ص:۵۰۵، فتوی الحرمین: ص:۱۵، مزیل الشبہات: ص:۱۳، تحریر الاصول لابن الھمام ثم فتوی الحرمین: ص:۱۵، نظام الاسلام، فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین: ص:۴۰۷، اطایب الصیب: ص:۴۱۰)

مذہب اسلام عقائد اور فروع کا نام ہے

مذہب اسلام وہی عقائد و فروع ہے جو قرآن شریف، احادیث، اجماع اور قیاس یعنی اجتہاد سے ثابت ہوا ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے۔

(۱)ادلۃالشرع اربعۃ۔الکتاب والسنۃ واجماع الامۃ والقیاس الشرعی اھ۔

شرع کے دلائل چار ہیں: قرآن شریف، حدیث، امۃ مرحومہ کا اجماع اور شرعی قیاس یعنی اجتہاد۔[1579]

حضرات: ان چاروں کے دلائل قرآن وحدیث میں بہت زیادہ ہیں اختصاراً بطورِ مشت نمونہ خروار بیان کرتا ہوں۔

(۱)کقولہ تعالی: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴿النساء ۵۹﴾اھ۔ای اولی العلم منکم۔

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی (قرآن کی) اور رسول اللہ ا کی (سنت کی)۔ اور تابعداری کرو صاحب امر یعنی علماء (مجتہدین کی)۔"[1580]

(۲) کقولہ تعالی:وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿النساء ۱۱۵﴾

اور جو خلاف کریں رسول کا بعد اس کے کہ حق کھل گیا اور پیروی کرے مؤمنین کی راہ سے جدا تو ہم اسے اسی گمراہی پر چھوڑ دیں گے اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

[1579] (کتب اصول الفقہ)

[1580] (پارہ:۵:سورہ:نساء:رکوع:۸۔احمدی، خازن، مدارک، معالم وغیرہ)

مسلمانوں کا راستہ اجماع ہے۔ جس کی مخالفت حرام اور موجب جہنم ہے۔ اس لئے اس کی تابعداری ضروری ہے۔ مگر وہابیہ کے اکابر ابن تیمیہ وغیرہ قرآن کے صحیح مفہوم سے ناواقف ہیں اس لئے اجماع اور قیاس سے انکار کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالی)

"الفرقة الناجية اهل السنة و الجماعة قد انحصرت في المذاهب الاربعة لان الشريعة المتواترة من هٰذه المذاهب ما وجدت في الدنيا و لان الاصول و الفروع في غيرها لم تنضبط فلامحالة انحصرت الشريعة في المذاهب الاربعة المتواترة۔ فمن كان خارجا من هٰذه المذاهب الاربعة في هٰذا الزمان فهو اهل البدعة و النار و متبع الشيطان اه"۔[1581]

فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے جو چار مذاہب میں منحصر ہے۔ کیونکہ مذاہب اربعہ کے علاوہ دنیا میں شریعت متواترہ موجود نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ چاروں مذاہب کے بغیر کسی مذہب کے اصول وفروع منضبط نہیں ہیں۔ تو مجبورًا مذاہب اربعہ متواترہ میں شریعت منحصر ہو گی تو جو شخص اس زمانے میں مذاہب اربعہ سے باہر ہو وہ مبتدع اور جہنمی ہے اور شیطان کا تابع ہے۔

میں کہتا ہوں غالبًا آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ مذہبِ اسلام وہی عقائد و فروع کا نام ہے جو قرآن شریف اور حدیث اور اجماع اور قیاسِ شرعی سے بذریعہ صحیح اجتہاد ثابت کیا گیا ہو۔ جو آج تک صرف چار مذاہب میں موجود ہے۔

اور اگر نفوس قاصر العلم و الهمت، مخلوط الهوى معجب برائها اهل شر القرون کی رائے سے قرآن وحدیث کے مطالب معلوم کرنا بفرضِ محال درست تسلیم کرنا فرض کروں تو ضروری ہے بلکہ لازم اشد ہو گا کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفصیلًا حدیث تیسیر: ص:۴۲ آنے والی ہے۔ باوجود صحبتِ نبوۃ اور اہل اللسان اور خیر القرون ہونے کے ان کا اس آیۃ

[1581] (الفتح المبين:ص:۵۰۵، اطايب الصيب:ص:۱۰، فتوى الحرمين:ص:۱۵، مزيل الشبهات:ص:۱۳، الفتوحات الوهبية لابراهيم المالكى، اتحاف المريد، ميزان الكبرىٰ، نهاية المراد وغيرها)

"وَ كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ" کا ترجمہ اور مطلب لینا درست تسلیم ہوتا مگر حضور ﷺ نے ممنوع قرار دے دیا۔ پس چہ جائیکہ وہابی کی رائے سے ترجمہ اور مطلب لینا۔

اور مجاہدین اصحابِ رسول اللہ ﷺ جن کی حدیث حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم مفصل آنے والی ہے۔ باوجود صحبتِ نبوۃ، اہل اللسان العربی اور خیر القرون ہونے کے ان کا ترجمہ اور مطلب لینا اس آیۃ "وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿النساء ۴۳﴾ سے وہابیہ کے خیال کے مطابق درست تسلیم کرنا ضروری تھا مگر حضور اقدس ﷺ نے سب کچھ ممنوع قرار دیا ہے۔ بلکہ تقلید کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ افسوس مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ دیکھنے سے تمہاری حالت کیوں بدلی۔

ببین تفاوت راہ از کجا است تا بکجا۔

چاروں میں مذاہب کا حصر ضروری ہے اور اس کے علاوہ دیگر مذاہب بدعت سیئہ ہیں

أَنَّهُ سَمِعَ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيَّ، يَقُولُ: أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ: لِتَنَمْ عَيْنُكَ، وَلْتَسْمَعْ أُذُنُكَ، وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ، قَالَ: فَنَامَتْ عَيْنَايَ، وَسَمِعَتْ أُذُنَايَ، وَعَقَلَ قَلْبِي قَالَ: فَقِيلَ لِي: سَيِّدٌ بَنَى دَارًا، فَصَنَعَ مَأْدُبَةً، وَأَرْسَلَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ، دَخَلَ الدَّارَ، وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ، لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ، وَلَمْ يَطْعَمْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ، قَالَ: " فَاللَّهُ: السَّيِّدُ، وَمُحَمَّدٌ: الدَّاعِي، وَالدَّارُ: الْإِسْلَامُ، وَالْمَأْدُبَةُ: الْجَنَّةُ"۔

حضرت ربیعہ الجرشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس فرشتے آئے پس آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ کی آنکھ سو جائے اور آپ ﷺ کے کان سن لیا کریں۔ اور

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دل سمجھ لیا کریں۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرے کان سنتے ہیں اور میرا دل جانتا ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہا گیا کہ سردار نے ایک گھر بنایا جس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو ارسال کیا پس جس نے دعوت دینے والے کی بات مان لی اور گھر میں داخل ہو کر اس طعام سے کچھ کھایا تو سردار راضی ہوا۔ اور جس نے داعی کی بات نہ مانی اور گھر میں داخل نہ ہوا اور کچھ نہ کھایا تو سردار ناراض ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سید (سردار) ہے اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم داعی ہیں اور اسلام گھر ہے اور جنت (کی نعمتیں) کھانا ہیں۔[1582]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ حدیث میں اسلام کو بلفظ دار چار جملوں میں تعبیر کیا ہے اور دار غالباً چار دیواروں سے محفوظ و محدود ہوتا رہتا ہے۔ تو ایسا ہی اسلام چاروں مذاہب سے محفوظ و محدود ہے۔ یہ فضلِ خداوندی ہے یہ حجۃ اقتناعیہ ہے۔

(۲) وقد انحصرت بشارة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعلم الائمة الاربعة من العلماء منهم دون غيرهم۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے چاروں اماموں کے متعلق خصوصاً اپنی امت کو علمی بشارت دی ہے۔

(۱) روی البخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ و الشیرازی و الطبرانی عن قیس بن سعد بن عبادة و الطبرانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنهم ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لو كان العلم بالثريا لتناوله رجال من ابناء فارس اھ۔ و اللفظ للبخاری قال الحافظ المحقق الجلال السیوطی هٰذا اصل صحیح یعتمد علیه فی البشارة بابی حنیفة رضی اللہ تعالی عنه وهو الظاهر بلاشک لانه لم یبلغ فی العلم مبلغه و لا مبلغ اصحابه احد من ابناء فارس اھ۔

[1582] (رواه الدارمی مشکوٰۃ باب الاعتصام ص ۲۹)

ترجمہ: ”آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا تک بھی پہنچ جائے تو ضرور فارس کے لوگوں میں سے چند اشخاص اس کو پالیں گے۔(بعض روایات میں رجال (چند اشخاص) کی جگہ رجل (ایک آدمی) بھی مروی ہے)۔“[1583]

امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بشارۃ میں صحیح اور مضبوط دلیل ظاہر ہے۔کیونکہ اہلِ فارس میں کوئی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ یا ان کے شاگردوں کے علم کے برابر نہیں ہے۔

(۲) ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلایجدون اعلم من عالم المدینۃ اھ۔قال العلماء عالم المدینۃ مالک رحمہ اللہ تعالی۔

”آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب لوگ اونٹوں کے جگر مار کر علم حاصل کرینگے لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں ملے گا۔“[1584]

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

(۳) ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لاتسبوا قریشا فان عالمھا یملأ الارض علمًا اھ۔ھو حدیث حسن لہ طرق کثیرۃ وزعم بعضھم وضعہ وزیغوہ وشنعوا علی زاعمہ ومخترعہ۔قال العلماء عالم قریش الشافعی۔[1585]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریش کو گالی نہ دیں اسلئے کہ قریش کا عالم ساری زمین کو علم سے بھر دیگا۔یہ حدیث بہت طریقوں کی وجہ سے حسن ہے۔موضوع ہونے کا خیال غلط ہے۔

علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریش کے عالم صرف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

[1583] (ملخصا،الخیرات الحسان:ص:۱۴،۱۳،علامہ شامی:ج:۱:۳۷،شرح المواھب)
[1584] (الخیرات الحسان:ص:۱۴)
[1585] (الخیرات الحسان:ص:۱۴)

(۴) ان الامام الشافعی لما کان فی المصر رأی فی المنام سید المرسلین ﷺ یقول له بشِّرْ احمد بن حنبل رحمه الله تعالی بالجنة علی بلوًی تصیبه فانه یدعی الی القول بخلق القرآن فلا یجیب لذٰلک بل یقول هو منزَّل غیر مخلوق۔ فلما اصبح الشافعی کتب ما راٰه فی المنام وارسله مع الربیع الی احمد بن حنبل فی بغداد۔ فلما دخل علیه قال هٰذا کتاب اخیک الشافعی ففتحه وقرأه وبکی وقال ماشاء الله ولا قوة الا بالله ثم اخبره بما فیه اھ۔

ترجمہ: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ جب مصر میں تھے تو آپ نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل کو جنت کی بشارت دو۔ کیونکہ اس کو یہ مصیبت پہنچے گی کہ اسے قرآن کو مخلوق کہنے کیلئے دعوت دی جائے گی اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا انکار کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ نہیں بلکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔ جو مخلوق نہیں۔ پس امام شافعی رحمہ اللہ نے خواب کا واقعہ لکھ کر حضرت ربیع کے ہاتھ حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ارسال فرمایا۔ حضرت امام احمد پڑھ کر رونے لگے اور ماشآءاللہ لا قوۃ الا باللّٰہ پڑھ کر اس کی حضرت ربیع کو خبر دی۔[1586]

واما الائمة الوهابیة ابن تیمیه وابن قیم وابن حزم ومحمد بن عبد الوهاب فلم یوجد البشارة فی حقهم منه علیه الصلوٰة والسلام بل شَنَّعَ علیهم غایة التشنیع فی الاحادیث الصحیحة منها! روی البخاری عن ابن عمر رضی الله عنهما فی حدیث البرکة قوله ﷺ هناک الزلازل والفتن وبها یطلع قرن الشیطان اھ۔

مگر وہابیہ کے اکابر ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن حزم اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حق میں کوئی بشارۃ نہیں۔ بلکہ بہت سی احادیث میں ان کی برائی بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہے کہ امام

[1586](حیوۃالحیوان ج ا ص ۶۸)

بخاری حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہونگے۔ اور وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا۔

تو محمد بن عبد الوہاب نجدی جو متبعِ ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن حزم ہے اس نے اپنی کتاب "کتاب التوحید" وغیرہ میں ان کے اقوال بطورِ دلیل پیش کیے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

(۳) ان اصحاب المذاهب الاربعة مدحهم الامة المرحومة اعتقادًا وعلمًا عملًا واخلاقًا على مافى كتبهم المعتمدة۔ واعترف الامة المرحومة بكونهم اهلا للاجماع باثبات الاجتهاد والعدالة لهم وبنفى البدعة والهواء والفسق عنهم كما فى كتب علم اصول الفقه بحث الاجماع۔

ترجمہ: امت مرحومہ نے آئمہ مجتہدین اربعہ کا ازروئے عقیدۂ علم، عمل اور اخلاق کی تعریف کی ہے۔ جو معتبر کتابوں میں ہے۔ امت مرحومہ نے مان لیا کہ آئمہ اربعہ اصحاب اجتہاد وعدل ہو کر اجماع کے اہل ہیں۔ اور ان میں نہ بدعت ہے نہ فسق اور نہ خواہشاتِ نفسانی۔

واما الوهابية فهم ذو بدعة وهوًى وفسق ولم يمدحهم احد بحسن الاعتقاد كما فى كتب الاصول بحث الاجماع وغيرها۔

ترجمہ: مگر وہابیہ فاسق اور مبتدع اور اہلِ ھواء ہیں۔ اور ان کی کسی نے بھی تعریف نہیں کی۔

(۴) ان مذاهبهم متواترة لماقالوا يجب ان لايختار فى الدين طريقة الا ما ارتضاه السلف والخلف وتلقته الامة كلها بالقبول۔ وحصل اجماع العلماء على حقيقته عصرا بعد عصر وتواترت روايته ونقله ولم يوجد المتصف كذٰلك الا المذاهب الاربعة بخلاف غيرها فما ارتضاه ولاتلقاه ولم يوجد الاجماع عليه وماتواتر نقله مثلها فلايلتفت اليه ولايعوّل عليه۔[1587]

[1587] (فتوی الحرمین: ص: ۱۷، نہایة المراد شرح مقدمة ابن العماد، نظام الاسلام ثم مزیل الشبهات: ص: ۱۴، اطایب الصیبلسل ۱۰، الفتح المبین: ص: ۵۰۵)

ترجمہ: چاروں مذاہب متواتر ہیں۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ واجب ہے کہ اسلام میں کوئی طریقہ اختیار نہ کریں مگر وہ جس کو سلف وخلف نے پسند کیا ہو اور امت مرحومہ نے قبول کیا ہو۔ اور اس کی حقیقت پر ہر زمانہ کے حقانی علماء کا اجماع ہو۔ اس کا نقل متواتر ہو۔ پس یہی ساری باتیں (اصول) صرف مذاہب اربعہ میں پائی جاتی ہیں۔ باقی مذاہب (وہابیہ کا ہو یا غیر کا) نہ پسند ہے۔ نہ قبول عام ہے۔ نہ اس پر اجماع ہے۔ نہ متواتر ہے۔ لہٰذا ان کی طرف التفات نہ کریں۔ اور نہ اعتماد کریں۔

(۵) لا یجوز تقلید غیر الأئمة الاربعة لانهم عرفت قواعدهم وقد انطبقت بالنصوص وحرروا وهذبوا المسائل وفرعوها حکما حکما وبینوا شروطها وقیودها۔ وبوّبوا الابواب وجمعوا المسائل فی الفصول وفصلت مجملاتها واوضحوا طرق النظر ودوّنوا المذاهب وخدمها تابعوهم بالنقل المتواتر شرقا وغربا وجنوبا وشمالا بخلاف مذاهب غیرهم فی جمیع ماذکرت اھ۔ [1588]

ترجمہ: آئمہ اربعہ کے سوا کسی اور کی تقلید جائز نہیں کیونکہ ان کے قواعد معروف ہیں۔ جن سے آیات واحادیث موافق ہیں۔ اور مسائل کو واضح اور صاف کیا ہے۔ مسائل کے شروط اور قیود کو بیان فرمایا ہے اور الگ الگ بابوں کو مقرر کیا ہے۔ اور مسائل کو اپنی فصلوں میں جمع کیا ہے۔ مجمل احکام کو مفصل کیا ہے۔ نظر کے طریقوں کو واضح کیا ہے۔ اور انہی مذاہب کو مروّج کیا ہے۔ آئمہ اربعہ کے تابعداروں نے اپنے اپنے مذاہب کی ایسی خدمت کی ہے جو نقل متواتر سے شرقاً غرباً جنوباً شمالاً پھیل گیا ہے۔ مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب میں یہ چیزیں نہیں پائی جاتیں ہیں۔

[1588] (فتح المبین شرح الاربعین لابن حجر المکی: ص: ۵۰۵، فتوی الحرمین: ص: ۱۵، مزیل الشبهات ص ۱۳، تحریر الاصول، نظام الاسلام، فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین ص ۴۰۷، اطایب الصیب ص ۱۰)

حصرِ مذاہب اربعہ پر اجماعِ امت ہے

(۱)انہ وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للآئمۃ الاربعۃ فلایجوز الاتباع لمن حدث مجتھدًامخالفالھم اہ۔

"امت مرحومہ کا اجماع اس بات پر ہے کہ تقلید جائز نہیں مگر چاروں اماموں کی۔ پس بعد میں جو مجتہد پیدا ہوئے جو آئمہ اربعہ سے مخالف ہیں تو ان کی تقلید جائز نہیں۔"[1589]

(۲)الاجماع قد حصل علی حقیقۃ المذاھب الاربعۃ وتخلف ذٰلک فیما سواھا وان الامۃ جمیعھاقدتلقت المذاھب الاربعۃ بالقبول ولم یحصل ذٰلک لغیرھا اہ۔

ترجمہ: امت مرحومہ کا اجماع چاروں مذاہب کی حقانیت پر ہے۔ اور باقی مذاہب حق سے جدا ہیں ۔ ساری امت نے مذاہب اربعہ کو قبول کر لیا ہے۔ یہ مقبولیت کسی اور مذہب کو حاصل نہیں۔[1590]

(۳)الاجماع قدانعقدعلی عدم العمل بمذھب محدث بعدالآئمۃالاربعۃاہ۔

ترجمہ: بے شک امت مرحومہ کا اجماع منعقد ہوا کہ کسی نئے مذہب پر جو آئمہ اربعہ کے بعد پیدا ہوا ہے عمل نہ کریں۔ (قدمر نقلہ من اربعۃ کتب فی اثبات التقلید)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ عبارت اولیٰ وثانیہ میں ایجاب وسلب دونوں صریح الفاظ میں ہیں اور عبارت ثالثہ میں سلب صریح ہے۔

اور ایجاب ضمنی ہے۔ لہٰذا یہی اجماع جیسا تقلید کا مثبت ہے ایسا حصر کا بھی ہے۔ اسی بناء پر دونوں جگہ ذکر ہوا۔

مذہب سے بحسبِ ظاہر مخالف آیت، حدیث پر عمل کرنے میں بہت زیادہ نقائص ہیں۔

[1589] (اثنین وعشرون کتاباذکرتھافی اثبات التقلید)
[1590] (قدنقلتہ عن عشرۃ کتب فی اثبات التقلید)

(۱) فَاحۡکُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الۡہَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ﴿سورۃ ص ۲۶﴾

ترجمہ: لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکم کرتے رہو۔ اور آئندہ بھی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ خدا کے راستے سے آپ کو بھٹکا دے گا۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ خداوندِ قدیر نے حق اور ھویٰ کا مقابلہ کر کے ھویٰ کو ضلالت فرمایا۔ پس جب قرآن و حدیث اور اجماعِ امت نے مذاہب اربعہ کو حق قرار دیا تو ان کی مخالفت کرنے والا ھویٰ اور ضلالت کا تابع ہوا۔

(۲) عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجہ فی رأسہ فاحتلم فسأل اصحابہ ھل تجدون لی رخصۃ فی التیمم قالوا ما نجدک رخصۃ و انت تقدر علی الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا علی رسول اللہ ﷺ اخبرنا بذٰلک فقال ﷺ قتلوہ قتلھم اللہ الا سألوا اذ لم یعلموا افانما شفاء العی السوال۔[1591] (ترجمہ گزر چکا ہے)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اگر غیر مجتہد مطلق مستقل کو قرآن اور حدیث کے ظاہری ترجمہ پر عمل کرنا جائز ہوتا تو انہوں نے تیمم کی آیت کے ظاہر ترجمہ پر فتویٰ دیا تھا مگر حضور ﷺ نے بہت زیادہ سختی سے ممنوع فرما کر ان صحابہ ذو اللسان خیر القرون والوں کو تقلید کا راستہ بتا دیا۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ شر القرون غیر ذی اللسان محروم الصحبۃ والے صرف لفظی ترجمہ سے مجتہد ہو جاتے ہیں۔

(۳) عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ انہ اخذ عقلا ابیض و عقلا اسود حتی کان بعض اللیل نظر فلم یستبینا لہ فلما اصبح قال لرسول اللہ ﷺ جعلت تحت وسادتی خیطا ابیض

[1591] (رواہ ابو داؤد، کذا عن ابن عباس اخرجہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ باب التیمم: ص: ۴۷)

وخیطا اسود قال ﷺ ان وسادتک لعریض ان کان الخیط الابیض والخیط الاسود تحت وسادتک۔ الحدیث۔[1592]

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (جب آیت کلوا واشربو حتی یتبین لکم الخیط الابیض الخ نازل ہوئی تو) آپ نے ایک سفید اور ایک کالا ڈورا (دھاگہ) اپنے تکیے کے نیچے رکھا۔ رات کے کسی حصے میں دیکھا تو وہ دھاگے نظر نہ آئے۔ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے اپنے تکیے کے نیچے سفید اور سیاہ ڈورا رکھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے اگر سفید اور سیاہ ڈورے (دن اور رات) تمہارے تکیے کے نیچے آگئے۔ (وجہ استدلال بعینہ وہی ہے جو ابھی گزرا ہے)

(۴) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر تحقیق کے کوئی فتویٰ دے دے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔[1593]

(۵) عن عبد اللہ بن عمر وابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قالا قال رسول اللہ ﷺ اذا حکم الحاکم فاجتھد واصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد واخطأ فلہ اجر واحد۔[1594]

قال العلماء رحمھم اللہ تعالی اجمع المسلمون علی ان ھٰذا الحدیث فی حاکم عالم اھل للاجتھاد (الی قولہ) فاما من لیس باھل للحکم فلا یحل لہ الحکم فان حکم فلا اجر لہ بل ھو آثم ولا ینفذ حکمہ سواء وافق الحق ام لا۔ لان اصابتہ اتفاقیۃ لیست صادرۃ عن اصل شرعی

[1592] (اخرجہ الخمسۃ تیسیر کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ: ص: ۴۲)
[1593] (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ کتاب العلم: ص: ۲۷)
[1594] (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب العمل فی القضاء: ص: ۳۱۶)

فھو عاصٍ فی جمیع احکامه وافق الصواب ام لا۔ وھی مردودة کلھا ولایعذر فی شئ من ذٰلک اہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مجتہد حاکم اجتہاد سے صحیح حکم بتائے گا اس کو دوگُنا اجر ملے گا اور جب حکم خطا صادر ہو گا تو اس کو ایک اجر ملے گا۔ مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ یہ حدیث اس عالم کے بارے میں ہے جو اجتہاد کا اہل ہے۔ مگر وہ آدمی جو اجتہاد کا اہل نہ ہو پس اس کو حکم اجتہادی کرنا ناجائز ہے۔ اگر اجتہاد کرکے کوئی حکم کیا تو اس کو ثواب نہیں ملے گا بلکہ گناہگار ہو گا۔ اور حکم جاری نہیں ہو سکتا۔ حق کے موافق ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ حکم کسی شرعی اصل پر مبنی نہیں۔ بلکہ اتفاق ایسا ہوا۔ وہ آدمی گناہگار ہے معذور نہیں اس کے سارے احکام مردود ہیں درست ہوں یا غلط۔[1595]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ احادیث: نمبر ۴ اور نمبر ۵ کا مقصود یہ ہے کہ مجتہد اگرچہ مُخطی ہو اس کو ثواب ملتا ہے۔ غیر مجتہد اگرچہ حق پر ہو آثم (گنہگار) اور اس کا فیصلہ مردود ہے تو ظاہر ہوا کہ مذہب کے مخالف آیت وحدیث پر (جو غیر مجتہد شرعی کی رائے میں مخالف ہوں) عمل کرنا گناہ اور کرنے والا مردود غیر معذور ہے۔

(٦) فالظاھر انھم رأوا دلیلًا ارجح مما راہ حتی لم یعملوا بہ اہ۔

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ آئمہ اربعہ نے زیادہ قوی دلیل دیکھی ہو گی ان بعد والے لوگوں کی دلیل سے۔ اس وجہ سے آئمہ اربعہ نے اس دلیل مرجوح پر عمل نہ کیا۔[1596]

(۷) کل نص خالف مذھب الامام فھو محمول علی النسخ او التاویل او الترجیح۔

1595 (نووی شرح المسلم)

1596 (رسائل ابن عابدین: ج: ۲: ص: ۲۴)

ترجمہ: ہر نص آیت ہو یا حدیث جو امام کے مذہب سے مخالف پایا گیا تو وہ یا منسوخ ہے یا مؤوّل اور یا مرجوح۔[1597]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ عبارت نمبر ۵ اور نمبر ۶ کا مقصود یہ ہے کہ جو آیت، حدیث جو مذہب سے (بظاہر) مخالف ہو تو ظاہر یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ نے قوی غیر منسوخ غیر ماول دلیل کو لیتے ہوئے اس آیت وحدیث کو منسوخ، ماول یا مرجوح قرار دیا ہے۔ تو اس پر عمل کرنا گناہ اور مردود ہو گیا۔

(۸) فلیس لاحد ان یقول انا أخذ بظاهر الحديث و اترک مانص عليه مشائخ مذهبی اه۔

ترجمہ: پس کسی (مقلد) کو یہ کہنا جائز نہیں کہ میں حدیث کے ظاہر پر عمل کرتا ہوں اور اپنے مذہب کے علماء کے صریح اقوال کو چھوڑتا ہوں۔[1598]

جس کا اجتہاد مطلق مستقل نہیں وہ آثم، مردود، غیر معذور ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیان گزر چکا ہے۔ لہٰذا احادیث کے ظاہر پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

(۹) فالادلة الاربعة انما يتوصل بها المجتهد لا مقلد۔ اما المقلد فالدليل عنده قول المجتهد اه۔

یعنی پس ادلہ اربعہ سے استدلال کرنا صرف مجتہد کا کام ہے مقلد کا نہیں۔ مقلد کی دلیل صرف مجتہد کا قول ہے۔[1599]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب مقلد اپنی دلیل (قولِ مجتہد) کو چھوڑ کر مجتہد کی دلیل (آیت یا حدیث) پر عمل کرنا پسند کرے تو وہ غاصب ہو گیا۔

[1597] (حامدیه: ص: ۳٦٨ وغیره کتب)

[1598] (رسائل ابن عابدين: ج: ص: ص: ٢٣، عقد الجيد لولی الله الدهلوی و بمعناه قاضی خان رسم المفتی: ج: ۱، شرح برهان الآئمة علی ادب القضاء للخصاف كفاية الهدايه، نور الهدیٰ، طحطاوی، فتح القدير)

[1599] (فتلويح مقدمه ص ۴۴، بمعناه فی مسلم الثبوت ص ۲، برهنه ص ۳۸۲ کتاب الصوم، شاشی بحث الاجماع، شامی رسم المفتی)

(۱۰)ولاتنظر الی قول من خالفھم ولاتقبل حجتہ لانھم عرفوا الادلۃ ومیّزوا بین ماصح وثبت وضدہ اھ۔

ترجمہ: ہمارے آئمہ کے مخالف کے قول کو مت دیکھو اور دلیل کو مت مانو۔ کیونکہ ہمارے آئمہ نے سارے دلائل کو جان لیااور صحیح وثابت اور اس کے مقابل میں تمیز کردی ہے۔[1600]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب ہمارے آئمہ ادلہ کے عارف وماہر، صحیح اور سقیم میں پوری تمیز کرنے والے ہیں تو ان کے مخالفین ضرور سقیم (کمزور) دلیل والے ہوئے۔یہی وجہ ہے کہ مذہب کے خلاف حدیث یا آیت پر عمل کرنا ممنوع ہے۔

(۱۱) فانہ یمیل الیھم ویفتی بقولھم ولایخالفھم برأیہ وان کان مجتھدا متقنا لان الظاھر ان یکون الحق مع اصحابنا ولایعدوھم واجتھادہ لیس کاجتھادھم اھ۔

ترجمہ: پس ہمارے اماموں کی طرف میلان کرے اور ان کے قول پر فتویٰ دے اور اپنی رائے سے اگرچہ مضبوط مجتہد ہو ہمارے اماموں سے مخالفت نہ کرے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حق ہمارے آئمہ کے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں اور اس کا اجتہاد ان کے اجتہاد کے برابر نہیں۔

(۱۲)فان الآئمۃ اعلم منہ بالآثار والاخبار فلعلھم اطلعوا علی مالم یطلع علیہ ووصلوا الی مالم یصل الیہ اھ۔

ترجمہ: پس احادیث پر ہمارے اماموں کا علم دوسرے آئمہ کے علم سے بڑھ کر ہے، تو شاید ان کو وہ احادیث معلوم ہوں جو اور کسی کو معلوم نہ ہوں اور یہ آئمہ حضرات اس مقام تک پہنچے ہوں جس تک کوئی اور نہ پہنچا ہو۔[1601]

[1600] (قاضی خان رسم المفتی، شرح برھان الائمۃ علی ادب القضاء للخصاف ثم رسائل ابن عابدین: ج:۲:ص:۲۴)

[1601] (رسائل ابن عابدین: ج:۲:ص:۲۴، نور الانوار بحث الاجماع:ص:۲۲)

(۱۳) فاما من لیس له رتبة الاجتهاد وهو حکم کل اهل العصر یفتی بمذهبه فلو ظهر له ضعف مذهبه لم یجز له ان یترکه مما یشکل علیه من الآیة او الحدیث یلزمه ان یقول لعل عند صاحب مذهبی جوابًا عن هٰذا۔ فانی لستُ مستقلا بالاجتهاد فی اصل الشرع اه۔

ترجمہ: پس وہ لوگ جن کو اجتہادی رتبہ حاصل نہ ہو (یہ حکم ہر زمانہ کیلئے ہے) تو اس کو اپنے امام کے مذہب پر حکم کرنا واجب ہے اور اگر اس کو اپنے ناقص ذہن میں اپنا مذہب ضعیف نظر آ جائے تو اس کو ترک کرنا جائز نہیں۔ اور جس آیت وحدیث کی وجہ سے اسے اپنا مذہب ضعیف نظر آ جائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے بارے میں یہ جواب دے کہ ہمارے صاحب مذہب مجتہد مطلق مستقل کے پاس صاف جواب موجود ہے۔ کیونکہ میں اصل شرع میں مجتہد مطلق مستقل نہیں ہوں۔ تو مجھے جواب کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔[1602]

(۱۴) لانه (ای خلاف الراجح) اتباع للهویٰ اه۔

ترجمہ: کیونکہ راجح قول کی مخالفت کرنا خواہشات نفسانی کی تابعداری کرنا ہے۔[1603]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب قرآن، حدیث اور اجماعِ امت سے مذاہب اربعہ کی حقانیت ثابت ہو گئی تو مذہب کے خلاف جو تصور جس آیت یا حدیث سے غیر مجتہد کیلئے پیدا ہو جاتا ہے وہ صرف ھویٰ کی اتباع ہے۔

(۱۵) الواجب علی من اراد ان یعمل لنفسه او یفتی غیره ان یتبع القول الذی رجحه علماء مذهبه۔ فلا یجوز له العمل او الافتاء بالمرجوح بالاجماع اه۔

[1602] (احیاء العلوم کتاب العلم، بیان التلبیس فی المناظرة: ص: ۳۸)

[1603] (رسائل ابن عابدین ج: ۱ : ص: ۵۲، ۱۰ ، فتح القدیر کتاب القضاء، شرح المنهاج للقاسم، بحر الرائق، شامی: ج: ۴: ص: ۳۳۸ قضاء)

ترجمہ: وہ شخص جو خود عمل کرنے یا دوسرے کو فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ اسی قول کی اتباع کرے جس کو اپنے مذہب کے علماء نے ترجیح دی ہو اور مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتویٰ دینا بالاجماع ناجائز ہے۔[1604]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ راجح اور مرجوح دونوں امام کے اقوال تو ہوتے ہیں مگر راجح پر عمل کرنا واجب اور مرجوح پر حرام بالاجماع ہے۔ اور پھر خاص کر جب وہ آیت وحدیث جو امام کا قول بھی نہ ہو۔ تو اس پر عمل بالاجماع حرام ہے۔

(۱۶) غیر المجتهدین کالانعام وعلیهم ان یقلدوا المجتهدین ولا یعتبر خلافهم فیما یجب علیهم من التقلید۔

یعنی غیر مجتہدین کی مثال چوپایوں جیسی ہے۔ ان پر فرض ہے کہ مجتہدین کی تقلید کریں اور جس چیز میں ان پر تقلید واجب ہے۔ اس بارے میں مجتہدین سے خلاف ناجائز ہے۔[1605]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ چوپائے کو یہ مجال نہیں کہ آیت وحدیث پر خود اپنے سے عمل کریں۔

مذاہب کے زمانہ سے پہلے مذاہب موجود نہ ہونے کی دلیل

اس بات کی وجوہات بہت ہیں جن میں سے مشت نمونہ خروار تحریر کرونگا۔

(۱) نقل امام الحرمین الاجماع علی منع تقلید العوام لاعیان الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ومن بعدهم الا الذین وضعوا ودوّنوا المذاهب والاصول والفروع وطبقوها بالنصوص وحرروا وهذبوا المسائل والاصول واوضحوا طرق النظر وبینوا الاحکام فرعا فرعا وشروطها وقیودها وفصلوها وبوّبوا الابواب والفصول والانواع وجمعوها وخدمها تابعوها ونقلوها نقلا متواترا شرقا وغربا وجنوبا وشمالا وهٰذا الامور مخصوصة بمذاهب

[1604] (فتاویٰ کبریٰ، زوایدالروضةابن الصلاح والباجی والقرانی والامام ابو عمرو رسائل ابن عابدین: ج: ۱ :ص: ۱۱، ۱۰)
[1605] (نور الانوار بحث الاجماع: ص: ۲۲۰)

الآئمة الاربعة ابی حنیفة و المالک و الشافعی و احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین و لھذا ایضا منعوا تقلید الثوری و الاوزاعی و داؤد الظاھری و غیرھم اھ۔

ترجمہ: امام الحرمین نے اپنی کتاب مغیث الخلق الی الحق میں اسی بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو جائز نہیں کہ معتبر صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی تقلید کریں۔ بغیر ان آئمہ کے کہ جنہوں نے مذاہب اصول و فروع کو وضع کرتے ہوئے مروّج کیا اور دلائل کے ساتھ مطابق کیا۔ مسائل اور اصول کو واضح اور صاف کیا۔ اور استدلال کے طریقوں کو ظاہر کیا اور الگ الگ احکام بیان کئے اور احکام کے شروط اور قیود کو مفصل بیان کرتے ہوئے اپنے بابوں اور فصلوں اور نوعوں میں تقسیم کر دیا اور ان آئمہ کے تابعداروں نے انہی احکام کی خدمت کی اور یہی احکام تواتر کے ساتھ نقل کر کے ساری دنیا کے کونے کونے تک شائع وذائع کئے۔ یہی امور صرف اور صرف ان چاروں اماموں! امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے مذاہب میں موجود ہیں۔ اس لئے امام ثوری، اوزاعی، داؤد ظاہری و غیر ھم کی تقلید حرام اور ممنوع ہے۔[1606]

جب صحابہ، تابعین، ثوری، اوزاعی رضی اللہ عنہم جیسے حضرات کی تقلید عوام کیلئے اس وجہ سے جائز نہیں کہ ان کی اجتہادیات میں امور مذکورہ موجود نہیں تو وہابیہ کی مشکوٰۃ خوانی سے کوئی نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے؟

(۲) کان عوام الناس فی عھد الصحابة یستفتون مرة الصدیق و مرة الفاروق رضی اللہ عنھما من غیر نکیر اھ۔ (کتب الاصول و کتب الفقه و الحدیث، مختصر الاصول و شرحه، مسلّم الثبوت و شرحه البحر و غیرھا) اقول کان ذٰلک قبل تدوین المذاھب الاربعة لاجل الضرورة لان اصول الصحابة ث لم تکن کافیة لعامة الوقایع و لا شاملة لکافة المسائل لانھم

[1606] (ملخصا، الفتح المبین لابن حجر المکی ص ۵۵، فتوی الحرمین ص ۱۵، تحریر الاصول، نظام الاسلام، مزیل الشبہات ص ۱۴، الفتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین ص ۴۰۷، اطایب الصیب، مجموعۃ الفتاویٰ: ج ۱ ص ۲۲)

لم يتفرغوا الى التفريع والتفاريق والتفاصيل وتمهيد الاصول والقواعد فلاجل هٰذه الضرورة يحل للمقلدين الاستفتاء مرة من هٰذا ومرة من آخر۔ واما بعد تدوينها فكل واحد من المذاهب الاربعة مكتفل بمعرفة الكل فلاضرورة الى اتباع الامامين اھ۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں عام لوگ کبھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اور کبھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھتے تھے اور اس پر کوئی انکار اور ممانعت نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سوالی تردد چاروں مذاہب کی تدوین سے پہلے تھا ضرورت کی وجہ سے۔ (ضرورت کی دلیل) اس وجہ سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اصول و قواعد تمام و قایع کو کافی نہیں تھے، اور نہ سارے مسائل کو شامل تھے۔ (یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قصور علمی نہ تھی) کیونکہ یہ حضرات استخراج مسائل اور پھر ان کی تمیز، تفصیل، توضیح، تبویب اور اصول و قواعد کی تربیت کیلئے فارغ نہ تھے۔ اسی ضرورت کی بناء پر مقلدین کو کبھی اس سے کبھی اس سے سوال کرنا جائز قرار پایا تھا اور جب مذاہب اربعہ مدوّن ہوئے تو ہر ایک مذہب تمام مسائل کیلئے کافی ہوا۔ اس لئے دو اماموں کی تقلید کی کوئی ضرورت نہ رہی۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کو فرصت نہ ہوئی مذہب کے ضروریات کو مرتب کرنے کیلئے اور باطل فرقے نہیں تھے اور جو بھی ضروری حادثہ پیش آتا تو فورًا سوال کرنے سے حل ہو جاتا۔ (یہ نمبر ۲ اور نمبر ۳ شرح عقائد النسفیہ کے اول میں مصرح ہیں) تو مذاہب آئمہ اربعہ کے زمانے سے پہلے موجود نہ ہو سکے۔

(۳) والانصاف ان انحصار المذاهب فى الاربعة واتباعهم فضل الٰهى وقبولية من عندالله۔[1607]

اقول فى مثل هٰذا الفضل والقبولية قال تعالى سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿مريم ۹۶﴾

[1607] (تفسير احمدى: ص: ۵۲۷)

فمن لم یرض به فلیموتوا بغضبهم ولاابالی ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیهِ مَنْ یَشَاءُ﴿المائدۃ ۵۴﴾

ترجمہ: انصاف یہ ہے کہ چار میں مذاہب کا انحصار اور ان کی تقلید فضلِ الٰہی اور قبولیتِ خداوندی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! ”اللہ تعالیٰ نیک مؤمنوں کیلئے (نعمت اخروی کے علاوہ دنیا میں یہ نعمت عطا فرمائے گا) خلائق (مخلوق) کے دل میں محبت پیدا کر دے گا جو شخص اس پر راضی نہ ہو اپنے غصہ سے مر جائے مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ راہِ راست پر جانا خدا کا فضل ہے اور جسے چاہے اللہ تعالیٰ یہ فضل دیتا ہے۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب چار میں مذاہب کا انحصار اللہ تعالیٰ کا فضل اور قبولیت ہے تو بے شک اسے اختیار ہے کہ جسے چاہے اس کو اپنا فضل دے۔ اور جس کو چاہے مسلمانوں کو محبوب ومرغوب کرتے ہوئے قبولیت دے دے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

(۴) وھٰذاالسوال من الوھابیۃمثل سوال الکفار (فی عدم الرضاء بما فعل اللّٰہ تعالی) فی قولہ تعالی! ’وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴿الزخرف ۳۱﴾

ترجمہ: وہابیہ کا یہ سوال کفار کے سوال جیسا ہے (کیونکہ دونوں فرقے اللہ تعالیٰ کے فعل پر راضی نہیں ہیں) کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ وطائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ ہوا۔ جیسا کہ کفار حضور اقدس ﷺ پر قرآن نازل ہونے سے منکر تھے اس لئے یہ کہا۔ اسی طرح وہابیہ آئمہ اربعہ کے مذاہب سے منکر ہیں۔ اس لئے یہی الفاظ کہنے لگے۔ آنے والی آیت کا بھی یہی قریب المفہوم ہے۔

قولہ تعالی: ”وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ“﴿الانعام ۸﴾

ترجمہ: کفار کہتے تھے کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے۔ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور اسی بناء پر چار مذاہب کو آئمہ اربعہ سے مخصوص کرتے ہوئے پہلے زمانہ میں موجود نہیں کیا۔ اگر کوئی مزید تحقیق چاہے تو ہماری کتاب الاعتماد فی التقلید والاجتھاد کا مطالعہ کرے۔

فصل دربیان
حدیث ضعیف اوراس کے متعلقات

بعض علماء کا یہ معمول ہے کہ جس حدیث شریف کو اپنے موقف کے خلاف دیکھا، فوراً اسے ضعیف کر دیا۔ اس لئے ہم نے مناسب خیال کیا کہ ضعیف حدیث شریف اور اس کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے۔

یہ ان لوگوں کی جہالت ہے جو ضعیف کی رٹ لگا کر عوام الناس کو عبادت وریاضت سے روکتے ہیں۔ عند المحدثین، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے اور اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔ ولٰکن الوھابیۃ قومٌ لا یعلمون۔

خود سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ماجائکم عنی من خیر قلتہ اولم اقلہ فانا أقولہ وما أتاکم عنی من شر فانا لا أقول الشر [1608]

"تمہیں جس بھلائی کی خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو، میں اسے فرماتا ہوں اور اگر تمہیں بری بات پہنچے تو میں بری بات نہیں فرماتا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من بلغہ عن اللہ شی فیہ فضیلۃ فاخذہٗ ورجا ثوابہ اعطاءاللہ ذلک وان لم یکن کذلک۔ [1609]

[1608] (مسند امام احمد ج ۲ ص ۳٦۷)

[1609] (کنز العمال ص ۷۹۰ ج ۱۵)

"جس کو اللہ تعالیٰ سے فضیلت کی کوئی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے وہ فضیلت عطا فرمائے گا اگرچہ وہ خبر درست نہ ہو۔"

مزید ارشاد فرمایا کہ:

ماقیل من اقول حسن فانا قلتہ۔[1610]

"جو اچھی بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی۔"

وفی روایۃ خذوا بہ حدثت بہ او لم احدث بہ۔[1611]

"عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو۔"

امام نووی لکھتے ہیں کہ محدثین کرام فقہائے عظام علماء نے فرمایا ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے۔[1612]

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ فقہاء اصولین اور حفاظ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بے شک ضعیف حدیث مناقب میں حجت ہوتی ہے جس طرح علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث حجت ہوتی ہے۔[1613]

علامہ شامی نے لکھا ہے:

علی أنّہ فی فضائل الأعمالِ یجوز عمل بالحدیث الضعیف کما مرّ فی أوّل کتاب الطّھارۃ۔[1614]

[1610](سنن ابن ماجہ ص ۴)

[1611](کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۲۹)

[1612](کتاب الاذکار ص ۵)

[1613](تطہیر الجنان ص ۱۳)

[1614](ردالمختار، ص ۶۹، ج ۱)

اور اس طرح لکھتے ہیں:

والعلماء یتساھلون فی ذکر الحدیث الضعیف والعمل بہ فی فضائل الأعمال۔[1615]

وفی روح البیان: والحدیث الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال فعل العاقل أن یموت قبل أن یموت ویحیی بالحیوۃ الطیبۃ وذلک بظھورِ سرّ الحیوۃ لہ بتربیۃ مرشدٍ کاملٍ۔[1616]

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقدمہ اشعت اللمعات شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

اگر از جہت اتہام کذب راوی باشد در وفحش خطا بود اگر چہ تعدد طرق داشتہ باشد منجر نگرود و حدیث محکوم بہ ضعف باشد در فضائل معمول باشد۔[1617]

امام خطیب بغدادی اور محدث بصیل امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف اسناد میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے علاوہ ہر قسم کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔[1618]

امام سخاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے: فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ احتیاط کے مواقع پر بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔۔۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کئی کتب میں لکھا ہے کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔[1619]

[1615](ص ۲۹، ج ۱)

[1616](ص ۳۷۲، ج ۲، بحوالہ اعلام المؤمنین ص ۶۹)

[1617](اشعت اللمعات ص ۷)

[1618](تدریب الراوی ص ۲۹۸ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۳۳)

[1619](فتح المغیث ص ۳۳۴، ۳۳۲، ج ۱)

ابن کثیر لکھتے ہیں: موضوع کے سوا احادیث کو ترغیب و ترہیب قصص مواعظ اور ایسے دیگر امور میں بیان کرنا جائز ہے۔[1620]

حافظ زین الدین عراقی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔[1621]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور رجب کے مہینوں کی فضیلتوں میں حدیثیں ضعیف سندوں سے آئی ہیں ان پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پس اگر اپنی جان میں قوت پائے تو ان پر عمل کرے۔[1622]

اس مفہوم کی عبارات کے لئے ہم صرف حوالہ جات پر خوف طوالت کی وجہ سے اکتفا کر رہے ہیں۔[1623]

خود اکابرینِ وہابیہ کی گواہی:

وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ:

احادیث ضعیفہ در فضائل اعمال معمول بہا است۔[1624]

[1620] (اختصار علوم الحدیث ص ۷۲)

[1621] (التبصرہ والتذکرہ ص ۲۹۱، ج ۱)

[1622] (الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ص ۲۶)

[1623] (علم الحدیث ص ۹۳، تقریب النواوی ج ۱ ص ۲۹۸، موضوعات کبیر ص ۶۳، مقدمہ ابن صلاح ص ۴۸، مصطلح الحدیث ص ۶۴، شرح مسلم ص ۲۱، ج ۱، مرقاۃ المناتیح ص ۸۳ ج ۲، قوت القلوب ص ۳۶۳ ج ۱، مقدمہ مشکوٰۃ شیخ عبد الحق ص ۵، شرح المہذب ص ۲۲۲ ج ۳۔)

[1624] (مسک الختام ص ۵۷۲ ج ۱)

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے

وہابیہ کے محدث عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں:

"فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔"[1625]

روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: "حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر محدثین کا اصول ہے کہ ایسے مسائل میں ضعیف حدیث پر بھی عمل درست ہے۔"[1626]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری شب برات کی عبادت کے متعلق لکھتے ہیں:

"اس رات کے متعلق ضعیف روایتیں ہیں اس دن کوئی کار خیر کرنا بدعت نہیں ہے بلکہ بحکم **انما الاعمال بالنیات** موجب ثواب ہے۔"[1627]

وہابیہ کے مولوی عبد الستار دہلوی نے لکھا ہے:

"ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔"[1628]

وہابیہ کے مولوی عبد الغفور اثری نے امام سخاوی سے نقل کیا ہے کہ جائز اور مستحب ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے۔[1629]

وہابیہ کے محدث نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے:

"ضعیف حدیث فضائل میں مقبول ہے۔"[1630]

وجواز بر حدیث ضعیف مجمع علیہ آئمہ اسلام است در فضائل۔

[1625] (فتاویٰ اهل حدیث ص ۵۶، ۱۳۷، ج ۲، فتاویٰ علماء کے حدیث ص ۲۵۷ ج ۴)
[1626] (فتاویٰ اهل حدیث ج ۱ ص ۲۷۸)
[1627] (فتاویٰ ثنائیہ ص ۶۵۶ ج ۱)
[1628] (فتاویٰ ستاریہ ص ۳۷ ج ۴)
[1629] (احسن الکلام ص ۴۴)
[1630] (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۰۳ ج ۱)

"ائمہ اسلام کا اجماع و اتفاق ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔"[1631]

"وہابیہ کے لسان العصر مولوی بشیر الرحمن سلفی نے اپنے وہابیہ کو اس متعلق خوب تبرک دیا ہے۔ چند ایک جملے درج کئے جاتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ بعض مدعیان علم ضعیف حدیث کو تن مردہ سے تشبیہ دے کر اسے بالکل نظر انداز کرنے کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مردے بیس بھی جمع ہو جائیں تو ایک زندہ کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بات غلط ہے ضعیف حدیث کو مردہ نہیں کمزور کہنا چاہئے، یہی ضعیف کا مفہوم ہے۔ ضعیف اور موضوع حدیث میں زمین آسمان کا فرق ہے، حق یہ ہے کہ دو کمزور مرد ایک طاقت ور کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔"[1632]

"کسی ضعیف حدیث کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ لازماً نا قابل عمل ہے۔"[1633]

احادیث شریف کو ضعیف کہہ کر انہوں نے اپنے خبث باطن کا اظہار اور دل کا غبار اتار لیا ہے ۔۔۔نہ جانے کس ملحد و زندیق نے ضعیف احادیث کے بارے میں یہ زہر افشانی کرکے دین کے اکثر و بیشتر حصے کو نا قابل اعتبار بنانے کی مذموم و نامشکور کوشش کی ہے۔ ضعیف احادیث اگر اس احمقانہ انداز سے نا قابل اعتبار ہو جائیں تو حافظ ابن حجر بلوغ المرام میں مسلکِ محدثین کے ثبوت میں بہت سے مقامات پر ضعیف احادیث سے استدلال نہ کرتے، امام بخاری اپنی مایہ ناز کتاب صحیح البخاری میں ضعیف احادیث کو ترجمہ الباب میں تائید کے لئے پیش نہ فرماتے۔ "حق یہ ہے کہ تمام آئمہ ھدیٰ نے احادیث ضعاف کو معرض استدلال میں دلیل بنایا ہے۔[1634]

[1631] (رسالہ تراویح ص ۲۴)

[1632] (الدعا صفحہ ۲۴)

[1633] (الدعا صفحہ ۲۷،۲۶)

[1634] (الدعا ص ۲۷)

وہابیہ کے محدث زبیر علی زئی کے نزدیک بھی ضعیف حدیث شرائط کے ساتھ فضائل میں معتبر ہے۔[1635]

ضعیف حدیث کی تقویت:

اہل علم کے عمل کی وجہ سے بھی حدیث ضعیف کو تقویت مل جاتی ہے۔

"محدثِ جلیل ملا علی قاری علیہ الرحمۃ ایک حدیث کی بابت لکھتے ہیں کہ امام نووی نے کہا کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں اس کو میرک سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی اہل علم کے عمل کی وجہ سے اس حدیث شریف کی تقویت کا ارادہ کرتے ہیں۔"[1636]

امام حاکم صلوٰۃ التسبیح کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

"جس بات سے اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تبع تابعین سے ہمارے دور تک ہمارے مقتدا دوام کے ساتھ اس پر عمل کرتے رہے اور لوگوں کو اس پر عمل کی تلقین کرتے رہے، ان میں حضرت عبد اللہ بن مبارک (رحمۃ اللہ علیہ) بھی ہیں۔"[1637]

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ مرقاۃ شرح مشکوۃ[1638] اول حدیث کی تشریح میں نقل فرمایا ہے: شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا اس کی بخشش کر دی جائے گی، اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ میں نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور میں نے کسی کو اس کا ثواب بخشنے کی نیت نہ کی تھی۔ اتفاقاً میں ایک دعوت میں شریک ہوا اس میں ایک نوجوان

[1635] (نماز نبوی ص ۲۹ حاشیہ)
[1636] (مرقاۃ المفاتیح ج۳ ص ۹۸)
[1637] (التقریر و التحبیر ج ۲ ص ۲۴۹)
[1638] (صفحہ ۹۸ جلد ۳ مکتبہ امدادیہ، باب ما علی المأموم من المتابعت و حکم المسبوق، الفصل الثانی)

جس کو کشف کا درجہ حاصل تھا، شریک تھا۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان میں رونے لگا۔ میں نے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہنے لگا، کہ اب میں اپنی ماں کو اچھا حال میں دیکھ رہا ہوں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس کے کشف کو حدیث کی صحت سے جان لیا۔[1639]

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے عمل کے ساتھ کشف سے بھی ضعیف حدیث کو تقویت مل جاتی ہے۔ محدثِ جلیل امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت حدیث شریف کی صحت کی دلیل بن جاتی ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔"[1640]

وہابی اکابر کی گواہی:

وہابیہ کے محدث نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے: "اس حدیث شریف میں اگرچہ قدرے ضعف ہے مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث شریف کے ضعف کو رفع کرتا ہے جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے۔"[1641]

[1639] (مرقاۃ المفاتیح صفحہ ۹۸ جلد ۳)

[1640] (تعقبات علی الموضوعات ص ۱۲)

[1641] (فتاویٰ نذیریہ ص ۱۱۲ ج ۱)

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری نے ایک حدیث شریف کے ضعیف ہونے کے جواب میں لکھاہے:

"امام بیہقی اور امام ابن منذر کا روایت کرکے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے۔"[1642]

دوسرا اصول:

امت کے تلقی یا قبول سے ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔

امام سخاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: جب امت کسی ضعیف حدیث کو قبول کرلے تو صحیح یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا، اور وہ حدیث شریف بمنزل حدیث متواتر ہوگی، اور اس سے کسی قطعی حکم کو منسوخ کردیا جائے گا اور اس طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ حدیث "وارث کے لئے وصیت نہیں" ائمہ حدیث کے نزدیک ثابت نہیں مگر اس حدیث پر سب نے عمل کیا ہے یہاں تک کہ اس حدیث سے ایک وصیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔"[1643]

امام سخاوی نے امام شافعی کا جو قول نقل کیا ہے وہ موجود ہے۔[1644]

ابن کثیر لکھتے ہیں: "ہم نے ابن تیمیہ کی ایک عبارت دیکھی جس میں لکھا ہوا تھا: "جو حدیث شریف جماعات آئمہ سے نقل کی گئی ہو اور امت نے اسے قبول کرلیا ہو وہ حدیث بھی قطعی ہے۔۔۔ تمام محدثین کا یہی مذہب ہے۔"[1645]

[1642] (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۵)
[1643] (فتح المغیث ج ۱ ص ۳۳۳)
[1644] (الرسالہ، ص ۱۴۲)
[1645] (اختصار علوم الحدیث ص ۳۰، ۲۹)

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی قول ہے۔[1646]

وہابی اکابر کی گواہی:

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امر تسری لکھتے ہیں کہ:"ضعیف (حدیث) کے معنی یہ ہیں کہ جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جائیں، وہ کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ اگر اس کے مقابل میں صحیح حدیث نہیں تو اس پر عمل کرنا جائز ہے جیسے نماز کے شروع میں "سبحنک اللھم" پڑھنے والی حدیث ضعیف ہے مگر عمل ساری امت کرتی ہے۔"[1647]

وہابیہ کے محدث حسین بن محسن الانصاری الیمانی نے لکھا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:"مقبول وہ حدیث شریف ہے جسے علی نے قبول کر لیا ہو اگرچہ اس کی کوئی بھی سند صحیح نہ ہو۔"[1648]

مزید لکھا ہے:"امام سخاوی نے شرح الالفیہ میں ذکر کیا ہے جب امت نے ضعیف حدیث شریف کو قبول کر لیا ہو تو صحیح مذہب کی بنیاد پر وہی ضعیف حدیث معمول بنالی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ بمنزلہ متواتر قرار پاکر نص قطعی کو بھی منسوخ کر سکے گی۔"

تیسرا اصول:

اگر ضعیف حدیث شریف کی اسناد معتمد ہوں تو متعدد طرق سے اس کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

[1646] (التکست علی ابن صلاح صفحہ ۲۷۶ ج ۱)
[1647] (فتاویٰ ثنائیہ ص ۲۷ ج ۲)
[1648] (تحفۃ المرضیہ ج ۳ ص ۱۷۸)

خوفِ طوالت کی وجہ سے اب ہم صرف وہابیہ کے اکابر کے حوالہ جات پر ہی اکتفا کریں گے وہابیہ کے محدث ابو سعید شرف الدین دہلوی نے ایک ضعیف حدیث کی دو اسناد ذکر کرنے کے بعد لکھاہے: "اگرچہ ان دنوں میں کچھ کلام ہے مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہو گئی گویا ہر دادو حسن تفسیرہ کے حد میں ہے لہٰذا قابل عمل ہے۔"[1649]

وہابیہ کے محدث عبد اللہ روپڑی کے نزدیک اگر ضعف تھوڑا ہو تو ضعیف حدیث نہ صرف حسن بلکہ صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے چنانچہ لکھاہے کہ "اگر ضعف تھوڑا ہو تو مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔"[1650]

مزید لکھاہے: "اگرچہ یہ روایت بھی ضعیف ہے مگر مذکورہ بالا روایات کی مؤید ہے ہر صورت عمل میں کوئی حرج نہیں۔"[1651]

وہابیہ کے محقق عبد اللہ عفیف نے لکھاہے:

"واضح ہو کہ حدیث صلوٰۃ التسبیح کی اسنادی حیثیت ہی میں سخت اختلاف ہے، نہ صرف اس کی صحت و ضعف میں بلکہ بعض آئمہ نے اس حدیث کو موضوع تک کہاہے۔۔۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت سخت مخدوش ہے تاہم ہمارے نزدیک تعدد طرق کی وجہ سے یہ حدیث قابل عمل ہے۔"[1652]

[1649](فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۵، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۴ ص ۱۷۹)
[1650](فتاویٰ اهل حدیث ج ۲ ص ۱۳۷)
[1651](فتاویٰ اهل حدیث ج ۲ ص ۱۳۷)
[1652](صلوٰۃ التسبیح ص ۱۱)

وہابیہ کے لسان العصر مولوی بشیر الرحمن سلفی نے امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

"طرق ضعیفہ باہم مل کر تقویت حاصل کر لیتے ہیں۔"[1653]

وہابیہ کے مولوی غلام رسول آف قلعہ میاں سنگھ لکھتے ہیں:

"بلکہ متعدد طرق بمرتبہ حسن میرسد"۔[1654]

"بلکہ تعدد طرق کی وجہ سے (ضعیف حدیث) حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔"

وہابیہ کے شیخ الحدیث ثناء اللہ مدنی نے لکھا ہے: "ان ضعیف احادیث کو آپس میں ملایا جائے تو برکاتہ کی زیادتی کو مشروعیت کو تقویت حاصل ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ کچھ اس کا اصل موجود ہے جس کی بناء پر یہ روایت قابل عمل ہو سکتی ہے۔"[1655]

وہابیہ کے مولوی عبد الوہاب دہلوی بھی ضعیف حدیث پر عمل جائز کرتا ہے۔[1656]

ضعیف حدیث من گھڑت نہیں ہوتی اور اس سے ثابت مسائل بدعت نہیں ہوتے:

وہابیہ کا بات بات میں ضعیف کی رٹ لگانا اور پھر لوگوں کے سامنے یہ بار آور کرانے کی کوشش کرنا کہ یہ جعلی حدیث ہے سراسر جہالت وحماقت ہے حالانکہ اصول حدیث میں ہے کہ ضعیف حدیث موضوع نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت شدہ مسائل بدعت نہیں ہوتے۔ وہابیہ کے اپنے اکابر کی زبانی سن لیجئے: "حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہے اور اس کو موضوع نہیں کہنا چاہیئے۔"[1657]

[1653] (الدعاء ص ۴۹)

[1654] (رسالہ تراویح ص ۲۴)

[1655] (ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۹ نومبر ۱۹۹۲ء ص ۸)

[1656] (مکمل نماز ص ۵۲۶)

[1657] (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۰۳)

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امر تسری نے ایک حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ:

"صحیح نہیں ہے مگر بناوٹی بھی نہیں ہے کیونکہ بناوٹی موضوع کو کہتے ہیں البتہ ضعیف ہے۔"[1658]

مزید لکھا ہے:

"ضعیف حدیث کے ساتھ بھی جو فعل ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہو گا۔"[1659]

وہابی مولوی بشیر سلفی نے لکھا ہے:

"ضعیف اور موضوع حدیث میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"[1660]

ضعیف حدیث سے استحباب کا ثبوت ہے:

وہابیہ کے شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے:

"حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔"[1661]

اورامور شرعیہ پر طعن کرنے والا ہیجڑے کی طرح ہے کیونکہ وہ مناجات کے ذوق اور عبادات کی مٹھاس کو نہیں سمجھ سکتے۔

کمافی روح البیان: فلایلتفت الی قول من لا مذاق لهم من الطاعنين فانهم بمنزلة العنين لا يعرفون ذوق المناجاة و حلاوة الطاعات۔[1662]

[1658] (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۲۲۴)
[1659] (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۱۰)
[1660] (الدعاء ص ۲۴)
[1661] (فتاویٰ نذیریہ، ص ۵۶۴ ج ۱، فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۰۷)
[1662] (ج۴ ص ۶۸۲)

القول الصواب فی مسئلۃ ایصال ثواب میں ہے:

بعض محدثین کچھ احادیث کو ضعیف کہتے ہیں لیکن اصول حدیث میں ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہی ہے۔

چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

لا یلزم من عدم صحّتہٖ وجود الوضع کما لا یخفیٰ۔

یعنی کھلی بات ہے کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔[1663]

مزید فرماتے ہیں:

قلت لا یلزم من عدم صحتہ ثبوت وضعہ وغایتہ انّہ ضعیفٌ۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں غایت یہ کہ وہ ضعیف ہو۔[1664]

علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

قال الزرکشی۔ بین قولنا لم یصح وقولنا موضوعٌ بونٌ بیّن فانّ الوضع اثبات الکذب۔ وقولنا یصح انّما ھو اخبارٌ عن عدم الثّبوت ولا یلزم منہ اثبات العدم۔

یعنی علامہ زرکشی نے کہا ہے کہ ہم محدثین کا کسی حدیث کو یہ کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور کسی کو یہ کہنا کہ یہ موضوع ہے اس میں بڑا فرق ہے۔ موضوع کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ روایت جھوٹی بنائی ہوئی ہے اور جب ہم یہ کہیں کہ یہ صحیح نہیں (یعنی ضعیف) اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے بلکہ اس کا حال تو سلب ثبوت ہے۔[1665]

[1663] (موضوعات الکبری ص ۴۴۳)

[1664] (موضوعات الکبری ۴۷۴)

[1665] (موضوعات الکبری ۴۷، بحوالہ القول الصواب ص ۷۷)

ابو طالب محمد بن علی مکی فرماتے ہیں:

الاحادیث فی فضائل الاعمال و تفضیل الاصحاب متقبّلۃٌ محتملۃٌ علیٰ کل حالٍ مقاطیعھا و مراسیلھا لا تعارض و لا تردّ۔ کذٰلک کان السّلف یفعلون۔[1666]

یعنی فضائل اعمال و تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی حدیثیں کیسی ہی ہوں، ہر حال میں مقبول وماخوذ ہیں۔ مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ ان کی مخالفت کی جائے گی اور نہ انہیں ردّ کیا جائے گا، آئمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں:

و قد قال ابن عبد البر۔ انھم یتساھلون فی الحدیث اذا کان من فضائل الاعمال۔[1667]

"اور تحقیق ابن عبد البر نے کہا جب حدیث فضائل اعمال کے بارے میں ہو تو علماء اس میں تساہل (نرمی) فرماتے ہیں۔"

امام احمد بن حنبل، امام ابن مہدی، امام ابن مبارک اور امام جلال الدین سیوطی:

ویجوز عند اھل الحدیث و غیرھم التّساھل فی الاسانید الضعیفۃ و روایۃ ماسوی الموضوع من الضعیف و العمل بہ۔

"اور محدثین و غیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل (نرمی) اور ہر قسم کی ضعیف حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال و غیرہ امور میں جائز ہے جبکہ موضوع حدیث میں یہ جائز نہیں"۔[1668]

[1666] (قوت القلوب فی معاملۃ محبوب ج ا ص ۱۷۸)
[1667] (المقاصد الحسنۃ ص ۶۳۵)
[1668] (تدریب الراوی ص ۲۹۸)

اسی صفحہ پر ہے:

ابن حنبل و ابن مهدی و ابن المبارک۔ قالوا اذا روینا فی الحلال و الحرام شددنا و اذا رویناو فی الفضائل و نحوها تساهلنا۔

یعنی امام احمد بن حنبل، امام ابن مہدی اور امام ابن مبارک وغیرہم سے اس کی تصریح منقول ہے، وہ فرماتے ہیں جب ہم حلال و حرام میں حدیث روایت کرتے ہیں تو سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔[1669]

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

امام ابوزکریا نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

قال العلماء من المحدثین و الفقهاء وغیرهم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل و التّرغیب و الترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً۔[1670]

یعنی محدثین وفقہاء وغیرہم علماء نے فرمایا کہ فضائل اور نیک باتوں کی ترغیب اور بری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و الضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال اتفاقاً۔ و لذا قال ائمّتنا۔ أن مسح الرّقبة مستحبٌ او سنّةٌ۔[1671]

یعنی اور ضعیف احادیث پر فضائل اعمال میں بالاتفاق عمل کیا جاتا ہے اسی لئے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب یا سنت ہے۔

[1669](تدریب الراوی ۲۹۸)

[1670](اذکار المنتخبة من کلام سید الابرار ﷺ، ص ۷)

[1671](الموضات الکبریٰ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ورد فی فضائل رجب الاحادیث باسانید ضعیفۃ لا بأس بالعمل بھا فان وجد فی نفسہٖ قوّۃ فلیعمل بھا۔[1672]

ترجمہ: اور رجب کے مہینے کی فضیلتوں میں حدیثیں ضعیف سندوں سے آئی ہیں، ان پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پس اگر اپنی جان میں قوت پائے تو ان پر عمل کرے۔

شارح شفا خفاجی فرماتے ہیں:

الذی یصلح للتّعویل علیہ ان یقال اذا وجد حدیث فی فضیلۃ عمل من الاعمال لا یحتمل الحرمۃ والکراھیۃ یجوز العمل بہٖ ویستحب لانّہ مأمون الخطر و مرجوّ النّفع۔

ترجمہ: یعنی اعتماد کے قابل یہ بات ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت میں کوئی حدیث پائی جائے اور وہ حرمت و کراہت کے قابل نہ ہو تو اس حدیث پر عمل جائز و مستحب ہے کہ اندیشہ سے امان ہے اور نفع کی امید ہے۔[1673]

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

من بلغہ عن اللہ شیئٌ فیہ فضیلۃٌ فاخذ بہٖ ایماناً و رجاء ثوابہٖ اعطاء اللہ ذالک و ان لم یکن کذالک۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے وہ فضیلت عطاء فرمائے گا اگرچہ وہ خبر ٹھیک نہ ہو۔[1674]

[1672] (انتباہ فی سلاسل اولیاء ص ۲۹)
[1673] (نسیم الریاض شرح شفا ج ۱ ص ۴۳)
[1674] (کنز العمال ج ۱۵ ص ۷۹۱ رقم ۴۳۱۳۲)

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

ماجآء کم عنی من خیر قلتہ او لم اقلہ فانی اقولہ وما جاء کم عنی من شرٍ فانی لا اقول الشر۔

یعنی تمہیں جس بھلائی کی خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو میں اسے فرماتا ہوں اور جس بری بات کی خبر پہنچے تو میں بری بات نہیں فرماتا۔[1675]

ابن ماجہ میں ہے:

ماقیل من قولٍ حسنٍ فانا قلتہ۔[1676]

ترجمہ: جو نیک بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی ہے۔

وفی روایةٍ خذوا بہ حدثت بہ او لم احدث بہ۔

یعنی اس پر عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ۔[1677]

اہل علم کے عمل کرنے سے بھی ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے

رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب والعمل علی ہذا عند اہل العلم۔ قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرک فکان الترمذی یرید تقویة الحدیث بعمل اہل العلم۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ کما قال الشیخ محی الدین ابن عربی انہ بلغنی عن النبی ﷺ انہ من قال لا الہ الا اللہ سبعین الفا۔ غفر اللہ تعالیٰ۔ ومن قیل لہ غفر لہ ایضا فکنت ذکرت التہلیلة بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیہم شاب مشہور بالکشف۔ فاذا ہو فی اثناء الاکل اظہر البکاء۔ فسالتہ عن السبب۔ فقال اری امی فی

[1675] (احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۳۶۷، برقم ۸۷۸۷، وج ۲ ص ۴۸۳ برقم ۱۰۲۷۴)

[1676] (ابن ماجہ ۴)

[1677] (کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۲۹ برقم ۲۹۲۱۰)

العذاب فوھبت فی باطنی ثواب التھلیلة المذکورة له فضحک وقال انی اراھا الان فی حسن الماب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفه وصحة کشفه بصحة الحدیث۔

یعنی امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عمل اہل علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں، واللہ اعلم اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے حضور اقدس ﷺ سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ تھی اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا ان میں ایک جوان جس کے کشف کا شہرہ تھا کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا کہا ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔

امام سیوطی تعقبات میں امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرماتے ہیں:

تداولھا الصالحون بعضھم عن بعض وفی ذالک تقویة الحدیث المرفوع۔[1678]

یعنی صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور ان کے اخذ میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے۔

اسی میں فرمایا:

قد صرح غیر واحدٍ بان من دلیل صحة الحدیث قول اھل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله۔[1679]

[1678] (تعقبات علی الموضوعات ۱۳)

[1679] (تعقبات علی الموضوعات ص ۱۲)

یعنی معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت صحت حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔

یہ ارشاد علماء احادیث کے بارے میں ہے پھر احادیث فضائل تو احادیث فضائل ہیں۔[1680]

عبد الستار غیر مقلد ایک سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔

نبی علیہ السلام کا فرمان ہے:

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد۔

یعنی سنت پر مضبوطی سے عمل کرتے رہنے کی حدیث میں تاکید ہے خصوصا جب لوگ اس پر عمل نہ کرنے دیں بلکہ فساد کریں ایسے وقت تو ضرور ہی عمل کرنا چاہیئے۔[1681]

امام یحیٰی بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انهم قد يروون عنهم احاديث الترغيب والترهيب وفضائل الاعمال والقصص واحاديث الزهد ومكارم الاخلاق ونحو ذلک مما لا يتعلق بالحلال والحرام وسائر الاحكام وهذا الضرب من الحديث يجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل فيه ورواية ماسوى الموضوع منه والعمل به لان اصول ذلک صحيحة مقررة فى الشرع معروفة عند اهله۔

”حضرات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب ترہیب، فضائل اعمال، قصہ جات، زہد، اور مکارم اخلاق میں احادیث روایت کرتے ہیں لیکن حلال و حرام کے احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث ایسے راویوں سے بالکل روایت نہیں کرتے۔ اس قسم کی احادیث ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور

[1680](فتاویٰ رضویہ ج۵ ص۴۷۷)

[1681](فتاویٰ ستاریہ ۴۷ ۳ کراچی)

ان پر عمل کرنا محدثین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ یہ اصولِ شریعت میں صحیح و مقرر اور اہل شریعت کے ہاں معروف ہے۔"[1682]

یہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب الاذکار صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں:

قال العلمآء من المحدثین و الفقہآء وغیرھم یجوز ویستحبّ العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعًا۔

محدثین، فقہاء اور دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال ترغیب اور ترہیب کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز و مستحب ہے جبکہ وہ حدیث موضوع نہ ہو۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

ویجوز عند اھل الحدیث وغیرھم التساھل فی الاسانید الضعیفة وروایة ماسوی الموضوع من الضعیف والعمل بہ۔

یعنی اور محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سوا ہر قسم کی حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائلِ اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔[1683]

امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الذی اطبق علیہ ائمّتنا الفقہاء والاصولیّون والحفّاظ أنّ الحدیث الضعیف حجةٌ فی المناقب کماأنّہ ثمّ بأجماع من یعتدبہٖ حجّةٌ فی فضائل الاعمال۔

[1682] (شرح مسلم نووی ص ۲۱، ج ۱)

[1683] (تدریب الروی ص ۲۹۸)

یعنی ہمارے ائمہ، فقہا، اصولیین، اور حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ مناقب میں بھی حدیثِ ضعیف حجت ہوتی ہے جس طرح قابل اعتماد علماء کا اس پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف حجت ہوتی ہے۔[1684]

فصل دربیان
قبرپراذان دینا

بعض علماء نماز کے علاوہ اذان دینے کو بدعت کہتے ہیں۔ اور خاص کر اذان عند القبر حالانکہ نماز کے علاوہ اذان دینا سنت ہے۔

جیسا درِ مختار جلد اول باب الاذان میں یہ اشعار درج ہیں:

فرض الصلوۃ وفی اذان الصغیر وفی | وقت الحریق والحرب الذی وقعا
خلف المسافر والغیلان ان ظہرت | فاحفظ لست من للذی شرعا
و زید اربع ذوھم و ذو غضب | مسافر ضل فی قفر و من صرعا

یعنی دس مقامات اذان میں سے نو مقامات ایسے ہیں جہاں نماز کے علاوہ اذان دینا سنت ہے:

(۱) نماز کے لئے (۲) بچے کے کان میں (۳) جب آگ لگ جائے
(۴) جب جنگ شروع ہو (۵) جب مسافر چلا جائے (۶) جب جنات ظاہر ہوں
(۷) غم والے شخص کے لئے (۸) غصہ آئے ہوئے کے لئے (۹) مسافر جب راستہ بھول جائے
(۱۰) اس شخص کے لئے جس پر مرگی کا دورہ پڑ جائے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ ان مذکورہ نو مقامات میں کون سی نماز ہوتی ہے جس کے لئے اذان دینا سنت ہے؟ کیا اس اذان میں حی علی الصلوۃ کے الفاظ نہیں ہوتے؟ اور یہ کون سا نماز کا وقت ہے؟

[1684] (تطہیر الجنان واللسان، ص ۱۳)

بلکہ ان مذکورہ مقامات میں اگر غور کیا جائے تو مسلمان میت قبر میں مذکورہ وجوہات میں چند وجوہ کی وجہ سے اذان کا محتاج ہوتا ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ آگ لگنے کے وقت اذان دینا سنت ہے۔ اس اذان کا سنت ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ مثلا: اطفؤ االحریق بالتکبیر۔ یعنی آگ کو تکبیر کے ذریعہ سے بچاؤ۔[1685]

اسی طرح مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل سے شائع شدہ کتاب الکامل فی الضعفاء الرجال سے عبارت ملاحظہ ہو:

اذا رأیتم الحریق فکبر و افانہ یطفی ءالنار۔

جب تم آگ دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھا دیتی ہے۔[1686]

مندرجہ بالا احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ آگ لگنے کے وقت تکبیرات کہنے کا حکم ہے۔ ان تکبیرات کا استحباب کس حدیث کی رو سے ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

مرقاۃ شرح مشکوۃ: التکبیر علی ھذا الاطفاء الغضب الالٰھی و لھذا ورد استحباب التکبیر عند رؤیۃ الحریق الخ۔

یعنی "قبر پر تکبیرات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے اور اسی وجہ سے دنیاوی آگ کے وقت اذان کہنا ثابت ہے۔[1687]

ثابت ہو گیا کہ دنیاوی آگ بجھانے کے لئے تکبیرات پڑھنے کا حکم بھی اس لئے ہے کہ قبر کی آگ انہی تکبیرات کی وجہ سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور اذان میں چھ دفعہ تکبیر پڑھی جاتی ہے۔ تو جب

[1685] (معجم اوسط حدیث ۸۵۶۴، ج ۹ ص ۲۵۹، مکتبہ معرف ریاض)

[1686] (صفحہ ۱۴۲۹ ج ۴)

[1687] (فصل نمبر ۳ باب اثبات عذاب قبر صفحہ ۲۱۱ جلد ۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملطان)

غضب الٰہی کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ان تکبیرات کا حکم ہے تو اس سے منع کرنے کے کیا معنی اور مطلب؟

جس مسلمان کا دل غم زدہ ہو اور پریشان حالی میں مبتلا ہو، اسے بھی اگر اذان سنائی جائے تو پریشانی ختم ہو جاتی ہے یہ مقام بھی مسنون مقامات میں داخل ہے۔

مرقاۃ: عن علی رضی اللہ عنہ رأنی النبی ﷺ حزینا فقال یا ابن ابی طالب انی أراک حزینا فمر بعض اهلک یؤذن فی اذنک فانه درأ الهم۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: مجھے حضور پاک ﷺ نے پریشان دیکھا تو فرمایا کہ اے ابن ابی طالب میں تمہیں پریشان دیکھ رہا ہوں۔ اپنے اہل خانہ میں کسی کو کہیں کہ آپ کے کان میں اذان کہے، کہ بیشک اذان غم کو ختم کرنے والی ہے۔"[1688]

لیجئے اب تو مسئلہ واضح ہو گیا کہ غم اور پریشانی کے وقت اذان دینا سنت سے ثابت ہے، اب اعتراض کرنے والے بتائیں کہ کیا یہ نماز کا وقت تھا جو حضور ﷺ نے اذان دینے کا حکم دیا؟

وجہ استدلال: جب اذان سے پریشانی ختم ہو جاتی ہے تو کیا قبر میں مؤمن کو پریشانی نہیں ہوتی؟ یقیناً ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت بالحدیث ہے: **لان القبر مقام الهول والوحشة۔** "قبر ڈر اور وحشت کی جگہ ہے۔"[1689]

اسی طرح طحطاوی کشف الغمہ حلیۃ الاولیاء میں مرقوم ہے:

کان کعب الاحبار یقول قال رسول اللہ ﷺ لما نزل آدم بارض الهند فاستوحش فنزل جبرئیل علیه السلام فنادی بالاذان۔

[1688] (باب الاذان ج ۲ صفحہ ۱۴۹)

[1689] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۲۴)

"یعنی جب آدم علیہ السلام ہند کی سرزمین پر اترے تو آپ کو وحشت ہوئی، تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور اذان کہی۔"

اور **لما نزل آدم الی قولہ استوحش فنزل جبرئیل** کے الفاظ سے اس بات پر صراحت ہے کہ اذان وحشت کے ساتھ متصل ہو۔[1690]

جب ان متعدد حوالوں سے ثابت ہوا کہ پریشانی کے وقت اذان دینا صحیح ہے تو قبر کی پریشانی کے وقت اذان سے انکار کیوں؟

شامی میں بھی اذان مسنون قرار دینے کے مقامات کا ذکر بایں الفاظ موجود ہے:

قد یسن الاذان بغیر الصلوۃ کما فی اذان المولود والمھموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقہ من انسان او بھیمۃ وعند مزدحم الجیش وعند الحریق وقیل عند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجہ لکن ردہ ابن حجر فی شرح عباب وعند تفول الغیلان ای تمرد الجن۔

یعنی نماز کے بغیر اذان دینا سنت ہے جیسا کہ بچے کے کان میں، غم زدہ کے لئے، مرگی کے مریض کے لئے، غصہ والے آدمی (کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے) کے لئے، بد اخلاق انسان یا شوخی کرنے والے جانور کے لئے، جنگ کے وقت، آگ لگ جانے کے وقت اور کہا گیا ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت انسان کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے۔ لیکن ابن حجر نے "شرح عباب" میں اس اذان کے سنت ہونے کا انکار کیا ہے، اور جنات کے غلبہ کے وقت۔

اس عبارت میں صراحتاً لکھا ہے کہ قبر میں میت اتارتے وقت اذان کو سنت کہا گیا ہے، مگر ساتھ ہی لکھا ہے کہ اسے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے رد کیا ہے، مخالفین کو نکتہ ہاتھ آگیا اور ہر جگہ ابن

[1690] (طحطاوی باب الاذان ص ۱۱۱ کشف الغمہ باب الاذان ص ۶۳ حلیۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ بیروت)

حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اسی رد کو اپنے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھو ابن حجر نے اس بات کا رد کیا ہے۔

شامی پڑھنے اور سمجھنے کے لئے عقل کی بھی ضرورت ہے اور پتا کرنا چاہیئے کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کس چیز کا رد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ عبارت وقدیسن سے شروع ہوئی اور مصنف علیہ الرحمہ نے اذان قبر کو سنت کہا تو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اذان قبر کے سنت ہونے کا رد کیا ہے نہ کہ مطلق اذان کا رد کیا ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال (ابن حجر) من ظن انه سنة قياساً على ندبها للمولود الحاقاً لخاتمة الامر بابتدائه فلم يصب۔[1691]

کیونکہ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی اذان کے مستحب ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

ويستحب تلقين بالغ عاقل او مجنون سبق له تكليف ولو شهيدا كما اقتضاء اطلاقهم بعد تمام الدفن لخبر فيه وضعفه اعتضد بشواهد على انه من الفضائل۔

"عاقل، بالغ، مجنون کو بعد دفن تلقین مستحب ہے اور حدیث کا ضعف شواہد کے ساتھ ختم کیا گیا ہے کیونکہ یہ فضائل میں سے ہے۔"

ابن حجر تلقین بعد الدفن کے قائل ہیں اور اسے مستحب قرار دیتے ہیں اور اذان تو ایمانیات کا کلمہ جامعہ ہے جو تلقین کی بہترین صورت ہے۔

اگر مخالفین کا یہ اصرار ہے کہ ابن حجر نے رد کیا ہے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کم از کم ابن حجر علیہ الرحمۃ کے زمانے میں قبر پر اذان دی جاتی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابن حجر کا زمانہ کون سا تھا؟

[1691] (شامی جلد اول ص ٢٦٠)

ابن حجر علیہ الرحمۃ ۹۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۷۴ھ میں فوت ہوئے تو کم از کم ۵۰۰ سال پہلے بھی اذانِ قبر ثابت ہوتی ہے، پھر مخالفینِ اہلسنت کا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ اذان صرف پاک و ہند میں ہے اور کسی جگہ بھی نہیں۔ اگر ابن حجر کے زمانہ میں قبر پر اذان نہ دی جارہی ہوتی تو وہ کبھی بھی رد نہ کرتے۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ رد "اثبات سنت" کا ہے، نہ کہ استحباب کا۔

ولا یسن الاذان عند انزال المیت القبر خلافا لمن قال بسنیته حینئذ قیاسا لخروجه من الدنیا علی دخوله فیها۔ قال ابن حجر ورددته فی شرح العباب لکن ان وافق انزاله القبر اذان خفف عنه فی السوال الخ۔

"اور میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان سنت نہیں۔ بخلاف ان کے جو اذان قبر کو دنیا میں آنے پر دنیا سے نکلنے کو قیاس کرتے ہوئے سنت قرار دیتے ہیں۔ ابن حجر کہتا ہے کہ میں نے شرح عباب میں (سنت کا) رد کیا ہے لیکن اگر قبر پر اذان دی گئی تو میت سے سوال میں آسانی کا باعث ہوگی۔"[1692]

فقہ حنفی کی مشہور کتاب کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق کے ص۲۵۶ پر بھی شامی اور حاشیہ باجوری کی طرح امام رملی علیہ الرحمہ نے عبارت نقل کرکے اذان کے مسنون مقامات کا ذکر کرتے ہوئے ابن حجر کے رد کا ذکر کیا ہے مگر انہوں نے آخر میں لکھا ہے: "اقول ولا بعد فیه عندنا" یعنی حضرت امام رملی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ قبر پر اذان دینا ہمارے نزدیک کوئی بعید نہیں۔ خیال رہے کہ امام رملی مجتہد فی المذہب ہیں اس لئے عندنا کے الفاظ استعمال کئے اور مجتہد کا قول ہمارے لئے مذہب اور واضح ثبوت ہے۔

[1692] (حاشیہ الباجوری علی ابن قاسم الغزی جلد اول ص ۱۶۱ شائع از مصر)

اس کے علاوہ اذان عظیم ذکر ہے، حوالہ کے لئے ملاحظہ ہوں:

لان الاذان ذکر معظم۔

یعنی اذان ذکر معظم ہے۔[1693]

اذان خود بھی عظیم ذکر ہے اور اس میں **افضل الذکر لا الہ الا اللہ** بھی موجود ہے تو اذان دینے سے مکمل ذکر ہو جاتا ہے۔

نسیم الریاض میں شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی بحوالہ امام ابن عطا، امام قاضی عیاض و دیگر ائمہ مفسرین سے آیت **ورفعنا لک ذکرک** کے تحت تفسیر لکھی ہے:

جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک فقد ذکرنی۔

یعنی (اے پیارے نبی ﷺ) میں نے آپ ﷺ کو اپنے ذکر میں سے ذکر بنایا ہے، پس جس نے آپ ﷺ کا ذکر کیا، اس نے میرا ذکر کیا۔[1694]

ذکر مصطفی ﷺ بھی ذکر خدا ٹھہرا اور اذان میں ذکر خدا بھی ہے **(اشھد ان لا الہ الّا اللہ)** اور ذکر مصطفی ﷺ بھی ہے۔ **(اشھد ان محمد رسول اللہ)** لہٰذا اذان مکمل ذکر ہوا۔ اسی لئے بہتر ہے کہ مؤمن کی قبر پر اذان دی جائے۔ کیونکہ اس طرح ذکرِ خدا بھی ہو جائے گا اور ذکر مصطفی ﷺ بھی ہو جائے گا۔

جب یہ بات ثابت ہوئی کہ اذان ذکر بھی ہے اور ایک مرتبہ پھر واضح ہو کہ چھ مرتبہ اللہ اکبر چار مرتبہ شہادتین، آخر میں ایک مرتبہ **لا الٰہ الّا اللہ** یہ سب ذکر میں شمار ہیں، تو اب وضاحت مطلوب ہے کہ میت کو ذکر سے فائدہ ملتا ہے یا نہیں؟

[1693](بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۷)

[1694](شرح شفاء ج ۱ ص ۱۲۵)

شامی باب الجنائز میں ہے:

الميت يستأنس بالذكر على ما ورد في الآثار۔

یعنی میت ذکر سے انس حاصل کرتی ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔[1695]

مراقی و طحطاوی باب الجنائز میں فرماتے ہیں:

ويكره قلع الحشيش و الشجر من المقبرة لانه ما دام رطبا يسبح اللہ تعالیٰ فيونس الميت وتنزل بذكر اللہ تعالیٰ الرحمة۔

یعنی مقبرہ سے گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنا مکروہ ہے۔ کیونکہ جب تک یہ سبز ہوں تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور میت اس سے مانوس ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اور فضائلِ ذکر احادیث مبارکہ میں بے شمار وارد ہیں۔

عن ابی هريرة و ابی سعيد الخدری: انهما شهدا على النبی ﷺ انه قال: لا يقعد قوم يذكرون اللہ عز و جل الا حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينه و ذكرهم اللہ فيمن عنده۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو سعید رضی اللہ عنہ دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنی جماعت میں کرتا ہے۔"[1696]

[1695] (شامی باب الجنائز ج ۱ ص ۵۹۶)

[1696] ((۱) مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۷۴، رقم: ۲۷۰۰، (۲) ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۴۵۹، رقم: ۳۳۷۸، (۳) ابن ماجه، السنن، ۲:۱۲۴۵، رقم: ۳۷۹۱، (۴) ابن ابی شیبه، المصنف، ۶:۶۰، رقم: ۲۹۴۷۵، (۵) طبرانی، المعجم الاوسط، ۲:۱۳۷، رقم: ۱۵۰۰، (۶) احمد بن حنبل، المسند، ۳:۹۲، رقم: ۱۱۸۹۳، (۷) طیالسی، المسند، ۱:۲۹۶، رقم: ۲۲۳۳، (۸) ۱:۳۱۴، رقم: ۲۳۸۶، (۹) ابویعلی، المسند ۲:۴۴۴، رقم: ۱۲۵۲، (۱۰) ۱۱:۲۰، رقم: ۶۱۵۹، (۱۱) ۱۱:۲۱، رقم: ۶۱۶۰، (۱۲) عبد بن حمید، المسند، ۱:۲۷۲، رقم ۸۶۱، (۱۳) بیهقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم: ۵۳۰، (۱۴) منذری، الترغیب والترهیب ۲:۲۶۲، رقم ۲۳۲۸)

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون أھل الذکر، فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ، تنادوا: ھلموا الی حاجتکم۔ قال: فیحفوھم بأجنحتھم الی سماء الدنیا۔۔۔الی آخر الحدیث۔

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہلِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں، جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پالیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آ جاؤ۔ ارشاد فرمایا: پھر وہ آسمانِ دنیا تک اس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہو جاتے ہیں۔۔۔“[1697]

امام سفیان بن عیینہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

عند ذکر الصٰلحین تنزل الرحمۃ۔

یعنی ”صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔“[1698]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بمجرد ذکرہ وذکر اصحابہ فان عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ وعند نزول الرحمۃ یحصل للقلوب الاطمنان والسکینۃ۔

یعنی محض ذکرِ حضور ﷺ اور ذکر صحابہ سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں کیونکہ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے اور نزولِ رحمت کے وقت دلوں کو اطمینان اور تسکین حاصل ہوتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ذکر الانبیاء من العبادۃ وذکر الصالحین کفارۃ۔

[1697] ((۱) بخاری الصحیح، ۵:۲۳۵۳، رقم:۶۰۴۵، (۲) ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۳۹، رقم۸۵۷، (۳) بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم۵۳۱، (۴) ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۵، (۵) منذری، الترغیب والترھیب، ۲:۲۵۸، رقم:۲۳۱۶)

[1698] (اتحاف السادۃ المتقین، ج۱:ص۳۵۰، القول المبرور فی الاذان علی القبور ص۵۱)

یعنی انبیاء کا ذکر عبادت ہے اور صالحین کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔[1699]

ذکر الانبیاء و المرسلین من العبادۃ و ذکر الصالحین کفارۃ۔

یعنی انبیاء ورسل کا ذکر عبادت ہے اور صالحین کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔[1700]

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

فان الاذکار کلھا نافعۃ لہ فی تلک الدار۔

یعنی میت کے لئے اس دار آخرت میں تمام اذکار باعث فائدہ اور نفع بخش ہیں۔[1701]

اور اذان بھی ذکر ہے، اور ذکر سے میت کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اذان قبر کے فوائد بہت ہیں نقصان کوئی بھی نہیں۔

عمدۃ القاری باب موعظۃ المحدث عند القبر میں علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و اما مصلحۃ المیت فمثل ما اذا اجتمعوا عندہ لقراۃ القرآن و الذکر فان المیت ینتفع بہ۔

یعنی میت کی مصلحت کے لئے جو چیزیں ہیں وہ تلاوت قرآن اور ذکر ہے، کیونکہ میت اس سے نفع حاصل کرتی ہے۔[1702]

مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

احب کلمۃ الی اللہ لا الہ الا اللہ لا یقبل اللہ عملا الا بھا و ھی توجب المغفرۃ۔۔۔و حرز من الشیطان۔

[1699] (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن معاذ) (جامع صغیر للسیوطی ج ۲ ص ۱۹، الفتح الکبیر للنبھانی ج ۲ ص ۱۲۰، فیض القدیر للمناوی ج۳ ص ۵۶۴)

[1700] (السراج المنیر ج ۲ ص ۲۹۹)

[1701] (باب ثامن ص ۲۳۲)

[1702] (عمدۃ القاری ج۸ ص ۱۸۶)

یعنی اللہ تعالیٰ کو لا الہ الا اللہ کہنا بہت پسند ہے، قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کوئی عمل مگر اسی کے وسیلہ سے۔ یہ کلمہ مغفرت واجب کرتا ہے اور شیطان سے پناہ کا باعث ہے۔

اسی مسند میں یہ عبارت موجود ہے:

ما من شیء انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اس کے عذاب سے نجات دلانے والی نہیں۔[1703]

علامہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

بہتر و نیکوتر کہ ذکر سبحانہ زندہ و مردہ را شفاء قلب و جلائے روح است۔

یعنی بہتر اور نیک کام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کہ اس میں زندہ اور مردہ دونوں کے لئے دل کی شفاء اور روح کی تازگی ہے۔[1704]

قرآن مجید فرقان حمید کی آیت مبارکہ میں اکمل ترین صراحت موجود ہے۔

رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿الرعد ۲۸﴾

سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

مندرجہ بالا تمام مستند حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ اذان در حقیقت ذکر اور ذکر سے زندہ مردہ دونوں کو راحت ہوتی ہے اور اطمینان نصیب ہوتا ہے چونکہ میت کو قبر میں اتارتے ہی ہیبت لاحق ہو جاتی ہے لہٰذا اگر وہاں اذان کی صورت میں ذکر کیا جائے اور اس کی وحشت دور ہو کر اطمینانِ قلب

[1703] (ج۵ ص ۲۳۹)

[1704] (اشعۃ اللمعات ص ۷۰۷)

حاصل ہو جائے تو اس میں نقصان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے ہمیں سوچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اذان دعا ہے:

اب یہ بات ثابت کی جائیگی کہ اذان ذکر کے ساتھ ساتھ دعا بھی ہے اور میت دعا کی محتاج ہوتی ہے۔

کل دعاء ذکر و کل ذکر دعاء۔

ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دعا ہے۔[1705]

یعنی ذکر اور دعا ایک ہی چیز ہے اور دونوں میں سے ہر ایک راحت کا ذریعہ ہے۔

مسلم شریف میں ہے کہ ایک سفر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہ آواز بلند اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا (چونکہ سفر کی تکالیف اور راستہ کی مشکلات کافی تھیں) تو حضور ﷺ نے فرمایا اے میرے صحابہ اپنی جانوں پر نرمی کرو کیونکہ آپ کسی بہرے یا غائب ذات سے دعا نہیں مانگتے بلکہ آپ سمیع و بصیر ذات سے دعا مانگتے ہیں۔

عربی کے الفاظ یہ ہیں:

انکم لا تدعون اصمًا و لا غائباً انکم تدعون سمیعا بصیرا الخ۔[1706]

اس عبارت میں اللہ اکبر کے الفاظ کو دعاء قرار دیا گیا ہے۔ اللہ اکبر ذکرِ خدا ہے اور نبی محتشم رؤف الرحیم ﷺ نے دعاء بھی قرار دیا۔ لہٰذا واضح ہوا کہ "ذکر خداوندی دعا بھی ہے۔"

[1705] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۵ ص ۱۱۲)

[1706] (باب خفض الصوت بالذکر ج ا ص ۲۴۶)

اذان کے بعد جو دعا مانگی جائے وہ مقبول ہوتی ہے اور رب ذوالجلال اسے رد نہیں فرماتا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ قبر پر اذان کے بعد دعا کی جائے کہ میت کے حق میں جلد قبول ہو۔

مستدرک علی الصحیحین میں ہے:

سنتان لاترد الدعاء عند النداء و عند البأس۔

یعنی دو دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ ایک اذان کے وقت، دوسری جہاد کے وقت۔ [1707]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اذا نادالمنادی فتحت ابواب السماء و استجیب الدعاء۔

"جب مؤذن اذان دیتا ہے تو آسمان کے دروازہ کھل جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے" [1708]

حصنِ حصین میں امام شمس الدین محمد بن جزری لکھتے ہیں:

آداب الدعاء منها تقدیم عمل صالح و ذکرہ عند الشدة۔

یعنی دعاء کے بعض آداب یہ ہیں کہ دعا سے پہلے عمل صالح ہو اور اس کا ذکر ہو تکلیف کے وقت۔ [1709]

اذان عمل صالح بھی ہے اور ذکر بھی لہٰذا میت کی مغفرت کے لئے دعا کرنے سے پہلے اگر اذان دی جائے تو دعاء کے آداب پورے ہونے سے دعا قبول ہوگی۔ [1710]

لہٰذا مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا مستحب ہے، اور مستحب کو قبیح جاننا کفر ہے جیسا تفسیر صاوی میں لکھا ہے۔

[1707] (ج ۱ ص ۱۹۸)
[1708] (باب اجابة الاذان، ج ۱، ص ۵۴۶)
[1709] (باب آداب الدعاء ص ۱۴)
[1710] (بحواله القول المبرور فی الاذان علی القبور)

مستحب کو نہ ماننا گناہ ہے مگر نہ کرنا کوئی گناہ نہیں۔ اگر کوئی بد مذہب بد عقیدہ یہ کہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اذان دینا مکروہ ہے، تو مکروہ کے لئے بھی ثبوت کی ضرورت ہے۔

جیسا فتاویٰ شامی میں ہے:

أن الکراھة حکمٌ شرعیٌّ فلابدّ له من دلیلٍ خاصٍ۔

یعنی کراہت ایک شرعی حکم ہے لہٰذا اس کے لئے ایک خاص دلیل ضروری ہے۔[1711]

"مکروہ" کی دلیل پیش کرنا لازم ہے کیونکہ حرمت اور کراہت احکام شرعیہ ہیں۔ ہر حکم شرعی کے لئے دلیل شرعی پیش کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے کہ دعوی بلا دلیل مسموع نہیں۔ کما فی کتب المذھب (رد المحتار)۔

علامہ شامی نے لکھا ہے:

بان الکراھة لابدلھا من دلیل۔[1712]

الکراھة اذلابدلھا من دلیل خاص کما ذکرہ صاحب البحر۔[1713]

مولوی عبد الحئی لکھنوی التعلیق المجد علی موطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں لکھتے ہیں:

ان الکراھة امر زائد لایثبت الابدلیل خاص یدل علی النھی واما مجرد عدم فعله ﷺ فلایدل الاعلی انه لیس للعبد سنة قبلھا او بعدھا لاعلی انه مکروہ و کونه حریصاً علی الصلوٰة لایستلزم ان یفعل نفسه کل فرد من افرادھا فی کل وقت من اوقاتھا بل کفی فی ذلک قوله الصلوٰة خیر موضوع مع عدم ارشاد النھی و نظیرہ ماوردانه علیه السلام کان لایطعم شیئاً یوم الاضحی الی ان یضحیٰ فیاکل من اضحیته مع ذلک صرحوا بان الاکل فی ذلک الیوم قبل العدو ای الی المصلی لیس بمکروہ اذ لابد للکراھة من دلیل خاص و اذا لیس فلیس۔[1714]

[1711] (ج ا بحث مکروھات بیان المستحب وسنة والمندوب)

[1712] (ج۵، ص ۲۶۳، ج۵ ص ۳۲۹، ج ا ص ۹۱)

[1713] (ج ا ص ۶۱۴)

[1714] (التعلیق الممجد ص ۱۳۷)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قال النووی والمذہبان فاسدان لان الکراھۃ انما تثبت بنھی الشرع ولم یثبت فیه نھی۔[1715]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الحاوی للفتاویٰ میں لکھتے ہیں:

فان الاثبات والنفی کلاھما حکم شرعی یحتاج الی دلیل او نقل۔[1716]

انور شاہ کشمیری فیض الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

والذی یظھر ان الوجوب والحرمۃ یبتغان الامر والنھی دون النظر المعنوی فلا یجب الشیء ولا یحرم الا بالأمر والنھی۔[1717]

وبالجملۃ: المسائل انما توخذ من الامر والنھی لا من اذواق الناس وان "للناس فیما یعشقون مذاھب۔[1718]

مذکورہ کتب کی تصریحات سے روز روشن کی طرح یہ واضح ہوا کہ جب تک نہی تحریمی یا تنزیہی نہ ہو تو وہ چیز بدعت، حرام یا مکروہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا: وَمَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوا ﴿الحشر ۷﴾

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت (حل) ہے نہ کہ بدعت۔

واحتج بھذا الحدیث (سعد بن ابی وقاص) من قال اصل الاشیاء الاباحۃ قبل ورد الشرع حتی یقوم دلیل الحصر۔۔۔آہ مرقات شرح مشکوٰۃ۔[1719]

[1715] (التعلیق الممجد ص ۱۷٦)
[1716] (ص ۲۳۹)
[1717] (ج ۲ ص ۵۰)
[1718] (ج ۲ ص ۱۸۴)
[1719] (ص ۲۳۰)

یعنی جب تک منع کی دلیل موجود نہ ہو تو اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اعلم ان مذہب اہل سنت انہ لا یثبت بالعقل ثواب و لا عقاب و لا ایجاب و لا تحریم و لا غیرھا من انواع التکلیف و لا یثبت ھذہ کلھا و لا غیرھا الا بالشرع۔

یعنی اہل سنت (اہل حق) کا مذہب یہ ہے کہ ثواب یا عذاب، وجوب یا حرمت وغیرہ اقسام تکلیف سے ہیں اور یہ تمام شرع کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتے۔[1720]

شامی میں ہے:

ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات الحرمۃ او الکراھۃ اللذین لا بدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل۔۔۔ الخ۔

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے میں حرمت اور کراہت ثابت کرنے میں احتیاط نہیں کیونکہ ان کے لئے دلیل ضروری ہے۔ بلکہ اباحت کے قول میں ہے جو کہ اصل ہے۔[1721]

والعمل بالاصل وھو الحل ولا یجوز ترجیح الحرمۃ بالاحتیاط۔[1722]

والاباحت اصل۔[1723]

عمل، اصل پر ہے جو کہ حل (حلال ہونا) ہے۔ اور احتیاط کی وجہ سے حرمت کو ترجیح دینا جائز نہیں۔

[1720] (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶)
[1721] (ج ۵ ص ۳۲۶)
[1722] (عنایہ بر ہدایہ ج ۱ ص ۵۰)
[1723] (ہدایہ ج ۱ ص ۴۰۷)

فصل دربیان
اولیائے کرام کیلئے قیوم زمان کالفظ استعمال کرنا

بعض علماء کسی بزرگ کو قیوم الزمان یا قیوم جہان کہنا ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی بزرگ کو قیوم الزمان یا قیوم جہان کہنا جائز ہے۔

جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات شریف میں فرمایا:[1724] ان کی عبارت آگے بیان کی جائے گی۔ ولایت کے مقامات و مراتب میں سے صوفیائے کرام کا ایک مقام ہے جسے "مقامِ قیومیت" کہتے ہیں۔ بلکہ اس کے اُوپر ایک مقام "مقامِ صدیقیت" ہے اور اس سے بھی اُوپر ایک مقام "مقامِ رضا و عبدیت" ہے۔ پھر اس مقام یعنی (عبدیت) میں مراتب کی ترقی ہوتی ہے۔ بعض دوسرے سے اُوپر ہوتے ہیں اپنے مراتب کے اعتبار سے۔ مصنف عمدۃ المقامات محمد الملقب بفضل اللہ سرہندی اپنے پیر و شیخ کے بارے میں ص ۷۵۶ پر اس طرح لکھتے ہیں کہ:

"چونکہ از صحبت کثیر البرکت حضرت قیوم جہاں قطب دائرۂ زمین وزمان"۔ یعنی چونکہ ان کی صحبت کثیر البرکت ہے اور (وہ اپنے شیخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ) وہ قیوم جہاں ہیں اور زمین وزمان کے قطب ہیں۔ یہاں پر انہوں نے اپنے شیخ کو قیومِ جہاں اور قطبِ زمین وزماں کہا ہے۔ کیونکہ وہ ان مراتبِ عالیہ پر فائز تھے۔ اگر یہ کفر و شرک ہوتا تو پھر صاحبِ عمدۃ المقامات اس طرح کیوں کہتے۔

پھر یہ ابیات تحریر فرماتے ہیں:

خلعت قطبیت و غوثیت و قیومی | از کمالِ کرم ایزد نمود انعامش
منکر او شود از درگہ یزداں محروم | ہمچو ابلیس کہ شد از سبب ہم نامش

[1724] (مکتوب نمبر ۷۴ حصہ ۷ دفتر ۳ ص ۷۵)

ترجمہ: خلعتِ قطبیت و غوثیت و قیومیت کا اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں انعام عطا فرمایا اور ان کا مُنکر اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے محروم ہو گا جیسے کہ ابلیس تکبّر اور حضرتِ آدم علیہ السلام کے انکار کی وجہ سے محروم و مردود ہوا۔

پھر صاحبِ عمدۃ المقامات ص ۵ پر اپنے شیخ کے متعلق لکھتے ہیں: میرے مُرشد قیوم جہاں و قیوم زمان ہے (قُدس سرہٗ)۔ یہاں بھی قیومیت کا اطلاق اپنے شیخ و مرشد پر کیا ہے۔

اور مزید ص ۲۵۰ پر لکھتے ہیں کہ: "در ذکرِ احوالِ حضرت عروۃ الوثقیٰ محبوبِ سبحان قیوم عالمیان حضرت امام معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ"۔ یہاں پر بھی حضرت امام معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر محبوبیت و قیومیت و امامت کا اطلاق ہوا ہے۔

آگے ص ۳۲۴ پر لکھا ہے کہ:

"در ذکرِ قطبِ دوران قیومِ زمان حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ"۔

یہاں پر بھی حضرت محمد صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قطبِ دوران اور قیوم زمان کہا ہے۔ اسی طرح صاحبِ عمدۃ المقامات نے ص ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷ میں بار بار مختلف اولیائے کرام پر لفظِ قیوم کا اطلاق کیا ہے۔ اور ص ۳۵۱ پر لکھا ہے کہ۔

"در ذکرِ فضائل و خصوصیات و تصرف و خرق عادات جناب حضرت قیوم زمان شیخ محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ"۔

یہاں پر بھی قیومِ زمان کا اطلاق شیخ محمد صادق پر کیا ہے۔

اور ص ۳۹۶ پر لکھا ہے کہ:

”در احوالِ حضرت قطب الاقطاب غوث الاغواث سر مست بادہ حضرت شیخ حاجی غلام محمد معصوم وقدوۃ الاولیاء ملاذ الاتقیاء مستغرق انوار سرمد حضرت شاہ غلام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ“۔

پھر ص ۳۹۷ پر یہ ابیات تحریر کیے ہیں:

ای مستِ شرابِ قیوم | شد بر تو مزین اسم معصوم
ای بلبل آشیان جبروت | منظور تو بوستانِ لاہوت
ای آہوی مرغزار قدسی | صحرای تو صحن عرش و کرسی

اور ص ۴۰۲ پر لکھتے ہیں:

نگاہِ جذباتِ لایزالی | بردش بحریم بی زوالی
زد سکہ قطبیت نامش | ہم کرد قیوم خاص و عامش
ہم غوث و امام وقت خود شد | ہم فردِ ہمام وقت خود شد
شد ملک وملک مسخّر او | کونین چو حلقہ بر درِ او

پھر ص ۴۰۹ پر مزید لکھتے ہیں کہ:

شد دین امام قیوم | قطب دو جہان امام معصوم
آن زنگ خطر چون بود در دل | شد رفع ز فضل پیرِ کامل

پھر ص ۴۴۵ پر لکھا ہے کہ:

دراحوالِ مجدد مائۃ ثالث عشر غوث الجن والبشر قطب زمان قیوم جہان

زبدۃ اہل اللہ حضرت حاجی محمد صفی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

پھر ص ۴۵۹ پر اس مبارک ہستی کو "قیومِ جہاں" کہا گیا ہے۔

پھر ص ۴۶۵ پر "قیومِ جہاں محبوب رحمان" کہا ہے۔

پھر ۴۸۷، ۴۷۶ پر بھی "قیوم جہاں" کہا گیا ہے۔

اور ص ۴۸۹ پر لکھا ہے:

"الشیخ الاجل قطب الاکمل غوث الاغواث قیوم البشر مجدد مائۃ ثالث عشر مولانا ومرشدنا الحضرت حاجی صفی اللہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ"۔

مرثیہ:

ہو قطب الاقطاب العلٰی	فاسترجعوا اھل البلاء
محی الدین قدعلٰی	قیوم وقت معتلٰی
ہو فرد عصر مختبر	ہو غوث الاغواث البشر
ہو قطب الارشاد الامم	قطب المدار المحتشم
ھادی الطریق المعتصم	فاسترجعوا اھل البلاء

اس سے معلوم ہوا کہ متقدمین اولیاء ومشائخ واسلاف اپنے شیوخ کو قطب، قیوم اور محبوب کے القاب سے یاد فرماتے تھے اور اس کو شرک یا کفر نہیں سمجھتے تھے۔

اور ”حضرات القدس“ (جو تصنیف ہے حضرت شیخ بدر الدین سرہندی کی) ص۲۶۹ اور ص۲۷۰ پر لکھا ہے کہ: ”مقامِ قیومیت کی نسبت چند لوگوں پر ہوئی ہے۔ جن میں سے حضرت امام معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں“۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی احمد بن عبد الاحد السرھندی الفاروقی النقشبندی المتوفیٰ ۱۰۳۴ فرماتے ہیں کہ؛ آیت کریمہ **فمنهم ظالم لنفسه** کی تاویل اور آیت کریمہ **انا عرضنا الامانة** کے بیان اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنادیتے ہیں۔ اور وہ **ظالم لنفسه** ہے۔ اور مقتصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کیا ہے۔ اور سابقؒ بالخیرات کو محب و محبوب کے ساتھ جن کا سرحلقہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں ۔ اس آیۃ کریمہ ” **إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (الاحزاب ۷۲)** ترجمہ: ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اُٹھالیا یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آگے لکھتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس بار امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے حوالہ بھی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا۔ وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسان کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسانِ کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلافت کے حکم سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں۔ اور تمام مخلوق تمام ظاہری و باطنی کمالات کا اضافہ اور بقا اس کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔[1725]

1725 (مکتوبات ص۲۰۶ م نمبر ۷۳)

پھر مکتوب نمبر ۹۵ دفتر سوم حصہ نو میں لکھتے ہیں:

"ایں کرم در حق ما امروز نیست مشت خاک مارا از خاک برداشتہ خلیفۂ خود ساخت و بہ نیابت خود اشیاء گردانید"۔

لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کو قیوم زمان و قیوم جہاں کہنا جائز ہے۔

"وقال فی تفسیر روح البیان تحت ھٰذہ الآیۃ "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" ای فی تفسیر القیوم و مدخل العبد فی ھٰذا الوصف بقدر استغنائہ عما سوی اللہ تعالی"۔

یعنی بندہ (بھی) اس صفت سے اس وقت متصف ہوتا ہے جب وہ ماسوی اللہ سے (کامل طور پر) مستغنی ہو۔

پیر کو قیوم زمان اس لیے بھی کہتے ہیں کہ مُرید بیعت سے پہلے شریعت کا پابند نہیں تھا پھر وہ بیعت کرنے کے بعد شریعت پر قائم ہو گیا۔ ذکر اللہ پر قائم ہوا، حضور مع اللہ پر قائم ہو گیا، اوامر اللہ پر قائم ہو گیا، حب فی اللہ پر قائم ہو گیا بغض فی اللہ پر قائم ہو گیا، جہادِ اکبر (یعنی نفس کے ساتھ جہاد) پر قائم ہو گیا۔ عقیدہ اہلِ سنت وجماعت اور اولیاء اللہ کو ماننے پر قائم ہو گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا (یعنی بیعت نہ کرتا) تو پھر وہابی، بیخ پیری وغیرہ فرق ضالہ میں سے ہوتا۔ اس لیے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات شریف میں فرمایا کہ ولایت کے مراتب اور صوفیائے کرام میں ایک مقام ہے جسے "مقامِ قیّومیت" کہا جاتا ہے۔

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"تفکروا فی صفات اللہ تعالی ولا تتفکروا فی ذاتہ ۔۔۔ او کما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"۔

اللہ کی صفات میں غور وفکر کرو لیکن اس کی ذات میں تفکر مت کرو۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تین اقسام ہیں:

(۱)صفات ذاتی حقیقی: جو کہ آٹھ ہیں: حیات، علم، کلام، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، تکوین۔

(۲)صفاتِ سلبیہ: جیسا کہ لیس کمثلہٖ شئ، لم یلد و لم یو لد و لم یکن لہ کفوًا احد، لا یا کل ولا یشرب، و لا یموت و لا ینام۔

(۳)صفاتِ فعلیہ: جنہیں صفاتِ اضافی بھی کہا جاتا ہے۔ خالق، رازق، محی، ممیت، رؤف، رحمن، رحیم، کریم، منّان۔

اب اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ غیر اللہ کو حیات، عالم، متکلم، قادر، سمع والا، بصارت والا یا ارادہ والا کہا تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہوا؟ اگر ایسا ہو تو پھر دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا حالانکہ ہمارے محاوروں میں کہا جاتا ہے کہ یہ بہت بڑا عالم ہے، یہ حیات ہے، یہ فلاں کا کلام ہے اور یہ اس کا ارادہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر اور باطن بھی ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے۔

"ھو الاول و الآخر و الظاھر و الباطن" اور اعلیٰ، اکبر، عظیم بھی ہیں۔ عام لوگوں کے محاورے میں یہ استعمال ہوتا ہے کہ یہ ظاہر ہے، یہ باطن ہے، یہ اول ہے، یہ آخر ہے، یہ اعلیٰ ہے۔ عرب کہتے ہیں۔ ھذا اکبر، ھذا اخی اکبر۔ پاکستانی کہتے ہیں یہ وزیرِ اعلیٰ ہے، یہ وزیرِ اعظم ہے، یہ عظیم الشان ہے۔ یہ تمام باتیں ہم بھی کہتے ہیں اور تمام لوگ بھی کہتے ہیں تو کیا (نعوذ باللہ من ذٰلک) ہم تمام مشرکین ہیں۔ تو لہٰذا ہمیں شرکتِ اسمی و حقیقی کے درمیان فرق کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے علم سے خود ہی کافر ہو جائیں جیسے کہ فارسی دان کہتے ہیں۔ "کم علم زود خود را کافر میکند"

چونکہ یہ ایک مختصر رسالہ ہے اس لیے اس میں طوالت مناسب نہیں ہے جو حضرات اسماء وصفات کے بارے میں مزید تفصیل چاہیں وہ علم الکلام کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت "رب" ہے جو کہ اسم مشترک ہے۔

جیسا کہ فقہائے کرام فرماتے ہیں:

وإذا اختلف الخياط ورب الثوب فقال رب الثوب امرتک ان تعمله قباء وقال الخياط قميصًا۔[1726]

رب العبد۔[1727]

"ربّ" اسم مشترک ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ معلم صاحب نے میری تربیت کی ہے اور قرآن مجید میں مختلف مقامات پر لفظ "رب" کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔

جیسا کہ سورۃ یوسف میں ہے:

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّکَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ (یوسف ۴۲) يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ (یوسف ۴۱) وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّکَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ (یوسف ۵۰) قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (یوسف ۲۳) وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (الاسراء ۲۴) وغیرہ۔

اب اگر یہاں ان اسماء مشترک میں فرق نہیں کیا اور اللہ اور بندے کی صفات میں فرق نہیں سمجھا تو خود بھی مشرک وکافر ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں ایک طویل حدیث منقول ہے۔

[1726] (هدایه، کتاب الاجارات ج۳ص ۲۶۱)

[1727] (هدایه ج۳ص ۶۵ باب الحقوق)

"قال اخبرنی عن اماراتها قال ان تلد الامة ربتها وفی روایة ربّها علی التذکیر وفی الأُخریٰ بعلها والبعل هٰهنا وهو الرب والسیّد۔"[1728]

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم "اللہ" ہے جو اس کا علَم ہے یعنی ذاتی نام ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر نہیں بولا جاتا باقی دوسرے اسماء کا غیر اللہ پر اطلاق ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ فتاوی سراجیہ وابوا لمنتہیٰ ص ۷۱ پر ہے:

"اعلم ان هٰذا الاسم اعظم الاسماء (یعنی اللہ) لانه دال علی الذات الجامعة لصفات الالٰهیة ولانه اخصّ الاسماء اذ لا یطلقهٔ احد علی غیر اللہ لا حقیقة ولا مجازًا وسائر الاسماء قد سمی بها غیر اللہ کالقادر، والعالم، والرحیم، وغیرها۔"

اور اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (توبة ۱۲۸)

اس آیت کریمہ میں رؤف ور حیم دو صفات استعمال ہوئی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ صفات بھی ہیں۔

اسی طرح یہ بھی حضور ﷺ کی شان میں فرمایا:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (الحاقة ۴۰)

کریم اللہ کی صفت ہے اور اس آیت میں حضور ﷺ کو بھی کریم فرمایا گیا ہے اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"عن ابن عمر رضی اللہ عنه عن النبی ﷺ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراهیم علیهم السلام۔"[1729]

[1728] (فتح الملهم ص ۱۶۹ شرح صحیح مسلم)

[1729] (بخاری ج ۱ ص ۴۷۹)

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قبط کے بادشاہ کو ایک خط لکھا:

"من محمد بن عبداللہ ورسولہ إلی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدٰی۔۔۔الخ۔"

اب علمائے کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو تین صفات رؤف، رحیم اور کریم سے یاد فرمایا اور حضور علیہ السلام نے چار انبیائے کرام کو جو کریم کہا ہے اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بادشاہ مقوقس کو خط میں عظیم لکھا، یہ تمام اسماء اللہ تعالیٰ کے ہیں اگر یہ شرک ہوتا تو اللہ اور اس کا رسول ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیسے کرتے۔ لیکن یہ شرک نہیں ہے بلکہ یہ تمام اسماء مشترکہ ہیں۔ یعنی یہ اسماء اللہ پر اور غیر اللہ دونوں پر بولے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح ایک اسم "حق" ہے۔ اور لفظ "حق" بہت سی چیزوں پر بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہ کہتے ہیں کہ۔ "یہ بات حق ہے"۔ یہ آدمی حق پر ہے"۔ میرا اس پر یہ "حق" ہے۔ "اتنا حق ہے"۔ "حق کہنا، حق چھپانا" "یہ استاد کا حق ہے کسی اور کا نہیں"۔ "ماں باپ کا حق اتنا ہے" "زوج کا حق اتنا ہے"۔ زوجہ کا حق اتنا ہے، پڑوسی کا حق اتنا ہے، مہمان کا حق اتنا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "للمؤمن علی المؤمن ستة حقوق" یعنی "حق" بھی اسماء مشترکہ میں سے ہے۔ "یراد فی حق العباد غیر ما یراد فی حق اللہ۔"

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایک اسم "جامع" ہے۔ حالانکہ ہمارے محاوروں میں استعمال ہوتا ہے کہ "یہ بہت بڑا جامع عالم ہے" اور اسی طرح ایک اسم "ھادی" ہے۔ سورۃ الرعد میں ہے: "وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (الرعد ۷) اسی طرح ایک اسم "قوی" ہے۔ جبکہ یہ صفت نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مؤمن کیلئے استعمال فرمائی ہے: "المؤمن القوی خیر واحب الی اللہ من المؤمن الضعیف۔ او کما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔" یہ تمام اسماء مشترکہ ہیں اور اللہ کی صفات کا اس کی شان کے مطابق اطلاق کیا جاتا ہے اور

بندہ کیلئے اس کے اعتبار سے اطلاق کیا جاتا ہے۔ مثلا اللہ قدیم ہے۔ جیسا کہ اللہ کی صفت حیات ہے اور یہ اسکی ذاتی صفت ہے۔ یہ قدیم ہے، بے چون ہے، ازلی ہے، لا مکانی ہے غیر متناہی ہے۔ اور غیر اللہ کی حیات حادث ہے، عارضی ہے، چونی ہے، مکانی ہے، متناھی ہے، چندروزی ہے۔

اب ہم چند آیاتِ کریمہ پیش کرتے ہیں جن میں اسمائِ مشترکہ کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوا ہے:

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿البقرۃ ۷﴾

اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿البقرۃ ۴۹﴾

اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (کڑی) آزمائش تھی۔

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿البقرۃ ۱۱۴﴾

اور ان کے کیلئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔

وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ﴿البقرۃ ۲۱۷﴾

اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑا گناہ ہے، اور یہ فتنہ انگیزی قتل وخون سے بھی بڑھ کر ہے۔

قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ﴿البقرۃ ۲۱۹﴾

فرما دیں: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ (دنیوی) فائدے بھی ہیں مگر ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔

وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ ﴿البقرۃ ۲۲۱﴾

اور یقیناً مشرک مرد سے مؤمن غلام بہتر ہے۔

وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ (آل عمران ۱۱۸)

اور جو (عداوت) ان کے سینوں نے چھپا رکھی ہے وہ اس سے (بھی) بڑھ کر ہے۔

وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿ال عمران ۱۷۹﴾

اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے۔

إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا (النساء ۲) (ای عظیمًا جلالین)

یقینًا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا ﴿النساء ۵﴾

اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سُپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔

أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿النساء ۲۷﴾

کہ تم راہِ راست سے بھٹک کر بہت دُور جا پڑو۔

وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ﴿النساء ۳۱﴾

اور تمہیں عزت والی جگہ میں داخل فرمادیں گے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (النساء ۳۴)

مرد عورتوں پر محافظ و منتظم ہیں۔

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿النساء ۴۰﴾

بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔

وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾

ہم نے انہیں بڑی سلطنت بخشی۔

فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿النساء ۷۳﴾

تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا۔

وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴿النساء ۱۱۳﴾

اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔

فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴿النساء ۱۱۴﴾

تو ہم اس کو عنقریب عظیم اجر عطا کریں گے۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴿النساء ۱۷۴﴾

اور ہم نے تمہاری طرف (اسی کے ساتھ قرآن کی صورت میں) واضح اور روشن نور (بھی) اُتار دیا ہے۔

وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴿النساء ۹۳﴾

اور اس نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴿المائدة ۹﴾

اور بڑا اجر ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ (هو النبی ﷺ) ☐ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴿المائدة ۱۵﴾

(ای القرآن) بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آگیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ﴿مائدة ۹۱﴾

شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے۔

تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴿المائدة ۱۱٦﴾

تو ہر اس (بات) کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں ان (باتوں) کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہیں۔

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿الانعام ۱۵﴾

بڑے عذاب کے دن سے۔

وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿الاسراء ۲۳﴾

اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو۔

فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿هود ۳﴾

تو بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے۔

ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿توبة ۱۰۱﴾

پھر وہ (قیامت میں) بڑے عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے۔

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿هود ۱۱﴾

مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور عمل کیے نیک یہی لوگ ہیں جن کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿يوسف ۲۸﴾

یقیناً تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔

قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿يوسف ۵۵﴾

یوسف علیہ السلام نے فرمایا: (اگر تم نے واقعی مجھ سے کوئی خاص کام لینا ہے تو) مجھے سرزمین (مصر) کے خزانوں پر (وزیر اور امین) مقرر کر دو، بے شک میں (انکی) خوب حفاظت کرنے والا اور (اقتصادی امور کا) کا خوب جاننے والا ہوں۔

وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ﴿النحل ۴۱﴾

اور آخرت کا اجر یقیناً بہت بڑا ہے۔

إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿الاسراء ۴۰﴾

بے شک تم (اپنے ہی گھڑے ہوئے خیالات کے پیمانے پر) بڑی سخت بات کہتے ہو۔

يَايَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿مريم ١٢﴾

اے یحییٰ علیہ السلام: ہماری کتاب (تورات) کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور ہم نے بچپن سے ہی حکمت وبصیرت (نبوت) عطا فرمادی تھی۔

وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا ﴿مريم ١٣﴾

اور اپنے لطف خاص سے (انہیں) درد و گداز اور پاکیزگی وطہارت (سے بھی نوازا تھا) اور وہ بڑے پرہیز گار تھے۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا ﴿الانبياء ٧٣﴾

اور ہم نے انہیں (انسانیت کا) پیشوا بنایا وہ (لوگوں) کو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿الانبياء ٧٦﴾

پس ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑے شدید غم واندوہ سے نجات بخشی۔

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿الحج ٥٠﴾

اور (مزید) بزرگی والی عطا ہے۔

إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ﴿الحج ١﴾

بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿المومنون ١١٦﴾

اس کے سوا کوئی معبود نہیں بزرگی اور عزت والے عرش (اقتدار) کا (وہی) مالک ہے۔

لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿النور ١١﴾

اس کے لیے زبردست عذاب ہے۔

بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿النور ١٦﴾

بہت بڑا بہتان ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

اوران کے لیے زبردست عذاب ہے۔

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿النور ۱۵﴾

اوراس (چرچے) کو معمولی بات خیال کر رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے حضور بہت بڑی (جسارت ہو رہی) تھی۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۸۹﴾

پس انہیں سائبان کے دن کے عذاب نے آپکڑا بے شک وہ زبردست دن کا عذاب تھا۔

عَذَابًا كَبِيرًا (الفرقان ۱۹)

بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (۵۷) وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿الشعراء ۵۸﴾

پس ہم نے ان (فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے نکال باہر کیا اور خزانوں اور نفیس قیام گاہوں سے بھی (نکال دیا)۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿النمل ۲۹﴾

(ملکہ نے) کہا: اے سردارو! میری طرف ایک نامۂ بزرگ ڈالا گیا ہے۔

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿لقمان ۱۰﴾

اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور ہم نے اس میں ہر قسم کی عمدہ و مفید نباتات اُگا دیں۔

وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ﴿الاحزاب ۳۱﴾

اور ہم نے ان کے لیے (جنت میں) باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔

وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿الاحزاب ۴۴﴾

اوراس نے ان کے لیے بڑی عظمت والا اجر تیار کر رکھا ہے۔

وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿سبا ٤﴾

اور بزرگی والا (اُخروی) رزق ہے۔

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿الاحزاب ٢٩﴾

بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿الصفت ٦٠﴾

بے شک یہی تو عظیم کامیابی ہے۔

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿لقمان ١٣﴾

بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿الصفت ٧٦﴾

اور ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو سخت تکلیف سے بچالیا۔

فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿الصافات ١٠١﴾

پس ہم نے انہیں بڑے بُردبار بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی۔

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿الصافات ١٠٧﴾

اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ اس کا فدیہ کر دیا۔

وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿الصافات ١١٥﴾

اور ہم نے خود ان دونوں کو اور دونوں کی قوم کو سخت تکلیف سے نجات بخشی۔

قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ﴿ص ٦٧﴾

فرمادیجئے: وہ (قیامت) بہت بڑی خبر ہے۔

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (الزمر ١٣)

فرمادیجئے: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں زبردست دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿الزخرف ۳۱﴾

اور کہنے لگے: یہ قرآن (مکہ اور طائف کی) دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی (یعنی وڈیرے، سردار اور مالدار) پر کیوں نہیں اتارا گیا؟

وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيمِ ﴿الواقعہ ۴۶﴾

اور وہ گناہِ عظیم (یعنی کفر و شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے۔

وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿الواقعہ ۷۶﴾

اور اگر تم سمجھو تو بے شک یہ بہت بڑی قسم ہے۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ﴿الزمر ۲۶﴾

اور یقیناً آخرت کا عذاب کہیں بڑا ہے۔

وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿الدخان ۱۷﴾

اور اُن کے پاس بزرگی والے رسول (موسیٰ علیہ السلام) آئے تھے۔

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (۲۵) وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿الدخان ۲۶﴾

وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے اور زراعتیں اور عالیشان عمارتیں۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿الواقعہ ۷۷﴾

بے شک یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے۔ (جو بڑی عظمت والے رسول ﷺ پر اُتر رہا ہے)

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ ﴿الدخان ۳﴾

بے شک ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں اُتارا ہے۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿الدخان ۴﴾

اس (رات) میں ہر حکمت والے کام کا (جدا جدا) فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿الطور ٢٨﴾

بے شک وہ احسان فرمانے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا ﴿ق ٩﴾

اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا۔

أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً ﴿الحديد ١٠﴾

وہ اُن لوگوں سے درجہ میں بہت بلند ہیں۔

لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿الحديد ٧﴾

اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿النمل ٢٣﴾

اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے۔

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿النمل ٢٦﴾

اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں (وہی) عظیم تختِ اقتدار کا مالک ہے۔

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ﴿النمل ٦٢﴾

اور تمھیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) وارث اور جانشین بناتا ہے۔

إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿القصص ٧٩﴾

بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے۔

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿القلم ٤﴾

اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزیّن اور اخلاقِ الٰہیہ سے متّصف ہیں)

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (۱) عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ﴿النبا ۲﴾

یہ لوگ آپس میں کس (چیز) سے متعلق سوال کرتے ہیں؟ (کیا) اس عظیم خبر سے متعلق (پوچھ گچھ کررہے ہیں)؟

أَلَا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ (۴) لِيَوْمٍ عَظِيمٍ (المطففين ۵، ۴)

وہ (مرنے کے بعد دوبارہ) اُٹھائے جائیں گے ایک بڑے سخت دن کیلئے۔

وَ اَعۡظَمَ اَجۡرًا ﴿المزمل ۲۰﴾

اور اجر میں بزرگ تر۔

وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿الحديد ۱۱﴾

اور اس کے لیے بڑی عظمت والا اجر ہے۔

وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿الحديد ۱۸﴾

اور اُن کے لیے بڑی عزت والا ثواب ہوگا۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿الحاقة ۴۰﴾

بے شک یہ (قرآن) بزرگی و عظمت والے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا (منزّل من اللہ) فرمان ہے (جسے وہ رسالۃً اور نیابۃً بیان فرماتے ہیں)۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿التكوير ۱۹﴾

بے شک یہ (قرآن) بڑی عزت و بزرگی والے رسول کا (پڑھا ہوا) کلام ہے۔

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿الملک ۹﴾

تم تو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿الملک ۱۲﴾

ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿القلم ٣٣﴾

اور واقعی آخرت کا عذاب (اس سے) کہیں بڑھ کر ہے، کاش! وہ لوگ جانتے ہوتے۔

وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿القصص ٥٨﴾

اور (آخر کار) ہم ہی وارث ومالک ہیں۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا ﴿الانبیاء ٧٣﴾

اور ہم نے انہیں (انسانیت کا) پیشوا بنایا وہ (لوگوں کو) ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔

عَذَابًا كَبِيرًا ﴿الفرقان ١٩﴾

بڑے عذاب کا۔

مولانا قاری محمد اویس معصومی نے اپنے مُرشد گرامی کے حوالے سے ایک کتاب بنام "قیومِ زماں" لکھی ہے جس میں انہوں نے اپنے مُرشدِ گرامی (آستانۂ عالیہ موہری شریف) کو "امیر شریعت، شہبازِ طریقت، جگر گوشۂ زرین بخت، قیّومِ زماں، مجدّد دوراں، تاجدارِ تصوف، داعی ذکر بالجہر، عالمی مبلّغ اسلام الحاج حضرت خواجہ محمّد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اس کتاب پر علامہ سید شاہ حسین گردیزی، ممتاز عالمِ دین مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا نور احمد شاہتاز، مولانا صحبت خان کوہاٹی، علامہ عبدالوحید ربانی، علامہ سید حمزہ علی قادری، علامہ راشد محمود صاحب وغیرھم علمائے کرام کے تائیدی تاثرات موجود ہیں۔ اگر قیومِ زماں کہنا شرک ہو تو پھر یہ تمام علماء حضرات بھی مشرک ہونگے جبکہ یہ بات بعید از قیاس ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب "قیومِ زماں" میں مقتدر اصحاب مثلاً علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی (قائدِ ملت اسلامیہ)، السید یوسف ہاشم الرفاعی (سابق وزیر اوقاف کویت) حضرت پیر سید محمد یعقوب صاحب، علامہ سید نصیر الدین صاحب (سجادہ نشین گولڑہ شریف)، مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (چیئرمین گلزارِ حبیب ٹرسٹ)، علامہ مفتی محمد عارف

سعیدی صاحب (ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت سندھ) اور حضرت علامہ سید احمد شاہ صاحب وغیرھم کے تاثرات تحریر ہیں۔ شائقین حضرات کتاب "قیومِ زماں" ص ۳۱۲ تا ص ۳۱۷ مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب ادارہ تلاش حق فاؤنڈیشن جامع مسجد باب الاسلام 1.15 /A بفر زون کراچی سے دستیاب ہے۔

منصب قیومیت، نبوت ورسالت کا پرتو ہے۔ ہر پیغمبر اپنے دَور کا قیوم بھی ہوتا ہے۔ جس کی ذات سے کائنات کا قیام وابستہ ہوتا ہے۔ اس کی توجہ بدل جانے سے کائنات کا سارا نظام بدل جاتا ہے۔ امت مصطفی ﷺ میں سے جسے سب سے پہلے اس منصب سے نوازا گیا وہ امام ربانی حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذاتِ گرامی ہے کہ جنہیں اس منصب پر فائز کرنے کیلئے سرورِ کشور رسالت ﷺ ملائکہ، اولیاء و صالحینِ اُمت کے جُھرمٹ میں خود تشریف لائے اور آپ کو نہ صرف خِلعت تجدید عطا کی بلکہ دیوانِ اقدس میں آپ کا نام خزینۃ الرحمۃ مجدد الف ثانی رقم فرمایا۔ ایک دوسرے موقع پر دورانِ مراقبہ آپ کو منصب قیومیت کی خلعتِ زیبا سے نوازا گیا اور الہام ہوا یہ تمام ممکنات کی قیومیت کی خلعت ہے جو اللہ تعالیٰ اولو العزم نبیوں کو عطا کرتا ہے اور آپ کو اتباعِ رسول ﷺ کی بدولت عطا کی گئی ہے گویا مخلوقات کا قیام اب آپ کی ذات سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد قیومت کی خِلعتِ زیبا کے حقدار آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آف سرہند ٹھہرے۔ پھر ان کے فرزند خواجہ نقشبند اور پھر خواجہ محمد زبیر کو اس منصبِ جلیلہ پر فائز کیا گیا۔[1730]

[1730] (قیومِ زماں ص ۱۳۱)

مولانا ابوالحسن زید فاروقی کہتے ہیں کہ جب کہ اس بات پر ہر دو حضرات بلکہ سب کا اتفاق ہے کہ یہ فرد کامل مظہر ہے اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کا تو پھر ایسے فرد کامل کا اتصاف اللہ تعالیٰ کے مبارک نام قیوم سے مناسب تر ہے تعجب ہے کہ بعض افراد کے نزدیک قیوم کے خطاب اور لقب میں سُوئے ادب کا پہلو ظاہر ہوتا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آدابِ شریعت وطریقت سے پوری طرح مجلّٰی تھے۔ آپ کا تجویز کردہ نام نہ صرف جائز ہے بلکہ بہتر واولیٰ ہے۔

چون بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطا است　　　سخن شناس نہ ئی دلبرا خطا این جا است

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے اسماعیل دہلوی اپنی کتاب "عبقات" کے مقدمہ کے بیسویں عبقہ میں لکھتے ہیں: "اہلِ کشف ووجدان اور ارباب شہود وعرفان جو کہ براہین عقلیہ اور اشارات نقلیہ سے مؤیِّد ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ "ان القیوم لکثرات الکونیة واحد شخصی" یعنی کثراتِ کونیہ کا قیوم یعنی قائم اور باقی رکھنے والا شخص واحد ہے۔۔۔الخ۔

یعنی یہ بات صرف حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک محدود نہیں ہے بلکہ حضراتِ مشائخ عظام وعلمائے کرام کا متفقہ قول ہے کیا یہ سب حضرات سوئِ ادب کا ارتکاب کررہے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسماء وصفاتِ الٰہیہ کو حقائق امکانیہ قرار دیتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آئینۂ عدمیہ کو جس پر اسماء وصفات واجبی کا پرتو پڑا ہے حقائق امکانیہ قرار دیتے ہیں اور دونوں حضرات متفق ہیں کہ ایک فرد اکمل از انسان کامل کثرات کونیہ کے بقاء کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اسماعیل دہلوی

"عبقات" کے مقدمہ کے اکیسویں عبقہ میں ایک شبہ کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے: "امام ربانی کے کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ حقائق امکانیہ کا تعین عدم ہے اس قول سے اتحاد کی اساس تو جڑ سے نکل جاتی ہے لیکن ہم جیسے قارئین کشف و شہود کی سمجھ سے یہ بات بالاتر ہے اور اس کی تہ تک پہنچنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کیونکہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ۔ "ان یکون الشیٔ المعدوم فضلا عن العدم قیوما لشیٔ موجودا اصلیًّا کان او ظلّیًّا" یعنی جو شئ نہ یہ کہ عدم ہو بلکہ معدوم ہو کس طرح اس شئ کا قیوم ہو سکتا ہے جو موجود ہو چاہے اس کا موجود ہونا بالاصالت ہو یا بالظّلّیت ہو۔ الخ۔ کہ یہ ایراد اس صورت میں واقع ہو گا اگر حضرت مجدد حقائق امکانیہ کا صرف آئین ہائے عدمیہ قرار دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ حقائق امکانیہ کا عدمات ہیں مع ان ظلال اسماء وصفات جو ان پر پڑی ہیں اور آپ فرماتے ہیں۔ کہ عدمات بمنزلۂ اصول اور مواد کے ہیں اور جو ظلال ان پر پڑے ہیں وہ بمنزلۂ صورت حالہ کے ہیں گویا کہ عدمات بمنزلۂ جسم کے ظلال بمنزلۂ روح کے۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست　　تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

اس طرح "ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ و ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک" کا ظہور ہوا ہے جو بھلائی اور خوبی ہے وہ تجلیات اسماء وصفات واجبی کے آثار سے ہے اور جو خرابی اور فساد ہے وہ اصل عدمی کا اثر ہے جو کہ ماوائے شر و فساد ہے وہ فرد اکمل جو قیومِ جہاں بنایا جاتا ہے فنائے اکمل اور بقائے تام سے مشرف ہو کر ذاتِ اقدس کا انموذج ہو جاتا ہے اور اس ذات موہوب پر خود اس کا اپنا اور عالم کے تمام اعراض مجتمعہ کا قیام ہے یہ ذات موہوب حضرت واہب العطایا کی دین ہے۔

"لا غیر ذالک تقدیر العزیز العلیم۔ ھذا ما ظھر لابی الحسن زید و اللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم"۔[1731]

[1731] (رسالۃ وحدۃ الوجود، حاشیہ بر وحدت الشہود ص ۷۰-۶۴)

خطباتِ عالیہ غفاریہ کے ٹائیٹل پر حضرت محمد عبدالغفار فضلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا روضہ مبارک بنایا گیا ہے۔ وہاں یہ الفاظ درج کئے گئے ہیں۔ (روضہ مبارک حضرت خواجہ قیومِ زماں محمد عبدالغفار فضلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمت پور شریف لاڑکانہ، سندھ) اور عبدالرحمن قریشی نقشبندی مجددی فضلی رحمانی نے اپنی تصنیف انوارِ سلوک میں شجرۂ مشائخ لکھا ہے۔ جس میں ایک نام یُوں لکھا گیا ہے۔ الٰہی بحرمۃ قیومِ زمان محبوب الرحمن حضرت خواجہ ابو عبدالوہاب عبدالرحمن جان المن وجودی ص۔ اسی کتاب میں قیومِ زمان تین جگہ لکھے ہوئے ہیں۔[1732]

شمس العارفین کعبۂ صفا کیشاں شیخ احمد کابلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تازہ کمالات مثلاً تجدید الف، قیومیت، طینت اور اصالت وغیرہ سُنے تو جن کی عقل رسا اور طبیعت رسا تھی انہوں نے تو ان کمالات کو بلا تامل قبول کیا اور شمس العارفین شیخ احمد کابلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مُرید بن گئے لیکن جو لوگ عقل معاد سے بے بہرہ تھے وہ نہ صرف منکر ہوئے بلکہ شمس العارفین شیخ احمد کابلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اہانت اور خفت کے درپے ہو گئے اور کہا اگر وہ فی الواقع قیوم اور مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ہیں تو ہمیں ایسی علامت دکھائیں جو پہلے زمانے میں پیغمبر دکھاتے تھے جب ان لوگوں کی واہیات باتیں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے سُنیں تو فرمایا: کہ جو لوگ یہ باتیں کرتے ہیں انہیں کہہ دو کہ اگر تمہارے دل میں میل ہے تو آؤ مباہلہ کر لو اگر ہم اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اس شہر پر غضب الٰہی نازل ہو گا۔ مباہلہ اسے کہتے ہیں کہ پیغمبر (احمد مصطفی سرکارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ) کے زمانے سے قبل یہ دستور تھا کہ جب کوئی نبی نبوت کا دعویٰ کرتا اور لوگ اس کی نبوت کے منکر ہوتے تو وہ نبی ان سے کسی مقررہ مقام پر اپنے اپنے اہل و عیال سمیت آکر

[1732] (ص ۶۸، ص ۷۴، ص ۸۳)

طہارت کر کے بار گاہِ الٰہی میں ایک دوسرے کیلئے دُعائے غضب کرتے چونکہ نبی اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا تھا تو ان لوگوں پر عذابِ الٰہی نازل ہوتا۔ اس طرح اکٹھے ہو کر دُعائے غضب مانگنے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ جب ان معاندین نے حضرت شیخ الاسلام والمسلمین تاج الاولیاء مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی طرف سے سُنا کہ آپ مباہلہ کیلئے تیار ہیں تو اپنا مجمع بنایا اور اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ مباہلہ تو نہیں کرنا چاہیے کیونکہ غالب گمان ہے کہ اس مردِ خُدا اور اس کے فرزندوں کی دُعا حق تعالیٰ رد نہیں کرے گا۔ بالضرور اس شہر پر بلائے عظیم کیا بلکہ اعظم نازل ہو گی البتہ کسی ایسی علامت کی درخواست کریں جو ناممکن ہو چنانچہ ان میں سے ایک معتبر شخص آگے بڑھا اور حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سے درخواست کی کہ اگر غوث الاعظم حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ زندہ ہو کر ہمارے سامنے آئیں اور آپ کی تجدید الف اور قیومیت کا اقرار کریں تو ہم آپ کی تجدید الف و قیومیت پر ایمان لے آئیں گے جب اس قسم کی درخواست حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا کہ جس بات کو وہ محال سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ قادر ہے آسان کر دے گا۔[1733]

ایک درویش نے پہلے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے میرا (جان محمد کا) حال پوچھا غوث زماں شہباز لامکاں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فلاں شخص کا بیٹا ہے اس درویش نے کہا اس کا باپ میرا آشنا تھا اسے آپ نے کس سلسلہ میں مُرید کیا ہے۔ حضرت مجدد نے فرمایا سلسلہ قادریہ میں، اس نے کہا میں اس بات کی سفارش کرتا ہوں کہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات کرائیں یہ بات منکروں کے لیے دلیل ہو جائے گی اتنے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اٹھ کر لوٹا اور چند ڈھیلے مجھ سے طلب فرمائے اور بیت الخلاء جا کر

[1733] (روضۃ القیومۃ ج ۱ ص ۲۵۴-۲۵۶)

وہاں سے فارغ ہوئے اور تازہ وضو فرمایا اور مجھے پاس بلا کر فرمایا کہ جان محمد کیا قطب تارے کو پہچانتے ہو کیا یہی ہے (اور قطب تارے کی طرف اشارہ کیا) پھر فرمایا غور سے دیکھو۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ستارہ آہستہ آہستہ سُرخ ہونے لگا اور بڑھنے لگا اور حرکت کر رہا ہے۔ بعد ازاں وہ ستارہ پھَٹا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اس میں سے ایک شخص زندہ سیاہ پوش نکلا اور فی الفور ایک لمحہ میں ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا۔ حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی خدمت بجالاؤ اور سلام پیش کرو یہی حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ میں (جان محمد) حسبِ ارشاد حضور غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں جُھک گیا اس موقع پر حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ستر مخالفین بھی موجود تھے اور یہ باتیں سُن رہے تھے اور یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر سب کے سب حیران ہو گئے بعد ازاں حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بآوازِ بلند اعلان فرمایا کہ جو کچھ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اسے قبول کرو کیونکہ دین و دنیا کی بھلائی اسی میں ہے۔ اور یہ کہ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ اولیائے امت سے افضل ہیں۔ ان کا منکر ہونا ایمان چِھن جانے کا موجب ہے جو شخص اپنے ایمان کی سلامتی چاہتا ہے وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات کو دل سے قبول کر لے۔ تمام اہلِ مجلس نے حضور غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام سُنا اور اُن کی نصیحت کو اپنے کانوں سے سُنا اور جمالِ مبارک کا آنکھوں سے نظارہ کیا یہ نصیحت فرما کر حضور غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ رُخصت ہو کر قطب تارے کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی میں غائب ہو گئے۔ اور قطب تارہ اپنی اصل حالت پر آ گیا۔ حضرت قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بذاتِ خود اس مجلس

میں تشریف فرماتھے۔ شہر بھر میں جتنے مُنکر موجود تھے سب نے توبہ کی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر مُرید ہوگئے۔[1734]

ایک مرتبہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نمازِ ظہر کے بعد مراقبے میں بیٹھے تھے اور ایک حافظ آپ کے حضور قرآن مجید پڑھ رہا تھا کہ مراقبہ میں حضرت امام ربانی رحمہ اللہ نے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی نوری خلعت اپنے آپ پر مشاہدہ کی اسی وقت الہام ہوا کہ یہ تمام ممکنات کی قیومیت کی خلعت ہے جو اللہ تعالیٰ پیغمبر اولوالعزم کو عنایت کرتا ہے سو یہ خلعت آپ کو بلحاظ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے وارث اور تابع ہونے کے عطا کی جاتی ہے آج سے تمام مخلوقات کا قیام آپ کی ذات سے وابستہ کر دیا گیا۔ بعد ازاں حضرت محمد مصطفی ﷺ تشریف فرما ہوئے اور اپنے دستِ اقدس سے حضرت قیوم اول غوثِ دوراں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے سرِ مبارک پر اپنی دستار باندھی اور منصب قیومیت کی مبارک باد دی حضرت محمد مصطفی ﷺ کے بعد یہ منصب کسی کو عطا نہیں ہوا تھا صرف حضرت قیوم اول غوث دوراں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو عطا ہوا جو اس اُمت کے قیوم ہیں۔[1735]

قیوم اللہ تعالیٰ کا وزیر اعظم اور نائب اتم ہوتا ہے اسے بے چونی سے ایک ذات مرحمت ہوتی ہے جسے ذات موہوب کہتے ہیں جس پر تمام ممکنات کے حقائق کا قیام منحصر ہوتا ہے باوجود جوہر ہونے کے جوہریت کا اطلاق اس پر زیب نہیں دیتا۔ اس کی ذات کو وہ قدر و منزلت حاصل ہوتی ہے کہ جوہریت کا اطلاق ناگوار معلوم ہوتا ہے چونکہ تمام جہاں اس کے مقابلے میں بمنزلہ عرض ہے اس لیے اسے سوائے جوہر کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کیونکہ جوہر بغیر عرض کے نہیں اور عرض بغیر جوہر کے

[1734] (روضۃالقیومیہ ج ا ص ۲۵۹،۲۵۸)

[1735] (روضۃالقیومیہ ج ا ص ۱۷۱)

نہیں۔ غوث، قطب، فرد، ابدال اور اوتاد وغیرہ سب قیوم کے نائب اور پیش کار اور خادم ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اکمل ہوتا ہے تمام جہان کے معاملات اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ جہان کی توجہ کا قبلہ ہوتا ہے خواہ اہلِ جہان کو یہ معلوم ہو یا نہ ہو۔ ہزار سال بعد ایک قیوم پیدا ہوتا ہے جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام اولوا العزم مبعوث ہوتے آئے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور پُر نور ﷺ کے درمیان کچھ کم ہزار سال کا وقفہ تھا چونکہ وہ فترت کا زمانہ تھا اور کوئی ایسا نبی یا ولی اس زمانے میں پیدا نہ ہوا جو اصلاح مخلوق کا کام کر سکتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کی خاصی تعداد بھی مُرتد ہو گئی تھی انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا۔[1736]

حضرت علامہ مولانا شیخ القرآن والتفسیر ضیاء اللہ صاحب اپنی تصنیف سیف المؤمنین علی اعناق المنکرین میں لکھتے ہیں کہ:

"قطب اور غوث سے فوق مقام امام کا ہے اور امام سے فوق مقام قیومیت کا ہے اور قیومیت سے فوق مقام صدیقیت کا ہے۔ اور صدیقیت سے فوق مقام عبدیّت کا ہے اور عبدیت اقصیٰ ولایت کے مراتب سے ہے۔"

حضرت شیخ المشائخ حسن غوثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بعض مخالفوں کے کہنے سُننے سے تجدید اور قیومیت کی نسبت کے شاکی ہو گئے ایک رات آپ (حسن غوثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے خواب میں دیکھا تمام اولیائے اُمت ایک جگہ جمع ہیں اور تمام متفق اللفظ ہو کر فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تجدید اور قیومیت کا مُنکر ہو گا مرتے وقت اس کا ایمان چِھن جائے گا۔ حضرت شیخ حسن غوثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ خواب دیکھ کر بہت ڈرے اور

[1736](روضۃالقیومیہ ج ا ص ۱۷۳)

تجدید و قیومیت کی بابت جو شک و شبہ اور انکار دل میں تھا اس سے توبہ کی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تمام کمالات کا اعتراف کیا۔[1737]

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو الہام ہوا کہ بوراثت و تبعیت خاتم الرسل رحمۃ للعلمین حضرت محمد ﷺ کے عطا ہوا اور جمیع مخلوقات کا قیام تمہاری ذات پر مقرر ہوا کہ اتنے میں حضرت سید المرسلین ﷺ تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے میرے سر پر دستار باندھی اور مبارک باد منصبِ قیومیت دی فرمایا کہ ایک روز بعد نمازِ عشاء میں دعا مانگتا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ میرا تمام بدن مثل شمع کے روشن ہے اور آفتاب کی طرح ایسا چمکتا ہے کہ آنکھ سامنے نہیں کی جاتی اسی اثناء میں الہام ہوا کہ یہ روشنی اس واسطے ہے کہ تیرا بدن بقیہ طینتِ حضرت خاتم النبیین ﷺ تھا بطور الوش ایک فردِ اُمت کو پہنچا ہے اور اس سے کچھ بچ کر اس کے ایک منتسب کو ملا ہے۔ منتسب سے حضرت عروۃ الوثقیٰ قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند ثالث مراد ہیں حضرت کا تمام بدن بقیہ طینتِ مصطفوی ﷺ کا بنا تھا مگر پیر مبارک نہ تھے۔ حضرت (قیومِ اول ردیف کمالاتِ سبع مثانی شیخ احمد سرھندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ میرا حال مثل طاؤس کے ہے کہ اپنے بدن کی زیبائی ورعنائی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور ناچتا (وجد کرتا) ہے لیکن جب پیروں پر نظر پڑتی ہے تو پژمردہ ہو جاتا ہے اسی طرح میں بھی جب اپنا (حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) بدن دیکھتا ہوں تو خوش ہو جاتا ہوں اور جب پیر دیکھتا ہوں تو منقبض ہو جاتا ہوں۔[1738]

[1737] (روضۃ القیومیہ ج ۱ ص ۲۴۷)

[1738] (مقاماتِ امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۲۷)

علامہ فیض احمد اویسی "قیومیت" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ الاسلام تاج الاولیاء مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ان تمام کارناموں علمی اور عملی اور اسلامی خدمات کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص محبوب بندہ بنالیا اور شروع سے قاعدہ چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نوازتا ہے جیسے حضرت سلطان العارفین غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر رحمہ اللہ کے ناز اور محبوبانہ انداز مشہور ہیں اسی انداز میں حضرت شیخ الاسلام تاج الاولیاء مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی ناز اور انداز فرمائے من جملہ ان میں ایک خاص دعوائے قیومیت بھی ہے۔ فقیر (علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی صاحب) اس کے اثبات کیلئے دلائل قائم کرتا ہے"۔[1739]

حضرت مولانا خواجہ احمد حسین خان قادری نقشبندی مجددی امروہوی علیہ الرحمۃ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ کی سوانح عمری میں لکھتے ہیں: "آپ قیوم اول یعنی آپ کی ذات بابرکات باعثِ قلیم عالم وعالمیان ہے"۔[1740]

افغانستان کے مشہور زمانہ عالم دین خلیفہ عبد الواحد صاحب لکھتے ہیں:

"قیوم الزمان هو فی الحقیقة و المعرفة و حید حضرت شاه ابو سعید رحمه الله"۔[1741]

عن ابن عباس رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ فقیه و احد اشد علی الشیطان من الف عابد۔

"روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا رسول خُدا ﷺ نے ایک فقیہ سخت تر ہے اُوپر شیطان کے ہزار عابدوں سے۔"[1742]

[1739] (شان قیومیت ص ۴۰ بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی ص ۲۶۸)
[1740] (جواهر مجددیه ص ۶۴)
[1741] (آداب المخلصین ص ۷۳)
[1742] (رواه ترمذی و ابن ماجه، مشکوٰة کتاب العلم ص ۳۴)

عن سفیان رحمہ اللہ انّ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ قال لکعبٍ من ارباب العلم قال الذین یعملون بما یعلمون قال فما اخرج العلم من قلوب العلماء قال الطمع۔

یعنی روایت ہے حضرت سفیان رحمہ اللہ سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا واسطے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے کون ہے صاحبِ علم یعنی تمہارے نزدیک کہا حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے وہ لوگ کہ عمل کریں موافق اس چیز کے کہ جانیں کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پس کیا چیز نکالتی ہے علم کو دلوں عالموں کے سے یعنی برکت و ہیبت اور نورِ علم کو کون سی چیز علماء با عمل کے دلوں سے نکال دیتی ہے کہا کہ طمع۔[1743]

"عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ إذا صلّی احدکم للناس فلیخفّف فان فیھم السقیم و الضعیف و الکبیر و اذا صلی احدکم لنفسہ فلیطوّل ماشآء"۔[1744]

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس وقت کہ نماز پڑھائے ایک تمہارا لوگوں کو پس چاہیے کہ ہلکی کرے نماز اس لیے کہ ان میں بیمار بھی ہوتا ہے اور ضعیف بھی یعنی اصل خلقت میں اور بوڑھا اور جس وقت کہ نماز پڑھے ایک تمہارا واسطے اپنے یعنی اکیلا پس چاہیے کہ دراز کرے جس قدر چاہے۔[1745]

یہاں اس حدیث مبارکہ میں لفظ "کبیر" بندے کے حق میں استعمال ہوا ہے۔ (فتدبّر و لا تکن من المتعصّبین)

"عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ یوم القیامۃ عالم لا ینتفع بعلمہٖ"۔[1746]

[1743](رواہ الدارمی، مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۷)

[1744](متفق علیہ، مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب ما علی الامام ص ۱۰۱)

[1745](مظاھر حق ص ۳۷۵)

[1746](رواہ الدارمی، مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۷)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا! تحقیق بدترین لوگوں کا نزدیک اللہ کے مرتبہ میں دن قیامت کے وہ عالم ہے کہ نہ نفع لیا اس نے ساتھ علم اپنے کے۔[1747]

یہاں پر لفظ "عالم" بندہ کیلئے بطورِ صفت استعمال ہوا ہے۔

"عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال لا یزال قلب الکبیر شابا فی اثنین فی حب الدنیا وطول الامل"۔[1748]

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نقل کیا نبی کریم ﷺ سے کہ فرمایا ہمیشہ ہر دل بوڑھے کا اور آرزو اس کی جوان یعنی قوی رہتی ہے دو چیزوں میں محبتِ دنیا میں اور درازئ آرزو میں۔[1749]

یہاں پر لفظ "کبیر" کا اطلاق بندے پر ہوا ہے۔

جب رسولِ کریم ﷺ نے روم اور بحرین کے بادشاہوں کو خطوط لکھے تو اُن میں اُن کافر بادشاہوں کو "عظیم" کے لقب سے مخاطب فرمایا جیسا کہ حدیث میں ہے:

"بسم الله الرّحمٰن الرّحیم مِن محمّد عبدالله و رسوله إلی هرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الهدٰی اما بعد۔۔۔الخ"

اور دوسری روایت میں ہے:

"ان رسول الله ﷺ بعث بکتابه إلی کسرٰی مع عبدالله بن حُذافه السهمی فامرهٔ ان یدفعه إلی عظیم البحرین فدفعهٔ عظیم البحرین إلی کسرٰی۔۔۔الخ"۔

[1747] (مظاهر حق ص ۱۰۸)
[1748] (متفق علیه، مشکوٰۃ باب الامل والحرص ص ۴۵۰)
[1749] (مظاهر حق ص ۲۴۶)

پس ان دونوں روایتوں میں لفظ ''عظیم'' جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ دو بادشاہوں (جو کافر تھے) کے حق میں استعمال ہوئے ہیں۔ ایک طویل حدیث میں ہے کہ:

''یا بلال قم فاذن لا یدخل الجنّۃ الا مؤمن و ان اللہ لیؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر''۔

ترجمہ: ''اے بلال رضی اللہ عنہ: اٹھ اور اعلان کر کہ جنت میں وہی جائے گا جو مؤمن ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید وحمایت کسی فاجر شخص سے بھی کرا لیتا ہے۔[1750]

''عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس''۔[1751]

ترجمہ: روایت ہے جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں رحمت کرتا یعنی رحمتِ خاص وکامل اللہ اُس شخص پر کہ جو نہیں رحم کرتا لوگوں پر۔[1752]

''عن زیاد بن حُدیر رضی اللہ تعالی عنہ قال قال لی عمر رضی اللہ تعالی عنہ ھل تعرف ما یھدم الاسلام قال قلت لا قال یھدمہ زلۃ العالم و جدال المنافق بالکتاب و حکم الائمۃ المضلین''۔[1753]

ترجمہ: روایت ہے حضرت زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ سے کہ کہا کہ کہا واسطے میرے عمر رضی اللہ عنہ نے کیا جانتا ہے تو کیا چیز گرا دیتی ہے بنائے اسلام کو؟ کہا میں نے نہیں جانتا میں فرمایا گرا دیتا ہے بنائے اسلام کو پھسلنا عالم کا یعنی خطا کسی مسئلے میں کرنا اور گناہ کرنا اس کا اور جھگڑنا منافق کا ساتھ کتاب اللہ کے اور حکم کرنا سرداروں گمراہوں کا۔[1754]

[1750] (بخاری، مشکوٰۃ ص ۵۳۴)
[1751] (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۱)
[1752] (مظاہر حق ص ۱۳۰)
[1753] (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۷)
[1754] (مظاہر حق ص ۱۰۸)

"عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم وحامل القرآن غیر الغالی فیہ ولا الجافی عنہ واکرام السلطان المقسط"۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تحقیق جملہ تعظیم اللہ تعالیٰ کی سی ہے تعظیم کرنی بوڑھے مسلمان کی اور تعظیم کرنی اٹھانے والے قرآن کی یعنی پڑھنے والے قرآن کی اور حافظ کی اور مفسر کی کہ نہ ہو غلو کرنے والا اس میں اور نہ ہو وہ دُور ہونے والا اس سے اور جملہ تعظیم اللہ تعالیٰ کی سی ہے تعظیم کرنی بادشاہ عادل کی۔[1755]

"عن حارثۃ بن وھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللہ ﷺ الا اخبرکم باھل الجنّۃ کل ضعیف متضعّف لو اقسم علی اللہ لابرہ الا اخبرکم باھل النار کل عتلّ جوّاظ مستکبر" (متفق علیہ) وفی روایۃ لمسلم کل جوّاظ زنیم متکبر۔[1756]

ترجمہ: روایت ہے حضرت حارثہ بن وھب رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کیا نہ خبر دوں میں تمھیں جنتیوں کی یعنی کہوں کہ بہشتی کون ہیں؟ وہ ہر ضعیف کہ ضعیف و حقیر جانیں اس کو لوگ اور جبر و تکبّر کریں اس پر لوگ بسبب فقر اور شکستہ حالی اس کی کہ اگر قسم کھائے اللہ پر البتہ سچا کرتا ہے اس کو یا اس کی قسم کو۔ کیا نہ خبر دوں میں تم کو دوزخیوں کی ہر سخت گو جھگڑالو باطل پر جمع کرنے والا مال کا بخیل تکبر کرنے والا۔[1757]

اس حدیث میں لفظ "متکبر" صفت مشترکہ ہے۔

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاثۃ لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولا یزکیھم وفی روایۃ ولا ینظر إلیھم ولھم عذاب الیم شیخ زان وملک کذاب وعائل مستکبر"۔

[1755] (رواہ ابو داؤد والبیھقی فی شعب الایمان و مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۳) (مظاھر حق ص ۱۳۷)
[1756] (مشکوٰۃ ص ۴۳۳ باب الغضب والکبر)
[1757] (مظاھر حق ص ۱۷۸)

ترجمہ: ”روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے کہ تین شخص ہوں گے کہ نہیں کلام کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ دن قیامت کے یعنی کلام رضا کا یا مطلق اور نہ ثناء کرے گا ان پر اور ایک روایت میں یہ زیادہ آیا ہے اور نہ دیکھے گا طرف ان کے یعنی نظرِ رحمت و عنایت سے اور ہو گا واسطے ان کے عذاب درد دینے والا ایک تو بوڑھا زناکار دوسرا جھوٹا بادشاہ اور تیسرا مفلس تکبر کرنے والا۔“ یہاں لفظ ”ملک“ صفتِ مشترکہ ہے“۔ [1758]

”عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لایزال الرجل یذھب بنفسہٖ حتی یکتب فی الجبّارین فیصیبہٗ ما اصابھم۔“

روایت ہے حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسولِ خُدا ﷺ نے کہ ہمیشہ رہتا ہے ایک شخص کہ کھینچتا ہے اپنے نفس کو یہاں تک کہ لکھا جاتا ہے یعنی نام اس کا سرکشوں میں یعنی ظالموں اور متکبروں کے دیوان میں پس پہنچتی ہے اس کو وہ چیز کہ پہنچی ان کو یعنی آفات وبلیلات دنیا اور آخرت میں۔ [1759]

یہاں لفظ ”جبّارین“ صفتِ مشترکہ ہے۔

”عن عمر رضی اللہ عنہ وھو علی المنبر یا ایھا الناس تواضعوا فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من تواضع للہ رفعہ اللہ فھو فی نفسہٖ صغیر و فی اعین الناس عظیم و من تکبر وضعہ اللہ وھو فی اعین الناس صغیر و فی نفسہٖ کبیر حتی لھو اھون علیھم من کلب او خنزیر“۔

ترجمہ: ”روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کہا اس حال میں کہ منبر پر تھے، اے لوگو! تواضع اور فروتنی کرو اس لیے کہ میں نے سنا ہے پیغمبرِ خُدا ﷺ کو فرماتے ہوئے جو شخص کہ تواضع کرے ساتھ لوگوں کے واسطے خُدا کے یعنی واسطے طلبِ رضا اس کی کہ بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ

[1758] (رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب الغضب و الکبر ص ۴۳۳) (مظاھر حق ص ۱۷۹)

[1759] (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ باب الغضب و الکبر ص ۴۳۳) (مظاھر حق ص ۱۸۱)

مرتبہ اس کا پس وہ اپنے نفس اور نظر میں حقیر ہے یعنی بسبب دیکھنے کے اپنے کو نظر کمی سے اور لوگوں کی آنکھ میں بزرگ ہے یعنی بسبب بلند کرنے حق تعالیٰ کے اس کے مرتبے کو بسبب اس خصلتِ نیک کے اور جو کوئی تکبر کرے پست کرتا ہے خدائے تعالیٰ قدر اس کی پس وہ لوگوں کی آنکھوں میں حقیر ہے اور اپنے نفس و نظر میں بزرگ ہے یہاں تک کہ البتہ وہ خوار تر اور ذلیل تر ہے لوگوں کے نزدیک کتے یا سُور سے۔"[1760]

"عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء"۔

ترجمہ: روایت ہے عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہ کہا! فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے شفقت کرنے والے خلق پر رحمت کرتا ہے ان پر رحمن۔ رحم کرو ان پر کہ زمین میں ہیں تاکہ رحم کرے تم پر جو آسمان میں ہے۔[1761]

"عن سعد رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انّ اللہ یحب العبد التقیّ الغنی الخفیّ"۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے بندۂ متقی، غنی، گوشہ نشین کو۔"[1762]

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ المؤمن القویّ خیر و احب الی اللہ من المؤمن الضعیف فی کل خیر احرص علی ما ینفعک و استعن باللہ و لا تعجز و ان اصابک شئ فلا تقل لو انی فعلت کان کذا کذا ولٰکن قل قدر اللہ و ما شاء فعل فان لو تفتح عمل الشیطٰن۔"[1763]

[1760](رواہ البیھقی فی شعب الایمان، مشکوۃ باب الغضب و الکبر ص ۴۳۴)(مظاھر حق ص ۱۸۳)
[1761](رواہ ابو داؤد و الترمذی، مشکوۃ باب الشفقۃ و الرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۳)(مظاھر حق ص ۱۳۶)
[1762](رواہ مسلم، مشکوۃ باب استحباب المال و العمر للطاعۃ ص ۴۵۰)(مظاھر حق ص ۴۵۰)
[1763](رواہ مسلم، مشکوۃ باب التوکل و الصبر ص ۴۵۲)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسولِ خُدا ﷺ نے کہ مسلمان قوی یعنی پیچ ایمان اور اعتقاد کے ساتھ خُدا کے اور توکل اور اعتماد کے اس پر قصد کرنے کے اُمور خیر پر اور جہاد کرنے کے راہِ خُدا میں یا قوی ہے صبر کرنے میں لوگوں کی ہمنشینی پر اور تحمل کرنے میں ان کی ایذاء پر اور نصیحت اور تعلیم خیر کرنے میں بہتر ہے مسلمانِ ضعیف سے یعنی ان صفات میں اور ہر مسلمان میں یعنی قوی ہو یا ضعیف، نیکی ہے اور کوئی مسلمان صفاتِ نیک سے خالی نہیں اور اصل ایمان کامل ترین صفتوں خیر کی ہے حرص کر تو اس چیز پر کہ نفع دے تجھ کو یعنی امر دین سے اور مدد اور توفیق طلب کر خُدا سے یعنی عمل نیک کرنے پر اور عاجز نہ ہو یعنی طلب واستعانت سے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ دے تجھ کو قوت اپنی اطاعت کی جبکہ مستقیم ہو تو اس کی استعانت پر اور بعضوں نے کہا کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ نہ عاجز ہو تو کرنے اس چیز کے سے کہ حکم کیا گیا ہے تجھے اس کا اور نہ چھوڑ تو اس کو اور اگر پہنچے تجھ کو کچھ یعنی مصیبت دین یا دنیا کی تو نہ کہہ یہ بات کہ اگر میں کرتا ایسا تو ہوتا ایسا لیکن کہہ یعنی زبانِ قال سے یا زبانِ حال کہ مقدر کیا اللہ نے یعنی ایسا اور ایسا یعنی واقع ہوا یہ موافق قضاوقدر اس کی کہ جو کچھ چاہتا ہے خُدا تعالیٰ کرتا ہے اس لیے کہ لفظ لو کہ بسببِ پشیمانی کھانے کے کسی چیز پر اور بسبب معارضہ تقدیرِ الٰہی کے اور بنسبتِ حولِ قوت نفس کے کہتے ہیں کھولتا ہے کارِ شیطان کو اور لاتا ہے دل میں وسوسہ ان کا ساتھ ندامت یا معارضہ قدر کے۔[1764]

"عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ المؤمن کرجل واحد ان اشتکٰی عینہ اشتکٰی کلہ وان اشتکٰی راسہ اشتکٰی کلہ۔"

[1764](مظاہر حق ص ۲۶۱)

ترجمہ: روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر رحمہ اللہ سے کہا! فرمایا رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سب مسلمان بیچ حکم ایک شخص کے ہیں یعنی مانند اعضاء ایک شخص کے ہیں اس لیے کہ وہ ایک دین پر ہیں اگر دُکھتی ہے آنکھ اس کی دُکھتا ہے یعنی بے چین ہوتا ہے سارا بدن اس کا اور اگر دُکھتا ہے سر اس کا دُکھتا ہے سارا بدن اس کا۔[1765]

مذکورہ بالا تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کو ''قیومِ زماں'' کہنا جائز ہے۔ اور اسے ناجائز کہنا اور کفر کہنا یہ تمام علمائے کرام پر کفر کا فتویٰ لگانا ہے۔ ایسا شخص جاہل ہے اور جاہل کو مسجد سے نکالنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کی مسجد میں جاہل واعظ سے فرمایا کہ تم قرآن میں ناسخ و منسوخ جانتے ہو تو واعظ نے کہا نہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ہلاک کیا۔[1766]

مسلک دیوبند کے مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''هلكت واهلكت مع زيادة'' اور فرمایا کہ میری مسجد سے نکلو اور آئندہ نہ آنا۔ حضرت عبد اللہ بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موافقت میں اپنے بیٹے محمد کو نصیحت کرتے ہیں۔

''يابني احذر الجاهل وان كان لك ناصحًا كما تحذر العاقل اذا كان عدوًا''۔[1767]

وفي العقد الفريد لاتصاحب الجاهل فانه يريد ان ينفعك ويضرّك وقال ارد شير حسبكم دلالته على عيب الجاهل ان كل الناس تنفر منه وتغضب من انتصب إليه۔

[1765] (رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۲)(مظاہر حق ص ۱۳۱)
[1766] (بستان العارفین ص ۱۴، معارف القرآن ج ۱ ص ۲۸۰)
[1767] (العقد الفرید ج ۲ ص ۹۹)

جاہل کے ساتھ دوستی مت کر وہ تجھے نفع پہنچانا چاہے گا مگر تمہیں ضرر پہنچائے گا۔ اردشیر کا قول ہے کہ جاہل سے تمام لوگوں کی نفرت اس کی جہالت کا ثبوت ہے۔ جُہال کے حق میں صاحبِ تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۹۱۵ نے کیا خُوب فرمایا:

"سقام الحرث لیس له شفاء و داء الجهل لیس له طبیب۔ و فی الجهل قبل الموت موت لاهلهٖ۔ و اجسامهم قبل القبور قبور و ان امرئً لم یحی بالعلم میت لیس له النشور نشور"۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ۲۱۵ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا سنوار یگا اس سے زیادہ بگاڑے گا اور اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جاہل کو وعظ کہنا حرام ہے۔ اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی جلد میں لکھتے ہیں کہ جاہل کی تبلیغ زنا سے بدتر ہے۔

"و انما حق العوام ان یؤمنوا و یسلموا و یشتغلوا بعبادتهم و معایشهم و یتر کوا العلم للعلماء فالعامی لو یزنی او یسرق کان خیرا له من ان یتکلّم فی العلم فانّه من تکلّم فی الله او فی دینه بغیر اتقان العلم وقع فی الکفر من حیث لا یدری کمن یر کب لُجّة البحر و هو لا یعرف السباحة۔"

ترجمہ: اور یقیناً عوام کا حق یہ ہے کہ ایمان اور اسلام لانے کے بعد اپنی عبادات اور اپنی معاشِ دنیا میں مصروفِ عمل رہیں اور علم کو علماء کے ذمہ رہنے دیں۔ پس اگر کوئی عامی زنا اور چوری کرے یہ اس کے لیے تکلّم فی العلم (مبنی بر جہالت) سے بہتر ہے (اگرچہ گناہِ کبیرہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین میں اتقان فی العلم کے بغیر تکلم کرنے والا کفر میں واقع ہو جاتا ہے اور اسے اس امر کا پتہ نہیں چلتا (من حیث لا یدری) جیسے کہ کوئی دریا کی لہر میں کود پڑے درآں حالانکہ اسے تیرنا نہیں آتا ہو۔[1768]

[1768] (احیاء العلوم ج ۳ ص ۳۹)

علامہ شیخ محمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"فلایأمر الجاهل ولاینهی لانه ربما امر بمنکر او نهی عن معروف لعدم علمهٖ بذالک۔"[1769]

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"الامر بالمعروف والنهی عن المنکر لایلزم کل الامّة ولایلیق لکل احد کالجاهل"۔[1770]

علامہ شامی نے ایسے جُہال کے بارے میں لکھا ہے:

"والاحتیاط ان یجدد الجاهل ایمانه کل یوم ویجدد نکاح امر أتهٖ عند الشاهدین فی کل شهر مرة او مرتین۔ اذالخطاء وان لم یصدر من الرجال فهو من النساء کثیر۔"

یعنی احتیاط اس میں ہے کہ جاہل شخص روزانہ تجدید ایمان کرتا رہے اور ہر مہینے میں ایک یا دو مرتبہ دو گواہوں کی موجودگی میں تجدیدِ نکاح کرتا رہے۔ کیونکہ اگرچہ آدمی کی طرف سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو مگر عورتیں گناہ میں کثرت کرتی ہیں۔[1771]

شاہ محمد ہدایت علی نقشبندی مجددی جیپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "معیار السلوک ودافع الاوهام والشکوک" کی فصل ساتویں: "دائرہ سیف قاطع ودائرہ منصب قیومیت" میں فرماتے ہیں کہ "دائرہ سیف قاطع" داخلِ سلوک نہیں، بعض کو پیش آتا ہے اور بعض کو نہیں اور یہ دائرہ سیف قاطع "ولایتِ کبریٰ" کے محاذی (مقابل) ہے اور دائرہ منصب قیومیت کا بھی داخلِ سلوک نہیں جیسے دائرہ سیف قاطع محاذی ولایت کبریٰ ہے، اسی طرح "دائرہ منصبِ قیومیت دائرہ

[1769](تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۶۱)
[1770](تفسیر جلالینص ۵۷)
[1771](شامی ج ۱ ص ۳۲)

کمالات اولوالعزم" سے نکلتا ہے۔ اس مرتبہ منصبِ قیومیت سے خاص انبیاء علیہم السلام اور امت میں خاص خاص اولیاء مشرف ہوتے ہیں، اس بندۂ خاص پر اسم یا حیّ یا قیّوم کا فیضان نازل ہوتا ہے اور اس کی ذات سے تمام زمین وآسمان کا قیام رہتا ہے۔[1772]

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی اورادِ مشائخ میں تحریر فرماتے ہیں حضرت ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں کہ ابدال (قیوم) چالیس ہیں۔ امنا (ابرار) سات ہیں۔ خلفاء (نقباء) تین ہیں قطب عالَم (قطب مدار) ایک ہے اور اس کو ان تین خلفاء کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔[1773]

حضرت بیہقی الوقت علم الھدیٰ مولانا القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری النقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں:

"ومن طلب زیادۃ شرح ھٰذا المقام فلیرجع الی مکاتیب سیدی و امامی القیوم الربانی المجدد للالف الثانی"۔

یعنی اور جو اس مقام کی مزید شرح طلب کرنا چاہے تو اسے میرے سردار وامام حضرت القیوم الربانی مجدد للالف ثانی کے مکاتیب مقدسہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔[1774]

معلوم ہوا کہ اگر "قیوم" کسی کو کہنا شرک وکفر ہوتا ہو تو حضرت بیہقی الوقت ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیوں ذکر کرتے۔ فتدبر و لاتکن من المتعصبین۔

مولانا غریب اللہ صاحب ناظم دارالعلوم مجددیہ موضع مانکی تحصیل صوابی ضلع مردان اپنی کتاب "ضرب شمشیر بر فتنہ پنج پیر" جو وہابیوں اور خوارج کے رد میں لکھی ہے) میں لکھتے ہیں کہ "راقم الحروف اپنی اس تصنیف کو حضرت قیومِ زمانِ اول امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبد الاحد

[1772] (صفحہ:۱۴۸)

[1773] (ص ۲۱۱)

[1774] (مظھری:المائدہ:ص ۹۲)

فاروقی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہِ عالیہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ جن کی عمومیت تجدید، دین کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور آج تک ان کی مبارک تحقیقات و معارف علماء کرام اور مشائخ عظام کیلئے مشعلِ راہ ہیں اور ہمیشہ کیلئے ان شاء اللہ تعالیٰ رہیں گی۔ آپ کی شانِ عالی یہ ہے کہ آپ کے شیخ مکرم و معظم خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے حق میں فرماتے ہیں:

"دریں امت دو سہ کس مثل ایشاں می دانم"[1775]

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت امام ارہاص ایں دورہ اند۔ و شیخ قطبِ ارشاد ایں دورہ است"۔[1776]

اور حقیقت یہ ہے کہ اس عاجز کی کیا طاقت کہ اس بارگاہ عالیہ میں کچھ نذر پیش کرنے کی جرأت کر سکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حقیر ہدیہ در حقیقت انہی حضرت الامام قدس سرہ کے عنایات وبرکات کا ایک ذرہ ہے جو ان کی بارگاہِ عالیہ میں بطورِ ہدیہ پیش کیا جاتا ہے کسی نے کیا عمدہ کہا ہے۔

اهدى لمجلسه الكريم و انما | اهدى له ما حزت من نعمائه
كالبحر يمطره السماء و ماله | فضل عليه فانه من مائه

اس سے معلوم ہوا کہ "قیوم زمان" کہنا جائز ہے اور اس کے منکرین حضرت قیوم اول شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سلسلۂ نقشبندیہ کے دشمن ہیں۔

استاذ العلماء، بقیۃ السلف مناظرِ اہلِ سنت والجماعت شیخ التفسیر والحدیث جناب مولانا امین اللہ الحنفی الماتریدی الباجوڑی اپنی تصنیف "احقاق المعالی" میں اپنے مرشد گرامی کے بارے میں لکھتے ہیں: "جناب مرشدنا قطب دوران و مجدد ملت، جامع طرق اربعہ، مناظرِ ملت، ولی اکمل، قیوم زمان

[1775] (مناقبِ احمدیہ: صفحہ: ۱۰)
[1776] (کلمات طیبات: صفحہ: ۱۶۳)

حضرت سیدنا پیرِ طریقت رہبرِ شریعت پیر صاحب مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" اور اس کے علاوہ کئی مقامات پر مختلف القابات اور خصوصًا "قیوم زمان" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

جو شخص مزید تفصیل جاننا چاہے تو وہ حضرت سیدنا سلطان الاولیاء، قدوۃ العارفین، غوث الزمان وقیوم الزمان، قطب الارشاد، مشرف بمقام العبدیت والصدیقت والامامت والاحسان پیرِ پیران خواجۂ خواجگان علامہ مولانا سیف الرحمن صاحب مبارک دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب "جواباتِ سیفیہ" کا مطالعہ کرے۔

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"صوفیاء کی اصطلاح میں قیومیت ولایت کا ایک درجہ ہے، کہ اس پر پہنچ کر بندہ قیوم کہلاتا ہے یعنی باعث قیام عالم اسی لئے مجددیہ خاندان کے بزرگوں کی کتب میں بعض اولیاء کو قیوم اول قیوم ثانی کہا گیا ہے"۔

حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے:

"بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ"۔[1777]

فصل دربیان
ختم القرآن کے وقت دوست واحباب کو جمع کرنا

بعض علماء ختم القرآن شریف کے وقت اپنے اہل وعیال و دوست و احباب کو جمع کرنے اور اجتماعی دعا کرنے اور اس پر آمین کہنے کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ ختم شریف کے وقت اھل و عیال کو جمع کرنا برادری کا اجتماع اور اکٹھا کرنا۔ قراء وصلحاء کا جمع ہونا، صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین

[1777](رسائل نعیمیہ: صفحہ: ۲۳۵، اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں: صفحہ: ۱۴، ۱۳)

کا پسندیدہ طریقہ ہے۔ اس کے بارے میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ اس سے انکار کرنے والا پکا بدعتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مع کل ختمة دعوة مستجابة" یعنی ہر ختمِ قرآن کے وقت ایک مقبول دعا ہے۔[1778]

حضرت ابن مسعود اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "من ختم القرآن فله دعوة مستجابة" یعنی جس نے قرآن کریم کا ختم کیا تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔[1779]

حضرت حمید الاعرج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر دعا مانگے تو چار ہزار فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔[1780]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قران کریم کی تلاوت کی یہاں تک کہ اسے ختم کر دیا تو اس کے لئے نوری یا ذخیرہ کی ہوئی ایک مقبول دعا ہے۔[1781]

اس حدیث کی توضیح حسب ذیل حدیث سے ہوئی۔

[1778] (شعب الایمان جلد ۲، ص ۳۸۴، رقم الحدیث ۲۰۸۶ / جامع الصغیر رقم الحدیث ۸۱۸۳ / النشر لقرأة العشر ۴۵۲ جلد ۲)

[1779] (المعجم الکبیر ج ۱۸، ص ۲۵۹ / فضائل القرآن لابی عبید ص ۴۸ / الاتقان لسیوطی / مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۱۷۱۶ / جلاء الافهام ص ۲۳۲ / نتائج الافکار ج ۳، ص ۱۷۴ / مختص منهاج القاصدین ص ۷۷ / النشر للجوزری ج ۲، ص ۳۳۸ / انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۹۰۰)

[1780] سنن دارمی، رقم الحدیث ۳۴۸۱ / الاذکار للنووی ص ۱۳۶ / نتائج الافکار للعسقلانی ج ۳، ص ۱۷۴-۱۷۷ / غیث النفع للصفاقسی ص ۳۳۴

[1781] (التذکار ص ۱۱۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ان لقاری القران دعوۃ مستجابۃ فان شاء صاحبھا عجلھا فی الدنیا و ان شاء أخرھا الی الاخرۃ“ یعنی بیشک قرآن کریم پڑھنے والے کیلئے ایک مقبول دعا ہے پس اگر وہ چاہے تو دنیا میں ہی جلد مانگ لے اور اگر چاہے تو آخرت تک مؤخر رکھے۔[1782]

قیام اللیل میں لکھا ہے:

”حدثنا یحیٰ اخبرنا صالح المری عن ایوب عن ابی قلابہ فی حدیث کان یرفعہ من شھد فاتحۃ القرآن حین یستفتح القرآن کان کمن شھد فتحا فی سبیل اللہ و من شھد۔ خاتمتہ حین یختم کان کمن شھد الغنائم۔ حین قسمت و کان انس اذا ختم القرآن جمع ولدہ و اھل بیتہٖ فدعاء لھم۔ و کان رجل یقراء القرآن من اولہ الی آخرہ فی مسجد رسول اللہ (قیام الیل ص ۱۸۸ مولفہ شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی متوفی ۲۹۴ ھ“۔

ترجمہ: ”یحییٰ نے ہم سے بیان کیا کہ ہمیں صالح المری رضی اللہ عنہ نے ایوب رضی اللہ عنہ سے اور اس نے ابی قلابہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں بیان کیا جس سے وہ مرفوع بیان کرتا ہے کہ جو کوئی حاضر ہوا فاتحہ القرآن میں یعنی وقت شروع کرنے قرآن مجید کے یہ ایسے ہیں جیسے کوئی حاضر ہوا فتح فی سبیل اللہ میں۔ اور جو اس کے خاتمہ پر حاضر ہوا، اسکی حیثیت اس شخص کی ہے جو تقسیم غنائم کے وقت حاضر ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب ختم قرآن کرتے تو جمع کرتے اپنی اولاد کو اور اھل بیت کو پس دعا فرماتے ان کے ساتھ اور تھا ایک شخص قرآن ختم کرتا اول سے اخر تک رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں۔

[1782] جامع الصغیر رقم الحدیث ۲۴۰۲/النشر للامام الجزری ج ۲، ص ۳۳۷

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمین وفی روایة "الدعاء مستجاب فی مجالس الذکر وعند ختم القرآن" کذافی الحصن الحصین۔

ترجمہ: مسلمانوں کے اجتماع میں کی گئی دعا مقبول ہوتی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذکر کی مجالس اور ختم قرآن کے وقت دعا مقبول ہوتی ہے۔ اسی طرح حصن حصین میں بھی آیا ہے۔[1783]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح مسلم شریف کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں:

وروينا في مسند الدارمي، عن ابن عباس رضي الله عنهما، أنه كان يجعل رجلاً يُراقب رجلاً يقرأ القرآن، فإذا أراد أن يختمَ أعلم ابنَ عباس رضي الله عنهما فيشهد ذلک وروى ابن أبي داود بإسنادين صحيحين، عن قَتادَة التابعيّ الجليل الإمام صاحب أنس رضي الله عنه، قال كان أنسُ بن مالک رضي الله عنه إذا ختم القرآن جمع أهله ودعا. ورَوَى بأسانيد صحيحة، عن الحكم بن عُتَيْبَةَ التابعي الجليل الإمام قال: أرسل إليّ مجاهد وعَبْدَةُ بن أبي لُبابة فقالا: إنا أرسلنا إليک لأنّا أردنا أن نختم القرآن، والدعاء مستجاب عند ختم القرآن. وروى بإسناده الصحيح عن مُجاهد قال: كانوا يجتمعون عند ختم القرآن يقولون: إن الرحمة تنزل عند ختم القرآن. تنزل الرحمة ويُستحبّ الدعاء عقب الختمة استحباباً متأكداً شديداً لما قدّمناه۔

ترجمہ: مسند دارمی میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک آدمی کو نگران مقرر کر دیا کرتے تھے اس آدمی کا جو قرآن پڑھتا تھا۔ پس جب وہ ختم کا ارادہ کرتا تو وہ نگران آپ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) کو خبر دیتے تو آپ اس محفل میں شرکت فرماتے۔ ابن ابی داؤد سے صحیح دو سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ تابعی جلیل صاحب انس رضی اللہ عنہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ قرآن شریف ختم کرتے تو اپنے اہل و عیال کو اکٹھا

[1783] خزینۃ الاسرار ص ۱۴۳ / تسہیل البخاری ص ۱۱۳

کرتے اور دعا مانگتے۔ تابعی جلیل امام حکم بن عتیبہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ بھیجا میری طرف مجاہد اور عبادہ نے ابی لبابہ کو پس کہا بے شک ہم نے بھیجا تمہاری طرف اس لئے کہ تحقیق ہم قرآن پاک کے ختم کا ارادہ رکھتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے ختم کے وقت۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور صحیح اسناد کے ساتھ حضرت مجاھد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ ختم شریف کے وقت اجتماع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ ختم شریف کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اور ختم کے وقت دعا مستجاب ہے۔[1784]

ويُستحبّ الدعاء عقب الختمة استحباباً متأكداً شديداً لما قدّمناه. وروينا في مسند الدارمي، وعن حُميد الأعرج رحمه الله قال: مَن قرأ القرآن ثم دعا أمَّنَ على دعائه أربعةُ آلاف مَلَک. وينبغي أن يُلحّ في الدعاء، وأن يدعوَ بالأمور المهمة والكلمات الجامعة، وأن يكون معظم ذلک أو كله في أمور الآخرة وأمور المسلمين، وصلاح سلطانهم وسائر ولاة أمورهم، وفي توفيقهم للطاعات، وعِصمتهم من المخالفات، وتعاونهم على البرّ والتقوى، وقيامهم بالحقّ واجتماعهم عليها، وظهورهم على أعداء الدين وسائر المخالفين، وقد أشرت إلى أحرف من ذلک في كتاب "آداب القرآن"، وذكرتُ فيه دعوات وجيزة من أراد نقلَهَا منه، وإذا فرغ من الختمة، فالمستحبّ أن يشرع في أخرى متصلاً بالختم، فقد استحبّه السَّلفُ. واحتجّوا فيه بحديث أنس رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: " خَيرُ الأعمالِ الحَلُّ وَالرِّحْلَةُ"، قيل: وماهما؟ قال: "افْتِتاحُ القرآن وختمه"۔

ترجمہ: ختم قرآن پاک کے وقت دعا کے مستحب ہونے کے متعلق شدید تاکید پائی جاتی ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور ہم نے مسند دارمی میں حمید اعرج رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک پڑھنے کے بعد دعا کرے اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ

[1784] (کتاب الاذکار المنتخبۃ فی سیّد الابرار مطبوعہ مصر ص ۹۷)

وہ دعا میں الحاح سے کام لے اور اہم امور اور جامع کلمات کے ساتھ دعا مانگے اس کی دعا کا اکثر حصہ یا ساری دعا ہی امور آخرت، امور مسلمین، بادشاہ اور اس کے دیگر حاکموں کی درستگی، طاعات کیلئے ان کی توفیق، مخالف امور سے ان کی حفاظت، نیکی اور تقوی پر ان کے تعاون، متفقہ طور پر حق پر ان کے قیام اور مخالفین اور دشمنانِ دین پر ان کے غلبہ کے لئے ہو۔ اور جب وہ ختم قرآن سے فارغ ہو تو مستحب امر یہ ہے کہ ختم کے ساتھ یہ دوبارہ تلاوت شروع کر دے۔ سلف رحمہم اللہ نے اس بات کو مستحب سمجھا ہے اور اس بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ حضور اکرام ﷺ نے فرمایا کہ بہترین عمل حل اور رحلت ہے۔ دریافت کیا گیا یہ دونوں کیا ہیں؟ تو فرمایا قرآن کا شروع کرنا اور اس کا ختم کرنا۔[1785]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "عمل الیوم و اللیلۃ مطبوعہ مصر ص ۳۵" پر لکھا ہے: "ویسن صوم یوم الختم و ان یحضر اھلہ و اصدقائہ لانّ الرحمۃ تنزل عندہ و الدعا مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ۔ و کان النبی ﷺ اذا ختم فقراء قل أعوذ برب الناس و افتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الی و اولٰئک ھم لمفلحون۔ ثم دعا بعدھا الختمۃ۔

ترجمہ: اور ختم کے دن روزہ رکھنا سنت ہے اور حاضر ہونا اھل و عیال کا اور احباب کا تحقیق ختم کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے اور دعا کرنا ہر ختم کے ساتھ مقبول ہوتی ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ جب ختم شریف فرماتے تھے پس پڑھتے تھے "قل اعوذ برب الناس" اور شروع فرماتے تھے الحمد شریف اور پھر پڑھتے تھے سورہ بقرہ شریف "اولئک ھم المفلحون" تک پھر دعائے ختم شریف فرماتے۔

[1785] (کتاب الاذکار مطبوعہ مصر ص ۹۸، تفسیر روح البیان ج۳ص ۱۵۷-۱۵۶ مکتبہ دار احیاء)

النشر فی قرأۃ العشر (مطبوعہ دمشق) ج ۲، ص ۳۳۶ تا ۳۴۱، (مولفہ امام ابن جوزی، متوفی ۸۳۳ھ) میں لکھا ہے:

ویقول عندکل ختم دعوۃ مستجابۃ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ عن مجاھد تنزل الرحمۃ عند ختم القرآن و عنہ ایضاً ان الدعاء مستجابۃ عند ختم القرآن عن قتادہ قال کان بالمدینۃ رجل یقراء القرآن من اولہ الی آخرہ علی اصحاب لہ فکان ابن عباس رضی اللہ عنہ یضع علیہ الرقباء فاذا کان عندالختم جآء ابن عباس رضی اللہ عنہ فشھدہ قال الامام النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یستحب الدعاء بعد قرأۃ القرآن استحباباً یتاکد تاکیدا شدیداً فینبغی ان یلح فی الدعاء ونص الامام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علی استحباب الدعاء عند الختم و کذا جماعۃ من السلف و کان بعض شیوخنا یختار ان القاریٔ علیہ اذا ختم ھو الذی یدعوا بظاھر ھذا الحدیث وسائر من ادرکناھم غیرہ یدعو الشیخ او من تلتمس برکتہ من حاضری الختم والامر فی ھذا سھل اذا الداعی والمؤمن واحد قال اللہ تعالیٰ قد اجیبت دعوتکما قال ابو العالیۃ وابوصالح وعکرمۃ و محمد بن کعب القرظی وا لربیع بن الانس رضی اللہ عنہ دعا موسیٰ وآمن ھارون علیھما السلام فالداعی والمؤمن واحد وکان انس بن مالک رضی اللہ عنہ یجمع اھلہ وجیرانہ عند الختم رجاء و برکۃ دعاء الختم وحضورہ وروینا عنہ فی حدیث مرفوع ولفظہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان اذا ختم القرآن جمع اھلہ قال البیھقی رفعوھم والصحیح عن انس رضی اللہ عنہ موقوفاً وکانوا یستحبّون جمع اھل الصلاح والعلم فقد روینا عن شعبۃ عن الحکم قال ارسل أبی مجاھد وعندہ ابن ابی لبابہ قال انما ارسلنا الیک انا نرید ان نختم القرآن وکان یقال ان الدعاء مستجاب عند ختم القرآن فلما فرغوا من ختم القرآن دعا بدعوات وکان کثیر من السلف یستحبّ الختم یوم الاثنین ولیلۃ الجمعۃ۔

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہر ختم قرآن پر دعا قبول ہوتی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے قرآن پاک ختم کیا اس کی دعا قبول ہو گی۔ حضرت مجاھد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور حضرت مجاھد رضی اللہ عنہ ہی

کا بیان ہے کہ ختم شریف کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی اپنے دوستوں کو ابتداء سے آخر تک قرآن پاک سنایا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس پر نگران مقرر فرمادیا کرتے تھے جب وہ شخص ختم قرآن کے نزدیک پہنچتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لاکر اس مجلس میں شمولیت اختیار فرماتے تھے۔ حضرت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرأت قرآن پاک کے بعد دعا کی شدید تاکید پائی جاتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ انسان دعا میں الحاح سے کام لے اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ختم قرآن پر دعا کے مستحب ہونے پر نص بیان کی ہے، ایسے ہی سلف کی ایک جماعت اور ہمارے بعض شیوخ ایک قاری کی خدمات حاصل کرلیتے تھے جب وہ قرآن پاک ختم کرتا تو اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق دعا کرتا اور اس کے علاوہ باقی لوگ جس کو ہم نے پایا وہ کسی بزرگ کو بلاتے یا حاضرین ختم میں سے وہ جو بابرکت ہوتے اس کو تلاش کرتے اور یہ طریقہ آسان ہے کیونکہ دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا برابر ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی ہے۔ ابو العالیہ، ابو صالح، عکرمہ، محمد بن کعب القرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ عنھم نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی، پس داعی اور آمین کہنے والا ایک ہی ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ختم قرآن کے وقت دعائے ختم اور اس میں حاضری کی برکت کی امید پر اپنے اہل وعیال اور اپنے ہمسایوں کو اکٹھا کرلیا کرتے تھے اور ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ جب ختم قرآن کرتے تو اپنے اھل وعیال کو اکٹھا کرتے، بیہقی نے مرفوع حدیث بیان کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت یہ ہے کہ وہ موقوف ہے کہ وہ اہل صلاح اور اہل علم کو اکٹھا کرتے تھے اور ہم نے

شعبہ سے انھوں نے حکم سے بیان کیا ہے کہ حضرت مجاھد رضی اللہ عنہ نے میری طرف پیغام بھیجا اور آپ کے پاس عبادہ بن ابی لبابہ رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا ہم نے آپ کو اس لئے پیغام بھیجا ہے کہ ہم ختم قرآن کروانا چاہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ جب وہ ختم قرآن سے فارغ ہوتے تو دعائیں مانگا کرتے۔ سلف میں سے بہت سے لوگ سوموار (پیر) کے دن اور جمعہ کی شب کو ختم قرآن کو مستحب خیال کرتے تھے۔[1786]

جلاء الافھام مطبوعہ دمشق و بیروت ص ۳۵۵ لابن قیم الجوزیۃ میں لکھا ہے:

فقال فی روایۃ أبی الحارث: کان أنس اذا ختم القرآن جمع اھلہ و ولدہ، وقال فی روایۃ یوسف بن موسیٰ، وقد سئل عن الرجل یختم القرآن، فیجتمع الیہ قوم فیدعون؟ قال نعم، رأیت معمر أیفعلہ اذا ختم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن کا ختم فرماتے تو اپنے اھل و عیال کو جمع فرمالیتے تھے۔ یوسف بن موسیٰ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ ختم قرآن کے وقت برادری کو جمع کرلیتا ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں" (یعنی صحیح ہے) میں نے معمر رضی اللہ عنہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔

انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۱۰۹ (مولفہ قاری ظہور احمد فیضی) میں ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جو از اول تا آخر قرآن کریم پڑھتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بعض ساتھیوں کے ذمے لگا رکھا تھا کہ وہ

[1786] (النشر فی قرائۃ العشر ص ۳۴۰، سنن سعید بن منصور فضائل القرآن ج ۱ ص ۱۴۰ رقم الحدیث ۲۷ مطبوعۃ دار لعصیمی، سنن الدارمی ج ۲ ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۳۴۷۴ مطبوعۃ دار الکتاب العربی المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۴۲ رقم الحدیث ۶۷۴ مطبوعۃ مکتبۃ العلوم و الحکم الموصل، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۳۷ مطبوعۃ دار المعرفۃ)

آپ کو اس کے ختم قرآن کی اطلاع کریں پس جب ختم کا وقت آتا تو آپ اپنی مجلس کے حاضرین کو فرماتے: قوموا بنا حتی نحضر الخاتمة یعنی اٹھو تا کہ ختم قرآن میں شمولیت اختیار کریں۔[1787]

مزید ص ۹۰۶ پر ہے کہ: حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص قرآن کریم ختم کرے تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔ حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب ختمِ قرآن فرماتے تو اپنے تمام گھر والوں کو جمع کرتے پھر آپ دعا مانگتے اور وہ آمین کہتے۔ مذکورہ بالا دلائل سے جسطرح ختم قرآن کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت ہوا اسی طرح نماز جنازہ کے بعد اور سنتوں کے بعد بھی اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے چنانچہ حضرت حبیب بن مسلمہ الفہری نے روایت بیان فرمائی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لا یجتمع ملأ فیدعو بعضهم ویؤمن سائرهم الا اجابهم الله۔ یعنی جب ایک جماعت اکٹھی ہوتی ہے پھر ان میں سے ایک دعا کرتا ہے اور باقی سب آمین کہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔[1788]

عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، إِذَا أَشْفَى عَلَى خَتْمِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ، بَقَّى مِنْهُ شَيْئًا حَتَّى يُصْبِحَ فَيَجْمَعَ أَهْلَهُ فَيَخْتِمَهُ مَعَهُمْ۔

حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رات کو جب قرآن کریم کا ختم کرنے کے قریب ہوتے تو اس میں سے کچھ سورتیں بچا لیتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، پھر اپنے اہل و عیال کو جمع کرتے پھر ان کے ساتھ ختم فرماتے۔[1789]

[1787] (التذکار للقرطبی ص ۱۱۰ وغیرہ)

[1788] (المعجم الکبیر ج ۴، ص ۲۶، ھکذا فی المستدرک للحاکم، المنح المطلوبة ص ۱۰۷، الدرة المکنهنة ص ۴۵)

[1789] ((۱) سنن الدارمی رقم الحدیث ۳۴۷۳ (۲) التبیان للنووی ص ۱۳۰ (۳) نتائج الافکار للعسقلانی ج ۳ ص ۱۸۶)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف اپنے اہل و عیال ہی نہیں، دوست احباب بھی شریک ہوتے تھے بلکہ انہیں مدعو کیا جاتا تھا۔ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے پڑوسیوں اور دوستوں کو دعوت دیتے تھے۔

ہمارے فقہ احناف کے مشہور فتاویٰ الہندیہ میں ہے۔

ویستحب لہ ان یجمع اھلہ وولدہ عند الختم ویدعو لھم کذافی الینابیع۔

اور قاریٔ قرآن کیلئے مستحب ہے کہ ختم قرآن کے وقت اپنے اہل واولاد کو جمع کرلے اور ان کیلئے دعا کرے۔[1790]

امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی لکھتے ہیں:

(قولہ) وعند تلاوۃ القرآن لاسیما الختم)۔واخرج الطبرانی مایدل علی مشروعیۃ الدعاء عند ختم القرآن واخرج ابن ابی شیبۃ عن مجاھد اذا ختم القرآن نزل الرحمۃ۔

ترجمہ: دعا قبول ہوتی ہے تلاوت قرآن کے وقت خاص کر ختم قرآن کے وقت دعا کی مشروعیت پر طبرانی کی روایت دلالت کرتی ہے اور ابن ابی شیبہ سیدنا مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ختم قرآن ہو تو رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔[1791]

مولوی محمد یوسف بنوری نے معارف السنن ج۳ ص ۱۲۲ میں لکھا ہے کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ "لایجمع قوماً فیدعوا بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ" یعنی جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔[1792]

[1790] (فتاویٰ الھندیہ ج۵ ص ۳۱۷)
[1791] (تحفۃ الذاکرین ص ۴۹)
[1792] (کنز العمال ج ۱ ص ۱۷۷)

حلیۃ الاولیاء میں ابو نعیم نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ:

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما اجتمع ثلاثۃ یدعو قط الّا کان حقاً علی اللہ ان لا یردّ ایدیھم صفراً۔

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی کبھی دعا پر جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ اللہ پر حق ہے کہ ان کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے۔

وفی الھدایۃ الاجابۃ فی الجمع ارجی یعنی اجتماعی دعا میں قبولیت کی زیادہ امید ہے۔[1793]

فصل دربیان
فجر کی نماز روشن کرکے پڑھنا

بعض علماء کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیئے حالانکہ حنفیوں کے نزدیک صبح کی نماز کا وقت اسفار ہے۔

صبح کی نماز کا مستحب وقت اسفار ہے یعنی روشنی اوراجالا میں نماز پڑھنا افضل ہے۔فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوکر طلوع آفتاب تک رہتا ہے،اگر اس وقت کے دو حصے کیے جائیں تو اصطلاح شریعت میں پہلا نصف حصہ غلس اور دوسرا حصہ اسفار کہلاتا ہے۔

اکثر وبیشتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسفار میں نماز پڑھتے تھے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنے کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے چنانچہ دیکھئے:

[1793](حلیۃ الاولیاء ص ۱۴۴،ج ۱)(وفی تسھیل المشکوٰۃ ص ۱۲۴:نکیر الدعاء بعد نفل وسنۃ:لمنکر دین ذاک اللہ جاحد)

حدیث: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث ہے:

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ، أَسْفِرُوا بِالفَجْرِ، فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلأَجْرِ۔[1794]

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فجر کی نماز کو خوب روشنی ہونے پر (اسفار میں) پڑھو کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔یہ حدیث حسن صحیح ہے،حافظ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۵ پر فرماتے ہیں۔وصححہ غیر واحد کہ بہت سے محدثین رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے اس حدیث کو صحیح کہاہے۔اسفار سے مراد یہ ہے کہ صبح کا اجالا خوب پھیل جائے۔

حدیث: عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا، يَقُولُ لِمُؤَذِّنِهِ أَسْفِرْ أَسْفِرْ يَعْنِي صَلَاةَ الصُّبْحِ۔

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سنا آپ رضی اللہ عنہ اپنے موذن سے کہہ رہے تھے کہ خوب اجالا کر،خوب اجالا کر،مراد یہ تھی کہ صبح کی نماز اجالے میں پڑھو۔[1795]

حدیث: عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ رِجَالٍ مِنْ قَوْمِهِ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ بِالْأَجْرِ۔[1796]

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے کئی انصاریوں سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جتنا روشن کروگے تم فجر کو اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔اس کی سند صحیح ہے۔[1797]

[1794] (سنن الترمذی ماجآء فی الاسفاربالفجر،ص ۲۲ ج ا،مشکوٰۃ ص ۶۱،ابوداودنحوہ ج ا باب فی وقت الصبح،سنن النسائی ج ا ص ۹۴ باب الاسفار)

[1795] (مصنف عبدالرزاق ج ا ص ۵۶۹،مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۲۱،طحاوی ج ا ص ۱۲۳)

[1796] (نسائی ج ا ص ۶۵)

[1797] (نصب الرایہ ج ا ص ۲۳۸)

حدیث: رافع بن خدیج یقول: قال رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لبلال: "يا بلال! نور صلاة الصبح حتى يُبصر القوم مَواقع نَبلهم من الإسفار". ورواه ابن أبي حاتم في "علله"۔

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ صبح کی نماز کو روشنی میں پڑھو یہاں تک کہ لوگ روشنی کی وجہ سے اپنے تیر اندازی کے نشانے کو دیکھنے لگیں۔[1798]

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، لَا تَزَالُ أُمَّتِي عَلَى الْفِطْرَةِ مَا أَسْفَرُوا بِالْفَجْرِ۔

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے میری امت فطرت پر قائم رہے گی، جب تک کہ وہ صبح کی نماز اسفار میں ادا کرتی رہے گی"۔

اس مضمون کی مرفوع حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔[1799]

اسفار کی مرفوع حدیثیں درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (طبرانی)، حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ (طبرانی، مسند البزار)، حضرت حوا انصاریہ رضی اللہ عنہا (طبرانی)۔

ان احادیث کی تفصیل نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۷ اور عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۹۰ شرح صحیح بخاری میں ملاحظہ فرمائیں:

حدیث: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ الْغَدَاةِ۔

[1798] (شرح ابو داود للعینی ج ۲ ص ۲۹۹، آثار السنن ص ۵۸)

[1799] (طبرانی) (المعجم الاوسط ج ۴ ص ۶۴، مسند البزار)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فجر کی نماز خوب اجالا کر کے پڑھتے تھے"۔[1800]

حدیث: حضرت ابراہیم نخعی تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَا أَجْمَعَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مَا أَجْمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ بِالْفَجْرِ۔[1801]

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس قدر صبح کے اسفار پر اجماع فرمایا ہے اس قدر اجماع واتفاق کسی اور چیز پر نہیں کیا"۔

یہ حدیث صحیح سند سے طحاوی جلد ا صفحہ ۱۳٦ میں بھی مروی ہے۔[1802]

نوٹ: حضرت محدث سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ الازھارالمتناثرۃ میں لکھتے ہیں کہ اسفار کی حدیثیں متواتر ہیں۔

عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، قَالَ: صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرِّجَالُ ذَوُو الْعُقُولِ أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ طَلَعَتْ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَالُوا: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ: فَتَكَلَّمَ بِشَيْءٍ لَمْ أَفْهَمْهُ فَقُلْتُ: أَيَّ شَيْءٍ قَالَ: فَقَالُوا: قَالَ: "لَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ"۔

بیہقی نے سنن کبری میں ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز فجر پڑھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے

[1800] (مصنف عبدالرزاق ج ا ص ۵٦۸، معجم طبرانی کبیر ج ا ص ۲۵۸)
[1801] (طحاوی شریف ج ا ص ۱۳٦)
[1802] (نصب الرایہ ج ا ص ۲۳۹)

عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ سورج نکلنے ہی والا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ فرمایا جو میں نہ سمجھ سکا میں نے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔[1803]

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: "صَلَّى بِنَا أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ آلَ عِمْرَانَ فَقَالُوا: كَادَتِ الشَّمْسُ تَطْلُعُ قَالَ: "لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ"۔

بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں کہ ہم کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورۂ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔[1804]

قَالَ: "مَا اجْتَمَعَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ مَا اجْتَمَعُوا عَلَى التَّنْوِيرِ فَأَخْبَرَ أَنَّهُمْ كَانُوا قَدِ اجْتَمَعُوا عَلَى ذٰلِکَ فَلَا يَجُوزُ، عِنْدَنَا وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، اجْتِمَاعُهُمْ عَلَى خِلَافِ مَا قَدْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

طحاوی اور ملا خسرو محدث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حماد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔[1805]

[1803] (السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۵۵۸ باب الدلیل علی انہا لاتبطل بطلوع الشمس فیہا)

[1804] (السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۵۵۷ باب الدلیل علی انہا لاتبطل بطلوع الشمس فیہا)

[1805] (طحاوی شرح معانی الاثار ج ۱ ص ۱۸۴ باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ہو؟)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوب اجالے میں نماز فجر پڑھتے تھے حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ عمل اس پر تھا کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جائے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقُولُ: يَا قَنْبَرُ أَسْفِرْ أَسْفِرْ۔

طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، فرماتے ہیں میں نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے، اے قنبر اجالا کرو، اجالا کرو۔[1806]

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوب اجالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اسفر دوبار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ احادیث مبارکہ بطور نمونہ پیش کی ہیں، اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمائیں۔

بہر حال پتہ لگا کہ اجالے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ، سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاقی عمل ہے۔ عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اجالے میں پڑھی جائے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اجالا اور روشنی لہذا نماز فجر اجالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہو گا۔ اور اندھیرے میں پڑھنا۔ نام کے مخالف ہے۔ دوسرے یہ کہ اجالے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔ اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء، بعض کو غسل وضو کرنا، سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس

[1806] (طحاوی شرح معانی الاثار ج ا ص ۱۸۰ ا باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو؟)

وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں ۔اول وقت میں فجر کی جماعت کر لینے سے بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔اجالے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کر سکتے ہیں ۔دیکھو نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو دراز قرأت سے اس لئے منع فرمادیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی۔جس چیز سے جماعت گھٹ جائے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ،لہذا اسفار بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہو گا۔ اجالے میں آسان، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اندھیرے میں عین زیادتی نماز کی حالت میں شہید کیا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فجر میں بہت اجالا کرنے کا اہتمام کیا۔دیکھو طحاوی شریف، صحیح البخاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے ۔مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے فجر کاروبار کھلنے کا وقت ،مغرب نیند کا،فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہو گا اتنا ہی فجر کا،جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی تو جیسے نماز مغرب اجالے میں پڑھنا افضل ہے ایسے ہی نماز فجر اجالے میں پڑھنا بہتر ہے۔

فصل در بیان
اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی گستاخی

بعض علماء و عوام اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توہین کرتے ہیں اور بعض نام نہاد سُنّی جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، جب کہ ان کی شان میں گستاخی کرنے والا حلالی نہیں ہے، تو سُنی کیسے ہو سکتا ہے۔

حضور ختم الرسل صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذاتِ بابرکات کو خالق کائنات جلّ و علا نے اپنے قرب کے انتہائی مقام پر فائز فرمایا جہاں کوئی نہ پہنچ سکا اور کمالات عالیہ عنایت فرما کر پوری کائنات میں ممتاز اور فائق فرمایا، اور قاسمِ فیضانِ الٰہی بنا کر شرفِ خلافتِ مطلقہ عطا فرمایا۔ اس لئے جو کچھ کسی کو ملتا ہے وہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے توسل سے ہی ملتا ہے۔ اس پر حدیث "انما انا قاسم و اللہ یعطی" ناطق ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نسبت رکھنے والی اشیاء بھی متبرک اور قابلِ احترام ہوتی ہیں۔ وہ حضرات جنہیں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ایمان کے ساتھ کسی طرح کی بھی نسبت ہو، وہ قابل صد احترام ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نسبت رکھنے والے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ کے لوگ وہ ہیں جو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خاندان کے افراد ہیں اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ایمان لائے ہیں جنہیں اہل بیت کہتے ہیں۔ اور ایک طبقہ کے لوگ وہ جو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے خاندانی نسبت نہیں رکھتے مگر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر ایمان لائے انہیں صحابی کہتے ہیں۔ دونوں طبقات کی نسبت آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ہے اسی وجہ سے دونوں طبقات کی محبت و عزت و احترام لازم ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک سے بغض و نفرت دوسرے کی نفرت و بغض کو مستلزم ہے کیونکہ دونوں کی علت ذاتِ پاک

مصطفی ﷺ ہے۔ لہٰذا اہل بیت سے محبت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت بھی لازمی ہے اور صحابہ کرام کی محبت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی محبت بھی لازمی امر ہے۔

اہل بیت کی محبت کی آڑ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی و بے ادبی سخت ترین جرم و گناہ و زندیقیت ہے۔

امام ابو زرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۶۴ھ کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے:

اذا رأیت الرجل ینتقص احدًا من اصحاب رسول اللہ ﷺ فانه زندیق وذٰلک ان الرسول عندنا حق و القراٰن حق و انما ادیٰ الینا ھٰذا القراٰن و السّنن اصحاب رسول اللہ ﷺ و انما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب و السّنۃ و الجرح بھم اولیٰ وھم زنادقۃ۔

”جب کسی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی تنقیص کرتا دیکھو تو یہ سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک برحق ہیں، قران حق ہے اور یہ قرآن و سنت ہمیں اصحابِ رسول ﷺ نے ہی پہنچایا ہے (جو لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم پر معترض ہوتے ہیں) وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے دین کے گواہوں کو مجروح کریں تاکہ اس طرح سے وہ کتاب و سنّت کو مجروح کر سکیں ایسے لوگ خود قابلِ جرح ہیں اور زندیق ہیں“۔

ہمارے اس دور میں اپنے آپ کو سادات گردانئے والے کچھ لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بہت بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں۔ ایسا کہنے والا قطعی طور پر سادات کے نقش قدم پر نہیں ہو سکتا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی شان اور رتبہ ہے۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں آپ رضی اللہ عنہ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضور خاتم النبیین ﷺ نے

آپ کے بارے میں ہادی اور مہدی کے الفاظ استعمال کئے، مختلف مواقع پر آپ ﷺ نے ان کے بارے میں مختلف دعائیں فرمائیں۔

چنانچہ سیدنا عبد الرحمن بن ابی عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان الفاظ میں دعا فرمائی: **اللھم اجعلہ ھادیًا مھدیًّا و اھدہ و اھدبہ۔** اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو لوگوں کے لئے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ فرما اور ان کو ہدایت دے اور ان کو دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔[1807]

ایک اور روایت میں جو سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سید دو عالم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے:

اللھمّ علّم معاویۃ الکتاب و الحساب و قہ العذاب۔

"اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اور حساب کا علم عطا فرما اور اسے عذابِ جہنم سے محفوظ فرما"۔[1808]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و لا ارتیاب ان دعاء النبی ﷺ مستجاب فمن کان ھٰذا حالہ فکیف یرتاب فی حقہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا یقیناً قبول ہوتی ہے لہٰذا جس شخص کے حق میں یہ دعائیں ہوئی ہیں اس کے بارہ میں ان کی قبولیت میں کس طرح شک کیا جا سکتا ہے"۔[1809]

[1807] (التاریخ الکبیر ۴:۳۲۷، طبرانی المعجم الاوسط ۱:۳۸۰، ترمذی ۲:۲۱۱، اسد الغابہ ۴:۳۸۶، البدایہ و النھایہ ۸:۱۲۱، تاریخ الاسلام للذھبی ۲:۳۱۹، حلیۃ الاولیاء ۸:۳۵۸، طبقات ابنِ سعد ۷:۱۳۶، تاریخ بغداد ۱:۲۰۸، الاصابہ ۲:۴۰۶، وقال الترمذی حسن غریب، الفتح الربانی ۲:۳۵۶، تہذیب الاسماء و اللغات للنووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲:۱۰۳)

[1808] (مسند امام احمد ۴:۱۲۷، تاریخ الاسلام للذھبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲:۳۱۸، البدایہ و النھایہ ص ۱۲۱، کنزل العمال ۷:۸۷، الاستیعاب ۳:۳۸۱، انساب الاشراف بلا ذری ۴:۱۰۷، مجمع الزوائد ھیثمی ۹:۳۵۶، صحیح ابن حبان ۱۰:۱۶۹، الاصابہ ۱:۳۸۵)

[1809] (مرقاۃ ۱۱:۱۳۸)

اس حدیث میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک تو آپ رضی اللہ عنہ کے لئے علم الکتاب کی دعا فرمائی اور دوسرے علم الحساب کی، جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے، اور تیسرے وقہ العذاب کی تاکہ دنیا میں امورِ خلافت کی انجام دہی میں اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو آخرت میں اس پر مواخذہ نہ ہو، یہ تینوں دعائیں کسی معمولی آدمی کے لئے نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ صرف اس کے لئے ہو سکتی ہیں جس سے خاص محبت اور الفت کا رشتہ ہو۔

الفاظ کی معمولی کمی بیشی کے ساتھ مختلف اوقات میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے آپ کو تعلیمِ کتاب اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و مصئون رہنے کی دعا فرمائی۔ اور ایک امتی کے لئے سب سے بڑا سرمایہ حیات یہی ہے کہ اس کا نبی اس دنیا میں اس کے لئے تعلیم کتاب فہم دین اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی انہی دعاؤں کے اثرات تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے صفتِ عدل سے نوازا، اور ان کے عدل و انصاف اور وسیع القلبی اور لوگوں کے ساتھ مروت و عدالت سے پیش آنے کی بناء پر کوئی ان کو "المھدی" کہنے پر مجبور ہوتا۔[1810]

اور کوئی ان کو "المصحف" کہتا۔[1811]

اور کوئی انہیں عدل و انصاف کا پیکر کہتا۔

چنانچہ امام اعمش رحمہ اللہ کی مجلس میں ایک روز سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا تذکرہ چل پڑا۔ امام اعمش رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ کو پالیتے تو تمہیں پتہ

[1810] (العواصم من القواصم ص ۲۰۵ تعلیقہ، البدایہ والنہایہ ۸:۱۳۵)
[1811] (البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۱)

چل جاتا۔"لوگوں نے پوچھا: "حضرت! کس چیز کا پتہ چل جاتا؟ ان کے حلم و بردباری کا؟ فرمایا: نہیں !بلکہ ان کے عدل و انصاف کا۔[1812]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر سرکارِ دوعالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی نظر شفقت کا اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے جس کو علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے طبرانی کے حوالے سے اپنی تاریخ میں نقل فرمایا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ایک مرتبہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کسی بات کے بارے میں مشورہ چاہا، یہ دونوں حضرات اس بارے میں کچھ نہ کہہ سکے اور دربارِ رسالت پناہ میں عرض کر دیا کہ اللہ جل شانہ اور اس کا رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہی بہتر جانتا ہے۔

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ان کا یہ جواب سن کر فرمایا: ادعوا معاویة رضی اللّٰہ عنه۔ "معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔"

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑا تعجب ہوا اور کہا کہ سرکارِ دو عالم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو قریش کے دو آدمیوں پر اس قدر یقین نہیں کہ قریش کے نوجوانوں میں سے ایک نوجوان کو طلب فرما رہے ہیں، لیکن آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا تم لوگ اپنی بات ان کے سامنے رکھو کیونکہ: فانّه قویّ امینٌ (کیونکہ یہ قوی اور امین ہیں)۔[1813]

تاریخ و حدیث کی کتابوں میں کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت و امارت کے بارے میں کچھ بشارات بھی دی تھیں جن کو آپ

1812 (العواصم من القواصم ۳۰۵ تعلیقه)

1813 (البدایه والنهایه ۸:۱۲۲، تاریخ الاسلام للذهبی رحمة اللّٰہ تعالیٰ علیه ۲:۳۱۹، مجمع الزوائد ۹:۳۵۵)

کی خلافت کے بارہ میں پیش گوئی بھی کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ وضو فرماتے ہوئے سرورِ کائنات ﷺ نے ایک یا دو مرتبہ میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: **یا معاویة! ان ولیت امرًا فاتق اللہ و اعدل۔** "اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اگر تجھے امور مملکت و خلافت سونپے جائیں تو اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف سے کام لینا۔"[1814]

اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اور ابو بکر ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ وغیرہ نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: "**یا معاویة! ان ولیت فاحسن۔**" "اے معاویہ رضی اللہ عنہ! اگر امورِ مملکت تجھے سونپے جائیں تو لوگوں سے حسنِ سلوک سے پیش آنا اور امورِ مملکت و خلافت کو احسن طریق سے سرانجام دینا"۔[1815]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز سے سرکارِ دو عالم ﷺ نے مجھے یہ کلمات فرمائے تھے، اسی روز سے مجھے یقین تھا کہ میں حکومت کے معاملات میں ضرور مبتلا ہوں گا، یہاں تک کہ مجھے حکومت مل گئی۔"

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ آپ کو حکومت حضور ﷺ کی دعا کی وجہ سے ملی تھی۔ چنانچہ علامہ خفاجی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مختلف شہروں اور مملکتِ اسلامیہ کے جو خلیفہ بنے وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا"۔[1816]

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی پیش گوئی کے ساتھ ساتھ آپ کی طاقت اور عزم و ہمت کے بارے میں بھی حضور ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا: **ان معاویة لا یصارع احدًا الّا صرعه**

[1814](البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۳، مجمع الزوائد ۵:۱۸۶، ۹:۳۵۵، مسند احمد ۴:۱۰۱، تطہیر الجنان ۱۸، دلائل النبوۃ ۶:۴۴۶)

[1815](المصنف، ابن ابی شیبہ ۱۱:۱۴۷، اسد الغابہ ۴:۳۸۷، البدایہ والنہایہ ۸:۱۲۳، المطالب العالیہ لابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۴:۱۰۸)

[1816](نسیم الریاض ۳:۱۲۶)

معاویة۔ ”معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو بھی نبرد آزما ہو گا معاویہ رضی اللہ عنہ اسے پچھاڑ دے گا“۔[1817]

یہ تو دنیا کی کامیاب و کامرانی کی بشارت تھی، آخرت میں آپ پر انعام ذکر فرماتے ہوئے سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

یبعث اللہ تعالیٰ معاویہ یوم القیمۃ وعلیہ رداء من الایمان۔

”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں اٹھائے گا کہ ان پر ایمان کے نور کی ایک چادر ہو گی (جس میں وہ لپٹے ہوئے ہوں گے)“۔[1818]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو جناب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جسم مبارک کے ساتھ چمٹالیا، جناب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ”معاویہ رضی اللہ عنہ! تمارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم سے ملا ہوا ہے؟“ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: ”یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! میرا پیٹ اور سینہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جسم کے ساتھ ملا ہوا ہے۔“

یہ سن کر حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعا کے طور پر فرمایا: اللھمّ املأہ علمًا۔ اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے!

[1817] (کنز العمال ۷:۸۷)

[1818] (کنز العمال ۱۹۰:۲)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا: زاد ابو مسھر و حلماً۔ ابو مسہر نے اپنی روایت میں اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے علم کے ساتھ حلم کی بھی دعا فرمائی۔ یعنی "اے اللہ اس کے سینے اور پیٹ کو علم اور حلم سے بھر دے"۔[1819]

جناب خاتم النبیین علیہ الصلوۃ والسلام کی انہی دعاؤں اور پیش گوئیوں کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعتِ قلبی اور حلم سے نواز تھا اور حضور ﷺ کے ارشاد گرامی ان ولیت فاحسن پر آپ نے اس طرح عمل فرمایا کہ تاریخ میں اس کی مثال شاید ہی ڈھونڈے سے ملے۔ جتنا کوئی آپ کی مخالفت کرتا اور آپ کو ایذا اور تکلیف دیتا اُتنا ہی اس کے ساتھ نیک سلوک فرماتے اور ہر ممکن طریق سے اس کی تالیفِ قلب فرماتے، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ کو "سید کریم" فرمایا کرتے تھے۔

ابن تیمیہ آپ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو یوں لکھا ہے:

من المعلوم من سیرۃ معاویۃ انہ کان من احلم الناس و اصبرھم علی من یؤذیہ و اعظم النّاس تالیفًا لمن یعادیہ۔[1820]

"آپ کی سیرت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حد درجہ حلیم و بردبار تھے اور ایذاء دینے والے کی ایذاء کو سب سے زیادہ صبر و تحمل اور بردباری سے برداشت کرتے اور جو کوئی ان کی مخالفت کرتا آپ اس کی تالیفِ قلب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھتے۔"

[1819](تاریخ الاسلام ۲:۳۱۹، التاریخ الکبیر ۴:۱۸)
[1820](منہاج السنۃ ۲:۲۱۹)

آپ کی اسی وسعتِ قلبی اور بُردباری سے متاثر ہو کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی اور بڑے بھائی سیدنا عقیل بن ابی طالب اپنے بھائی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے اور جنگ صفین میں سید معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر اپنے بھائی علی رضی اللہ عنہ سے جنگ لڑی۔

چنانچہ ایک شیعہ مؤرخ لکھتا ہے:

وفارق (عقیل) اخاہ علیّاً امیر المؤمنین فی ایّام خلافتہٖ وھرب الیٰ معاویۃ وشھد صفین معہ۔[1821]

"عقیل اپنے بھائی علی امیر المؤمنین سے ان کے ایامِ خلافت میں علیحدہ ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مل کر آپ نے (علی رضی اللہ عنہ سے) صفین کی جنگ لڑی۔"

آپ رضی اللہ عنہ کی وسعتِ قلبی، بردباری اور عدل و انصاف کی ایک نہیں سینکڑوں مثالیں تاریخ کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔[1822]

لیکن یہ بات مسلمہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حلم اور بردباری کو اپنی کتابِ زندگی کا ایک امتیازی باب بنالیا تھا۔[1823]

آپ رضی اللہ عنہ اکثر فرماتے تھے:

اِنی لارفع نفسی من ان یکون ذنب اعظم من عفوی او جھل اکثر من حلمی او عورۃ لا اواریھا بستری او اسائۃ اکثر من احسانی۔

[1821](عمدۃ الطالب فی الانساب آل ابی طالب ص ۱۵)

[1822](تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الفخری ص ۱۴۵، العقد الفرید ۲:۳۰۴، ۱۶۵، مروج الذہب ۵:۴۱۰)

[1823](ہسٹری آف دی عربز، پروفیسر ہٹی انگریزی)

”میں اپنے نفس کو اس امر سے بچاتا ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہو جو میرے عفو سے بڑھ کر ہو یا کوئی سبک سری ایسی ہو جو میری بردباری پر چھا جائے یا کوئی خطا ایسی ہو جسے دامن میں نہ چھپا سکوں یا کوئی ایسی برائی ہو جس کے مقابلہ میں میں احسان نہ کر سکوں“۔[1824]

آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی تاریخ کی کتابوں میں جلی حروف میں ملتا ہے:

انی لا احول بین الناس و بین السنتھم مالم یحولو ابیننا و بین سلطاننا (ملکنا)۔

”میں لوگوں کے اور ان کی زبانوں کے درمیان اس وقت تک حائل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میرے اور میری سلطنت کے درمیان حائل نہ ہوں“۔[1825]

آپ کی وسعتِ قلبی اور حلم و بردباری کا تذکرہ لسانِ نبوت نے ان الفاظ میں فرمایا: **احلم امّتی معاویۃ۔** ”میری امت میں سب سے بڑا حلیم اور بردبار معاویہ رضی اللہ عنہ ہے“۔[1826]

غرضیکہ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر آپؓ کی انتہائی تعریف فرمائی اور آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق بعض وہ باتیں ارشاد فرمائیں جن کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم پر امتیاز حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ۴۱ھ میں تمام امت نے متفقہ طور پر آپ رضی اللہ عنہ کو ساری دنیائے اسلام کا خلیفہ منتخب کر لیا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔[1827]

[1824] (طبری ۱۸۷:۶، البدایہ والنہایہ ۱۳۵:۸، ابن الاثیر جلد ۳)

[1825] (طبری ۳۳۶:۵، الکامل لابن الاثیر ۲۶۳:۳، تاریخ الاسلام و الحضارۃ الاسلامیہ ۱۴۷:۲)

[1826] (تطہیر الجنان بر حاشیہ صواعق محرقہ از ابن حجر مکی ص ۵۵)

[1827] (ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ ۱۴:۸، فتح الباری ۵۳:۱۳، مہیج الاحزن ۴۸، ناسخ التواریخ ج ۶ کتاب دوم ص ۷۹، بخار الانوار از ملا باقر مجلسی جلد ۱۰ ص ۱۶۴ وغیرہم)

فتح مکہ تک تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا اسلام گھر والوں سے چھپائے رکھا۔[1828]
لیکن فتح مکہ کے بعد آپ نے حضور رسالت مآب ﷺ کی ہمرکابی میں جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لیا اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شرکت فرمائی اور حضور ختمی مرتبت ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا۔[1829]
صرف علمی اور عملی لحاظ ہی سے آپ کو دربار رسالت میں قرب حاصل نہیں تھا بلکہ نسبی اور رشتہ داری کے لحاظ سے بھی آپ کو حضور ختمی مرتبت ﷺ سے تعلق اور قرب حاصل تھا، ایک تو چوتھی پشت میں آپ ﷺ سے ملتے تھے اور دوسرے آپ آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے حقیقی بھائی تھے، اس لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے برادرِ نسبتی اور مسلمانوں کے ماموں تھے۔

کتابتِ وحی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

آپ کی ذہنی، فکری اور عملی خوبیوں کی بناء پر سرکارِ دوعالم ﷺ کو آپ رضی اللہ عنہ پر خاص اعتماد تھا، اسی اعتماد کی وجہ سے بارگاہِ رسالت سے آپ کو کتابتِ وحی کا منصبِ جلیلہ عطا ہوا۔[1830]
خود شیعہ مؤرخ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے:
کان (معاویۃ رضی اللہ عنہ) احد کتّاب رسول اللہ ﷺ۔

[1828] (البدایہ والنہایہ ۱۱۷:۸، تطہیر الجنان لمعاویۃ بن ابی سفیان ص ۱۰، حیوۃ الحیوان ۱۰۴:۱، الاصابہ تذکرۃ معاویہ اسد الغابہ ۳۸۵:۴)
[1829] (الاستیعاب ۳۷۷:۳)
[1830] (تقریب التہذیب ص ۳۵۷، کنز العمال ۲۴۹:۲، البدایہ والنہایہ ۱۱۸:۸، آداب السلطانیہ للفخری ص ۱۴۵، النجوم الزاہرہ ۱۵۴:۱، الاستیعاب ۳۲۵:۳)

"معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے کاتبوں میں سے تھے"۔[1831]

آپ کا کاتبِ نبوی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہونا تاریخ کی سب کتابوں میں مرقوم ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مفضل الخلابي کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے:

ان زيد بن ثابت كان كاتب وحي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وكان معاوية كاتبه فيما بينه وبين العرب۔

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی وحی کے کاتب تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور عرب کے دوسرے قبائل یا ملوک کے درمیان خط و کتابت کا فریضہ سرانجام دیتے تھے"۔[1832]

اگرچہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت کو نقل تو کر دیا ہے لیکن دوسری روایت اس کی تردید کرتی ہے، لہٰذا مختلف روایات کے درمیان تطبیق سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صرف وحیِ الٰہی کے کاتب تھے لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وحیِ الٰہی اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے دوسرے امور کی کتابت بھی سرانجام دیتے تھے۔

چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اسی صفحہ پر سند صحیح کے ساتھ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے:

كنت العب فدعاني رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال ادع لي معاوية وكان يكتب الوحي۔

"میں کھیل رہا تھا کہ جناب رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلاؤ اور معاویہ رضی اللہ عنہ وحی لکھا کرتے تھے"۔[1833]

[1831] (ابن ابی الحدید ۱:۲۳۸)
[1832] (تاریخ اسلام للذہبی ۲:۳۱۸)
[1833] (تاریخ اسلام للذہبی ۲:۳۱۸)

اس سلسلہ میں ایک روایت مسند احمد میں بھی سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے، فرماتے ہیں "ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر لاؤ۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان دنوں حضور ﷺ کے کاتبِ وحی تھے، چنانچہ میں دوڑتا ہوا گیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سرکارِ دوعالم ﷺ کا یہ پیغام دیا کہ سرکار ﷺ آپ رضی اللہ عنہ کو بلا رہے ہیں کیونکہ آپ ﷺ کو تم سے کوئی کام ہے۔"[1834]

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ صرف سرکارِ دوعالم ﷺ کے مراسلات اور فرامین کی کتابت فرماتے تھے، بعض نے لکھا ہے کہ صرف وحی کی کتابت فرماتے تھے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ وحی اور فرامین و مراسلات دونوں کی کتابت فرماتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے فرمایا کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے تھے"۔[1835]

اور طبرانی نے بسند حسن روایت کیا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی کتابت کیا کرتے تھے، یعنی وحی کی بھی اور مراسلات و فرامین کی بھی۔[1836]

چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ: "ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے مسعود بن وائل رضی اللہ عنہ کی درخواست پر ان کی قوم کی طرف مراسلہ بھیجا جو آپ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے لکھوایا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ، کیسے لکھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم لکھو اس کے بعد دوسرا مضمون جو میں لکھواؤں وہ لکھو، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی لکھا"۔[1837]

[1834] (مسند امام احمد ص ۳۳۵)
[1835] (البدایہ والنہایہ ۲۱:۸)
[1836] (مجمع الزوائد ۳۵۷:۹)
[1837] (الاصابہ ۴۹۳:۳)

تاریخ میں مختلف فَرامین کا ذکر ملتا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بنو امیہ کے اس نوجوان سے لکھوائے جس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کو ان پر کتنا بھروسہ اور اعتماد تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص سیدنا وائل بن حجر الکندی رضی اللہ عنہ ہوئے ہیں، یہ اپنی قوم کے رئیس اور اپنے علاقے کے سردار تھے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان کے لئے بڑی دعائیں فرمائیں، وہ حضر موت سے آکر مسلمان ہوئے، نبی اکرم ﷺ نے انہیں ایک قطعہ اراضی دینے کا ارادہ فرمایا، نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ وائل رضی اللہ عنہ کے ساتھ جاؤ اور ان کے لئے ایک قطعہ اراضی متعین کر کے ان کی تحویل میں دے دیں، حضور ﷺ نے ساتھ ہی ان کے لئے ایک مکتوب تحریر کرایا جس میں سیدنا وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے میری فضیلت ظاہر فرمائی اور میرے اور میرے اہل خانہ کے لئے مزید مال و متاع کے لئے ایک وثیقہ بطور مکتوب عنایت فرمایا۔ اس کی تفصیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں نقل فرمائی ہے۔[1838]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ محدّثین اور اصحابِ تاریخ نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کو ساحل البحر کے علاقہ معاون القبلیۃ میں چند قطعاتِ اراضی عنایت فرمائے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں ایک وثیقہ تحریر کروا کر انہیں عطاء فرمایا۔[1839]

محدّثین نے اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی اپنی کتابوں میں درج فرمایا ہے جس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتبِ رسول ﷺ ہونے اور سرکارِ دوعالم ﷺ کے نزدیک ان کے بااعتماد

[1838](تاریخ الکبیر ۱۷۵:۴، اسد الغابہ ۸۱:۵، الاصابہ ۵۹۲:۳، صحیح ابن حبان ۱۰/۹: ۱۶۶، تحت وائل بن حجر الکندی)
[1839](المستدرک حاکم ۵۱۷:۳، معجم البلدان ۳۰۷:۱۵)

ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشہور صحابی سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی معرفت قیصرِ روم کو دعوتِ اسلام کا ایک والانامہ ارسال فرمایا، اس مراسلہ کے جواب میں قیصر روم کا خط لے کر اس کا قاصد التنوخی حضور سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہرقل روم کا قاصد التنوخی بیان کرتا ہے کہ: "سرورِ کائنات ﷺ مقامِ تبوک میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ میں ہرقل کا خط لے کر وہاں گیا۔ میں آپ ﷺ کو نہیں پہچانتا تھا، میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کون ہیں؟ حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اپنی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں ہوں۔ میں نے وہ مکتوب آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا، آپ ﷺ نے وہ خط اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص کو پڑھنے کے لئے دیا، جب میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہ مکتوب آپ ﷺ کو پڑھ کر سنایا۔ اس مکتوب میں لکھا تھا کہ آپ ﷺ مجھے جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کی وسعت زمین وآسمان کے برابر ہے تو فرمایئے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ (گویا کہ یہ ایک سوال تھا جو قیصر روم نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا)۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: **سبحان اللہ! اذا جاء اللیل فاین النہار؟ سبحان اللہ!** جب رات آتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے؟ جب یہ مراسلہ پڑھ لیا گیا تو آپ ﷺ نے قیصرِ روم کے قاصد سے فرمایا کہ "آپ مکتوب لانے والے ہیں اور پیغام رساں کا احترام اور حق ہوتا ہے، ہم چونکہ اس وقت مسافرت میں ہیں، اگر اس وقت ہمارے پاس کوئی ہدیہ یا عطیہ ہوتا تو ہم آپ کو ضرور دیتے۔" آپ ﷺ کی یہ بات سن کر آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھا اور عرض کی کہ میں اس قاصد کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرتا ہوں، چنانچہ وہ شخص اپنے سامان میں سے ایک نہایت عمدہ پوشاک نکال کر لایا اور اسے میری گود میں

رکھ دیا، میں نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ کون ہیں، انہوں نے کہا یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعد ازاں سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ اس قاصد کو کون اپنے ہاں ٹھہرائے گا؟ اس پر انصار کا ایک شخص مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور مجھے اپنے پاس ٹھہرایا۔[1840]

اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ امورِ مملکت کے نہایت اہم خطوط نبی اکرم ﷺ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پڑھواتے تھے اور انہی سے ان کے جواب بھی لکھواتے تھے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بعض تحریرات اور وثیقہ جات پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کو بھی بطورِ گواہ پیش کیا۔[1841]

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ، اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ جو اسلام کے چار ستون تھے، جہاں انہوں نے اپنی گواہی ثابت کی وہیں حضورِ انور ﷺ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی گواہ کے طور پر دستخط ثبت کرنے کے لئے فرمانا، ان کی کتابِ زندگی کا ایک نہایت پُراعتماد باب ہے، بلکہ سرکار دوعالم ﷺ کی یہ ایک پیش گوئی تھی کہ میرے پہلے یہی پانچ خلفاء ہیں جو تمیم الداری رضی اللہ عنہ کی اس تحریر پر بطور گواہ اپنے دستخط ثبت فرمارہے ہیں۔[1842]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتبِ وحی ہونے کو شیعہ مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید رحمہ اللہ کا حوالہ تو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں لیکن یعقوبی جو شیعہ فرقہ کا ستون سمجھا جاتا ہے، اس نے بھی صاف الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ

[1840] (مسند امام احمد ۴۴۱:۳، ۷۴:۴، البدایہ والنہایہ ۱۶:۵، مجمع الزوائد ۲۳۵:۸)

[1841] (ملاحظہ ہو سیرت الحلبیہ ۲۴۱:۳)

[1842] (سیرت حلبیہ ۲۴۰:۳)

عنہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے کاتبانِ وحی میں سے تھے اور نہ صرف وحی بلکہ آپ ﷺ کے فرامین اور مراسلات بھی اکثر آپ رضی اللہ عنہ ہی تحریر فرماتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے:

و کان کتابہ الّذین یکتبون الوحی و الکتب و العہود علی بن ابی طالب و عثمان بن عفان و عمرو بن العاص بن امیّہ و معاویۃ بن ابی سفیان و شرحبیل بن حسنۃ۔

اور رسول اللہ ﷺ کے کاتبین جو آپ ﷺ کے لئے وحی، مراسلات و معاہدات اور مواثیق وغیرہ لکھا کرتے تھے، وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص بن امیہ رضی اللہ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ وغیر ہم تھے۔"[1843]

ہماری اس بات کی تائید ابن حزم اور علی بن برہان الدین الحلبی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

و کان زید بن ثابت من الزم النّاس لذٰلک ثمّ تلاہ معاویۃ بعد الفتح فکانا ملازمین لکتابتہ بین یدیہ ﷺ فی الوحی و غیر ذٰلک لا عمل لھما غیر ذٰلک۔

"سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور فتح مکہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کتابت کے لئے ہمیشہ حاضر رہنے والے لوگوں میں سے تھے، چاہے وہ کتابت وحی کی ہو یا غیر وحی کی"۔ [1844]

آپ کے کاتبِ وحی ہونے کے لئے مندرجہ ذیل کتابیں بھی ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔[1845]

روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ ذمہ دارانہ منصب حضور ﷺ نے اللہ رب العزت کے حکم سے عطا فرمایا چنانچہ حافظ ابن کثیر نے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین بارگاہِ رسالت

[1843] (تاریخ یعقوبی ۲:۸۰)

[1844] (جوامع السیرۃ ص ۲۷)

[1845] (الاستیعاب ۳:۳۷۵، الاصابہ ۳:۴۱۲، مجمع الزوائد ۹:۳۵۷، زادالمعاد ۱:۳۰)

مآب صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ: یا محمد اقراء معاویۃ السلام و استوص بہ خیرًا فانہ امین اللہ علیٰ کتابہٖ و وحیہ و نعم الامین۔ "اے محمد (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)! معاویہ رضی اللہ عنہ کو سلام کہیے اور اس کو نیکی کی تلقین کیجئے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں"۔[1846]

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتبِ وحی بنانے کے لئے حضور ختمی مرتبت صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جبریل امین سے مشورہ فرمایا، جبرئیل امین علیہ السلام نے جواب دیا: استکتبہ فانہ امین۔ "آپ ان کو کاتب وحی بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں"۔[1847]

اگر آپ کی امانت کے متعلق جبرئیل امین کی یہ گواہی نہ بھی ہوتی تب بھی آپ کا صرف کتابتِ وحی کے منصب پر فائز رہنا ہی آپ کے امین ہونیکے لئے کافی تھا کیونکہ جس طرح وحی لانے والے کے لئے امین ہونا شرط ہے تاکہ وہ وحی الٰہی کے لانے میں کوئی خیانت نہ کرسکے، اسی طرح کاتبِ وحی کے لئے بھی امین ہونا ضروری ہے تاکہ وہ کتابتِ وحی میں کوئی خیانت نہ کرسکے۔ لہٰذا جس طرح آپ کا کاتبِ وحی ہونا مسلّم ہے اسی طرح آپ کا امین ہونا بھی مسلّم ہے۔ کما لا یخفیٰ علی من لہ ادنیٰ من الفہم۔ کتابتِ وحی کا منصب جلیلہ آپ کو عطا فرمایا جانا جہاں آپ کی دینی اور علمی علوّمرتبت کی دلیل ہے وہاں آپ کی علمی اور فکری بلندی کی بھی دلیل ہے کیونکہ ظہور اسلام کے وقت قریش میں صرف سترہ (۱۷) آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے جن میں ایک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔[1848]

[1846](البدایہ والنہایہ ۱۲۰:۸)
[1847](البدایہ والنہایۃ ۱۲۰:۸)
[1848](الحضارۃ الاسلامیہ ص ۲۶)

پورے مکہ میں جبکہ صرف سترہ یا بیس لکھنا پڑھنا جانتے تھے، آپ کا کتابت کے فن سے واقف ہونا آپ رضی اللہ عنہ کی بہترین تربیت اور علمی بلندی کی دلیل ہے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عادل ثقہ اور صالح صحابی ہیں۔ سرورِ کائنات ﷺ کے گھر آپ رضی اللہ عنہ کی حقیقی ہمشیرہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ بڑے عالم اور مجتہد صحابی ہیں۔ آپ کے لئے سرورِ کائنات ﷺ نے دعا فرمائی۔ آپ کی شان میں گستاخی کرنا اور آپ کو برا کہنا رفض ہے۔ ایسا شخص ہرگز ہرگز سُنی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے ہرگز ہرگز نماز نہ پڑھی جائے کیونکہ ایسا شخص امامت کے لائق نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی شان میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ اللہ فی اصحابی۔۔الخ" "میرے صحابہ کے معاملے اللہ سے ڈرو۔" یعنی ان کی عزت و عظمت و حرمت کا خیال رکھو۔ کیونکہ صحابی کا نصف سیر جو گندم خیرات کرنا دوسروں کے لاکھوں من سونا خیرات کرنے سے افضل و بہتر ہے۔ دین ہمیں صحابہ کرام اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے توسل سے ہی ملا ہے دونوں میں کسی کی تنقیص و توہین سے دین کے معتدبہ حصہ سے انکار لازم آتا ہے۔

جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گستاخی کرتے ہیں وہ سخت ترین گمراہ ہیں اگرچہ وہ سید ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اصل چیز ایمان اور عقیدہ ہے اگر عقیدہ خراب ہے یعنی کوئی شخص سید بد عقیدہ (مثلاً خارجی، رافضی، وہابی نجدی، قادیانی وغیرہ) ہو جائے تو وہ سادات سے نکل جاتا ہے۔ اور اسے سید کہنا بھی درست نہیں۔ قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں جب اس نے عقیدتاً و عملاً اپنے والد محترم جو اللہ کے نبی علیہ السلام تھے کا انکار کیا اور ساتھ نہ دیا تو اللہ نے فرمایا: "انہ لیس من اھلک۔۔الخ" یعنی وہ تمہارے اہل بیت میں سے نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم آپس میں مثالی محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا احترام فرماتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہماری آپس کی محبت حضور نبی کریم ﷺ کی وجہ سے ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کو غور اور محبت سے کیوں دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ علی کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔" حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد محترم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔۔۔الخ ایک مرتبہ ایک صحابی کی نماز جنازہ پڑھانے تشریف لائے واپسی پر جب وہ سواری پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب کو پکڑ کر احتراماً اوپر کر دیا تاکہ وہ صحابی آرام سے سوار ہو جائیں تو ان صحابی نے کہا آپ نے ایسے کیوں کیا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہمیں اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل علم کی اسی طرح تعظیم کریں۔ تو ان صحابی رضی اللہ عنہم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاتھ کو پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہمیں بھی اسی طرح حکم دیا گیا ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی اس طرح تعظیم کریں۔ (سبحان اللہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان بشری تقاضوں کے پیش نظر کوئی رنجش ہو بھی گئی ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر چھوڑ دی جائے گی اور دونوں گروہوں کے متعلق خیر کی بات ہی کہنی لازم ہے کیونکہ دونوں نے صحبتِ نبوی ﷺ سے فیض پایا ہے اور دونوں گروہ آپ ﷺ کے محبوب ہیں اور دونوں کی عزت و حرمت کی تلقین آپ ﷺ نے فرمائی ہے اور قرآن کریم نے ان تمام حضرات کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوا عَنۡہُ کی بشارت عطا فرمائی

ہے۔ لہٰذا اسادات حضرات بھی اس بات کو نگاہ میں رکھیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں توہین و بے ادبی کتنا سنگین جرم ہے کہ اس بے ادبی و گستاخی کی وجہ سے سید دو عالم ﷺ کی ناراضگی لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنے محبوب کریم ﷺ ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کی محبت عطا فرمائے اور ان کی عزت و حرمت کا خیال رکھنے کی توفیق عطا فرمائے بلکہ ہر مؤمن مسلمان کی محبت اور عزت ہمیں عطا فرمائے اور ہمیں صالحین کے ساتھ قیامت میں اٹھائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنے اہلِ بیت کے بارے میں وصیت کا بیان

عن أبی سعید عن النبی ﷺ قال: ألا انّ عیبتی الّتی آوی الیها أهل بیتی، و انّ کرشی الأنصار۔ فاعفوا عن مسیئهم و اقبلوا من محسنهم۔ رواه التّرمذی و ابن أبی شیبة۔ و قال أبو عیسی: هذا حدیث حسنٌ۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! میرا جامہ دان جس سے میں آرام پاتا ہوں میرے اہل بیت ہیں اور میری جماعت انصار ہیں۔ ان کے بُروں کو معاف کر دو اور ان کے نیکوکاروں سے (اچھائی کو) قبول کرو۔“ اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[1849]

عن زید بن ثابت رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: انّی تارکٌ فیکم خلیفتین: کتاب الله حبلٌ ممدود ما بین السّماء و الأرض۔ أو ما بین السّماء الی الأرض، و عترتی أهل بیتی، و انّهما لن یّتفرّقا حتی یر دا علیّ الحوض۔ رواه أحمد۔

[1849] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: فی فضل الأنصار و قریش، ۵/۷۱۳، الرقم: ۳۹۰۴ و ابن أبی شیبة فی المصنف، ۶/۳۹۹، الرقم: ۳۲۳۵۷، و الشیبانی فی الآحاد و المثانی، ۳/۳۳۲، الرقم: ۱۷۱۶، و ابن سعد فی الطبقات الکبری، ۲/۲۵۲)

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں تم میں دو نائب چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب جو کہ آسمان و زمین کے درمیان پھیلی ہوئی رسی (کی طرح) ہے اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ کہ یہ دونوں اس وقت تک ہرگز جدا نہیں ہوں گے جب تک یہ میرے پاس حوضِ کوثر پر نہیں پہنچ جاتے۔" اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔[1850]

عن عبد الرّحمٰن بن عوف قال: افتتح رسول اللہ ﷺ مكّة ثم انصرف الى الطّائف فحاصرهم ثمانية أو سبعة، ثمّ أدخل غدوة أو روحة ثم نزل ثمّ هجر۔ ثم قال, أيّها النّاس، انّى لكم فرطٌ وانّى أوصيكم بعترتى خيرًا، وانّ موعدكم الحوض۔۔۔۔ الحديث۔ رواه الحاكم، وقال: هذا حديث صحيح۔

"حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مکہ فتح کیا پھر طائف کا رخ کیا اور اس کا آٹھ یا سات دن محاصرہ کئے رکھا پھر صبح یا شام کے وقت اس میں داخل ہو گئے پھر پڑاؤ کیا پھر ہجرت فرمائی اور فرمایا: اے لوگو! بے شک میں تمہارے لئے تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا اور بے شک میں تمہیں اپنی عترت کے ساتھ نیکی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانا حوض ہو گا۔۔۔۔ الحدیث۔" اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[1851]

عن زيد بن أرقم رضى الله عنه قال: قال رسول اللہ ﷺ: أيّها النّاس، انّى تاركٌ فيكم أمرين لن تضلّوا ان اتّبعتموهما، وهما: كتاب الله، وأهل بيتى عترتى۔ ثمّ قال: أتعلمون أنّى

[1850] (أخرجه أحمد بن حنبل فى المسند، ٥/١٨١، الرقم: ٢١٦١٨، والهيتمى فى مجمع الزوائد، ٩/١٦٢)
[1851] (أخرجه الحاكم فى المستدرك، ٢/١٣١، الرقم: ٢٥٥٩)

أولی بالمؤمنین من أنفسهم ثلاث مرّاتٍ قالوا: نعم، فقال رسول الله ﷺ: من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ۔ رواہ الحاکم وقال الحاکم: صحیح۔

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں اور اگر تم ان کی اتباع کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے اور وہ دو چیزیں کتاب اللہ اور میرے اہل بیت ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو میں مؤمنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کو عزیز ہوں آپ ﷺ نے ایسا تین مرتبہ فرمایا۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کی: ہاں یا رسول اللہ ﷺ! تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس کا میں دوست ہوں علی بھی اس کا مولی ہے۔“ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔[1852]

عن ابن عباس رضی الله عنه قال: لمّا نزلت هذه الآية: {قُل لَّآ اَسۡـلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى} قالوا: یا رسول الله، من قرابتک هؤلاء الّذین وجبت علینا مودّتهم؟ قال: علیّ وفاطمة وابناهما۔ رواه الطّبرانی۔

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت: {قُل لَّآ اَسۡـلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى} نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کی قرابت کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: علی، فاطمہ، اور ان کے دو بیٹے (حسن و حسین)۔“

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[1853]

عن زید بن أرقم رضی الله عنه فی روایة طویلة: قال: قال النّبی ﷺ: انظروا کیف تخلفونی فی الثقلین۔ فنادی منادٍ وما الثقلان یا رسول الله ﷺ، قال: کتاب الله طرف بیدالله

[1852] (أخرجه الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۱۸، الرقم: ۴۵۷۷)

[1853] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۳/۴۷، الرقم: ۲۶۴۱، والهیثمی فی مجمع الزوائد ۹/۱۶۸)

وطرف بأيديكم فاستمسكوا به لا تضلّوا، والآخر عترتي وانّ اللّطيف الخبير نبّأني أنّهما لن يّتفرّقا حتى يردا عليّ الحوض، سألت ربّي ذلك لهما، فلاتقدّموهما فتهلكوا، ولا تقصروا عنهما فتهلكوا، ولا تعلموهم فانّهم أعلم منكم ثمّ أخذ بيد عليّ فقال: من كنت أولى به من نفسي فعليّ وليّه اللّهمّ وال من والاه وعاد من عاداه۔ رواه طبراني۔

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پس یہ دیکھو کہ تم دو بھاری چیزوں سے مجھے کیسے باقی رکھتے ہو۔ پس ایک نداء دینے والے نے ندا دی یارسول اللہ ﷺ! وہ دو بھاری چیزیں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب جس کا ایک کنارا اللہ کے ہاتھ میں اور دوسرا کنارا تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگے اور دوسری چیز میری عترت ہے اور بے شک اس لطیف خبیر رب نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ دونوں چیزیں کبھی بھی جدا نہیں ہوں گی یہاں تک کہ یہ میرے پاس حوض پر حاضر ہوں گی اور ایسا ان کے لئے میں نے اپنے رب سے مانگا ہے۔ پس تم لوگ ان پر پیش قدمی نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ہی ان سے پیچھے رہو کہ ہلاک ہو جاؤ اور نہ ان کو سکھاؤ کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: پس میں جس کی جان سے بڑھ کر اسے عزیز ہوں تو یہ علی رضی اللہ عنہ اس کا دوست ہے اے اللہ! جو علی کو اپنا دوست رکھتا ہے تو اسے اپنا دوست رکھ اور جو علی سے عداوت رکھتا ہے تو تو اس سے عداوت رکھ۔"

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[1854]

عن مصعب بن عبد الرّحمٰن بن عوف عن أبيه قال: لمّا فتح رسول الله ﷺ مكّة انصرف الى الطّائف فحاصرها سبع عشرة، أو تسع عشرة، ثمّ قام خطيبًا فحمد الله وأثنى عليه۔ ثمّ قال:

[1854] (أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، ٥/١٦٦، الرقم: ٤٩٧١)

أوصیکم بعترتی خیراً، وأنّ موعدکم الحوض۔ والّذی نفسی بیده لتقیمنّ الصلاة ولتؤتنّ الزّکاة، أو لأبعثنّ الیکم رجلاًمنی۔ أو کنفسی یضرب أعناقکم۔ ثمّ اخذ بید علیّ رضی اللہ عنه فقال: بهذا۔ رواه البزّار۔

"حضرت مصعب بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے مکہ فتح کیا اس کے بعد آپ ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے اور آپ ﷺ نے سترہ دن طائف کا محاصرہ کئے رکھا پھر آپ ﷺ خطاب کے لئے کھڑے ہوئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی پھر فرمایا: میں اپنی عترت کے بارے میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور بے شک تمہارا ٹھکانہ حوض کوثر ہو گا اور نماز قائم کروگے اور زکوۃ ادا کروگے یا میں تمہاری طرف ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو مجھ سے ہے یا میری طرح کا ہے اور جو تمہاری گردنیں مارے گا پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اس آدمی سے میری مراد یہ ہے۔"

اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔[1855]

حضور نبی اکرم ﷺ کا لوگوں کو اہلِ بیت کی محبت پر اُبھارنے کا بیان

اہل بیت النبی (ﷺ) کی محبت ایمان کا لازمی حصہ ہے۔ در حقیقت اس محبت کی محرک اہل بیت کی نسبت ہے۔ جو ذاتِ رسول (ﷺ) سے مربوط و منسلک ہے اور دوسری وجہ آنجناب (ﷺ) کی اپنی ذاتی محبت اپنی نسل پاک سے ہے اور یہ عاشقانہ دستور و اصول ہے کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔

[1855] (أخرجه البزار فی المسند، ۳/۲۵۸، ۲۵۹، الرقم: ۱۰۵، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۶۳)

اس سلسلہ میں آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بالترتیب محبت و مودت کا موجب ذکر فرمایا ہے:

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم احبو اللہ تعالیٰ لما یغفر کم بہ من نعمۃ واحبونی لحب اللہ تعالیٰ و احبو ااھل بیتی لحبی۔

"فرمایا اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں غذا اور نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور میری اہل بیت سے محبت کرو کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔"

محبت کے اس ایمان افروز دستور کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس محبوب پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى (الشوریٰ ۲۳)

"تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت"۔

مفسر روح البیان اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ویجوز ان یراد بالقربی اھل قرابتہ قیل یا رسول من قرابتک ھٰؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم قال علی و فاطمہ و ابنای ای الحسن و الحسین رضی اللہ عنھما۔

"یہ حقیقت ہے کہ قرابت سے مراد آنجناب رسالت مآب (ﷺ) کی قرابت اور نسل پاک ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون قریبی ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے۔ فرمایا وہ علی فاطمہ اور میرے دو بیٹے حسن اور حسین ہیں رضی اللہ عنہم"۔

علماء کرام اور مفسرینِ عظام نے "آل" کی وضاحت یوں فرمائی ہے:

عترة الرجل: أهل بيته، ورهطه الأدنون، ولاستعمالهم "العترة" على أنحاء كثيرة۔

یعنی کسی شخص کی آل اسکے گھر والے ہوتے ہیں اور وہ افراد جو اس کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے آل کا استعمال کئی اقسام میں منقسم ہے۔[1856]

ایک اہل گھر کے افراد ہیں مثلاً ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنھما) ۔ دوسرے وہ حضرات جن کا تعلق نسب و نسل سے ہے۔ ان میں سے بعض بہت زیادہ قریب ہیں جیسے حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت امّ کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین، حضرت محسن اور انکی بہنیں (اخوات) رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ تیسرے وہ حضرات جو ان کی نسبت کچھ دور ہیں جیسے حضرت عباس، حضرت حمزہ اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم۔ چوتھے درجہ میں حضرت عبد المطلب اور حضرت ہاشم کی اولاد جس پر زکوۃ ممنوع ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ پانچویں درجہ میں ہر متقی اور صالح و مخلص مؤمن بھی آل میں داخل ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حق میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: (السلمان منا اهل البيت) اور فرمایا (اٰلِ محمد كل تقى) اس اعتبار سے سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آل میں داخل ہیں۔

یہاں جس آلِ اطہار کا بیان کرنا چاہتا ہوں وہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد ہے۔ اگرچہ اس کے ضمن میں آل کے تمام افراد داخل ہونگے لیکن خصوصیّت اپنا ایک مقام رکھتی ہے۔

جیسا کہ مفسرین کرام نے اس ضمن میں وضاحت کی ہے:

والحق وجوب محبة قرابته ﷺ من حيث انّهم قرابته ﷺ كيف كانوا و كلما كانت جهة القرابة اقوى كان طلب المودة اشد فمودة العلويين الفاطميين الزم من محبة

[1856] (نهج الرشاد في نظم الاعتقاد ج ١ ص ١٦)

العباسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) و أثار تلک المودۃ التعظیم و الاحترام و القیام باداء الحقوق اتم قیام۔

"اہل بیت کی محبت کے مراتب ہیں حق بات یہ ہے کہ جس اہل کو جتنی نزدیک تر قربت ذاتِ فخر موجودات (ﷺ) سے ہو گی ان کی محبت کا وجوب بہ نسبت دوسروں کے اتنا ہی زیادہ ہو گا۔ لہذا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد پاک کی مودّت حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد سے زیادہ ہو گی۔ اہل بیت کرام کی محبت کی علامت ان کی تعظیم و احترام اور محبت کے حقوق کی ادائیگی میں ہے"۔

آپ (ﷺ) کی محبت اپنی اہل سے کس قدر زیادہ تھی اس کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جاسکتا ہے:

أخرج ابو سعید عن النبی ﷺ انہ قال لا تصلوا علی الصلاۃ البتیراء قالوا و ما الصلاۃ البتیراء یا رسول اللہ قال تقولون اللھم صلی علی محمد و تسکتون بل قولوا اللھم صلی علی محمد و أل محمد۔[1857]

"سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا مجھ پر ناقص صلاۃ وسلام نہ پڑھا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا ناقص صلاۃ کیا ہے۔ فرمایا یہ کہ تم کہتے ہو اللھم صلی علی محمد اور پھر خاموش ہو جاتے ہو (ایسا نہ کرو) بلکہ یوں پڑھا کرو اللھم صلی علی محمد و أل محمد اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صلاۃ و سلام میں اہل بیت کی عدم شمولیت سے شرف قبولیت کامل نہیں ہو گا۔

[1857] (خزینۃ الاسرار ص ۱۸)

ایک اور حدیث شریف

قال رسول اللہ ﷺ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الیٰ الارض وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی۔ (مشکوٰۃ ص ۵۶۹)

"آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں اگر تم نے اسے تھاما (یعنی اسے عملی اعتبار سے قبول کیا) تو میرے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ان دونوں چیزوں میں سے ایک دوسرے سے عظیم تر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) جو ایک طویل رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے، اور دوسری چیز میری اولاد ہے میری اولاد اور قرآن کریم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونگے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھے آکر ملیں گے۔ پس لوگو! سوچ لو میرے بعد میری اولاد کے ساتھ تم کیا برتاؤ کروگے"۔

فائدہ: اہل بیت کے سلسلہ میں آنحضرت (ﷺ) نے ایک شرط اور معیار بیان فرمایا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لا یعذبھم۔

"سرور کائنات (ﷺ) نے فرمایا میرے رب نے میری اہل بیت رضی اللہ عنہم سے متعلق میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ ان کو عذاب سے محفوظ فرمائے گا۔ بشرطیکہ وہ توحید و رسالت پر یقین رکھتے ہوں یعنی اہل بیت کا صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے۔[1858]

ایک اور حدیث میں فرمایا:

سألت ربی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانی ذلک۔

[1858] (رسائل الستہ لابن عابدین الشامی علیہ الرحمہ ص ۵)

میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ میری اہل بیت رضی اللہ عنہم کے کسی فرد کو دوزخ میں داخل نہ فرمانا تو میرے رب نے میرا سوال پورا کیا اور میری مراد مجھے عطا فرمائی۔

(شرح) فاستدل بعض العلماء به علی ان ذریته ﷺ یموتون علی اکمل الاحوال۔

ترجمہ: ”بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اہل بیت کا ہر فرد موت کے وقت اکمل الاحوال پر انتقال کرے گا۔“یعنی مرتے وقت ان کو ولائیت کبریٰ کا درجہ ملے گا۔

حرم شریف کے ایک امام نے علماء کے اس فیصلہ کو پڑھا اور دلائل پر غور کیا تو یقین کر لیا کہ اس کے دلائل قوی ہیں لیکن اس کے بعد پھر خیال آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اہل بیت کے فرد جو بھی کرتے رہیں (گناہ اور نافرمانی وغیرہ) پھر بھی وہ ولی کامل ہو کر انتقال کریں گے؟ یہ درست نہیں ہے۔

علامہ شامی علیہ الرحمۃ اپنے تصنیف شدہ رسائل ستہ میں لکھتے ہیں:

فنظر الیٰ الدلیل فراٰہ قویا ثم استبعد ذلک بما یبلغه عن شرفاء مکه المشرفه فنام فرای حضرت صاحب الرسالة (ﷺ) فی منامه وهو معرض عنه فقال اتستبعد ان یموت اهل بیتی علی اکمل الاحوال او کما قال فاستیقظ خائفًا ورجع عن ذلک۔[1859]

”امام کعبہ نے جب اہل بیت کی فضیلت کے قوی دلائل دیکھنے کے باوجود ان کی فضیلت کو تسلیم نہ کیا کیونکہ اس نے سادات کے بعض نوجوانوں کو اچھے کام کرتے نہیں دیکھا تھا، تو اس نے ایسا خیال کیا تھا۔ خواب میں رسالت مآب ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا جب ملنے کیلئے خدمتِ اقدس کی طرف آیا، تو آپ ﷺ نے اعراض فرمایا اور انکار کر دیا، اس کی معذرت پر فرمایا کہ تجھے میرے اہل بیت کی موت علی اکمل الاحوال (ولایت کبریٰ) سے انکار ہے۔ نیند سے خوف زدہ ہو کر بیدار ہوا اور اس جرم سے توبہ کی“۔

[1859](رسائل ستہ ص ٦)

آلِ بیت النبی ﷺ کی فضیلت میں کئی ایک آیات قرآن حکیم میں مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک یہ آیت مبارکہ ہے:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ (آل عمران ۶۱)

"تو ان سے فرمادو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں"۔

آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ نجران کے علاقہ میں رہنے والے نصرانیوں نے اپنے مذہب (نصرانیت) کی حقانیت کیلئے آنجناب نبوت مآب ﷺ سے مباہلہ کی تاریخ متعین کی جب آنے کا وقت آیا تو سرور دوعالم ﷺ نے حضرت حسین کو گود میں اور حضرت حسن کا داہنا ہاتھ پکڑا۔ حضرت فاطمہ پیچھے اور حضرت علی (رضی اللہ عنہم) ان کے پیچھے آپ ﷺ نے ان نفوسِ قدسیہ سے فرمایا میں جو دعا مانگوں تم آمین کہنا۔ اسی اثنا میں نصاریٰ کا وفد بھی پہنچ گیا۔ وفد کے پادری نے وفد سے کہا سنو! مذہب کی تائید اپنی جگہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سامنے نظر آنے والے مقدس و منوّر چہرے اگر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے چل کر ہمارے پاس آجائے تو لازماً آجائے گا۔ اب مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سے مباہلہ نہ کریں اور معافی مانگ لیں ورنہ مباہلہ میں ان کی دعاؤں سے ہمارا دنیا سے نام بھی مِٹ جائے گا۔ اس پر نصرانی متفق ہوگئے۔ ان کی معذرت پر رحمتِ دوعالم نورِ مجسّم ﷺ نے مباہلہ ترک فرمایا اور ان پر تاوان (جزیہ) رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر یہ نصرانی مباہلہ کرتے تو تمام نصرانی اور ان کا علاقہ، درخت اور پرندے درندے سب جل کر راکھ ہوجاتے۔ اور دنیا میں نام کا ایک نصرانی باقی نہ رہتا ان کے لئے آسمان سے آگ اتر رہی تھی، میری دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو واپس لے لیا۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال لما نزلت ھٰذہ الآیۃ ندع ابنائنا و ابنائکم دعا رسول اللہ ﷺ علیّا و فاطمۃ و حسنًا و حسیناً فقال اللھمّ ھٰؤلاء اھل بیتی۔رواہ مسلم۔

"سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ وَ اَنفُسَنَا وَ اَنفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ (آل عمران ۶۱) نازل ہوئی، تو آنحضور ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور یہ فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، اس کے بعد عیسائیوں سے مباہلہ کے لئے ان چاروں کو لے کر گئے مگر وہ مقابلہ پر نہ آئے"۔[1860]

صاحبِ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے متعلق شیعوں کے اعتراضات کے جوابات دے کر آخر میں تحریر فرمایا ہے:

لکنّ ھٰذہ القصۃ تدلّ علی کون ھٰؤلاء الکرام احبّ النّاس الی رسول اللہ ﷺ۔[1861]

یعنی اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چاروں حضرات جناب رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھے۔

علماء کرام نے اس آیت کے تحت نتیجہ اخذ کیا کہ:

فعلم انھم المراد من الاٰیۃ و ان اولاد فاطمہ (رضی اللہ تعالی عنھا) و ذریتھا یسمون ابنائہ ﷺ وینسبون الیہ نسبۃً صحیحۃً نافعۃً فی الدنیا و الاخرۃ۔

[1860](مشکوۃ شریف، ج ۲ ص ۵۶۸)
[1861](تفسیر مظھری، ج ۲ ص ۶۲)

”معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں جنکا ذکر ہے وہ حضرات اہل بیت مراد ہیں، اور بلا شبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اور ان کی آپکی ذاتِ بابرکات سے جو نسبت ہے بالکل درست اور دنیا اور آخرت میں نفع بخش نسبت ہے“۔

اسی نسبت کے اعتبار سے حدیث شریف میں مذکور ہے:

قال صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و اٰلہٖ و سلم الدعاء محجوب حتی یصلی علی محمد و اھل بیتہٖ۔ اللھم صلّ و سلم علی محمد و اٰلہٖ۔[1862]

عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال: الدعاء محجوب عن السماء حتی یتبع بالصلاۃ علی محمدٍ و آلہٖ۔

”حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ دعا آسمان سے اس وقت تک پردہ میں رہتی ہے جب تک اس کے بعد حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آل پر درود نہ بھیجا جائے“۔[1863]

عن علی بن أبی طالب رضی اللّٰہ عنہ قال: کل دعاءٍ محجوب عن السماء حتی یصلی علی محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم و علی آل محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم۔

”حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر دعا اس وقت تک آسمان کے نیچے حجاب میں رہتی ہے جب تک حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آل پر درود نہ بھیجا جائے“۔[1864]

[1862] (الدیلمی)

[1863] (عسقلانی، لسان المیزان، ۴:۵۳، رقم: ۱۵۰)

[1864] (بیھقی، شعب الایمان، ۲:۲۱۶، رقم: ۱۵۷۵)

خلاصہ: قرآن و سنت کے دلائل اس پر شاہد ہیں کہ کائنات و ممکنات کا ہر ذرّہ آنحضرت ﷺ کی رحیمانہ شفقت سے ہر وقت مستفیض ہے۔ اور آپ کا وصفِ دائمی ہے کہ دنیا ومافیہا آنجناب کے زیرِ نظر ہے۔

اس کی دلیل ملاحظہ ہو:

قال ان اللہ تعالیٰ رفع لی الدنیا و انا انظر الیھا و الی ما ھو کائن فیھا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذا۔

"اللہ تعالیٰ نے دنیا و مافیہا اور قیامت تک ہونے والے حالات میرے سامنے روشن اور ظاہر فرمادیئے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں"۔[1865]

جو لوگ اہل بیت کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، اور ان کا احترام اور اعزاز بجالاتے ہیں اور جو خدمت کرتے ہیں ان کا بدلہ انہیں دنیا میں بھی ملتا ہے اور قیامت میں بھی دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اس سے باخبر ہوتے ہیں اور بعض اوقات ان خدمت گزاروں کو خواب میں شرفِ زیارت سے مشرف فرماتے ہیں۔

علامہ شامی کتاب الحج میں نقل کرتے ہیں:

فی المسامرات عن رجل اراد الحج فحمل الف دینار یتأھب بھافجاء تہ امرأۃ فی الطریق وقالت لہ انی من آل بیت النبی ﷺ وبی ضرورۃ فافرغ لھا مامعہ فلما رجع حجاج بلدہ صار کلما لقی رجلا منھم یقول لہ تقبل اللہ تعالیٰ منک فتعجب من قولھم فرای النبی ﷺ فی نومہ وقال لہ تعجبت من قولھم تقبل اللہ تعالیٰ منک قال نعم یا رسول اللہ ﷺ قال

[1865] (الفتوحات الاحمدیہ ص ۲۷ بحوالہ الطبرانی)

ان اللہ تعالیٰ خلق ملکًا علی صورتک حج عنک و ھو یحج عنک الی یوم القیامۃ باکرامک لامرأۃ مضطرۃ من اٰل بیتی۔[1866]

"مسامرہ (کتاب کا نام) میں ہے کہ ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا اور ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان لے کر نکلا تو راستہ میں ایک باپردہ خاتون سامنے آکر کہنے لگی میں سیّد زادی ہوں اور ضرورتمند ہوں، تو اس نے ایک ہزار دینار اور دوسرا سامان خاتون کو دے دیا اور واپس گھر آگیا جب اس شہر کے حاجی واپس آنے لگے تو شہر کے لوگوں نے ان کا استقبال کیا ان میں یہ شخص بھی تھا، حاجیوں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا حج قبول فرمائے (آپ پہلے آگئے ہیں) یہ بڑا متعجب ہوا۔ جب سویا تو خواب میں سرور کونین نور العین ﷺ نے اس کو شرفِ زیارت بخشا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تو حاجیوں کی مبارکباد سے متعجب ہوتا ہے؟ عرض کی جی ہاں یارسول اللہ ﷺ! فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری صورت کا ایک فرشتہ پیدا فرمایا اس نے تیری طرف سے حج ادا کیا اور آئندہ قیامت تک کرتا رہے گا۔ کیونکہ تو نے میری اولاد کی عزت و تعظیم کی ہے۔ (سبحان اللہ)

قال ﷺ حرمت الجنة علی من ظلم اھل بیتی و أذانی فی عترتی و من اصطنع صنیعة الیٰ احد من ولد عبد المطلب و لم یجازہ فانا اجازیہ علیھا غدًا اذا لقینی یوم القیامة۔[1867]

"آنجناب ﷺ نے فرمایا جو لوگ میرے اہل بیت پر ظلم کرتے ہیں اور میری اولاد کی وجہ سے مجھے ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر جنت حرام ہے۔ اور جو شخص حضرت عبد المطلب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اولاد کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے اور وہ اس کو بدلہ نہیں دے سکتا تو کل اس کو میں بدلہ دوں گا۔ جب اس کی ملاقات مجھ سے قیامت میں ہو گی۔"

[1866] (الشامی ج ۲ ص ۲۷۵)
[1867] (روح البیان)

عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ ﷺ: أحبو اللہ لما یغذوکم من نعمہ، وأحبّونی بحبّ اللہ عزوجل۔ وأحبّوا أھل بیتی لحبّی۔ رواہ الترمذی والحاکم۔ وقال أبو عیسی: ھذا حدیث حسن۔

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے محبت کرو ان نعمتوں کی وجہ سے جو اس نے تمہیں عطا فرمائیں اور مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کے سبب اور میرے اہل بیت سے میری محبت کی خاطر محبت کرو۔“ اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا نیز امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[1868]

عن العباس بن عبد المطّلب رضی اللہ عنہما قال: کُنّا نلقی النّفر من قریش وھم یتحدّثون فیقطعون حدیثھم، فذکرنا ذلک لرسول اللہ ﷺ، فقال: ما بال أقوامٍ یتحدّثون فاذا رأوا الرجال من أھل بیتی قطعوا حدیثھم واللہ لا یدخل قلب رجلٍ الایمان حتّی یحبّھم للہ ولقرابتھم منّی۔ رواہ ابن ماجہ والحاکم۔

”حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب قریش کی جماعت سے ملتے اور وہ باہم گفتگو کر رہے ہوتے تو گفتگو روک دیتے ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس امر کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جب میرے اہل بیت سے کسی کو دیکھتے ہیں تو گفتگو روک دیتے ہیں؟ اللہ رب العزت کی قسم! کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوگا جب تک ان سے اللہ تعالیٰ کے لئے اور میرے قرب کی وجہ سے محبت نہ کرے۔“ اسے امام ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔[1869]

[1868] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: مناقب أھل البیت النبی ﷺ، ۶۶۴/۵، الرقم: ۳۷۸۹، والحاکم فی المستدرک ۱۶۲/۳، الرقم: ۴۷۱۶، والبیھقی فی شعب الایمان، ۳۶۶/۱، الرقم: ۴۰۸)

[1869] (أخرجه ابن ماجة فی السنن، المقدمة، باب: فضل العباس بن عبد المطلب ص، ۵۰/۱، الرقم: ۱۴۰، والحاکم فی المستدرک، ۸۵/۴، الرقم: ۶۹۶۰، والمقدسی فی الأحادیث المختارة، ۳۸۲/۸، الرقم: ۴۷۲، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۱۱۳/۴، الرقم: ۶۳۵۰، والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۱۳/۱، الرقم: ۱۴۰)

عن العباس بن عبد المطلب رضی اللّٰہ عنهما قال: قلت: یا رسول اللّٰہ، انّ قریشًا اذا لقی بعضهم بعضا لقوهم ببشرٍ حسنٍ، و اذا لقونا لقونا بوجوہ لا نعرفها۔ قال: فغضب النّبیّ ﷺ غضبًا شدیدًا و قال: و الّذی نفسی بیدہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبّکم للّٰہ و لرسولهم و لقرابتی۔ رواہ أحمد و النّسائی و الحاکم و البزّار۔ وفی روایة: قال: و اللّٰہ، لا یدخل قلب امریئٍ ایمانٌ حتّی یحبّکم للّٰہ و لقرابتی۔

”حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! قریش کے بعض لوگ جب آپس میں ملتے ہیں تو حسین مسکراتے چہروں سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو ایسے چہروں سے ملتے ہیں جنہیں ہم نہیں جانتے (یعنی جذبات سے عاری چہروں کے ساتھ)۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور نبی اکرم ﷺ یہ سن کر شدید جلال میں آگئے اور فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی بھی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور میری قرابت کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔“ اسے امام احمد، نسائی، حاکم اور بزار نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا: خدا کی قسم کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہ ہو گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور میری قرابت کی وجہ سے تم سے محبت نہ کرے۔[1870]

عن أبی سعیدٍ الخدریّ رضی اللّٰہ عنه قال: سمعت النبیّ ﷺ یقول علی هذا المنبر: ما بال رجالٍ یقولون: انّ رحم رسول اللّٰہ ﷺ لا تنفع قومه یوم القیامة، بلی و اللّٰہ، انّ رحمی موصولة فی الدّنیا و الآخرة۔ و أنّی أیّها النّاس، فرطٌ لکم علی الحوض فاذا جئتم قال رجلٌ: یا

[1870] أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند ۱/ ۲۰۷ الرقم: ۱۷۷۲، ۱۷۷۷، ۱۷۶۵۶، ۱۷۶۵۷، والحاکم فی المستدرک، ۳/ ۳۷۶، الرقم: ۵۴۳۳، ۲۹۶۰، والنسائی فی السنن الکبری، ۵/ ۵۱ الرقم: ۸۱۷۶، والبزار فی المسند، ۶/ ۱۳۱، الرقم: ۲۱۷۵، والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/ ۱۸۸، الرقم: ۱۵۰۱، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۴/ ۳۶۱، الرقم: ۷۰۳۷)

رسول الله أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال: يتحقّق أنا فلانٌ بن فلانٍ وقال لهم: أمّا النّسب فقد عرّفته ولكنّكم أحدثتم بعدی وأرتددتم القهقریّ۔ رواہ احمد و الحاکم۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا ان لوگوں کا کیا ہو گا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے نسبی تعلق قیامت کے روز ان کی قوم کو کوئی فائدہ نہیں دے گا کیوں نہیں! اللہ کی قسم بے شک میرا نسبی تعلق دنیا و آخرت میں آپس میں باہم ملا ہوا ہے اور اے لوگو! بے شک (قیامت کے روز) میں تم سے پہلے حوض پر موجود ہوں گا پس جب تم آ گئے تو ایک آدمی کہے گا یا رسول اللہ ﷺ! میں فلان بن فلان ہوں پس حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کا فلان بن فلان کہنا پایۂ ثبوت کو پہنچے گا اور رہا نسب تو تحقیق اس کی پہچان میں نے تمہیں کرا دی ہے لیکن تم میرے بعد احداث کرو گے اور الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔“ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔[1871]

عن أبی هريرة رضی الله عنه: قال: قال رسول الله ﷺ خيركم، خيركم لأهلی من بعدی۔ رواہ الحاکم وأبو يعلی۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل کے لئے بہترین ہے۔“ اس حدیث کو امام حاکم اور امام ابو یعلی نے بیان کیا ہے۔[1872]

[1871] (أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۱۸/۳، الرقم: ۱۱۱۵۴، والحاکم فی المستدرک، ۸۴/۴، الرقم: ۶۹۵۸، وأبو یعلی فی المسند، ۴۳۳/۲، الرقم: ۱۲۳۸، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۳۶۴/۱۰)

[1872] (أخرجه الحاکم فی المستدرک، ۳۵۲/۳، الرقم: ۵۳۵۹، وأبو یعلی فی المسند، ۳۳۰/۱۰، الرقم: ۵۹۲۴، وابن أبی عاصم فی السنة، ۶۱۶/۲، الرقم: ۱۴۱۴، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۱۷۰/۲، الرقم: ۲۸۵۱، والخطیب فی تاریخ بغداد، ۲۷۶/۷، الرقم: ۳۷۶۵، والمناوی فی فیض القدیر، ۴۹۷/۳، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۷۴/۹)

عن عبد الرحمٰن بن أبی لیلی عن أبیه قال: قال رسول الله ﷺ: لا یؤمن عبدٌ حتی أکون أحبّ الیه من نفسه و أهلی أحبّ من أهله و عترتی أحبّ الیه من عترته و ذاتی أحبّ الیه من ذاته۔ رواه الطبرانی و البیهقی۔

”حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی محبوب تر نہ ہو جاؤں اور میرے اہل بیت اس کے اہل خانہ سے محبوب تر نہ ہو جائیں اور میری اولاد اسے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائے اور میری ذات اسے اپنی ذات سے محبوب تر نہ ہو جائے۔“ اسے امام طبرانی اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔[1873]

عن الحسن بن علی: أنّ رسول الله ﷺ قال: الزموا مودّتنا أهل البیت، فانّه من لقی الله عز و جل و هو یودّنا دخل الجنّة بشفاعتنا، و الّذی نفسی بیده: لا ینفع عبد عمله الّا بمعرفة حقنا۔ رواه الطبرانی۔

”حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم اہل بیت کی محبت کو لازم پکڑو پس بے شک وہ شخص جو اس حال میں اللہ سے ملا کہ وہ ہم سے محبت کرتا تھا تو وہ ہماری شفاعت کے صدقے جنت میں داخل ہو گا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی شخص کو اس کا عمل فائدہ نہیں دے گا مگر ہمارے حق کی معرفت کے سبب۔“ اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[1874]

[1873] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۷/۵۷، الرقم: ۶۴۱۶، وفی المعجم المعجم الأوسط، ۶/۵۹، الرقم: ۵۷۹۰، والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/۱۸۹، الرقم: ۱۵۰۵، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۵/۱۵۴، الرقم: ۷۷۹۵، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱/۸۸)

[1874] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الأوسط ۲/۳۶۰، الرقم: ۲۲۳۰، والهیثمی فی مجمع الزوائد ۹/۱۷۲)

عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما قال: کانت لآل رسول اللہ ﷺ خادمۃ تخدمھم یقال لھا: بریرۃ فلقیھا رجلٌ فقال: یا بریرۃ، غطی شعیفاتک، فانّ محمّدًا لن یغنی عنک من اللہ شیئاً قال: فأخبرت النّبیّ ﷺ: فخرج یجرّ رداء ہ محمّرۃ وجنتاہ، وکنا معشر الأنصار نعرف غضبہ بجر ردائہ وحمرۃ وجنتیہ۔ فاخذنا السلاح ثم أتیناہ فقلنا: یارسول اللہ مرنا بما شئت فوالّذی بعثک بالحق، لو أمرتنا بأمھاتنا وآبائنا وأولادنا، لأمضینا قولک فیھم، فصعد ﷺ المنبر فحمداللہ عزوجل وأثنی علیہ۔ وقال: من أنا؟ فقلنا: أنت رسول اللہ۔ قال: نعم، ولکن من أنا؟ فقلنا: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشمٍ بن عبدمنافٍ۔ قال: أنا سید ولد آدم ولا فخر، واوّل من تنشقّ عن الأرض ولا فخر، واوّل من ینفض التّراب عن رأسہ ولا فخر، وأوّل داخل الجنّۃ ولا فخر، ما بال أقوامٍ یزعمون أنّ رحمی لا ینفع۔ لیس کما زعموا انّی لأشفع وأشفّع، حتی أنّ من أشفعُ لہ لَیشفعُ فَیُشَفّعُ، حتّی انّ ابلیس لیتطاول طمعًا فی الشّفاعۃ۔

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آل رسول ﷺ کی ایک خادمہ تھی جو ان کی خدمت بجالاتی، اسے ”بریرہ“ کہا جاتا تھا پس اسے ایک آدمی ملا اور کہا: اے بریرہ اپنی چوٹی کو ڈھانپ کرر کھا کر بے شک محمد ﷺ تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ فائدہ نہیں پہنچاسکتے۔ راوی بیان کرتے ہیں پس اس نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی پس آپ ﷺ اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے باہر تشریف لائے در آن حالیکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی دونوں رخسار مبارک سرخ تھے اور ہم (انصار کا گروہ) حضور ﷺ کے غصے کو آپ ﷺ کے چادر کے گھسیٹنے اور رخساروں کے سرخ ہونے سے پہچان لیتے تھے پس ہم نے اسلحہ اٹھایا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آ گئے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ جو چاہتے ہیں ہمیں حکم دیں پس اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! اگر آپ ہمیں ہماری ماؤں، آباء اور اولاد کے بارے میں بھی کوئی حکم فرمائیں گے تو ہم ان میں بھی آپ ﷺ کے قول کو نافذ کر دیں گے پس آپ ﷺ منبر پر تشریف

فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی اور فرمایا: میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں لیکن میں کون ہوں؟ ہم نے عرض کیا: آپ ﷺ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، میں وہ پہلا شخص ہوں جس کی قبر پھٹے گی لیکن کوئی فخر نہیں اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے سر سے مٹی جھاڑی جائے گی لیکن کوئی فخر نہیں، اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا ہوں لیکن کوئی فخر نہیں، ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میرا رحم (نسب و تعلق) فائدہ نہیں دے گا ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں۔ بے شک میں شفاعت کروں گا اور میری شفاعت قبول بھی ہو گی یہاں تک کہ جس کی میں شفاعت کروں گا وہ یقینا دوسروں کی شفاعت کرے گا اور اس کی بھی شفاعت قبول ہو گی یہاں تک کہ ابلیس اپنی گردن کو بلند کرے گا شفاعت میں طمع کی خاطر (یا کسی طور اس کی شفاعت بھی کوئی کر دے)۔" اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔[1875]

تاجدارِ مدینہ ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہم سے محبت نہ کرے اور اس وقت تک محبت کرنے کے کا دعویٰ خام ہے جب تک ہماری اہل بیت وعترت اور قریبوں سے محبت نہ کرے۔[1876]

[1875] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۲۰۳/۵، الرقم: ۵۰۸۲، والهيثمی فی مجمع الزوائد، ۳۷۶/۱۰)
[1876] (الصواعق المحرقه ص ۱۴۵)

ایک اور مقام پر امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ہمیں اپنی جان سے محبوب نہ رکھے اور ہماری عترت کو اپنی عترت سے اور ہماری اہل بیت کو اپنے اہل بیت سے محبوب نہ رکھے۔ اور ہماری ذات کو اپنی ذات سے محبوب نہ سمجھے۔[1877]

ایک اور مقام پر حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات باعث تخلیق کائنات جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

واللہ لا یدخل قلب رجل الایمان حتی یحبھم للہ ولقرابتھم منی۔

"خدا کی قسم انسان کے دل میں اس وقت تک ایمان ہی داخل نہیں ہوتا جب تک میرے قریبوں سے محبت نہ کرے۔"[1878]

امام الانبیاء تاجدارِ مدینہ ﷺ کو اپنی صاحبزادی والاشان رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہا کی اولاد طاہرہ سے اس قدر والہانہ محبت ہے جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا: میری آلِ پاک کی محبت تم پر لازم اور واجب قرار دی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ ہماری شفاعت اور جنت الفردوس میں داخلہ کا انحصار محض اس بات پر ہے کہ ہمارے گھر والوں سے مودت و محبت کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کی قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر اہل بیت کے بارے میں ہمارا حق نہیں پہچانو گے تو تمہارا کوئی عمل بھی تمہیں نفع نہیں دے گا۔[1879]

[1877](الصواعق المحرقہ ص ۱۷۲)

[1878](الصواعق المحرقہ ص ۲۳۰)

[1879](جامع الصغیر، ج ۱ ص ۱۰۱، الصواعق المحرقہ ص ۱۷۳، الطبرانی فی المعجم الأوسط، ۳۶۰/۲، الرقم: ۲۲۳۰، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۳۱/۹)

عن أبی رافعٍ رضی اللہ عنہ: أنّ رسول اللہ ﷺ قال لعلیّ رضی اللہ عنہ: أنت و شیعتک تردون علیّ الحوض رواء مروّیین، مبیّضة وجوھکم۔ وانّ عدوک یردون علیّ ظماءً مقبّحین۔ رواہ الطبرانی۔

”حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! تو اور تیرے (چاہنے والے) مددگار (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر چہرے کی شادابی اور سیراب ہو کر آئیں گے اور ان کے چہرے (نور کی وجہ سے) سفید ہوں گے اور بے شک تیرے دشمن (قیامت کے روز) میرے پاس حوض کوثر پر بدنما چہروں کے ساتھ اور سخت پیاس کی حالت میں آئیں گے۔“ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔[1880]

اولادِ فاطمہ (سادات) پر جہنم حرام ہے

عن جابر بن عبداللہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: انّما سمّیت بنتی فاطمة لأنّ اللہ عزوجل فطمھا وفطم محبّیھا عن النّار۔ رواہ الدّیلمی۔

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ رکھا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے چاہنے والوں کو آگ سے چھڑا (اور بچا) لیا ہے۔“ اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[1881]

بنتِ رسول، خاتونِ جنّت، سیدہ بتول، سلام اللہ علیہا کا اسمِ مقدس ہی ایسا ہے جس کے معنی ہیں آزاد کرانے والی۔

[1880] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱/۳۱۹، الرقم: ۹۴۸، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۹/۱۳۱)

[1881] (أخرجه الدیلمی فی مسند الفردوس، ۱/۳۴۶، الرقم: ۱۳۸۵، والخطیب فی تاریخ بغداد، ۱۲/۳۳۱، والمناوی فی فیض القدیر، ۳/۴۳۲)

چنانچہ لفظِ فاطمہ تشریح کرتے ہوئے محدثین نے لکھا ہے:

وفاطمة كما قال ابن دريد مشتقة من الفطم وهو قطع سميت بذالک لان الله تعالیٰ فطمها عن النار۔

"اور فاطمہ! جیسا کہ کہا ابنِ درید کے بیٹے نے کہ یہ فطم سے مشتق ہے جس کا معنی ہے علیحدہ کرنا۔ اور فاطمہ کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے علیحدہ کر دیا ہے"۔[1882]

واخرج الديلمی مرفوعا انها سميت فاطمة لان فطمها ومحبّيها عن النّار۔

"اور دیلمی نے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ آپ کا نام فاطمہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے محبین کو آگ سے علیحدہ کر دیا ہے"۔[1883]

ان فاطمة قد احصنت فرجها فحرّمها الله و ذريّتها على النّار۔

"بیشک فاطمہ پاک دامن ہے، آپ کو اور آپ کی اولاد کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام فرمادیا ہے"۔[1884]

علاوہ ازیں بھی بیشتر فرامین رسول ﷺ کی روشنی میں ظاہر ہوتا ہے کہ جناب سیّدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیھا کی تمام اولاد پاک جہنم سے محفوظ رہے گی۔

چند ایک روایات مزید ملاحظہ فرمائیں:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ ۵)

اور بیشک اللہ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

[1882] (اسعاف الراغبين حاشيه نور الابصار ص ۸۰، شرح فقه اكبر ص ۱۳۰)

[1883] (صواعق محرقه ص ۱۸۸ نور الابصار ص ۴۵)

[1884] (المستدرک حاکم ۳/۱۵۲، الامن والعلیٰ ص ۲۳۸، اشرف الموبد ص ۴۴، مراة شرح مشكوة ۴۵۲)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کرام نے لکھا ہے:

عن ابن عباس قال رضا محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان لا یدخل احد من اھل بیتہ النار۔

"کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی رضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اہل بیت میں سے کوئی ایک فرد بھی جہنم میں نہ جائے"۔[1885]

کتبِ احادیث میں آتا ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ میرے اہل بیت سے ایک شخص بھی جہنم میں نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے میرا یہ سوال قبول فرمالیا۔

عن عمران بن حسین رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سألت ربّی ان لا یدخل النار احدا من اھل بیتی فاعطانیھا۔ (حدیث صحیح ولم یخرجاہ)۔[1886]

اور اولادِ فاطمہ پر دوزخ حرام ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سرورِ کائنات، فخرِ موجودات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تمام لوگوں کے حسب نسب منقطع ہوجائیں گے مگر ہمارا سبب و نسب منقطع نہیں ہوگا۔

چنانچہ روایات صحیحہ میں آتا ہے:

قال رسول اللہ ﷺ کل سببٍ و نسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی و نسبی۔[1887]

عن ابن مسعودٍ رضی اللہ عنہ، عن النّبی ﷺ قال: حبّ آل محمّدٍ یوماً خیر من عبادۃ سنۃٍ و من مات علیہ دخل الجنّۃ۔ رواہ الدّیلمی۔

[1885] (تفسیر قرطبی جز ۳۰ ص ۴۸۲ اشرف المو بد ص ۴۴)

[1886] (المستدرک ۳/۱۵۰، اشرف المو بد ۴۴)

[1887] (المستدرک ۳/۱۶۴، خصائص کبریٰ ۲/۲۲۵ جامع الصغیر ۲/۹۳ اشرف الموجد ص ۴۵ الروضۃ الفیحانی تواریخ النساء ص ۱۶۴ طبقات ابن سعد ۸/۴۸۲)

”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل بیتِ مصطفی ﷺ کی ایک دن کی محبت پورے سال کی عبادت سے بہتر ہے اور جو اس محبت پر فوت ہوا تو وہ جنت میں داخل ہوگیا۔“ اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[1888]

قال علیہ الصلوۃ و السلام: ”الا و من مات علی حبّ آل محمد مات مغفورا۔ الا و من مات علی حبّ محمد مات تائبا۔ الا من مات علی حب آل محمد مات مؤمنا۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات شھیدا متکمل الایمان۔ الا و من مات علیٰ حبّ اٰل محمد یبشرہ ملک الموت بالجنۃ ثم منکرا و نکیرا۔ الا و من مات علی حب آل محمد یزف الی الجنۃ کما تزف العروس الی بیت زوجھا و فتح لہ فی قبر باب الجنۃ جعل اللہ قبرہ مزار ملائکۃ رحمۃ۔ الا و من مات علی حبّ آل محمد مات علی السنۃ و الجماعۃ۔

”اے مسلمانو: آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ بخشا ہوا مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرے گا وہ تائب مرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ مؤمن مرا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ شہید اور کامل الایمان مرا۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا ملکُ الموت اور منکر نکیر اسے جنت کی بشارت دیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا جنت ایسے جائے گا جیسے دولہن اپنے خاوند کے گھر جاتی ہے، قبر میں اس کے لئے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو رحمت

[1888] (أخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس، ۲/۱۴۲، الرقم: ۲۷۲۱)

کے فرشتوں کی زیارت گاہ بنائے گا۔ آگاہ ہو جاؤ، جو شخص حبِّ آلِ محمد ﷺ میں مرا وہ سنت و جماعت پر مرا"۔[1889]

عن عليّ بن حسين: أنّه ﷺ قال: يا عليّ انّ الله قد غفر لک ولذرّيّتک ولولدک ولأهلک، ولشيعتک ولمحبّي شيعتک فابشر۔ رواه الدّيلمي۔

"حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علی رضی اللہ عنہ! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیری اولاد کو اور تیرے گھر والوں کو اور تیرے مددگاروں کو اور تیرے مددگاروں کے چاہنے والے کو بخش دیا ہے پس تجھے یہ خوشخبری مبارک ہو"۔[1890]

اہل بیت کے ساتھ دشمنی کرنے والا یا منافق، یا ولدِ زنا، یا ناپاک حمل سے ہے

واخرج ابن عدی والبیهقی فی شعب الایمان عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من لم يعرف حقّ عترتی والانصار والعرب فهو الاحدى ثلاثٍ: أما منافق، وأما لزِنيةٍ، وأما امرؤٌ حملت به أمُّه لغير طهر۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص میرے اہل بیت اور انصار اور عرب کا حق نہیں پہچانتا تو اس میں تین چیزوں میں سے ایک پائی جاتی ہے: یا تو وہ منافق ہے، یا وہ حرامی ہے، یا وہ ایسا آدمی ہے جس کی ماں بغیر طہر کے اس سے حاملہ ہوئی ہو۔" اس حدیث کو امام دیلمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔[1891]

[1889] (تفسیر کبیر ۷/۳۹۰، تفسیر ابن عربی ۲/۲۱۲، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، تفسیر کشاف ۴/۳۳۹، اشرف المؤید ۱۵۷، نزهة المجالس ۲/۲۲۲)

[1890] (أخرجه الديلمي في مسند الفردوس، ۵/۳۲۹، الرقم: ۸۳۳۷)

[1891] (أخرجه البيهقي في شعب الايمان، ۲/۲۳۲، الرقم: ۱۶۱۴، الديلمي في مسند الفردوس، ۳/۶۲۶، الرقم: ۵۹۵۵، والذهبي في ميزان الاعتدال في نقد الرجال، ۳/۱۴۸)

حضور امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یحبنا اهل البیت الا مؤمن تقی و لا یبغضنا الا منافق و شقی۔

"ہمارے اہل بیت سے وہی محبت رکھے گا جو مؤمن اور متقی ہے اور ہمارے اہل بیت پاک سے وہی بغض رکھے گا جو منافق اور بدبخت ہے"۔[1892]

ایک اور مقام پر سرتاج الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من بغض اهل البیت فهو منافق۔

"جو ہمارے اہل بیت سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے"۔[1893]

امام الانبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حرمت الجنة علی من ظلم اهل بیتی و اذانی فی عترتی۔

"جو میرے اہل بیت پر ظلم کرتا ہے اور میری عترت کی وجہ سے مجھے ایذا دیتا ہے اس پر جنت کو حرام کر دیا گیا ہے"۔[1894]

سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

الا و من مات علی بغض آل محمد جاء یوم القیامة کتب بین عینیه آئس من رحمة اللّٰه۔

"جو ہماری آل پاک سے بغض کی حالت میں مرے گا جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کی آنکھوں کے درمیان تحریر کر دیا جائے گا کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کر دیا گیا ہے"۔[1895]

الا من مات علی بغض آل محمد لم یشم رائحة الجنة۔

[1892](اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

[1893](اشرف المؤبد ص ۱۵۵)

[1894](تفسیر کشاف ۴/۳۹۹)

[1895](کشاف ۴/۳۹۹،روح البیان ۴/۷/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶،ابن عربی ۲/۲۱۲،نزهة المجالس ۲/۲۳۸،اشرف المؤبد ۱۵۲)

آل محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بغض رکھنے والا جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔[1896]

مسلمانوں کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں کہ وہ اپنے خاص لطف و کرم سے اہل بیتِ مصطفی علیہم السلام کی محبت عطا فرمائے اور ان سے بغض رکھنے والوں کے سایہ سے بھی محفوظ فرمائے، اہل بیت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بغض اور دشمنی کی سزا قطعی طور پر جہنم ہے اور یہ کسی دنیاوی عدالت کا فیصلہ نہیں بلکہ ان کی زبانِ فیض ترجمان سے نکلے ہوئے جملے ہیں جن کا ہر ارشاد حکمِ خداوندی اور ناقابلِ ترمیم ہے۔ اب آپ سرکارِ دوعالم علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے مزید ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

ایک دفعہ تاجدار دو عالم امام الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی صاحبزادیٔ مکرمہ جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے شہزادوں کو گود میں لے کر فرمایا: من احبھما فقد احبنی و من ابغضھما فقد ابغضنی، جو ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے محبت رکھتا ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے۔[1897]

حضور سید المرسلین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے اہل بیت کرام سے اختلاف رکھنے والوں کو فرماتے ہیں کہ وہ شیطان کے ساتھی ہیں۔ چنانچہ کتب احادیث میں آتا ہے کہ میری آلِ پاک میری امت کے لئے امان ہے اور تمہیں اختلاف سے بچاتی ہے جو قبیلہ بھی ان سے مخالفت کرے گا وہ شیطان کی جماعت ہے۔[1898]

[1896] (تفسیر کبیر ۷:۳۹۰، تفسیر روح البیان ۴/۴۰۷، کبیر ۷/۳۹۶، ابن عربی ۲/۲۱۲، نزھۃ المجالس ۲/۲۳۸، اشرف المؤبد ۱۵۲)

[1897] (البدایہ والنہایہ ۸/۲۶۵ المستدرک ۳/۱۶۶ و دیگر کتب احادیث متفقہ علیہ)

[1898] (خصائص الکبریٰ ۲/۱۴۵ اشرف صواعق محرقہ ۱۵۳)

کائنات کی سلامتی آلِ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے

ایک مقام پر تاجدارِ دو عالم سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا میری آل پاک کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے جو اس پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود ہی ہلاک ہو گیا۔ دوسری جگہ فرمایا میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ غرق ہو گیا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح تاجدارِ مدینہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی ہے جو سفینہ پر سوار ہو گیا اس نے نجات حاصل کر لی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ جہنم کا ایندھن بن گیا۔[1899]

عن علی قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: النّجوم أمان لأهل السّماء۔ فاذا ذهبت النجوم ذهب أهل السّماء۔ وأهل بيتي أمانٌ لأهل الأرض۔ فاذا ذهب أهل بيتي ذهب أهل الأرض۔ رواه الديلمي۔

”حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ستارے اہل آسمان کے لئے امان ہیں پس جب ستارے چلے گئے تو اہل آسمان بھی چلے گئے اور میرے اہل بیت زمین والوں کے لئے امان ہیں پس جب میرے اہل بیت چلے گئے تو اہل زمین بھی چل گئے۔“

اس حدیث کو امام دیلمی نے روایت کیا ہے۔[1900]

[1899] (أخرجه الطبراني في المعجم الكبير، ۳/۴۵، الرقم: ۲۶۳۷، ۱۲/۳۴، الرقم: ۲۳۸۸، ۲۶۳۸، ۲۶۳۶، وفي المعجم الاوسط، ۴/۱۰، الرقم: ۳۴۷۸، ۵/۳۵۵، الرقم: ۵۵۳۶، ۶/۸۵، الرقم: ۵۸۷۰، في المعجم الصغير، ۱/۲۴۰، الرقم: ۳۹۱، ۲/۸۴، الرقم: ۸۲۵، والحاكم في المستدرك، ۳/۱۶۳، الرقم: ۴۷۲۰، والبزار في المسند، ۹/۳۴۳، الرقم: ۳۹۰۰، والديلمي في مسند الفردوس، ۱/۲۳۸، الرقم: ۹۱۶، والقضاعي في مسند الشهاب، ۲/۲۷۳، الحديث ۱۳۴۳، والهيثمي في مجمع الزوائد، ۹/۱۶۸، صواعق محرقه ص ۱۵۳، اشرف المويد ص ۱۵۲،)

[1900] (أخرجه الديلمي في مسند الفردوس، ۴/۳۱۱، الرقم: ۶۹۱۳، مرقاة شرح مشكوة، ج ۱۱ ص ۳۹۹، ۴۰۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”بے شک اللہ تعالیٰ کی تین حُرمات ہیں جو ان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے دین و دنیا کے معاملات کی حفاظت فرماتا ہے اور جو ان تین کو ضائع کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کسی چیز کی حفاظت نہیں فرماتا،“ سو عرض کیا گیا: ”یارسول اللہ ﷺ! وہ کون سی تین حرمات ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کی حرمت، میری حرمت اور میرے نسب کی حرمت۔“

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

عن أنسٍ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: وعدنی ربّی فی أھل بیتی من أقرّ منھم بالتّوحید ولی بالبلاغ أن لا یعذبھم۔ رواہ الحاکم وقال: ھذا حدیثٌ صحیح الأسناد۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھ سے میرے اہل بیت کے بارے میں وعدہ کیا ہے کہ ان میں سے جو بھی میری توحید کا اقرار کرے گا اسے یہ بات پہنچا دی جائے کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب نہیں دے گا۔“

اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[1901]

محبت اہل بیت فرض اور ان پر درود نہ پڑھنے سے نماز نہیں

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یا اھل بیت رسول اللہ حبّکم فرض من اللہ فی قرأن انزلہ۔

اے اہل بیت رسول ﷺ آپ سے محبت رکھنا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جس کو اس نے اتارا ہے فرض قرار دیا ہے۔

کفاکم من عظیم القدر انّکم　　　من لم یصلّ علیکم لا صلوۃ لہ

[1901] (أخرجہ الحاکم فی المستدرک، ۳/۱۶۳، الرقم: ۴۷۱۸، والدیلمی فی مسند الفردوس، ۲/۳۸۲، الرقم: ۲۱۱۲)

اے اہل بیت آپ کی عظمت و شان کے لئے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود نہ پڑھا اس کی نماز ہی نہیں۔

رافضی اور ناصبی

اذا نحن فضّلنا علیًّا فَاِنّنا　　　روافض باالتفضیل عند ذی الجھل

جب ہم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بیان کیا تو بیشک ہم بہ سبب بیان تفضیل کے جاہلوں کے نزدیک رافضی ہوئے۔

وفضل ابی بکرٍ اذا ماذکرته　　　رمیت بنصبٍ عند ذکری للفضل

اور جس وقت ہم فضائل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں تو اس وقت ہم پر ناصبی ہونے کی تہمت لگائی جاتی ہے۔

قالو الرّفضت قلت کلا　　　ماالرفض دینی ولا اعتقادی

جن جاہلوں نے مجھ کو رافضی کہا تو میں نے جواب دیا کہ حاشا میرا دین اور میرا اعتقاد رافضیوں کا سا نہیں۔

محبت اہل بیت عین ایمان

لٰکن تولّیت غیر شکٍّ　　　خیر امامٍ و خیر ھادی

لیکن اس میں شک نہیں کہ میں بہتر امام اور بہتر ہادی کے ساتھ دوستی رکھتا ہوں۔

ان کان رفضًا حبّ اٰل محمد　　　فلیشھد الثّقلان انّی رافض

اگر آل محمد مصطفی ﷺ کی محبت ہی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ بیشک میں رافضی ہوں۔

قرآن اور اہل بیتِ نبوت سے وابستگی نورِ ہدایت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام فریضہ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ سے باہر غدیر خم کے مقام پر تشریف فرما ہوئے جہاں سے مختلف اطراف کی طرف راستے جاتے ہیں تو مختلف علاقوں سے آئے ہوئے اصحاب کو الوداع کہنے سے پہلے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔"اے میرے ساتھیو! میں اپنے فرائض کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں۔ سنت الٰہیہ کے موافق کسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آجائے اور مجھے اس کی تکمیل کرنا پڑے اس لئے میں تمہاری ہدایت و نجات کے لئے آخری بات کہہ دینا چاہتا ہوں تاکہ تم ہدایت صراط مستقیم سے بھٹک نہ جاؤ۔

وانا تارک فیکم الثقلین اوّلھما کتاب اللہ فیہ النّور والھدیٰ فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا بہ۔وقال واھل بیتی اذکر اللہ فی اھل بیتی وقال ثلاثاً۔

"(یعنی) میں تم میں دو بے مثل عمدہ نفیس چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) جو نورِ ہدایت سے بھرپور ہے، اس کو بہت مضبوطی سے پکڑے رہنا دوسری گرانقدر اور بزرگ چیز میرے اہل بیت (گھر والے) ہیں، میں تم کو خدا یاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں، اور تین بار اس کا تکرار فرمایا۔"

اولاد کو تین باتوں کی تعلیم

حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اپنی اولاد کو تین باتوں کی تعلیم دو:

حبّ نبیّکم وحبّ اھل بیتہٖ وقرأۃ قرآن۔

"اپنے نبی ﷺ کی محبت، اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت اور قرآن پڑھنے کی محبت"۔

اللہ تعالیٰ ہم کو حب رسول ﷺ و حب اہل بیت رضی اللہ عنہم و حب قرآن سے سرشار فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ (آمین)

اہل بیت مصطفی ﷺ

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب ۳۳)

"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے"۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے اہل بیت عظام کے متعلق فرمایا ہے کہ ان کو پاک اور خوب پاک فرمایا ہے اور کوئی ناپاکی ان کے قریب نہیں آسکتی۔ اب اس آیت میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل بیت سے یہاں کون مراد ہیں اور دوسرا یہ کہ رجس ناپاکی سے کیا مراد ہے تیسرا یہ کہ امتیازی شان کیا ہے اور چوتھا یہ کہ تطہیر کیا ہے۔ علماء و مفسرین کرام علیہم الرحمۃ کی کثرت رائے یہ ہے کہ یہ آیت سیدنا حضرت علی المرتضی، سیدہ فاطمۃ الزہرہ، سیدنا امام حسن، اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئی اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ **عنکم** اور اس کے بعد تمام ضمیریں مذکر ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ازواجِ مطہرات کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ اس کے بعد **واذکر مایتلیٰ فی بیوتکن** ہے۔

چنانچہ علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر کبیر میں آیت تطہیر کے ماتحت فرماتے ہیں:

فالأولیٰ ان یقال ھم اولادہ وازواجہ والحسن والحسین منھم وعلی منھم لانہ کان من اھل بیتہ بسبب معاشرہ بنت النبی ﷺ وملازمتہ النبی ﷺ۔

"اولی اور حسن بات یہی ہے کہ اہل بیت نبی ﷺ کی اولاد، بیویاں اور سیدنا حسن، اور سیدنا حسین ہیں، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت سے ہیں اس لئے کہ نبی ﷺ کی شہزادی

سیدہ (فاطمہ رضی اللہ عنہا) سے معاشرت کے باعث اور آپ کی معیت کی وجہ سے وہ اہل بیت میں شامل ہیں۔

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اس نسبت میں بدرجہ اولیٰ شامل ہیں۔

اور علامہ صاوی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

فی اهل بیت سکنه وهنّ ازواجه واهل بیت نسبه وهنّ ذریّة۔

"آیت میں اہل بیت سکونت ازواجِ مطہرات ہیں اور اہل نسب جو آپ ﷺ کی اولاد ہے تمام شامل ہیں۔

اور محقق علی الاطلاق علامہ شیخ شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اشعۃ اللمعات میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"بیت سہ است بیت نسب، بیت سکنی، وبیت ولادت پس بنو ہاشم اولاد عبد المطلب اہل بیت پیغمبر اند ﷺ از جہت نسب و ازواج مطہرات آن حضرت ﷺ اہل بیت سکنی اند و اولاد شریف آں حضرت اہل بیت ولادت اند"۔

یعنی اہل بیت تین ہیں: (۱) بیت نسب، (۲) بیت سکنی، (۳) بیت ولادت، پس حضرت عبد المطلب کی اولاد بنو ہاشم ہیں، وہ پیغمبر اسلام کے نسب کے لحاظ سے اہل بیت ہیں اور ازواجِ مطہرات نبی ﷺ کی اہل بیت سکنی ہیں اور اولاد شریف آں حضرت علیہ السلام کی اہلبیتِ ولادت ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آگے چل کر شیخ محقق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم علیہ الصلوۃ والسلام کی اہل بیت میں سیدنا علی المرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہرا اور سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خصوصی امتیازی اور انفرادی مقام حاصل ہے اس لئے کہ سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام

کو ان کے ساتھ خصوصی محبت و پیار ہے اس لئے ان کی فضیلت و بزرگی اس وجہ سے زیادہ ہے۔ ثابت ہوا کہ اہلبیت میں ازواجِ مطہرات النبی ﷺ یقیناً شامل ہیں یہ اس آیت سے کسی طریق سے خارج نہیں ہیں۔

رجس کے معنی از روئے قرآن

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (المائدة ٩٠)

"اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں۔"

یہاں آیت میں شراب، جوے، بتوں اور فال کے تیروں کو "رجس" فرمایا گیا ہے۔

إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ (الأنعام ١٤٥)

"مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں کا بہتا خون یا خنزیر کا گوشت ہو، وہ نجس ہے، یا بطور نافرمانی اس پر (ذبح کے وقت) غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔"

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج ٣٠)

"اور تمہارے لئے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے، سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور رہو بتوں کی گندگی سے۔"

ان دو آیات میں مردار بہتا ہوا خون، گوشت خنزیر اور بتوں کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کو رِجْسٌ فرمایا گیا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا (یونس ١٢٥)

”اور جن کے دلوں میں آزار ہے، انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی“

فَاَعْرِضُوا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ (توبة ٩٥)

”تو تم ان کا خیال چھوڑ وہ تو نرے پلید ہیں“۔

ان تین آیات میں منافقین کے نفاق، بے ایمانی اور بے عقلی پر رجس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (یونس ١٠٠)

”اور عذاب ان پر ڈالتا ہے جنہیں عقل نہیں۔“

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ (الاعراف ٧١)

”کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا۔“

ان دو آیات میں عذابِ خداوندی کو رجس فرمایا گیا ہے۔

ان تمام آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ شراب، جوا، جاری خون، خنزیر کا گوشت، بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا جانور، منافقین اور ان کے نفاق بے دینی و بے ایمانی اور عذابِ خداندی و غیر ہم پر ”رِجس“ کا اطلاق ہوا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (الاحزاب ٣٣)

اے نبی ﷺ کے اہل بیت کرام میں نے تم کو تمام اعتقادی و عملی ناپاکیوں اور برائیوں سے بالکل پاک اور منزہ فرما کر قلبی صفائی، اخلاقی ستھرائی اور تزکیہ ظاہر و باطن کا وہ اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمایا ہے جس کی وجہ سے تم دوسروں سے ممتاز و فائق ہو۔

سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گھرانے کا اہل بیت اور اہل کساء ہونے کا بیان

عن صفيّة بنت شيبة قالت: قالت عائشة رضى الله عنها: خرج النّبى ﷺ غداةً وعليه مرطٌ مرحّلٌ من شعرٍ أسود، فجاء الحسن بن على رضى الله عنهما فأدخله، ثمّ جاء الحسين رضى الله عنه فدخل معه، ثمّ جاءت فاطمة رضى الله عنها فأدخلها، ثمّ جاء علىّ رضى الله عنه فأدخله، ثمّ قال: إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الأحزاب ٣٣) رواه مسلم۔

”حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ صبح کے وقت باہر تشریف لائے درآنحالیکہ آپ ﷺ نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی جس پر سیاہ اون سے کجاووں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل کر لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے ہمراہ چادر میں داخل ہو گئے، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل فرمالیا، پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو آپ ﷺ نے انہیں بھی چادر میں لے لیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: ”اے اہل بیت! اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک وصاف کر دے۔“

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[1902]

عن عمر بن أبى سلمة ربيب النبى ﷺ قال لمّا نزلت هذه الآية على النبى ﷺ: إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (ألاحزاب ٣٣) فى بيت أمّ

[1902] (أخرجه مسلم فى الصحيح، كتاب: فضائل الصحابة، باب: فضائل أهل بيت النبى، ۴/۱۸۸۳، الرقم: ۲۴۲۴، وابن أبى شيبة فى المصنف، ٦/٣٧٠، الرقم: ٣٦١٠٢، وأحمد بن حنبل فى فضائل الصحابة، ٢/٦٧٢، الرقم: ١١۴٩، وابن راهويه فى المسند، ٣/٦٧٨، الرقم: ١٢٧١، والحاكم فى المستدرك ٣/١٦٩، الرقم: ۴٧٠٧، والبيهقى فى السنن الكبرىٰ، ٢/١٣٩، والطبرانى فى جامع البيان، ٢٢/٧، ٦)

سلمة، فدعا فاطمة و حسنًا و حسينًا رضی اللہ عنہم فجلّلهم بكساء و عليّ رضی اللہ عنہ خلف ظهره فجلّله بكساء، ثمّ قال: اللهمّ هؤُلاءِ أهلُ بيتى، فأذهب عنهم الرّجس و طهّرهم تطهيرًا۔ رواه التّرمذی و أحمد۔

پرورده نبی حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ پر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں یہ آیت مبارکہ۔۔۔۔اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور فرمادے اور تم کو خوب پاک و صاف فرمادے۔۔۔نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ایک کملی میں ڈھانپ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے انہیں بھی ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے نجاست دور کر اور ان کو خوب پاک و صاف کر دے۔" اس حدیث کو امام ترمذی اور احمد نے روایت کیا ہے۔[1903]

سادات کرام رضی اللہ عنہم کی جو تعظیم و تکریم کتب احادیث سے ظاہر ہے وہ بیان سے باہر اور گمان سے بالا ہے۔ قلم کی ہرگز طاقت نہیں کہ اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و اکرام کا احاطہ کر سکے۔ ہم قارئین کی خدمت میں التماس کریں گے کہ جو شخص بھی اہل بیتِ رسول ﷺ کا فرد ہونے کا دعوی دار ہے، آپ بہر طور اس کی تعظیم و تکریم اولادِ مصطفی ﷺ سمجھ کر کریں، اور ہرگز اس ٹوہ میں نہ جائیں کہ ممکن ہے یہ سیّد نہ ہو۔

ہم نے اشرف المؤبد و دیگر متعدد کتب میں پڑھا ہے کہ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد پاک سے ایک شہزادی فقر کی حالت میں ایک غنی مسلمان کے پاس کسی ضرورت سے تشریف لے گئیں

[1903] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: تفسير القرآن باب: ومن سورة الأحزاب، ۵/ ۳۵۱، ۶۶۳، الرقم: ۳۲۰۵، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۶/ ۲۹۲، وفی فضائل الصحابة، ۲/ ۵۸۷، الرقم: ۹۹۴، والحاکم فی المستدرک، ۲/ ۴۵۱، الرقم: ۳۵۵۸، ۳/ ۱۵۸، الرقم: ۴۷۰۵، والطبرانی فی المعجم الکبير، ۳/ ۵۲، الرقم: ۲۶۶۲)

اور اسے بتایا کہ میں سید زادی ہوں، اس لئے میری مدد کرو، تو اس شخص نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ مجھے کیا معلوم تم سید زادی ہو یا نہیں۔ وہ شہزادی بتول رضی اللہ عنہا پریشانی کے عالم میں واپس آ گئیں اور ایک یہودی سے اپنی حاجت بیان فرمائی۔ یہودی نے ایک برقعہ پوش اور خاندانِ سادات کی خاتون سمجھ کر ان کی نہایت تعظیم و تکریم سے ضرورت پوری کر دی۔ رات کو اس مسلمان اور یہودی دونوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور دو عالم ﷺ نے اس مسلمان کو جنت میں داخل ہونے سے یہ فرما کر منع فرما دیا کہ جب تمہیں ہماری بیٹی کے سیدہ ہونے پر شک تھا تو ہم تمہارے مسلمان ہونے پر کیسے یقین کر لیں، اور اس یہودی کو عزت سے جنت میں داخل ہونے دیا۔ یہودی نے جب یہ خواب دیکھا تو صبح بیدار ہوتے ہی مسلمان ہو گیا۔

اگر کوئی اپنا نسب تبدیل کرتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ نسب بدلنے والوں کے متعلق سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ ملعون و مردود ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں۔ کراچی میں بھی ایسے پیران عظام ہیں جو کہ اپنا نسب بدلتے ہیں اوراپنے آپ کو سید شاہ جی کہلاتے ہیں اور مدرسہ بناتے ہیں اوراسے بھی شاجیہ مدرسہ لکھواتے ہیں وہ خود تو مردود و ملعون ہیں اگر کسی کو ان کے نسب بدلنے کا پتہ ہو اور پھر بھی ان کو سید پکارے تو وہ بھی گناہگار ہیں کیونکہ پنجاب اور سندھ میں لوگ شاہ جی کو سید کہتے ہیں ہمارے صوبہ خیبر پختون خواہ سید کو بادشاہ صاحب اور میاں صاحب پکارتے ہیں اور افغانستان میں آغا صاحب پکارتے ہیں۔

حکم دیا گیا کہ ہر شخص اپنی نسبت اپنے باپ کی طرف کرے، کسی کو بھی اُس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، غیر سیّد اپنے آپ کو سیّد نہ بتائے اور غیر سادات کو سادات نہ کہا جائے،

اس ممانعت پر قرآن کریم اور حدیث شریف وارد ہے اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس پر وعید بیان فرمائی ہے۔

قرآن کریم

اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی اولاد بتانے کا عام رواج تھا اور لوگ بھی لے پالک کو پالنے والے کا بیٹا کہتے تھے اور وہ بھی اپنے آپ کو پالنے والے کا بیٹا بتاتے تھے اور ابتداء اسلام میں یہ معاملہ اسی طرح رہا۔

چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

ان أهل الجاهلية كانوا لا يستنكرون ذلك أن يتبنّى الرّجل منهم غير ابنه الذى خرج من صلبه فنسب اليه، ولم يزل ذلك أيضاً فى أوّل الاسلام۔

یعنی بے شک اہل جاہلیت اسے معیوب نہ سمجھتے تھے کہ اپنے صُلبی بیٹے کے علاوہ کسی اور کو اپنا متبنٰی (لے پالک) بنا لیں اور اُسے اپنی طرف منسوب کریں اور یہ امر اوّل اسلام میں بھی جاری رہا۔[1904]

پھر اس سے منع کر دیا گیا، چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی متوفی ۷۴۳ھ اور ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قد كانوا يفعلونه فنهى عنه۔

یعنی لوگ ایسا کرتے تھے پھر اس سے روک دیا گیا۔[1905]

[1904] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب "من ادّعى الى غير أبيه وهو يعلم الخ"، ۸:۳۸۳)

[1905] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶:۳۹۶، مرقات، کتاب النکاح، باب اللعان، برقم: ۳۳۱۵، ۶:۴۳۶)

اور ممانعت کے لئے قرآن کریم میں جو حکم نازل ہوا، اس کی ابتداء یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُمْ أَبْنَاءَ كُمْ (الأحزاب ۴)

ترجمہ: اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا۔ (کنز الایمان)

شانِ نزول

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قوله تعالىٰ: وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُمْ أَبْنَاءَ كُمْ (الأحزاب ۴) أجمع أهل التفسير على أن هذا نزل في زيد بن حارثة، وروى الأئمة أن ابن عمر قال: ما كنّا ندعوا زيد بن حارثة الا زيد بن محمد حتى نزلت: ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ (الأحزاب ۵)

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: "اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا"۔ اہل تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، اور ائمہ نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پکارتے تھے مگر زید بن محمد" یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (جس میں حکم ہوا کہ) "انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو (جن سے وہ پیدا ہوئے) یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔"[1906]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَ كُمْ أَبْنَاءَ كُمْ (الأحزاب ۴) کے بارے میں علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس میں دو احتمالات ہیں چنانچہ امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی حنفی رحمہ اللہ متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں کہ: اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا"

[1906] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۴، ۷/۱۴/۱۱۸)

دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے، اُن میں سے ایک یہ کہ تمہارے لے پالکوں کو آباء کی طرف نسب کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا اور وہ جو کچھ واقعات میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا بیٹا بنالیتا تو وہ اس کی اولاد کے ساتھ اس کا وارث بنتا اور یہی وہ شیء ہے جو لوگ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (تو مطلب ہوگا کہ) جسے تم زمانہ جاہلیت میں مدد و نصرت کے لئے اپنا بیٹا بناتے ہو انہیں اسلام میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہارے لے پالکوں کو نسبیت کے حق میں تمہارا بیٹا نہیں بنایا جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہتے تھے۔[1907]

اور لے پالکوں کو اپنا بیٹا کہنا، یہ لوگوں کی اپنائی ہوئی بات تھی جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ کسی کو اپنا بیٹا بنانے سے وہ بیٹا بن جاتا، کسی کا نسب بدل دینے یا بدل لینے سے اس کا نسب نہیں بدل جاتا، چنانچہ ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ (الأحزاب، ۴:۳۳)

ترجمہ: یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیتِ مبارکہ کے تحت امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

قوله تعالىٰ: ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ (الأحزاب ۴) {بِأَفْوَاهِكُمْ} تأكيد ببطلان القول، أی أنه قول لا حقيقة له فی الوجود، انما هو قول لسانیٌّ فقط۔

[1907] (تأويلات أهل السّنة، سورة الأحزاب، الآية: ۴، ۴/۱۰۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان "یہ تمہارے منہ کا کہنا ہے" میں "بِأَفْوَاهِكُمْ" (تمہارے منہ) لوگوں کے قول کے بُطلان کی تاکید ہے (کہ تمہارا کسی اور کے بیٹے کو بیٹا بنانا باطل ہے) یعنی یہ ایسا قول ہے کہ جس کے وجود کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ فقط زبانی قول ہے۔[1908]

اور حقیقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے چنانچہ ارشاد ہوا:

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (الاحزاب ۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ (کنز الایمان)

پھر صریح حکم ہوا کہ اب تم انہیں ان کے نسبی باپوں کی طرف منسوب کر دو۔

چنانچہ امام قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ:

فأمر تعالیٰ بدعاء الأدعیاء الی آبائهم للصّلب۔

یعنی پس اللہ تعالیٰ نے لے پالکوں کو ان کے صُلبی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارنے کا حکم فرمایا۔[1909]

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (الأحزاب ۵)

ترجمہ: انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو۔

اس آیہ کریمہ میں "اَقْسَطُ" کا معنی "اَعْدَلُ" ہے یعنی زیادہ عدل اور انصاف والی بات، تو مطلب یہ ہوگا کہ کسی آدمی کا اپنے آپ کو اپنے نسبی باپ کی طرف منسوب کرنا، باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے سے زیادہ عدل و انصاف والی بات ہے، اگر اس پر کوئی اعتراض کرے کہ اس کا

[1908] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۵، ۷/۱۴/۱۲۱-۱۲۰)

[1909] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۵، ۷/۱۴/۱۲۱)

مطلب تو یہ ہوا کہ خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا بھی انصاف والی بات ہے اور زیادہ انصاف کی بات یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو نسبی باپ کی طرف منسوب کرے حالانکہ اپنے آپ کو باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنا انصاف کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ظلم ہے، گناہ ہے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس آیہ کریمہ میں اسم تفضیل "اقسط" مجازاً صفت مشبّہ کے معنی میں ہے اور یہاں زیادتی مراد نہ ہو گی بلکہ مراد صرف عادلانہ فیصلہ اور انصاف کی بات ہے۔

اس آیت میں اپنے نسب کی حفاظت کا حکم دیا گیا اور اس بات پر سختی فرمائی گئی کہ کوئی شخص دانستہ اپنے کو کسی غیر کا بیٹا نہ کہے اور نہ اپنا نسب کسی غیر کے ساتھ جوڑے۔

ناسخ و منسوخ

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام سے قبل لے پالک کو اپنی طرف منسوب کرنے اور انہیں اپنی جائیداد میں وارث قرار دینے کا عام رواج تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عمل اسی پر جاری تھا کہ جب تک اسلام میں اس سے کوئی ممانعت وارد نہ ہوئی اس پر عمل کی اجازت تھی پھر قرآن کریم میں اس کی اباحت کو منسوخ کر دیا گیا چنانچہ امام قرطبی لکھتے ہیں:

دلیل علی أن التبنّی کان معمولاً به فی الجاهلیّة و الاسلام، یتوارث به ویتناصر، الی أن نسخ الله ذلک بقوله: ادۡعُوهُمۡ لِآبَائِهِمۡ هُوَ أَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ (الأحزاب ۵) أی أعدل، فرفع الله حکم التّبنّی، و منع من اطلاق لفظه، و أرشد بقوله الی أن الأولیٰ و الأعدل أن ینسب الرّجل الی أبیه نسباً۔

یعنی، اس پر دلیل کہ متبنّٰی (یعنی لے پالک بنانے) کا جاہلیت اور اسلام میں معمول تھا اور اُس کو وارث قرار دیا جاتا اور ان سے مدد حاصل کی جاتی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس فرمان سے منسوخ فرما دیا کہ "انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے (تو یہ نسخ اس

پر دلیل ہے کہ زمانۂ جاہلیت اور ابتداء اسلام میں اس کا معمول تھا اور "اَقْسَطُ" بمعنی "اَعْدَلُ" کے ہے پس اللہ تعالیٰ نے تبنّی کا حکم اُٹھالیا اور اُسکے لفظ کے اطلاق سے منع فرمادیا اور اپنے فرمان سے ہمیں راہ یہ دکھائی کہ اَولیٰ اور اَعدل یہ ہے کہ مرد کو اس کے نسبی باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔[1910]

اور اگر غلطی سے بلا ارادہ کہہ دیا جائے تو اس پر پکڑ نہیں ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَلَیسَ عَلَیكُمْ جُنَاحٌ فِیمَا اَخْطَاتُم بِهٖ (الاحزاب:۵/۳۳)

ترجمہ: اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو تم سے نادانستہ صادر ہو جائے۔(کنزالایمان)

جیسے کوئی کسی بزرگ یا استاد یا اپنے مرشد کو تعظیم کے طور پر باپ کہہ دے اور اس سے اس کی مراد یہ نہ ہو کہ وہ اس کے نسب سے ہے اسی طرح کوئی بڑا کسی بچے کو ازراہِ شفقت بیٹا کہے یا کوئی استاد اپنے شاگرد کو، شیخ اپنے مرید کو شفقت کے طور پر بیٹا کہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ اسے اپنا صلبی بیٹا کہہ رہے ہیں۔

گناہ تو اس صورت میں ہے جب کسی کو جانتے ہوئے اپنا نسبی باپ سمجھ کر باپ بتائے جیسے لوگ اپنا نسب بدل لیتے ہیں۔ غیر سادات، سادات کہلواتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ سادات سے نہیں ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ نسب بدلنا حرام ہے، اور اسی طرح کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کہ یہ اُس کا بیٹا نہیں ہے اُسے اپنا صُلبی بیٹا کہے یا بتائے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

وَلٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الأحزاب:۵/۳۳)

ترجمہ: ہاں وہ گناہ ہے جو (ممانعت کے بعد) دل کے قصد سے کرو۔(کنزالایمان)

پھر اہل بیت کی طرف نسبت کا جرم غیر اہلبیت کی طرف نسبت کے جرم سے بڑا ہے چنانچہ امام قرطبی نے لکھا کہ حضرت مقداد بن اسود جو عمرو کے بیٹے تھے، اسود نے انہیں اپنا متبنّٰی (یعنی لے

[1910](تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ:۵، ۷/۱۴/۱۱۹)

پالک) بنایا تھا اور وہ ان ہی کے نام سے معروف تھے، جب یہ حکم نازل ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں ابن عمرو ہوں لیکن لوگوں میں ابن اسود کے نام سے ہی معروف رہے اور کسی نے بھی انہیں مقداد بن اسود کہنے والے کو گناہ گار قرار نہیں دیا، اسی طرح حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب تھے اور اسی کے ساتھ مشہور تھے اور یہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حال کے بر خلاف ہے کیونکہ ان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ انہیں زید بن محمد کہا جائے، اگر کسی نے قصداً اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَلٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ کی وجہ سے گنہگار ہو گا۔[1911]

تو معلوم ہوا کہ غیر سادات اقوام میں سے کوئی شخص کسی دوسری قوم کے ساتھ اپنا نسب جوڑے حالانکہ وہ ان میں سے نہ ہو تو وہ ضرور مجرم ہے لیکن اس سے بڑا مجرم وہ ہے جو غیر سیّد ہو کر سادات کرام کے ساتھ اپنا نسب جوڑتا ہے۔

حدیث شریف

نسب بدلنے یعنی اپنے آباء کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کی ممانعت میں احادیث مبارکہ میں شدید وعید آئی ہے۔ اور ان احادیث کو امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، احمد، دارمی، ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابن الجعد اور نور الدین ہیثمی رحمہم اللہ اجمعین وغیر ہم نے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت ابو بکر الصدیق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عمرو، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابو ذر غفاری، حضرت عمرو بن خارجہ، حضرت ابو امامہ باہلی، حضرت معاذ بن انس اور حضرت واثلہ بن اسقع

[1911] (تفسیر القرطبی، سورۃ الأحزاب، الآیۃ: ۴، ۷/۱۴/۱۲۰)

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔ اب ان احادیث مبارکہ کو بالترتیب ذکر کیا جاتا ہے اور اُن احادیث پر شارحین حدیث کا کلام، کلماتِ حدیث کی تشریح، قابل تاویل کلمات کی نشاندہی، ان میں تاویلات واحتمالات اور ان سے مستفاد احکام، مستند و معتمد ائمہ و علماء کے حوالے سے بیان کئے جائیں گے۔

نسب بدلنے والے پر جنت حرام ہے

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۵۶ھ نے روایت کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من ادّعی الیٰ غیر أبیه وھو یعلم انّه غیر أبیه فالجنّة علیه حرامٌ۔

یعنی جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام ہے۔[1912]

امام ابو داؤد سلمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں کہ ابو عثمان کہتے ہیں:

حدّثنی سعد بن مالکٍ، قال سمعته أذنای ووعاه قلبی من محمّد علیه الصلاة والسلام انه قال: من ادّعی الیٰ غیر أبیه وھو یعلم أنّه غیر أبیه فالجنّة علیه حرامٌ۔ قال: فلقیت أبا بکرة فذکرت له، فقال: سمعته أذنای ووعاه قلبی من محمّد ﷺ۔

یعنی حدیث بیان کی مجھے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ نے انہوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد مصطفی ﷺ سے میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اور وہ جانتا ہے کہ یہ اس کا باپ نہیں تو جنت اس پر حرام

[1912] (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر ابیه، برقم ۶۷۶۶)

ہے۔ فرمایا پھر میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ملا اور میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا حضرت محمد مصطفی ﷺ سے اسے میرے دونوں کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔[1913]

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا کہ ابو عثمان راوی کہتے ہیں کہ:

فَذَكَرْتُهُ لِأَبِي بَكْرَةَ، فَقَالَ: وَأَنَا سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یعنی پس میں نے اس کا حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا: اسے رسول اللہ ﷺ سے میرے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا۔[1914]

”وھو یعلم“ ”اور وہ اسے جانتا ہے“ کا معنیٰ

حضور ﷺ کے ارشاد مبارک میں ”**وھو یعلم**“ کی قید مذکور ہے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس قید کا یہ فائدہ ہے کہ وہ شخص گناہگار تب قرار پائے گا جب اُسے علم ہو کہ جس کی طرف وہ اپنی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا حقیقی باپ نہیں ہے یا جس قوم کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے یا منسوب کیا جاتا ہے وہ اس قوم سے نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابو العباس قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے پہلے گزرا اور اس کے بارے میں علامہ محمد امین ہرری نے لکھا کہ:

”وھو“ أی والحال أن ذلک الرّجل المنتسب لغیر أبیه ”یعلمه“ أی یعلم أن ذلک الغیر لیس أباہ ووالدہ۔

یعنی اور وہ اسے جانتا ہے یعنی حال یہ ہے کہ بے شک وہ شخص جو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا گیا، اسے جانتا ہے کہ وہ غیر اس کا باپ نہیں ہے۔[1915]

[1913] (سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم ۵۱۱۳، ۲۱۲/۵)
[1914] (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر ابیه، برقم ۶۷۶۷)
[1915] (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، ۱۶۴ (۶۰) ۵۰۶/۲)

اور دوسری جگہ لکھا کہ:

قولہ ﷺ: "وھو یعلم" تقیید لا بدّ منہ، فان الاثم انما یکون فی حق العلام بالشیء۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "حالانکہ وہ جانتا ہے" یہ ایک ضروری قید ہے بے شک گناہ تو صرف عالم بالشی کے حق میں ہے۔[1916]

اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ علم ہوتے ہوئے غیر باپ کی طرف نسبت حرام ہے چنانچہ علامہ شرف الدین طیبی اور ملا علی قاری لکھتے ہیں:

والادعاء الی غیر الأب مع العلم بہ حرام۔

یعنی غیر باپ کی طرف اس پر علم کے باوجود (کہ یہ میرا باپ نہیں ہے) نسبت کرنا حرام ہے۔[1917]

"جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا" کا مطلب

یعنی جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا جس نے خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا۔ یہ کلمات حضرت سعد بن أبي وقاص، حضرت ابو بکرہ، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت عمرو بن خارجہ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی احادیث میں ہیں، جبکہ حدیث أبي ذرّ رضی اللہ عنہ میں **"لیس من رجل ادعی لغیر أبیہ"** ہے۔ عربی زبان میں وہ لڑکا جسے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے، اسے **"الدّعی"** کہتے ہیں، اس کی جمع **"الأدعیا"** ہے جو سورۃ (۳۳) الاحزاب کی آیت ۴ میں مذکور ہے اور اس کا مصدر **"الدّعوۃ"** ہے۔

[1916] (شرح صحیح مسلم للھرری ۲/۲۰۷)

[1917] (شرح الطّیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۶/۴۳۶)

اور ان کلمات کا مطلب حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واضح ہو جاتا ہے چنانچہ اس میں ہے: "من انتسب الی غیر أبیه"۔ یعنی جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف منسوب کرے۔[1918]

تو اس کا معنی ہے کہ اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا جیسا کہ امام محمد بن خلیفہ وشتانی اَبی مالکی متوفی ۸۲۸ھ، اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں:

أیما رجل ادّعیٰ لغیر أبیه، أی أنتسب۔

یعنی جو آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کرے۔[1919]

اور غیر کو اپنا باپ بنالینا جیسا کہ علامہ محمد امین ہروی شافعی نے لکھا ہے:

ادّعی انتسب لغیر أبیه و الده أی انتسب الیه و اتخذه أباً۔

یعنی "ادّعی" کا معنی ہے انتساب کیا، اس نے اپنے باپ اور والد کے غیر کی طرف یعنی اس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اور اسے اپنا باپ بنالیا۔[1920]

اور امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ:

أی انتسب الیه و اتخذه أباً۔

یعنی اس کی طرف منسوب اور اسے اپنا باپ بنالیا۔[1921]

[1918] (سنن ابن ماجة برقم ۲۶۰۹، ۳/۲۶۳)

[1919] (اکمال اکمال المعلم: کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم: ۱۱۲، (۶۱) ۱/۲۸۰)، (مکمل اکمال اکمال، کتاب الایمان، باب بیان حال من رغب عن أبیه الخ برقم: ۱۱۲، (۶۱) ۱/۲۸۰)

[1920] (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۲/۵۰۶)

[1921] (شرح صحیح مسلم للهرری، ۲/۲۰۷)

اور اس میں علم ہونا شرط ہے جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "وھو یعلم" اور "وھو یعلمه" سے ظاہر ہے اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ۶۵۶ھ اور علامہ محمد امین ہرری لکھتے ہیں:

أی انتسب لغیر أبیه رغبةً عنه مع علمه به۔

یعنی اپنے باپ سے اعراض کرتے ہوئے اس کے غیر کی طرف اپنی نسبت کی اس علم کے باوجود کہ یہ اس کا باپ نہیں ہے۔[1922]

صرف غیر باپ کی طرف نسبت کرنا ہی نہیں بلکہ اس میں اپنے خاندان و قوم کے سوا دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی شامل ہے، چنانچہ علامہ شرف الدین حسین بن محمد بن عبد اللہ طیبی متوفی ۷۴۳ھ اور ان سے ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

قوله: "من ادّعی" الدّعوة بالکسر فی النّسب، وھو أن ینتسب الانسان الی غیر أبیه وعشیرته۔

یعنی، حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان "من ادّعی" "الدّعوة فی النسب" یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ اور کنبے کے غیر کی طرف منسوب کرے۔[1923]

اور اس میں دو باتیں پائی جائیں گی کہ وہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کو چھوڑے اور اُس نسبت کا انکار کر دے اور ان کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے جیسا کہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۴۴ھ اور امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

[1922] (المفهم، کتاب الایمان باب اثم من کفر مسلماً، برقم ۵۱، ۲۵۴/۱)(شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۵۰۶/۲)

[1923] (شرح الطیبی، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۳۹۶/۶) (مرقات، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، برقم: ۳۳۱۵، ۴۳۶/۶)

متوفی ۶۷۶ھ "صحیح مسلم" کے ایک باب کے عنوان "من رغب عن أبیه" (جو اپنے باپ سے اعراض کرے) کے تحت لکھتے ہیں: یرید ترک الانتساب الیه و جحده و انتسب سواه یقال: رغبت عن الشیء ترکته و کرهته، و رغبت فیه أحببته و طلبته۔ یعنی وہ اس کی طرف (یعنی اپنے حقیقی باپ کی طرف) انتساب کے ترک اور اس کے انکار کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے سوا کی طرف منسوب ہوتا ہے عربی زبان میں کہا جاتا ہے "رغبت عن الشیء" یعنی میں نے اسے چھوڑ دیا اور اسے مکروہ جانا اور کہا جاتا ہے رغبت فیه یعنی، میں نے اسے محبوب رکھا اور اسے طلب کیا۔[1924]

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو نہ اپنے آباء کی طرف اپنی نسبت کا انکار کرے اور نہ غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے بلکہ دوسرے لوگ اسے اس کے آباء کے غیر کی طرف منسوب کرتے ہوں اور وہ اس پر راضی ہو تو وہ شخص بھی اس حکم میں داخل ہوگا۔

جیسا کہ محشی صحاح ستّہ علامہ نور الدین ابو الحسن محمد بن عبد الهادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ لکھتے ہیں:

من ادّعی الی غیر أبیه أی رضی بأنه ینسبه النّاس الی غیر أبیه۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "جو شخص خود کو غیر باپ کی طرف منسوب کرے یعنی وہ اس بات پر راضی ہو کہ لوگ اسے اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کریں۔[1925]

[1924] (شرح صحیح مسلم للنّووی، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه الخ، ۲-۱/۴۵)

[1925] (فتح الودود فی شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب الرجل ینتمی الی غیر أبیه، برقم: ۴، ۱۱۳/۵ ۲۸۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۵۵ھ، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن عاصم قال سمعت أباعثمان قال: سمعت سعداً و أبابكرة، فقالا: سمعنا النبيّ ﷺ يقول: من ادّعى الى غير أبيه، و هو يعلم، فالجنّة عليه حرامٌ۔

یعنی عاصم سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابو عثمان رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت سعد اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہما سے سنا، دونوں نے فرمایا: ”ہم نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے“۔[1926]

اور امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن عثمان عن سعدٍ و أبي بكرة، كلاهما يقول: سمعته أذناى و وعاه قلبى محمداً ﷺ يقول: من ادعى الى غير أبيه و هو يعلم أنّه غير أبيه، فالجنّة عليه حرامٌ۔ و اللفظ لمسلم۔

یعنی عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد (بن ابی وقاص) اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہما سے بیان کیا دونوں نے فرمایا کہ اسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے ہمارے کانوں نے سنا اور دل نے یاد رکھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا یہ باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے“۔[1927]

[1926] (صحيح البخارى، كتاب المغازى، باب غزوة الطائف، برقم: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۳/۱۰۰) (سنن الدارمى، كتاب السير، باب فى الذى ينتمى الى غيره مواليه، برقم: ۲۵۳۰، ۲/۱۹۶) (المسند: ۵/۴۶) (و نقله التبريزى فى مشكاته، كتاب النكاح، باب العان، الفصل الاول، برقم: ۳۳۱۴، ۲-۱/۲۰۸)

[1927] (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان حال ايمان من رغب عن أبيه و هو يعلم، برقم: ۱۱۵/۱۳۲ - (۶۳) ص ۵۹) (سنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب من ادّعى الى غير أبيه الخ" برقم: ۲۶۱۰، ۳/۲۶۳، ۲۶۴) (المسند امام احمد رحمة الله تعالىٰ عليه، ۱/۱۷۴)

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دوسری روایت میں ہے:

عن أبی عثمان، قال: لمّا ادّعی زیاد لقیت أبا بکرۃ فقلت لہ: ما ھٰذا الذی صنعتم؟ انّی سمعت سعد بن ابی وقاص یقول: سمع أذنای من رسول اللہ ﷺ وھو یقول: من ادّعی أبا فی الاسلام غیر أبیہ یعلم أنّہ غیر أبیہ، فالجنّۃ علیہ حرامٌ، فقال أبو بکرۃ: وأنا سمعتہ من رسول اللہ ﷺ۔

یعنی ابو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب زیاد کے بھائی ہونے کا دعویٰ کیا گیا تو میں نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ میں نے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے کانوں سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے سوا کسی اور شخص سے بیان کیا اس پر جنت حرام ہے، تو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا تھا۔[1928]

جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب

نسب بدلنے والے، غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کے لئے فرمایا گیا کہ اس پر جنت حرام ہے وہ جنت میں داخل نہ ہو گا، اب دیکھنا یہ ہے کہ جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب کیا ہے؟

علماء کرام نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں کہ اگر وہ نسب بدلنے کو حلال جان کر اس کا ارتکاب کرے گا تو جنت اُس پر حرام ہے اور یہ بھی بیان کیا کہ جب کامیاب لوگ جنت میں جائیں گے اس وقت یہ لوگ جنہوں نے اپنے نسب بدلے تھے جنت میں نہیں جائیں گے۔

[1928] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیہ وھو یعلم، برقم: ۱۳۱/۱۱۴-(۶۳)، ص ۵۸)

اور امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فیه تأویلان, أحدهما: أنه محمول علی من فعله مستحلاً له, و الثّانی: أن جزاء ہ أنها محرّمةأوّ لاًعند دخول الفائزین و أهل السّلامة۔

یعنی پس اس میں دو تاویلیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اس پر محمول ہے جو حلال جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے، اور دوسری یہ کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اولاً کامیاب اور اہل سلامۃ کے جنت میں دخول کے وقت اس کا ارتکاب مرتکب کو دخول جنت سے محروم کرنے والا ہے۔[1929]

امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی متوفی ۷۴۳ھ اور ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

أقول: معنی قوله: فالجنّةعلیه حرام علی الأوّل ظاهر, و علی الثّانی تغلیظ۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کے فرمان کہ اس پر جنت حرام ہے کا معنی پہلی وجہ پر تو ظاہر ہے اور سد وسری وجہ تغلیظ (یعنی تشدید) ہے۔[1930]

اور شیخ محقق عبد الحق محدّث دہلوی حنفی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن زجر و تشدید ست یا محمول بر استحلال ست یا مراد عدم دخول جنت ست با مقربان و سابقان۔

یعنی یہ زجر اور تشدید ہے، یا اُس شخص کے بارے میں جو اسے حلال جانے، یا مطلب یہ ہے کہ وہ مقربین و سابقین کے ساتھ جنت میں داخل نہ ہو گا[1931]

[1929] (شرح صحیح مسلم للنّووی رحمة اللہ تعالیٰ علیه ، کتاب الایمان, باب حال ایمان من رغب عن أبیه الخ,برقم: ۲۱۱-(۶۱), ۱/۲/۴۵)

[1930] (شرح الطیب، کتاب النکاح, باب اللعان, الفصل أول, ۶/۲۹۳)(مرقاة, کتاب النکاح, باب اللعان, الفصل الاول, برقم ۳۳۱۵, ۶/۴۳۶)

[1931] (أشعة اللمعاة, کتاب النکاح, باب اللعان, الفصل الاول, ۳/۱۷۷, ۱۷۸)

اور علامہ ابو الحسن سندھی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله: فالجنّة عليه حرامٌ أي ان استحلّ ذلک، أو محمول على الزّجر و التّغليظ للتنفير عنه۔

یعنی حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمان "اس پر جنت حرام ہے" یعنی اگر اسے حلال جانتا ہے تو اس پر جنت حرام ہے، یا یہ باپ سے نفرت کی وجہ سے زجر اور تغلیظ پر محمول ہے۔[1932]

اور ایک مسلمان جب اس قبیح فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسے حلال نہیں جانتا اس لئے کچھ علماء کرام نے اس حدیث شریف کا دوسرا مطلب ہی بیان کیا۔

جیسا کہ محشی صحاح ستّہ علامہ نور الدین محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۳۸ھ لکھتے ہیں:

وفيه "من ادّعى الى غير أبيه فالجنة عليه حرامٌ" أي دخوله ابتداءً حرام أن جزاء عمله أن لا يدخل ابتداء۔

یعنی اور اس حدیث میں ہے "جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا اس پر جنت حرام ہے" یعنی اس کا ابتداء دخول حرام ہے، بے شک اس کے عمل کی جزا یہ ہے کہ وہ ابتداء داخل نہ ہو۔[1933]

اور لکھتے ہیں کہ:

أي لا يستحق أن يدخل فيها ابتداء۔

یعنی وہ اس کا مستحق نہیں کہ جنت میں ابتداء داخل ہو۔[1934]

[1932] (حاشية السندی علی الصحيح للبخاری، كتاب الفرائض، باب من ادّعى الى غير أبيه، ۲۲۶/۴)
[1933] (حاشية السندی علی الصحيح للبخاری، كتاب المغازی، باب غزوة الطائف برقم: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷، ۱۱۴/۳)
[1934] (حاشية السندی علی السنن لابن ماجة، برقم: ۲۶۱۰، ۲۶۳/۳)

اور لکھتے ہیں:

أی لا یستحقه دخولها أوّلا۔

یعنی وہ اولاً جنت میں دخول کا مستحق نہیں ہے۔[1935]

اور دوسری تاویل کے مطابق جب اوّلا نسب بدلنے والوں کو سزا کے طور پر دخولِ جنت سے روک دیا جائے گا پھر بعد میں انہیں جنت میں داخلہ کی اجازت دی جائے گی۔

چنانچہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں:

ثم ان قد یجازی فیمنعها عند دخولهم ثم یدخلها بعد ذلک۔

یعنی پھر یہ سزا دی جائے کہ کامیاب لوگوں کے جنت میں داخلے کے وقت انہیں روک دیا جائے پھر بعد میں جنت میں داخل کیا جائے۔[1936]

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے، ان سے مؤاخذہ ہی نہ فرمائے۔

چنانچہ امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

و قد لا یجازی یعفو اللہ سبحانه و تعالیٰ عنه و معنی حرام ممنوعة۔

یعنی اور یہ بھی ہو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے سزا نہ دے بلکہ اسے معاف فرمادے اور حدیث شریف میں مذکور لفظ "حرام" کا مطلب روکنا ہوگا۔[1937]

اور علامہ ابوالحسن سندھی حنفی لکھتے ہیں:

و أما فضل اللہ واسع، فیمکن أنه تعالیٰ بفضله یدخله ابتداءً لقوله تعالیٰ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (النساء ٤٨) الآیة۔

[1935] (فتح الودود شرح سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه، برقم: ٤١١٣، ٥/٢٨١، ٢٨٢)

[1936] (شرح صحیح مسلم للنّووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیه الخ، برقم: ١١٢-(٦١)، ١/٢/٤٥)

[1937] (شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب الایمان، باب حال ایمان، من رغب عن أبیه الخ، برقم: ١١٢-(٦١)، ١/٢/٤٥)

یعنی مگر اللہ تعالیٰ کا فضل واسع ہے تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے ابتداءً جنت میں داخل فرمادے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (النساء ۴۸)۔[1938]

اور اس تاویل کے راجح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے کوئی شخص جنت سے محروم نہیں ہوتا چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تأويله على ماتقدم من أهل السنّة من أن الذّنوب لا تحرّم على أحد الجنّة البتّة، بل ان شاء الله تعالىٰ أخذ و عاقب و حرّمها للمذنب مدّة ثم يدخلها و ان شاء عفى، أو يكون تأويل الحديث لفاعله مستحلّاً۔

یعنی اس کی تاویل وہی ہے جو اہلسنت کی طرف سے پہلے گزری یہ ہے کہ گناہ کسی پر جنت کو حرام نہیں کرتے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو مواخذہ فرمائے، عذاب دے اور جنت گنہگار پر ایک مدّت کے لئے حرام فرمادے پھر اس میں داخل فرمائے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے یا حدیث کی تاویل یہ ہے کہ یہ وعید حلال سمجھ کر اس کا ارتکاب کرنے والے کے لئے ہے۔[1939]

جنت کی خوشبو نہیں پائے گا

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: من ادّعى الىٰ غير أبيه لم يرح رائحة الجنة، فانّ ريحها ليوجد مسيرة خمس مائة عام۔

[1938] (حاشية السّندی علی الصحيح للبخاری، كتاب المغازی، باب غزوة الطائف، برقم: ۴۳۲۶-۷، ۱۱۵/۳)

[1939] (اكمال المعلم، كتاب الايمان، باب بيان حال من رغب عن أبيه، الخ ۳۱۹/۲)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی دوری سے پائی جاتی ہے۔[1940]

(بعض روایات میں سات سو سال بھی ذکر ہے لیکن محفوظ یہی ہے کہ پانچ سو سال ہے۔ و اللہ تعالیٰ اعلم)

خوشبو پانے سے مراد

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں ہے کہ "جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا" تو جنت کی خوشبو نہ پائے سے مراد کیا ہے؟ اس کے بارے میں شارحینِ حدیث کا کہنا ہے کہ یہ ابتداء جنت میں داخل نہ ہونے سے کنایہ ہے یا اس حدیث شریف سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان اور اچھے اعمال کے بعد اللہ تعالیٰ کے کرم سے جنت میں چلا گیا تو بھی جنت کی خوشبو پانے سے محروم رہے گا، چنانچہ علامہ نور الدین محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی متوفی ۱۱۳۸ھ "لم یرح ریح الجنۃ" (جنت کی بو نہیں پائے گا) کے تحت لکھتے ہیں:

أی لم یشمّ ریحها، وهو كناية عن عدم الدّخول فيها ابتداءً، بمعنى أنه لا يستحقّ ذلک، و المعنی لا یجد لها ریحاً و ان دخلها۔

یعنی اس کا معنی ہے کہ جنت کی بو نہیں سونگھے گا اور یہ ابتداء جنت میں عدم دخول سے کنایہ ہے اس معنی میں ہے کہ وہ اس کا مستحق نہ ہو گا اور معنی یہ ہے کہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اگرچہ اس میں داخل ہو جائے۔[1941]

[1940] (سنن ابن ماجۃ، کتاب الحدود، باب: من ادّعی الی غیر ابیه، الخ برقم: ۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

[1941] (حاشیۃ السّندی علی السّنن لابن ماجۃ، برقم: ۲۶۱۱، ۳/۲۶۴)

نسب بدلنے کو کفر فرمایا گیا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں کہ:

عن أبی ذرّ أنه سمع النّبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: "لیس من رجل ادّعیٰ لغیر أبیه، وھو یعلمه، الّا کفر، ومن ادّعیٰ قوما لیس له فیھم نسبٌ فلیتبوّ أمقعده من النار۔

ترجمہ: یعنی حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص بھی اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسب کا دعویٰ کرے (یا کسی اور نسب کی طرف خود کو منسوب کرے) حالانکہ وہ جانتا ہے (یہ نسبت غیر کی طرف ہے) وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے کسی ایسی قوم کی طرف خود کو منسوب کیا جس میں اس کا نسب نہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔[1942]

اور امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ کی روایت اس طرح ہے کہ:

عن أبی ذر أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: لیس من رجل ادّعی لغیر أبیه وھو یعلمه، الا کفر، ومن ادّعی ما لیس له فلیس منّا ولیتبو أمقعده من النار۔

یعنی حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرماتے سنا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے، تو وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنا لے۔[1943]

[1942] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل، برقم: ۳۵۰۸، ۲/۳۱۶)

[1943] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه، برقم: ۱۱۲/۱۲۹-(۶۱)، ص۵۸) ایضاً المسند: ۱۶۶/۵۔

اور حدیث شریف میں "لیس من رجل" ہے اور اس میں "من" زائدہ ہے۔[1944]

اور احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد حکم جس طرح مردوں کے لئے ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی ہے چنانچہ امام شہاب الدین احمد قسطلانی شافعی اور علامہ محمد امین ہرری نے لکھا ہے کہ مردوں سے تعبیر کرنا بطور غلبہ کے جاری ہو ورنہ عورتوں کا بھی یہی حکم ہے۔[1945]

"وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے" کا مطلب

حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے"۔ اس میں آخری جملہ "جہنم ٹھکانہ بنالے" ہے، اس سے مراد کیا ہے؟ تو اس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ جہنم کا مستحق ہے کہ اس نے اپنے کرتوت سے جہنم کو اپنے لئے واجب کرلیا۔

چنانچہ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۵۴ھ لکھتے ہیں:

وقوله: فليتبوّ أمقعده من النّار: أى استحق ذلک بقوله, و استوجبه لمعصية الاّ أن يعفوا عنه۔

یعنی اور حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمان "چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے" یعنی وہ اپنے قول سے اس کا مستحق ہے اور اس نے اپنی معصیت کے ذریعے اپنے لئے اسے واجب کرلیا مگر یہ کہ اسے معاف کردیا جائے۔[1946]

پھر یہ جملہ یا تو مرتکب کے خلاف دعا ہے یا یہ اس کے انجام کی خبر ہے پھر اگر وہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے بھی اسے حلال جانتا ہے تو جہنم اس کا ہمیشہ کے لئے ٹھکانہ ہے اور

[1944] (ارشادالساری، کتاب المناقب، باب بعدباب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۱۹/۸)

[1945] (ارشادالساری، کتاب المناقب، باب بعدباب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۱۹/۸) (شرح صحیح مسلم للھرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان من انتسب لغیر أبیہ وھو یعلم الخ، برقم: ۱۲۴ (۶۰)، ۵۰۷/۲، ۵۰۶)

[1946] (اکمال المعلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیہ وھو یعلم، برقم: ۱۱۲، (۶۱)، ۳۱۹/۱)

اگر حلال نہیں جانتا پھر یا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے معاف فرمادے اور اسے توبہ کی توفیق مرحمت فرمادے اور وہ گناہ اس سے ساقط ہو جائے ورنہ اسے مخصوص مدّت کے لئے بطور سزا جہنم میں رکھا جائے۔ چنانچہ علامہ محمد امین ہرری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ:

هذا دعاء عليه أو خبر الأمر وهو أظهر القولين فيه، أی يكون مقعده ومنزله من النار مخلدا فيها ان استحلّ ذلک أو هذا جزائه ان جوزی على ذلک ان لم يستحلّ لأنه يجاز عليه ان لم يغفر له، وقد يعفى عنه وقد يوفق للتوبة فيسقط عنه ذلک۔

یعنی اس مرتکب کے خلاف دعا ہے یا لفظِ امر کے ساتھ خبر ہے اور ان میں سے یہ قول اظہر القولین ہے یعنی اس کا ٹھکانہ اور منزل اگر اسے حلال جانتا ہے تو خلود فی النار ہے اور اگر اس گناہ کے ارتکاب پر سزا دیا گیا تو یہ اس کی سزا ہے اور اگر حلال نہیں جانتا کیونکہ اگر اسے نہ بخشا گیا تو وہ اس پر سزا دیا جائے گا اور کبھی بخش دیا جاتا ہے اور توبہ کی توفیق مرحمت کیا جاتا ہے تو اس سے وہ گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔[1947]

"ہم میں سے نہیں" کا مطلب

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے کہ "جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کے لئے نہیں وہ ہم میں سے نہیں"۔ مستحلّ کے حق میں یہ کلمات اپنے ظاہر پر ہیں اور غیر مستحل کے لئے اس کا مطلب ہو گا کہ وہ حضور ﷺ کی ہدایت پر چلنے والا اور آپ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والا نہیں یا یہ کہ وہ اہل دین کے طریقے پر نہیں ہے۔ چنانچہ امام قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

وقوله: ليس منّا على ماتقدّم أی ليس مهتدياً بهدينا ولا مسنّا بسنتنا۔

[1947] (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب بیان حکم ایمان من انتسب لغیر أبیه الخ، ۲/۵۰۸)

یعنی حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان "وہ ہم میں سے نہیں" کا مطلب بنا بر اس کے جو پہلے گزرا ہے یہ کہ وہ ہماری ہدایت پر چلنے والا اور ہماری سنت پر عمل کرنے والا نہیں۔

اور حافظ ابو العباس احمد قرطبی متوفی ٦٥٦ھ لکھتے ہیں:

ظاهر التبرّی المطلق فيبقی علی ظاهره فی حقّ المستحلّ لذلک علی ما تقدم ويتأويل فی حقّ غير المستحلّ بأنه ليس علی طريقة النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا علی طريقة أهل دينه، فان ذلک ظلم وطريقة أهل الدّين العدل، وترک الظّلم ويكون هذا كما قال: ليس منا من ضرب الخدود وشقّ الجيوب" ويقرب منه من لم يأخذ من شاربه فليس منّا۔

یعنی ظاہر مطلق تبری (یعنی برأت) ہے اور یہ فرمان حلال جاننے والے کے حق میں اپنے ظاہر پر ہے اور حلال نہ جاننے والے کے حق میں اس کی تاویل کی جائے گی، اس طرح کہ وہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے طریقہ پر نہیں ہے اور نہ ہی اہلِ دین کے طریقے پر ہے اور اہلِ دین کا طریقہ عدل ہے اور ترکِ ظُلم ہے اور یہ فرمانِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اس فرمان کی طرح ہے جس میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا "جس نے رُخسار پیٹے اور گریبان چاک کئے وہ ہم سے نہیں، اس کے قریب حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا یہ فرمان ہے کہ "جو اپنی مونچھوں سے نہ لے یعنی انہیں نہ تراشے وہ ہم سے نہیں"۔[1948]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ، امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ٢٦١ھ اور امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ٢٧٦ھ، روایت کرتے ہیں کہ:

[1948] (رواه البخاری برقم: ٣٥١٩، ومسلم: برقم: ١٠٣) (رواه الترمذی برقم: ٢٧٦٢)

عن عراک بن مالک أنه سمع أبا هريرة يقول: انّ رسول الله ﷺ قال: لا ترغبوا عن آبائكم فمن رغب عن أبيه فهو كفر۔ و اللفظ لمسلم و نقله التبريزی فی "مشكاته" فی كتاب النّكاح، باب اللعان ال فصل الاول۔

یعنی عراک بن مالک نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو (انکار نہ کرو) پس جس نے اپنے باپ کے نسب کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا"۔[1949]

"اعراض نہ کرو" کا مطلب

حدیثِ ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ "اپنے آباء کے نسب سے اعراض نہ کرو" اس سے مراد ہے کہ اپنے نسب کو اپنے آباء کے غیر کی طرف نہ پھیرو اور یہ زمانۂ جاہلیت کے کافروں کی عادات سے ہے، اسلام میں جب اس سے منع کر دیا گیا تو مرتکب کے لئے وعیدیں وارد ہوئیں۔

چنانچہ شارح صحیح البخاری حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

انما المراد به من تحوّل عن نسبت لأبيه الی غير أبيه عامداً مختاراً، و كانوا فی الجاهلية لا يستنكرون أن يتبنّى الرّجل ولد غيره و يصير الولد و ينسب الى الذى تبنّاه حتى نزل قوله تعالىٰ {اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ} و قوله سبحانه تعالىٰ {وَمَا جَعَلَ أَدۡعِيَآئَكُمۡ أَبۡنَآئَكُمۡ} فنسب كلّ واحدٍ الى أبيه الحقيقی، و ترک الانتساب الى من تبنّاه۔

یعنی اس سے مراد صرف یہ ہے کہ جو شخص اپنے باپ کی طرف نسبت کو اپنے اختیار کے ساتھ عمداً غیر باپ کی طرف پھیر دے (تو وہ اس وعید کا مستحق ہے جو اس حدیث شریف میں مذکور ہے) اور زمانۂ جاہلیت میں لوگوں میں یہ معیوب نہ تھا کہ وہ غیر کے بیٹے کو متبنّی بنالیں اور وہ اس (متبنّی

[1949] (صحیح البخاری، کتاب الفرائض باب من ادّعی الی غیر أبیه برقم: ۶۷۶۸، ۴/۲۷۳) (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من رغب عن أبیه الخ، برقم: ۱۳۰/۱۱۳-(۶۲)، ص۵۸) (المسند، ۲/۵۲۶) (برقم: ۱۰۳۱۵، ۲-۱/۲۰۸))

بنانے والے) کا بیٹا ہو جائے اور اُسی کی طرف منسوب ہو کہ جس نے اسے متبنی بنایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا "انہیں ان کے باپوں کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے" اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا کہ "یہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا" تو ہر ایک اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر دیا گیا اور متبنّٰی بنانے والے کی جانب انتساب کو ترک کر دیا گیا۔[1950]

اور شیخ محقق شیخ عبد الحق محدّث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

اعراض نکنید از پدرانِ خود بترک نسبت بایشان، کسی کہ اعراض کند از پدر خود و ترک کند نسبت خود را بوے پس تحقیق کُفرانِ نعمت کردو چہ نعمت کہ اصل ہمہ نعمتہاست۔

یعنی اپنے آباء سے اعراض نہ کرو ان کی طرف اپنی نسبت کو ترک کر کے، جس نے اپنے باپ سے اعراض کیا اور اپنی اسکی طرف نسبت کو ترک کیا پس تحقیق اس نے کفرانِ نعمت کیا، اس نعمت کا جو تمام نعمتوں کی اصل ہے۔[1951]

حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه، عن جدّه قال: "كفر" بامرئٍ ادّعاءُ نسبٍ لا يعرفه أو حجده وان دقّ۔

[1950] (فتح الباری، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبيه، برقم: ۶۷۶۸، ۱۲-۱۱/۶۳)

[1951] (أشعة اللمعات، کتاب النکاح، باب اللعان، الفصل الأول، ۱۷۸/۳)

یعنی عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا ایسے نسب کی طرف انتساب کہ جسے وہ نہیں پہچانتا (یا وہ معروف نہیں) یا (اس کا اپنے نسب کا انکار کرنا اگرچہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو کفر ہے۔[1952]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی اس روایت کو امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ سے روایت کیا:

عن عمرو بن شعیب عن أبیه، عن جدّه قال: قال رسول الله ﷺ: كُفْرٌ تَبَرّؤٌ من نسب وان دقّ أو ادّعاه الیٰ نسب لا یعرف۔[1953]

اور امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ "**معجم اوسط**" میں اور معجم صغیر میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا:

كفرٌ بامریءادّعاه (وفی الصغیر ادّعا) الیٰ نسب لا یعرف وجحده وان دقّ۔[1954]

اور حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی متوفی ۳۶۵ھ نے "**الکامل**" میں ان الفاظ کے ساتھ مرفوعا روایت کیا:

كفر من ادّعی الیٰ نسب لا یعرف، أو جحده وان دقّ۔[1955]

اور علامہ نور الدین ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے "**مجمع البحرین**" میں اور "**مجمع الزوائد**" میں اسے نقل کیا ہے۔[1956]

[1952] (سنن ابن ماجه کتاب الفرائض، باب من أنکر ولده برقم: ۲۷۴۴، ۳/۳۳۷ وقال محققه اسناده صحیح)
[1953] (المسند: ۲/۲۱۵)
[1954] (المعجم الأوسط، من اسمه محمود، برقم: ۷۹۱۹، ۲/۳۹، ۴۰) (المعجم الصغیر، من اسمه محمود، ۲/۱۰۸)
[1955] (الکامل لابن عدی، عمر بن شعیب (برقم: ۱۲۸۱/۳۱۴)، ۶/۲۰۴)
[1956] (مجمع البحرین، کتاب الایمان، باب فی الکبائر، برقم: ۱۳۴، ۱/۸۵)

کافر ہونے کا مطلب

حدیث شریف میں نسب بدلنے، غیر آباء کی طرف انتساب کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے، اس میں بھی دو تاویلیں ہیں ایک یہ کہ نسب بدلنا جس سے قرآن میں ممانعت اور حدیث شریف میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئیں اسے اگر حلال جانتا ہو تو کافر ہو جائے گا، دوسری یہ کہ اگر حلال نہیں جانتا تو مراد وہ کفر نہیں ہو گا جو اسے ملّتِ اسلام سے خارج کر دے بلکہ کفرانِ نعمت مراد ہے یا عملِ کفار کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ بولا گیا۔

چنانچہ امام ابوزکریا نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ لکھتے ہیں جیسا کہ علامہ محمد امین ہرری نے ان سے نقل کیا کہ:

قال النووی: فیه تأویلات أحدهما: أنه فی حق المستحلّ، والثانی: أنه کفر النّعمة والاحسان وحق الله وحق أبیه، ولیس المراد الکفر الذی یخرجه عن ملّة الاسلام وهذا کقوله "یکفرن" ثم فسّره بکفرانهنّ الاحسان وکفران العشیر۔

یعنی امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس میں تاویلیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ وعید حلال جاننے والے کے حق میں ہے اور دوسری یہ کہ یہ نعمت، احسان، اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے باپ کے حق کی ناشکری ہے اور وہ کفر مراد نہیں ہے جو مرتکب کو ملّتِ اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور حضور ﷺ کے فرمان "یکفرن" کی مثل ہے، پھر اس کی تفسیر عورتوں کی طرف سے احسان کی ناشکری اور ان کی اپنے شوہروں کی ناشکری کے ساتھ کی ہے۔[1957]

[1957] (شرح صحیح مسلم للهرری، کتاب الایمان، باب حکم ایمان، من انتسب لغیر أبیه الخ، برقم: ٢-١٢٤/٥٠٧)

اپنے باپ کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف نسبت یا تو قذف (یعنی تہمت زنا) ہے یا کذب (یعنی جھوٹ) ہے یا والدین کی نافرمانی علماء کرام نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، لہٰذا ظاہر حدیث کو حلال جاننے پر محمول کیا جائے گا۔

اور امام محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اور علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوی حسنی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں تاویل کی ضرورت ہے:

لأن انتسابه لغير أبيه قذف أو كذب، أو عقوق، ولا شيء من ذلک بكفر فيحمل أيضاً على المستحلّ، أو أنه أراد كفر النعمة أي حجد حق أبيه، أو أنه أطلق الكفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الكفر لأنهم كانوا يفعلونه في الجاهلية۔

یعنی کیونکہ غیر باپ کی طرف انتساب تہمت ہے یا جھوٹ ہے یا نافرمانی ہے اور ان میں سے کوئی چیز کفر نہیں تو اسے بھی (غیر آباء کی طرف انتساب کو) حلال جاننے والے پر محمول کیا جائے گا، یا یہ کہ حدیث شریف میں اس سے کفرانِ نعمت یعنی اپنے حقیقی باپ کے حق کے انکار کا ارادہ کیا گیا یا یہ کہ اس عمل کی اہلِ کفر کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مجازاً اس پر کفر کا اطلاق کیا کیونکہ وہ جاہلیت میں ایسا کرتے تھے۔[1958]

علامہ محمد امین ہرری نے لکھا کہ:

ذلک المنتسب كفراً حقيقياً يخرجه عن الملّة ان استحل ذلک الانتساب، لأنه ما هو معلوم حرمته من الدّين ضرورة، والا كفر كفراً بمعنى كفران نعمة الأبوّة أي جحد حق أبيه،

[1958] (اكمال اكمال المعلم، كتاب الايمان، باب بيان حال من رغب عن أبيه وهو يعلم، برقم:۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲۸۱، ۲۸۰)(مكمل اكمال الاكمال، كتاب الايمان، باب بيان حال من رغب عن أبيه وهو يعلم، برقم:۱۱۲-(۶۱)، ۱/۲۸۰)

لأن انتسابه لغير أبيه اما قذف، أو كذب، أو عقوق و لا شيء من ذلک كفرٌ، قال القرطبي: أو أنه أطلق الكفر مجازاً لشبهه بفعل أهل الكفر لأنهم كانوا يفعلونه بالجاهلية، و عبارته هنا۔

یعنی اگر وہ غیر باپ کی طرف انتساب کو حلال جانتا ہے تو وہ منتسب حقیقی کفر کا مرتکب ہو جائے گا جو اسے ملتِ اسلامیہ سے نکال دے گا کیونکہ یہ وہ ہے کہ جس کی حرمت کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہے ورنہ (یعنی اگر وہ اسے حلال نہیں جانتا تو) یہ کفر بمعنی کفرانِ نعمت ابوۃ ہے یعنی اس نے اپنے باپ کے حق کا انکار کیا، اس کی ناشکری کی اس لئے کہ اس کا اپنے باپ کے غیر کی طرف انتساب یا تو قذف (تہمت) ہے یا جھوٹ ہے یا عقوق (نافرمانی) ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی کفر نہیں ہے، امام قرطبی نے فرمایا کہ یا یہ ہے کہ اہل کفر کے فعل کی مشابہت کی وجہ سے اس پر کفر کا لفظ بولا گیا کیونکہ وہ زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کیا کرتے تھے۔[1959]

اور علماء کرام نے یہ بھی لکھا ہے غیر آباء کی طرف انتساب کرنے والا اگر اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے تو اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہو گا۔

چنانچہ امام شرف الدین حسین بن محمد طیبی شافعی متوفی ۷۴۳ھ اور ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

فمن اعتقد اباحته كفر لمخالفة الاجماع، [و من لم يعتقد اباحته ففي] فمعنى كفره و جهان، أحدهما: أنه قد أشبه فعله فعل الكفّار، و الثّاني: أنه كافر نعمة الاسلام۔

یعنی پس جس نے اس (یعنی نسب بدلنے) کے مباح ہونے کا اعتقاد کیا وہ اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر ہوا اور جو اس کی اباحت کا اعتقاد نہ رکھے تو اس کے مرتکب کے کفر کے معنی میں دو وجہیں

[1959] (شرح صحيح مسلم للهرری، كتاب الايمان، باب بيان حكم ايمان من انتسب لغير أبيه الخ)

ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ اس (نسب بدلنے والے) نے اپنا فعل کافروں کے فعل کے مشابہ کر دیا اور دوسرا یہ کہ وہ نعمتِ اسلام کی ناشکری کرنے والا ہے۔[1960]

شیخ الحدیث غلام رسول رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ انسان گُناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا اور حدیث میں اپنے والد کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرنے کو کفر قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ موؤل ہے، تاویل یہ ہے کہ جو کوئی اپنے والد کے غیر کی طرف اپنی نسبت کو حلال اور جائز سمجھے وہ کافر ہے یا مراد کفرانِ نعمت ہے، یا یہ مراد ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حق اور اپنے والد کے حق کا انکار کر دیا یا زجر و تہدید کے لئے فرمایا، حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو کوئی اپنی نسبت غیر کی طرف کرے یا اپنے آپ کو غیر خاندان میں شمار کرے اور اس کو جائز سمجھے وہ شخص کافر ہے اس زمانہ میں دیکھنے میں آیا ہے بعض سادات کی طرف اپنی نسبت کر لیتے ہیں تاکہ عوام کی نگاہوں میں محترم ہوں وہ اس حدیث کے مصداق ہیں۔[1961]

اور حافظ ابو العباس احمد بن عمر قرطبی متوفی ٦٥٦ھ لکھتے ہیں:

فمن فعل ذلک مستحلا فهو كافر حقيقة تبقى الحديث على ظاهره، أما ان كان غير مستحل فيكون الكفر الذى فى الحديث محمولا على كفران النعم و الحقوق فانه قابل الاحسان بالاساءة ومن كان كذا صدق عليه اسم الكافر، ويحتمل أن يقال: أطلق على ذلک، لأنه تشبه بالكفار أهل الجاهلية أهل الكبر و الأنفة فانهم كانو ايفعلو نه ذلک۔

یعنی پس جس نے اسے (یعنی نسب بدلنے کو) حلال جانتے ہوئے ایسا کیا تو وہ حقیقۃً کافر ہو جائے گا، (اس صورت میں) حدیث شریف اپنے ظاہر پر باقی رہے گی، اگر حلال نہیں جانتا تو جس کفر کا

[1960] (شرح الطيبى، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول، ٣٩٦/٦) (مرقاة، كتاب النكاح، با ب اللعان، الفصل الاول برقم: ٣٣١٥، ٤٣٦/٦)

[1961] (تفهيم البخارى، كتاب المناقب، باب نسبة اليمن الى اسماعيل عليه السلام، برقم: ٥، ٣٢٨١/٣٨٣، ٣٨٤)

حدیث شریف میں ذکر ہے وہ کفرانِ نعم اور کفرانِ حقوق پر محمول ہو گا کیونکہ اس نے احسان کے مقابلے میں اساءت کی اور جو ایسا ہو اس پر کفر کا اسم صادق آئے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے اس پر یہ لفظ بولا جائے گا کیونکہ اس نے اہل جاہلیت، اہل کبر کفار کے ساتھ مشابہت کی، بے شک وہ ایسا کیا کرتے تھے۔[1962]

وان ثبت ذلک فالمراد من استحلّ مع علمه بالتّحریم وعلی الرّوایة المشهورة فالمراد کفر النعمة, وظاهر اللفظ غیر مرادٍ, وانما ورد علی سبیل التّغلیظ والزّجر لفاعل ذلک, أو المراد باطلاق الکفر أن فاعله فعل فعلاً شبیها بفعل أهل الکفر۔

یعنی اگر وہ ثابت ہو تو مراد وہ شخص ہو گا جو اس فعل کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے اور روایت مشہور کی بنا پر مراد کفرانِ نعمت ہے اور ظاہر لفظ مراد نہیں ہے اور یہ صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے تغلیظ وزجر کے طور پر وارد ہوا ہے یا یہ کہ اطلاقِ کفر سے مراد ہے کہ اس کے فاعل نے ایسا عمل کیا ہے جو اہل کفر کے عمل کے مشابہ ہے۔[1963]

اور حافظ شہاب الدین احمد قسطلانی شافعی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

وعلی ثبوتها مؤوّلة بالمستحلّ لذلک مع علمه التّحریم, أو ورد علی سبیل التّغلیظ والزّجر لفاعله۔

یعنی اس کے ثبوت کی بنا پر یہ نسب بدلنے کے حرام ہونے کا علم رکھنے کے باوجود اسے حلال جاننے والے کے ساتھ موؤّل ہے یا یہ فاعل کے لئے بطور تغلیظ وزجر کے وارد ہوا ہے۔[1964]

اور علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان کورانی شافعی ثم حنفی متوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

[1962] (المفهم، کتاب الایمان، باب اثم من کفر مسلماً، برقم: ۵۱، ۱/۲۵۴)
[1963] (فتح الباری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۶/۸/۶۷۰)
[1964] (ارشاد الساری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم ۳۵۰۸، ۱۹۸)

وھو یعلمہ الا کفر ان اعتقد ذلک، أو کفر بنعمۃ اللہ أو ذلک الفعل من أخلاق الکفّار۔

یعنی حضور نبی کریم ﷺ کے فرمان "وھو یعلم الا کفر" کا مطلب ہے کہ اگر اس (کے حلال ہونے) کا اعتقاد رکھتا ہے یا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی یا یہ کہ یہ فعل (یعنی نسب بدلنا، غیر باپ کی طرف نسب) کُفّار کے اخلاق سے ہے۔[1965]

غیر مستحلّ کے حق میں اس کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ یہ عمل کفر تک پہنچانے والا ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی لکھتے ہیں:

والکفر فیہ بمعنی أن ذلک یؤدی الیہ، أو استحل، أو کفر النّعمۃ۔

یعنی اس میں کفر اس معنی میں ہے کہ وہ (عمل) کفر تک پہنچانے والا ہے، اسے حلال جانتا ہے (تو کافر ہے) یا اس نے کفرانِ نعمت کیا۔[1966]

نسب بدلنے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر فرمایا گیا

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے "معجم الاوسط" میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے:

عن أبی بکر یقول: قال رسول اللہ ﷺ: کفر باللہ: ادّعاء نسب لا یعرف، و کفرٌ باللہ تبرّیءٌ من نسبٍ وان دقّ۔

یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے نسب سے برأت اگرچہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[1967]

[1965] (الکوثر الجاری الی ریاض أحادیث البخاری، کتاب المناقب، باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۶/۳۵۳)
[1966] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، برقم: ۲۹۳، ۲/۱۰۰)
[1967] (المعجم الأوسط، من اسمہ ابراھیم، برقم: ۲۸۱۸، ۲/۴۴)

اور ان الفاظ سے کہ:

عن أبی بکر الصّدیق قال: قال رسول اللہ ﷺ: من ادّعی نسباً لا یعرف کفر باللہ و انتفاء من نسب و ان دقّ کفر باللہ۔

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے ایسے نسب کی طرف نسبت کی جو معروف نہیں اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور نسب سے نفی اگرچہ (یعنی حقیر) ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔[1968]

اسی طرح امام طبرانی نے "الدعاء" میں روایت کیا۔[1969]

اور حافظ بزار نے اپنی مسند میں اور امام حافظ نور الدین ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے "کشف الاستار" میں ان الفاظ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

کفر باللہ تبرّییؑ من نسب و ان دقّ۔[1970]

اور حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ نے اپنی "سنن" میں، حافظ، ابو الحسن علی ابن الجعد متوفی ۲۳۰ھ نے اپنی "مسند" میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا ہے:

کفر باللہ ادّعاءٌ الیٰ نسبٍ لا یعرف، و کفرٌ باللہ تبرّیٌ من نسبٍ و ان دقّ۔

یعنی غیر معروف نسب کی طرف نسبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اور نسب سے برأت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے اگرچہ وہ چھوٹا (یعنی حقیر) ہو۔[1971]

[1968] (المعجم الأوسط، من اسمه معاذ، برقم: ۸۵۷۵، ۲۲۱/۶)
[1969] (کتاب الدّعاء، ذکر من لعنه الرسول ﷺ، برقم: ۲۱۴۳، ص ۵۸۷)
[1970] (البحر الزّخار، برقم: ۷۰، ۱۳۹/۱) (کشف الأستار، کتاب الایمان، باب من تبرّأ من نسبه، برقم: ۱۰۴، ۷۰/۱)
[1971] (سنن الدّارمی، کتاب الفرائض، باب ن ادّعی الی غیر أبیه، برقم: ۲۸۶۱، ۲۷۰/۲) (مسند ابن الجعد، بقية حديث الأعمش، برقم: ۱۹۱، ۳۶۹، ص ۳۹۴)

اور امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے "المصنف" میں ان الفاظ سے موقوفاً روایت کیا:

قال أبو بکر: کفر من ادّعی نسباً لا یعلم و تبرأ من نسبٍ و ان دق۔[1972]

حدیث ابی بکر رضی اللہ عنہ کی اکثر روایات میں "کفر باللہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے) اور "کفر باللہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا) مذکور ہے، اسی طرح حدیث أبي ذرّ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں "الا کفر باللہ" یعنی جو کوئی اپنے باپ کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ نسبت غیر کی جانب ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا" آیا ہے، یہ حدیث ابی بکر اور حدیث أبي ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت اگر اسی طرح ہو تو غیر مستحل کے حق میں اس کی تاویل میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفہ سے پیدا کیا تھا اس شخص نے اس کا انکار کر کے کہا کہ مجھے اس کے نہیں فلاں کے نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے گویا اس نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا اور مستحل کے حق میں تاویل کی حاجت نہیں ہے جیسا کہ ہماری ذکر کردہ دیگر عبارات سے ظاہر ہے اور اس جواب کے قریب حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی بعض شرّاحِ حدیث سے نقل کردہ یہ تاویل ہے، فرماتے ہیں:

قال بعض الشّرّاح: سبب اطلاق الکفر ھنا أنہ کذب علی اللہ کأنہ یقول: خلقنی اللہ من ماء فلان، و لیس کذلک لأنہ انما خلقہ من غیرہ۔

[1972] (المصنّف لابن أبی شیبہ، کتاب الأدب، باب مایکرہ الرّجل أن ینتمی الیہ الخ، برقم: ۲۶۶۳۳، ۱۳/ ۳۳۱، ۳۳۰)

یعنی بعض شراح نے فرمایا کہ یہاں اطلاقِ کفر کا سبب یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا، گویا کہ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فلاں کے پانی (یعنی نطفہ) سے پیدا کیا حالانکہ ایسا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے تو اسے (جس کے پانی سے پیدا ہونے کا اس نے دعویٰ کیا ہے) اس کے غیر (کے پانی) سے پیدا کیا ہے۔[1973]

اور حدیثِ أبي ذر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب اس صورت میں ہے جب یہ اضافہ ثابت ہو اور یہ اضافہ امام بخاری اور امام مسلم کی روایات میں نہیں ہے اس لئے علماء کرام نے لکھا کہ اس اضافہ کا حذف ہی مناسب ہے چنانچہ علامہ شہاب الدین احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

وليست هذه الزّيادة في غير روايته ولا في رواية مسلم ولا اسماعيلي فحذفها أوجه لما لا يخفى۔

یعنی یہ اضافہ اس روایت کے غیر میں نہیں ہے نہ مسلم کی روایت میں ہے اور نہ اسماعیلی کی روایت میں ہے لہٰذا اس کا حذف اوجہ ہے اس لئے کہ اس کے حذف کا اوجہ ہونا مخفی نہیں ہے۔[1974]

اور حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اکثر روایات میں یہ اضافہ مذکور ہے جب کہ بعض میں سے نہیں ہے اگر یہ اضافہ ثابت ہو اس کا وہی جواب ہوگا جو حدیث أبي ذرّ رضی اللہ عنہ کے ضمن میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیا۔

اور علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ کفر کا لغوی معنیٰ ہے کہ کسی شيء کو ڈھانپا تو کفر باللہ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ عزّ وجلّ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عزوجل کے حق کو ڈھانپ دیا۔

چنانچہ شارح صحیح بخاری علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

[1973](فتح الباری، شرح صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب: من ادّعی الی غیر أبیه، برقم: ۶۷۶۸، ۱۵/۱۲/۶۳)
[1974](ارشاد الساری، کتاب الفرائض، باب: من ادعی الی غیر أبیه، برقم: ۶۷۶۸، ۱۹/۸)

فان قیل: فتقول للرّاغب فی الانتماء الی غیر أبیه و موالیه کافر بالله کما روی عن أبی بکر الصّدیق أنه قال: کفر ابالله ادعاء نسب لا یعرف، وروی عن عمر بن الخطاب أنه قال: کان مما یقرء فی القرأن: "لا ترغبوا اباء کم فانه کفر بکم" قیل: لیس معناه الکفر الذی یستحق علیه التخلید فی النار، و انما هو کفر لحقّ أبیه و لحقّ موالیه، کقوله فی النّساء: "یکفرن العشیر" و الکفر فی لغة العرب: التعظیة للشیء و الستر له، فکأنه تغطیة منه علی حقّ الله عزّ و جلّ فیمن جعله و لداً، لا أن من فعل ذلک کافر أبالله حلال الدّم۔

یعنی پس اگر کہا جائے کہ تم غیر باپ اور غیر مالک کی طرف انتساب میں رغبت رکھنے والے کو کہتے ہو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا جس نے غیر معروف نسب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا" اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "قرآن کریم میں جو پڑھا گیا ہے اس میں یہ تھا کہ "اپنے آباء سے اعراض نہ کرو پس یہ کفر ہے" تو جواب میں کہا جائے گا کہ اس کا معنی وہ کفر نہیں ہے کہ جس میں بندہ خلود فی النار کا مستحق ہوتا ہے، اور کفر صرف باپ کے حق اور مالکوں کے حق کی وجہ سے ہے جیسا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا عورتوں کے بارے میں فرمان ہے "یکفرن العشیر" (یعنی اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں) اور لغتِ عرب میں کفر کا معنی ہے کسی شیء کو ڈھانپنا اور اسے چھپانا، تو گویا اللہ تعالیٰ نے اسے جس کا بیٹا بنایا اس نے اس میں اللہ عزّ و جلّ کے حق کو ڈھانپ دیا، یہ نہیں کہ جو اس کا ارتکاب کرے گا وہ کفر باللہ کا مرتکب، حلال الدّم ہو جائے گا"۔[1975]

نسب بدلنے والے پر لعنت فرمائی گئی

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

[1975] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه الخ" ۸/۳۸۴)

عن أنس بن مالک، قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من ادّعی الی غیر أبیہ، أو انتمی الی غیر موالیہ، فعلیہ لعنۃ اللہ المتتابعۃ الیٰ یوم القیامۃ۔

یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی قیامت تک لعنت ہے"۔[1976]

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

عن أبی أمامۃ الباھلی قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فی خطبۃ حجّۃ الوداع: ومن ادّعی الیٰ غیر أبیہ، أو انتمی الیٰ غیر موالیہ، فعلیہ لعنۃ اللہ التابعۃ الیٰ یوم القیامۃ الحدیث۔

یعنی حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنا باپ کسی اور کو بنایا یا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا تو اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے"۔[1977]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

عن ابراھیم التیمی عن أبیہ قال: خطبنا علیؓ بن أبی طالبؓ فقال من زعم أنّ عندنا شیئاً نقرؤہ الا کتاب اللہ وھٰذہ الصحیفۃ۔ قال: وصحیفۃ معلّقۃ فی قراب سیفہ فقد کذب فیھا اسنان الابل وأشیاء من الجراحات، وفیھا قال النبی ﷺ "ومن ادّعیٰ الی غیر أبیہ أو انتمیٰ

[1976] (سنن أبی داؤد کتاب الأدب، باب فی الرّجل ینتمی الی غیر موالیہ، برقم: ۵۱۱۵، ۲۱۳/۵)
[1977] (سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء "لا وصیۃ لوارث" برقم: ۲۱۲۰، ۱۷۸/۳، ۱۷۹)

الیٰ غیر موالیہ، فعلیہ لعنۃ اللہ و الملائکۃ و الناس اجمعین، لا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ فرضاً و لا عدلاً۔" و اللفظ لمسلم۔

یعنی ابراہیم تیمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا حالانکہ ان کی نیام کے ساتھ ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہمارے پاس کتاب اللہ (قرآن) اور صحیفہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، وہ جھوٹا ہے، اس صحیفہ میں تو اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور کچھ زخموں کی دیت کا بیان ہے اور اس میں یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اور جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا یا جس غلام نے اپنے آپ کو اپنے مالک کے غیر کی طرف منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہ فرمائے گا اور نہ نفل"۔[1978]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں کہ

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من انتسب الی غیر أبیہ، أو تولی غیر موالیہ، فعلیہ لعنۃ اللہ و الملائکۃ و الناس أجمعین۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا نسب اپنے باپ کے غیر سے بیان کیا یا (جس غلام نے) اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا اس پر اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔[1979]

[1978] (سنن الترمذی، کتاب الولاء و الھبۃ، باب ماجاء فیمن تولّی غیر موالیہ الخ، برقم: ۲۱۲۷، ۳/۱۸۳، ۱۸۴) (المسند، ۱/۸۱)
[1979] (سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب: من ادّعی الی غیر أبیہ الخ، برقم: ۲۶۰۹، ۳/۲۶۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اور امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ اور حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

عن عمرو بن خارجة قال: کنت تحت ناقة النبی ﷺ فسمعته یقول: من ادّعی الیٰ غیر أبیه أو انتمی الیٰ غیر موالیه رغبة عنهم فعلیه لعنة اللّٰه و الملائکة و الناس أجمعین۔ و اللفظ للدارمی وزاد الطبرانی: لا یقبل منه صرف و لا عدل۔

یعنی حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی اونٹنی کے نیچے تھا تو آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے یا اپنے آپ کو اپنے مولیٰ کے غیر کی طرف منسوب کیا ان سے اعراض کرتے ہوئے تو اس پر اللہ تعالیٰ، سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے"۔ [1980]

لعنت سے مراد

حدیث شریف میں نسب بدلنے والے کے لئے لعنت مذکور ہے، یہ لعنت اس پر ہے جو اپنے آباء سے بیزاری ظاہر کرے اور اپنے آباء کے غیر کے نسب کا دعویٰ کرے جیسے غیر سیّد ہو کر سیّد ہونے کا دعویٰ کرے چنانچہ شارح صحیح البخاری علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

و انما لعن النبی علیه السلام المتبرئ من أبیه و المدّعی غیر نسبه فیمن فعل ذلک فقد رکب من الاثم عظیماً و تحمل من الوزر جسیماً، و کذلک المنتمی الی غیر موالیه۔

[1980] (سنن الترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء لا وصیة لوارث، برقم: ۲۱۲۱، ۳/۱۷۹، ۱۸۰) (سنن الدّارمی، کتاب السّیر، باب فی الذی ینتمی الی غیر موالیه، برقم: ۲۵۲۹، ۲/۱۹۶) (المعجم الکبیر، برقم: ۲۰ تا ۱۷، ۱۷-۱۵/۳۲تا ۳۶)

یعنی حضور نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے صرف اس پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے حقیقی باپ سے برأت ظاہر کرے اور حقیقی باپ کے غیر کے نسب کا مدّعی ہو، جس نے اس طرح کیا تو اس نے عظیم گناہ کا ارتکاب کیا اور (گناہ کا) بڑا بوجھ اٹھالیا، اسی طرح وہ غلام جو اپنے مالک کے غیر کی طرف اپنی نسبت کرے۔[1981]

اور لعنت کی وجہ یہ ہے کہ بندہ جب اپنے مولیٰ کی نعمت کی قدر نہیں کرتا، اس کی نعمتوں کی ناشکری پر اتر آتا ہے تو ظالم قرار پاتا ہے اور ظالموں پر قرآن کریم میں لعنت مذکور ہے، چنانچہ حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اذا كفر نعمة مولاه فقد صار ظالماً، وقد قال الله تعالىٰ اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ (هود ١٨)

یعنی جب وہ اپنے مولیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتا ہے تو وہ ظالم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: {خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے}۔[1982]

اور لعنت کا معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے، احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں نسب بدلنے والے کے لئے قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت متتابعہ مذکور ہے تو لعنت جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی تو معنی ہوگا کہ وہ اس بندے کو رحمت سے دور فرمادیتا ہے، اور اسی طرح فرشتوں اور انسانوں کی لعنت بھی مذکور ہے، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ اس شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جیسا کہ ظاہر حدیث میں ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ فرشتے چونکہ اہلِ ایمان کے لئے استغفار کرتے ہیں، بندہ جب اس جرم کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اس پر نادم و پشیمان ہو کر توبہ نہیں کرتا تو وہ

[1981] (شرح ابن بطال، کتاب الفرائض، باب من ادّعی الی غیر أبیه الخ، ۸/۳۸۳)

[1982] (عارضة الأحوذی، کتاب الولاء، باب ماجاء فیمن تولی غیر موالیه، ۴، ۲۱۲۷/۸/۲۱۹)

فرشتے اس کے لئے استغفار ترک کر دیتے ہیں اور اسی طرح انسانوں کی لعنت میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ انسان اس کام کو قبیح گر دانتے ہوئے مرتکب کو چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابو بکر ابن العربی لکھتے ہیں:

واللعنة هی الطرد، فیکون المراد کما تقدم فی وقت أو حالٍ أو شخصٍ أو علی صفةٍ، وأما لعنة الملائکة فانهم کانوا یستغفرون له، فقطعهم الاستغفار ابعاد له عنهم، ویجوز أن یحمل علی ظاهره فیلعنونه، وأما لعنة الناس فهجر انهم،أو اطلاق اللعن له علی ظاهر الحدیث۔

یعنی اور لعنت دور کرنا ہے، دھتکارنا ہے جیسا کہ پہلے گزرا مراد ہو گی کسی وقت یا کسی حال میں یا کسی صفت پر (دور کرنا یا دھتکارنا) اور ملائکہ کی لعنت یہ ہے کہ وہ اس کے لئے استغفار کرتے ہیں تو فرشتے اس شخص کی (اس ممنوع فعل کے ارتکاب کے ذریعے) ان سے دوری کے سبب اس کے لئے استغفار قطع کر دیتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس لعنت کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے کہا جائے کہ وہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں، اور لوگوں کی لعنت اُن کا اس شخص کو چھوڑنا ہے یا ظاہر حدیث کی بنا پر اس کے لئے لعنت کا اطلاق (یعنی لوگ اُن پر لعنت کرتے ہیں)۔[1983]

نسب بدلنے والے پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے روایت کیا کہ:

عن سهل بن معاذ عن أبیه عن النبی ﷺ أنّه قال: انّ اللہ تبارک و تعالیٰ عباداً لا یکلّمهم اللہ یوم القیامة، ولا یزکّیهم ولا ینظر الیهم۔" قیل: من أولٰئک یا رسول اللہ؟ قال: متبر من والدیه، راغبٌ عنهما، ومتبر من ولده، ورجل أنعم علیه قومٌ فکفر نعمتهم وتبرّ امنهم۔

[1983](عارضة الأحوذی، کتاب الولاء، باب ماجاء فیمن تولی غیر موالیه، ۴،۲۱۲۷/۸/۲۱۹)

یعنی سہل بن معاذ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں پاک فرمائے گا اور نہ ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا۔“ عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا: ”اپنے والدین سے برأت کا اظہار کرنے والا، ان سے اعراض کرنے والا اور اپنی اولاد سے برأت کا اظہار کرنے والا اور وہ شخص جس پر کسی قوم نے انعام کیا پس اس نے ان کی نعمت کی ناشکری کی اور ان سے برأت کا اظہار کیا“۔[1984]

اس حدیث شریف کو امام ابو القاسم طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے بھی ”المعجم الکبیر“ میں یحییٰ بن ایوب کلاھما عن زبان ان فائدۃ وبھذا الاسناد کے طریق سے روایت کیا ہے۔[1985]

اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کرنا، حقیقی باپ سے برأت اور اس سے اعراض ہے، اسی طرح نسب بدلنا اپنے آباء سے برأت اور ان سے اعراض ہے اور حدیث شریف میں برأت اور اعراض سے منع کیا گیا اور ارتکاب کرنے والوں کے لئے یہ وعیدیں بیان کی گئیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے گا اور نہ انہیں ستھرا رکھے گا اور نہ ان پر نظرِ رحمت فرمائے گا۔

اوراس میں بھی وہی تاویلیں ہیں جو پہلے ذکر کی جاچکیں کہ اگر کوئی شخص اس برأت واعراض کے حرام ہونے کا علم رکھتے ہوئے اسے حلال جانتا ہے تو حدیث شریف اپنے ظاہر پر رہے گی اور اگر حلال نہیں جانتا تو یہ کلمات صرف اس حرام فعل کے مرتکب کے لئے بطور تغلیظ وزجر وارد ہوئے۔

اور علمائے کرام نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام نہ فرمانا شدتِ غضب سے کنایہ ہے۔

چنانچہ علامہ ابو الحسن سندھی لکھتے ہیں:

[1984] (المسند ۳/۴۴۰)

[1985] (المعجم الکبیر ۱۹۵/۲۰، برقم: ۴۳۷ وقال فیہ: عن سھل بن معاذ بن أنس عن أبیہ)

قولہ: لا یکلّمھم اللہ: کنایۃ عن شدّۃ الغضب۔

اور انہیں ستھرا نہیں کرے گا" کا مطلب ہے کہ انہیں گناہوں کے میل سے پاک نہیں کرے گا اور ان کی طرف نہیں دیکھے گا کا مطلب ہے کہ نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا ورنہ کوئی بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔[1986]

نسب بدلنا بہت بڑا بہتان ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

عبد الواحد بن عبد اللہ النّصری قال: سمعت واثلۃ بن الأسقع یقول: قال رسول اللہ ﷺ: انّ من أعظم الفری أن یدّعی الرّجل الیٰ غیر أبیہ الخ۔

یعنی، عبد الواحد بن عبد اللہ النصری نے بیان کیا کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی نسبت اپنے والد کے غیر کی طرف کرے۔

اور وہ اس طرح کہ اس سے بڑا بہتان اور کیا ہو گا کہ آدمی اپنے خالق پر بہتان باندھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جس کے نطفے سے پیدا فرمایا وہ کہتا ہے کہ نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا کیا ہے، اسی طرح اپنے باپ پر بھی بہتان ہے کہ میں تیرے نہیں فلاں کے نطفے سے پیدا ہوا ہوں، اسی طرح ماں پر بھی یہ عظیم بہتان ہے۔[1987]

ذکر کردہ احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وعیدیں

[1986] (تحقیق مسند امام احمد، ۲۴/ ۳۹۸)

[1987] (صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب بعد باب نسبۃ الیمن الی اسماعیل علیہ السلام، برقم: ۳۵۰۹، ۲/ ۴۱۶، ۴۱۷)

علماء اسلام نے ارشاداتِ نبویہ علیہ التحیۃ والثناء میں وارد کلمات کی جو توجیہات و تاویلات اور ان میں پائے جانے والے احتمالات ذکر کئے وہ اپنی جگہ درست ہیں، اس میں کوئی کلام نہیں ہے لیکن ایک مسلمان کو چاہیئے کہ وہ نسب بدلنے والوں، غیر آباء کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں کے لئے حضور نبی کریم ﷺ نے جو وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں انہیں مدنظر رکھے، اور اس قبیح و شنیع عمل کی گرد سے بھی اپنے آپ کو بچائے اور ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ بہت بڑا بہتان ہے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

۲۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا۔

۳۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں پاک نہیں فرمائے گا۔

۴۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔

۵۔ اس پر جنت حرام ہے۔ جیسا کہ امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، اور احمد نے اسے حضرت سعد بن أبی وقاص اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۶۔ وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ نے اسے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

۷۔ اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے اسے حضرت انس بن مالک اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۸۔ اس پر خود اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ جیسا کہ امام مسلم، ترمذی، ابن ماجہ نے اسے حضرت علی المرتضیٰ، ابن عباس اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۹۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض قبول نہیں فرمائے گا اور نہ نفل۔ جیسا کہ امام مسلم، ترمذی اور طبرانی نے اسے حضرت علی المرتضیٰ اور عمر بن خارجہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۰۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ امام مسلم اور امام احمد نے اسے حضرت ابو ذرّ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۱۔ وہ کافر ہو جائے گا۔ جیسا کہ امام بخاری، مسلم، ابو داؤد اور احمد نے اسے حضرت ابو ذرّ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

۱۲۔ نسب کا انکار کفر ہے۔ جیسا کہ امام ابن ماجہ، احمد، طبرانی اور ابن عدی نے اسے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۳۔ آدمی کا ایسے نسب کی طرف اپنی نسبت کرنا جو معروف نہیں، کفر ہے۔

۱۴۔ ایسے نسب کی طرف نسبت کرنا جو معروف نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی، ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۵۔ نسب سے برأت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی، براز اور ابن الجعد نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۶۔ نسب کی نفی کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جیسا کہ امام طبرانی نے اسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

۱۷۔ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔ جیسا کہ امام بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابو ذرّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

حکم

علماء اسلام نے قرآن کریم کی آیت اور حضور ﷺ کے ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے نسب بدلنے کو غیر باپ کی طرف اپنی نسبت کرنے کو حرام و گُناہ لکھا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

شارح بخاری شیخ الاسلام علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ "صحیح البخاری" کی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وفی الحدیث تحریم الانتفاء النسب المعروف، و الادعاء الی غیرہ۔

یعنی اور حدیث شریف میں معروف نسب کی نفی اور اپنے آپ کو حقیقی باپ کے غیر کی طرف منسوب کرنے کا حرام ہونا مذکور ہے۔[1988]

شارح بخاری علامہ شریف الحق امجدی لکھتے ہیں: جان بوجھ کر نسب کو بدلنا حرام و گناہ ہے یہاں تک کہ اس حدیث میں اسے کفر تک فرمایا گیا ہے، نسب بدلنے کی دو صورتیں ہیں ایک نفی یعنی اپنے باپ کے نسب سے انکار کرنا، دوسرے اثبات یعنی جو باپ نہیں اسے اپنا باپ بتانا دونوں حرام ہیں جیسا

[1988] (عمدۃ القاری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸، ۲۵۹/۱۱)(فتح الباری، کتاب المناقب، باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیه السلام، برقم: ۳۵۰۸،۸، ۶۷۰/۶/۳۵۰۸)(صحیح البخاری، برقم: ۳۵۰۸)

کہ آج کل رواج پڑ گیا ہے بڑی آسانی سے لوگ اپنے آپ کو سید کہنے اور کہلانے لگتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ سید نہیں غالباً یہ بیماری پہلے بھی رائج تھی۔[1989]

اور امام جمال الدین عبد الرحمن بن علی ابن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے اپنے ایک رسالہ میں والدین سے اعراض اور غیر باپ کی طرف نسبت کو گناہ قرار دیا اور مسند امام احمد اور صحیحین سے احادیث نبویہ علیہ التحیۃ والثناء ذکر کی ہے۔[1990]

اور امام ذہبی نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جیسا کہ ان کی کتاب "الکبائر" میں ہے۔

اور علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے بھی اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔[1991]

اہلِ بیتِ اطہار

اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین روئے زمین پر سب سے بہترین مخلوق ہیں کیونکہ ان ہی کے بارے میں آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ تواتر سے ملتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی کو دور رکھے، نبی اکرم ﷺ کے گھر والو! اور تم کو پاک وصاف فرمادے، جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

"مسند" اور "معجم کبیر" میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، "نزلت ھٰذہ الأیة: فی خمسةٍ: النبیّ ﷺ وعلیّ رضی اللہ عنہ وفاطمة رضی اللہ عنہا والحسن رضی اللہ عنہ والحسین رضی اللہ عنہ" یعنی یہ آیۂ مبارکہ پانچ شخصیات کے لئے نازل ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ

[1989] (نزھة القاری شرح صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث: ۱۸۵۳، ۱۹/۷)

[1990] (بر الوالدین وصلة الرحم، فصل فیمن تبرأمن والدیه الخ، وفصل اثم من ادّعی الی غیر أبیه، ص ۶۱، ۶۲)

[1991] (الزواجر عن اقتراف الکبائر، الکبیرة الثانیة والثالثة والتسعون بعد المائتین ۹۹/۲، ۱۰۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔

شرفِ انفرادی تطہیر

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ:

"خرج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات غداۃ وعلیہ مرط مرحل من شعر اسود، فجاء الحسن رضی اللہ عنہ فادخلہ ثم جاء الحسین رضی اللہ عنہ فادخلہ ثم جائت فاطمۃ رضی اللہ عنہا فادخلہا ثم جاء علی رضی اللہ عنہ فادخلہ ثم قال: {اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا}

ایک دن نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اُونی دھاری دار چادر اوڑھے صبح کے وقت باہر تشریف لائے اس اثناء میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو چادر میں داخل کر دیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل کر دیا، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمادیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان کو بھی چادر میں داخل فرمانے کے بعد آیت مذکورہ تلاوت فرمائی۔

خاص اہلِ بیتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

"سنن ترمذی" میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اپنی چادر مبارک میں ڈھانپ کر فرمایا "اللّھمّ ھؤلآء اھل بیتی و حامتی - ای خاصتی - اذھب عنھم الرّجس و طھرھم تطھیراً۔ (اے اللہ! یہ میرے "خاص اہل بیت" ہیں ان سے آلودگی کو دور فرما کر ان کو پاک وصاف فرمادے)۔ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں ان کے ساتھ ہوں

جس پر آپ ﷺ نے فرمایا بے شک تو خیر پر ہے۔ اس سے مراد ہے "انت من ازواج النبی ﷺ" کہ تو تو نبی ﷺ کے گھر والی ہے۔ {ازواج اور اولاد کی مجموعی صورت ہی کو اہلِ بیت کہا جاتا ہے}

یہ میرے اہلِ بیت ہیں!

"سنن ترمذی" میں حضرت ابن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جس وقت آپ ﷺ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو بلوایا اور ان کو چادر میں ڈھانپ کر فرمایا: "اللھمّ ھؤلاء اھلُ بیتی فاذھب عنھم الرِّجسَ و طھّرھم تطھیرا۔ کہ یا رسول اللہ ﷺ میں ان کے ساتھ ہوں؟ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تیرا اپنا ایک مقام و مرتبہ ہے اور تو نیکی اور بھلائی پر ہے۔"

"مسلم" اور "ترمذی" میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب "آیتِ مباھلہ" سورۃ آل عمران، آیت ۶۱ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور فرمایا "اَللّٰھمّ ھٰؤُلاءِ اَھلِی" اے اللہ! یہ میرے اہل (گھر والے) ہیں۔"

اھلُ بیتی حقّاً

"مستدرک" میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے آپ رضی اللہ عنہ کے درِ اقدس پر حاضر ہوا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ میں وہیں بیٹھ

کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی دائیں ران پر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بائیں ران پر بٹھایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو سامنے بٹھا کر ان سب کو چادر یا اپنی عباء میں ڈھانپ کر آیتِ تطہیر تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا:

"اللھمّ ھؤُلاء اھل بیتی حقًّا" اے اللہ! یہ ہی میرے حقیقی اہلِ بیت ہیں۔"

"معالم العترۃ" اور "مسند امام احمد" میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز سیدۃ فاطمہ رضی اللہ عنہا صبح کے وقت ہنڈیا میں حلوہ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور خدمتِ اقدس میں حلوہ پیش فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ میرے چچا کے بیٹے (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کہاں ہیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ وہ گھر میں ہیں جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: فاذھبی فادعیہ وآتینی بنبیہ! کہ تم جاؤ، ان کو اور اپنے دونوں صاحبزادوں کو ساتھ لے کر میرے پاس آؤ۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سب کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں تشریف لائیں۔ آپ ﷺ نے ان سب پر خیبر سے لائی ہوئی چادر ڈال کر فرمایا" اے اللہ! یہ آلِ محمد ﷺ ہیں ان پر تو اپنا درود اور برکات بھیج جیسا کہ تو آلِ ابراہیم پر بھیجتا ہے، بے شک تو بڑی تعریف اور بزرگی والا ہے"۔

"المطالب العالیہ" اور "فتح الباری" میں حضرت ابی الحمراء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کے وقت ایک دروازے کی چوکھٹ پر تشریف لا کر فرماتے "السلام علیک یا اھل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پھر فرماتے "الصلاۃ رحمکم اللہ" یعنی نماز کا وقت ہے، اللہ آپ پر

رحم فرمائے۔ پوچھا گیا کہ اس گھر میں کون ہے؟ فرمایا حضرت علی، سیدہ فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم۔

مصداقِ آیتِ تطہیر

"ضحاک" فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا اے اللہ کے نبی ﷺ ! ہم آپ کے اہل ہیں کہ جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ناپاکی کو طہارت میں تبدیل فرمادیا ہے؟ جس پر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ آدمی کی بیوی ہی پیار و محبت میں سب سے زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔ "والذی خصّ اللہ نبیّا، لقد خصّ اللہ بھذہ الأیة: فاطمة وزینب ورقیّة وامّ کلثوم وعلیّا والحسن والحسین وجعفراً و ازواج محمّد ﷺ خاصة واقرباء ہ۔ جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیۃ مبارکہ ان سے مخصوص فرمائی ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حَسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، نبی کریم ﷺ کی ازواج مبارکہ رضی اللہ عنہن اور ان کے اقارب۔

تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا کے بعد جب شام تشریف لائے تو شام کے ایک شخص سے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تو نے سورۃ الاحزاب کی یہ آیت (اِنّما یرید اللہ۔۔۔) نہیں پڑھی، جس پر اس شخص نے سوال کیا کہ کیا آپ ہی وہ شخصیات ہیں؟ جواب میں حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! ہم ہی اس آیتِ مبارکہ کے مصداق ہیں۔

اہلِ بیتِ نسب

"صحیح مسلم" میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا اہل بیت میں آپ ﷺ کی ازواجِ مبارکہ بھی شامل ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ نبی پاک ﷺ کی ازواج بھی اہل بیت ہیں، لیکن وہ اہل بیتِ نسب نہیں ہیں۔ وانما اهل بيت نسبه من حرم الصدقة اور اہل بیت نسب وہی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں "هم آل علي وآل جعفر و آل عقيل" کہ اولادِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، اولادِ جعفر رضی اللہ عنہ اور اولادِ عقیل رضی اللہ عنہ۔

اہل بیت کی فضیلت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے اس قول مبارک سے آسانی سے لگایا جاسکتا ہے کہ "اللّهمّ انّهم منّي و انا منهم" اے اللہ! یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبردار! آگاہ رہو کہ جس نے میرے قرابت داروں کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔

فضیلتِ بنو قریش و بنو ھاشم

حضرت سعد بن سہل الساعدی سے مرفوع حدیث روایت ہے کہ "احبّوا قريشاً، فانّ من احبّهم احبّه الله" قریش سے محبت کرو، جو ان سے محبت کرے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائے گا۔

"صحیح مسلم" میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان الله اصطفیٰ كنانه من بني اسماعيل و اصطفیٰ من بني كنانه قريشاً و اصطفٰی من قريش بني هاشم و اصطفاني من بني هاشم" تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسماعیل میں سے کنانہ

کو منتخب فرمایا اور بنی کنانہ سے قریش کو پسند فرمایا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔

مسلم، ترمذی، ابو حاتم، اور حمزہ السہمی نے فضائل العباس میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تحقیق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولادِ آدم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پسند فرما کر ان کو اپنا دوست بنایا، پھر اولادِ ابراہیم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب فرمایا، پھر اولادِ اسماعیل علیہ السلام سے نزار کو پسند فرمایا، پھر نزار سے مضر اور مضر سے کنانہ اور کنانہ سے قریش کو چنا، پھر قریش سے بنی ھاشم اور بنی ھاشم سے عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا اور پھر اولاد عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے مجھے منتخب فرمایا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ و بارک و سلم۔

صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۵ پر بنی ھاشم کی دوسری فضیلت سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے کہ قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو تلپٹ کیا فلم اجد رجلا افضل من محمد ﷺ لیکن مجھے محمد ﷺ سے افضل کوئی شخصیت نہیں ملی۔ و قلبت الارض مشارقھا و مغاربھا کہ میں نے زمین کا مشرق و مغرب چھان ڈالا لیکن میں نے بنو ہاشم سے افضل کسی کو نہ پایا۔

اہلِ بیتِ کرام سے احسان کا صلہ

دیلمی نے الفردوس میں حدیثِ نبوی ﷺ نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص میرے وسیلے سے روزِ قیامت شفاعت کا طلبگار ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ میری اہلِ بیت سے تعلق رکھے اور انہیں خوشیاں بہم پہنچائے۔"

"ذخائر العقبیٰ" میں حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے جس میں انہوں نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "کیا تمہیں معلوم نہیں؟ بنی ہاشم کی عیادت فرض ہے اور ان کی زیارت نفل کا درجہ رکھتی ہے"۔

زیارتِ بنی ھاشم کی فضیلت

دار قطنی نے الفضائل میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "ہمارے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کو چلو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ بنی ہاشم کی عیادت فرض میں اور ان کی زیارت نوافل میں شمار ہوتی ہے"۔

طبرانی نے الاوسط میں حدیث حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نقل کی ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جس کسی نے حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد کے کسی بھی فرد سے نیکی کا ہاتھ بڑھایا اور وہ شخص اس نیکی کا بدلہ ادا نہ کر سکا، تو اس کا بدلہ میرے ذمے ہے، کل جب وہ مجھے ملے گا تو میں ادا کروں گا"۔

ایک علوی عورت کی خدمت کا صلہ

"تذکرہ خواص الامہ فی معرفۃ الائمۃ" میں "سبط ابن الجوزی" نے حضرت عبد اللہ ابن المبارک رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے کہ آپ ایک سال حج ادا کیا کرتے اور ایک سال جہاد میں شرکت فرمایا کرتے، سالِ حج میں انہوں نے پانچ سو دینار نکالے اور کوفہ میں اونٹوں کی خریداری کے لئے چل پڑے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ جو گندگی کے ڈھیر سے ایک مردہ بطخ کو صاف کر رہی ہے، میں اس کے قریب گیا اور مردہ بطخ کو صاف کرنے کی وجہ

دریافت کی، جس پر اس عورت نے جواب دیا کہ اے عبد اللہ! تو مجھ سے ایسی بات کے متعلق پوچھ رہا ہے جس کا تجھ سے کوئی تعلق نہیں، حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں اچانک ایک خیال گزرا اور حقیقت حال کا پتہ لگانے کے لئے میں نے دوبارہ اصرار کیا، جس پر اس عورت نے کہا کہ اے عبد اللہ تونے مجھے اتنا مجبور کر دیا ہے کہ اب میں تجھے اصل صورتحال سے آگاہ کرتی ہوں: انا امرأة علوية ولی اربع بنات یتامیٰ مات ابوھنّ من قریب، کہ میں ایک علوی خاتون ہوں میری چار یتیم بچیاں ہیں ان کا باپ کچھ عرصہ قبل انتقال کر گیا ہے۔ اور آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے کچھ نہیں کھایا اور یقیناً اب ہم پر مردار بھی حلال ہو گیا ہے، اس لئے اب اس بطخ کو صاف کر کے اپنی بچیوں کے کھانے کے لئے لے جارہی ہوں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے دل میں کہا "ویحک یا ابن المبارک" کہ اے ابن مبارک، حیف ہے تجھ پر، یہ سب کچھ کیا ہے؟ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے دل سے حج ادا کرنے کی خواہش جاتی رہی اور میں نے مذکورہ رقم اس پریشان خاندان کے حوالہ کر دی۔ زمانۂ حج گزر گیا اور لوگ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آنا شروع ہو گئے۔ میں جس حاجی کو بھی حج کی مبارک باد دیتا تو وہ جواباً مجھے بھی حج کی مبارک باد پیش کرتا اور کہتا کہ ہم نے آپ سے فلاں مقام پر ملاقات کی ہے، اور ہم فلاں مقام پر آپ سے ملے تھے، حتیٰ کہ بے شمار لوگوں نے مجھے اس قسم کی باتیں بتائیں کہ میں اس بارے میں بہت زیادہ متفکر ہو گیا۔ فرأیت رسول اللہ ﷺ فی المنام، وھو یقول: یا عبد اللہ، لا تعجب فانک اغثت ملھوفةً من ولدی، فسألت اللہ ان یخلق علیٰ صورتک ملکاً یحج عنک کل عامٍ الیٰ یوم القیامة، فان شئت ان تحج، و ان شئت لا تحج۔ تو خواب میں مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور آپ ﷺ مجھ سے فرمارہے ہیں کہ اے عبد اللہ! تو اس بات پر تعجب نہ کر، تو نے میری اولاد کی ایک حاجت مند خاتون کی مدد کی، تو میں نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ تیری شکل و صورت کا ایک فرشتہ

پیدا کر دے جو قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کرتا رہے، اب تو حج ادا کر یا نہ کر یہ تیری مرضی ہے۔

جامع کرامات اولیاء از علامہ محمد یوسف اسماعیل النبھانی رضی اللہ عنہ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہ کا شمار اکابر مجتہدین میں ہوتا ہے، آپ بہت بڑے امام اور عارفین میں عظیم شخصیت ہو گزرے ہیں۔ حضرت یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت اپنی دونوں آنکھیں کھولیں، پھر ہنسے اور کہا **لمثل ھٰذا فلیعمل العاملون** کہ کام کرنے والوں کو ایسے ہی کام کرنے چاہئیں۔

ایک علوی خاتون سے نیکی پر مجوسی کو زیارتِ رسول ﷺ اور جنت میں محل

ابو الفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب الملتقط میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک علوی بزرگ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شہر بلخ میں مقیم تھے۔ کچھ عرصہ بعد اس علوی بزرگ کا انتقال ہو گیا اور ان کی خاتون دشمنوں کے خوف سے اپنی بچیوں کو ساتھ لے کر شدید سردی کی حالت میں سمرقند چلی گئیں۔ بچیوں کو مسجد میں چھوڑا اور خود ان کے کھانے کی تلاش میں باہر نکلیں، وہ خاتون بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک بزرگ شخص کے ارد گرد جمع ہیں، میں نے اس شخص کے بارے میں لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں، تو مجھے بتایا گیا کہ "**ھٰذا شیخ البلد**" کہ یہ شہر کے بڑے بزرگ آدمی ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی، اپنی ساری داستانِ غم سنائی جس پر انہوں نے کہا "**اقیمی عندی البیّنہ انک علویۃ**" تو مجھے اس بات کا ثبوت فراہم کر کہ تو علویہ (خاندانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہے۔ اس نے میری کوئی بات نہ سنی اور میں مایوس ہو کر واپس مسجد کی طرف چل پڑی تو راستے میں دیکھا کہ ایک اور بڑے آدمی چبوترے پر بیٹھے ہیں، اور ان کے گرد بھی ایک جماعت

بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا "ھذا ضامن البلد" کہ یہ شہر کا ذمہ دار آدمی ہے اور مجوسی ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ شاید اس شخص کے ہاں میری مشکل کا حل نکل آئے، میں آگے بڑھی اور اپنی داستانِ غم اسے بھی سنا دی اور "شیخ البلد" سے بھی اپنی ملاقات کا ذکر کر دیا، مجوسی نے فوراً اپنے ملازم کو بلایا اور کہا کہ جا کر اپنی مالکن کو پیغام دو کہ فوراً تیار ہو کر باہر آئے۔ کچھ ہی دیر میں اس مجوسی کی بیوی تیار ہو کر اپنی کنیزوں کے ہمراہ باہر آگئی، مجوسی نے اسے کہا کہ اس خاتون کے ہمراہ فلاں مسجد میں جاؤ اور ان کی بچیوں کو گھر لے کر آؤ۔ علوی خاتون بیان کرتی ہیں کہ مجوسی کی بیوی میرے ساتھ چلی اور بچیوں کو اپنے گھر لے آئی، ہمارے لئے بہترین رہائش کا انتظام کیا، قیمتی لباس پہنائے اور مختلف قسم کے کھانوں سے ہماری تواضع کی۔ ہم نے انتہائی آرام و سکون کے ساتھ رات گزاری۔ آدھی رات کے وقت اس مسلمان "شیخ البلد" نے ایک خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہو چکی ہے اور سرکار ﷺ تاجِ شفاعت پہنے ہوئے ہیں۔ ایک سبز زمرد کا محل بھی اس نے دیکھا، جس پر "شیخ البلد" نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ جواب ملا یہ ایک مسلمان کا محل ہے۔ "شیخ البلد" رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا تو آپ ﷺ نے اس سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جس پر اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھ سے اپنا رخِ انور موڑ لیا جب کہ میں مسلمان ہوں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: "اقم البینۃ عندی انک مسلم" کہ تو اپنے مسلمان ہونے پر دلیل دے۔ وہ شخص حیران و پریشان ہو گیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے کہا کہ کیا اب تو وہ بات بھول گیا ہے جو تو نے اس علوی خاتون سے کہی تھی؟ وہ علوی خاتون اپنی بچیوں کے ہمراہ جس شخص کے گھر میں اب قیام پذیر ہیں، یہ اس شخص کا محل ہے۔ وہ شخص پریشانی کے عالم میں خواب سے بیدار ہوا، روتا ہوا اور اپنے منہ پر تھپڑ مارتا ہوا اس علوی خاتون کی

تلاش کے لئے باہر نکل آیا۔ اسے پتہ چلا کہ وہ خاتون اس مجوسی کے ہاں قیام پذیر ہیں، وہ اس مجوسی کے پاس آیا اور اس علوی خاندان کے بارے میں پوچھا جس پر مجوسی نے جواب دیا کہ وہ میرے پاس مقیم ہیں۔ اس نے کہا کہ انہیں میرے ساتھ بھیج دو، مجوسی نے جواب دیا کہ اب یہ ناممکن ہے۔ "شیخ البلد" نے اس مجوسی سے کہا کہ یہ ہزار دینار ہیں ان کے بدلے اس خاندان کو میرے ساتھ کر دو۔ مجوسی نے جواب دیا "لا واللہ ولا بمائۃ الف" کہ نہیں خدا کی قسم! اگر تو ایک لاکھ دینار بھی دے تو اب یہ ممکن نہیں! "شیخ البلد" نے جب زیادہ منت سماجت شروع کر دی تو اس مجوسی نے کہا کہ جو خواب تونے دیکھا ہے، وہ خواب میں نے بھی دیکھا ہے، اور جس محل کا تونے نظارہ کیا ہے تو میرے ہی لئے تیار کیا گیا ہے، اور اگر تو اپنے مسلمان ہونے پر نازاں ہے تو پھر سن لے، خدا کی قسم! میں اور میرے اہل خانہ رات کو اس وقت تک نہ سوئے کہ جب تک ہم سب نے اس علوی خاتون کے دستِ مبارکہ پر اسلام قبول نہیں کر لیا اور اب ہم پر اسلام کی برکات کا نزول بھی شروع ہو گیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بھی شرف حاصل کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: القصر لک و لاھلک بما فعلت مع العلویۃ و انتم من اھل الجنۃ خلقکم اللہ مؤمنین فی القدم، یعنی یہ محل تیرے اور تیرے اہل خانہ کے لئے ہے اور یہ اس نیکی کا بدلہ ہے جو تونے اس علوی خاتون کے ساتھ کی اور تم اہل جنت میں سے ہو کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم سب کو بہت پہلے سے مسلمان پیدا کیا تھا۔

امیر تیمور کو اہل بیت سے محبت کا صلہ

"بلخی" نے "ینابیح المودۃ" اور "صواعق محرقۃ" میں نقل کیا ہے کہ امیر تیمور کی وفات کے بعد قرآ حضرات اس کی قبر پر تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک قاری صاحب بیان کرتے ہیں

کہ جب قرأ حضرات کی جماعت کے ساتھ اس کی قبر پر آتا تو قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا اور جب کبھی اکیلا قبر پر آتا تو سورۃ الحاقۃ کی آیت ۳۰ اور ۳۱ تلاوت کیا کرتا: "پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔" اور یہ آیات میں اکثر تلاوت کیا کرتا، ایک رات جب میں سویا ہوا تھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف فرما ہیں اور پہلو میں امیر تیمور بھی بیٹھے ہوئے ہیں، قاری صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں ہی اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "الی ھنا یا عدوّ اللہ و صلت" کہ اے دشمن خدا! تو یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو رسول اللہ ﷺ سے دور کر دوں جس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعه فانّه کان یحبّ ذرّیتی! کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ وہ میری اولاد سے محبت کرتا تھا۔" میں خواب سے بیدار ہوا اور امیر تیمور کی قبر پر جو خلوت میں پڑھا کرتا تھا، اس کو ترک کر دیا۔

"صواعق محرقۃ" میں "الزین عبد الرحمن البغدادی الخلال" بیان کرتے ہیں کہ امیر تیمور کے کچھ وزراء نے انہیں بتایا کہ ایک مرتبہ امیر تیمور سخت بیمار ہوا، چند دن شدت اضطراب میں گزارنے کے بعد اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد خود ہی دوبارہ اس کا چہرہ ٹھیک ہو گیا، اس کی وجہ جب پوچھی گئی تو امیر تیمور نے خود بیان کیا کہ عذاب کے فرشتے میرے پاس آئے اور اسی دوران رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اس سے دور ہو جاؤ کیونکہ یہ شخص میری اولاد سے محبت اور ان سے احسان کیا کرتا تھا۔

نسب بدلنے کا شرعی حکم میں حضرت علامہ شیخ القرآن والحدیث مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کا مطالعہ کیجیئے۔ میں نے اس کتاب سے کچھ عبارات یہاں لکھ دی ہیں۔

فصل در بیان
فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعائیں کرنا

بعض علماء فرض نماز کے بعد لمبی لمبی دعا کرتے ہیں اور حالانکہ یہ مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے مسئلہ مذکورہ سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں ایک فرض تو وہ ہے کہ جس کے بعد سنن نہ ہوں اور دوسرا وہ ہے کہ جس کے بعد سنن ہوں مثلا ظہر، مغرب اور عشاء کی نمازیں۔ تو قسم اول فرض کے بعد متصل اوراد و تسبیحات اور دعا کرنا ثابت اور مسنون ہے۔

کما فی الاحادیث و الفقه۔ اور قسم ثانی فرض کے بعد عا کرنا اسی طرح تسبیحا ت پڑھنا مکروہ ہے اور اس مکروہ عمل کو اکثر مساجد میں کیا جاتا ہے کہ ان فرض نمازوں کے بعد جن کے بعد سنن ہوں لمبی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں (اماموں) نے اپنا مذہب اس مسئلے میں چھوڑا ہے۔ کیونکہ مذہب کی کتابوں میں ہے کہ:

و المختار عند الحنفية ان يشتغل بعد اداء المكتوبة بالسنة ويكره ان يشتغل بالدعاء و التسبيح۔[1992]

احناف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھیں دعا اور تسبیحات میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔

اسی طرح طحطاوی میں بھی فرض اور سنتوں کے درمیان دعا کی کراہت کے بارے میں لکھا ہے:

وعند الحنفية يكره المكث قاعدا يشتغل بالدعاء و الصلوة على النبى ﷺ قبل ان يصلى السنةاه۔[1993]

[1992] (عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۷ ۲ نقلاعن فتح الباری و القسطلانی ج ۲، ص ۶ ۳ ۲ ۶ باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم)

[1993] (قسطلانی باب یستقبل الامام الناس اذا اسلم ۲، ص ۶ ۳ ۱ نقال عن فتح الباری بحو اله اثبات الاغراض ص ۰ ۴ ۱)

احناف کے نزدیک سنتوں سے پہلے بیٹھ کر درود شریف میں مشغول ہونا مکروہ ہے۔

وفی قطب الارشاد ص ۲۵۲ ویستحب فی حق المقتدی والمنفرد وصل السنة بالمکتوبة الا ان الاستحباب فی حق الامام اشد حتی یؤدی تاخیرہ الی الکراھة روی ان جلوس الامام فی مصلاہ بعد الفراغ من الصلٰوۃ مستقبل القبلة بدعة۔

امام اور منفرد دونوں کے لئے مستحب یہ ہے کہ فرض سے متصل سنت پڑھیں اور یہ استحباب خاص کر امام کے حق میں زیادہ اشد ہے کہ اس کے لئے تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کو اپنے مصلّٰی (جائے نماز) پر قبلہ رو بیٹھنا مکروہ ہے۔ (بدعت ہے) بلکہ اللھم انت السلام الخ پڑھ کر فورا کھڑا ہونا ہے۔ ترمذی و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب حضور ﷺ سلام پھیرتے تو اللھم انت السلام الخ کی مقدار آرام فرماتے یہ نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ ان الفاظ سے دعا فرماتے اور یہ الفاظ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے:

قال الطحطاوی ص ۱۸۶ فی باب الاذکار اللھم انت السلام الخ لیس بدعاء بل ثناء۔

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں کہ اللھم انت السلام الخ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔ مولانا عبد المتین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد صلوات الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثة بعد الفراغ من السنة۔[1994]

احناف رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ فجر اور عصر میں فرض کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنت کے بعد دعا کرنا مستحب طریقہ ہے:

والقیام الی السنة متصلا بالفرض مسنون۔[1995]

[1994] (الرسائل الستة)

[1995] (نور الایضاح) طحطاوی مراقی الفلاح ص ۱۸۶)

فرض سے متصل سنت پڑھنا مسنون ہے یعنی اللھم انت السلام الخ سے زیادہ وقفہ نہیں کرنا چاہیئے۔

بحر الرائق ص ۱۳۷ باب صفة الصلوٰة میں ہے:

عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی ھو عقب الفراغ۔

ہمارے (احناف) کے نزدیک سنتوں کو اس دعا پر مقدم کرنا ہے جو نماز کے فارغ ہونے کے بعد مانگی جاتی ہے۔ قطب الارشاد ص ۲۵۲، شامی ص ۳۵۶ میں ہے۔ وہ نمازیں جن کے بعد سنتیں ہیں تو اس سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب سنن ادا کی جائے کیونکہ ان اوقات میں سنن موکدہ اور لازم ہیں اور فرض کے ساتھ ملحق ہیں اور فرض کے مکملات ہیں بالاتفاق جیسے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ آثار واخبار میں جو فرض کے بعد ادعیہ واذکار منقول ہیں تو وہ اس بات پر دلالت نہیں کرتے کہ یہ فرض کے بعد متصل پڑھی جائیں بلکہ مراد یہ ہے کہ سنتوں کے بعد پڑھی جائیں کیونکہ سنن فرض کیلئے مکمل ہیں اور اسی طرح ملحق وتابع ہیں اور یہ پہلے مذکور ہے کہ سنت فرض کے متصل پڑھی جائیں گی۔

فاسقنا (ذیل المدعا، ص ۱۸) اللہ تعالی ورسوله الاعلی اعلم بالصواب!

والظاھر ان الدعاء لیس بین السنة والفرض لان الفصل بین السنة والفرض بمازاد علی اللھم انت السلام مکروہ وقال العلامة الشامی فی ج ۱، ص ۴۷۷ وکذالو فصل بقرأة الاوراد لان السنة الفصل بمقدار اللھم انت السلام حتی لو زاد تقع سنته لا فی محلھا المسنون۔[1996]

علامہ موصوف آگے فرماتے ہیں:

فعلم من ھذا ان الدعاء بین الفرض والسنة مکروہ (البصائر ص ۱۲۳)۔

[1996] (البصائر ص ۱۲۳ لمولانا حمداللہ دیوبندی)

علامہ ابو عبد الرزاق محمد فاضل عتیق صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر دعائیں جو آپ ﷺ سے منقول ہیں اذکار کی شکل میں ہے۔ لیکن فرض نماز کے بعد سنتوں سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا اس کا ثبوت نہ تو آپ ﷺ سے مروی ہے اور نہ صحابہ کرام سے اور نہ فقہ حنفی کی کسی معتمد کتاب میں اس کی مثال موجود ہے۔ اور پھر خاص کر اس پر دوام کرنا تو یہ بدعت ہے۔ ابن تیمیہ نے بھی اس کی بدعت ہونے کے بارے میں یوں فتویٰ دیا:

مسئلة: اذا دعا الامام و الماموم عقیب صلوة الفرض جائز ام لا؟ الجواب: دعاء الامام و المأمومين جميعا عقيب الصلوة فهو بدعة لم يكن على عهد النبی ﷺ۔[1997]

عن مجاهد قال قال عمر رضی اللہ عنه جلوس الامام بعد التسليم بدعة۔[1998]

فاما فی صلوة الظهر و المغرب و العشاء يكره له المكث قاعدا لانه مندوب الى التنفل بعد هذه الصلوة و السنن لجبر نقصان ما يمكن فی الفرائض فيشتغل بها و كراهية القعود فی مكانه مروی عن علی و عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنهم۔[1999]

قال قال العلامة ملک العلماء علاؤ الدين ابو بكر بن مسعود كاسانی حنفی و ان كانت صلوة بعدها سنة يكره له المكث قاعدا و كراهية المكث مروية عن الصحابة روی عن ابی بكر و عمر و انهما كانا اذا فرغا من الصلوة قاما كانهما على الرضف۔[2000]

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے بھی یہ تھی کہ فرض کے بعد اللهم انت السلام الخ سے زیادہ بیٹھنا اور سنت مؤخر کرنا مکروہ ہے۔

[1997](زاد المعاد ج ۱، ص ٦٦، الفتاوی الکبری لابن تیمیه ج ۱، ص ۲۱۹، طبع لبنان بیروت، مخزن الدلائل ص ۵۸)

[1998](بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱۵۹، مصنف ابن ابی شیبه ج ۱، ص ۳۰۲، مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۱۳۸)

[1999](مبسوط سرخسی ج ۱، ص ۳۸، طبع کراتشی)

[2000](بدائع الصنائع ج ۱، ص ۱٦۰)

امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قلت اریت الامام اذا فرغ من صلوٰۃ ان یقعد فی مکانہ الذی یصلی فیہ او یقوم قال اذا کانت صلوٰۃ الظھر او المغرب او العشاء فانی اکرہ لہ ان یقعد فی مقعدہ حین یسلم احب الی ان یقوم و اما الفجر و العصر ان شاء قام و ان شاء قعد۔[2001]

عبد الرحمن (جزری) فرماتے ہیں:

الحنفیۃ قالوا یکرہ تنزیھا ان یفصل بین الصلوٰۃ و السنۃ الا بمقدار اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔[2002]

صاحب کبیری فرماتے ہیں:

ویکرہ للمصلی ان یمکث فی مکانہ الذی صلی فیہ بعد ما سلم فی صلوٰۃ بعدھا سنۃ کالظھر و الجمعۃ و المغرب و العشاء الا قدر ما یقول اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال و الاکرام۔[2003]

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ فرماتے ہیں:

ویکرہ الدعاء عند الختم بجماعۃ بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔[2004]

علامہ عبد المتین قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صاحب فتح القدیر نے قسطلانی ص۱۳۷ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

واستنبط من مجموع الادلۃ ان الامام لہ احوال لان الصلوۃ اما ان تکون مما یتنفل بعدھا او لا فان کان الاول ھل یشتغل قبل التنفل بالذکر الماثور ثم یتنفل و بذاک اخذ الاکثرون

[2001] (کتاب الاصول المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۱۷)
[2002] (الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۱، ص ۳۳۰)
[2003] (کبیری شرح منیہ ص ۳۱۹)
[2004] (خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۱۰۵)

وعند الحنفية يكره المكث قاعدا يشتغل بالدعاء والصلوٰة على النبی ﷺ قبل ان يصلی السدالخ۔[2005]

علامہ سبحان الدین کوکاروی فرماتے ہیں کہ بحر الرائق ج ۲، ص ۴۹ میں ہے:

القيام الى السنة متصلا بالفرض مسنون وكان النبی ﷺ اذا سلم لم يمكث الا مقدار اللهم انت السلام الخ۔

اسی طرح مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

واما عندنا فلما ورد من اتصال السنن بالفرائض الخ۔[2006]

مولوی زکریا لکھتے ہیں:

والسنة ماتؤدى متصلا بالمكتوبة۔[2007]

صاحب کبیری لکھتے ہیں:

فان كان بعد المكتوبة تطوع يقوم الى التطوع بلا فصل الا مقدار ان يقول اللهم انت السلام الخ ويكره تاخير السنة عن حال اداء الفريضة باكثر من نحو ذالک المقدار لماروى مسلم عن عائشة (کبیری ص ۳۵۵) وقال صاحب الدر المختار ويكره تاخير السنة الا مقدار اللهم انت السلام الخ قال صاحب رد المحتار فی ج ا ، ص ۳۹۱ قوله اللهم انت السلام الخ لما رواه مسلم والترمذی عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ لا يقعد الا بمقدار مايقول اللهم انت السلام الخ۔[2008]

[2005](الرسائل السته ص ۶۸)
[2006](الكوكب الدری ج ا، ص ۱۹۳)
[2007](الغابرج ا، ص ۱۹۳)
[2008](نفائس مطلوبه ص ۲۹)

مفتی اعظم صوبہ سرحد علامہ شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

قال فی الاختیار کل صلوٰۃ بعدھا سنۃ یکرہ القعود بعدھا والدعاء بل یشتغل بالسنۃ کیلا یفصل بین السنۃ والفرض اھ۔[2009]

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے فرمایا:

بعد الفریضۃ الاشتغال بالسنۃ اولی من الاشتغال بالدعاء۔[2010]

قسطلانی فرماتے ہیں:

وعند الحنفیۃ یکرہ لہ المکث قاعدا یشتغل بالدعاء لان القیام الی السنۃ بعد اداء الفریضۃ افضل من الدعاء والتسبیح والصلوٰۃ۔[2011]

شیخ الحدیث علامہ غازی محمد الغازی الحنفی دیوبندی لکھتے ہیں فرض وسنت کے درمیان دعاء واذکار پڑھنا مکروہ ہے۔ اور احناف کے نزدیک دلیل حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں:

ان المسنون عدم الفصل بین الفریضۃ والسنن الا قدر مایقول اللھم انت السلام کمافی حدیث عائشۃ عند مسلم والترمذی وھو الذی ذکرہ فی شرح الحاکم الشھید۔[2012]

علامہ غازی آگے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس مسئلے پر مزید تحقیق کرنا چاہتا ہے تو مندرجہ ذیل کتب مطالعہ کرے۔[2013]

[2009](ثم المراقی اذکار ص ۱۸۷ (اثبات الاغراض ص ۱۴۰)

[2010](خلاصۃ الفتاوی، ج ۱، ص ۹۵)

[2011](ارشاد الساری شرح البخاری، ج ۲، ص ۱۴۴۔ مقالات ص ۲۳)

[2012](فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۱۳)

[2013](طحطاوی ص ۱۷۰، ص ۱۷۱، شرح الکبیر ص ۳۴۲، لمعات ج ۳، ص ۴۰۹، ھکذا فی الفتاوی الھندیۃ والدر المختار مراقی الفلاح ص ۱۷۱، حاشیۃ الغرغشتوی ج ۱، ص ۹۴، نور الایضاح، الاشباہ والنظائر ص ۸۴، خلاصۃ الفتاوی ج ۱، ص ۹۵، منھاج السنن ج ۲، ص ۱۲۲، ردالمحتار ج ۱، ص ۴۹۴، بحر الرائق ج ۱، ص ۳۰۳)

علامہ غازی آگے لکھتے ہیں:

وکذاذکر فی عقائدالنسفیۃوالمختار عندالحنفیۃان یشتغل بعداداءالمکتوبۃبالسنۃ ویکرہ ان یشتغل بالدعاءوالتسبیح۔[2014]

مذکورہ کتاب کے حاشیہ پر علامہ عبدالہادی حقانی دیوبندی لکھتے ہیں:

وعند الحنفیۃ یکرہ المکث قاعدا ان یشتغل بالدعاء لان القیام الی السنۃ بعد اداء الفریضۃافضل من الدعاءوالتسبیح والصلوۃ۔[2015]

علامہ الزمان فرید عصر الحاج شائستہ گل علیہ الرحمہ نے مذکورہ مسئلے پر دو مستقل رسالے تصنیف فرمائے جن میں سے پہلا: کراھۃ الدعاء بین الفرض والسنۃ۔ اور دوسرا رسالہ بنام "توضیح المرام فی کراھۃ الدعاء بعد السلام" ہے، جن میں علامہ موصوف نے مسئلہ مذکورہ پر دلائل ظاہرہ باہرہ نقل فرمائے ہیں۔ علامہ عبدالجلیل صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: وقال فی الطحطاوی کل الصلوٰۃ بعدھا سنۃیکرہ القعود بعدھا والدعاء (تنبیہ الاخوان ص ۴) حضرت علامہ سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سنتوں میں فرض کے بعد تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ مگر اللھم انت السلام الخ کی مقدار تک یعنی اس مقدار بیٹھنا مکروہ نہیں ہے۔[2016]

اسی طرح علامہ موصوف فرماتے ہیں:

وفی شرح صدر الشہید ان القیام الی السنۃ متصلا بالفرض مسنون وفی تاتارخانی الاشتغال بالسنۃبعداداءالفرائض اولی من الاشتغال بالوردوان اخذبالدعاءیکرہ۔[2017]

[2014](معارف السنن، جامع الکمالات، مقالات غازی ص ۱۸، ۱۷)

[2015](ارشادالساری ج ۲، ص ۱۴۴۔ کمالات الحقانی علی مقالات الغازی ص ۱۷)

[2016](اعلام المؤمنین ص ۳۴)

[2017](شرح الیاس ص ۱۶۹، وایضافی فتح القدیر ص ۴۱۶ وحموی ص ۱۲۹، الجوھرۃالنیرۃ ص ۷۲، قسطلانی ج ۲، ص ۱۳۶، عینی البخاری ج ۳، ص ۱۸۹، کشف الغمہ ص ۹۰، عقائدسنیہ ص ۳۸، تنویر الایمان ص ۱۹۹)

اسی طرح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

اذا سلم الامام من الظهر او المغرب او العشاء کرهت له المکث قاعدا لكنه يقوم الى التطوع۔[2018]

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی کے دار العلوم مظہر العلوم سے شائع شدہ کتاب "السیف المبیر علی اتباع ملا فنجفیر" میں ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے۔

دلیل و المختار عند الحنفية ان يشتغل بعد اداء المكتوبة بالسنة ويكره ان يشتغل بالدعاء والتسبيح الخ۔[2019]

علامہ ظاہر شاہ قادری فرماتے ہیں سنن و فرائض کے درمیان دعا کرنا اس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

و کذالو فصل بقرأة الاوراد لان السنة الفصل بمقدار اللهم انت السلام حتى لو زاد تقع سنة لا فی محلها المسنون۔[2020]

عمدۃ القاری میں ہے:

والنص ان التاخير مكروه ج ۳، ص ۱۲۲۔

فتاوی برھنہ میں ہے:

وبعد از سلام فرض زود برخیزد و درنگ نکند مگر بقدر اللهم انت السلام الخ زیادہ ازین کراہت ست وبدعت۔

[2018](فتح القدیر ج ۲، ص ۳۱۴، تنویر الایمان ص ۱۷۹)

[2019](عقائد سنیہ بحث الدعاء ص ۳۷ نقلا عن فتح الباری و القسطلانی ج ۲، ص ۲۳۶؛ السیف المبیر ص ۷۰)

[2020](شامی ج ۱، ص ۱۷۰)

فتاوی ھندیہ میں ہے:

وفی الحجۃ الامام اذا فرغ من الظھر والمغرب والعشاء یشرع فی السنۃ ولا یشغل بادعیۃ طویلۃ کذا فی التاتار خانیہ (ھندیہ ج ۱ ، ص۷۷) لان الاوراد تکون بعد السنۃ لانھا بین الفرض والسنۃ مکروہ۔[2021]

علامہ ظاہر شاہ نے اپنی کتاب کے آخر میں مختلف (چند) فتاویٰ ذکر کئے ہیں۔ مفتی فضل سبحان قادری نے فتوی دے کر فرمایا نیز امام ابن ہمام وبقالی ودیگر علماء کرام حنفیہ کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن رواتب ہو اور ان فرائض کے بعد صرف اللھم انت السلام الخ فصل بین الفرائض والسنن کرنا چاہیئے اور اس تقریبی اندازہ سے زیادہ فصل خلاف اولیٰ ہے۔[2022]

حضرت علامہ مفتی ابوعیسیٰ محمد جمال الدین حلیمی صاحب نے فتوی دیتے ہوئے فرمایا: نماز فرض سنت کے درمیان تو دعا نہیں بلکہ ایک ثناء ہے اللھم انت السلام الخ اس سے زیادہ دعا اوراد مکروہ ہیں۔[2023]

مفتی حاجی محمد انور قادری فرماتے ہیں فرض کے بعد سوائے اللھم انت السلام الخ کے تاخیر کرنا ساتھ اوراد ودعاؤں کے مکروہ ہے۔ چونکہ سنت بعد الفرض تکمیل نماز ہے اس لئے فرض اور سنت کے درمیان فصل کرنا مکروہ ہے سوائے اللھم انت السلام کے۔ فرض نماز جس کے بعد سنت ادا کرنا ہو تو فرض اور سنتوں کے درمیان بیٹھنا یا اوراد دعائیں کرنا یا ذکر میں مشغول ہونا سب مکروہ ہے۔ شامی، مراقی الفلاح، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے کہ فرائض اور سنن کے

[2021] (اطفاء الفتن ص۷)۔ (دعابعدالسنن والنوافل ص ۱۴ ، ۱۳)

[2022] (فتوی دار العلوم قادریہ، مردان ۱۳ جنوری، ۱۹۸۱ء)

[2023] (شامی ج ۱ ، ص۴۷۷، مراقی ص ۱۷۰ ، فتاوی برھنہ وغیرہ) (فتوی مرکزی دار العلوم جامعہ چشتیہ کرانی شریف کوئٹہ بلوچستان)

درمیان تاخیر کرنا مکروہ ہے۔ (فتوی مکتبہ اسلامیہ دار العلوم ربانیہ شیدو) علامہ مفتی غریب اللہ صاحب فتوی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال صاحب خلاصة الفتاوی بعد الفریضة الاشتغال بالسنة اولی من الاشتغال بالدعاء ج ۱، ص ۹۵۔ وفی الاشباہ والنظائر والاشتغال بالسنة عقب الفرض افضل من الدعاء ص ۱۲۷۔

(فتوی مدرسہ مجددیہ مانکی تحصیل صوابی) علامہ مفتی عبد السبحان قادری فرماتے ہیں:

عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی هو عقب الفراغ اه۔[2024]

قوله لیس بدعاء الخ۔

یعنی فرض کے بعد جو اللهم انت السلام الخ پڑھا جاتا ہے یہ دعا نہیں بلکہ ثناء ہے۔

علامہ مفتی اعظم صوبہ سرحد مولانا شائستہ گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتبر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ:

اللهم انت السلام الخ لیس بدعاء بل ثناء وقوله حَیِّنَا الخ لا اصل له بل مختلق بعض الناس۔[2025]

اسی وجہ سے مسلم وترمذی ومشکوٰۃ وغیرھا نے اس حدیث کو باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں نقل کئے ہیں۔ لہٰذا اللهم انت السلام کے پڑھنے کے ساتھ دعا بمعنی سوال کا طرز عمل (ہاتھ اٹھانا) غلط حرکت ہے اور حدیث مذکور میں دعا بمعنی سوال نہیں ہے۔[2026]

[2024] (بحر الرائق صفة الصلوة ج ۱، ص ۲۲۱۔ (فتوی دار العلوم قادریه سبحانیه، کراچی) (دعا بعد السنن والنوافل ظاهر شاه میاں قادری)

[2025] (القصاص) شرح المشکوٰۃ ثم طحطاوی ص ۱۸۶، شرح القاری لمسند الامام اعظم ص ۲۰۶، واشعة اللمعات باب الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۴۴۸ وفتح القدیر نوافل ج ۱، ص ۱۸۶ وغیرها)

[2026] (کراهة الدعاء بین الفرض والسنة ص ۶)

علامہ حمد اللہ صاحب دیوبندی فرماتے ہیں:

قال الفقہاء ان اللھم انت السلام کما ھو وارد فی الاحادیث لیس بدعاء بل ذکر کما قال العلامۃ الطحطاوی فی شرح المراقی ص ۱۷۱ قولہ والدعاء ھذا لا ینافی الاتیان باللھم انت السلام او لانہ لیس بالدعاء بل ثناء۔

آگے فرماتے ہیں:

فعلم من ھذا الکلام ان انت السلام کما ھو الماثور فی الروایات لیس بدعاء۔[2027]

علامہ محمد فاضل عتیق فرماتے ہیں کہ آج کل جو حضرات فرض نماز کے بعد متصل ہاتھ اٹھا کر اللھم انت السلام الخ پڑھتے ہیں اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں: ان ھم الا یخرصون۔ کیونکہ مذکورہ کلمات دعا نہیں: کقولہ لانہ لیس بدعاء بل ثناء، طحطاوی ص ۱۷۱۔

انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

ان ادعیۃ النبی ﷺ قد اخذت مأخذ الاذکار ولیس فی الاذکار رفع الایدی۔[2028]

مولوی یوسف بنوری لکھتے ہیں:

ھو فی تعلیقاتہ علی الآثار واکثر ما جاءت الادعیۃ بعد المکتوبۃ فھی علی شان الاذکار لا سوالات الحاجات۔[2029]

خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہما فرماتے ہیں:

نماز کے بعد جو اذکار طویلہ احادیث میں وارد ہیں وہ ظہر و مغرب وعشاء میں سنتوں کے بعد پڑھے جائیں قبل سنت مختصر دعا پر قناعت چاہیے ورنہ سنتوں کا ثواب کم ہو جائے گا۔[2030]

[2027] (البصائر ص ۱۲۲)

[2028] (فیض الباری ج ۲، ص ۴۳۱)

[2029] (معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۴)۔(مخزن الدلائل ص ۸۵، ۸۴)

[2030] (ردالمحتار، بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)

تنبیہ احادیث میں کسی دعا کی نسبت جو تعداد وارد ہے اس سے کم زیادہ نہ کریں کہ جو فضائل ان اذکار کیلئے ہیں وہ اسی عدد کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں کم وزیادہ کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی قفل (تالا) کسی خاص قسم کی کنجی سے کھلتا ہے اب اگر کنجی میں دندانے کم یا زیادہ کر دیں تو اس سے نہ کھلے۔[2031]

مذکورہ تنبیہ سے صاف ظاہر ہوا کہ جو اوراد ووظائف جیسے اور جتنی تعداد میں منقول ہیں اسی طرح ادا کیا جائے تو فرض نماز جس کے بعد سنن ہو اس کے بعد جتنی قدر ثناء منقول ہے وہی پڑھنا چاہئے کما مر۔ اسی طرح فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ جن فرائض کے بعد سنت ہیں ان کے بعد لمبی دعا کرنا مکروہ ہے۔[2032]

حضرت علامہ مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمہ مفتی دار العلوم امجدیہ وقار الفتاویٰ میں فرماتے ہیں جن فرضوں کے بعد سنت مؤکدہ ہیں ان کے بعد صرف اللھم انت السلام تا یا ذا الجلال والاکرام یا اس کے برابر کوئی اور دعا مانگے اس سے زیادہ لمبی دعا نہیں کرنی چاہئے۔ اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد جتنی چاہے لمبی دعا مانگیں مگر اتنا طول نہ دیں کہ نمازیوں پر شاق گزرے۔[2033]

[2031](بہارِ شریعت ص ۷۵، حصہ سوم)
[2032](فتاوی دار العلوم دیوبند)
[2033](وقار الفتاوی، ص ۱۲۲، ج ۲)

مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان کے بعد مختصر دعا کرنی چاہئے۔ لہٰذا جو حضرات مفتی وقار الدین قدس سرہ کے معتقدین ہیں، انہیں چاہئے کہ طویل دعا کرنا چھوڑ دیں اور مختصر دعا مانگیں۔ اللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔

۸ شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ بمطابق ۲۸ فروری ۲۰۲۳

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالی علیہ